

# فیوض التَّضْوِیۃ فِی تشریحات الحلیۃ

المُعَرَّب

## شرح حدیث

فقہ حنفی کی عظیم معرکہ آرا کا کتاب  
کی جامع و مستند اور شرح

کتاب  
العنق

باب اللعان  
العدد

تصنیف

امام ابوالحسن علی بن ابی بکر بن عبد اللہ بن ابی طالب

ترجمہ و شرح

علامہ محمد ریاض علی ضوی



وہ جسے چاہے سید راہ کی ہدایت فرماتا ہے

فقہ حنفی کی عظیم معرکہ آرا کتاب کی جامع و مستند اور شرح

فیوضات الرضویہ فی تشریحات الحدیث

المعروف

جلد ہفتم

# شرح حدیث

کتاب العتاق

باب اللعان، العدة

ترجمہ شیخ

علامہ محمد زلیقشت علی ضوی

استاذ الفقه، جامعہ شہابیتہ، احمدیہ لاہور

تصنیف

امام ابو الحسن علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل القفانی

زبیہ سنٹر ۴۰، اردو بازار لاہور

فون: 042-37246006

شبیر برادرز





الہدیٰ ذلک ما فیہ من النکاح

جملہ حقوق ملکیت بحق ناشر محفوظ ہیں

ترتیب

باہتمام ملک شیریں

سن اشاعت 2012ء رمضان المبارک 1433ھ

طابع اشتیاق اے مشتاق پرنٹر لاہور

کمپننگ ورڈز میکر

سرورق اے ایف ایس اینڈ وٹاؤٹس  
0322-7202212

قیمت -/- روپے



ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کر دی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

فیوضات رضویہ (جلد ہفتم)

﴿۳﴾

تشریحات ہدایہ

ترتیب

۲۱	حکم لعان کے نزول کا بیان	۱۳	مقدمہ رضویہ
۲۳	لعان کے حکم کا بیان	۱۳	حضرت امام اعظم اور صاحبین میں اختلاف کے اسباب
۲۳	لعان کے بنیادی اصول کا فقہی بیان	۱۳	امام صاحب اور آپ کے تلامذہ میں اختلاف کی وجہ
۲۵	دور نبوی ﷺ میں طلاق طلاق کا نفاذ	۱۳	حضرت امام اعظم (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے اختلاف روایت کی وجوہات
۲۸	لعان کا کنایہ واستعارہ سے عدم ثبوت کا بیان	۱۳	خلافت فاروقی میں تدوین فقہ
۲۸	لعان کے قسم سے پہلو جی کرنے میں مذاہب اربعہ	۱۵	فقہ کی تاریخی اہمیت کا بیان
۲۸	اقرار سے ثبوت حد اور مسودہ کی جعل سازی	۱۵	مسائل فقہ کی اشاعت کا اہتمام
۲۹	تفریق لعان میں فقہی مذاہب اربعہ	۱۵	مسائل فقہیہ میں اجماع
۲۹	میں عورت کا مطالبہ کرنا شرط ہے	۱۶	مسائل فقہیہ میں اجماع
۳۰	لعان کی شرائط کا فقہی بیان	۱۶	فقہ کی تعلیم کا انتظام
۳۱	شوہر کے قلام کا فریاد محدود فی تلافی ہونے کا حکم	۱۷	فقہاء کی تحفہ ہیں
۳۳	بیوی کے کنیز کا فریاد محدود فی تلافی ہونے کا حکم	۱۸	معلمین فقہ کی رفعت شان
۳۳	وہ چار عورتیں جن سے لعان نہیں ہوتا	۱۸	ہر شخص فقہ کی تعلیم کا مجاز نہ تھا
۳۳	محدود تلافی ہونے والے کی شہادت میں مذاہب اربعہ	۱۸	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسائل فقہیہ کی تعداد
۳۳	شرائط لعان شوافع و احناف کا اختلاف	۱۸	مذاہب اربعہ کی تدوین کے زمینی قرائن
۳۵	لعان کرنے کے طریقے کا بیان	۱۹	فقہائے کوفہ اور فقہ حنفی کی اساس
۳۶	لعان کا طریقہ اور فقہی تصریحات	۲۰	امام ترمذی کی فقاہت اور فقہ حنفی
۳۹	لعان کے بعد تفریق کا بیان	۲۰	امام ترمذی کے قول بعض اہل علم سے مراد
۴۱	لعان کی صورت میں میاں بیوی کے درمیان تفریق کا مسئلہ		
۴۲	لعان کے حکم کا فقہی بیان		
۴۲	بیچ کی نفی کی صورت میں لعان کا طریقہ		
۴۳	بیچ کے انکار کی صورت میں ثبوت لعان کا فقہی بیان		

باب البیان

۲۱	باب لعان کی فقہی مطابقت کا بیان
۲۱	لعان کے فقہی مفہوم کا بیان



۲۳	تہمت زنا سے ثبوت لہان کا بیان
۳۴	عورت نابالغ یا مجنون ہو تو لہان کا حکم
۳۵	شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں
۳۶	حمل کی نفی پر لہان کرنے کا بیان
۳۷	حالت حمل کے لہان میں فقہی مذاہب اربعہ
۳۸	دعویٰ نسب میں بچے کی نفی کا اقرار
	<b>باب العینین وغیرہ</b>
۵۱	باب عینین کی فقہی مطابقت کا بیان
۵۱	عینین کا فقہی مفہوم
۵۱	عینین کو دی جانے والی مہلت کا بیان
۵۲	عینین کیلئے مدت سال میں فقہی تصریحات
۵۲	مہلت کے بعد عدم قدرت پر ہونے والی علیحدگی کا حکم
۵۳	عینین اور اس کی بیوی کے احکام
۵۵	عینین کیلئے شرعی مہلت کا بیان
۵۶	مہلت میں قمری سال کا اعتبار ہوگا
۵۶	بیوی میں عیب ہو تو شوہر کو فسخ کا اختیار نہیں ہوگا
۵۷	پیدا ہونے کے سبب فسخ نکاح میں مذاہب اربعہ
۵۸	بیماریوں سے پناہ طلب کرنے کا بیان
۵۹	فسخ نکاح کے ذرائع و اسباب
۶۰	باپ و دادا کے کیے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ پر مذاہب اربعہ
۶۱	شوہر کے کن عیب کی دلیل سے عورت کو علیحدگی کا اختیار ہوگا
۶۲	جذام سے بچنے کے فقہی مفہوم میں احادیث
۶۳	بیماری اثر کرنے لگنے میں فقہی تصریحات
	<b>باب النجدة</b>
۶۷	عدت کے باب کی فقہی مطابقت کا بیان
۶۷	عدت کا لغوی و فقہی مفہوم
۶۸	عدت کے مقاصد کا بیان
۶۸	عدت کی حکمت کا بیان
۶۹	عدت کی مدت کا بیان
۶۹	عدت کی ابتدائی وقت کا بیان
۷۰	آزاد عورت کی عدت تین حیض ہے
۷۰	قرحہ کی مراد میں فقہی مذاہب اربعہ
۷۲	قرحہ سے مراد طہر میں فقہاء شوافع کا استدلال
۷۳	قرحہ سے مراد کیا ہے؟
۷۳	حاملہ و غیر حاملہ کا عین حیض سے ہوتا ہے
	فقہاء شوافع چنانچہ سے قرحہ کے معنی میں فقہاء احناف کی
۷۵	ترجیح کا بیان
	اگر عورت کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت مہینے کے اعتبار
۷۶	سے ہوگی
۷۶	آنکھ کی عدت میں فقہی تصریحات
۷۸	آنکھ کی عدت میں فقہی مذاہب اربعہ
۷۹	حاملہ عورت کی عدت کا اختتام وضع حمل پہ ہوگا
۸۰	حاملہ کی عدت و نکاح ثانی میں مذاہب فقہاء
۸۲	باندی کی عدت میں مذاہب فقہاء
۸۳	وضع حمل سے اختتام عدت کا بیان
۸۳	بیوہ عورت کی عدت کا بیان
۸۳	دور جاہلیت کی عدت و وفات کے منسوخ ہونے کا بیان
۸۶	باندی کی عدت و وفات میں فقہی مذاہب اربعہ
۸۷	حاملہ بیوہ عورت کی عدت کا بیان
۸۸	حاملہ بیوہ کی عدت میں مذاہب فقہاء
۸۹	مطلقہ عورت بیوہ ہو جائے تو اس کی عدت کا حکم
۹۰	عدت طلاق و عدت وفات کے صحیح ہونے کا بیان
	اگر مرد کو مرد ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا جائے تو اس کی بیوی
۹۱	کی عدت کا حکم
۹۲	ارتداد سے فسخ نکاح میں مذاہب اربعہ
	آنکھ عورت اگر خون دیکھ لے تو اس کی عدت نئے سرے سے

۹۳	شروع ہوگی
	دوران حمل جاری ہونے والے خون کی صورت میں عدت
۹۴	کا بیان
۹۵	پاک یا حائل کی حالت میں طلاق کی اباحت کا بیان
۹۷	فاسد نکاح کی منکوحہ یا موطوءہ پر شبہ کی عدت کا حکم
۹۸	ام ولد کی تین حیض عدت کا بیان
۹۹	نابالغ شخص کی حاملہ بیوہ کی عدت کا حکم
۱۰۱	شوہر کی وفات کے بعد بڑی عمر کی بیوہ کے حاملہ ہونے کا حکم
۱۰۲	جس حیض میں عورت کو طلاق ہوئی وہ عدت میں شامل نہیں ہوگا
۱۰۳	حیاض طلاق کو طہار طلاق پر قیاس نہ کرنے کا فقہی بیان
۱۰۳	دو عدتوں میں تداعیل کا فقہی بیان
۱۰۴	دو عدتوں میں مداخلت و عدم مداخلت کا فقہی بیان
۱۰۶	عقب طلاق عدت کے آغاز کا بیان
۱۰۷	وقت عدت کے شروع ہونے کا فقہی بیان
۱۰۹	تخم ہونے میں عورت کے قول کے اعتبار کا بیان
۱۱۰	اختتام عدت میں عورت پر تخم ہونے کا اعتبار
۱۱۲	غیر مسلم عورت پر عدت لازم نہیں ہوتی
۱۱۳	مہاجر عورتوں کے نکاح و فسخ نکاح میں فقہی تصریحات
۱۱۵	میدان جنگ سے قبضہ میں آنے والی عورتیں
۱۱۸	اہل غلوہر کے نزدیک مقتودہ شوہر عورت کی عدت کا بیان
۱۱۸	استیصال کی صورت میں حاملہ کی عدت کا بیان
۱۲۰	<b>فصل:</b> یہ فصل عورت کے سوگ کے بیان میں ہے
۱۲۰	فصل سوگ کی فقہی مطابقت کا بیان
۱۲۰	سوگ کا فقہی مفہوم
۱۲۱	بیوہ اور مطلقہ پر سوگ کرنا لازم ہے
۱۲۳	مذکر کی وجہ سے سوگ والی عورت حمل لگا سکتی ہے
۱۲۳	عدت والی عورت کیلئے تیل استعمال کرنے میں مذاہب اربعہ
۱۲۵	سوگ کے مسائل میں فقہی مذاہب
	سوگ کے فقہی احکام و مسائل
۱۲۷	کافر عورت پر سوگ کرنا لازم نہیں
۱۲۸	عدت گزارنے والی عورت کو نکاح کا بیہوش نہیں دیا جاسکتا
۱۲۹	حالت عدت میں نکاح کی ممانعت میں فقہی بیان
۱۳۰	معتذرہ سے بطور اشارہ کلام کرنے کا بیان
۱۳۰	طلاق یافتہ عورت گھر سے باہر نہیں نکل سکتی
۱۳۳	معتذرہ کے انتقال مکان میں فقہی مذاہب
۱۳۳	عدت گزارنے والی عورت اپنے گھر میں قیامت پڑے گی
۱۳۵	دوران عدت ازواج کو ٹھہرانے کا بیان
۱۳۶	عدت و وفات میں اسی گھر میں رہنے پر مذاہب اربعہ
۱۳۷	عدت کے دوران میاں بیوی کے درمیان پردے کا بیان
۱۳۸	عدت ہائے عیال میں زوجین مثل اجنبی ہیں
۱۳۸	اگر سفر کے دوران عورت مطلقہ یا بیوہ ہو جائے؟
۱۴۰	صاحبین کی دلیل اور اس کے جواب کا بیان
۱۴۰	حرمت سفر سب محرم کے محرم ہونے کا بیان
۱۴۱	دور جاہلیت کے نکاح و عدت کے احکام
۱۴۲	زوجین کے اختلاف دار کے سبب احوال
	مسلم شوہر کی اہل کتاب ازواج کے نکاح میں رہنے پر فقہی
۱۴۲	مذاہب اربعہ
۱۴۵	خاوند کے عدم قبول اسلام پر تفریق میں مذاہب اربعہ
۱۴۶	اختلاف دارین کے سبب فسخ نکاح میں مذاہب اربعہ
۱۴۸	ارتداد سے فسخ نکاح میں مذاہب اربعہ
	<b>باب ثبوت النسب</b>
۱۵۰	یہ باب ثبوت نسب کے بیان میں ہے
۱۵۰	باب ثبوت نسب کی فقہی مطابقت کا بیان
۱۵۰	نسب بدلنے والے کیلئے وعید کا بیان
۱۵۰	قیامت کے دن باپ کے نام سے پکارا جائے گا
۱۵۱	قیامت کے ماں یا باپ کے نام سے پکارنے میں بحث و نظر



- ۱۵۶..... ثبوت نسب سے متعلق فقہی احکام
- ۱۵۸..... حتی الامکان نسب کی حفاظت میں شرعی تحفظ
- ۱۵۸..... مطلقہ بنہ کے بچے کا نسب ثابت ہوگا
- ۱۶۰..... امام ترمذی کے قول بعض اہل علم سے مراد
- ۱۶۰..... دو سال گزرنے کے بعد ثبوت نسب کا بیان
- ۱۶۲..... بیوہ عورت کے بچے کا نسب کب ثابت ہوگا؟
- ۱۶۳..... ثبوت نسب میں مدت حمل کا فقہی بیان
- ۱۶۳..... نابالغہ مطلقہ کے بچے کے ثبوت نسب کا بیان
- ۱۶۳..... عدت ختم ہونے کا اقرار کرنے کے بعد بچے کی پیدائش کا حکم
- ۱۶۴..... جب جموٹ یقین سے ثابت ہو جائے قاعدہ فقہیہ
- ۱۶۵..... عدت گزارنے والی عورت کے ہاں بچے کی پیدائش کا ثبوت
- ۱۶۶..... عدت وفات میں پیدا ہونے والے بچے میں ورثاء کی تصدیق
- ۱۶۷..... شادی کے بعد چھ ماہ سے پہلے بچے کی پیدائش کا حکم
- ۱۶۸..... ثبوت نسب میں ایک عورت کی شہادت
- ۱۶۹..... ولد زنا کے عدم نسب میں فقہاء کرام کے اقوال
- ۱۷۰..... چھ ماہ کے بچے کے نسب ابی الوالد کا بیان
- ۱۷۱..... لعان وحلف میں فقہی اختلاف کا بیان
- ۱۷۱..... بچے کی پیدائش کے ساتھ طلاق شرط کرنے کا حکم
- ۱۷۳..... وہ مسائل جن میں صرف عورت ہی کی گواہی معتبر ہے
- ۱۷۳..... ولادت اور بچے کے رونے پر گواہی
- ۱۷۳..... رضاعت پر عورت کی گواہی کا بیان
- ۱۷۴..... ماہواری پر عورت کی گواہی کا بیان
- ۱۷۴..... متعلق ولادت سے متعلق طلاق احاطہ کا اختلاف
- ۱۷۵..... گواہی کیلئے شرائط کا فقہی بیان
- ۱۷۶..... عورت کیلئے دو کے عدد میں حکمت و علت
- ۱۷۶..... حمل کی زیادہ سے زیادہ اور کم از کم مدت کا بیان
- ۱۷۷..... حمل کی مدت کا فقہی بیان
- ۱۷۷..... کنیز کے ساتھ شادی کر کے اسے خریدنے اس کے ہاں بچے
- ۱۷۹..... کی پیدائش کا حکم
- ۱۸۰..... باندی کے بچے کا نسب اقرار سے ثابت ہونے کا بیان
- ۱۸۱..... کسی بچے کے اولاد ہونے کے اقرار کا حکم
- ۱۸۲..... میرا بیٹا کہنے سے ثبوت نسب کا بیان
- بَابُ الْوَلَدِ مَنْ أَحَقُّ بِهِ**
- ۱۸۳..... کنیز پرورش بچہ کے حقدار کے بیان میں ہے
- ۱۸۳..... باب بچے کی پرورش کے حق کی فقہی مطابقت کا بیان
- ۱۸۳..... حضانت کا فقہی مفہوم
- ۱۸۳..... حق حضانت کے ثبوت شرعی کا بیان
- ۱۸۴..... پرورش کیلئے شرائط کا بیان
- ۱۸۵..... بچے کی پرورش کی زیادہ حقدار ماں ہوگی
- ۱۸۷..... حق حضانت میں حرمانی ترتیب کا بیان
- ۱۸۸..... حق حضانت میں والدہ کے استحقاق کا بیان
- ۱۸۹..... حق حضانت کا ماں کی طرف ہونے میں قاعدہ فقہیہ
- ۱۹۰..... بچے کو کب اختیار دیا جائے
- ۱۹۰..... اگر خاتون عزیز موجود نہ ہو تو کون سا مرد پرورش کا حقدار ہوگا
- ۱۹۱..... حق حضانت کے بعد بچے کے رہنے میں فقہی مذاہب
- ۱۹۱..... بچے کی پرورش کا حق کب تک برقرار رہے گا؟
- ۱۹۳..... حق پرورش میں عرفی احوال سے متعلق فقہی بیان
- ۱۹۳..... کنیز اور ام ولد آزاد ہونے پر بچے کی پرورش کی حقدار ہوں گی
- ۱۹۶..... بچے کے حق حفاظت میں مذاہب اربعہ
- ۱۹۷..... کافر کیلئے حق پرورش نہ ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ
- فَصْلٌ: بچہ کی فصل مطلقہ کا بچے کو شہر سے باہر لے جانے**
- ۱۹۸..... کے بیان میں ہے
- ۱۹۸..... فصل خروج الولد الی القریٰ کی فقہی مطابقت
- ۱۹۸..... طلاق یافتہ عورت اپنے بچے کو شہر سے باہر لے جاسکتی ہے؟
- ۱۹۸..... قرہی شہر میں حق حضانت والے کے رہنے میں مذاہب اربعہ
- ۱۹۹..... حضانت والے بچے کی مسافت کا بیان

- ۱۹۹..... دو شہر دس کے درمیان کتنا فاصلہ معتبر ہوگا؟
- بَابُ النِّفَقَةِ**
- ۲۰۲..... باب نفقہ کی فقہی مطابقت کا بیان
- ۲۰۲..... نفقہ کا لغوی و فقہی مفہوم
- ۲۰۲..... بیوی کے نفقہ کے احکام و مسائل کا بیان
- ۲۰۵..... بیوی کا خرچ شوہر پر لازم ہونے کا بیان
- ۲۰۷..... نفقہ ولد کے والد پر ہونے میں شرعی بیان
- ۲۰۷..... بیوی اور اولاد کا بقدر ضرورت نفقہ خاوند پر واجب ہے
- ۲۰۸..... وجوب نفقہ میں فقہی مذاہب کا بیان
- ۲۰۹..... مطلقہ عورت کے نفقہ میں مذاہب اربعہ
- ۲۱۰..... نفقہ ولد کا باپ پر ہونے میں اہل علم کا اجماع
- ۲۱۱..... کس صورت میں عورت کو خرچ ملے گا؟
- ۲۱۳..... نابالغ بیوی کے نفقہ کا بیان
- ۲۱۵..... گزرے ہوئے دنوں کا نفقہ
- ۲۱۶..... نابالغ شوہر کی بالغ بیوی کے نفقہ کا بیان
- ۲۱۶..... حق تسلیم کے سبب نفقہ ہونے کا بیان
- ۲۱۷..... محبوس زوجہ کے نفقہ کا بیان
- ۲۱۸..... قید ہونے کی بیوی کا سقوط نفقہ کا فقہی بیان
- ۲۱۸..... حالت قید کے سبب حالت احتباس کے ختم ہونے کا بیان
- ۲۲۰..... خوشحال شوہر پر بیوی کے خادم کا خرچ بھی لازم ہوگا
- ۲۲۱..... نفقہ میں اصل عسر و دیر ہونے کا قاعدہ فقہیہ
- ۲۲۲..... نفقہ کی تعریف
- ۲۲۲..... اعطاء
- ۲۲۲..... طلاق رجعی و بائنہ کے بعد بھی نفقہ
- ۲۲۲..... تنگدست شخص کے ذمے بیوی کا خرچ قرض ہوگا
- ۲۲۳..... ناداری نفقہ کے سبب عدم تفریق کا بیان
- ۲۲۳..... اگر کچھ عرصہ شوہر بیوی کو خرچ نہ دے؟
- ۲۲۶..... عدم دعویٰ کے سبب سقوط نفقہ کا بیان
- ۲۲۶..... بیوی کا خرچ بیٹگی دینے کا حکم
- ۲۲۷..... تعین نفقہ کا فقہی مفہوم
- ۲۲۸..... شوہر غلام ہو تو بیوی کا خرچ اس کے ذمے قرض ہوگا
- ۲۲۹..... اکمال نفقہ میں بیع عہد کا بیان
- ۲۲۹..... عدم نفقہ پر رضامندی سے حق تسلیم کے عدم سقوط کا بیان
- فَصْلٌ: بچہ کی فصل بیوی کو رہائش فراہم کرنے کے بیان**
- ۲۳۰..... میں ہے
- ۲۳۰..... نفقہ واجب ہونے کے تین سبب ہیں:
- ۲۳۰..... نفقہ زوجہ میں فقہی تصریحات
- ۲۳۱..... بیوی کو الگ رہائش فراہم کرنے کا بیان
- ۲۳۳..... بیوی کو نفقہ سکونت فراہم کرنے میں فقہی تصریحات
- ۲۳۵..... صرف بیوی کے خاص حقوق
- ۲۳۵..... مالی حقوق کا بیان
- ۲۳۶..... بیوی کے نفقہ کے وجوب کی حکمت
- ۲۳۶..... نان و نفقہ کا مقدمہ
- ۲۳۶..... ملت نبویہ میں سے دلائل
- ۲۳۷..... سکنی یعنی رہائش کا بیان
- ۲۳۷..... بیویوں کے درمیان عدل و انصاف:
- ۲۳۷..... حسن معاشرت:
- ۲۳۸..... بیوی کو تکلیف سے دوچار نہ کرنا
- ۲۳۹..... بیوی پر خاوند کے حقوق
- ۲۳۹..... اطاعت کا وجوب
- ۲۳۹..... خاوند کے لیے استیضاح ممکن بنانا
- ۲۴۰..... خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلنا
- ۲۴۱..... تادیب کے جواز پر دلائل
- ۲۴۱..... عورت کا اپنا آپ خاوند کے سپرد کرنا:
- ۲۴۲..... بیوی کی اپنے خاوند سے حسن معاشرت:
- ۲۴۲..... موجود شوہر کے مال میں سے بیوی کے خرچ کی ادائیگی کا حکم

- شوہر کے مال سے قاضی کے نفقہ دلوانے کا بیان ..... ۲۴۶
- اہل و عیال پر خرچ کرنے کی فضیلت کا بیان ..... ۲۴۶
- فصل :** یہ فصل مطلقہ کیلئے نفقہ و سکنہ فراہم کرنے کے بیان میں ہے ..... ۲۴۸
- فصل نفقہ و سکنہ کی فقہی مطابقت کا بیان ..... ۲۴۸
- طلاق یافتہ عورت کو خرچ اور رہائش فراہم کرنا ..... ۲۴۸
- طلاق رجعی میں نفقہ و سکنہ کی ذمہ داری میں فقہی مذاہب ..... ۲۵۱
- بیوہ عورت کیلئے نفقہ نہ ہونے کا بیان ..... ۲۵۳
- بیوہ کے نان و نفقہ میں فقہی مذاہب اربعہ ..... ۲۵۵
- اگر مطلقہ عورت مرتد ہو جائے تو اس کا خرچ ساتھ ہو جائے گا ..... ۲۵۶
- عدت و نفقات میں نفقہ نہ ہونے کا بیان ..... ۲۵۷
- فصل :** یہ فصل اولاد کے خرچ کے بیان میں ہے ..... ۲۵۹
- فصل اولاد پر خرچ کی فقہی مطابقت کا بیان ..... ۲۵۹
- قرآن مجید سے نفقہ اولاد کے دلائل کا بیان ..... ۲۵۹
- احادیث کے مطابق نفقہ اولاد کے دلائل کا بیان ..... ۲۵۹
- نابالغ اولاد کا خرچ صرف باپ پر لازم ہوگا ..... ۲۶۱
- اولاد کے نفقہ کے احکام و مسائل ..... ۲۶۲
- بچے کو دودھ پلانا ماں کا اخلاقی فرض ہے ..... ۲۶۳
- فصل :** یہ فصل آباؤ اجداد اور خدام کے خرچ کے بیان میں ہے ..... ۲۶۹
- والدین کے خرچ والی فصل کی فقہی مطابقت کا بیان ..... ۲۶۹
- والدین کی خدمت و نفقہ میں احادیث کا بیان ..... ۲۶۹
- تکفیر مت مال باپ اور آباؤ اجداد کا خرچ انسان پر لازم ہے ..... ۲۷۱
- والدین کے نفقہ کے احکام و مسائل ..... ۲۷۲
- زوی الارحام کے نفقہ کے احکام و مسائل ..... ۲۷۲
- مسلمان پر غیر مسلم بھائی کا خرچ لازم نہیں ہوگا ..... ۲۷۳
- بچے کے مال کی نسبت باپ کی طرف کرنے کا بیان ..... ۲۷۵
- تکفیر مت محرم رشتے دار کے خرچ کا حکم ..... ۲۷۷
- تکفیر مت رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی فضیلت کا بیان ..... ۲۷۸
- حاصل مطلقہ کے نفقہ و رہائش کا بیان ..... ۲۸۰
- بالغ بیٹی اور پانچ بالغ بیٹے کے خرچ کا حکم ..... ۲۸۲
- نابالغ اولاد پر وجوب نفقہ کا بیان ..... ۲۸۳
- اصول و فروع کے نفقہ کا فقہی بیان ..... ۲۸۴
- غیر موجود بیٹے کے مال میں سے والدین کو خرچ فراہم کرنا ..... ۲۸۵
- قاضی کے فیصلے کے باوجود خرچ نہ ملنے کا حکم ..... ۲۸۸
- فصل :** یہ فصل غلام و باندی کے نفقہ کے بیان میں ہے ..... ۲۹۰
- فصل نفقہ غلام و باندی کی فقہی مطابقت کا بیان ..... ۲۹۰
- غلام و باندی کے نفقہ کے ثبوت کا بیان ..... ۲۹۰
- آقا پر اپنی کنیز اور غلام کا خرچ لازم ہے ..... ۲۹۱
- دین و خلقت میں غلاموں کی مماثلت کا بیان ..... ۲۹۲
- باندی اور غلام کے نفقہ کے احکام و مسائل ..... ۲۹۳
- غلام و باندی کا نفقہ روکنے والے کیلئے وعید کا بیان ..... ۲۹۴
- مذہب حنفی پر غیر مقلدین کا اعتراض و جواب ..... ۲۹۴

## کتاب العتاق

- کتاب العتاق کی فقہی مطابقت کا بیان ..... ۲۹۵
- عتاق کا لغوی و شرعی مفہوم ..... ۲۹۵
- عتاق کے اسباب کا بیان ..... ۲۹۵
- قرآن کے مطابق غلاموں کو آزاد کرنے کا بیان ..... ۲۹۶
- احادیث کے مطابق غلاموں کو آزاد کرنے کا بیان ..... ۲۹۶
- غلامی کی ابتداء و تاریخی تجزیہ ..... ۲۹۸
- امیران جنگ کو قتل نہ کرنے کا بیان ..... ۲۹۸
- امیران جنگ کو کھانا کھلانا اور ان کے آرام و آسائش کا سامان ..... ۲۹۸
- بیم بچھانا ..... ۲۹۸
- شاہی خاندان کے امیران جنگ کے ساتھ برتاو ..... ۲۹۹
- امیران جنگ کو اعزہ و اقارب سے جدا نہ کرنا ..... ۲۹۹
- یوں کے ساتھ استبراء کے بغیر جماع کرنا ..... ۲۹۹

- غلاموں کی آزادی ..... ۳۰۰
- عرب کا غلام نہ بنانا ..... ۳۰۳
- غلاموں کو مکاتب بنانے کا بیان ..... ۳۰۴
- امیران جنگ سے اعزہ و اقارب کو جدا نہ کرنا ..... ۳۰۴
- غلاموں کے وظیفے ..... ۳۰۴
- غلاموں کو تعلیم دینے کا بیان ..... ۳۰۵
- غلاموں کو امان دینے کا حق دینا ..... ۳۰۵
- غلاموں کی عزت و آبرو کی حفاظت ..... ۳۰۶
- حقوق میں مساوات ..... ۳۰۶
- اعتاق کے مندوب تصرف کا بیان ..... ۳۰۶
- غلام کی آزادی اعضاء کو جہنم سے بچانے والی ہے ..... ۳۰۷
- غلام کو آزاد کرنے کی فضیلت میں احادیث و آثار ..... ۳۰۸
- غلاموں کے حقوق میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیمات ..... ۳۰۹
- آزادی غلام کی شرعی حیثیت کا بیان ..... ۳۱۰
- غلام کی آزادی کے وجوب کا بیان ..... ۳۱۰
- غلام کی آزادی میں استحباب کا بیان ..... ۳۱۰
- غلام کی آزادی میں اباحت کا بیان ..... ۳۱۱
- غلام کی آزادی کے کفر ہونے کا بیان ..... ۳۱۱
- غلام و باندی کے اعتاق میں الفاظ کی صراحت کا بیان ..... ۳۱۱
- مرتب محتاج نیت نہیں ہوتا قاعدہ فقہیہ ..... ۳۱۲
- صراحت کے مقابلے میں دلالت کا اعتبار نہیں قاعدہ فقہیہ ..... ۳۱۲
- اگر صراحت معدوم ہو تو دلالت معتبر ہوگی ..... ۳۱۳
- غلام کے اعضاء کو پکار کر آزاد کرنے کا بیان ..... ۳۱۳
- آقا کے عدم ملکیت اظہار کرنے کا بیان ..... ۳۱۴
- غلام کی آزادی میں صریح الفاظ کا فقہی بیان ..... ۳۱۵
- جب احتمال آجائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے قاعدہ فقہیہ ..... ۳۱۶
- ۱۔ حد قرآن کا نصاب ..... ۳۱۶
- ۲۔ حد قذف ..... ۳۱۶
- غلام کو اپنا بیٹا قرار دینے کا بیان ..... ۳۱۷
- قاعدہ حقیقت و مجاز کو ایک جگہ جمع نہیں کیا جائے گا ..... ۳۱۸
- قاعدہ کلام میں اصل میں حقیقت ہے۔ (الاشباہ) ..... ۳۱۸
- معنی مجازی کے سقوط کے بیان میں قاعدہ فقہیہ ..... ۳۱۸
- آقا کا غلام کو آقا کہنے کا بیان ..... ۳۱۹
- آقا کا غلام کو بھائی یا بیٹا کہنے کا بیان ..... ۳۲۲
- نداء کا فقہی مفہوم ..... ۳۲۳
- مناوی: ..... ۳۲۳
- مناوی کی اقسام و اعراب مناوی کی پانچ اقسام ہیں ..... ۳۲۳
- کلام کے حقیقی معنی کے محال ہونے کا بیان ..... ۳۲۵
- غلام کو غلام کہہ کر پکارنے کی ممانعت ..... ۳۲۷
- آقا کا اپنے غلام باندی کو ماں باپ قرار دینے کا بیان ..... ۳۲۷
- قرآن سے استدلال مسائل کا فقہی بیان ..... ۳۲۸
- باندی کو مطلقہ یا باندہ کہنے کا بیان ..... ۳۲۸
- ملک بیکین ملک نکاح سے قوت میں زیادہ ہوتا ہے قاعدہ فقہیہ ..... ۳۳۰
- غلام کو آزادی کی مثل قرار دینے کا بیان ..... ۳۳۰
- استثناء اثبات میں تاکید پیدا کرنے کا قاعدہ فقہیہ ..... ۳۳۱
- فصل :** یہ فصل شرعی اختیار و اُلے اعتاق کے بیان میں ہے ..... ۳۳۲
- فصل اختیار شرعی والی آزادی کی فقہی مطابقت ..... ۳۳۲
- غلامی سے آزاد ہونے کے مذہبی و فرائع و اسباب کا بیان ..... ۳۳۲
- مذہبی بنیادوں پر غلام آزاد کرنے کے احکامات ..... ۳۳۳
- قسم توڑنے کا کفارہ ..... ۳۳۳
- ایصال ثواب کے طور پر غلام آزاد کرنا ..... ۳۳۳
- نا جائز طریقے سے طلاق دینے کا کفارہ ..... ۳۳۳
- غلطی سے کسی کو قتل کر دینے کا کفارہ ..... ۳۳۳
- روزہ توڑنے کے کفارے میں غلام آزاد کرنے کا بیان ..... ۳۳۵
- سورج گرہن پر غلاموں کی آزادی ..... ۳۳۶



- ۳۳۶ ..... قرعہ رشتے دار غلام کی آزادی کا قانون
- ۳۳۷ ..... وصیت کے ذریعے غلاموں کی آزادی کا قانون
- ۳۳۸ ..... غلام کو بلا خطا مارنے کا کفارہ
- ۳۳۹ ..... اسلام قبول کرنے والے غلاموں کی آزادی کے اقدامات
- ۳۴۰ ..... حرابی غلاموں کی آزادی کا بیان
- ۳۴۳ ..... ذی رحم ملکیت کے ملکیت رقیبت سے اعلیٰ ہونے کا بیان
- ۳۴۴ ..... ذی رحم محرم کی آزادی نقد شافعی و حنفی کے اختلاف کا بیان
- ۳۴۵ ..... مکاتب کا اپنے بھائی کو خریدنے کا بیان
- ۳۴۶ ..... اللہ کی رضا کیلئے غلام کو آزاد کرنے کا بیان
- ۳۴۷ ..... غلام کو آزاد کرنے پر گواہ بنانے کا بیان
- ۳۴۷ ..... مجبور و سرکران والے سے آزادی کا بیان
- ۳۴۸ ..... حرابی کے غلام کا مسلمان ہو کر آنے کا بیان
- ۳۴۸ ..... طوائف کے غلاموں کی آزادی کا بیان
- ۳۵۰ ..... باعری کے تابع حمل کے آزاد ہونے کا بیان
- ۳۵۰ ..... حاملہ باعری کے حمل کے تابع ہونے میں اجماع اربعہ
- ۳۵۱ ..... باعری کے حمل کو مال کے بدلے آزاد کرنے کا بیان
- ۳۵۲ ..... جنین سے متعلق مذاہب فقہاء
- ۳۵۳ ..... باعری کی اولاد کے آزاد ہونے کا بیان
- ۳۵۴ ..... باعری کے بچے کے مملوک ہونے کا بیان
- ۳۵۴ ..... غلام باپ اور کینر ماں کے بچوں کی آزادی کا فقہی بیان
- ۳۵۶ ..... آزاد عورت کے بچے کی آزادی کا بیان
- ۳۵۷ ..... تابع و متبرع کی فنی بحث کا بیان
- ۳۵۷ ..... معطوف کی تعریف
- ۳۵۷ ..... معطوف کے چند ضروری قواعد
- ۳۵۸ ..... عطف بیان کی تعریف
- ۳۵۸ ..... عطف بیان کے چند ضروری قواعد
- باب العبد یعتق بنفسه**
- ۳۵۹ ..... باب عتق بعض کی فقہی مطابقت کا بیان

- ۳۸۹ ..... مشترکہ باعری سے جماع کی ممانعت میں مذاہب اربعہ
- ۳۸۹ ..... دو مالکوں کے درمیان ام ولد کے مشترک ہونے کا بیان
- باب عتق احد العبدین**
- ۳۹۲ ..... باب کسی ایک غلام کو آزاد کرنے کی فقہی مطابقت کا بیان
- ۳۹۲ ..... تین غلاموں میں کسی ایک کی آزادی کا بیان
- ۳۹۵ ..... سقوط حق کی مختلف صورتوں کا بیان
- ۳۹۶ ..... دو غلاموں میں سے ایک کی آزادی کا اعلان کرنا
- ۳۹۷ ..... دو بیویوں میں سے کسی ایک کو طلاق دینے کا بیان
- ۳۹۹ ..... باعری کی آزادی کو بچہ جفتے سے معلق کرنے کا بیان
- ۴۰۰ ..... تقویت شرط نفویت مشروطہ کو مستلزم کا قاعدہ فقہیہ
- ۴۰۰ ..... شرط کی اقسام
- ۴۰۰ ..... ۱۔ شرط جائز کی تعریف
- ۴۰۱ ..... ۲۔ شرط فاسد کی تعریف
- ۴۰۱ ..... ۳۔ شرط لغوی تعریف
- ۴۰۱ ..... دو گواہوں کی شہادت پر آزادی کا بیان
- ۴۰۲ ..... شہادت آزادی کو شہادت طلاق پر قیاس کرنے کا بیان
- ۴۰۲ ..... غلام و باعری کی شہادت میں فقہی مذاہب اربعہ
- ۴۰۳ ..... مرض موت میں غلام کو آزاد کرنے کا بیان
- باب الحلف بالعتق**
- ۴۰۵ ..... باب حلف بہ عتق کی فقہی مطابقت کا بیان
- ۴۰۵ ..... آزادی کو شرط کے ساتھ معلق کرنے کا بیان
- ۴۰۶ ..... حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی مشروطہ آزادی کا بیان
- ۴۰۶ ..... مذکر غلام کو آزاد کرنے کی شرط کا بیان
- ۴۰۷ ..... مشروطہ قسم میں عدم قید کی بناء پر حکم کی محدودیت کا بیان
- ۴۰۷ ..... مالک کا مملوک کی ملکیت کے ساتھ آزادی مقید کرنے کا بیان
- باب العتق علی جعل**
- ۴۰۹ ..... باب جعل عتق کی فقہی مطابقت کا بیان
- ۴۰۹ ..... غلام کو مال کے بدلے میں آزاد کرنے کا بیان
- ۳۱۰ ..... مطلق آزادی میں غلام کے ماذون ہونے کا بیان
- ۳۱۲ ..... حاکم کا مالک کو مال لینے پر مجبور کرنے کا بیان
- ..... غلام کی آزادی کو موت کے بعد ایک ہزار سے معلق کرنے
- ۳۱۵ ..... کا بیان
- ۳۱۶ ..... آزادی کو خدمت کے ساتھ معلق کرنے کا بیان
- ۳۱۷ ..... دوسرے شخص سے باعری آزاد کرانے کا بیان
- ۳۱۹ ..... طلاق میں اجنبی پر بدل لگانے کی شرط کے جواز کا بیان
- باب التدبیر**
- ۳۲۰ ..... باب تدبیر کی فقہی مطابقت کا بیان
- ۳۲۰ ..... مدبر غلام کا فقہی مفہوم
- ۳۲۰ ..... جب آقا نے اپنی موت کے ساتھ آزادی متعین کیا
- ۳۲۱ ..... مدبر کی اقسام کا فقہی بیان
- ۳۲۲ ..... مدبر کی خرید و فروخت کا بیان
- ۳۲۳ ..... مدبر کی بیع میں فقہی مذاہب اربعہ
- ۳۲۳ ..... جب آقا نے غلام کو خدمت یا اجرت کے ساتھ مقید کیا
- ۳۲۵ ..... مدبر کو موت کے ساتھ معلق کرنے کا بیان
- ..... حال میں سبب کے عدم انعقاد کی وجہ صفت کے منکوک ہونے
- ۳۲۶ ..... کا بیان
- باب الاستیلاء**
- ۳۲۸ ..... باب استیلاء کی فقہی مطابقت کا بیان
- ۳۲۸ ..... ام ولد ہونے کا فقہی مفہوم
- ۳۲۹ ..... ام ولد ہونے کا شرعی ثبوت
- ۳۲۹ ..... ام ولد سے متعلق اصلاحات
- ۳۳۱ ..... ام ولد کی بیع کی ممانعت کا بیان
- ۳۳۲ ..... ام ولد کی بیع میں ممانعت کے دلائل کا بیان
- ۳۳۳ ..... ام ولد کی آزادی میں حضرت فاروق اعظم کا اصول
- ۳۳۵ ..... ام ولد سے خدمات لینے کا بیان
- ۳۳۵ ..... ام ولد کے مدبر کے مشابہ ہونے کا فقہی بیان

۳۳۵	ام ولد اور اولاد کے درمیان طہر کی کی ممانعت کا فقہی بیان
۳۳۸	ولد ثانی کیلئے وداول کا ثبوت نسب میں عدم اقرار کا بیان
۳۳۹	ام ولد کی خدمات کے انتقال میں بعض فقہی نظریات
۳۴۰	ام ولد کے نکاح کے بعد پیدا ہونے والے بچے کا بیان
۳۴۱	آقا کی موت کے بعد ام ولد کا پورے مال سے آزاد ہونا
۳۴۱	موت کے بعد ام ولد کی آزادی میں مذاہب اربعہ
	مالک کے قرض خواہوں کے سبب ام ولد پر کمائی کے عدم وجوب
۳۴۳	کا بیان
۳۴۳	عسائی کی ام ولد کے مکاتہ کی طرح ہونے کا بیان
	دوسرے کی باندگی سے نکاح کے ذریعے بچہ حاصل کرنے
۳۴۵	کا بیان
۳۴۷	بچے کی باندگی سے بچہ پیدا ہونے کا بیان
۳۴۹	مشرک باندگی کے ام ولد ہونے کا بیان
۳۵۱	آزاد ماں اور غلام باپ کی اولاد
۳۵۲	آزاد باپ اور غلام ماں کی اولاد
۳۵۳	غلام ماں اور غلام باپ کی اولاد
۳۵۳	دو شرکاء کا دعویٰ ولد کرنے کا بیان
۳۵۶	تباہ شامی سے متعلق احادیث کا بیان
۳۵۷	اقرار سے نجات ولد ہونے کا بیان
۳۵۸	مکاتہ باندگی کے ام ولد ہونے کا بیان
۳۵۹	مکاتہ واجب ہے یا مستحب؟
۳۵۹	دور صحابہ میں مکاتہ کے واجب یا مستحب ہونے کا معاملہ
۳۵۹	مکاتہ کو مستحب قرار دینے والوں کی توضیح کا جواب
۳۶۲	غلاموں کے مال کا بیان
۳۶۳	غلام کے مال رکھنے کے حق پر چند شبہات اور ان کا جواب
۳۶۷	مکاتہ غلام ہے یا آزاد؟
۳۷۱	کیا اسلام میں غلام کا فرار ہونا حرام ہے؟
	چند خلافت راشدہ کی جنگی مہمات میں غلاموں سے

## مقدمہ رضویہ

الحمد لله الذي جعل العلماء ورثة الانبياء، وخلاصة الاولياء، الذين يدعو لهم ملائكة السماء، والسمك في الماء، والطيور في الهواء. والصلاة والسلام على الأئمة الأئمة على زبدة خلاصة الموجودات، وعمدة سلالة المشهودات، في الأصفاء الأركياء، وعلى آله الطيبين الأطهار الأتقياء، وأصحابه الأبرار نجوم الاقتداء والاهتداء. اما بعد فيقول العبد الضعيف الى حرم ربه الباري، محمد ليالت على الحنفى الرضوى البريلوى غفرله والوالديه، الساكن قرية سنتيكا من مضافات بهاولنگر. اعلم ان الفقه اساس من سائر العلوم الدينية وامور الدنياوية. احرر شرح الهداية باسم "فيوضات الرضويه في تشریحات الهداية" بتوفيق الله تعالى وبوسيلة النبی الكريم ﷺ. ومن علوم فقهاء الصحابة والتابعين والائمة المجتهدين في الامة المسلمة، (رضی الله عنهم)

## حضرت امام اعظم اور صاحبین میں اختلاف کے اسباب

امام صاحب اور آپ کے تلامذہ میں اختلاف کی وجہ:

حضرت سیدنا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور آپ کے اصحاب و تلامذہ کے مابین اختلاف کی حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک بار حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک راستہ سے گزر رہے تھے آپ نے دیکھا کہ ایک کم سن بچہ کچڑ میں کھیل رہا ہے آپ نے اذراہ قنطرف فرمایا: کہیں گرنہ جانا۔ اس بچہ نے برجستہ جواب دیا: آپ بچے کہیں آپ پھل کر گرت جائیں کیونکہ اگر آپ گریں گے تو عالم کے گر جانے کا اندیشہ ہے۔ کم سن بچہ کے اس معنی خیز جواب سے آپ متاثر ہوئے اور آپ نے اپنے اصحاب و تلامذہ سے فرمایا: اگر تمہیں مسائل شرعیہ میں میرے قول کے خلاف کوئی قوی دلیل ملے تو اسے اختیار کر لو۔ آپ کی اس ہدایت کے بعد آپ کے تلامذہ میں سے ہر ایک آپ ہی کی روایت سے مسائل اخذ کرتا تھا۔ اس طرح آپ کے اصحاب کا کوئی قول ایسا نہیں ہے جو امام اعظم (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے قول سے باہر ہو۔

"ولو لم یحیہ" کتاب البجایات میں ہے امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ نے فرمایا: میں نے کوئی بات ایسی نہیں کہی جس میں میں نے امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کی مخالفت کی ہو۔ میں نے وہی بات کہی جو آپ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے فرمائی تھی۔ حضرت



امام زفر علیہ الرحمہ سے بھی یہی منقول ہے کہ میں نے کبھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت نہیں کی مگر یہ کہ قول امام بیان کیا پھر آپ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے اس سے رجوع فرمایا۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) آپ کے طریقہ کے خلاف نہیں گئے بلکہ انہوں نے جو کچھ کہا وہ اجتہاد اور رائے اور قیاس سے کہا اور اسی قول کا اتباع کیا جو ان کے استاد نے فرمایا۔

"الْحَاوِی الْقَدِیْسِ" کے اواخر میں ہے: جب اصحاب امام اعظم (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) میں سے کسی کے قول کو اخذ کیا جائے تو یقین سے جان لینا چاہیے کہ ان کا یہ قول امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ہی سے اخذ کیا گیا ہے۔ کیونکہ آپ کے تمام اکابر علامہ سے یہی روایت ہے (جیسے امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور امام حسن رحمہم اللہ تعالیٰ) کہ ہم نے کسی مسئلہ میں وہی قول کیا ہے۔

جو ہم نے امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے روایت کیا ہے اور یہ بات انہوں نے بڑی یقین دہانی کے ساتھ بیان کی ہے لہذا فقہ میں کوئی مسئلہ اور مذہب، مذہب امام کے علاوہ نہیں ہے اور جس قول کی نسبت کسی دوسرے کی طرف ہے وہ مجاز ہے اور ظاہر میں ہے فی الحقیقت وہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا قول ہی ہے۔ (کتاب حیل، فصل اذا اختلف الروایات، ص ۱۸۱) خصوصاً جب امام اعظم علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جب کسی مسئلہ پر تمہیں اقویٰ دلیل مل جائے اسے اختیار کر لو۔ تو اگرچہ یہ الفاظ اپنے قول سے رجوع کرنا ثابت کرتے ہیں، تاہم چونکہ آپ کے اصحاب نے قویٰ دلیل سے مسئلہ کے علم کو انہیں اصول و قواعد سے ثابت کیا ہے جو آپ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے خود مقرر فرمادیے ہیں اس لئے درحقیقت آپ کے اصحاب کا وہ قول بھی امام اعظم ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کا قول ہی مانا جائے گا اور وہ رجوع عنہ نہ ہوگا۔

علامہ بیہقی نے اپنی کتاب "شرح الاشباہ" میں بیان کیا ہے کہ کوئی حدیث ایسی ملے جو مذہب امام کے خلاف ہو تو حدیث ہی پر عمل کیا جائے اور یہی حدیث امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کا مذہب ہے کیونکہ صحیح روایت سے آپ سے مروی ہے۔ "اِذَا صَلَّحَ الْحَدِیْثُ فَهُوَ مَذْهَبُی" حدیث اگر صحیح ہے تو یہی میرا مذہب ہے۔ (مقدمہ رہنما، ج ۱، ص ۱۶۰، بیروت)

حضرت امام اعظم (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے اختلاف روایت کی وجوہات:

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے اصحاب و علامہ نے ایک ہی مسئلہ میں آپ سے مختلف روایات بیان کی ہیں اور یہی ایک وجہ ان کے مابین مسائل میں اختلاف حکم کی ہے امام ابو بکر البلیغی اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے "درر" میں فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے اختلاف روایت کئی وجوہات سے ہو سکتا ہے: اول یہ کہ سامع کو سننے میں غلطی ہو گئی ہو۔

دوم یہ کہ امام نے اپنے قول سے رجوع فرمایا ہو کسی نے یہ رجوع خود اپنے کانوں سے سن لیا اور کسی نے نہیں سنا تو اسے رجوع کا علم نہ ہوا۔ سوم یہ کہ امام نے ایک قول علی وجہ القیاس فرمایا اور دوسرا قول بروجہ استحسان فرمایا تو جس نے جو سناروایت کر دیا۔

چہاں یہ کہ کسی مسئلہ کے مختلف پہلو تھے آپ نے ایک پہلو سامنے رکھ کر ایک جواب دیا اور دوسرے پہلو کو مد نظر رکھ کر دوسرا جواب دے دیا، ان کے علاوہ بھی علامہ شامی علیہ الرحمہ نے اپنے رسالہ "شرح عقود رسم المفتی المنظوم" میں کچھ اور صورتیں بھی اختلاف روایات کی وجہ میں بیان فرمائی ہیں۔ (رسائل ابن عابدین شرح عقود رسم المفتی المنظوم)

### ❖ خلافت فاروقی میں تدوین فقہ

#### فقہ کی تاریخی اہمیت کا بیان

مالک بن انس فرماتے ہیں۔ "جس نے فقہ کی تصوف حاصل نہ کیا اس نے نافرمانی کی اور جس نے تصوف حاصل کر لیا اور علم فقہ سے حصہ نہ لیا وہ زندقہ اور کفر ہے"۔ جس نے فقہ کی تصوف حاصل نہ کیا اس نے نافرمانی کی اور جس نے تصوف حاصل کر لیا اور علم فقہ سے حصہ نہ لیا وہ زندقہ اور کفر ہے۔

مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ حدیث کے بعد فقہ کا رتبہ ہے اور چونکہ مسائل فقہیہ سے ہر شخص کو ہر روز کام پڑتا ہے، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اس قدر اشاعت دی کہ آج باوجود بہت سے نئے مسائل پیدا ہو جانے کے یہ نشر و اشاعت ممکن نہیں۔ مسائل فقہیہ کی ترویج کے لیے یہ تدبیریں اختیار کیں۔

#### مسائل فقہ کی اشاعت کا اہتمام

جہاں تک وقت و فرصت مساعدت کر سکتی تھی خود بالمشافہ احکام مذہبی کی تعلیم کرتے تھے۔ جمعہ کے دن جو خطبہ پڑھتے تھے اس میں تمام ضروری احکام اور مسائل بیان کرتے تھے۔ حج کے خطبے میں حج کے مناسک اور احکام بیان فرماتے تھے۔ موطاء امام محمد میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرفات میں خطبہ پڑھا اور حج کے تمام مسائل تعلیم کئے۔ اسی طرح شام و بیت المقدس وغیرہ کے سفر میں وقتاً فوقتاً جو مشہور اور پراثر خطبے پڑھے ان میں اسلام کے تمام مہمات اصول اور ارکان بیان کئے اور چونکہ ان موقعوں پر بے انتہاء مجمع ہوتا تھا اس لئے ان مسائل کا اس قدر اعلان ہو جاتا تھا کہ کسی اور تدبیر سے ممکن نہ تھا۔ دمشق میں بمقام جلیبیہ جو مشہور خطبہ پڑھا، فقہانے اس کو بہت سے مسائل فقہیہ کے حوالے سے جا بجا نقل کیا ہے۔

وقتاً فوقتاً اعمال اور افسروں کو مذہبی احکام اور مسائل لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ مثلاً نماز و حج گانہ کے اوقات کے متعلق جس کے تعین میں مجتہدین آج تک مختلف ہیں۔ تمام اعمال کو ایک مفصل ہدایت نامہ بھیجا۔ امام مالک رحمہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مؤطا میں احیاء اس کی عبارت نقل کی ہے۔ اسی مسئلہ کے متعلق ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو تحریر بھیجی اس کو بھی امام مالک نے بالفاظہا نقل کیا ہے۔ وہ نمازوں کے جمع کرنے کی نسبت تمام ممالک مفتوحہ میں تحریری اطلاع بھیجی کہ جائز ہے (موطاء امام محمد ص ۱۲۹)

سن ۱۴ ہجری میں جب نماز تراویح جماعت کے ساتھ قائم کی، تمام اصناف کے افراد کو لکھا کہ ہر جگہ اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام مفصل لکھ کر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر افسران ملک کے پاس بھیجے۔ اس تحریر کا عنوان جیسا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے یہ تھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔



ہذا کتاب الصدقہ الخ قضا اور شہادت کے متعلق ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو تحریر بھی تھی اس کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔  
مہمات مسائل کے علاوہ فقہ کے مسائل جزیہ بھی عمال کو لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک دفعہ ایک خط لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ مسلمان عورتیں حماموں میں جا کر عیسائی عورتوں کے سامنے بے پردہ نہاتی ہیں۔ لیکن مسلمان عورت کو کسی غیر مذہب والی عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں۔ روزہ کے متعلق تمام عمال کو تحریری حکم بھیجا کہ لا تکتولوا من المسرفین لفطرکم۔ زید وہب کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہم لوگوں کے پاس آیا کہ ان المرأة لا تصوم تطوعا الا باذن زوجها۔ ابو داؤد کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم لوگوں کو لکھا کہ ان لا ہلہ بعضہا اکبر من بعض۔ اسی طرح کی اور بہت سی بے شمار مثالیں ہیں۔

### مسائل فقہیہ میں اجماع

یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ جو فقہی احکام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرامین کے ذریعہ شائع کرتے تھے، چونکہ شاہی دستور العمل کی حیثیت رکھتے تھے، اس لئے یہ احتیاط ہمیشہ ملحوظ رہتی تھی کہ وہ مسائل اجماعی اور متفق علیہ ہوں۔ چنانچہ بہت سے مسائل جن میں صحابہ کا اختلاف تھا ان کو مجمع صحابہ میں پیش کر کے پہلے طے کرالیا۔ مثلاً چور کی سزا جس کی نسبت قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔ ان عسر استشار فی السارق فاجمعوا الخ (کتاب مذکور صفحہ 106)، غسل جنابت کی نسبت جب اختلاف ہوا تو تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور یہ مسئلہ پیش کر کے سب سے رائے طلب کی۔ لوگوں نے مختلف رائے دیں۔ اس وقت فرمایا انتم اصحاب بدر وقد اختلفتم فمن بعد کم اشد اختلافاً۔ یعنی جب آپ لوگ اصحاب بدر میں ہو کر آپس میں مختلف رائے ہیں تو آئندہ آنے والی نسلوں میں اور سخت اختلاف ہوگا۔ چنانچہ ازواج مطہرات سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا۔ اور ان کی رائے قطعی پا کر شائع کی گئی۔ (ازالہ الخفاء صفحہ 88)

جنارہ کی تکبیر میں نہایت اختلاف تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کو جمع کیا اور متفق بات طے ہوئی۔ یعنی چار تکبیر پر اتفاق ہو گیا۔

### مسائل فقہیہ میں اجماع

اضلاع کے عمال اور افسر جو مقرر کرتے تھے ان کی یہ حیثیت بھی ملحوظ رکھتے تھے کہ عالم اور فقہیہ ہوں، چنانچہ بہت سے مختلف موقعوں پر اس کا اعلان کر دیا گیا تھا۔

ایک دفعہ مجمع عام میں خطبہ دیا، جس میں یہ الفاظ تھے۔

الی اشہد کم علی امر الا مصار الی لم ابعتہم الا لیفقہوا الناس فی دینہم

تم لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے افسروں کو اس لیے بھیجا ہے کہ لوگوں کو مسائل اور احکام بتائیں، یہ التزام ملکی افسروں تک

محدود تھا بلکہ فوجی افسروں میں بھی اس کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ قاضی ابو یوسف لکھتے ہیں ان عمر بن الخطاب کان اذا جمع الیہ جيش من اهل الایمان بعث علیہم رجلاً من اهل الفقه والعلم۔ (کتاب الخراج صفحہ 67)۔

یہی نکتہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد کے فوجی اور ملکی افسروں میں ہم حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کا نام پاتے ہیں جو ملکی اور فوجی قابلیت کے ساتھ علم و فضل میں بھی ممتاز تھے۔ اور حدیث و فقہ میں اکثر ان کا نام آتا ہے۔ تمام ممالک محروسہ میں فقہاء اور معلم متعین کئے کہ لوگوں کو مذہبی احکام کی تعلیم دیں، مؤرخین نے اگرچہ اس امر کو کسی خاص عنوان کے تحت نہیں لکھا اور اس وجہ سے ان معلموں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکتی۔

### فقہ کی تعلیم کا انتظام

تاہم جتنے جتنے تقریبات سے اندازہ ہو سکتا ہے ہر شہر میں متعدد دفعہ اس کام پر مامور تھے۔ مثلاً عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے کہ "یہ بخمدہ ان دس بزرگوں کے ہیں جن کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ بھیجا تھا کہ فقہ کی تعلیم دیں۔" (اصل عبارت یہ ہے کان احد العشرة الذین بعثہم عمر الی البصرة یفقیہون الناس 14)۔ عمران بن الحصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بہت بڑے رتبہ کے صحابی تھے، ان کی نسبت علامہ ذہبی طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں۔

و کان ممن بعثہم عمر بن الخطاب الی احل البصرة لیفقیہہم

ان لوگوں میں ہیں جن کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ میں فقہ کی تعلیم کے لیے شام بھیجا تھا۔ عبدالرحمن بن غنم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں "طبقات الحفاظ" میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو تعلیم فقہ کے لیے شام بھیجا تھا اور صاحب اسد الغابہ نے انہی کے حالات میں لکھا ہے "یہ وہ شخص ہیں کہ جنہوں نے شام میں تابعین کو فقہ سکھائی۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں لکھا ہے کہ جب شام فتح ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابودرداء کو شام میں بھیجا تا کہ لوگوں کو قرآن پڑھائیں اور فقہ سکھائیں۔ جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرہ فی اخبار المصر والقاہرہ میں حسان بن ابی جبلہ کی نسبت لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو مصر میں فقہ کی تعلیم پر مامور کیا تھا۔ ان فقہاء کے درس کا طریقہ یہ تھا کہ مساجد کے محن میں ایک طرف بیٹھ جاتے تھے۔ اور شائقین نہایت کثرت سے ان کے گرد حلقے کی صورت میں جمع ہو کر فقہی مسائل پوچھتے جاتے تھے۔ اور وہ جواب دیتے جاتے تھے۔ ابو مسلم خولانی کا بیان ہے کہ میں حص کی مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ 30 بڑے بڑے صحابہ ہاں تشریف رکھتے تھے۔ اور مسائل پر گفتگو کرتے تھے۔ لیکن جب ان کو کسی مسئلہ میں شک پڑتا تو ایک نوجوان شخص کی طرف رجوع کرتے تھے۔ میں نے لوگوں سے اس نوجوان کا نام پوچھا تو پتہ چلا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ لیث بن سعد کا بیان ہے کہ ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسجد میں آتے تھے تو ان کے ساتھ لوگوں کا اس قدر رجوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ سب لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ (تذکرہ الحفاظ ترجمہ معاذ بن جبل 12)



## فقہ کی تنخواہیں

علامہ ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان فقہاء کی تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں۔ اور درحقیقت تعلیم کا مرتب اور منظم سلسلہ بغیر اس کے قائم نہیں ہو سکتا تھا۔

## معلمین فقہ کی رفعت شان

یہ بات خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن لوگوں کو تعلیم فقہ کے لیے انتخاب کیا تھا، مثلاً معاذ بن جبل، یزید بن ابی مرثدہ، عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبدالرحمن بن عوف، عمران بن حصین اور عبداللہ بن مغفل تمام جماعت اسلام میں منتخب تھے۔ اس کی تصدیق کے لئے اسد الغابہ اور اصابع وغیرہ میں ان لوگوں کے حالات دیکھنے چاہئیں۔

(تذکرۃ الحفاظ کراچی دروہ)

## ہر شخص فقہ کی تعلیم کا ہی زہ تھا

ایک بات اور بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات کی بڑی احتیاط کی کہ ہر شخص فقہ کے مسائل پیر کرنے کا مجاز نہ ہو۔ مسائل بھی خاص کر وہ تعلیم دیے جاتے تھے جن پر صحابہ کا اتفاق رہے ہو چکا تھا۔ یہ جو جمع صحابہ میں پیش ہو کر طے کر لئے جاتے تھے۔ چنانچہ اس کی پوری تفصیل شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت خوبی سے لکھی ہے۔ ہم اس کے جستہ جستہ فقرے جو ہمارے بحث سے متعلق ہیں، اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

معبذ اللہ عمر مضافہ بر چیزے بجا مخالفت نمود، در جمع ایں امور شد روز نمیرفتند و بدون استطلاع۔ اے خلیفہ کارے را مصممی سرحد ہذا دریں عصر اختلاف مذہب و تشتت آرا واقع نشد، ہمہ بر یک مذہب متفق، بر یک راہ مجتمع۔ چون ایام خلافت خاصہ بالکلیہ متفرق شد و خلافت عامہ ظہور نمود علیہ و در ہر ہمدے مشغول با فادہ شدند۔ ابن عباس در مکہ فتویٰ می دہد و عاصیہ صدیقہ و عبداللہ بن عمر در مدینہ حدیث را روایت می نمایند و ابو ہریرہ اوقات خود را برا کشار، روایت حدیث مصروف سے سازد۔ بالکلہ دریں ایام اختلاف فتاویٰ پیدا شد یکے را بر رائے دیگر اطلاع نہ اگر طلاع شدہ مذاکرہ واقع نہ و اگر مذاکرہ بمیان آمد از امت شہ و خروج از مضیق اختلاف بقضائے اہل حق میسر نہ، اگر متبع کنی روایت عمائے صحابہ کہ پیش از انقضائے خلافت خاصہ از علم گزشتہ اند بغایت کم یابی۔ و جمعے کہ اور ایام خلافت زندہ اند ہر چہ روایت کردہ اند۔ بعد ایام خلافت خاصہ روایت کردہ اند ہر چند جمع صحابہ عدول اند و روایت یشان مقبول و عمل بموجب آن چہ روایت صدق ایشان ثابت شود لازم اما در میان آنچہ حدیث و فقہ در ذمہ فروع اعظم بود آنچہ بعد از حدیث شدہ فرق، بین السمت و الارض ست۔ (ازالۃ الخفاء جلد دوم صفحہ 140)۔ (القاروق)

## حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسائل فقہیہ کی تعداد

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ کے جو مسائل بیان کئے ان میں اکثر ایسے ہیں جن میں اور صحابہ نے بھی ان کے ساتھ

اتفاق کیا۔ دائرہ مجتہدین نے ان کی تصدیق کی۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنے استقر سے اس قسم کے مسائل کی تعداد کم و بیش ایک ہزار بتاتے ہیں لیکن بہت سے ایسے مسائل بھی ہیں جن میں دیگر صحابہ نے اختلاف کیا اور وہی حق پر ہیں مثلاً تیمم، جنابت، تمسح، حج، طلاق، ثلاثہ وغیرہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجتہاد سے دیگر صحابہ کا اجتہاد زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن اکثر مسائل اور خصوصاً ان مسائل سے جو سرکۃ الآثار سے ہیں اور جن کو تمدن اور امور ملکی میں دخل ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکمل اجتہاد کا اندازہ ہوتا ہے۔

## مذہب ربیعہ کی تدوین کے زمینی قرائن

علامہ احمد پشاور لکھتے ہیں۔ کہ "ان مذہب کے پیدا ہونے سے قبل صحابہ کرام اور تابعین کے دور میں فتویٰ انہیں سے یہ جاتا تھا، کیونکہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کا مین کتاب اللہ میں سے تھے، اور وہ اس کے دلائل کی پہچان رکھنے و سوس میں سے تھے، جب ان کا دور گزر گیا اور تو ہر علاقے اور شہر کی لوگوں نے صحابہ کرام کے فتویٰ پر عمل کرنا شروع کر دیا جو صحابی جس علاقے میں تھا اس کا فتویٰ اس علاقے میں چلنا شروع ہوا، بہت ہی کم دوسرے کے فتویٰ پر چلتے تھے۔

اس لیے اہل مدینہ میں اکثر فتاویٰ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے، اور اہل مصر میں عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اور اہل مکہ عبد اللہ بن عباس اور اہل کوفہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فتاویٰ پر چلتے گئے۔

تابعین کے بعد فقہاء کا دور شروع ہوا مثلاً ابو حنیفہ اور امام مالک اور احمد بن حنبل اور شافعی وغیرہ جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں اور جن کا ذکر ہم نے نہیں کیا، چنانچہ ہر علاقے اور ملک کے لوگوں نے اپنے فقیہ کے مسلک کو اختیار کیا، اور پھر یہ مسلک دوسرے علاقوں میں بھی پھیل گیا اور بعض میں ختم ہو گیا۔ (مذہب الاربعہ 16-17)

## فقہائے کوفہ اور فقہ حنفی کی اساس

حرمین سے نکلنے والے صحابہ کی ایک بڑی جماعت نے کوفہ میں بھی سکونت اختیار کی۔ ان ہجرت کرنے والوں میں حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عمار بن یاسر، حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم وغیرہ نمایاں صحابہ ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دور خلافت میں جب مختلف صحابہ کو متفرق اسلامی شہروں کی طرف بھیجا تو اس ہجرت کے مرحلے میں بہت سے صحابہ کوفہ بھی منتقل ہوئے۔ مؤرخین کے ایک قول کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سارے شہادت تک تقریباً تین صد صحابہ کوفہ منتقل ہو چکے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو انہوں نے کوفہ کو اپنا دار الخلافہ بنایا۔ جس وجہ سے یہ شہر صحابہ کی پیسہ کی نسبت اور زیادہ توجہ کا مرکز بنا۔ عداہ زین حضرت عبد اللہ بن مسعود کو حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے زمانہ خلافت میں کوفہ کے لیے ایک معلم خصوصی کے طور پر بھیجا تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مکتبہ فکر سے مستفید ہونے والے فقہاء و علماء کے بارے میں اکثر تاج عبد

رضن عروسی لکھتے ہیں۔

اس مکتبہ فکر کے معروف فقہاء میں علامہ بن قیس نخعی، اسود بن یرید نخعی، ابو میسرۃ عمرو بن شراحیل، ہمدانی، مسروق بن اجدع، ہمدانی اور شریح بن حارث کندی شامل ہیں۔ ان فقہاء کے بعد دوسرا طبقہ آیا جن میں حماد بن ابی سلیمان، منصور بن معتمر سلمی، منیرہ بن مقسم الضبی اور سیہان بن مہران الاعمش اور سعید بن جبیر نمایاں ہیں، یہاں تک کہ اس مدرسہ فکر کی انتہاء ابن ابی ملیک، ابن شبرمہ، شریک القاضی اور ابو حنیفہ پر ہوئی۔ (الفقہ الاسلامی فی میزان التاریخ ص ۱۱۴)

امام ترمذی کی فقہانیت اور فقہ حنفی

امام ترمذی ایک محدث ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے فقیہ بھی تھے اور مذاہب علمائے بھی خوب واقف تھے، آپ نے فقہ الحدیث، امام بخاری جیسے حافظ محدث سے حاصل کی اور فقہ اہل الرائے اس وقت کے مشہور فقیہ الرازی سے اور فقہ، لکی، سختی بن موسیٰ نصاریٰ اور ابو مصعب زہری سے اخذ کی جب کہ امام شافعی کا مذہب قدیم حسن بن محمد زعفرانی اور قویٰ جدید ربیع بن سیہان سے حاصل کیا، اسی طرح امام احمد بن حنبل، سختی بن راہویہ اور دیگر بہت سے علمائے اقوال و مذاہب کو خوب سلیقہ سے اپنی جامع میں سمودیا۔ آپ کی جامع آپ کے تلمذ فی الحدیث اور مذاہب پر اطلاع کی بہت بڑی دلیل ہے۔ ہر باب میں علمائے اقوال پیش کر کے ان میں سے ایک کو ترجیح دیتے ہیں جس سے قاری کا یہ تاثر بنتا ہے کہ آپ فقہ وحدیث کے بہت بڑے امام تھے۔

امام ترمذی کے قول بعض اہل علم سے مراد

موسىٰ نامبارک پوری لکھتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اہل کوفہ سے وہ حضرات مراد لیے ہیں جو اہل علم وہاں رہتے تھے مثلاً امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، سفیان ثوری رحمہ اللہ، سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ وغیرہ اور بعض اہل کوفہ سے بعض مراد لیے ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اہل کوفہ یا بعض اہل کوفہ سے صرف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہی مراد نہیں لیے۔ (مقدمہ تحفۃ الماحوذی ص 209)

"دوسری طرف ایک اور گروہ تھا... اور یہ اہل عراق تھے جن کے رہنما ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تھے۔ فقہاء کے اس گروہ کی رائے یہ تھی کہ شرعی احکام معقول المعنی اور ایسی مصالح پر مشتمل ہوتے ہیں جو بندوں کی طرف لائق ہیں اور ان احکام کی بنیاد محکم اصولوں و منضبط عمل پر رکھی گئی ہے۔ پس یہ علماء ان علل کو تلاش کرتے تھے اور ان حکمتوں کا کھوج لگاتے تھے جن کے لیے یہ احکامات دیے گئے ہیں۔ یہ علماء ان علل و حکم کے ساتھ حکم شرعی کے وجود و عدم و جو کو مربوط کرتے تھے۔ (تاریخ الفقہ الاسلامی ص ۷۴)

محمد لیاقت علی رضوی

چک سنیکا بہاولنگر

## بَابُ الْإِعَانِ

﴿یہ باب لعان کے بیان میں ہے﴾

باب لعان کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود باہرتی حنفی علیہ الرحمہ باب لعان کے فقہی مطابقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس باب سے پہلے باب ظہار میں اس کی فقہی مطابقت کو بیان کر دیا گیا ہے۔ (وہاں ظہار کے باب سے مؤخر کرنے کا سبب یہی بیان کیا گیا ہے کہ لعان تہمت کے ذریعے شوہر اور بیوی کے درمیان باہمی قسموں کے ساتھ مفاہرت ہوتی ہے۔) اور لعان لغوی معنی، پھینکنا اور دوسرے پر لعنت کرنا ہے اور اسی طرح بیوی پر تہمت لگانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (عمانیہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۵۴، بیروت)

لعان کے فقہی مفہوم کا بیان

لعان اور لعنہ کے معنی ہیں ایک دوسرے پر لعنت کرنا، شرعی اصطلاح میں لعان اس کو کہتے ہیں کہ جب شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے یا جو بچہ پیدا ہو اس کے بارے میں یہ کہے کہ یہ میرا نہیں نہ معلوم کس کا ہے اور بیوی اس سے انکار کرے اور کہے کہ تم مجھ پر تہمت لگا رہے ہو پھر وہ قاضی اور شرعی حاکم کے پاس فریاد کرے قاضی شوہر کو بلا کر اس الزام کو ثابت کرنے کے لئے کہے چنانچہ اگر شوہر گواہوں کے ذریعہ ثابت کر دے تو قاضی اس کی بیوی پر زنا کی حد جاری کرے اور اگر شوہر چار گواہوں کے ذریعہ الزام ثابت نہ کر سکے تو پھر قاضی پہلے شوہر کو اس طرح کہلائے کہ میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے جو زنا کی نسبت اس کی طرف کی ہے، اس میں سچا ہوں عورت کی طرف اشارہ کر کے چار دفعہ شوہر اسی طرح کہے پھر پانچویں دفعہ مرد کی طرف اشارہ کر کے یوں کہے کہ اس مرد نے میری طرف جو زنا کی نسبت کی ہے اگر اس میں یہ سچا ہے تو مجھ پر خدا کا غضب ٹوٹے۔

جب دونوں اس طرح ملاحت کریں تو حاکم دونوں میں جدائی کر دے گا اور ایک طلاق بائن پڑھ جائے گی اور وہ عورت اس مرد کے لئے ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی ہاں اگر اس کے بعد مرد خود اپنے کو جھٹلائے یعنی یہ اقرار کرے کہ میں نے عورت پر جھوٹی تہمت لگائی تھی تو اس صورت میں اس پر حد تہمت جاری کی جائے گی اور عورت سے پھر نکاح کرنا اس کے لئے درست ہو جائے گا لیکن حضرت امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ اگر مرد خود اپنے کو جھٹلائے تب بھی عورت اس کے لئے ہمیشہ کو حرام رہے گی۔

حکم لعان کے نزول کا بیان

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک صحابی ہلال ابن امیہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی شریک ابن سہام صحابی کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی یعنی ہلال نے کہا کہ شریک ابن سہام نے میری بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال سے فرمایا کہ اپنے الزم کے ثبوت میں گواہ پیش کر ورنہ جھوٹی تہمت لگانے کے جرم میں تمہاری پیٹھ پر حد چاری کی



جائے گی یعنی سی کوڑے، مرنے چائیں گے ہوں سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں سے کوئی کسی کو اپنی بیوی کے ساتھ بدکاری میں مبتلا دیکھے تو کیا وہ گواہ دھونڈھنے چاہئے؟ جی ہاں تو ایسی صورت میں اتنا موقع کہیں کہ کسی کو گواہ کرے پھر یہ کہ کسی کو گواہ کرنے کی وہ جگہ کیا ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرمائے چاہئے تھے کہ گواہ پیش کر دو نہ تمہاری بیٹھ پر حد جاری کی جائے گی پھر بدل سے عرض کیا کہ قسم ہے اس پاک ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مجھوت کیا میں سچا ہوں مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا حکم ضرور نازل فرمائے گا جو میری بیٹھ کو حد سے بری رکھے گا، خراک کچھ ہی عرصہ بعد حضرت جبریل تشریف لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیتیں نازل کی گئی ہیں آیت (وَالَّذِينَ يَسْمُؤْنَ أَرْوَاحَهُمْ) 24۔ النور 26 (یعنی درجو لوگ کہ اپنی بیویوں کو ہتھ لگاتے ہیں ان پھر اس کے بعد کی آیتوں (إِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصَّادِقِينَ) 24۔ النور 26) تک حدود کی اس کے بعد ہلال دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور گواہی دی جیسی حد کی جو تفصیل پیچھے بیان کی جا چکی ہے اس کے ساتھ انہوں نے پانچ مرتبہ گواہی کے ذریعہ حاکم کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں تم سے کوئی ایک جھوٹا ہے سو تم میں سے کون ہے جو توبہ کرے اس کے بعد ہلال کی بیوی کھڑی ہوئی اور لعان کیا یعنی چار مرتبہ اپنی پاکدامنی کی شہادت دی اور جب وہ پانچویں مرتبہ گواہی دینے چلی تو صحابہ نے اس کو روکا اور کہا کہ اچھی طرح سوچ سمجھ لو یہ پانچویں گواہی تم دونوں کے درمیان جدائی کو واجب کر دے گی یا اگر تم جھوٹی ہوگی تو آخرت میں عذاب کو واجب کر دے گی۔

حضرت ابن عباس کہتے ہیں یہ سن کر وہ عورت ٹھہر گئی اور پیچھے ہٹی یعنی وہ پانچویں مرتبہ کچھ گواہی دینے میں متامل ہوئی جس سے ہمیں یہ گمان ہوا کہ یہ اپنی بات سے پھر جائے گی لیکن پھر اس نے کہا کہ میں لعان سے بچ کر اور اپنے خاوند کے الزام کی تصدیق کر کے اپنی قوم کو ساری عمر کے لئے رسوائی کروں گی یہ کہہ کر اس نے پانچویں گواہی کو بھی پور کیا اس طرح جب لعان پورا ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میاں بیوی کے درمیان جدائی کرادی تو آپ نے فرمایا کہ اس کو دیکھتے رہنا اگر اس نے ایسے بچے کو جنم دیا جس کی آنکھیں سرمئی کو لہے بھاری ورنڈیاں موٹی ہوں تو وہ بچہ شریک ابن حنظلہ کا ہوگا کیونکہ شریک اسی طرح کے ہیں چنانچہ جب اس عورت نے ایسے ہی بچہ کو جنم دیا جو شریک کے مشابہ تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ کا مذکورہ حکم نہ ہوتا جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ لعان کرنے والوں پر تعزیر جاری نہیں ہوتی تو پھر میں اس عورت کے ساتھ دوسرا ہی معاملہ کرتا یعنی شریک کے ساتھ اس بچہ کی مشابہت اس کی بدکاری کا ایک واضح قرینہ ہے اس لئے اس کی اس بدکاری پر میں اس کو ایسی سزا دیتا کہ دیکھنے والوں کو عبرت ہوتی (بخاری)

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے حضرت ہلال نے لعان کیا ہے اور اس موقع پر لعان کے سلسلہ میں مذکورہ آیت نازل ہوئی اس بارے میں جو تحقیقی تفصیل سے وہ حضرت ابن عباس کی روایت کی تشریح میں بیان ہو چکی ہے۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان، بظاہر زیادہ صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ان دونوں کے حاکم سے فارغ ہونے کے بعد ارشاد فرمائی اور اس ارشاد گرامی کی مراد یہ ہے کہ جو بھی شخص کوئی جھوٹی بات کہے یا کسی پر جھوٹی تہمت لگائے تو

اس پر لازم ہے کہ وہ توبہ کرے بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات لعان سے پہلے ان دونوں کو جھوٹ کے عواقب سے ڈرانے کے لئے ارشاد فرمائی تھی۔

اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ حکم وقاضی کی بھی معاملہ میں اپنے گمان وخیال قرائن ورمکی علامت کی بنیاد پر کوئی حکم نہ دے بلکہ وہی حکم دے جس کے دلائل و شواہد تقاضا کریں۔

### لعان کے حکم کا بیان

علاء بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ لعان کا حکم یہ ہے کہ اس سے فارغ ہوتے ہی اس شخص کو اس عورت سے وطی حرام ہے مگر فقط لعان سے نکاح سے خارج نہ ہوگی بلکہ لعان کے بعد حاکم اسام تفریق کر دیگا اور اب مطلقہ بائن ہوگی لہذا بعد لعان اگر قاضی نے تفریق نہ کی ہو تو حاکم دے سکتا ہے ایسا و ظہار کر سکتا ہے دونوں میں سے کوئی مر جائے تو دوسرا اس کا ترکہ پائیگا اور لعان کے بعد اگر وہ دونوں عیدہ ہونا نہ چاہیں جب بھی تفریق کر دی جائیگی۔ اگر لعان کی ابتدا قاضی نے عورت سے کر لی تو شوہر کے مفاد و حق کھنسنے کے بعد عورت سے پھر کہوئے و رد دوبارہ عورت سے نہ کہلوئے اور تفریق کر دی تو ہوگی لعان ہو جانے کے بعد ابھی تفریق نہ کی تھی کہ خود قاضی کا انتقال ہو گیا یا معزول ہو گیا اور دوسرا اس کی جگہ مقرر کیا گیا تو یہ قاضی دوم اب پھر لعان کی وجہ سے ہے۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب طلاق، باب کفارہ ظہار)

### لعان کے بنیادی اصول کا فقہی بیان

قَالَ (إِذَا قَذَفَ الرَّجُلُ مَوْتَهُ بِالزَّيْنَةِ وَهُمَا مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ وَالْمَوْتَةُ مِمَّنْ يُحَدُّ قَادِفُهَا أَوْ نَفْسِي نَسَبٍ وَلَدَهَا وَطَلَبَتْهُ بِمُوجِبِ الْقَذْفِ فَعَلَيْهِ اللَّعَانُ) وَالْأَصْلُ أَنَّ اللَّعَانَ عِنْدَنَا شَهَادَاتٌ مُؤَكَّدَاتٌ بِالْإِيمَانِ مَقْرُونَةٌ بِاللَّعْنِ قَائِمَةٌ مَقَامَ حَدِّ الْقَذْفِ فِي حَقِّهِ وَمَقَامَ حَدِّ الزَّيْنِ فِي حَقِّهَا لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ) وَالْإِسْتِثْنَاءُ إِنَّمَا يَكُونُ مِنَ الْجَنَسِ، وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى (فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ، نَصٌّ عَلَى الشَّهَادَةِ وَالْيَمِينِ فَقُلْنَا الرُّكْنُ هُوَ الشَّهَادَةُ الْمُؤَكَّدَةُ بِالْيَمِينِ، ثُمَّ قَرَنَ الرُّكْنَ فِي جَانِبِهِ بِاللَّعْنِ لَوْ كَانَ كَاذِبًا وَهُوَ قَائِمٌ مَقَامَ حَدِّ الْقَذْفِ وَفِي جَانِبِهَا بِالْعَصَبِ وَهُوَ قَائِمٌ مَقَامَ حَدِّ الزَّيْنِ، إِذَا بَكَّتْ هَذَا نَقُولُ لَا بُدَّ أَنْ يَكُونَا مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ لِأَنَّ الرُّكْنَ فِيهِ الشَّهَادَةُ وَلَا بُدَّ أَنْ تَكُونَ هِيَ مِمَّنْ يُحَدُّ قَادِفُهَا لِأَنَّهُ قَائِمٌ فِي حَقِّهِ مَقَامَ حَدِّ الْقَذْفِ فَلَا بُدَّ مِنْ إِحْصَانِهَا، وَيَجِبُ بِنَفْسِي الْوَلَدُ لِأَنَّهُ لَمَّا نَفَى وَلَدَهَا صَارَ قَادِفًا لَهَا ظَاهِرًا وَلَا يُعْتَبَرُ أَحْتِمَالُ أَنْ

يَكُونُ الْوَلَدُ مِنْ غَيْرِهِ بِالْوَطْءِ مِنْ شُبْهَةٍ، كَمَا إِذَا نَفَى أَجْنَبِيٌّ نَسَبَهُ عَنْ أَبِيهِ الْمَعْرُوفِ،  
وَهَذَا لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي النَّسَبِ الْفِرَاشُ الصَّحِيحُ وَالْفَاسِدُ مُلْحَقٌ بِهِ، فَتَقْيُّهُ عَنِ الْفِرَاشِ  
الصَّحِيحِ قَدْ ذُفَّ حَتَّى يَظْهَرَ الْمُنْحَقُ بِهِ

ترجمہ

اور جب کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور دونوں میاں بیوی گواہی دینے کے اہل ہوں اور عورت بھی ایسی ہو اگر کوئی شخص اس پر زنا کا جھوٹا الزام لگائے تو اس پر حد قذف جاری ہو سکتی ہو یا شوہر اس عورت کے بچے کے نسب کی نفی کر دے اور عورت اس بات پر حد قذف ہونے کا مطالبہ کر دے تو مرد پر سزا کرنا لازم ہوگا۔ اصل یہ ہے ہمارے نزدیک سنان ایسی گواہی ہے جس کو قسم کے ذریعے مؤکد کیا جاتا ہے اور جس کے ساتھ حنت ہی ہوئی ہوئی ہے اور یہ حد قذف کے قائم مقام ہوگی۔ شوہر کے حق میں اور عورت کے حق میں زنا کی حد کے قائم مقام ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "اور ان کے پاس گواہ کے طور پر صرف ان کی اپنی ذات ہو"۔ استثناء صرف جنس میں سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے "تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی اللہ تعالیٰ کے نام کی چار گواہیوں کے برابر ہوگی"۔ یہ اس بات کی دلیل ہے گواہی بھی ہوگی اور یقین (قسم) بھی ہوگی تو ہم یہ کہیں گے لعان کا رکن گواہی ہے جسے قسم کے ذریعے مؤکد کیا گیا ہے پھر مرد کی طرف میں اس رکن کے ساتھ حنت کو شامل کیا گیا ہے اگر وہ جھوٹا ہو اور یہ شوہر کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہوگی اور عورت کی طرف میں غضب کو شامل کیا گیا ہے جو حد زنا کے قائم مقام ہوگا۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی تو ہم یہ کہیں گے۔ یہ بات ضروری ہے دونوں میاں بیوی شہادت کے اہل ہوں۔ اس کی دلیل یہ ہے۔ اس کے بارے میں رکن شہادت ہے اور یہ بھی ضروری ہے وہ عورت ایسی ہو کہ اس پر زنا کا جھوٹا الزام لگانے والے پر حد قذف جاری ہو سکتی ہو اس کی دلیل یہ ہے یہ چیز مرد کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہوگی اس لئے عورت کا حصہ ہونا ضروری ہے۔ یہ بھی لازم ہے۔ بچے کی نفی کی گئی ہو اس کی دلیل یہ ہے: جب مرد عورت کے بچے کی نفی کر دے گا تو وہ اس پر زنا کا الزام لگانے والا شمار ہوگا جیسا کہ یہ بات ظاہر ہے اور یہاں یہ احتمال معتبر نہیں ہوگا وہ بچہ کسی دوسرے کا ہو اور شبہ کے نتیجے میں دلی کے نتیجے میں پیدا ہوا ہو۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی اجنبی س کے باپ کے معروف نسب کا نثار کر دے اس کی دلیل یہ ہے نسب میں اصل یہی ہے فراش صحیح ہو اور فاسد فراش کو اس کے ساتھ ملایا جائے گا۔ تو شوہر کا صحیح فراش کی نفی کرنا تہمت (زنا کا الزام لگانے) کے مترادف ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ ظاہر ہو جائے جسے (اس فراش صحیح) کے ساتھ ملایا گیا ہے۔

شرح

اس سلسلے میں ہلال بن امیہ کے مقدمے کی جو تفصیلات صحاح ستہ اور مستدرک احمد اور تفسیر ابن جریر میں ابن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے منقول ہوئی ہیں ان میں بیان کیا گیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد ہلال اور ان کی بیوی، دونوں عدالت

نبوی میں حاضر کیے گئے۔ پہلے حکم خداوندی سنایا۔ پھر فرمایا خوب سمجھو کہ آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے زیادہ سخت چیز ہے۔ ہلال نے عرض کیا میں نے اس پر بالکل صحیح الزام لگایا ہے۔ عورت نے کہا یہ بالکل جھوٹ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا چھا، تو ان دونوں میں ملاعت کرائی جائے۔ چنانچہ پہلے ہلال اٹھے اور انہوں نے حکم قرآنی کے مطابق قسمیں کھالی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دوران میں بار بار فرماتے رہے اللہ کو معصوم ہے کہ تم میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے، پھر کیا تم میں سے کوئی توبہ کرے گا؟ پانچویں قسم سے پہلے حاضرین نے ہلال سے کہا خدا سے ڈرو، دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے ہلکا ہے۔ یہ پانچویں قسم پر عذاب واجب کر دے گی۔ مگر ہلال نے کہا جس خدا نے یہاں میری پیٹھ بچائی ہے وہ آخرت میں بھی مجھے عذاب نہیں دے گا۔ یہ کہہ کر انہوں نے پانچویں قسم بھی کھالی۔ پھر عورت اٹھی اور اس نے بھی قسمیں کھانی شروع کیں۔ پانچویں قسم سے پہلے اسے بھی روک کر کہا گیا کہ خدا سے ڈرو، آخرت کے عذاب کی بہ نسبت دنیا کا عذاب بے حد اشت کرینہ آسان ہے۔

یہ آخری قسم تھ پر عذاب الہی کو واجب کر دے گی۔ یہ سن کر وہ کچھ دیر رکتی اور جھپکتی رہی۔ لوگوں نے سمجھا اعتراف کرنا چاہتی ہے مگر پھر کہنے لگی میں ہمیشہ کے لیے اپنے قبیلے کو رسوا نہیں کروں گی اور پانچویں قسم بھی کھا گئی۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے درمیان تفریق کرادی اور فیصلہ فرمایا کہ اس کا بچہ (جو اس وقت پیٹ میں تھا) ماں کی طرف منسوب ہوگا، باپ کا نہیں پکارا جائے گا، کسی کو اس پر یا اس کے بچے پر الزام لگانے کا حق نہ ہوگا، جو اس پر یا اس کے بچے پر الزام لگائے گا وہ حد قذف کا مستحق ہوگا، ورنہ اس کو۔ تہ عدت کے نفلے اور سکونت کا کوئی حق ہلال پر حاصل نہیں ہے کیونکہ یہ طلاق و وفات کے بغیر شوہر سے جد کی جا رہی ہے۔ پھر آپ نے لوگوں سے کہا کہ اس کے ہاں جب بچہ ہو تو دیکھو وہ کس پر گیا ہے۔ اگر اس اس شکل کا ہو تو ہاں کا ہے، اور اگر اس صورت کا ہو تو اس شخص کا ہے جس کے بارے میں اس پر الزام لگایا گیا ہے۔ وضع حمل کے بعد دیکھا گیا کہ وہ مؤخر اندر صورت کا تھا، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کوئی ایسا نہ ہو (یا بہ روایت دیگر لا مصی من کتاب اللہ) لکان لی ولہا شان، یعنی اگر قسمیں نہ ہوتیں (یا خدا کی کتاب پہلے ہی فیصلہ نہ کر چکی ہوتی) تو میں اس عورت سے بری طرح پیش آتا۔

دور نبوی ﷺ میں طلاق خلاشہ کا نفاذ

عویمر عجلانی کے مقدمے کی روداد اہل بن عدساعدی اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی ابن ماجہ اور مسند احمد میں ملتی ہے۔ اس میں بیان ہوا ہے کہ عویمر اور ان کی بیوی، دونوں مسجد نبوی میں بلائے گئے۔ ملاعت سے پہلے حضور ﷺ نے ان کو بھی تنبیہ کرتے ہوئے تین بار فرمایا اللہ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے۔ پھر کیا تم میں سے کوئی توبہ کرے گا؟ جب کسی نے توبہ نہ کی تو دونوں میں ملاعت کرائی گئی۔ اس کے بعد عویمر نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اب اگر میں اس عورت کو رکھوں تو جھوٹا ہوں۔ یہ کہہ کر انہوں نے تین طلاقیں دے دیں بغیر اس کے کہ حضور ﷺ نے ان کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہوتا۔ اہل بن سعد کہتے ہیں کہ ان طلاقیں کو حضور ﷺ نے نافذ فرمایا اور ان کے درمیان تفریق کرادی اور فرمایا کہ یہ تفریق ہے ہر ایسے جوڑے



کے معاملے میں جو باہم لعان کرے۔ اور سنت یہ قائم ہوگئی کہ لون کرنے والے زوجین کو جدا کر دیا جائے، پھر وہ دونوں کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔ مگر بن عمر صرف اتنا بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ان کے درمیان تفریق کر دی۔ سہل بن سعد یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ عورت حد قحی اور عوبیر نے کہا کہ یہ حمل میرا نہیں ہے۔ اس بنا پر بچہ ماں کی طرف منسوب کیا گیا۔ ورسنت یہ جاری ہوئی کہ اس طرح کا بچہ ماں سے میراث پائے گا اور ماں ہی اس سے میراث پائے گی۔

ان دو مقدموں کے علاوہ متعدد روایات ہم کو کتب حدیث میں ایسی بھی ملتی ہیں جن میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ کن اشخاص کے مقدموں کی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض ان ہی دونوں مقدموں سے تعلق رکھتی ہوں، مگر بعض میں کچھ دوسرے مقدمات کا بھی ذکر ہے اور ان سے قانون لعان کے بعض اہم نکات پر روشنی پڑتی ہے۔

حضرت ابن عمر ایک مقدمے کی روداد بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ زوجین جب لعان کر چکے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق کر دی (بخاری، مسلم، نسائی، احمد، ابن جریر)۔ ابن عمر کی ایک اور روایت ہے کہ ایک شخص اور اس کی بیوی کے لیے لعان کرایا گیا۔ پھر اس نے حمل سے انکار کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق کر دی اور فیصلہ فرمایا کہ بچہ مع ماں کا ہوگا (صحاح سنہ اور مسند احمد بن حنبل)۔

حضرت ابن عمر کی ایک اور روایت ہے کہ ملاعت کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا تمہارا حساب اب اللہ کے ذمہ ہے، تم میں ایک بہر حال جھوٹا ہے۔ پھر آپ نے مرد سے فرمایا: لا سیل لك علیہا (یعنی اب یہ تیری نہیں رہی۔ نہ تو اس پر کوئی حق جزا رہتا ہے، نہ کسی قسم کی دست درازی یا دوسری انتقامی حرکت اس کے خلاف کرنے کا مجاز ہے)۔ مرد نے کہا یا رسول اللہ اور میرا مال (یعنی وہ میرا تو مجھے دلوائے جو میں نے سے دیا تھا)۔ فرمایا: لا مال لك، ان كنت صدقت علیہا فهو بما استحل من فرجہا وان كنت كذبت علیہا فذاك ابعدا و ابعدا لك منها (یعنی مال واپس لینے کا تجھے کوئی حق نہیں ہے، اگر تو نے اس پر سچا الزم لگایا ہے تو وہ مال اس لذت کا بدن ہے جو تو نے حلال کر کے اس سے اٹھائی، اور اگر تو نے اس پر جھوٹ الزام لگایا ہے تو مال تجھ سے اور بھی زیادہ دور چلا گیا، وہ اس کی بہ نسبت تجھ سے زیادہ دور ہے) (بخاری، مسلم، ابوداؤد)۔

امداد قطنی نے علی بن ابی طالب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے: سنت یہ مقرر ہو چکی ہے کہ لعان کرنے والے زوجین پھر کبھی باہم جمع نہیں ہو سکتے (یعنی ان کا دوبارہ نکاح پھر کبھی نہیں ہو سکتا)۔ اور دارقطنی ہی حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ یہ دونوں پھر کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔

حضرت تبصر بن ذؤیب کی روایت ہے کہ حضرت عمر کے زمانے میں ایک شخص نے اپنی بیوی کے حمل کو ناجائز قرار دیا، پھر اعتراف کر لیا کہ یہ حمل اس کا اپنا ہے، پھر وضع حمل کے بعد کہنے لگا کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے۔ معاملہ حضرت عمر کی عدالت میں پیش ہوا۔ ڈنے اس پر حد تفسہ جاری کی اور فیصلہ کیا کہ بچہ اس کی طرف منسوب ہوگا (دارقطنی، بیہقی)۔

حضرت بن عباس روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا میری ایک بیوی ہے جو مجھے بہت محبوب ہے۔ مگر

اس کا حال یہ ہے کہ کسی ہاتھ لگانے والے کا ہاتھ نہیں جھٹکتی (واضح رہے کہ یہ کن یہ تھا جس کے معنی زنا کے بھی ہو سکتے ہیں اور زنا سے کم تر درجے کی اخلاقی کمزوری کے بھی)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلاق دیدے۔ اس نے کہا مگر میں اس کے بغیر رہ نہیں سکتا۔ فرمایا وہ اسے رکھے رہ (یعنی آپ نے اس سے اس کنایہ کی تشریح نہیں کر لی اور اس کے قول کو الزام زنا پر محمول کر کے عدالت کا حکم نہیں دیا)۔ (سنن نسائی)۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نے حاضر ہو کر عرض کیا میری بیوی نے کارلڑکا جتنا سے اور میں نہیں سمجھتا کہ ہو میرا ہے (یعنی محض لڑکے کے رنگ نے اسے شبہ میں ڈالا تاہم بیوی پر زنا کا الزام لگانے کے لیے اس کے پاس کوئی اور دلیل نہ تھی)۔ آپ نے پوچھا حیرے پس کچھ اونٹ تو ہوں گے۔ اس نے عرض کیا ہاں۔ آپ نے پوچھا ان کے رنگ کیا ہیں؟ کہنے لگا سرخ۔ آپ نے پوچھا ان میں کوئی خاستری بھی ہے؟ کہنے لگا جی ہاں، بعض ایسے بھی ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ رنگ کہاں سے آیا؟ کہنے لگا شہید کوئی رگ کھینچ لے گئی (یعنی ان کے ہاتھ اور اس سے کوئی اس رنگ کا ہوگا اور اس کا ثران میں گیا)۔ فرمایا شہید اس بچے کو بھی دئی رگ کھینچ لے گئی اور آپ نے اسے نخی ولد (بچے کے نسب سے انکار) کی اجازت نہ دی (بخاری، مسلم، احمد، ابوداؤد)۔

حضرت ابو ہریرہ کی ایک اور روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت لعن پر کلام کرتے ہوئے فرمایا جو عورت کسی خاندان میں ایسا بچہ گھسمائے جو اس خاندان کا نہیں ہے (یعنی حرام کا پیٹ رکھ کر شوہر کے سر منڈھ دے) اس کا اللہ سے کچھ واسطہ نہیں، لہذا اس کو جنت میں ہرگز داخل نہ کرے گا۔ اور جو مرد اپنے بچے کے نسب سے انکار کرے حالانکہ بچہ اس کو دیکھ رہا ہو، لہذا قیامت کے روز اس سے پردہ کرے گا اور اسے تمام اگلی کھچھی خلق کے سامنے رسوا کر دے گا (ابوداؤد، نسائی، دارقطنی)۔

سنت لعان اور یہ روایات و نظائر اور شریعت کے اصول عامہ اسلام میں قانون لعان کے وہما خذ ہیں جن کی روشنی میں فقہاء نے لعان کا مفصل ضابطہ بنایا ہے۔ اس ضابطے کی اہم دفعات یہ ہیں۔

۱: جو شخص بیوی کی بدکاری دیکھے اور عان کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے قتل کا مرتکب ہو جائے اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ اسے قتل کیا جائے کیونکہ اس کو طور حد جاری کرنے کا حق نہ تھا۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اسے قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کے فصل پر کوئی مواخذہ ہوگا بشرط یہ کہ اس کی صداقت ثابت ہو جائے (یعنی یہ کہ فی الواقع اس نے زنا ہی کے ارتکاب پر یہ فعل کیا)۔ امام احمد اور اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ اسے اس مرتکب کو گواہانے میں اسے قتل کا سبب بھی تھا۔

مالکیہ میں سے بن القاسم اور ابن حبیب اس پر مزید شرط یہ لگاتے ہیں کہ زنی جسے قتل کیا گیا وہ شادی شدہ ہو، ورنہ کنوارے زانی کو قتل کرنے پر اس سے قصاص لیا جائے گا۔ مگر جہاں فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ اس کو قصاص سے صرف اس صورت میں معاف کیا جائے گا جب کہ وہ زنا کے چار گواہ پیش کرے، یا مقتول مرنے سے پہلے خود اس مرتکب اعتراف کر چکا ہو کہ وہ اس کی بیوی سے زنا کر رہا تھا، اور مزید یہ کہ مقتول شادی شدہ ہو (نیل الاوطار، ج 6، ص 228)۔

لعان گھر بیٹھے آپس ہی میں نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے عدالت میں جانا ضروری ہے۔

لعان کے مطالبے کا حق صرف مرد ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ عورت بھی عدالت میں اس کا مطالبہ کر سکتی ہے جب کہ شوہر اس پر بدکاری کا الزام لگائے یا اس کے بچے کا نسب تسلیم کرنے سے انکار کرے۔

لعان کا کنہ یہ واستحاریہ سے عدم ثبوت کا بیان

لعان محض کنایہ اور استعارے یا اظہار شک و شبہ پر لازم نہیں آتا، بلکہ صرف اس صورت میں لازم آتا ہے جب کہ شوہر صریح طور پر زنا کا الزام عہد کرے یا صاف الفاظ میں بچے کو اپنا بچہ تسلیم کرنے سے انکار کر دے۔ امام مالک علیہ الرحمہ اور لیث بن سعد اس پر یہ مزید شرط بڑھاتے ہیں کہ قسم کھاتے وقت شوہر کو یہ کہنا چاہیے کہ اس نے اپنی آنکھوں سے بیوی کو زنا میں مبتلا دیکھا ہے۔ لیکن یہ قید نے بنیاد ہے۔ اس کی کوئی اصل نہ قرآن میں ہے اور نہ حدیث میں۔

لاعن کے قسم سے پہلو تہی کرنے میں مذاہب اربعہ

گر الزام لگانے کے بعد شوہر قسم کھانے سے پہلو تہی کرے تو امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ اسے قید کر دیا جائے گا اور جب تک وہ لعان نہ کرے یا اپنے الزام کا جھوٹا ہونا نہ مان لے، اسے نہ چھوڑا جائے گا، اور جھوٹ مان لینے کی صورت میں اس کو حد قذف لگائی جائے گی۔ اس کے برعکس امام مالک علیہ الرحمہ، شافعی، حسن بن صالح اور لیث بن سعد کی دلیل یہ ہے کہ لعان سے پہلو تہی کرنا خود ہی اقرار کذب ہے اس لیے حد قذف واجب آ جاتی ہے۔

اگر شوہر کے قسم کھا چکنے کے بعد عورت لعان سے پہلو تہی کرے تو حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ اسے قید کر دیا جائے اور اس وقت تک نہ چھوڑا جائے جب تک وہ لعان نہ کرے، یا پھر زنا کا اقرار نہ کر لے۔ دوسری طرف مذکورہ بالا ائمہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں اسے رجم کر دیا جائے گا۔ ان کا استدلال قرآن کے اس ارشاد سے ہے کہ عورت سے عذاب صرف اس صورت میں دفع ہوگا جب کہ وہ بھی قسم کھائے۔ اب چونکہ وہ قسم نہیں کھاتی اس لیے بحال وہ عذاب کی مستحق ہے۔

اقرار سے ثبوت حد اور مودودی کی جعل سازی

لیکن اس دلیل میں کمزوری یہ ہے کہ قرآن یہاں عذاب کی نوعیت تجویز نہیں کرتا بلکہ مطلقاً سزا کا ذکر کرتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ سزا سے مراد یہاں زنا ہی کی سزا ہو سکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ زنا کی سزا کے لیے قرآن نے صاف الفاظ میں چار گواہوں کی شرط لگائی ہے۔ اس شرط کو محض ایک شخص کی چار قسمیں پورا نہیں کر دیتیں۔ شوہر کی قسمیں اس بات کے لیے تو کافی ہیں کہ وہ خود قذف کی سزا سے بچ جائے اور عورت پر لعان کے احکام مترتب ہو سکیں، مگر اس بات کے لیے کافی نہیں ہیں کہ ان سے عورت پر زنا کا الزام ثابت ہو جائے۔ عورت کا جوابی قسمیں کھانے سے انکار شبہ ضرور پیدا کرتا ہے اور بڑا تو کی شبہ پیدا کر دیتا ہے، لیکن شبہات پر حدود جاری نہیں کی جاسکتیں۔ اس معاملہ کو مرد کی حد قذف پر قیاس نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ اس کا قذف تو ثابت ہے، چھٹی تو اس کو لعان پر مجبور کیا جاتا ہے۔ مگر اس کے برعکس عورت پر زنا کا الزام ثابت نہیں ہے کیونکہ وہ اس کے اپنے اقرار یا چار یعنی شہادتوں کے

بغیر ثابت نہیں ہو سکتا۔ (نوٹ۔ اقرار سے ثبوت حد میں شرعی نصوص موجود ہیں اہل علم سے مخفی نہیں ہے) لعان کے قانونی نتائج میں سے بعض متفق علیہ ہیں، اور بعض میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

متفق علیہ نتائج یہ ہیں: عورت اور مرد دونوں کسی سزا کے مستحق نہیں رہتے۔ مرد بچے کے نسب کا منکر ہو تو بچہ صرف ماں کا قرار پائے گا، نہ باپ کی طرف منسوب ہوگا نہ اس سے میراث پائے گا، ماں اس کی وارث ہوگی اور وہ ماں کا وارث ہوگا۔ عورت کو زانیہ اور اس کے بچے کو ذمہ الزنا کہنے کا کسی کو حق نہ ہوگا، خواہ لعان کے وقت اس کے حالات ایسے ہی کیوں نہ ہوں کہ لوگوں کو اس کے زانیہ ہونے میں شک نہ رہے۔ جو شخص لعان کے بعد اس پر یا اس کے بچے پر سابق الزام کا عہد کرے گا وہ حد کا مستحق ہوگا۔ عورت کا مہر ساقط نہ ہوگا۔ عورت دوران عدت میں مرد سے نفقہ و مسکن پانے کی حق دار نہ ہوگی۔ عورت اس مرد کے لیے حرام ہو جائے گی۔

تفریق لعان میں فقہی مذاہب اربعہ

اختلاف دو مسئلوں میں ہے۔ ایک یہ کہ لعان کے بعد عورت اور مرد کی علیحدگی کیسے ہوگی؟ دوسرے یہ کہ لعان کی بنا پر علیحدہ ہو جانے کے بعد کیا ان دونوں کا پھریل جانا ممکن ہے؟ پہلے مسئلے میں امام شافعی کہتے ہیں کہ جس وقت مرد لعان سے فارغ ہو جائے اسی وقت فرقت آپ سے آپ واقع ہو جاتی ہے خواہ عورت جوابی لعان کرے نہ کرے۔ امام مالک علیہ الرحمہ، بیہ بن سعد اور زفر کہتے ہیں کہ مرد اور عورت دونوں جب لعان سے فارغ ہوں تب فرقت واقع ہوتی ہے۔ اور امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ، ابو یوسف اور محمد کہتے ہیں کہ لعان سے فرقت آپ ہی آپ واقع نہیں ہو جاتی بلکہ عدالت کے تفریق کرانے سے ہوتی ہے۔ اگر شوہر خود طلاق دے دے تو بہتر، ورنہ حاکم عدالت ان کے درمیان تفریق کا اعلان کرے گا۔

دوسرے مسئلے میں امام مالک علیہ الرحمہ، ابو یوسف، زمر، سفیان ثوری، اسحاق بن راہویہ، شافعی، احمد بن حنبل اور حسن بن زید کہتے ہیں کہ لعان سے جو زوجین جدا ہوئے ہوں وہ پھر ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے پر حرام ہو جاتے ہیں، دوبارہ وہ باہم نکاح کرنا بھی چاہیں تو کسی حال میں نہیں کر سکتے۔ یہی دلیل حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت عند اللہ بن مسعود کی بھی ہے۔

جبکہ سعید بن مسیب، ابراہیم نخعی، شعبی، سعید بن جبیر، ابو حنیفہ اور محمد رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر شوہر اپنا جھوٹ مان لے اور اس پر حد قذف جاری ہو جائے تو پھر ان دونوں کے درمیان دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کو یک دوسرے کے لیے حرام کرنے والی چیز لعان ہے۔ جب تک وہ اس پر قائم رہیں، حرمت بھی قائم رہے گی۔ مگر جب شوہر اپنا جھوٹ مان کر سزا پا گیا تو لعان ختم ہو گیا اور حرمت بھی اٹھ گئی۔

میں عورت کا مطالبہ کرنا شرط ہے

وَيُسْتَرْطَطُ طَلَبُهَا لِأَنَّهُ حَقُّهَا فَلَا بُدَّ مِنْ طَلَبِهَا كَسَائِرِ الْحُقُوقِ (فَإِنْ امْتَنَعَ مِنْهُ حَبَسَهُ الْحَاكِمُ حَتَّى يَلَاعِنَ أَوْ يُكْذِبَ نَفْسَهُ) لِأَنَّهُ حَقٌّ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهِ وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى



إِيْقَانَهُ فَيُحْبِسُ بِهِ حَتَّى يَأْتِيَ بِمَا هُوَ عَلَيْهِ أَوْ يَكْذِبَ نَفْسُهُ لِيَرْفَعَ السَّبَبُ (وَلَوْ لَا عَنَ وَجَبَ عَلَيْهَا اللَّعَانُ) لِمَا تَلَوْنَا مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا أَنَّهُ يُبْتَدَأُ بِالزَّوْجِ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُدْعَى (فَإِنْ امْتَنَعَتْ حَبَسَهَا الْحَاكِمُ حَتَّى تَلَا عِنَ أَوْ تُصَدِّقَهُ) لِأَنَّهُ حَقٌّ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهَا وَهِيَ قَادِرَةٌ عَلَى إِيْقَانِهِ فَتُحْبَسُ فِيهِ.

ترجمہ

اور لعن کرنے کے لئے بیوی کو مطالبہ کرنا شرط ہے کیونکہ لعن کروانا عورت کا حق ہے تو دوسرے حقوق کی طرح اس میں بھی مطالبہ کرنا اور دعویٰ کرنا ضروری ہوگا۔ اگر عورت کے مطالبہ کرنے پر شوہر لعن کرنے سے انکار کر دے تو حاکم وقت اسے قید کر دے گا یہاں تک کہ وہ لعن کرے گا یا پھر یہ اقرار کرے گا میرا دعویٰ جھوٹا تھا تاکہ اس پر حد قذف جاری کی جاسکے۔ اس کی دلیل یہ ہے لعن کرنا شوہر پر لازم اور ضروری ہے اور مرد کو اس بات کو پورا کرنے کی قدرت بھی حاصل ہے لہذا اسے قید کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اس حق کو پورا کرے یا پھر اپنی بات کی تکذیب کرے تاکہ جس بنیاد پر یہ حق لازم ہوا تھا اسے ختم کیا جاسکے۔ اگر شوہر لعن کرتا ہے تو عورت پر بھی لعن کرنا لازم ہوگا کیونکہ لعن کا تقاضا یہی ہے البتہ حاکم کا آغاز مرد کرے گا کیونکہ دعویٰ اسی نے کیا ہے۔ اگر عورت لعن سے انکار کر دیتی ہے تو حاکم اسے قید کر دے گا یہاں تک کہ وہ لعن کرے گی یا پھر مرد کے دعوے کی تصدیق کر دے گی کیونکہ لعن کرنا عورت پر لازم ہے اور یہ بھی اس کی ادائیگی پر قادر ہے تو (انکار پر) عورت کو قید کیا جائے گا۔

لعن کی شرائط کا فقہی بیان

شیخ نظام الدین حنفی کہتے ہیں کہ لعن کی درج ذیل شرائط ہیں۔ (۱) نکاح صحیح ہو۔ اگر اس عورت سے اس کا نکاح فاسد ہوا ہے۔ ورتہمت لگائی تو لعن نہیں۔ (۲) زوجیت قائم ہو خواہ دخول ہوا ہو یا نہیں لہذا اگر تہمت لگانے کے بعد طلاق بائن دی تو لعن نہیں ہو سکتا اگرچہ طلاق دینے کے بعد پھر نکاح کر لیا۔ یونہی اگر طلاق بائن دینے کے بعد تہمت لگائی یا ردیل کے مر جانے کے بعد تو لعن نہیں اور اگر تہمت کے بعد رجعی طلاق دی یا رجعی طلاق کے بعد تہمت لگائی تو لعن ساقط نہیں۔

(۳) دونوں آزاد ہوں۔ (۴) دونوں عاقل ہوں۔ (۵) دونوں بالغ ہوں۔ (۶) دونوں مسلمان ہوں۔ (۷) دونوں ناطق ہوں یعنی اُن میں کوئی گونگا نہ ہو۔ (۸) اُن میں کسی پر حد قذف نہ لگائی گئی ہو۔ (۹) مرد نے اپنے اس قول پر گواہ نہ پیش کیے ہوں۔

(۱۰) عورت زنا سے انکار کرتی ہو اور اپنے کو پار ساقبتی ہوا اصطلاح شرع میں پار ساقبتی کو کہتے ہیں جس کے ساتھ وطی حرام نہ ہوئی ہو نہ وہ اسکے ساتھ متہم ہو۔ لہذا طلاق بائن کی عدت میں اگر شوہر نے اُس سے وطی کی اگرچہ وہ اپنی نادانی سے یہ سمجھتا تھا کہ اس سے وطی حلال ہے تو عورت عقیقہ نہیں۔ یونہی اگر نکاح فاسد کر کے اُس سے وطی کی تو عفت جاتی رہی یا عورت کی اولاد ہے جس

کے باپ کو یہاں کے شوہر نہ جانتے ہوں اگرچہ حقیقہ وہ ولد الزنا (۳) نہیں ہے یہ صورت متہم ہونے کی ہے اس سے بھی عفت جاتی رہتی ہے۔ اور اگر وطی حرام عارضی سبب سے ہو مثلاً حیض و نفاس وغیرہ میں جن میں وطی حرام ہے وطی کی تو اس سے عفت نہیں جاتی۔

(۱۱) صریح زنا کی تہمت لگائی ہو یا اُس کی جو اولاد اسکے نکاح میں پیدا ہوئی اُس کو کہتا ہو کہ یہ میری نہیں یا جو بچہ عورت کا دوسرے شوہر سے ہے اُس کو کہتا ہو کہ یہ اُس کا نہیں۔ (۱۲) دارالاسلام میں یہ تہمت لگائی ہو۔ (۱۳) عورت قاضی کے پاس اُس کا مطالبہ کرے۔ (۱۴) شوہر تہمت لگانے کا اقرار کرتا ہو یا دوسرا گواہوں سے ثابت ہو۔ لعن کے وقت عورت کا کھڑا ہونا شرط نہیں بلکہ مستحب ہے۔ (عالمگیری، باب لعن، ۵، ص ۵۱۵، میردت)

شوہر کے غلام کا فریا محمد ورنی قذف ہونے کا حکم

وَرَدًا كَانَ الزَّوْجُ عَبْدًا أَوْ كَافِرًا أَوْ مَخْذُومًا فِي قَذْفٍ فَقَذَفَ امْرَأَتَهُ فَعَلَيْهِ الْحَدُّ لِأَنَّهُ تَعَذَّرَ اللَّعَانُ لِمَعْنَى مِنْ حَيْثُ قَبِلَ قَبْضًا إِلَى الْمُؤْجِبِ الْأَصْلِيِّ وَهُوَ الثَّابِتُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ) الْآيَةَ، وَاللَّعَانُ خَلْفَ عُنَى.

ترجمہ

اور اگر کسی کا شوہر غلام ہو یا اس پر حد قذف جاری ہو چکی ہو اور وہ اپنی بیوی پر الزام لگائے تو اس مرد پر ہی حد قذف جاری ہوگی کیونکہ شوہر میں ایک ایسا سبب پایا جاتا ہے جو لعن کے لئے رکاوٹ ہے تو وہ اصل سبب کا مستحق قرار پائے گا۔ اس کا حکم اس نص سے ثابت ہے جو گوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کا الزام لگائیں اور ان کے پاس کوئی گواہ نہ ہو تو انہیں اسی کوڑے لگائے جائیں گے اور ان کی گواہی کبھی بھی قبول نہیں کی جائے گی تو لعن دراصل اسی سبب کا قائم مقام ہے۔

شرح

وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ. (النور، ۴)

اور جو پار ساقبتی کو عیب لگائیں پھر چار گواہ معتمدہ کے نہ لائیں تو انہیں اسی کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی نہ مانو۔ اور وہی فاسق ہیں۔ (کنز الایمان)

المست کے معروف عالم صدر الافاض مولانا نعیم الدین مراد آبادی حنفی علیہ رحمہ لکھتے ہیں۔

زنا کی شہادت کا نصاب چار گواہ ہیں۔

حد قذف مطالبہ پر مشروط ہے جس پر تہمت لگائی گئی ہے اگر وہ مطالبہ نہ کرے تو قاضی پر حد قائم کرنا لازم نہیں۔

مطالبہ کا حق اسی کو ہے جس پر تہمت لگائی گئی ہے اگر وہ زندہ ہو اور اگر مر گیا ہو تو اس کے بیٹے پوتے کو بھی ہے۔

غلام اپنے مولیٰ پر اور بیٹا باپ پر قذف یعنی اپنی ماں پر زنا کی تہمت لگانے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ قذف کے الفاظ یہ ہیں کہ وہ صریحہ کسی کو یا زانی کہے یا یہ کہے کہ تو اپنے باپ سے نہیں ہے یا اس کے باپ کا نام لے کر کہے کہ تو فلاں کا بیٹا نہیں ہے یا اس کو زانیہ کا بیٹہ کہہ کر پکارے اور ہواس کی ماں پر سا تو ایسا شخص قاذف ہو جائے گا اور اس پر تہمت کی حد آئے گی۔

اگر غیر محسن کو زنا کی تہمت لگائی مثلاً کسی غلام کو یا کافر کو یا ایسے شخص کو جس کا کلمہ زنا کرنا ثابت ہو تو اس پر حد قذف قائم نہ ہوگی بلکہ اس پر تعزیر واجب ہوگی اور یہ تعزیر تین سے انتالیس تک حسب تجویز حکم شرع کوڑے لگانا ہے اسی طرح اگر کسی شخص نے زنا کے سوا اور کسی فجور کی تہمت لگائی اور پارہ مسلمان کو اسے فاسق، اسے کافر، اسے خبیث، اسے چور، اسے بدکار، اسے فحش، اسے بددیانت، اسے لوطی، اسے زندیق، اسے روث، اسے شرابی، اسے سودخوار، اسے بدکار عورت کے بچے، اسے حرام زادے، اس قسم کے الفاظ کہے تو بھی اس پر تعزیر واجب ہوگی۔

ام یعنی حکم شرع کو اور اس شخص کو جسے تہمت لگائی گئی ہو ثبوت سے قبل معاف کرنے کا حق ہے۔ اگر تہمت لگانے والا آزاد نہ ہو بلکہ غلام ہو تو اس کے چالیس کوڑے لگائے جائیں گے۔ تہمت لگانے کے جرم میں جس کو حد لگائی گئی ہو اس کی گواہی کسی معاملہ میں معتبر نہیں چاہے وہ توبہ کرے لیکن رمضان کا چاند دیکھنے کے باب میں توبہ کرنے اور عہد دل ہونے کی صورت میں اس کا قول قبول کر لیا جائے گا کیونکہ یہ درحقیقت شہادت نہیں ہے اسی سے اس میں لفظ شہادت اور نصب شہادت بھی شرط نہیں۔

(خزان العرفان)

علامہ ابن عابدین آفندی حنفی عیادہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی عورت پر شوہر نے تہمت لگائی اور اب لعان سے انکار کرتا ہے تو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ لعان کرے یا کہے میں نے جھوٹ کہا تھا اگر جھوٹ کا اقرار کرے تو اس پر حد قذف قائم کریں اور شوہر نے لعان کے الفاظ ادا کر لیے تو ضرور ہے کہ عورت بھی ادا کرے ورنہ قید کی جائیگی یہاں تک کہ جان کرے یا شوہر کی تصدیق کرے اور اب لعان نہیں ہو سکتا نہ آئندہ تہمت لگانے سے شوہر پر حد قذف قائم ہوگی مگر عورت پر تصدیق شوہر کی دلیل سے حد زنا بھی قائم نہ ہوگی جبکہ لفظ اتاکھا ہو کہ وہ سچا ہے اور اگر اپنے زنا کا اقرار کیا تو بشرط اقرار زنا حد زنا قائم ہوگی۔

اور جب شوہر کے ناقابل شہادت ہونے کی دلیل سے اگر لعان ساقط ہو مثلاً غلام ہے یا کافر یا اس پر حد قذف لگائی جا چکی ہے تو حد قذف قائم کی جائے بشرطیکہ عاقل بالغ ہو۔ اور اگر لعان کا ساقط ہونا عورت کی جانب سے ہے کہ وہ اس قابل نہیں مثلاً کافرہ ہے یا باندی یا محدودہ فی القذف یا وہ ایسی ہے کہ اس پر تہمت لگانے والے کے لیے حد قذف نہ ہو یعنی عقیقہ نہ ہو تو شوہر پر حد قذف نہیں بلکہ تعزیر ہے مگر جبکہ عقیقہ نہ ہو اور علانیہ زنا کرتی ہو تو تعزیر بھی نہیں اور اگر دونوں محدودہ فی القذف ہوں تو شوہر پر حد قذف ہے۔

(رد مختار، کتاب طلاق، باب لعان)

بیوی کے کنیز، کافر، محدودہ فی قذف ہونے کا حکم

(وَأَنَّ كَسَنَ مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ وَهِيَ أَمَةٌ أَوْ كَافِرَةٌ أَوْ مَحْدُودَةٌ فِي قَذْفٍ أَوْ كَذَبٍ أَوْ كَذَبَتْ مِمَّنْ لَا يُحَدُّ قَافِلُهَا) بِأَنَّ كَانَتْ صَبِيَّةً أَوْ مَجْنُونَةً أَوْ زَانِيَةً (فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ وَلَا لِعَانَ) لَا يُعَدَّمُ أَهْلِيَّةُ الشَّهَادَةِ وَعَدَمُ الْإِحْصَانِ فِي جَانِبِهَا وَامْتِنَاعُ اللَّعَانِ لِمَعْنَى مِنْ جِهَتِهَا فَيَسْقُطُ الْحَدُّ كَمَا إِذَا صَدَّقَتْهُ، وَالْأَصْلُ فِي ذَلِكَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (أَرْبَعَةٌ لَا لِعَانَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ زَوَاجِهِمْ: الْيَهُودِيَّةُ وَالنَّصْرَانِيَّةُ تَحْتَ الْمُسْلِمِ، وَالْمَمْلُوكَةُ تَحْتَ الْحُرِّ، وَالْحُرَّةُ تَحْتَ الْمَمْلُوكِ (۱)) وَلَوْ كَانَا مَحْدُودَيْنِ فِي قَذْفٍ فَلَعَلَّيْهِ الْحَدُّ لِأَنَّ امْتِنَاعَ اللَّعَانِ بِمَعْنَى مِنْ جِهَتِهِ إِذْ هُوَ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهِ

ترجمہ

اگر شوہر گواہی دینے کا اہل ہو مگر اس کی بیوی کنیز ہو یا کافر ہو یا اس پر حد قذف جاری ہو چکی ہو یا وہ ان عورتوں میں سے ہو جن پر لزام لگانے پر سزا نہیں دی جاتی جیسے وہ نابالغ ہو یا گھل ہو یا فاحشہ عورت ہو تو عورت پر نہ حد جاری ہوگی نہ لعان کرنا لازم ہوگا کیونکہ عورت شہادت کی اہلیت نہیں رکھتی ہے کیونکہ وہ محض نہیں ہے تو اب چونکہ لعان میں رکاوٹ عورت کی طرف سے ہے اس لئے مرد سے حد ساقط ہو جائے گی۔ جیسے اس وقت ساقط ہو جاتی جب عورت مرد کی بات کی تصدیق کر دیتی۔ اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ”چار آدمی ایسے ہیں جن کے بیویوں اور ان کے درمیان لعان نہیں ہو سکتا (بیوی) یہودی ہو یا عیسائی ہو (اور اس کا شوہر) مسلمان ہو (بیوی) کنیز ہو جس کا شوہر آزاد شخص ہو (بیوی) آزاد عورت ہو (جس کا شوہر غلام ہو) اگر میان بیوی دونوں پر پہلے حد قذف جاری ہو چکی ہو تو مرد پر حد لازم آئے گی کیونکہ یہاں لعان میں رکاوٹ اس مرد کی دلیل سے آئے گی۔ کیونکہ وہی لعان کرنے کا اہل نہیں ہے۔

وہ چار عورتیں جن سے لعان نہیں ہوتا

حضرت عمر و ابن شعیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار طرح کی عورتیں ہیں کہ ان کے اور ان کے شوہروں کے درمیان لعان نہیں ہوتا ایک تو وہ نصرانیہ عورت یعنی عیسائی عورت جو کسی مسلمان کے نکاح میں ہو اور دوسری یہودیہ یعنی یہودی عورت جو کسی مسلمان کے نکاح میں ہو اور تیسری وہ آزاد عورت جو کسی غلام کے نکاح میں ہو اور چوتھی وہ لونڈی جو کسی آزاد کے نکاح میں ہو (ابن ماجہ)

(۱) أخرجه ابن ماجه في "سننه" رقم (۲۰۲۱)۔ والدارقطني في "سننه" ۱/۶۳۳ من طريق عمرو بن شعيب عن جده مرفوعاً وموقفاً۔

ودخل عمرو من لا يثبت عليه۔ ورجح الدارقطني الموقوف۔



مضبوط یہ ہے کہ اگر کوئی عورت یا بیوی کوئی مرد یا عورت کے درمیان میں ہو اور اس کا خدا سے یہ زمانہ بہت گناہوں سے پاک ہو اور اس کی تردید کرے تو اس صورت میں ان دونوں کے درمیان میں نہیں آریا جائے گا اسی طرح اگر کوئی آزاد عورت کسی غلام کے نکاح میں ہو یا کوئی عورت کسی آزاد کے نکاح میں ہو تو اس کے درمیان میں بھی عورت نہیں ہوگا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ عورت راصل شہادت و گواہی ہے اس لئے عورت کی صورت میں مرد و عورت دونوں کا اہل شہادت کہ جن کی شہادت شرعی طور پر معتبر ہوتی ہے ہونا ضروری ہے جب کہ مملوک یعنی غلام و بیوی اور کافر اہل شہادت نہیں ہیں یعنی کسی معاملہ میں ان کی شہادت و گواہی شرعی طور پر معتبر نہیں ہے لہذا ان کے درمیان لعان کی کوئی صورت نہیں۔

**محدود قذف ہونے والے کی شہادت میں مذاہب اربعہ**

جو لوگ کسی عورت پر یا کسی مرد پر زنا کاری کی تہمت لگائیں اور ثبوت نہ دے سکیں تو انہیں اسی کوڑے لگائے جائیں گے، اگر شہادت پیش کر دیں تو حد سے بچ جائیں گے ورنہ جرم ثابت ہوا ہے ان پر حد جاری کی جائے گی۔ اگر شہادت نہ پیش کر سکے تو اسی کوڑے بھی لگیں گے اور آئندہ کیلئے ہمیشہ ان کی شہادت غیر مقبول رہے گی اور وہ عداوت نہیں بلکہ فسق سمجھے جائیں گے۔ اس آیت میں جن لوگوں کو مخصوص و مستثنیٰ کر دیا ہے تو بعض تو کہتے ہیں کہ یہ استثنا صرف فسق ہونے سے ہے یعنی بعد از قذف وہ بائق نہیں رہتے۔ بعض کہتے ہیں نہ فسق میں گئے نہ مرد و الشہادۃ بلکہ پھر ان کی شہادت بھی لی جائے گی۔ ہاں حد جو ہے وہ تو ہے کسی طرح چٹ نہیں سکتی۔

امام مالک، احمد اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب تو یہ ہے کہ قذف سے شہادت کا مردود ہونا اور فسق ہٹ جائے گا۔ سیدنا یحییٰ بن عمر بن سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ اور مطلق کی ایک جماعت کا بھی مذہب ہے،

لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صرف فسق اور ہو جائے گا لیکن شہادت قبول نہیں ہو سکتی۔ بعض اور لوگ بھی کہتے ہیں۔ شعی و رخصی کہتے ہیں کہ اگر اس سے اس بات کا اقرار کر لیا کہ اسے بہت بڑا ہاتھ اور پھر تو باقی پوری کی تو اس کی شہادت اس کے بعد مقبول ہے۔ واللہ اعلم۔

**شرائک لعان شوافع و احناف کا اختلاف**

کیا جان ہر زوج و زوجہ کے درمیان ہو سکتا ہے یا اس کے لیے دووں میں کچھ شرائط ہیں؟ اس مسئلے میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ جس کی قسم قذوفی حیثیت سے معتبر ہو اور جس کو طلاق دینے کا اختیار ہو وہ لعان کر سکتا ہے۔ لیکن ان کے نزدیک صرف عاقل اور بالغ ہونا ہی شہادت کے لیے کافی ہے خواہ زوجین مسلم ہوں یا کافر، غلام ہوں یا آزاد، متبوع الشہادت ہوں یا نہ ہوں، اور مسم شہر کی بیوی یا مسلمان ہو یا زنی۔ قریب قریب یہی دلیل امام مالک علیہ الرحمہ اور امام احمد کی بھی ہے۔

مگر حنفیہ کہتے ہیں کہ لعان صرف ایسے آزاد مسلمان زوجین ہی میں ہو سکتا ہے جو قذف کے جرم میں مزایافتہ نہ ہوں۔ اگر عورت + مرد دونوں کافر ہوں، یا غلام ہوں، یا قذف کے جرم میں پہلے سے مزایافتہ ہوں تو ان کے درمیان لعان نہیں ہو سکتا۔ مزید اس جماعت بھی اس سے پہلے حرام یا مشتبہ طریقے پر کسی مرد سے طوط ہو چکی ہو تب بھی حلال درست نہ ہوگا۔ یہ شرحیں حنفیہ نے اس نایر گائی میں کہ ان کے نزدیک لعان کے قانون اور قذف کے قانون میں اس نے سوائے فرق نہیں ہے کہ غیر آدمی اگر قذف کا مرتکب ہو تو اس کے لیے حد ہے اور شوہر اس کا ارتکاب کرے تو وہ جان سر کے چھوٹ سکتا ہے۔ باقی تمام حیثیتوں سے لعان اور قذف ایک ہی چیز ہے۔

سیدنا بریس حنفیہ کے نزدیک چونکہ لعان کی تو میں شہادت کی حیثیت رکھتی ہیں، اس لیے وہ کسی عورت کو اس کی اجازت نہیں دیتے جو شہادت کا اہل نہ ہو۔

**لعان کرنے کے طریقے کا بیان**

(وَصَفَةُ اللَّعَانِ أَنْ يَتَّيِدَ الْقَاضِي بِالزَّوْجِ فَيَشْهَدُ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ يَقُولُ فِي كُلِّ مَرَّةٍ أَشْهَدُ بِاللَّهِ إِنِّي لِمِنَ الصَّادِقِينَ فِيمَا رَمَيْتُهَا بِهِ مِنَ الزَّوْنِ، وَيَقُولُ فِي الْخَامِسَةِ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ فِيمَا رَمَاهَا بِهِ مِنَ الزَّوْنِ، يُشِيرُ إِلَيْهَا فِي جَمِيعِ ذَلِكَ ثُمَّ تَشْهَدُ الْمَرْأَةُ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ تَقُولُ فِي كُلِّ مَرَّةٍ أَشْهَدُ بِاللَّهِ أَنَّهُ لِمِنَ الْكَاذِبِينَ فِيمَا رَمَانِي بِهِ مِنَ الزَّوْنِ، وَتَقُولُ فِي الْخَامِسَةِ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ فِيمَا رَمَانِي بِهِ مِنَ الزَّوْنِ) وَالْأَصْلُ فِي مَا تَلَوْنَاهُ مِنَ النَّصْرِ. وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَبِيبَةَ أَنَّهُ بَاتِي بِلَفْظَةِ الْمَوْحَةِ يَقُولُ فِيمَا رَمَيْتُكَ بِهِ مِنَ الزَّوْنِ لِأَنَّهُ أَقْطَعَ لِلَاخْتِمَالِ. وَجَهٌ مَا ذُكِرَ فِي الْكِتَابِ أَنَّ لَفْظَةَ الْمُغَابَةِ إِذَا نَصَّمَتْ إِلَيْهَا الْإِشَارَةُ انْقَطَعَ لِاخْتِمَالِ.

ترجمہ

"راہنہ کا طریقہ یہ ہے قاضی شوہر سے آغاز کرے گا شوہر چار بار قسم اٹھائے گا اور ہر بار یہ لفظ کہے گا۔ "میں اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھ کر یہ بات کہتا ہوں کہ میں نے جو اس عورت پر زنا کا الزام لگایا ہے میں اس بار سے میں سچا ہوں اور پانچویں مرتبہ وہ یہ کہے گا: اگر میں اس پر الزام لگانے میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔" پانچوں مرتبہ مرد عورت کی طرف اشارہ کر کے یہ

کہے گا۔ شوہر کی طرح بیوی بھی چار بار گواہی دے گی اور ہر بار یہی کہے گی۔ ”میں اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھ کر کہتی ہوں کہ اس مرد نے مجھ پر جو الزام لگایا ہے وہ جھوٹا ہے۔“ پانچویں مرتبہ وہ یہ اظہار استعمال کرے گی۔ ”اگر اس نے یہ الزام سچ لگایا ہے تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو۔“ اس بارے میں مذکورہ آیت اصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ امام حسن (بن۔ یو) نے امام ابوحنیفہ سے یہ بات روایت کی ہے لعان کی گواہی میں شوہر مخاطب سے صیغے کو استعمال کرے گا یعنی یہ کہے گا۔ ”میں نے تم پر جو الزام لگایا ہے“ اس کی دلیل یہ ہے۔ اس میں دوسرا احتمال ختم ہو جاتا ہے کہ اب میں جو بات ذکر کی گئی ہے غائب کے صیغے کے ساتھ اشارہ بھی موجود ہو تو احتمال ختم ہو جاتا ہے۔

### لعان کا طریقہ اور فقہی تصریحات

ان آجوں میں اللہ تعالیٰ رب العالمین نے ان خاندانوں کیلئے جو اپنی بیویوں کی نسبت ایسی بات کہہ دیں چھٹکارے کی صورت بین فرمائی ہے کہ جب وہ گواہ پیش نہ کر سکیں تو لعان کر لیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ امام کے سامنے آ کر وہ اپنا بیان دے جب شہادت نہ پیش کر سکے تو حاکم اسے چار گواہوں کے قائم مقام چار قسمیں دے گا وہ یہ قسم کھا کر کہے گا کہ وہ سچا ہے جو بات کہتا ہے وہ حق ہے۔ پانچویں دفعہ کہے گا کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت۔

اتنا کہتے ہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے نزدیک اس کی عورت اس سے بائن ہو جائے گی اور ہمیشہ کیلئے حرام ہو جائے گی۔ یہ مہر ادا کر دے گا اور اس عورت پر زنا ثابت ہو جائے گی۔ لیکن اگر وہ عورت بھی سامنے نہ آئے تو حد اس پر سے ہٹ جائے گی۔ یہ بھی چار مرتبہ علفیہ بین دے گی کہ اس کا خاندان جھوٹا ہے۔

اور پانچویں مرتبہ کہے گی کہ اگر وہ سچا ہو تو اس پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ اس نکتہ کو بھی خیال میں رکھئے کہ عورت کیلئے غضب کا لفظ کہا گیا اس لئے کہ عموماً کوئی مرد نہیں چاہتا کہ وہ اپنی بیوی کو خواہ مخواہ تہمت لگائے اور اپنے آپ کو بلکہ اپنے کنبے کو بھی بدنام کرے عموماً وہ سچا ہی ہوتا ہے اور اپنے صدق کی بنا پر ہی وہ معذور سمجھا جاسکتا ہے۔

اس لئے پانچویں مرتبہ میں اس سے یہ کہلوا دیا گیا کہ اگر اس کا خاندان سچا ہو تو اس پر اللہ کا غضب آئے۔ پھر غضب والے وہ ہوتے ہیں جو حق کو جان کر پھر اس سے روگردانی کریں۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر اللہ کا فضل و رحم تم پر نہ ہوتا تو پھر غضب والے وہ ہوتے ہیں جو حق کو جان کر پھر اس سے روگردانی کریں۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر اللہ کا فضل و رحم تم پر نہ ہوتا تو ایسی آسنیاں تم پر نہ ہوتیں بلکہ تم پر مشقت اترتی۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرمایا کرتا ہے گو کیسے ہی گناہ ہوں اور گو کسی وقت بھی توبہ ہو وہ حکیم ہے، پنی شرع میں، اپنے حکموں میں، اپنی ممانعت میں ”اس آیت کے بارے میں جو روایتیں ہیں وہ بھی سن لیجئے۔“ مسند احمد میں ہے جب یہ آیت اترتی تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو انصار کے سردار ہیں کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ آیت اسی طرح اتاری گئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انصار یونسے نہیں ہو؟ یہ تمہارے سردار کیا کہہ رہے ہیں؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وسم آپ درگزر فرمائیے یہ صرف ان کی بڑی چڑھی غیرت کا باعث ہے اور کچھ نہیں۔ ان کی غیرت کا یہ حال ہے کہ انہیں کوئی بیٹی دینے کی جرأت نہیں کرتا۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو میرا ایمان ہے کہ یہ حق ہے لیکن اگر میں کسی کو اس کے پاؤں پکڑے ہوئے دیکھ لوں تو بھی میں اسے کچھ نہیں کہہ سکتا یہاں تک کہ میں چار گواہ راؤں تب تک تو وہ اپنا کام پورا کر سکے گا۔ اس بات کو ذرا سی ہی دیر ہوئی ہوگی کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ان تین شخصوں میں سے ایک غیر مرد ہے خود آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے ان کی باتیں سنیں۔ صبح ہی صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ذکر کیا آپ کو بہت بر معلوم ہوا اور طبیعت پر نہایت ہی شاق گزرا۔ سب انصار جمع ہو گئے اور کہنے لگے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی دلیل سے ہم اس آفت میں مبتلا کئے گئے مگر اس صورت میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہلال بن امیہ کو تہمت کی حد لگائیں اور اس کی شہادت کو مردود ٹھہرائیں۔

حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے اللہ میں سچا ہوں اور مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا چھٹکارا کر دے گا۔ کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھتا ہوں کہ میرا کلام آپ کی طبیعت پر بہت گراں گزرا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اللہ کی قسم ہے میں سچا ہوں، اللہ خوب جانتا ہے۔ لیکن چونکہ گواہ پیش نہیں کر سکتے تھے قریب تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں حد بارے کو فرماتے اتنے میں وحی اترنا شروع ہوئی۔ صبح بہ آپ کے چہرے کو دیکھ کر علامت سے پہچن گئے کہ اس وقت وحی نازل ہو رہی ہے۔ جب اتر چکی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا، اے ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش ہو جاؤ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کشادگی اور چھٹی نازل فرمادی۔

حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے الحمد للہ مجھے اللہ رحیم کی ذات سے یہی امید تھی۔ پھر آپ نے حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی کو بیویا اور ان دونوں کے سامنے آیت ماعنہ پڑھ کر سنائی اور فرمایا دیکھو آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے سخت ہے۔ ہلال فرمانے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بالکل سچا ہوں۔ اس عورت نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ جھوٹ کہہ رہا ہے آپ نے حکم دیا کہ اچھا معاف کر دو ہلال کو کہا گیا کہ اس طرح چار قسمیں کھاؤ اور پانچویں دفعہ یوں ہو۔ حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب چار بار کہہ چکے اور پانچویں بار کی توبہ آئی تو آپ سے کہا گیا کہ ہلال اللہ سے ڈر جا۔ دنیا کی سزا آخرت کے عذابوں سے بہت ہلکی ہے یہ پانچویں بار تیری زبان سے نکلتے ہی تجھ پر عذاب واجب ہو جائے گا تو آپ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم اللہ کی جس طرح اللہ نے مجھے دنیا کی سزا سے میری صداقت کی دلیل سے بچایا، اسی طرح آخرت کے عذاب سے بھی میری سچائی کی دلیل سے میرا رب مجھے محفوظ رکھے گا۔

پھر پانچویں دفعہ کے الفاظ بھی زبان سے ادا کر دیئے۔ اب اس عورت سے کہا گیا کہ تو چار دفعہ قسمیں کھا کہ یہ جھوٹا ہے۔ جب وہ چاروں قسمیں کھ چکی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پانچویں دفعہ کے اس کلمہ کے کہنے سے روکا اور جس طرح حضرت



ہلال رضی اللہ عنہ وکعبہ بن عبد اللہ اس۔ بھی فہم تو سے کچھ نیل پیدا ہو گیا۔ رکی، جھکی، زبان کو سنبھا، اقرب تھا کہ اپنے قصہ کا اکرار۔ سبک چر کہنے لگی میں ہمیشہ سے بن قوم کو رہ نہیں کرنے کی۔ پھر کہہ دیا کہ اگر اس کا خدشہ ہو تو اس پر مذہب غضب نازل ہو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں جدائی کرادی اور حکم دیدیا کہ اس سے جو اولاد ہو وہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب نہ کی جائے۔ نہ اسے حرم کی اولاد کہا جائے۔ جو اس بچے کو حرامی کہے یا اس عورت پر تہمت رکھے وہ جہنم کا گایا جائے گا۔ یہ بھی نصیب ہوا۔ اس کا نام بنی نفلت سے لیا گیا کیونکہ جدائی کر دی گئی ہے۔ نہ حقد ہونی ہے نہ خاندان کا انتقال ہونا۔ اور یہی خدشہ ہے۔ یہ سرخ مفید رنگ موٹی پنڈیوں و در پیدا ہوتا تو اسے بدل کا سمجھنا اور اگر وہ پتلی پنڈیوں و دیاتی، نعل رنگ کا یہ ہو تو اس شخص کا سمجھنا اس کے ساتھ اس پر نزام قائم کیا گیا ہے۔ جب بچہ ہوا تو دونوں نے سمجھا کہ وہ اس بری صفت پر تہمت جو لازم کی حقانیت کی شکی تھی۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ مسئلہ قسموں پر طے شدہ نہ ہوتا تو میں اس عورت کو قطع حد کاٹتا۔ یہ صاحبہ اس پر بڑے ہو کر مصر کے واپس بنے اور ان کی نسبت ان کی ماں کی طرف تھی۔ (اور وہ) اس حدیث کے اور بھی بہت سے شاہد ہیں۔ بخاری شریف میں بھی یہ حدیث ہے۔ اس میں ہے کہ شریک بن علاء کے ساتھ تہمت لگائی گئی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا گوہ پیش کر دو ورنہ تمہارا بیٹہ پر حد پڑے گی۔ حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص اپنی بیوی کو برس کا مہر دیدیہ۔ گوہ ڈھونڈنے لگے؟ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ دونوں کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے۔ کیا تم میں سے کوئی توبہ کر کے اپنے جھوٹ سے تبتے؟ اور روایت میں ہے کہ پانچویں دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کہا کہ اس کا منہ بند کر دو پھر اسے نصیحت کی۔ فرمایا اللہ کی لعنت سے ہر چیز ہلکی ہے۔ اسی طرح اس عورت کے ساتھ کیا گیا۔

مسجد بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لعان کرنے والے مرد و عورت کی نسبت مجھ سے دریافت کیا گیا کہ کیا ان میں جدائی کر دی جائے؟ یہ واقعہ ہے حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت کے زمانہ کا۔ مجھ سے تو اس کا جواب کچھ نہ بن پڑا تو میں اپنے مکان سے چل کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منزل پر آیا اور ان سے یہی مسئلہ پوچھ تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ سب پہلے یہ بات فدا بن فداں نے دریافت کی تھی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی شخص اپنی عورت کو کسی برے کام پر پائے تو اگر زبان سے نکالے تو بھی بڑی بیشری کی بات ہے اور اگر خاموش رہے تو بھی بڑی بے غیرتی کی خاموشی ہے۔ آپ بن کر خاموش ہو رہے۔ پھر وہ آیا اور کہنے لگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نے جو سوال جناب سے کیا تھا انفسوس وہی واقعہ میرے پاس پیش آیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے سورۃ نور کی یہ آیتیں نازل فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو پاس بلا کر ایک ایک کو الگ الگ نصیحت کی۔ بہت کچھ سمجھا لیکن ہر ایک نے اپنا سچا ہونا ظاہر کیا پھر دونوں نے آیت کے مطابق قسمیں کھائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں جدائی کرادی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ صحابہ کا ایک مجمع شام کے وقت جمعہ کے دن مسجد میں بیٹھ ہوا تھا کہ ایک

ہماری نے کہا جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی شخص کو پائے تو اگر وہ سے مار ڈالے تو تم اسے مار ڈالو گے اور اگر زبان سے نکالے گا تو قہر شدت موجود نہ ہونے کی دلیل سے اسی کو کوڑے لگاؤ گے، اگر یہ اندھیر دیکھ کر خاموش ہو کر میٹھا پتہ تو یہ بڑی بے غیرتی و بڑی بیگانی ہے۔ اللہ اگر میں صبح تک زندہ رہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اہمیت دریافت کر لوں گا۔ چنانچہ اس نے انہی لفظوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا وردی کی کہ یا اللہ ان کا فیصلہ مار فرما۔ پس آیت عن اتری و سب سے پہلے یہی شخص اس میں مبتلا ہوا۔

اور روایت میں ہے کہ حضرت عویمیر نے حضرت عاصم بن عدی سے کہا کہ ذرا جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت تو کرو۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو پائے تو کیا کرے؟ ایسا تو نہیں کہ وہ قتل کرے تو اسے بھی قتل کیا جائے گا؟ چنانچہ عاصم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سوال سے بہت ناراض ہوئے۔ جب عویمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عاصم سے ملے تو پوچھا کہ ہتم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا؟ اور آپ نے کیا جواب دیا؟ عاصم نے کہا تم نے مجھ سے کوئی اچھی خدمت نہیں انفسوس میرے اس سوال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیب پکڑا اور فرمایا عویمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اب اگر میں اسے اپنے گھر لے جاؤں تو گویا میں نے اس پر تھوٹ تہمت باندھی تھی۔ پس آپ کے حکم سے پہلے ہی اس عورت کو جد کر دیا۔ پھر وہ حال کرنے والوں کا یہی طریقہ مقرر ہو گیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ عورت حد تھی اور ان کے خاندان سے اس سے انکار کیا کہ یہ حمل ان سے ہوا۔ اس نے یہ بچہ پٹی ماں کی طرف منسوب ہوتا رہا پھر مسموں طریقہ یوں جاری ہو کر یہ اپنی ماں کا ورثہ ہو گا اور ماں اس کی ورثہ ہوگی۔ ایک مسئلہ اور غریب حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ اگر تمہارے ہاں ایسی واردات ہو تو کیا کرو گے؟ دونوں نے کہا گردن نرا دیں گے۔ ایسے وقت چشم پوشی دینی کر سکتے ہیں جو دیوت ہوں، اس پر یہ تین تیریں۔ ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلے لعان مسلمانوں میں ہلال بن امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی بیوی کے درمیان ہوا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر، نور)

لعان کے بعد تفریق کا بیان

قَالَ (وَإِذَا التَّعْنَا لَا تَفْعُ الْفُرْقَةُ حَتَّى يُفَرِّقَ الْحَاكِمُ بَيْنَهُمَا) وَقَالَ رُفْرُ: تَفْعُ بِلَا عِيْهِمَا لِأَنَّهُ تَشْتُلُ لِحُرْمَةِ الْمُؤَبَّدَةِ بِالْحَدِيثِ (۱) وَلَكِنَّا أَنْ ثُبُوتِ الْحُرْمَةِ يَقُوْتُ الْإِمْسَاكَ بِالْمَعْرُوفِ فَيَلْزِمُهُ التَّسْرِيحُ بِالْإِحْسَانِ، فَإِذَا مُتَّعَ نَاَتِ الْقَاضِي مَانَهُ دَفْعًا لِلنَّظْمِ، دَلَّ عَلَيْهِ فَرُلُ ذَلِكَ الْمَلَا عِيْ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ أَمْسَكْتُهَا، هِيَ طَالِقٌ ثَلَاثًا (۲)، قَالَتْ بَعْدَ اللَّعَانِ (وَتَكُونُ الْفُرْقَةُ تَطْلِيْقَةً بَانَةً عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ) رَحِمَهُمَا اللَّهُ لِأَنَّ فِعْلَ الْقَاضِيِ انْتَسَبَ إِلَيْهِ كَمَا فِي الْعِيْنِ

(وَهُوَ خَاطِبٌ إِذَا أَكْذَبَ نَفْسَهُ) عِنْهُمَا .

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: هُوَ تَحْرِيمٌ مُؤَبَّدٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الْمُتْلَاعَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ أَبَدًا) (۳) نَصٌّ عَلَى التَّائِيدِ. وَلَهُمَا أَنَّ الْإِكْذَابَ رُجُوعٌ وَالشَّهَادَةُ بَعْدَ الرُّجُوعِ لَا حُكْمَ لَهَا، لَا يَجْتَمِعَانِ مَا دَامَا مُتْلَاعَيْنِ، وَلَمْ يَبْقَ التَّلَاعُ وَلَا حُكْمُهُ بَعْدَ الْإِكْذَابِ فَيَجْتَمِعَانِ .

- (۱) کتابہ یشری الی الحدیث الاثنی: "المتلاعان لا یجتمعان" (۲) أخرجه البخاری فی "صحیحہ" ۴۴۹/۸ رقم (۱۷۴۵) وی ۴۴۶/۹ رقم (۵۲۰۸)۔ و مسلم فی "صحیحہ" ۱۱۲۹، ۱۱۳۴ رقم (۱۴۹۲) من سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ۔  
(۳) أخرجه الدارقطنی فی "سنن" ۴۰۶/۲ باسناد جید بلفظ: "المتلاعان اذا تفرقا لا یجتمعان أبدا" من حدیث ابن عمر، و "خرج" نو۔ و "رد" فی "سنن" (۲۲۵۰) من حدیث سہل انظر "نصب لرایہ" ۲۵۰/۳ و "الداریہ" ۷۶/۳۔

ترجمہ

جب دونوں معان رلیں گے تو ان کے درمیان عیحدگی واقع نہیں ہوگی جب تک قاضیوں دونوں کے درمیان عیحدگی نہیں کروا دیں۔ امام زفر فرماتے ہیں ان دونوں کے درمیان لعان کرنے کی دلیل سے عیحدگی واقع ہو جائے گی اس کی دلیل یہ ہے حدیث سے یہ بات واضح ہے کہ دائمی حرمت ثابت ہوگئی ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے لعان کے نتیجے میں جو حرمت ثابت ہوتی ہے اس کا بالمعروف کا مقصد فوت ہونے سے ہے اس لئے شوہر کے لئے یہ بات لازم ہوگی کہ اس عورت کو احسان کے ساتھ رخصت کئے لیکن جب شوہر اس بات سے انکار کرتا ہے تو قاضی اس کا قائم مقام ہو جائے گا تاکہ ظلم اور زیادتی کا ازالہ کیا جاسکے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں لعان کرنے والے صاحب کاقول بھی اسی بات کی دلالت کرتا ہے جنہوں نے یہ کہا تھا 'یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں اسے اب بھی اپنے ساتھ رکھتا ہوں تو اس کا مطلب ہے میں نے اس پر جھوٹا الزام لگایا ہے تو اسے تین طلاقیں ہیں' انہوں نے یہ بات لعان کرنے کے بعد کہی تھی۔ ان دونوں کے درمیان یہ عیحدگی ایک باندہ طلاق شمار ہوگی۔ یہ حکم امام ابوحنیفہ اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے۔ قاضی کا یہ عمل شوہر کی طرف منسوب ہوگا جیسا کہ عین کی صورت میں ہوتا ہے۔

اگر لعان کرنے والا شخص لعان کے بعد اپنی بات کی تکذیب کر دے تو وہ اس عورت کے ساتھ دوبارہ نکاح کر سکتا ہے یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں: وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے دائمی طور پر حرام ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: "لعان کرنے والے کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے"۔ یہ بدی حرمت پر نص ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے تکذیب کرنا رجوع شمار ہوگا تو جس گواہی کے بعد رجوع آ جائے اس کا حکم ثابت نہیں ہوتا، میاں بیوی اس وقت تک اکٹھے نہیں

ہو سکتے جب تک معان کا حکم باقی رہتا لیکن جب لعان باقی نہیں رہا اور اس کا حکم بھی باقی نہیں رہا (مرد کے اپنی ذات کی) تکذیب کرنے کے بعد تو وہ دونوں کٹھے ہو سکتے ہیں۔

لعان کی صورت میں میاں بیوی کے درمیان تفریق کا مسئلہ

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص اور اس کی بیوی کے مابین لعان کا حکم فرمایا چنانچہ اس لعان کی دلیل سے وہ شخص اس عورت کے بچہ سے دور ہو گیا۔ جہاں بچہ کا نسب اس شخص سے ہٹا دیا گیا نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میاں بیوی کے درمیان تفریق کرادی اور بچہ کو عورت کے حوالے کر دیا (بخاری مسلم)

اور حضرت ابن عمر کی ایک روایت میں جو بخاری و مسلم ہی نے نقل کی ہے یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو نصیحت کی اور آخرت کا عذاب یاد دلایا (تاکہ وہ جھوٹ نہ بولے اور عورت اپنے الزام کو ناحق ثابت نہ کرے) اور اس کو اس بات سے آگاہ کیا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے کھل ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو بلایا اس کو بھی نصیحت کی اور آخرت کا عذاب یاد دلایا اور آگاہ کیا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے کھل ہے۔

تفریق کرادی کا مطلب یہ ہے کہ معان کی صورت میں میاں بیوی کے درمیان تفریق جدائی حاکم و قاضی کے حکم ہی سے ہوتی ہے نہ کہ شخص لعان سے چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہ کا مسلک یہی ہے نیز ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر نفس معان ہی سے تفریق واقع ہو جاتی تو پھر تین طلاقیں کیوں دی جاتیں جیسا کہ اوپر کی حدیث میں گزرا ہے کہ حضرت عوبیر نے لعان کے بعد اپنی بیوی کو تین طلاق دی۔

دنیا کے عذاب سے مراد حد یعنی شری مزا ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر مرد کسی عورت کو چاہے وہ اس کی بیوی ہی کیوں نہ ہو (زن کی تہمت لگائے اور اس کی تہمت جھوٹی ثابت ہو جائے تو شری قانون کے مطابق اس پر حد جاری کی جائیگی یعنی اس کو ایک یا کد امن عورت پر زنا کی جھوٹ تہمت لگانے کے جرم میں اسی کوڑے مارے جائیں گے اور اگر وہ مرد سچا ثابت ہو جائے یعنی یہ بات پابند شوٹ کو پہنچی جائے کہ اس عورت نے بدکاری کرائی ہے تو پھر اس عورت پر حد جاری ہوگی کہ شادی شدہ ہونے کی صورت میں اس کو سنگ کر دیا جائے گا اور غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں سو کوڑے مارے جائیں گے اس صورت میں یہ امکان ہو سکتا ہے کہ مرد نے کسی غلط فہمی کی بناء پر یا کسی خاص جذبہ کے تحت عورت کو تہمت لگا دی ہو اور پھر اسے یہ یقین ہو گیا ہو کہ میں نے عورت پر جو الزام لگایا ہے وہ بے بنیاد ہے مگر اب اس خوف سے کہ ایک یا کد امن عورت پر جھوٹی تہمت لگائی تھی یا یہ کہ واقعہ عورت نے بدکاری کرائی ہو مگر اس خوف سے کہ میں سنگسار کر دی جاؤں گی یا سو کوڑے ماری جاؤں گی اپنے اس گناہ کا اعتراف و اقرار نہیں کرتی بلکہ بدعت پر تیار ہو جاتی ہے لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امکانی صورت کے خلاف دونوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں دنیا کا عذاب یعنی یہاں کی سزا کہیں آسان اور کھل ہے اس لئے جو صورت حال ہو اور جو بیچ بات ہو اس کا اعتراف و اقرار کر لو اور اس دنیا کے آسان عذاب کو اختیار کر کے آخرت کے سخت ترین عذاب سے بچو۔

الْمَنْوُطُ بِهِ وَهُوَ التَّخْرِيمُ (وَكَذَلِكَ إِنْ قَدَفَ غَيْرَهَا فَحَدَّ بِه) لِمَا نَسَّ (وَكَلَّ إِذَا رَسَّ  
فَحَدَّثَ) لِانْتِفَاءِ أَهْلِيَّةِ اللَّعَانِ مِنْ جَانِبِهَا

ترجمہ

اگر زنا کا یہ الزام بچے کے نسب کی نفی کی صورت میں ہو تو قاضی اس بچے کے نسب کی نفی کر دے گا اور اسے اس کی ماں سے  
ساتھ شام کر دے گا۔ عان کی صورت یہ ہوگی کہ ام مرد سے یہ کہے گا دودھ کہے میں امتدادی نے نام (کی قسم تھ کر) کہ میں  
گوئی دیتا ہوں۔ کہ میں سچا ہوں جو میں نے بیوی پر یہ الزام لگایا ہے جس میں بچے کے نسب کی نفی نہ ہے۔ اسی صورت میں اگر  
طرف سے بھی یہی بات کی جائے گی۔ اگر مرد عورت پر زنا کا الزام لگائے اور بچے کی نفی بھی کر دے تو وہ لعان میں ان دونوں  
کے نسب کا در قاضی بچے کے نسب کی نفی کر کے اسے ماں کے ساتھ شامل کر دے گا کہ اس کی دلیل یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
بارہ میں یہ بات منقول ہے آپ نے ہلال بن امیہ کی بیوی کے بچے کو ہلال سے نسبت کی نفی کر دی تھی وہ اس بچے کو  
کے ساتھ حق کر دیا تھا۔ نیز اس کی دلیل یہ بھی ہے لعان کا اصل مقصد یہ ہے بچے کے نسب کی نفی کی جائے تاکہ شہادہ  
پر نہ ہو۔ بچے کے نسب کی نفی کے لئے قاضی کا اتنا کہنا کافی ہوگا کہ میں نے دونوں کے درمیان عان کی تفریق کر دی۔ یہ روایت  
روایت منسوب ہے قاضی علیحدہ طور پر ذکر کرے گا اور یہ کہے گا: میں اسے ماں کے ساتھ ملا رہا ہوں میں اسے ماں کے نسب سے  
نکال رہا ہوں اس کی دلیل یہ ہے اس کو ماں کے نسب سے علیحدہ کرنا ضروری ہے تو اس کا ذکر کرنا بھی ضروری ہوگا۔ اگر  
نرس اور اپنی مات کی تہذیب کر دے تو قاضی اس پر حد جاری کرے گا کیونکہ اس نے اس چیز کا اقرار کیا ہے جس کے نتیجے  
واجب ہو جاتی ہے۔ مرد کے لئے یہ بات چار تہ ہوگی کہ وہ اسی عورت کے ساتھ شادی کر لے یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے۔  
اس کی دلیل یہ ہے جب اس پر حد جاری ہوگئی تو وہ حان کا اہل نہیں رہا لہذا لعان کا حکم اٹھ جائے گا اور وہ حمد و ثناء  
ہے۔ اسی طرح اگر وہ کسی دوسری عورت پر زنا کا الزام لگاتا ہے تو اس کے نتیجے میں حد جاری ہوتی ہے (تو یہی حکم ہے) اس پر  
ہم بین کر چکے ہیں۔ اسی طرح اگر وہ عورت زنا کرتی ہے تو اس پر حد جاری ہوتی ہے۔ (تو یہی حکم ہوتا) اس کی دلیل یہ ہے۔  
کی طرف سے حان کی اہلیت ختم ہوگئی ہے۔

### بچے کے انکار کی صورت میں ثبوت لعان کا فقہی بیان

علامہ عدو مدنی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ دو بچے ایک حمل سے پیدا ہوئے یعنی دونوں کے درمیان چھ ماہ سے ۱۰

کا حکم یہ ہے کہ اس سے فارغ ہوتے ہی اس شخص کو اس عورت سے وطن  
ن کے بعد حکم اسلام تفریق کر دیا اور اب مطلقہ ہائیں ہوگی لہذا بعد لعان  
ر کر سکتا ہے دونوں میں سے کوئی مر جائے تو دوسرا اس کا ترکہ پائیگا اور لعان  
۴۰۰ ج کی۔ اگر لعان کی ابتدا قاضی نے عورت سے کرائی تو سوہرے  
ردوبارہ عورت سے نہ کہلوائے اور تفریق کر دی تو ہوگی۔ لعان ہو جانے کے بعد  
دگیا یا محزول ہو گیا اور دوسرا اس کی جگہ مقرر کیا گیا تو یہ قاضی دوم اب پھر لعان

بار دونوں نے الفاظ لعان کہے تھے یعنی ابھی پورا حان نہ ہوا تھا کہ قاضی  
نہایت سے در اگر ایک ایک یا دو دو پر کہنے کے بعد تفریق کی تو تفریق نہ  
یہ قاضی غیر حنفی نے (جس کا یہ مذہب ہو کہ صرف شوہر کے لعان سے  
وہ قاضی حنفی ایسا کرے گا تو اس کی قضاء نافذ نہ ہوگی کہ یہ اس کے مذہب کے خلاف  
ہے۔ حق نہیں۔ (در مختار ج ۵ ص ۱۶۰ بیروت)

أَخْبَرَنِي سَنَةُ وَالْحَقُّهَ بِأَمِّهِ) وَصُورَةُ اللَّعَانِ أَنْ يَأْمُرَ  
بِأَمِّهِ أَيْ لِمَنْ الصَّادِقِينَ فِيمَا رَمَيْتُكَ بِهِ مِنْ نَفِي  
رَأَوْا أَنْ فَدَقَّهَا لِرَنَّا وَنَفَى أَنْوَلَدَ ذَكَرَ فِي اللَّعَانِ الْأُمُورِ  
رَفَقَةً بِأَمِّهِ) لِمَا رَوَى (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ  
وَالْحَقُّهَ بِهَا) (۱) وَلَا لَنْ الْمَقْصُودُ مِنْ هَذَا اللَّعَانِ  
فِي تَضَمُّنِهِ الْقَصْدُ بِالتَّفْرِيقِ. وَعَنْ أَبِي يُونُسَ أَنَّ  
وَيَقُولُ: قَدْ الزَّمْتَهُ أُمَّهُ وَأَخْرَجْتَهُ مِنْ نَسَبِ الْأَبِ لِأَنَّهُ يَنْفَكُ عَنْهُ فَلَا بَدْ  
وَأَمَّا أَمْرُهُ (كَلَّمَ سَنَةَ حَدَّثَهُ الْقَاضِي) لِأَقْرَارِهِ بِوُجُوبِ الْحَدِّ عَلَيْهِ  
لِأَنَّهُ لَمَّا حُدَّ لَمْ يَبْقَ أَهْلًا لِلْعَنْ فَارْتَفَعَ حُكْمُهُ

(۲) أخرجه أبو داود في "مسند" برقم (۲۲۴۶) عن ابن عباس رضي الله عنهما في سنه عباد بن منصور مختلف فيه يندون في يحيى  
الطباطبائي وقال أبو حاتم الرازي: كان ضعيف الحديث. يكتب حديثه النظر "نصب الرية" ۳/ ۲۵۱-۲۵۲. وأخرجه البخاري في "صحيحه"  
برقم (۵۲۱۵) ومسلم في "صحيحه" برقم (۱۴۹۴) عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن النبي ﷺ لا عن ابن عباس ولا عن غيره ففرق بينهما والحق  
الولد بالمرأة



ہو اور ان دونوں میں پہلے سے انکار کیا دوسرے کا اقرار تو حد لگائی جائے اور اگر پہلے کا اقرار کیا دوسرے سے انکار تو لعان ہوگا بشرطیکہ انکار سے نہ پھرے اور پھر گیا تو حد لگائی جائے مگر بہر حال دونوں ثابت النسب ہیں۔

جس بچے سے انکار کیا اور لعان ہوا وہ مر گیا اور اس نے اولاد چھوڑی، بے لعان کرنے والے نے اس کو اپنا پوتا پوتی قرار دیا تو وہ ثابت النسب ہے۔ اولاد سے انکار کیا اور ابھی لعان نہ ہوا کہ کسی جہنی نے عورت پر تہمت لگائی اور اس بچہ کو حرامی کہا اس پر حد قذف قائم ہوئی تو اب اس کا نسب ثابت ہے اور کبھی منکھی نہ ہوگا۔ عورت کے بچہ پیدا ہوا شوہر نے کہا یہ میرا نہیں یہ زنا سے ہے اور کسی دلیل سے لعان ساقط ہو گیا تو نسب منکھی نہ ہوگا حد واجب ہو یا نہیں۔ یونہی اگر دونوں اہل لعان ہیں مگر لعان نہ ہوا تو نسب منکھی نہ ہوگا۔ (در مختار ج ۵، ص ۱۷۰، بیروت)

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ جس نے نکاح کیا مگر ابھی دخول نہ ہوا بلکہ ابھی عورت کو دیکھ بھی نہیں اور عورت کے بچہ پیدا ہوا شوہر نے اس سے انکار کیا تو لعان ہو سکتا ہے اور بعد لعان وہ بچہ ماں کے ذمہ ہوگا اور مہر پورا دینا ہوگا۔ (عام گیری، باب لعان)

### تہمت زنا سے ثبوت لعان کا بیان

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی نے عورت سے کہا اے زانیہ زانیہ کی بیٹی تو عورت اور اس کی ماں دونوں پر تہمت لگائی اب اگر ماں بیٹی دونوں ایک ساتھ مطالبہ کریں تو ماں کا مطالبہ مقدم قرار دیکر حد قذف قائم کرینگے اور لعان ساقط ہو جائیگا اور اگر ماں نے مطالبہ نہ کیا اور عورت نے کیا تو لعان ہوگا پھر بعد میں گریں نے مطالبہ کیا تو حد قذف قائم کرینگے۔ اور اگر صورت مذکورہ میں عورت کی ماں مرجی ہے، در عورت نے دونوں مطالبے کیے تو ماں کی تہمت پر حد قذف قائم کرینگے اور لعان ساقط ورا اگر صرف اپنا مطالبہ کیا تو لعان ہوگا۔ یونہی، اگر لختیہ پر تہمت لگائی پھر اس سے نکاح کر کے پھر تہمت لگائی اور عورت نے لعان و حد دونوں کا مطالبہ کیا تو حد ہوگی اور لعان ساقط اور اگر لعان کا مطالبہ کیا اور لعان ہوا پھر حد کا مطالبہ کیا تو حد بھی قائم کرینگے۔

بیٹی عورت سے کہا میں نے جو تجھ سے نکاح کیا اس سے پہلے تو نے زنا کیا یا نکاح سے پہلے میں نے تجھے زنا کرتے دیکھا تو یہ تہمت چونکہ اب لگائی لہذا لعان ہے اور اگر یہ کہا نکاح سے پہلے میں نے تجھے زنا کی تہمت لگائی تو لعان نہیں بلکہ حد قائم ہوگی۔ عورت سے کہا میں نے تجھے بکرنہ پایا تو نہ حد ہے نہ لعان۔

اور ادا سے انکار اس وقت صحیح ہے جب مہار کہا دی دیتے وقت یا ولادت کے سامان خریدنے کے وقت نفی کی ہو ورنہ سکوت رضا سمجھا جائیگا اب پھر نفی نہیں ہو سکتی مگر لعان دونوں صورتوں میں ہوگا اور اگر ولادت کے وقت شوہر موجود نہ تھا تو جب اسے خبر ہوئی نفی کے لیے وہ وقت بمنزلہ ولادت کے ہے۔ شوہر نے اولاد سے انکار کیا اور عورت نے بھی اس کی تصدیق کی تو لعان نہیں ہو سکتا۔ (در مختار، باب لعان، ج ۵، ص ۱۶۳، بیروت)

عورت نابالغ یا مجنون ہو تو لعان کا حکم

(وَإِذَا قُذِفَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ صَغِيرَةٌ أَوْ مَجْنُونَةٌ فَلَا لِعَانَ بَيْنَهُمَا) لِأَنَّهُ لَا يُحَدُّ قَاضِيهَا لَوْ كَانَ

أَحْبَبًا، فَكَذًا لَا يَلْعَنُ الرَّوْحُ لِقِيَامِهِ مَقَامَهُ (وَكَذَا إِذَا كَانَ الزَّوْجُ صَغِيرًا أَوْ مَجْنُونًا) لِعَدَمِ أَهْلِيَّةِ الشَّهَادَةِ (وَقَدْ ذُكِرَ الْآخَرُ لَا يَتَعَلَّقُ بِهِ اللَّعَانُ) لِأَنَّهُ يَتَعَلَّقُ بِالصَّرِيحِ كَحَدِّ الْقَذْفِ، وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ، وَهَذَا لِأَنَّهُ لَا يَغْرَى عَنِ الشُّبْهَةِ وَلِحُدُودِ تَنْكِدِهِ بِهَا

ترجمہ

اور جو شخص اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور وہ عورت نابالغ ہو یا پاگل ہو تو دونوں کے درمیان لعان نہیں ہوگا اس کی دلیل یہ ہے ایسی عورت پر زنا کا الزام لگانے پر حد جاری نہیں ہوتی ہے اگر وہ الزام لگانے والا شخص اجنبی ہو تو اسی طرح اس کا شوہر بھی اس کے ساتھ لعان نہیں کر سکتا، کیونکہ لعان اس حد قذف کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر شوہر نابالغ ہو یا پاگل ہو (تو بھی یہی حکم ہوگا) کیونکہ اس میں گواہی کی اہلیت نہیں پائی جاتی۔ گوٹکے شخص کے زنا کا الزام لگانے پر لعان متعلق نہیں ہوگا، کیونکہ یہ صریح غلط کے ساتھ متعلق ہوتا ہے۔ جیسا کہ حد قذف میں یہی حکم ہوتا ہے۔ امام شافعی کی دلیل مختلف ہے۔ اس حکم کی دلیل یہ ہے اس میں شبہ پایا جائے گا اور شبہ کی دلیل سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔

### شبہات سے حد و ساقط ہو جاتی ہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتی ہیں تین طرح کے لوگوں سے قلم اٹھایا گیا ہے۔ سویا ہوا شخص جب تک بیدار نہ ہو جائے نابالغ بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے اور دیوانہ جب تک اسے عقل نہ جائے۔ حد نے اپنی روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں بے ہوش جب تک اسے ہوش نہ آجائے۔ (سنن، درمی: جلد دوم: حدیث نمبر 152)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کو حد کی سزا سے بچاؤ اگر مسلمان (مظلوم) کے لئے بچاؤ کا ذرا بھی کوئی موقع نکل آئے تو اس کی راہ چھوڑ دو یعنی اس کو بری کر دو کیونکہ امام یعنی حاکم و منصف کا معاف کرنے میں خطا کرنا ہزار دینے میں خطا کرنے سے بہتر ہے امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہ سے روایت کی گئی ہے اور اس کا سلسلہ رواۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچا گیا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہ کا اپنا ارشاد ہے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے کیونکہ جس سلسلہ سند سے یہ حدیث منقول ثابت ہوتی ہے وہ اس سلسلہ سند سے زیادہ صحیح اور قوی ہے جس سے اس کا حدیث مرفوع ہونا معلوم ہوتا ہے۔

(مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر ۱۰۰۰۰)

اس ارشاد کے مخاطب دراصل حکام ہیں جنہیں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر کسی مسلمان کے بارے میں کوئی ایسا قضیہ ان کے پاس آئے جس کی سزا حد ہے مثلاً زنا کا قضیہ، تو انہیں چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے اس مسلمان کو "حد" سے بچانے کی کوشش کریں اور شبہ کا جو بھی موقع نکلتا ہو اس کا فائدہ مظلوم کو پہنچائیں، یہی نہیں بلکہ وہ مظلوم کو عذر کی تلقین کریں یعنی اس سے پوچھیں کہ کیا تم دیوانے

بہت بڑی رکھی ہے کیا یہ تو نہیں ہے کہ تم نے اس عورت سے رمانے اور کتاب کے بجائے اس کا دوسرے بی بی ہو  
... اس کا چھپا یا ہو۔ وہ اب تم اس کو اپنے قرار میں زنا سے تعبیر کر رہے ہو عذیبہ اس سے ان قسم کے سوا کچھ  
اس تلقین عذر کی بنا پر کوئی عذر بیان کر دے جس سے حد کا اجراء نہ ہو سکے اور وہ ہری ہو جائے، چنانچہ ما عزو وغیرہ سے  
رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس قسم کے سوالات کئے ان کا مقصد بھی تلقین عذر تھا۔

آخر میں نے جو یہ فرمایا کہ امام کے معاف کرنے میں خطا و سزا دینے میں خطا کرنے سے بہتر ہے تو اس کا نفاذ بھی مذکورہ بالا  
... کے بعد کے ساتھ بیان کرنا ہے ورنہ واضح کرنا ہے کہ اگر کوئی حاکم کسی مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہوئے غرض کو ہری کر دے اور  
... فیصلہ میں کوئی غلطی ہو جائے یا وہ ملزم کو سزا دینے کا فیصلہ کرے اور اس میں کوئی غلطی ہو جائے تو اگرچہ غلطی کے اعتبار سے  
... فیصلہ محل نظر ہوں گے اور انصاف کے معیار پر پورے نہیں اتریں گے لیکن چونکہ مزم کی برات میں بہر حال ایک مسلمان کی  
... نہایت بچ جائے گی۔ اس لئے یہ غلطی اس غلطی سے بہتر ہوگی جو سزا کے فیصلہ میں سرزد ہو اور جس کے نتیجے میں ایک مسلمان کو  
... اور عزت سے ہاتھ دھونا پڑے۔

نظر کی برکتان کرنے کا بیان

وَقَالَ الرَّوْجُ لَيْسَ حَمْلُكَ مِثْلَ فَلَا لِعَانَ بَيْنَهُمَا وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِفَةَ وَرَفَرِ لَانَهُ  
... تَمَّ بَقِيَامُ الْحَمْلِ فَلَمْ يَصِرْ قَاضِيًا وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: الْإِعَانُ يَجِبُ بِغَيْرِ  
... إِذَا حَاطَتْ بِهِ لَاقِلٌ مِنْ بَيْتَةِ أَشْهُرٍ وَهُوَ مَعْنَى مَا ذُكِرَ فِي الْأَصْلِ، لِأَنَّا تَقَيُّمًا بَقِيَامِ  
... عِنْدَهُ فَيَسْتَحَقُّ الْقَذْفَ قُلْنَا: إِذَا لَمْ يَكُنْ قَدْ قَاضَى فِي الْحَالِ يَصِيرُ كَالْمُعَلَّقِ  
... بِحَبْلِ فَجَصِيرٌ كَأَنَّهُ قَالَ: إِنْ كَانَ بِكَ حَمْلٌ فَلَيْسَ مِثْلِي. وَالْقَذْفُ لَا يَصِحُّ تَعْلِيقُهُ  
... (وَأَنْ قَالَ لَهَا زَكَيْتَ وَهَذَا الْحَمْلُ مِنَ الزَّانَا تَلَاَعَا) لَوْ جُودَ الْقَذْفُ حَيْثُ ذَكَرَ  
... صَرِيحًا (وَلَمْ يَنْبِ الْقَاضِيُ الْحَمْلَ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَنْفِيهِ لِأَنَّهُ عَنِهِ الصَّلَاةُ  
... لَمْ يَسْمَى الْوَلَدَ عَنْ هَلَالٍ وَقَدْ قَذَفَهَا حَامِلًا (۱). وَنَا أَنْ الْأَحْكَمَ لَا تَنْتَرِتُ عَلَيْهِ  
... لَا تَدْرِي لَدَةِ لِنَمَكِي الْإِحْتِمَالِ قَبْلَهُ، وَالْحَدِيثُ مَحْمُولٌ عَلَى أَنَّهُ عَرَفَ قِيَامَ الْحَبْلِ

۱۔ راہویہ فی "مسندہ" فی حدیث عباد بن منصور المعتمد عن ابی داؤد برقم (۲۲۵۶) وزاد اسحاق و کتابت حاملہ  
... مصنف "دلیل آخر عن ابن عباس: لا عن رسول الله ﷺ بين العجلاني و امرأته و کتابت حبس و وقعة هلال بن أمية فی  
... البخاری فی "صحیحہ" ۴۹/۸ برقم (۴۷۴۷) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

نظر فی الوحی

ترجمہ

و رجب شوہر یہ کہہ دے تمہارا حمل مجھ سے نہیں ہے تو ان دونوں کے در

کے نزدیک ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: حمل کا موجود ہونا یقینی نہیں اس لئے مرد و الزام لگانے اور شہرکس ہوگا۔ امام ابو یوسف اور امام  
محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک حمل کی لٹی کے نتیجے میں لعان واجب جائے گا اگر وہ عورت چھ ماہ سے کم عرصے میں بچے کو جنم دیتی ہے اور یہ  
اس بات کا مفہوم ہے جس کا ذکر کتاب الاصل (المسوط) میں ہوا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ذنب سے وقت تک اس میں  
یقین ہو جائے تو تہمت لگانا حقیق ہو جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں: زمانہ حال میں قذف نہیں: قذیہ کی طرح یہ کہ گت ہے  
شرط کے ساتھ حقیق کر دیا ہے تو یہ یوں ہوگا: گویا اس مرد نے کہا: اگر تمہیں حمل ہوا تو مجھ سے زنا ہوگا۔ ورنہ شخص سے حقیق کر دیا  
سے قذف درست نہیں ہوتا۔ اگر مرد نے عورت سے یہ کہہ تم نے زنا کیا ہے اور یہ حمل رمانے کے نتیجے میں ہے تو وہ دونوں  
گئے کیونکہ یہاں قذف کا وجود پایا جا رہا ہے کیونکہ اس نے صریح طور پر زنا کا انکار کیا۔ اس کا منافی حمل کی دلیل  
شافعی فرماتے ہیں وہ بی کر دے گا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہاں کے بچہ کی نئی تھی۔ حالانکہ یہاں سے یہ کہہ  
یہی پر الزام لگایا تھا۔ ہماری دلیل یہ ہے اس پر حکام بچے کی پیدائش کے بعد سبب میں سے یہ کہہ کر دے گا  
جاسکتا ہے۔ جبکہ مذکورہ بالا حدیث اس صورت پر محمول ہوگی: آپ کو وحی کے ذریعے حمل کے قیام سے

حالت حمل کے لعان میں فقہی مذاہب اربعہ

اگر لعان کے وقت عورت حاملہ ہو تو امام احمد کے نزدیک لعان میں سے  
الذمہ ہو جائے اور بچہ اس کا قرار نہ پائے قطع نظر اس سے کہ مرد نے حمل دیا ہے یا نہیں  
کہ مرد کا الزام زنا اور نفی حمل دونوں ایک چیز نہیں ہیں، اس لیے مرد جب کہ  
کرے وہ الزام زنا کے باوجود ای کا قرار پائے گا کیونکہ عورت کے زانیہ ہونے سے  
امام مالک علیہ الرحمہ، امام شافعی اور امام احمد دوران حمل میں مرد کو نفی حمل کی اجازت ہے اور اس بنا پر براہ  
رکھتے ہیں۔ مگر امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ اگر مرد کے الزام کی بنیاد زنا نہ ہو بلکہ صرف یہ ہو کہ اس نے عورت کو ایسی حالت میں  
ہے جب کہ اس کے خیال میں حمل اس کا نہیں ہو سکتا تو اس صورت میں جان کے معاف و صبح حمل تک وہ بی گنا رہتا ہے۔ یوں  
نہیں اوقات کوئی بیماری حمل کا شبہ پیدا کر دیتی ہے اور درحقیقت حمل ہوتا نہیں ہے۔

اگر شوہر طلاق دینے کے بعد مطلقہ بیوی پر زنا کا الزام لگائے تو امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ سے یہ کہہ لیا جائے کہ یہ  
قذف کا مقدمہ قائم کیا جائے گا، کیونکہ لعان زوجین کے لیے ہے اور مطلقہ عورت اس کی بیوی نہیں ہے۔ انا یہ کہ حلاق رسولیہ و  
دست رجوع کے اندر وہ الزام لگائے۔ مگر امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ قذف صرف اس صورت میں ہے جب کہ کسی حمل یا بچے

کاسب قبول کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ درمیان میں نہ ہو۔ ورنہ مرد کو طلاق بائن کے بعد بھی لعان کا حق حاصل ہے کیونکہ وہ عورت کو بد نام کرنے کے لیے نہیں بلکہ خود ایک ایسے بچے کی ذمہ داری سے بچنے کے لیے لعان کر رہا ہے جسے وہ اپنا نہیں سمجھتا۔ قریب قریب یہی دلیل امام شافعی کی بھی ہے۔

دعویٰ نسب میں بچے کی نفی کا اعتبار

(وَإِذَا نَفَى الرَّجُلُ وَلَدَ امْرَأَتِهِ عَقِيبَ الْوِلَادَةِ أَوْ فِي الْحَالَةِ الَّتِي تَقْبَلُ التَّهْنِئَةَ وَتُبْتَغَى آلَةُ الْوِلَادَةِ صَحَّ نَفْيُهُ وَلَا عَنِّ بِهِ وَإِنْ نَفَاهُ بَعْدَ ذَلِكَ لَا عَنِّ، وَبُتِّئَ النَّسَبُ هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: يَصِحُّ نَفْيُهُ فِي مُدَّةِ النِّفَاسِ لِأَنَّ النَّفْيَ يَصِحُّ فِي مُدَّةٍ قَصِيرَةٍ وَلَا يَصِحُّ فِي مُدَّةٍ طَوِيلَةٍ فَفَصَّلَا بَيْنَهُمَا بِمُدَّةِ النِّفَاسِ لِأَنَّهُ أَثَرُ الْوِلَادَةِ. وَلَهُ أَنَّهُ لَا مَعْنَى لِلتَّقْدِيرِ لِأَنَّ الزَّمَانَ لِلتَّامُّلِ وَأَحْوَالُ النَّاسِ فِيهِ مُتَحَلِّفَةٌ فَاعْتَبَرْنَا مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ وَهُوَ قَبُولُهُ التَّهْنِئَةِ أَوْ سُكُوتُهُ عِنْدَ التَّهْنِئَةِ أَوْ ابْتِغَاؤُهُ مَتَاعَ الْوِلَادَةِ أَوْ مُضِيُّ ذَلِكَ الْوَقْتِ فَهُوَ مُمْتَنِعٌ عَنِ النَّفْيِ. وَلَوْ كَانَ غَائِبًا وَلَمْ يَعْلَمْ بِالْوِلَادَةِ ثُمَّ قَدِمَ تُعْتَبَرُ الْمُدَّةُ الَّتِي ذَكَرْنَاهَا عَلَى الْأَضْلَكَيْنِ.

قَالَ (وَإِذَا وَلَدَتْ وَلَدَيْنِ فِي بَطْنٍ وَاحِدٍ فَفِي الْأَوَّلِ اعْتَرَفَ بِالثَّانِي يُبْتِغَى نَسَبُهُمَا لِأَنَّهُمَا تَوَآمَنَ خُلُقًا مِنْ مَاءٍ وَاحِدٍ (وَحَدُّ الزَّوْجِ) لِأَنَّهُ أَكْذَبَ نَفْسَهُ بِدَعْوَى الثَّانِي، وَإِنْ اعْتَرَفَ بِالْأَوَّلِ وَنَفَى الثَّانِي يُبْتِغَى نَسَبُهُمَا لِمَا ذَكَرْنَا وَلَا عَنَّا لِأَنَّهُ قَادِرٌ بِنَفْيِ الثَّانِي وَلَمْ يَرْجِعْ عَنْهُ، وَالْأَفْرَادُ بِالْعَقِيقَةِ سَابِقٌ عَلَى الْقَذْفِ فَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ إِنَّهَا عَقِيقَةٌ ثُمَّ قَالَ هِيَ زَانِيَةٌ، وَفِي ذَلِكَ التَّلَافُظِ كَذَا هَذَا.

ترجمہ

اور جب مرد اپنی بیوی کے بچے کی پیدائش کے فوراً بعد نفی کر دے یا ایسی حالت میں نفی کرے جب مبارکباد قبول کی جاتی ہے یا پیدائش کی چیزیں خریدی جاتی ہیں تو اس کا حمل کی نفی کرنا صحیح ہوگا اور اس دلیل سے لعان کیا جائے گا۔ اگر ان صورتوں کے علاوہ کسی اور وقت میں نفی کرتا ہے اور لعان کرتا ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک بچے کا نسب ثابت ہوگا۔ امام ابو یوسف اور امام محمد علیہ الرحمہ یہ فرماتے ہیں: نفاس کی مدت کے دوران اس کا نفی کرنا درست ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے۔ یہ نفی تھوڑی مدت میں درست ہوتی ہے۔ یہ طویل مدت میں درست نہیں ہو سکتی اس لیے ہم ان دونوں کے درمیان نفاس کی مدت کے ذریعے علیحدگی کریں گے کیونکہ وہ ولادت

کا اثر ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے۔ مدت مقرر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ یہ سوچ بچہ کے لیے ہوتی ہے لیکن سوچ بچہ کے لیے طے سے لوگوں کے درمیان تفاوت پایا جاتا ہے۔ تو ہم ایسی بات کا اعتبار کریں گے جو بچے کے انکار نہ کرنے پر دلالت کرتی ہو جیسے اس شخص نے پیدائش پر مبارکباد قبول کر لی یا مبارک دینے جانے کے وقت خاموش رہا یا بچے کی پیدائش کے وقت جو اشیاء خریدی جاتی ہیں وہ اس نے خرید میں یا وہ وقت گزر گیا تو اس صورت میں نفی ناممکن ہو جائے گا۔ لیکن مرد اگر وہاں موجود نہ ہو اور سے پیدائش کا پتہ نہ چل سکے پھر وہ آئے تو اس مدت کا اعتبار ہوگا جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اور یہ دونوں کی اصل کے مطابق ہوگا۔ اگر عورت ایک ساتھ دو بچوں کو جنم دے اور مرد پہلے کے نسب کی نفی کر دے اور دوسرے کا اعتراف کرے تو دونوں بچوں کا نسب ثابت ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے۔ وہ دونوں بچے ایک ہی نطفے سے پیدا ہوئے ہیں اور شوہر ہر حد جاری کی جائے گی کیونکہ اس سے دوسرے دعویٰ کے ذریعے اپنی بات کی نفی کر دی ہے۔ اگر وہ پہلے بچے کا اعتراف کر لیتا ہے اور دوسرے کی نفی کر دیتا ہے تو ان دونوں کا نسب ثابت ہوگا اس کی دلیل ہم ذکر کر چکے ہیں۔ البتہ شوہر کو حن کرنا ہوگا کیونکہ دوسرے بچے کی نفی کے نتیجے میں وہ الزام لگا رہا ہے اور اس نے اپنے قول سے رجوع بھی نہیں کیا جبکہ بیوی کے پاک دامن ہونے کا اقرار اس نے پہلے کیا ہے تو یہ بالکل اس طرح ہو جائے گا جیسے پہلے وہ کہہ دے۔ میری بیوی پاک دامن ہے اور بعد میں کہہ دے۔ یہ زنیہ ہے۔ لہذا پہلے بچے کے اعتراف کے بعد دوسرے بچے کی نفی کرنے کا بھی یہی حکم ہوگا۔

شرح

اگر شوہر نے اس بچے کی نسبت جو اس کے نکاح میں پیدا ہوا ہے اور زندہ بھی ہے یہ کہا کہ یہ میرا نہیں ہے اور لعان ہوا تو قاضی اس بچے کا نسب شوہر سے منقطع کر دیگا اور وہ بچہ اب ماں کی طرف منتسب ہوگا بشرطیکہ علق ایسے وقت میں ہوا کہ عورت میں صلاحیت لعان ہو، لہذا اگر اس وقت باندی تھی اب آزاد ہے یا اس وقت کافرہ تھی اب مسلمان ہے تو نسب منقطع نہ ہوگا، اس واسطے کہ اس صورت میں لعان ہی نہیں اور گروہ بچہ مر چکا ہے تو لعان ہوگا اور نسب منقطع نہیں ہو سکتا ہے۔ یونہی اگر دو بچے ہوئے اور ایک مر چکا ہے اور ایک زندہ ہے اور دونوں سے شوہر نے انکار کر دیا یا لعان سے پہلے ایک مر گیا تو اس مرد کا نسب منقطع نہ ہوگا۔ سب منقطع ہونے کی چھ شرائط ہیں۔

(۱) تفریق (۲) وقت ولادت یا اس کے ایک دن یا دو دن بعد تک ہو دونوں کے بعد انکار نہیں کر سکتا۔

(۳) اس انکار سے پہلے اقرار نہ کر چکا ہو اگرچہ دلالت اقرار ہو مثلاً اسکو مبارکباد کہی گئی اور اس نے سکوت کیا یا اس کے لیے کھلونے خریدے۔ (۴) تفریق کے وقت بچہ زندہ ہو۔ (۵) تفریق کے بعد اسی حمل سے دوسرا بچہ نہ پیدا ہو یعنی چھ مہینے کے اندر۔ (۶) ثبوت نسب کا حکم شرعاً نہ ہو چکا ہو، مثلاً بچہ پیدا ہوا اور وہ کسی دودھ پیتے بچہ پر گرا اور یہ مر گیا اور یہ حکم دیا گیا کہ اس بچہ کے باپ کے عصب اس کی دیت ادا کریں اور اب باپ یہ کہتا ہے کہ میرا نہیں تو لعان ہوگا اور نسب منقطع نہ ہوگا۔

(روحشمار، کتاب طلاق باب لعان)



اور اگر باپ بچے کے نسب سے انکار کرے تو باہر تعلق لعان، زنا آتا ہے۔ اور اس میں بھی اتفاق ہے کہ ایک دفعہ بچے کو قبول کر لینے کے بعد (خواہ یہ قبول کر لینا صریح الفاظ میں ہو یا قبولیت پر دلالت کرنے والے فعل، مثلاً پیدائش پر مبارک باد لینے یا بچے کے ساتھ پدرانہ شفقت برتنے اور اس کی پرورش سے دلچسپی لینے کی صورت میں) پھر باپ کو انکار نسب کا حق نہیں رہتا، اور اگر کرے تو حد قذف کا مستحق ہو جاتا ہے۔ مگر اس امر میں اختلاف ہے کہ باپ کو کس وقت تک انکار نسب کا حق حاصل ہے۔

امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک اگر شوہر اس زمانے میں گھر پر موجود رہا ہے جب کہ بیوی حاملہ تھی تو زمانہ حمل سے بچے کو وضع حمل تک اس کے لیے انکار کا موقع ہے، اس کے بعد وہ انکار کا حق نہیں رکھتا۔ البتہ اگر وہ غائب تھا اور اس کے پیچھے ولادت ہوئی تو جس وقت اسے علم ہو وہ انکار کر سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک اگر پیدائش کے بعد ایک دو روز کے اندر وہ انکار کرے تو بعد ان کے وہ بچے کی ذمہ داری سے بری ہو جائے گا، لیکن اگر سال دو سال بعد انکار کرے تو لعان ہوگا مگر وہ بچے کی ذمہ داری سے بری نہ ہو سکے گا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ولادت کے بعد، یا ولادت کا علم ہونے کے بعد چالیس دن کے اندر اندر باپ کو انکار نسب کا حق ہے، اس کے بعد یہ حق ساقط ہو جائے گا۔ صحیح بات وہی ہے جو امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ نے فرمائی ہے کہ ولادت کے بعد یا اس کا علم ہونے کے بعد ایک دو روز کے اندر ہی انکار نسب کیا جاسکتا ہے، انار یہ کہ اس میں کوئی ایسی وجہ معقول رکاوٹ تسلیم کیا جائے۔

## بَابُ الْعَيْنِ وَغَيْرِهِ

﴿یہ باب عینین (نامرد ہونے) وغیرہ کے بیان میں ہے﴾

باب عینین کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود باری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ جب تندرستوں سے متعلق احکام نکاح و طلاق سے فارغ ہوئے ہیں تو اب مصنف نے عینین یعنی بیمار شخص سے متعلق احکام نکاح و طلاق کو بیان کرنا شروع کیا ہے کیونکہ عوارض ہمیشہ بعد میں ذکر کیے جاتے ہیں۔ اور عینین اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس میں عورتوں کے پاس یعنی جماع کی صورت میں آنے کی صلاحیت نہ ہو اسے عینین کہتے ہیں۔ (عناویہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۸۱، بیروت)

عینین کا فقہی مفہوم

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عینین اس کو کہتے ہیں کہ آلہ موجود ہو اور زردی کے آگے کے مقام میں دخول نہ کر سکے اور اگر بعض عورت سے جماع کر سکتا ہے اور بعض سے نہیں یا عیب کے ساتھ کر سکتا ہے اور بیکر کے ساتھ نہیں تو جس سے نہیں کر سکتا اس کے حق میں عینین ہے اور جس سے کر سکتا ہے اس کے حق میں نہیں۔ اس کے اسباب مختلف ہیں مرض کی دلیل سے ہے یا بخلیق یا ہے یا بڑھاپے کی دلیل سے یا اس پر جاؤ کر دیا گیا ہے۔ اگر فقط حشفہ داخل کر سکتا ہے تو عینین نہیں اور حشفہ کٹ گیا ہو تو اس کی مقدار عضو داخل کر سکے پر عینین نہ ہوگا اور عورت نے شوہر کا عضو کاٹ ڈالا تو مقطوع الذکر کا حکم جاری نہ ہوگا۔ شوہر عینین ہے اور عورت کا مقام بند ہے یا بڑی نکل آئی ہے کہ مرد اس سے جماع نہیں کر سکتا تو ایسی عورت کے لیے وہ حکم نہیں جو عینین کی زردی کو ہے کہ اس میں خود بھی قصور ہے۔ (در مختار، باب عینین)

عینین کو دی جانے والی مہلت کا بیان

(وَإِذَا كَانَ الزَّوْجُ عَيْنًا أَجَلَهُ الْحَاكِمُ سَنَةً، فَإِنْ وَصَلَ إِلَيْهَا وَالْأَفْرَقَ بَيْنَهُمَا إِذَا طَلَبَتْ الْمَرْأَةُ ذَلِكَ) هَكَذَا رَوَى عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُودٍ (۱)، وَلَئِنْ الْحَقَّ ثَابِتٌ لَهَا فِي الْوَطْءِ، وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ الْإِفْتِاعُ لِعَلَّةٍ مُعْتَرِضَةٍ، وَيَحْتَمِلُ لِفَاقَةِ أَصْلِيَةٍ فَلَا بُدَّ مِنْ مُدَّةٍ

(۲) أما عن عمر، فعند عبدالرزاق في "مصنفه" والدارقطني من رواية سميد بن المسيب قال: قضى عمر في العینین ان یزوج سنۃً وأخرجه بن ابی شیبۃ من دلیل آخر عن حمید ۱۶۴/۴ والدارقطني في "مصنفه" ۱۸۸/۲ وأخرجه محمد بن الحسن في "الآثار" وأحمد بن حنبل في "مسند" والدارقطني في "مصنفه" و ابن ابی شیبۃ في "مصنفه" بإسنادین ضعیفین، وأما ابن مسعود ورضی اللہ عنہ فأخرجه عبدالرزاق وابن ابی شیبۃ والدارقطني في "مصنفه" ص ۱۸۸۔

مَعْرِفَةِ ذَلِكَ، وَقَدَّرْنَا هَا بِالسَّيِّئَةِ لِاسْتِمَالِهَا عَلَى الْفُضُولِ الْأَرْبَعَةِ.

ترجمہ

اور جب شوہر عینین (نامرد) ہو تو قاضی اسے ایک سال کی مہلت دے گا کہ وہ مرد اس عورت کے ساتھ صحبت کر لیتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ قاضی ان دونوں کے درمیان علیحدگی کروادے گا۔ جب عورت اس کا مطالبہ کرے۔ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ و حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے صحبت کرنے میں عورت کا حق ثابت ہے اور اس بات کا احتمال موجود ہے کہ یہ رکاوٹ کسی عارضی علت کی دلیل سے ہو اور اس بات کا بھی احتمال موجود ہے کہ یہ اصل آفت ہو اس لیے کوئی مدت ضروری ہوگی جس میں اس بات کا پتہ چل سکے تو وہ مدت ہم نے ایک سال مقرر کی ہے کیونکہ وہ چاروں مہموں پر مشتمل ہوتی ہے۔

عینین کیلئے مدت سال میں فقہی تصریحات

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں حضرت امام عبدالرزق نے روایت کی کہ میرا مومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ عینین کو ایک سال کی مدت دی جائے۔ اور ابن ابی شیبہ نے روایت کی، امیر المومنین نے قاضی شریح کے پاس لکھ بھیجی کہ یوم مراحہ سے ایک سال کی مدت دی جائے۔ اور عبدالرزاق و ابن ابی شیبہ نے مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ابن ابی شیبہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ ایک سال کی مدت دی جائے۔ اور حسن بصری و حنفی و ابراہیم حنفی و عطاء و سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔ (فتح القدیر، کتاب طلاق، باب عینین)

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اور جب کسی عورت نے دعویٰ کیا ورنہ کہتا ہے میں نے اس سے جماع کیا ہے اور عورت شیبہ ہے تو شوہر سے قسم کھائیں قسم کھا لے تو عورت کا حق جاتا رہا انکار کرے تو ایک سال کی مہلت دے اور اگر عورت اپنے کو بکر بتاتی ہے تو کسی عورت کو دکھائیں اور احتیاط یہ ہے کہ دو عورتوں کو دکھائیں، اگر یہ عورتیں اسے شیبہ بتائیں تو شوہر کو قسم کھا کر اس کی بات مانیں ورنہ عورتیں بکر کہیں تو عورت کی بات بغیر قسم، منی جائے گی اور ان عورتوں کو شک ہو تو کسی طریقہ سے امتحان کرائیں اور اگر ان عورتوں میں باہم اختلاف ہے کوئی بکر کہتی ہے کوئی شیبہ تو کسی اور سے تحقیق کریں، جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ شوہر نے جماع نہیں کیا ہے تو ایک سال کی مہلت دیں۔ عورت کا دعویٰ قاضی شہر کے پاس ہوگا دوسرے قاضی یا غیر قاضی کے پاس دعویٰ کیا اور اس نے مہلت بھی دیدی تو اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ یونہی عورت کا بطور خود بخود بھی رہنا بیکار ہے۔

مہلت کے بعد عدم قدرت پر ہونے والی علیحدگی کا حکم

فَإِذَا مَضَتْ الْمُدَّةُ وَلَمْ يَصِلْ إِلَيْهَا نَبِيْنٌ أَنَّ الْعَجْزَ بِأَفَةِ أَصْلِيَّةٍ فَقَاتِ لَا مَسَاكَ

بِالْمَعْرُوفِ وَوَجَّهَ عَلَيْهِ التَّسْرِيحُ بِالْإِحْسَانِ، فَإِذَا امْتَنَعَ نَابَ الْقَاضِي مَنَاهُ فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَلَا بُدَّ مِنْ طَلِبِهَا لِأَنَّ التَّفْرِيقَ حَقُّهَا (وَتِلْكَ الْمَرْفُوعَةُ تَطْلِيْفَةٌ بَائِنَةٌ) لِأَنَّ فِعْلَ الْقَاضِي أُصِيفَ إِلَى الرُّوحِ فَكَانَتْ طَلَقَهَا بِنَفْسِهِ. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: هُوَ فَسْخٌ لِكِنَّ الْمَسَاكِ لَا يَقْبَلُ الْفَسْخَ عِنْدَنَا، وَتَمَّا تَقَعُ بَائِنَةٌ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ وَهُوَ دَفْعُ الظُّلْمِ عَنْهَا لَا يَحْضُلُ إِلَّا بِهَا لِأَنَّهَا لَوْ لَمْ تَكُنْ نَائِنَةً تَعُودُ مُعَلَّقَةً بِالْمُرَاحَةِ.

ترجمہ

اور جب یہ مدت گزر جائے گی اور پھر بھی مرد عورت کے ساتھ صحبت نہیں کر سکے گا تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اس کا عاثر ہوا اصل آفت کے اعتبار سے ہے اس لیے اس کا بالمعروف کا پہلو فوت ہو جائے گا اور تسریح بالاحسان اس پر لازم ہو جائے گا۔ اگر وہ اس سے انکار کرتا ہے تو قاضی اس کا قائم مقام بن جائے گا اور ان دونوں کے درمیان علیحدگی کروادے گا لیکن اس نے عورت کا مطالبہ کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ عورت کا حق ہے۔ یہ علیحدگی ایک بائنہ طلاق شمار ہوگی اس کی دلیل یہ ہے قاضی کے فعل کی نسبت شوہر کے فعل کی طرف کی جائے گی گو یا کہ مرد نے بذات خود اسے طلاق دی ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں یہ فسخ شمار ہوگا لیکن ہمارے نزدیک فسخ نہیں ہوگا۔ نیز قاضی کی تفریق اس لیے بھی بائنہ شمار ہوگی کیونکہ اصل مقصد عورت کے ساتھ ہونے والی زیادتی کو ختم کرنا ہے ورنہ بائنہ طلاق کے ذریعے ہی پورا ہو سکتا ہے کیونکہ اگر عورت بائنہ نہیں ہوگی تو شوہر اس سے پھر رجوع کر لے گا اور وہ پھر معلق ہو جائے گی۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ تفریق قاضی طلاق یا ن قراردی جائیگی اور خلوت ہو چکی ہے تو پورا مہر پائیگی اور عدت بیٹھگی ورنہ نصف مہر ہے اور عدت نہیں اور اگر مہر مقرر نہ ہوا تھا تو متعہ ملے گا۔ قاضی نے ایک سال کی مہلت دی تھی مگر گزرنے پر عورت نے دعویٰ نہ کیا تو حق باطل نہ ہوگا جب چاہے آکر پھر دعویٰ کر سکتی ہے اور اگر شوہر اور مہلت مانگتا ہے تو جب تک عورت راضی نہ ہو قاضی مہلت نہ دے اور عورت کی رضا مندی سے قاضی نے مہلت دی تو عورت پر اس میعاد کی پابندی ضرور نہیں جب چاہے دعویٰ کر سکتی ہے اور یہ میعاد باطل ہو جائے گی اور اگر میعاد اول کے بعد قاضی معزول ہو گیا یا اس کا انتقال ہو گیا اور دوسرا اس کی جگہ پر مقرر ہوا اور عورت نے گواہوں سے ثابت کر دیا کہ قاضی اول نے مہلت دی تھی اور وہ زمانہ ختم ہو چکا تو یہ قاضی سرے سے مدت مقرر نہ کریگا بلکہ اسی پر عمل کریگا جو قاضی اول نے کیا تھا۔ (عالمگیری، باب عینین)

عینین اور اس کی بیوی کے احکام

(وَلَهَا كَمَالُ مَهْرِهَا إِنْ كَانَ خَلَا بِهَا) فَإِنْ خَلَوَ الْعَيْنَيْنِ صَحِيْحَةً (وَيَجِبُ الْعِدَّةُ) لِمَا

بَيْنَا مِنْ قَبْلِ هَذَا إِذَا أَقْرَأَ الرَّوْجَ أَنَّهُ لَمْ يَصِلْ إِلَيْهَا (وَلَوْ اخْتَلَفَ الزَّوْجُ وَالْمَرْأَةُ فِي  
الْوَصُولِ إِلَيْهَا فَإِنْ كَانَتْ تَبَيَّنَ قَالِقُولُ قَوْلُهُ ثُمَّ يَمِينُهُ) لِأَنَّهُ يُبَكِّرُ اسْتِحْقَاقَ حَقِّ الْفَرْقَةِ  
وَالْأَصْلُ هُوَ السَّلَامَةُ فِي الْحَبْلَةِ (ثُمَّ إِنْ خَلَفَ بَطَلَ حَقُّهَا، وَإِنْ نَكَلَ يُؤْخَلُ سَنَةً، وَإِنْ  
كَانَتْ بِكْرًا نَطَرَ إِلَيْهَا النِّسَاءُ، فَإِنْ قُلْنَ هِيَ بِكْرٌ أُجِلَّ سَنَةً) لِيُظْهِرَ كَيْدِيهِ (وَإِنْ قُلْنَ هِيَ  
كَيْسٌ يَخْلِفُ الزَّوْجَ، فَإِنْ خَلَفَ لَا حَقَّ لَهَا، وَإِنْ نَكَلَ يُؤْخَلُ سَنَةً، وَإِنْ كَانَ مَحْبُوبًا  
فُرِقَ بَيْنَهُمَا فِي الْحَالِ إِنْ طَلَسَتْ) لِأَنَّهُ لَا فَائِدَةَ فِي التَّاجِيلِ (وَالْخَصِيُّ يُؤْجَلُ كَمَا  
يُؤْجَلُ الْعَيْنُ) لِأَنَّ وَطْأَهُ مَرْجُوٌّ (وَإِذَا أُجِلَّ الْعَيْنُ سَنَةً وَقَالَ قَدْ جَامَعْتُهَا وَانْكَرَتْ نَظَرَ  
إِلَيْهَا النِّسَاءُ، فَإِنْ قُلْنَ: هِيَ بِكْرٌ خَيْرَتْ) لِأَنَّ شَهَادَتَهُنَّ نَائِدَةٌ بِمُؤَيَّدٍ وَهِيَ الْبِكَارَةُ  
(وَإِنْ قُلْنَ: هِيَ كَيْسٌ خَلَفَ الزَّوْجَ، فَإِنْ نَكَلَ خَيْرَتْ) لِتَأْيِيدِهَا بِالْكَوْلِ، وَإِنْ خَلَفَ لَا  
تُخَيَّرُ، وَإِنْ كَانَتْ تَبَيَّنَ فِي الْأَصْلِ قَالِقُولُ قَوْلُهُ مَعَ يَمِينِهِ وَقَدْ ذَكَرْنَا (فَإِنْ احْتَارَتْ  
زَوْجَهَا لَمْ يَكُنْ لَهَا بَعْدَ ذَلِكَ خِيَارٌ) لِأَنَّهَا رَضِيَتْ بِبَطْلَانِ حَقِّهَا

ترجمہ

اور اگر عینین شخص عورت کے ساتھ خلوت کر چکا ہو تو عورت کو پورا مہر ملے گا کیونکہ عینین شخص کی خلوت صحیحہ شمار ہوگی اور (علیحدگی ہو جانے کے بعد) عورت پر عدت کی ادائیگی لازم ہوگی جیسا کہ ہم یہ مسئلہ مہر کے باب میں بیان کر چکے ہیں۔ یہ سب کچھ اس وقت ہوگا جب شوہر یہ اقرار کرے کہ میں نے بیوی کے ساتھ صحبت نہیں کی ہے۔ اگر صحبت کرنے کے بارے میں مرد اور عورت کے بیان کے درمیان اختلاف ہو جائے تو اگر عورت شیبہ ہو تو مرد سے قسم لے کر اس کی بات کو تسلیم کر لیا جائے گا کیونکہ وہ علیحدگی کے حق کو ثابت کرنے سے انکار کر رہا ہے اور اس میں اصل یہی ہے عضو سلم ہونا چاہئے۔ اگر شوہر نے قسم اٹھ لی تو عورت کا حق باطل ہو جائے گا، اور اگر شوہر نے قسم اٹھانے سے انکار کر دیا تو اسے ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔ اگر عورت باکرہ ہو تو دوسری عورتیں اس کا جائزہ لیں گی اگر وہ عورتیں اس کے باکرہ ہونے کی تصدیق کر دیتی ہیں تو مرد کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی تاکہ اس کا جھوٹ ظاہر ہو جائے۔

اگر اس کا جائزہ لینے والی عورتیں کہیں یہ شیبہ ہے تو اس کے شوہر سے قسم لی جائے گی اگر وہ قسم اٹھا لے تو عورت کا دعویٰ باطل ہو جائے گا اگر وہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو پھر اسے ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔ اگر شوہر کا عضو مخصوص کٹا ہو تو اسی وقت ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی لیکن اس کے لئے یہ بات شرط ہے عورت نے مطالبہ کیا ہو کیونکہ ایسی صورت میں مہلت دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ شخصی مرد کو بھی نامرد کی طرح مہلت دی جائے گی کیونکہ اس سے بھی یہ امید کی جاسکتی ہے وہ

صحبت کرنے کے قابل ہو جائے نیز جب شخصی مرد کو ایک سال کی مہلت دی جائے اور پھر وہ عدالت میں آ کر یہ کہہ دے میں نے صحبت کر لی ہے لیکن بیوی اس بات کا انکار کر دے تو عورتیں اس کا معاند کریں گی اگر وہ یہ کہہ دیں یہ باکرہ ہے تو عورت کو اختیار حاصل ہوگا کیونکہ بکارت کی دلیل سے عورتوں کی شہادت مکمل ہوگئی۔ لیکن اگر عورتیں یہ کہہ دیں یہ شیبہ ہے تو اس صورت میں خاوند سے قسم لی جائے گی اگر وہ قسم ٹھننے سے انکار کر دے تو اس عورت کو (علیحدگی کا) اختیار ہوگا کیونکہ شوہر نے قسم سے انکار کر کے عورت کے دعوے کی تائید کر دی ہے۔ اگر شوہر قسم اٹھا دیتا ہے تو بیوی کو اختیار نہیں رہے گا اگرچہ وہ پہلے ہی سے شیبہ ہو صرف مرد سے قسم لے کر اس کا قول قبول کیا جائے گا۔ اس بات کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اگر بیوی ایک مرتبہ شوہر کو اختیار کر لے تو اس کے بعد اسے کبھی بھی اختیار نہیں ہوگا کیونکہ اس نے اپنے حق کو ختم کرنے پر خود رضا مندی ظاہر کی ہے۔

### عینین کیلئے شرعی مہلت کا بیان

سعید بن مسیب کہتے تھے جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے پھر اس سے جماع نہ کر سکے اس کو ایک برس کی مہلت دی جائے اور اس عرصہ میں اگر جماع کرے گا تو بہتر نہیں تو تفریق کر دی جائے گی۔ موطاء، مالک، علیہ الرحمہ جلد اول: حدیث نمبر 1100 شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں اور جب کسی عورت نے دعویٰ کیا اور شوہر کہتا ہے میں نے اس سے جماع کیا ہے اور عورت شیبہ ہے تو شوہر سے قسم کھلائیں قسم کھ لے تو عورت کا حق جاتا رہا انکار کرے تو ایک سال کی مہلت دے اور اگر عورت بچے کو بکرتا رہے تو کسی عورت کو دکھائیں اور احتیاط یہ ہے کہ دو عورتوں کو دکھائیں، اگر یہ عورتیں اسے شیبہ بتائیں تو شوہر کو قسم کھ کر اس کی بات مانیں اور یہ عورتیں بکر کہیں تو عورت کی بات بغیر قسم مانی جائے گی اور ان عورتوں کو شک ہو تو کسی طریقہ سے امتحان کرائیں اور اگر ان عورتوں میں باہم اختلاف ہے کوئی بکر کہتی ہے کوئی شیبہ تو کسی اور سے تحقیق کرائیں، جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ شوہر نے جماع نہیں کیا ہے تو ایک سال کی مہلت دیں۔

عورت کا دعویٰ قاضی شہر کے پاس ہوگا دوسرے قاضی یا غیر قاضی کے پاس دعویٰ کیا اور اس نے مہلت بھی دیدی تو اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ یونہی عورت کا بطور خود بخوبی رہنا بیکار ہے۔ (حالم گیری، کتاب طلاق، باب عینین)

احناف کے یہاں ایک مشہور مسئلہ یہ ہے کہ بیوی کا حق جماع زندگی میں ایک ہی دفعہ ہے۔ اگر ایک دفعہ شوہر نے بیوی سے ہم بستی کر لی اور اس کے بعد عینین ہو گیا تو اس کی بیوی فتح نکاح کا دعویٰ دائر نہیں کر سکتی۔ یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب شوہر جماع پر قادر ہو اور ایک دفعہ قربت کر چکا ہو۔ لیکن اس کے بعد اس نے قطع تعلق کر رکھا ہو: ولو وطئ مودة ثم عجز عن الوطئ فی هذا النکاح لا یبکون لها حق الخصومة (صحیحہ وی) مگر علامہ ابن نجیم مصری کے بیان کے مطابق یہ نقطہ نظر فقہاء کے ایک گروہ کا ہے کہ تصا صرف ایک بار جماع واجب ہے، اس کے بعد دوبارہ واجب ہے نہ کہ تصا لیکن حنفیہ کے دوسرے گروہ کے نزدیک تصا بھی واجب ہے۔ علامہ شامی نقل کرتے ہیں۔

قال فی البحر و حیث علم ن الوطئ لا یدخل تحت القسم، فهل هو واجب للزوجة؟ وفي البدائع لها



ان تطالبہ بالوطی لان حلہ لها حقہا کما ان حلہا لہ حقہ واذا طالبتہ یجب علیہ ، ویجبر علیہ فی الحکم مرۃ والزیادۃ تجب علیہ فی الحکم . (ردالمحتار ، باب القسم ، بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ ایک جماعت کے نزدیک عورت کی ضرورت کے مطابق جماع قضاء بھی اس کا حق ہے۔

مہلت میں قمری سال کا اعتبار ہوگا

وَفِي السَّاجِلِ تُعْتَبَرُ السَّنَةُ الْقَمَرِيَّةُ هُوَ الصَّحِيحُ وَيُحْتَسَبُ بِأَيَّامِ الْخَيْضِ وَبَشَهْرِ رَمَضَانَ لَوْ جُودَ ذَلِكَ فِي السَّنَةِ وَلَا يُحْتَسَبُ بِمَرَضِهِ وَمَرَضِهَا لِأَنَّ السَّنَةَ قَدْ تَخَلَّوْا عَنْهُ .

ترجمہ

صحیح قول کے مطابق اس مہلت میں قمری سال کا اعتبار کیا جائے گا اور حیض کے مخصوص ایام اور رمضان کا مہینہ بھی اس سال کا حصہ ہوں گے کیونکہ یہ دونوں چیزیں سال کے دوران ہی پائی جاتی ہیں لیکن مرد یا عورت کا بیمار ہونا سال کی مہلت میں شامل نہیں ہوگا کیونکہ کبھی پورا سال بیماری سے خالی ہوتا ہے۔

شرح

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہاں سال سے مراد اس مقام پر تہمتی سال ہے یعنی تین سو پینسٹھ دن اور ایک دن کا کچھ حصہ اور ایام حیض و ماہ رمضان اور شوہر کے حج اور سفر کا زمانہ اسی میں محسوب ہے اور عورت کے حج اور غیبت کا زمانہ اور مرد یا عورت کے مرض کا زمانہ محسوب نہ ہوگا اور اگر احرام کی حالت میں عورت نے دعویٰ کیا تو جب تک احرام سے فارغ نہ ہوئے قاضی میعاد مقرر نہ کریگا۔ (درمختار، باب عین)

بیوی میں عیب ہو تو شوہر کو فسخ کا اختیار نہیں ہوگا

وَإِذَا كَانَ بِالزَّوْجَةِ عَيْبٌ فَلَا خِيَارَ لِمَرْوُجٍ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: تَرُدُّ بِالْعُيُوبِ الْخَمْسَةِ وَهِيَ: الْجَدَامُ وَالْبَرَصُ وَالْجُنُونُ وَالرَّقُّ وَالْقُرْنُ لِأَنَّهَا تَمْنَعُ الْإِسْتِيفَاءَ حَسًّا أَوْ طَبْعًا وَالطَّبْعُ مُؤَيَّدٌ بِالشَّرْعِ. قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (فَرَّ مِنَ الْمَجْدُومِ فَإِنَّكَ مِنَ الْأَسَدِ) (۱) وَلَنَا أَنَّ قَوْتَ الْإِسْتِيفَاءِ أَضَلًّا بِالْمَوْتِ لَا يُوجِبُ الْقَسْعَ فَاخْتِلَاؤُهُ بِهِذِهِ

(۱) أخرجه البحاری فی "صحیحہ" ۱۰۸/۱۰ برقم (۵۷۰۷) و منسجم فی "صحیحہ" ۱۷۴۳/۴ برقم (۲۴۲۰) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ

عنہ قال: "لا عدوی ولا طیرۃ ولا ہامۃ ولا صفر، و فر من المجلوم کما فر من الأسد"

الْعُيُوبِ أُولَى، وَهَذَا لِأَنَّ الْإِسْتِيفَاءَ مِنَ الثَّمَرَاتِ وَالْمُسْتَحَقُّ هُوَ التَّمَكُّنُ وَهُوَ حَاصِلٌ .

ترجمہ

لیکن اگر بیوی کے اندر کوئی عیب ہو تو شوہر کو عیبت کی کا اختیار نہیں ہوگا۔ امام شافعی فرماتے ہیں یا نج عیوب کی بنیاد پر نکاح کو مسترد کیا جا سکتا ہے۔ وہ عیوب یہ ہیں: جزلہم برص، جنون، رقق، قرن، اس کی دلیل یہ ہے یہ حسی طور پر اور طبعی طور پر تمتع میں رکاوٹ ہوتے ہیں اور طبیعت کی تائید شریعت سے ہوتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "مجذوم سے یوں بھگو جیسے شیر سے بھگتے ہو" ہماری دلیل یہ ہے موت کی دلیل سے تمتع کا حصول ناممکن ہو جائے گا نکاح کو فسخ نہیں کرتا تو ان عیوب کی دلیل سے بدرجہ اولیٰ فسخ نہیں کرے گا جبکہ ان عیوب کی موجودگی میں کسی نہ کسی حد تک تمتع کیا جا سکتا ہے اور تمتع کرنا نکاح کا ثمرہ ہے اور نکاح کا اصل حق صرف یہ ہے: شوہر تمتع پر قادر ہو اور یہ چیز یہاں موجود ہے۔

پیدا آئشی نقص کے سبب فسخ نکاح میں مذہب اربعہ

سخ نکاح کا ایک سبب بیمارگی وہ ہے: (شوہر و بیوی میں سے کسی کو بھی) دوسرے میں شدید پیدا آئشی خامی کی بنا پر علاحدگی، اللہ تبارک و تعالیٰ نے شادی کو چار ترقی زدگیر، اسکو ان تمام ذرائع سے گھیر لیا، جو ازدواجی تعلقات کو ہر اس شے سے خالی ہونے کی ضمانت دیں، جس سے شادی کا شرف و شیشہ دھندل ہو، نیز اس بات کی ضمانت دیں کہ وہ پناہ نفسیاتی، مالی، اور معاشرتی کردار بخوبی ادا کر سکیں، چنانچہ جب کوئی ایسی پیدا آئشی خامی سامنے آ جاتی ہے، جو شادی کے مقصد میں رکاوٹ بن رہی ہے، تو پھر زروئے شریعت اس عیب کی بنا پر شوہر و بیوی میں علاحدگی جائز ہے، مثلاً جنسی کمزوری، اعضائے تناسلی میں کوئی عیب، عقلی کمزوری اور جذم وغیرہ۔

فقہاء میں پیدا آئشی خامی کی بنا پر علاحدگی کے بارے میں کچھ اختلاف ہے، اکثر علماء کا خیال ہے کہ یہ جائز ہے، ورنہ یہی اس آئین کی پسند ہے۔

حنفی اور مالکی حضرات کا کہنا ہے کہ یہ علیحدگی طلاق یا سنہ شاربوگی، جبکہ شافعی اور حنبلی حضرات کا مذہب ہے کہ یہ علیحدگی فسخ کہلائے جائیگی،

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوت لگنا، بدشگونی پینا، الوکا منحوس ہونا اور صفر کا منحوس ہونا یہ سب لغویات ہیں البتہ جذامی شخص سے ایسا بھاگتا رہ جیسا کہ شیر سے بھاگتا ہے۔ (بخاری)

جذام ایک خراب مشہور بیماری ہے جس میں خون بگڑ کر سارا جسم گلے لگ جاتا ہے۔ آخر میں ہاتھ پاؤں کی انگلیاں جھڑ جاتی ہیں۔ ہر چند مرض کا پورا ہونا یہ حکم الہی ہے مگر جذامی کے ساتھ خلط مط اور کچائی اس کا سبب ہے اور سبب سے پرہیز کرنا نقصان

دانشندی ہے یہ توکل کے خلاف نہیں ہے۔ جب یہ عقاد ہو کہ جب اس وقت اثر کرتا ہے جب مسبب الاسباب یعنی پروردگار اس میں اثر دے۔ بعضوں نے کہا آپ نے پہلے فرمایا جذامی سے بھگتا رہے اس کے خلاف نہیں ہے آپ کا مطلب یہ تھا کہ اکثر شر سے ڈرنے والے کمزور لوگ ہوتے ہیں ان کو جذامی سے انگ رہنا ہی بہتر ہے اب نہ ہو کہ ان کو کوئی عارضہ ہو جائے تو علت اس کی جذامی کا قرب قرار دیں اور شرک میں گرفتار ہوں گویا یہ حکم عوام کے لیے ہے اور خواص کو اجازت ہے وہ جذامی سے قرب رکھیں تو بھی کوئی قباحہ نہیں ہے حدیث میں ہے کہ آپ نے جذامی کے ساتھ کھانا کھایا، و فرمایا کل بسم اللہ ثقہ باللہ و تو کلا علیہ طاعون زدہ شہروں کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

عبد اللہ بن حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قاضی کی تفریق کے بعد گوہوں نے شہادت دی کہ تفریق سے پہلے عورت نے جماع کا قرار کیا تھا۔ تو تفریق باطل ہے اور تفریق کے بعد قرار کیا ہو تو باطل نہیں۔ تفریق کے بعد ایسی عورت نے پھر اسی شہر سے نکاح کیا یا دوسری عورت نے جس کو یہ حال معلوم تھا تو اب دعویٰ تفریق کا حق نہیں۔ اگر شوہر میں در کسی قسم کا عیب ہے مثلاً جنون، جذام، برص، عورت میں عیب ہو کہ اس کا مقام بند ہو یا اس جگہ گوشت یا ہڈی پیدا ہو گئی ہو تو فسخ کا اختیار نہیں۔ شوہر جماع کرتا ہے مگر منی نہیں ہے کہ انزال ہو تو عورت کو دعویٰ کرنے کا حق نہیں ہے۔ (در مختار، باب عین)

### بیماریوں سے پناہ طلب کرنے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا مانگتے تھے (اللھم اسی اعوذ بک من البرص والجدام والسجسون ومن سبب الاسقام)۔ اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کوڑھ سے، جذام سے، دیوانگی سے، اور بری بیماریوں سے، (مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1001، ابوداؤد سنائی)

سبب الاسقام (بری بیماریوں) کا ذکر تعیم بعد تخصیص کے طور پر ہے یعنی پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص طور پر چند بری بیماریوں کا نام لیتے ہوئے پناہ مانگی۔ پھر عام طور پر بری بیماری مثلاً استسقاء اور دق وغیرہ سے پناہ مانگی۔ ان بیماریوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پناہ اس لئے مانگی کہ جس شخص کو ان میں سے کوئی بیماری لاحق ہوتی ہے اکثر لوگ اس سے گھبراتے ہیں اور اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔ نیز برص اور کوڑھ تو ایسے مرض ہیں جن کی دلیل سے مریض کا جسم بدبو مٹی اور بدمنی کا شکار ہو جاتا ہے اس طرح وہ جسم کے معاملہ میں اپنے ہی جیسے انسانوں کی صف سے باہر ہو جاتا ہے پھر یہ کہ مرض ہمیشہ کے لئے چپک کر رہ جاتا ہے جس کو کبھی اچھے نہیں ہوتے برخلاف اور امراض کے مثلاً بخار، سر درد وغیرہ کا یہ حال نہیں ہوتا ان میں تکلیف بھی کم ہوتی ہے ورنہ اب بھی بہت ملتا ہے۔

ابن مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو مرض ایسا ہو کہ لوگ مریض سے احتراز کرتے ہوں۔ نہ خود مریض دوسروں سے منقطع ہو سکتا ہو اور نہ دوسرے اس سے کوئی فائدہ حاصل کر سکتے ہوں اور مریض اس مرض کی دلیل سے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی سے عاجز ہو جاتا ہو تو اس مرض سے پناہ مانگنی مستحب ہے۔

عماہ کا خیال یہ ہے کہ اور جذام بالصح متعدی نہیں میں یعنی یہ مرض کسی کو زخم نہیں لگتے مگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوڑھی کے بدن سے اپنا بدن لگانے کی دلیل سے جذامی کی پیپ لگ کر یہ بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

### فسخ نکاح کے ذرائع و اسباب

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر بیوی کے اندر اگر کوئی ایسا عیب موجود ہو جس کی دلیل سے شوہر اس کے ساتھ صحبت نہ کر سکتا ہو۔ تو اس بارے میں شوہر کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہوگا اس سے مراد نکاح فسخ کرنے کا اختیار سے در نہ طلاق دینے کا اختیار تو اسے بہر حال حاصل ہی ہوگا۔ وہ پانچ عیوب یہ ہیں۔

۱۔ جذام کوڑھ کی بیماری۔

۲۔ برص: یعنی مہسمری اس بیماری میں جلد پر سفید داغ بن جاتا ہے۔ جو بعض اوقات جسم کے کسی ایک حصے پر ہوتا ہے اور بعض اوقات پورے جسم پر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ پورا جسم سفید ہو جاتا ہے۔

۳۔ جنون: یعنی پاگل پن خواہ یہ مستقل ہو یا عورت پر پاگل پن کے دورے پڑتے ہوں۔

۴۔ رقیق: اس کا لغوی معنی کسی چیز کا بند ہونا م طور پر عورت کی شرمگاہ میں دور استے ہوتے ہیں ایک پیشاب کا اور دوسرا صحبت کے لئے جہاں سے حیض کا خون خارج ہوتا ہے لیکن بعض اوقات کسی پیدائشی خرابی کی دلیل سے عورت کو شرمگاہ میں صرف پیشاب والا سوراخ ہوتا ہے جس کی دلیل سے اس کے ساتھ صحبت نہیں کی جاسکتی۔

۵۔ قرن۔ اس کا لغوی معنی منا ہے اور یہاں اس مراد یہ ہے عورت کو شرمگاہ میں کسی ہڈی کے بڑھ جانے کی دلیل سے، یا کسی اور دلیل سے منہ اتنا تنگ ہو جائے کہ مرد کا آلہ تناسل اس میں داخل نہ ہو سکے۔

۱۰۔ شرفی یہ فرماتے ہیں، یہ عیوب حسی اعتبار سے بھی اور طبعی اعتبار سے بھی صحبت کرنے کے عمل میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ اور یہ بات شریعت سے ثابت ہے طبعی طور پر جو چیز رکاوٹ ہو اسے حکم کی علت قرار دیا جاسکتا ہے۔ جیسے نبی اکرم نے رش دفرمایا ہے۔

”تم جذام کے مریض سے اس طرح دور رہو گویا جیسے شیر سے دور بھاگتے ہو“۔ احتاف، اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں: اپنی اصل کے اعتبار سے صرف موت کی صورت میں مرد و عورت کے ساتھ صحبت نہیں کر سکتا تو جب موت کی صورت میں، جو صحبت کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ ہے فسخ کا حق حاصل نہیں ہوتا تو کسی اور بیماری کی دلیل سے یہ حق بدرجہ اولیٰ حاصل نہیں ہوگا۔

یہاں مصنف نے دوسری دلیل یہ بیان کی ہے: صحبت نکاح کا ثمرہ ہے اور شوہر کا حق عورت کو اپنے قابو میں رکھنا ہے اور یہ صورت یہاں پائی جا رہی ہے لہذا اسے فسخ کا اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

باپ دادا کے کیے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ پر مذاہب اربعہ

دوسرا مسئلہ خیار بلوغ کا ہے۔ مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک صرف باپ یا باپ اور دادا کی کو نابالغ بچوں کے نکاح کا حق ہے اور اس طرح باپ یا دادا جو نکاح کر دیں، وہ ان پر لازم ہے۔ حنفیہ کے یہاں باپ اور دادا کے علاوہ دوسرے اولیاء بھی نکاح کر سکتے ہیں۔ لیکن انھیں ولایت نزام حاصل نہیں ہے۔ یعنی ان کا کیا ہوا نکاح لازم نہیں ہوگا۔ بل کہ لڑکوں اور لڑکیوں کو بالغ ہونے کے بعد اس نکاح کو رد کر دینے کا اختیار حاصل ہوگا۔ البتہ باپ یا دادا کا کیا ہوا نکاح لازم ہوگا، سوائے اس کے کہ وہ معروف، سوء الاختیار یا فاسق مت ہنک ہو یا نشے کی حالت میں نکاح کر دے:

احدهما: اذا زوجهم الاب والجد، فلا خيار لها بعد بسوغها بشرطين: ان لا يكون معروفاً بسوء الاختيار قبل العقد، لانيهما: ان لا يكون سكرانا فيقضي عليه سكره بنزويجها بغير مهر المثل او فاسق او غير كفوء. (كتاب الفقه على المذاهب الاربعة)

نعم، اذا كان منتهكاً لا ينفذ تزويجه اياها بنقص عن مهر المثل ومن غير كفوء. وحاصله ان العين وان كان لا يسلب الاهلية عندنا لكن اذا كان الاب لا ينفذ تزويجه الا بشرط المصلحة. (رد المحتار باب الولي)

لیکن قاضی ابوشرح کے نزدیک اگر باپ دادا نے نکاح کیا ہو تب بھی لڑکے اور لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد دعویٰ تفریق کا حق حاصل ہے: اذا الرجل زوج ابنه او ابنته، فالخيار لهما اذا شابا (مصنف ابن ابي شيبة) حقیر کی رائے میں موجودہ رد کو دیکھتے ہوئے قاضی شریح کی رائے قابل ترجیح معلوم ہوتی ہے۔

خیار بلوغ میں لڑکے کو اس وقت تک تفریق کے دعوے کا حق دیا گیا ہے، جب تک اس کی جانب سے نابالغی کے اس رشتے پر رضامندی کا اظہار نہ ہو جائے۔ لیکن باکرہ لڑکی پر یہ بات ضروری قرار دی گئی ہے کہ وہ بالغ ہونے کے ساتھ ہی اپنی ناپسندیدگی کو ظاہر کر دے۔ ورنہ اس کا حق خیار ختم ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ بعض فقہاء نے تو لڑکی کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ اگر وہ بروقت کسی کو گواہ بنانے پر قادر نہیں ہے تو بعد میں جب گواہ میسر آئے جھوٹ بولتے ہوئے کہہ دے کہ وہ بھی باغ ہوئی ہے اور حق خیار کا استعمال کرنا چاہتی ہے۔ لا تصديق في الاشهاد جاز لها ان تكذب كحي لا يبطل حفيها. (عمدة الرعاية)

شرقی معاشرے میں کسی باکرہ لڑکی سے اس بات کی توقع نہیں کہ وہ حیض آتے ہی اس بات کا اعلان کر دے کہ میں ابھی بالغ ہوئی ہوں اور قلہ نکاح کو ناپسند کرتی ہوں۔ اس لیے لڑکوں اور شبیہ عورتوں کی طرح باکرہ لڑکیوں کو بھی یہ حق ہونا چاہیے کہ جب تک قول یا فعل کے ذریعے سابقہ نکاح پر اس کی رضامندی ظاہر نہ ہو جائے، اس کو خیار بلوغ حاصل ہو۔

شوہر کے کن عیوب کی دلیل سے عورت کو علیحدگی کا اختیار ہوگا؟

وَإِذَا كَانَ بِالنَّوْجِ جُنُونٌ أَوْ بَرَصٌ أَوْ جَذَامٌ فَلَا خِيَارَ لَهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَابْنِ يُونُسَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَهَا الْخِيَارُ دَفْعًا يُلْصِقُ عَنْهَا كَمَا فِي الْجَبِّ وَالْعُنَّةِ، بِحِلَافٍ جَانِبِهِ لِأَنَّهُ مُتَمَكِّنٌ مِنْ دَفْعِ الصَّرْرِ بِالطَّلَاقِ. وَلَهُمَا أَنْ الْأَصْلَ عَدَمُ الْخِيَارِ لِمَا فِيهِ مِنْ إِبْطَالِ حَقِّ الزَّوْجِ، وَإِنَّمَا يُبْنَى فِي الْجَبِّ وَالْعُنَّةِ لِأَنَّهُمَا يُخْلَانِ بِالْمَقْصُودِ الْمَشْرُوعِ لَهُ النِّكَاحُ، وَهَذِهِ الْعُيُوبُ غَيْرُ مُحِلَّةٍ بِهِ فَافْتَرَقَا، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ

اور جب شوہر کو جنون ہو یا برص ہو یا جذام ہو تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک بیوی کو (علیحدگی) کا اختیار نہیں ہوگا۔ امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، اسے اختیار ہوگا تاکہ اس سے ضرر کو دور کیا جاسکے جیسے کہ شوہر مجبب یا عنین ہو (تو اختیار ہوتا ہے) جبکہ مرد کی جانب کا حکم اس کے برخلاف ہے۔ شیخین کی دلیل یہ ہے اصل اختیار کا رند ہونا ہے۔ چونکہ اس صورت میں شوہر کے حق کو باطل کیا جاتا ہے جبکہ محبوب یا عنین ہونے میں یہ ثابت ہے کیونکہ یہ دونوں مقصود سے خالی ہوتے ہیں جو نکاح کا اصل مقصد ہے جبکہ یہ عیوب اس بارے میں غلٹ انداز ہوتے ہیں لہذا ان دونوں کا حکم ایک دوسرے سے مختلف ہوگا باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

شرح

مجنون نامرد ہے یا اس کا عضو تناسل کٹا ہوا ہے یا عورت مسلمان ہوگئی اور مجنون کے و مدین اسلام سے منکر ہیں تو ان صورتوں میں قاضی تفریق کر دے گا اور یہ تفریق طلاق ہوگی۔ (در مختار، ج ۴، ص ۴۳۷)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے، اگر شوہر کو برص یا جذام کا مرض لاحق ہو تو اس صورت میں امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک عورت کو علیحدگی کا اختیار حاصل نہیں ہوگا۔ اس بارے میں امام محمد علیہ الرحمہ کی دلیل مختلف ہے وہ یہ فرماتے ہیں: عورت کو اختیار حاصل ہوگا اور اس کی دلیل یہ ہے تاکہ اس عورت سے ضرر کو دور کیا جاسکے ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے شوہر کے نامرد ہونے یا اس کا آلت تناسل کٹے ہونے کی صورت میں عورت سے ضرر کو دور کرنے کے لئے اختیار دیا جاتا ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے اگر یہی بیماری بیوی میں ہو تو شوہر کو فحش کا اختیار نہیں دیتے ہیں۔ امام محمد علیہ الرحمہ یہ فرماتے ہیں: اس کا حکم مختلف ہے کیونکہ اگر یہ بیماری بیوی کو لاحق ہو تو شوہر کے پاس یہ اختیار ہے کہ وہ طلاق دے کر بیوی کو الگ کر سکتا ہے اور اپنی ذات سے ضرر کو دور کر سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف نے اپنے موقف کو تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: اصل کے اعتبار سے تو یہاں عورت کو



بھی اختیار حاصل نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس صورت میں شوہر کے حق کو باطل کرنا لازم آتا ہے لیکن شوہر کے باوجود ہونے یا اس کا کہ تانس کئے ہوئے کی صورت میں بیوی کے لئے یہ اختیار ثابت ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں عیوب اس مقصد کے حصول میں رکاوٹ بن جاتے ہیں جس کے لئے نکاح تو مشروط کیا گیا ہے اور وہ مقصد صحبت کرنا ہے لیکن ان دوسرے عیوب کی دلیل سے اس مقصد کے حصول میں کوئی رکاوٹ نہیں آئی ہذا دونوں کا حکم ایک دوسرے سے مختلف ہوگا۔ ہاں اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

جذام سے بچنے کے فقہی مفہوم میں احادیث

فقہ مدینہ حضرت خازن بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق عظیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبح کو کچھ لوگوں کی دعوت کی، لوگوں کو کچھ خوشبویش ہوئی کہ ان میں حضرت معقیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے جن کو یہ مرض تھا۔ لیکن ان کو سب کیساتھ کھانے میں شریک کیا گیا اور امیر المؤمنین نے ان سے فرمایا: اپنے قریب سے اپنی طرف سے لیجئے اگر آپ کے سوا کوئی اور اس مرض کا ہوتا تو میرے ساتھ یک رکابی میں نہ کھاتا اور مجھ میں اور اس میں ایک نیزے کا فاصلہ ہوتا۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد، کنز العمال)

حضرت محمود بن لبید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بعض مسکنان موضع جرش نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حدیث بیان کی کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جزائی سے بچو جیسے درندے سے بچتے ہو وہ ایک نالے میں اترے تو تم دوسرے میں اترو میں نے کہا: واللہ! اگر عبداللہ بن جعفر نے یہ حدیث بیان کی تو غلط نہ کہا جب میں مدینہ طیبہ آیا۔ ان سے ملا اور اس حدیث کا حال پوچھا کہ ال جرش آپ سے یوں ناقل تھے۔ فرمایا: واللہ انہوں نے غلط نقل کی میں نے یہ حدیث ان سے نہ بیان کی۔ میں نے تو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق عظیم کو یہ دیکھا کہ پانی ان کے پاس لایا جاتا۔ وہ معقیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیتے۔ معقیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پی کر اپنے ہاتھ سے امیر المؤمنین کو دیتے امیر المؤمنین ان کے منہ رکھنے کی جگہ اپنا منہ رکھ کر پانی پیتے۔ میں سمجھتا کہ امیر المؤمنین یہ اس لئے کرتے ہیں کہ بیماری اڑ کر لگنے کا خطرہ ان کے دل میں نہ آنے پائے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: امیر المؤمنین فاروق عظیم جسے طیب سنتے معقیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیسے اس سے علاج چاہتے۔ دو حکیم یمن سے آئے۔ ان سے بھی فرمایا: وہ بوے جاتا ہے یہ تو ہم سے ہو نہیں سکتا۔ ہاں ایسی دوا کر دیں گے کہ بیماری ٹھہر جائے بڑھنے نہ پائے۔ امیر المؤمنین نے فرمایا: بڑی تندرستی ہے کہ مرض ٹھہر جائے بڑھنے نہ پائے انہوں نے دو بڑی زینبیلیں بھرا کر اندرائن کے تازہ پھل منگوئے جو خرپوزہ کی شکل اور نہایت تلخ ہوتے ہیں۔ پھر ہر پھل کے دو دو ٹکڑے کئے اور معقیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لٹا کر دونوں طبیعوں نے ایک ایک ٹکڑے پر ایک ایک ٹکڑا مانا شرع کیا۔ جب وہ ختم ہو گیا دوسرا لیا یہاں تک معقیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ اور ناک سے سبز رنگ کی کڑوی رطوبت نکلنے لگی اس وقت چھوڑ کر دونوں طبیعوں نے کہا اب بیماری کبھی ترقی نہ کرے گی۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں۔ واللہ! معقیب اس کے بعد ایک ٹھہری حالت پر رہے۔ تاہم مرگ مرض کی زیادتی نہ ہوئی۔

حضرت عبدالرحمن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ یہ اپنے والد حضرت قاسم بن محمد سے راوی کہ امیر المؤمنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں قوم ثقیف کی سفارت حاضر ہوئی کھانا حاضر کیا گیا۔ وہ لوگ نزدیک آئے مگر ایک صاحب کس مرض میں مبتلا تھے الگ ہو گئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: قریب آؤ قریب آئے فرمایا: کھانا کھاؤ کھانا کھایا۔ حضرت قاسم فرماتے ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس طرح شروع کیا کہ جہاں سے وہ مجھ کو نوالہ لیتے وہیں سے صدیق اکبر نوالہ لیکر خوش فرماتے۔

حضرت نافع بن قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ابی داؤد حضرت فطیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روای۔ فرماتی ہیں۔ کہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے کہا: کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھ دوسوں کے بارے میں یہ فرماتے کہ ان سے ایسا بھانگو جیسا شیر سے بھاگتے ہو؟ ام المؤمنین نے فرمایا: ہرگز نہیں بلکہ یہ فرماتے تھے کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی۔ جسے پہلے ہوئی اسے کس کی اڑ کر لگی۔

(کنز العمال، ۲۸۶۹۸، طبقات ابن سعد، ۶، ۱۱۷)

### بیماری اڑ کر نہ لگنے میں فقہی تصریحات

امام حماد رضا محدث بریلی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ ام المؤمنین کا یہ انکار اپنے علم کی بنا پر ہے، یعنی میرے سامنے ایسا نہ فرمایا بلکہ یوں فرمایا اور ہے یہ کہ دونوں ارشاد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بصحت کا فیہ ثابت ہیں۔

حدیث جلیل عظیم صحیح مشہور بلکہ متواتر جس سے ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے استدلال کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لا عدوی بیماری اڑ کر نہیں لگتی۔

یہ حدیث تیرہ صحابہ کرام سے مروی ہے۔ اس کے متعدد طرق میں وہ جواب قاطع ہر شک وارتباب ہوا جسے ام المؤمنین نے اپنے استدلال میں روایت فرمایا۔

صحیحین دسن ابی داؤد و شرح معانی الآثار مام طحاوی وغیرہا میں حدیث بوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی، تو ایک بادیہ نشین نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ پھر دونوں کا کیا حال ہے کہ ریتی میں ہوتے ہیں جیسے ہرن یعنی صاف شفاف بدن، ایک اونٹ خارش والا آکر ان میں داخل ہوتا ہے اس سے خارش ہو جاتی ہے۔ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: فمن اعدی الاول، اس پہلے کو کس کی اڑ کر لگی۔

احمد و مسلم و ابوداؤد و ابن ماجہ کے یہاں حدیث ابن عمر سے ہے ارشاد فرمایا: ذلکم القدر فمن احب الاول یہ تقدیری باتیں ہیں بھلا پہلے کو کس نے سمجھ لی گادی۔

یہی ارشاد احادیث عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس ابوامامہ باہلی، اور عیسیٰ بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں مروی ہوا حدیث اخیر میں اس توضیح کے ساتھ ہے کہ فرمایا: الم تتروا الی البعیر یکون فی الصحراء فیصبح و فی کو کر تہ اوفی

مرا او بطہ نکتہ من حرب لم تکن قبل ذلك فمن اعدی الاول

کیا دیکھتے نہیں رہا وہ جنگل میں ہوتا ہے جتنی انگ تھلگ کہ اس کے پاس کوئی بیمار اونٹ نہیں صبح کو دیکھو تو اس کے پیچ سینے پر پیٹ کی نرم جگہ میں کھلی کا دانہ موجود ہے بھلا اس پہلے کوس کی اڑ کر لگ گئی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ قطع تسلسل کیسے ابتداء بغیر دوسرے سے منتقل ہوئے خود اس میں بیماری پیدا ہونے کا، مثال زم ہے۔ تو حجت قاضی سے ثابت ہوا کہ بیماری خود بخود بھی حادث ہو جاتی ہے۔ اور جب یہ مسلم تو دوسرے میں انتقال کے سبب پیدا ہونا محض و جمعیل و ادعائے بے دلیل رہا۔ (فتاویٰ رضویہ حصہ اول)

اب بتوفیق اللہ تعالیٰ تحقیق حکم سنئے۔ اقوال و بالذات التوفیق: احادیث قسم ثانی تو اپنے افادہ میں صاف صریح ہیں کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی۔ کوئی مرض ایک سے دوسرے کی طرف سرایت نہیں کرتا۔ کوئی تندرست بیمار کے قرب و اختلاط سے بیمار نہیں ہو جاتا۔ جسے پہلے شروع ہوئی اس کو کس کی اڑ کر لگی، ان متواتر و روشن و ظاہر اشدات عاں کو سن کر یہ خیال کسی طرح گنجائش نہیں پاتا کہ واقعہ میں تو بیماری اڑ کر لگتی ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زمانہ جاہلیت کا دوسرا اٹھنے کے لئے مطلقاً اس کی نفی فرمائی ہے پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واجد صحابہ کرم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عملی کارروائی مجددوں کو اپنے ساتھ کھانا، ان کا جوٹ پانی پینا ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے پکڑ کر برتن میں رکھنا، خاص ان کے کھانے کی جگہ نکی جگہ نہ اٹھ کر کھانا، جہاں منہ لگا کر انہوں نے پانی پیابا مقصد اسی جگہ منہ رکھ کر نوش کرنا یہ اور یہ بھی واضح کر رہا ہے کہ عدوی یعنی ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جانا محض خیال باطل ہے۔ ورنہ اپنے کو بلا کیلئے پیش کرنا شرع ہرگز روا نہیں رکھتی۔ قال اللہ تعالیٰ۔

و لا تلقوا بایديکم الی الھذکۃ۔ آپ اپنے ہاتھوں ہڈکت میں نہ پڑو۔ رہیں قسم اول (مجددوں سے دور و نفور رہنے) کی حدیثیں وہ اس درجہ عاید صحت پر نہیں جس پر احادیث نفی ہیں۔ ان میں اکثر ضعیف ہیں۔ اور بعض غایت درجہ حسن ہیں صرف حدیث اول کی تصحیح ہو سکتی ہے مگر وہی حدیث اس سے اعلیٰ دلیل پر جو صحیح بخاری میں آئی خود اسی میں ابطال عدوی موجود کہ مجددوں سے بھاگو اور بیماری اڑ کر نہیں لگتی تو یہ حدیث خود واضح فرما رہی ہے کہ بھاگنے کا حکم اس وسوسہ اور اندیشہ کی بنا پر نہیں۔

معہذا صحت میں اس کا پایہ بھی دیگر احادیث نفی سے گرا ہوا ہے کہ اسے امام بخاری نے مستدرک روایت نہ کیا بلکہ بطور تعلیق۔ بہذا اصلاً کوئی حدیث ثبوت عدوی میں نص نہیں۔ یہ تو متواتر حدیثوں میں فرمایا کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی۔ اور یہ ایک حدیث میں بھی نہیں آیا کہ عادی طور پر اڑ کر لگ جاتی ہے۔

ہاں وہ حدیث کہ جذامیوں کی طرف نظر جما کر نہ دیکھو ان کی طرف تیز نگاہ نہ کرو۔ صاف یہ نقل رکھتی ہے کہ ادھر زیادہ دیکھنے سے تمہیں گھن آئے گی، نفرت پیدا ہوگی، ان مصیبت زدوں کو تم حقیر سمجھو گے۔ ایک تو یہ خود حضرت عزت کو پسند نہیں، پھر اس سے ان گرفتارانِ بد کو نا

حق ایذا پہنچے گی۔ اور یہ روا نہیں۔ علامہ منادی تیسرے شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں۔ (لا تحذرو النظر) لاناہ اذی ان

لا تعافوہم فتردوہم او تحتقروہم۔

علامہ نقی مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں لا تدیموا النظر الی المجدومین۔ لاناہ اذی ماہ حقرو تازی بہ المجدوم۔

اور ایک حدیث میں وفد ثقیف کے ایک ثقفی سے فرمایا: پیٹ جاؤ تمہاری بیعت ہوگئی، اس میں متعدد وجود ہیں۔ انہیں جس قدر میں نہ دیا یا کہ حاضرین دیکھ کر حقیر نہ سمجھیں۔ حضار میں کسی کو دیکھ کر یہ خیال پیدا نہ ہو کہ ہم ان سے بہتر ہیں۔ خود بینی س مرض سے بھی سخت تر بیماری ہے۔ مریض اہل جمع کو دیکھ کر غلغلہ نہ ہو کہ یہ سب ایسے چین میں ہیں اور وہ بلا میں۔ تو سیکے قب میں غدیر کی شکایت پیدا ہوگی مگر حاضرین کا لحاظ خاطر فرمایا کہ عرب بلکہ عرب و عجم جمہور بنی آدم باطن سے مریض کی قربت سے برا مانتے ہیں، نفرت مانتے ہیں۔ ممکن کہ خاطر مریض کا لحاظ فرمایا۔ کہ ایسا مریض خصوصاً نوبتاً خصوصاً ذی وجہت مجمع میں آتے ہوئے شرماتا ہے۔ ممکن کہ مریض رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں سے رطوبت نکلتی تھی تو نہ چاہا کہ مصافحہ فرمائیں۔ غرض کہ واقعہ حال محل صدقہ احتمال ہوتا ہے، حجت عام نہیں ہو سکتا۔

ایک حدیث میں بچھو مارا پسینہ کو فرمایا۔ اقوال: ممکن کہ اس لئے فرمایا ہو کہ مریض کے پاؤں سے رطوبت نہ ٹپکے ایک حدیث میں یہ کہ اگر کوئی بیماری اڑ کر لگتی ہو تو جذام ہے۔ اگر کا لفظ خود بتاتا ہے کہ اڑ کر لگنا ثابت نہیں۔

تیسرے میں ہے۔ قولہ ان کان، دلیل علی ان هذا الامر غیر محقق عنہ۔ ہاں اس وادی سے جد گزر جانا اقوال: اس میں وہ پانچ وجوہ پیش ہیں جاری جو حدیث سابق کے بارے میں گزریں۔ فافہم

اور وہ حدیث کہ فروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان بی بی کو منع فرمایا: قول۔ وہاں بھی چار دلیل او میں جاری کمالا یحسبی۔

اور وہ حدیثوں میں امیر المؤمنین کا حضرت معقیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمانا کہ دوسرا ہوتا تو مجھ سے ایک نیزے کے فاصلہ پر بیٹھتا۔ قول: انہیں حدیثوں میں ہے کہ ان کو اپنے ساتھ کھلایا، اگر یہ امر عدوی کا سبب نہ دی ہوتا تو اہل فضل کی خاطر سے اپنے آپ کو معرض بلا میں ڈالنا روانہ ہوتا۔ اور بعد کی حدیث نے تو خوب ظاہر کر دیا کہ امیر المؤمنین خیال عدوی کی بیخ کنی فرماتے تھے۔ نری خاطر منظور تھی تو اس شدت مباحہ کی کیا وجہ تھی کہ پانی انہیں پلا کر ان کے ہاتھ سے لیکر خاص منہ رکھنے کی جگہ پر منہ لگا کر خود چپتے۔ معلوم ہوا کہ عدوی بے اصل ہے، تو اس فراموشی نے کا منشا مثلاً یہ ہوا کہ ایسے مریض سے تحفہ انسان کا طبعی امر ہے، آپ کا فضل اس پر حاصل ہے کہ وہ تحفہ مضلل و زائل ہو گیا۔ دوسرا ہوتا تو ایسا نہ ہوتا۔

قول مشہور و مذہب جمہور و مشرب منصور کہ دوری و فرار کا حکم اس لئے ہے کہ اگر قرب و اختلاط ہاں اور معاذ اللہ قضا قدر سے کچھ مرض اسے بھی حادث ہو گیا تو ابلیس لعین اسکے دل میں دوسرے ڈالے گا کہ دیکھ بیماری اڑ کر لگ گئی۔ اول تو یہ ایک امر باطل کا اعتقاد ہوگا۔ اسی قدر نہ دیکھے کہ کم تھا پھر متواتر حدیثوں میں سن کر کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صاف فرمایا ہے

بیماری اڑ کر نہیں لگتی۔ یہ وسوسہ دل میں جننا سخت خطرناک اور ہائل ہوگا۔ لہذا ضعیف ایمانین لوگوں کو اپنے دین بچانے کیلئے دوری بہتر ہے ہاں، کامل ایمان وہ کرے جو صدیق اکبر و فاروق عظیم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کیا اور کس قدر مسالہ کے ساتھ کیا۔ اگر عیاذ باللہ کچھ حادث ہوتا ان کے خواب میں بھی خیال نہ گزرتا کہ یہ عدوائے باطلہ سے پیدا ہوا۔ ان کے دلوں میں کوہ گراں شکوہ سے زیادہ مستقر تھا کہ ان یسینا الا ما کتب اللہ لنا بے تقدیر الٰہی کچھ نہ ہو سکے گا۔

اسی طرف اس قول و فضل حضور قدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ اپنے ساتھ کھلایں در کل ثقة باللہ و تو کلا علیہ فرمایا۔

امام اعلیٰ امین۔ امام الفقہاء و امام الحدیث، امام اہل الجرح و التعلیل، امام اہل الصحیح و التعلیل، حدیث و فقہ دونوں کے حاوی سید، امام ابو جعفر طوسی نے شرح معانی الآثار شریف میں دربارہ نفی عدوی احادیث روایت کر کے یہی تفصیل بیان فرمائی۔ بالحدیث مذہب معتد صحیح و ریح و صحیح یہ ہے کہ جذام، کھجلی، چیچک، طعنون وغیرہ اصد کوئی بیماری ایک کی دوسرے کو ہرگز ہرگز اڑ کر نہیں لگتی۔ یہ محض اوہام بے اصل ہیں۔ کوئی وہم پکائے جائے تو کبھی اصل بھی ہو جاتا ہے کہ ارشاد ہو۔ اسناد عند طس عدی سی۔ وہ اس دوسرے کی بیماری اسے نہ لگی بلکہ خود اس کی باطنی بیماری کہ وہم پروردہ تھی صورت پکڑ کر ظاہر ہو گئی۔

فیض القدر میں ہے۔ بل الوہم وحده من اکبر اسباب الاصابۃ اس لئے اور نیز کراہت و اذیت و خود بینی و تحقیر مجزوم سے بچنے کے واسطے اور اس دورانہ میں سے کہ مہار سے کچھ پیدا ہوا اور ایلیس صین وسوسہ ڈالے کہ دیکھ بیماری اڑ کر لگ گئی اور معاذ اللہ اس امر کی حقانیت اس کے خطرہ میں گزرے گی جسے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باطل فرما چکے۔ یہ اس مرض سے بھی بدتر مرض ہوگا۔ نہ وجہ سے شرع حکیم و رحیم نے ضعیف ایمانین لوگوں کو حکم استنباطی دیا ہے کہ اس سے دور رہیں۔ اور کامل ایمانین بندگان خدا کیلئے کچھ حرج نہیں کہ وہ ان سب مفسد سے پاک ہیں۔ خوب سمجھ لیں کہ دور ہونے کا حکم ان حکمتوں کی دلیل سے ہے۔ نہ یہ کہ معاذ اللہ بیماری اڑ کر لگتی ہے۔ اسے تو اللہ و رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رد فرما چکے جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اقول: پھر از آنجا کہ یہ حکم ایک احتیاطی استنباطی ہے واجب نہیں۔ لہذا ہرگز کسی واجب شرعی کا معارضہ نہ کرے گا۔ مثلاً معاذ اللہ جسے یہ عارضہ ہوا اس کے اول و اقارب و زویل سب اس احتیاط کے باعث اس سے دور بھاگیں، و اسے تہا وضائع چھوڑ جائیں یہ ہرگز حلال نہیں۔ بلکہ زویل ہرگز اسے ہم بستری سے بھی منع نہیں کر سکتی۔ لہذا ہرگز یہ یقین مذہب امام اعظم، امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک جذام شوہر سے عورت کو درخواست فسخ نکاح کا اختیار نہیں۔ اور خدا ترس بندے تو ہر نیکیس بہ یاری امانت اپنے ذمہ پر لازم سمجھتے ہیں۔

حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ اللہ فی من لیس لہ الا اللہ۔ اللہ سے ڈور اللہ سے ڈرو، اس کے ہرے میں جس کا کوئی نہیں سوا اللہ کے۔ لہذا علماء کا اتفاق ہے کہ مجزوم کے پاس بیٹھنا اٹھنا مباح ہے اور اس کی خدمت گزار ہونا عبادت و عبادت موجب ثواب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ حصہ دوم)

## بَابُ الْعِدَّةِ

﴿یہ باب عدت کے بیان میں ہے﴾

عدت کے باب کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ بن محمود بارتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عدت فرقت کے اثر کا نام ہے اور یہ فرقت خواہ طلاق کے ذریعے ہو یا کسی اور سبب سے ہو۔ کیونکہ اثر ہمیشہ مؤثر کے بعد آتا ہے۔ جبکہ لغت میں عدت عورت کے ایام اقرار کو کہتے ہیں۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۹۵، بیروت)  
مرد اور عورت کے ملنے کا سبب نکاح ہے اس لئے مصنف علیہ الرحمہ نے اس کو مقدم ذکر کیا ہے اور اس نکاح کے عقد کو جس سبب سے اٹھایا جاتا ہے اس کا نام طلاق ہے یا فسخ نکاح کے دیگر ذرائع ہیں اس لئے مصنف علیہ الرحمہ نے ان کو نکاح سے مؤخر اور عدت سے مقدم ذکر کیا ہے اور عدت کے احکام کا ان تمام احکام کے بعد ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان پر موقوف ہے۔ لہذا عدت کے احکام مؤخر بیان کیے ہیں۔

عدت کا لغوی و فقہی مفہوم

لغت میں عدت کے معنی ہیں شمار کرنا اور اصطلاح شریعت میں عدت اسے کہتے ہیں کہ جب کسی عورت کو اس کا خاوند طلاق دیدے یا خلع یا ایذ وغیرہ کے ذریعہ نکاح یا نکاح جیسی چیز مثلاً نکاح نہ سہ لوث جائے بشرطیکہ اس نکاح میں جماع یا خلوت صحیح ہو چکی ہو یا شوہر مر جائے تو وہ مقررہ مدت (کہ جس کی تفصیل آگے آئے گی) گھر میں رکی رہے جب تک وہ مدت ختم نہ ہو جائے تب تک نہ کہیں جائے اور نہ کسی دوسرے مرد سے ملاقات کرے جب مدت پوری ہو جائے تو جہاں چاہے جائے اور جس طرح چاہے نکاح کرے۔

عدت کے لغوی معنی: شمار کرنے کے ہیں۔ فقہ کی اصطلاح میں عدت: اس مدت کو کہتے ہیں جس میں نکاح صحیح کے ختم ہونے، نکاح فاسد کے بعد قاضی کی طرف سے علیحدگی کے فیصلہ یا ابھی فیصلہ کے تحت ایک دوسرے کے ساتھ ترک تعلق یا شبہ کی بنا پر طلاق کے بعد اپنے آپ کو خواص مدت تک روکے رکھے۔

وَعِدَّةُ الْمَرْأَةِ قِيلَ أَيَّامٌ أَقْرَأَتْهَا مَا حُودُّ مِنَ الْعِدَّةِ وَالْحِسَابِ (المصباح المنیر) معنی

العدة: العدة بكسر العين جمع عدد، وهي لغة: الإحصاء (الفقه الاسلامی وادلته

المبحث الأول: تعريف العدة)

## عدت کے مقاصد کا بیان

عدت سے شریعت کا مقصود نسب کا تحفظ ہے، اسلام کی نظر میں نسب کی ایک خاص اہمیت ہے اور اس پر خدائی زندگی کا مدار و انحصار ہے، اگر باپ کی شناخت باقی نہ رہے اور اولاد کو اس کا حقیقی خاندان میسر نہ آ سکے تو پھر انسان و حیوان کے درمیان کیا فرق باقی رہ جائے گا؟ اسی لیے اسلام نے ایک مرد کے بعد دوسرے مرد کے نکاح میں جانے کے درمیان ایک وقفہ رکھا ہے تاکہ نسب میں اختلاف نہ ہو، اسی وقفہ کا نام عدت ہے۔

اس کے علاوہ عدت سے کچھ اور خدائی مقاصد بھی متعلق ہیں، میاں بیوی کا رشتہ نہایت قربت کا رشتہ ہے، جب تک ازدواجی زندگی قائم ہوتی ہے ہر شیب و فراز اور سرد گرم میں ایک دوسرے کی رفاقت کا حق دے کرتے ہیں، راحت پہنچاتے ہیں اور تکلیف بھی اٹھاتے ہیں، کبھی ایک دوسرے کو سبے ہیں و کبھی سبے جاتے ہیں، بیوی تو چراغ خانہ ہوتی ہے، لیکن مرد کو روشن رکھنے کے لیے درود کی ٹھوکریں کھاتا، پسینے بہاتا، پریشانیاں اٹھاتا اور تکلیفیں سہتا ہے، اب جب شوہر کی وفات ہوئی تو اس پر دیر و حزن ہونا اس کا فطری و اخلاقی فریضہ ہے ہی، اگر طلاق کی بنا پر عداوت ہوئی ہو تب بھی روائیس کہ چھبھے تعلقات سے محرومی پر حسرت و افسوس کا ایک اشک بھی نہ گرایا جائے، عدت اسی اخلاقی فرض کی دانگی سے عبارت ہے۔

عدت کے دوران مضطرب عورت اپنے خاندن کی بیوی ہی رہتی ہے۔ اور اس دوران خاوند کے حقوق کی نگہداشت کو ملحوظ رکھا گیا ہے جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: (فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عَدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا 49) (33-49: الاحزاب) یعنی خاوند کے ہاں عدت گزارنا مطلق عورت کی ذمہ داری ہے اور مرد کا یہ حق ہے کہ عورت اسی کے ہاں عدت گزارے اس دوران مرد اس سے صحبت کرنے کا پورا پورا حق رکھتا ہے۔ اور وہ عورت کی رضامندی کے بغیر بھی اپنا یہ حق استعمال کر سکتا ہے۔

عدت کے دوران کسی دوسرے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس عورت سے نکاح تو دور کی بات ہے مٹکنی کے لیے پیغام تک بھی دے سکے۔ اور اگر خاوند نے عورت کو اس حالت میں طلاق دی کہ وہ گھر پر موجود نہ تھی یا اپنے میکے گئی ہوئی تھی یا اسے اس کے میکے پیغام بھیج دیا گیا تھا اور عورت عدت کے دوران نکاح کر لے تو وہ نکاح باطل ہوگا۔

## عدت کی حکمت کا بیان

وحكمة العدة: إما التعرف على براءة الرحم، أو التعبد، أو التمتع على الزوج، أو

إعطاء الفرصة الكافية للزوج بعد الطلاق ليعود لزوجته المطلقة في فرقة الوفاة:

يراد من العدة تذكّر نعمة الزواج، ورعاية حق الزوج وأقاربه، وإظهار التأثير لفقده،

وإبداء وفاء الزوجة لزوجها، وصون سمعتها وحفظ كرامتها، حتى لا يتحدث الناس

بأمرها، ونقدتها ونها، والتحدث عن خروجها وزينتها، خصوصاً من أقارب زوجها

## (الفقه الاسلامی وادلتہ حکمة العدة)

## عدت کی مدت کا بیان

جس آزاد عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دے دی ہو یا نکاح فسخ ہو گیا ہو اور اس کو حیض آتا ہو تو اس کی عدت کی مدت تین حیض سے یعنی وہ تین حیض آنے تک شوہر ہی کے گھر میں جہاں طلاق دی ہوئی تھی رہے اس گھر سے باہر نہ نکلے اور نہ کسی سے نکاح کرے اسی طرح جس عورت کے ساتھ شہ میں جماع ہو گیا ہو اس کی عدت کی مدت بھی تین حیض ہے یعنی کسی مرد نے کسی غیر عورت کو اپنی بیوی سمجھ کر دھوکہ سے صحبت کر لی تو اس عورت کو بھی تین حیض آنے تک عدت میں بیٹھنا ہوگا جب تک عدت ختم نہ ہو جائے تب تک وہ اپنے شوہر و جماع نہ کرنے دے جس عورت کے ساتھ بے قاعدہ یعنی فاسد نکاح ختم ہوا ہو جیسے سوقت نکاح اور پھر تفریق کر دی گئی یا تفریق کرانے سے پہلے ہی خاوند مر گیا ہو تو اس عدت کی مدت بھی تین حیض ہے۔ ام و مد جب کہ آزاد کر دی جائے یا اس کا مولیٰ مر جائے تو اس کی عدت بھی تین حیض ہیں۔

اگر کسی عورت کو کم سن ہونے کی وجہ سے یا بچہ ہونے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین مہینے ہے۔

جس آزاد عورت کا خاوند مر گیا اور اس کی عدت چار مہینہ دس دن ہے خواہ اس عورت سے جماع کیا گیا ہو یا جماع نہ کیا گیا ہو خواہ وہ مسلمان عورت ہو یا مسلمان مرد کے نکاح میں یہودیہ اور نصرانیہ ہو خواہ وہ بالغ ہو یا نابالغ اور یا آئسہ ہو خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام ہو اور خواہ اس کی مدت میں اس کو حیض آئے یا نہ آئے۔

حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے خواہ اس عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دی ہو یا اس کا خاوند مر گیا ہو اور خواہ وہ عورت آزاد ہو یا لونڈی وراثت ہوتے ہی اس کی عدت پوری ہو جائے گی اگرچہ خاوند کے طلاق دینے یا خاوند کے مرنے کے کچھ ہی دیر بعد وراثت ہو جائے یہاں تک کہ کتاب بہسوط میں لکھ ہے کہ اگر حاملہ عورت کا شوہر مر گیا ہو اور وہ ابھی تختہ پر نہ ہلایا جا رہا تھا یا کفنیایا جا رہا تھا کہ اس عورت کے ہاں ولادت ہوگئی تو اس صورت میں بھی اس کی عدت پوری ہو جائے گی۔

جو عورت آزاد ہو یعنی کسی کی لونڈی ہو اور اس کا خاوند اس کو طلاق دے دے تو اس کی عدت دو حیض ہے بشرطیکہ اس کو حیض آتا ہو اور اگر اس کو حیض نہ آتا ہو تو پھر اس کی عدت ڈیڑھ مہینہ ہوگی و اگر اس کا خاوند مرد ہے تو اس کی عدت دو مہینے پانچ دن ہوگی خواہ اس کو حیض آتا ہو یا نہ آتا ہو۔

## عدت کی ابتدائی وقت کا بیان

طلاق کی صورت میں عدت کی ابتداء طلاق کے بعد سے ہوگی یعنی طلاق کے بعد جو تین حیض آئیں گے ان کا شمار ہوگا اگر کسی نے حیض کی حالت میں طلاق دی ہوگی تو اس حیض کا شمار نہ ہوگا بلکہ اس کے بعد کے تین حیض کا اعتبار کیا جائے گا اور وفات میں عدت



کا شمار شوہر کی وفات کے بعد سے ہوگا اگر عورت کو طلاق یا وفات کی خبر نہیں ہوئی یہاں تک کہ عدت کی مدت گزر گئی تو اس کی عدت پوری ہوگی عدت کے مسائل کی باقی تفصیل ہم اپنی اس شرح میں بیان کر رہے ہیں۔

آزاد عورت کی عدت تین حیض ہے

(وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ طَلَاقًا بَاطِلًا أَوْ رَجْعِيًّا أَوْ وَقَعَتْ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا بِغَيْرِ طَلَاقٍ وَهِيَ حُرَّةٌ مِمَّنْ تَحِيضُ فَعِدَّتُهَا ثَلَاثَةُ أَقْرَاءٍ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ) وَالْفُرْقَةُ إِذَا كَانَتْ بِغَيْرِ طَلَاقٍ فَهِيَ فِي مَعْنَى الطَّلَاقِ لِأَنَّ الْعِدَّةَ وَجَبَتْ لِلتَّعَرُّفِ عَنْ بَرَاءَةِ الرَّجْمِ فِي الْفُرْقَةِ الطَّارِئَةِ عَلَى الْكَبَاحِ، وَهَذَا يَنْتَحَقُّ فِيهَا.

ترجمہ

اور جب کوئی شخص اپنی بیوی کو باطل طلاق دیدے، رجعی طلاق دیدے یا ان دونوں کے درمیان طلاق کے بغیر علیحدگی واقع ہو جائے اور عورت آزاد ہو اور اسے حیض آتا ہو تو اس کی عدت تین حیض ہوگی اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ”طلاق یا فتنہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک انتظار کی حالت میں رکھیں گی“۔ اگر طلاق کے بغیر علیحدگی واقع ہوئی ہو تو وہ بھی طلاق کے حکم میں ہوگی کیونکہ عدت کو ضروری قرار دینے کا بنیادی مقصد یہ ہے نکاح پر وارد ہونے والی علیحدگی کی وجہ سے رحم بری ہو جائے اور طلاق کے بغیر علیحدگی میں بھی یہی حکم ہے۔

قرو کی مراد میں فقہی مذاہب اربعہ

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔ کہ قروہ کے معنی میں سلف خف کا برابر اختلاف رہا ہے۔ ایک قول تو یہ ہے کہ اس سے مراد طہر یعنی پاکی ہے۔ حضرت عائشہ کا یہی فرمان ہے چنانچہ انہوں نے اپنی جھنجھی حضرت عبدالرحمن کی بیٹی حفصہ کو جبکہ وہ تین طہر گزار چکیں اور تیسرا حیض شروع ہوا تو حکم دیا کہ وہ مکان بدل میں۔ حضرت عروہ نے جب یہ روایت بیان کی تو حضرت عروہ نے جو صدیقہ کی دوسری جھنجھی ہیں، اس واقعہ کی تصدیق کی اور فرمایا کہ لوگوں نے حضرت صدیقہ پر اعتراض بھی کیا تو آپ نے فرمایا قراء سے مراد طہر ہیں (موحاکم)

بلکہ موطا میں ابو بکر بن عبدالرحمن کا تو یہ قول بھی مروی ہے کہ میں نے سمجھا درملاء فقہاء کو قروہ کی تفسیر طہر سے ہی کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر بھی یہی فرماتے ہیں کہ جب تیسرا حیض شروع ہوا تو یہ اپنے خاوند سے بری ہوگی اور خاوند اس سے الگ ہوا (موط)

امام مالک فرماتے ہیں ہمارے نزدیک بھی مستحق امر یہی ہے۔ ابن عباس، زید بن ثابت، سالم، قاسم، عروہ، سلیمان بن یزید، ابو بکر بن عبدالرحمن، ابان بن عثمان، عطاء، قتادہ، زہری اور باقی ساتوں فقہاء کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک، امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔ داؤد اور ابو ثور بھی یہی فرماتے ہیں۔

امام احمد سے بھی ایک روایت اسی طرح کی مروی ہے اس کی دلیل ان بزرگوں نے قرآن کی اس آیت سے بھی نکالی ہے کہ آیت (فصلقوہم لعدتہن) یعنی انہیں عدت میں جی طہر میں پاکیزگی کی حالت میں طلاق دو، چونکہ جس طہر میں طلاق دی جاتی ہے وہ بھی تنقی میں آتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ آیت مندرجہ بالا میں بھی قروہ سے مراد حیض کے سو کی یعنی پاک حالت ہے، ای لئے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جہاں تیسرا حیض شروع ہوا اور عورت نے اپنے خاوند کی عدت سے باہر ہو گئی اور اس کی کم سے کم مدت جس میں اگر عورت کہے کہ اسے تیسرا حیض شروع ہو گیا ہے تو اسے سچا سمجھا جائے۔ تیس دن اور دو غلط ہیں، عرب شاعروں کے شعر میں بھی یہ غلط طہر کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد تین حیض ہیں، اور جب تک تیسرے حیض سے پاک نہ ہو لے تب تک وہ عدت ہی میں ہے۔ بعض نے غسل کر لینے تک کہا ہے اور اس کی کم سے کم مدت تینتیس دن اور ایک غلط ہے اس کی دلیل میں ایک تو حضرت عمر فاروق کا یہ فیصلہ ہے کہ ن کے پاس ایک مطلقہ عورت آئی اور کہا کہ میرے خاوند نے مجھے ایک دو طلاقیں دی تھیں پھر وہ میرے پاس اس وقت آیا جبکہ اپنے کپڑے اتار کر دروازہ بند کئے ہوئے تھی (یعنی تیسرے حیض سے نہانے کی تیاری میں تھی تو فرمائے کیا حکم ہے یعنی رجوع ہو جائے گا یا نہیں؟) آپ نے فرمایا میرا خیال تو یہی ہے رجوع ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس کی تائید کی۔ حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابوذر، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔ سعید بن مسیب، علقمہ، سوہ، ابراہیم، یحییٰ، عطاء، طاؤس، سعید بن جبیر، عکرمہ، محمد بن سیرین، حسن، قتادہ، شعیب، ربیع، مقاتل بن حیات، سعدی، یحییٰ، خضاک، عطاء خراسانی بھی یہی فرماتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام احمد سے بھی زیادہ صحیح روایت میں یہی مروی ہے آپ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے بڑے صحابہ کرام سے یہی مروی ہے۔ ثوری، اوزعی، ابن ابی ملی، ابن شیرمہ، حسن بن صالح، یونس، ابو اسحق بن راہویہ کا قول بھی یہی ہے۔ ایک حدیث میں بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بن ابی جیش سے فرمایا تھا نماز کو قراء کے دنوں میں چھوڑ دو۔ پس معلوم ہوا کہ قروہ سے مراد حیض ہے لیکن اس حدیث کا ایک راوی منذر مجہول ہے جو مشہور نہیں۔ ہاں ابن حبان اسے ثقہ بتاتے ہیں۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں سخت کے اعتبار قراء کہتے ہیں ہر اس چیز کے آنے اور جانے کے وقت کو جس کے آنے جانے کا وقت مقرر ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کے دونوں معنی ہیں حیض کے بھی اور طہر کے بھی اور بعض اصولی حضرات کا یہی مسلک ہے واللہ اعلم۔

اصحی بھی فرماتے ہیں کہ قرء کہتے ہیں وقت کو ابو عمر بن عدہ کہتے ہیں عرب میں حیض کو اور طہر کو دونوں کو قرء کہتے ہیں۔ ابو عمر بن عبد البر کا قول ہے کہ زبان عرب کے ہر اور فقہاء کا اس میں اختلاف ہی نہیں کہ طہر اور حیض دونوں کے معنی قرء کے ہیں البتہ اس آیت کے معنی مقرر کرنے میں ایک جماعت اس طرف گئی اور دوسری اس طرف یعنی حیض کے معنی کی جانب گئی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر، ۱۰، ۲۲۸)

### قرء سے مراد طہر میں فقہاء شوافع کا استدلال

امام شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَالْمُطَهَّرَاتُ يُتَوَضَّعْنَ لِنَفْسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ**۔

طلاق یافتہ خواتین اپنے آپ کو (دوسری شادی سے) تین دورانیے تک روکے رکھیں۔ (البقرہ 2:228)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ یہاں لفظ "قرء" سے مراد طہر (خاتون کی پاکیزگی کے دورانیے) ہے۔ اس کے مثل رائے سیدنا زید بن ثابت سیدنا ابن عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک گروہ کا نقطہ نظریہ ہے کہ یہاں "قرء" کا مطلب خاتون کے حیض کے پیرائے ہیں۔ اس طلاق یافتہ خاتون کے لئے اس وقت تک (دوسری شادی کرنا) جائز نہ ہوگا جب تک کہ وہ تیسرے حیض سے پاک ہونے کے بعد غسل نہ کر لے۔

سائل: ان دونوں گروہوں نے کس کس بنیاد پر اپنی رائے پیش کی ہے؟

شافعی: "قرء" کا مطلب ہے "دورانیہ"۔ یہ دورانیے اس بات کی عداوت ہیں کہ جب تک یہ پورے نہ ہو جائیں، طلاق یافتہ خاتون دوسری شادی نہ کرے۔ جو لوگ اس دورانیے سے "حیض کا دورانیہ" مراد لیتے ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ یہاں کم سے کم دو اوقات کا ذکر ہوا ہے اور کم اوقات سے ہی وقت میں حدود مقرر کی جاسکتی ہیں۔ "حیض کا دورانیہ"، "پاکیزگی کے دورانیے" سے کم ہوتا ہے اس وجہ سے زبان کے نقطہ نظر سے یہ زیادہ مناسب ہے کہ اسے عدت کی مدت مقرر کرنے کے لئے استعمال کیا جائے۔ یہ اسی طرح ہے کہ وہ مہینوں کے درمیان فاصلہ کرنے کے لئے چاند نظر آنے کو حد مقرر کیا گیا ہے۔

غالب انہوں نے یہ رائے اس بنیاد پر اختیار کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ و طاس میں حاصل کردہ ایک لونڈی کے بارے میں حکم دیا کہ اس سے اس وقت تک ازدواجی تعلقات قائم نہ کیے جائیں جب تک ایک مرتبہ حیض آنے سے اس کا "استبراء" نہ ہو جائے (یعنی یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ حاملہ تو نہیں ہے)۔ آزاد لونڈی کے بارے میں استبراء کا حکم دیا گیا ہے۔ آزاد خاتون کا استبراء تین مکمل حیض کے دورانیوں سے ہوتا ہے جب وہ پاک ہو جائے اور لونڈی کا استبراء ایک ہی مکمل حیض سے پاکیزگی کے بعد ہوتا ہے۔

سائل: یہ تو ایک نقطہ نظر ہوا۔ آپ نے کس بنیاد پر دوسرا نقطہ نظر اختیار کیا ہے جب کہ آیت میں دونوں معنی کا احتساب موجود ہے؟

شافعی: اللہ تعالیٰ نے نئے چاند کو مہینوں کی نشاندہی کے لئے بنایا ہے اور وقت کا شمار رویت ہلال سے کیا جاتا ہے۔ ہلال دن

اور رات کے علاوہ ایک عداوت ہے۔ یہ تین دن کے بعد بھی ہو سکتا ہے اور اسی دن کے بعد بھی۔ تین دن کے بعد دو چھوٹے ایام کے مجموعے ہی ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ ان کا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ اگر "قرء" وقت کا نام ہے تو پھر یہ دن اور رات کے کسی مجموعے کا نام ہوگا۔ عدت کی طرح حیض کے مدت کا تعین بھی دن و رات ہی سے کیا جائے گا۔ وقت کسی (علاقے کی) حدود کی طرح ہوتا ہے۔ کبھی یہ حد علاقے میں داخل ہوتی ہے اور کبھی نہیں۔ وقت کا ایک خاص مطلب بھی ہے۔

سائل: وہ کیا ہے؟

شافعی: اگر خون رحم سے باہر نکل آئے اور ظاہر ہو جائے تو اس کا نام "حیض" ہے اور اگر ظاہر نہ ہو اور رحم کے اندر ہی رہ جائے تو اس کا نام "طہر" ہے۔ "طہر" اور "قرء" دونوں الفاظ کا تعلق خون کو روکنے سے ہے نہ کہ بہنے سے۔ "طہر" سے اگر وقت مراد لیا جائے تو عربی زبان میں اسے "قرء" کہنا زیادہ مناسب ہوگا کیونکہ اس کا تعلق خون کو روکنے سے ہے۔

جب سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں حلق دے دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے کو کہیں کہ وہ خاتون سے رجوع کر لیں اور (اگر طلاق دینی ہی ہے تو) پھر اس حالت میں حلق دیں جب وہ (حیض سے) پاک ہو جائیں اور ان سے (پاک ہونے کے بعد) ازدواجی تعلقات قائم نہ کیے گئے ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "یہ عدت کا وقت ہے جسے اللہ نے طلاق (سے شروع کرنے) کا حکم دیا ہے۔" (مالک)

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کہ "إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ هُنَّ" یعنی "جب تم خواتین کو طلاق دو تو انہیں عدت (شروع کرنے) کے لئے طلاق دو۔" یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ واضح فرما دیا کہ عدت طہر سے شروع ہوگی نہ کہ حالت حیض سے۔ اللہ تعالیٰ نے "تین قرء" کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ خاتون کو تین طہر تک انتظار کرنا چاہیے۔

اگر تیسرا طہر لمبا ہو جائے اور حیض شروع نہ ہو تو اس خاتون کے لئے اس وقت دوسری شادی کی اجازت نہیں ہے جب تک کہ حیض آنے نہ جائے۔ اگر وہ خاتون حیض کے آنے سے (اپنی عمر یا بیماری کے باعث) مایوس ہو جائے یا اسے اس کا اندیشہ بھی ہو تو پھر وہ مہینوں کے ذریعے اپنی عدت کا شمار کرے۔ اس معاملے میں خاتون کے غسل کرنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ غسل تو تین کے علاوہ ایک چوتھی چیز ہے۔ جو شخص خاتون کو دوسرا نکاح کرنے کی اجازت دینے کے لئے غسل کو ضروری قرار دیتا ہے، اسے پھر یہ بھی کہنا چاہیے کہ اگر وہ ایک سال یا اس سے بھی زیادہ بغیر غسل کے بیٹھی رہے تو اس کے لئے شادی کرنا جائز نہ ہوگی۔

ان دونوں اقوال میں سے یہ کہ "قرء سے مراد طہر ہے" کتاب اللہ کے زیادہ قریب ہے اور زبان بھی اسی معنی میں واضح ہے۔ بہر حال اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنیز کے بارے میں ایک حیض کے ذریعے استبراء (یعنی حمل نہ ہونے کا یقین کرنے) کا حکم دیا۔ اگر وہ کنیز حالت طہر میں تھی، پھر اس حیض آ گیا تو حیض کے مکمل ہونے کے بعد اس کے نئے طہر کے شروع ہونے سے یہ واضح ہو جائے گا کہ وہ حاملہ نہیں تھی۔ خون کا صرف نظر آ جانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ حیض کے پورا ہونے کا انتظار ضروری ہے کیونکہ وہ ہی طہر

حمل کے بغیر سمجھ جائے گا جس سے پہلے ایک حیض مکمل ہو چکا ہو۔

خاتون کو عدت دو وجہ سے پوری کرنا ضروری ہے۔ ایک تو یہ یقین کرنا ہے کہ وہ حاملہ نہیں ہے اور دوسری وجہ اس کے علاوہ ہے۔ جب خاتون نے دو حیض، دو طہر اور اس کے بعد تیسرا طہر بھی گزار لیا تو پھر وہ استبراء کے عمل سے دوبارہ گزر چکی۔ استبراء کے علاوہ دوسری وجہ اللہ کے حکم کی پابندی بھی ہے (کیونکہ اس نے تین قروء تک رکنے کا حکم دیا ہے۔ کتاب الرسالہ، باب ۱۴)

قروء سے مراد کیا ہے؟

وَالْأَقْرَاءُ الْحَيَضُ عِنْدَنَا. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: الْأَطْهَارُ وَاللَّفْظُ حَقِيقَةٌ فِيهِمَا إِذَا هُوَ مِنَ الْأَضْدَادِ، كَذَا قَالَ ابْنُ السَّيِّدِ وَلَا يَنْتَظِمُهُمَا جُمْلَةٌ لِإِلْتِزَامِ الْإِسْتِزَارِ وَالْحَمْلُ عَلَى الْحَيَضِ أَوْلَى، أَمَّا عَمَلًا بِلَفْظِ الْجَمْعِ، لِأَنَّهُ لَوْ حُمِلَ عَلَى الْأَطْهَارِ وَالطَّلَاقِ يُوقِعُ فِي طَهْرٍ لَمْ يَبْقَ جَمْعًا، أَوْ لِأَنَّهُ مُعَرِّفٌ لِبَرَاءَةِ الرَّجَمِ وَهُوَ الْمَقْصُودُ، أَوْ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (وَعِدَّةُ الْأَمَةِ حَيَضَتَانِ) " فَيَنْتَحِقُ بَيَانُهُ

ترجمہ

اور ہمارے نزدیک (قرآن پاک میں استعمال ہونے والے لفظ) "قروء" سے مراد حیض ہے۔ امام شافعی a فرماتے ہیں: اس سے مراد طہر ہے۔ یہ لفظ اپنی حقیقت کے اعتبار سے ان دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے حالانکہ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں ابن سبکت نے یہ بات بیان کی ہے۔ لیکن اشتراک کی وجہ سے یہ لفظ ان دونوں معانی میں استعمال نہیں ہوگا اور اس کو حیض پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے یا تو اس اعتبار سے کہ جمع کا لفظ ہے اس پر عمل کرتے ہوئے کیونکہ اگر اسے طہر پر محمول کیا جائے تو ایک طہر کی ایسے طہر میں واقع ہوگی جس کے ساتھ جمع کا پہلو باقی نہیں رہے گا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے قروء جم کے بری ہونے کی معرفت حاصل کرنے کے لئے ہے اور یہی اصل مقصد بھی ہے۔ اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے "کنیز کی عدت دو حیض ہوتی ہے"۔ تو یہ اس کی وضاحت کے طور پر اس کے ساتھ شامل ہو جائے گا۔

حاملہ وغیرہ حاملہ کا تعین حیض سے ہوتا ہے

امین حسن اصلاحی لکھتا ہے کہ اس آیت میں قروء 'اقرء' کی جمع ہے۔ یہ لفظ جس طرح حیض کے معنی میں آیا ہے، اسی طرح طہر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کے اصل مادہ اور اس کے مشتقات پر ہم نے جس قدر غور کیا ہے، اس سے ہمارا رجحان اسی بات کی طرف ہے کہ اس کے اصل معنی تو حیض ہی کے ہیں، لیکن چونکہ ہر حیض کے ساتھ طہر بھی لازم لگا ہوا ہے، اس وجہ سے عام بول چال میں اس سے طہر کو بھی تعبیر کر دیتے ہیں، جس طرح رات کے لفظ سے اس کے ساتھ لگے ہوئے دن کو یا دن کے لفظ سے اس کے ساتھ لگی ہوئی رات کو۔ اس قسم کے استعمال کی مثالیں ہر زبان میں مل سکتی ہیں۔ (532/1)

ہم نے اسے حیض کے معنی میں لیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اصل مسئلہ ہی یہ متعین کرنے کا ہے کہ عورت حاملہ ہے یا نہیں، اور اس کا فیصلہ حیض سے ہوتا ہے، نہ کہ طہر سے۔ پھر اس کے لیے توقف کی مدت مقرر کی گئی ہے اور یہ بھی حیض سے بالکل متعین ہو جاتی ہے، اس لیے کہ اس کی ابتدا کے بارے میں کسی کو کوئی شبہ نہیں ہوتا۔

عام حالات میں عدت یہی ہے، لیکن عورت حیض سے مایوس ہو چکی ہو یا حیض کی عمر کو پہنچنے کے بعد جو اسے حیض نہ آیا ہو 35 تو سورہ طلاق کی اس آیتوں میں قرآن نے بتایا ہے کہ پھر یہ تین مہینے ہوگی۔ اسی طرح یہ بھی بتا دیا ہے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔ حیض سے مایوس عورتوں کے ساتھ ان آیتوں میں 'اِنْ اَرْتَمْتُمْ' کی شرط بھی لگی ہوئی ہے۔ استاذ الام اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

میرا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ 'اِنْ اَرْتَمْتُمْ' کی شرط یہاں آئہ مدخولہ اور آئہ غیر مدخولہ کے درمیان امتیاز کے لیے لگی ہے۔ یعنی آئہ اگر مدخولہ ہے تو آئہ ہونے کے بعد جو اس کا امکان ہے کہ شاید اس کی حالت عارضی ہو، پھر امید کی شکل پیدا ہو گئی ہو اور اس کے رحم میں کچھ ہو۔ یہی صورت اس کو بھی پیش آ سکتی ہے جس کو ابھی گر چہ حیض نہیں آیا ہے، لیکن وہ مدخولہ ہے... ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ اگر یہی بات کہنی تھی تو صاف صاف یوں کیوں نہ کہہ دی کہ اگر آئہ مدخولہ ہو تو اس کی عدت تین مہینے ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر بات یوں کہی جاتی تو اس سے عدت کی اصل علت واضح نہ ہوتی، جبکہ اس کا واضح ہونا ضروری تھا۔ اس عدت کی اصل علت عورت کا مجرد مدخولہ ہونا نہیں، بلکہ یہ اشتباہ ہے کہ ممکن ہے کہ اس کے رحم میں کچھ ہو۔ (مدبر قرآن 8/442)

فقہاء شوافع و مالکیہ سے قروء کے معنی میں فقہاء احناف کی ترجیح کا بیان

قروء، قرء کی جمع ہے اور قرء کا معنی لغوی لحاظ سے حیض بھی ہے اور طہر بھی۔ یعنی یہ لفظ ذاتی ذوی الضداد ہے۔ اسلاف اس سے تین حیض مراد لیتے ہیں۔ جبکہ شوافع اور مالکیہ طہر مراد لیتے ہیں۔ اس فرق کو درج ذیل مثال سے سمجھئے۔

حداق دینے کا صحیح اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ عورت جب حیض سے فارغ ہو تو اسے طہر کے شروع میں ہی بغیر مقدار بت کئے طلاق دے دی جائے اور پوری مدت گزر جانے دی جائے۔ عدت کے بعد عورت بائن ہو جائے گی۔ اب فرض کیجئے کہ کسی عورت ہندہ نامی کی عدت یہ ہے کہ اسے ہر قمری مہینہ کے ابتدائی تین دن، ہواری آتی ہے۔ اس کے خاوند نے اسے حیض سے فراغت کے بعد محرم کو طلاق دے دی۔ اب احناف کے نزدیک اس کی عدت تین حیض ہے یعنی ۳ ربیع الثانی کی شام کو جب وہ حیض سے فارغ ہوگی، تب اس کی عدت ختم ہوگی۔ جبکہ شوافع اور مالکیہ کے نزدیک تیسرا حیض شروع ہونے تک اس کے تیس طہر پورے ہو چکے ہوں گے۔ یعنی یکم ربیع الثانی کی صبح کو حیض شروع ہونے پر اس کی عدت ختم ہو چکی ہوگی۔ اس طرح قروء کی مختلف تعبیروں سے تین دن کا فرق پڑ گیا۔ اور ہم نے جو قروء کا ترجمہ حیض کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے طہر بت حیض سے فرمایا کہ دعویٰ الضنوة یا ما اقوالک یعنی یا م حیض میں نماز چھوڑ دو۔ علاوہ ازیں خلفائے اربعہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کہہ رہے تھے کہ اس

بات کے قائل ہیں کہ قراء کا معنی حیض ہے۔

اگر عورت کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت مہینے کے اعتبار سے ہوگی

(وَإِنْ كَانَتْ لَا تَحِيضُ مِنْ صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ فَعِدَّتُهَا ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَاللَّائِي  
يَنْسَنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ) الْآيَةَ (وَكَذَا الَّتِي بَلَغَتْ بِالنِّسَاءِ وَلَمْ تَحِيضْ) بِأَخِيرِ  
الْآيَةِ.

ترجمہ

اور جب وہ ایسی عورت ہو جسے حیض نہیں آتا کسی کی وجہ سے یا عمر زیادہ ہونے کی وجہ تو اس کی عدت تین مہینے ہوگی اس کی  
دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ”اور جو عورتیں حیض سے مایوس ہو چکی ہیں۔ اسی طرح (یہ آیت سے)“ اسی طرح وہ عورتیں جو اس  
عمر کی ہوں کہ انہیں حیض نہ آتا ہو“۔

آئہ کی عدت میں فقہی تصریحات

جن بڑھیا عورتوں کی اپنی بڑی عمر کی وجہ سے ایام بند ہو گئے ہوں یہاں ان کی عدت بتائی جاتی ہے کہ تین مہینے کی عدت  
گزاریں جیسے کہ ایام والی عورتوں کی عدت تین حیض ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ بقرہ کی آیت، اسی طرح وہ عورتیں جو اس عمر کو نہیں پہنچیں کہ  
انہیں حیض آئے ان کی عدت بھی یہی تین مہینے رکھی، اگر تمہیں شک ہو اس کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ خون دیکھ میں اور تمہیں  
شبہ گذرے کہ آیا حیض کا خون ہے یا استحاضہ کی بیماری کا، دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی عدت کے حکم میں تمہیں شک پاتی رہ جائے اور  
اسے نہ پہچان سکو تو تین مہینے یا دو رکھو، یہ دوسرا قول ہی زیادہ ظاہر ہے،

اس کی دلیل یہ روایت بھی ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے کہا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت سی عورتوں کی عدت ابھی  
بیان نہیں ہوئی کس کی عورتیں بڑی عورتیں اور صل والی عورتیں اس کے جواب میں یہ آیت اتری، پھر حاملہ کی عدت بیان فرمائی  
کہ وضع حمل اس کی عدت ہے گو طبعی یا خاندانی موت کے ذرا سی دیر بعد ہی ہو جائے، جیسے کہ اس آیت کریمہ کے الفاظ ہیں اور  
احادیث نبویہ سے ثابت ہے۔

اور جمہور علماء سلف و خلف کا قول ہے، ہاں حضرت علی اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ سورہ بقرہ کی آیت اور اس آیت کو  
کران کا فتویٰ یہ ہے کہ ان دونوں میں سے جو زیادہ دیر میں قسم ہو وہ عدت یہ گزارے یعنی اگر بچہ تین مہینے سے پہلے پیدا ہو گیا تو تین  
مہینے کی عدت ہے اور تین مہینے گذر چکے اور بچہ نہیں ہوا تو بچے کے ہونے تک عدت ہے،

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوسلمہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباس کے پاس آیا اور اس وقت حضرت  
بریرہ بھی وہیں موجود تھیں اس نے سوال کیا کہ اس عورت کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے جسے اپنے خاوند کے اطفال کے بعد

چالیسویں دن بچہ ہو جائے آپ نے فرمایا دونوں عدتوں میں سے آخری عدت اسے گذرانی پڑے گی یعنی اس صورت میں تین مہینے  
کی عدت اس پر ہے، ابوسلمہ نے کہا قرآن میں تو ہے کہ جس والیوں کی عدت بچہ کا وجہ ہے، حضرت ابوبریرہ نے فرمایا میں بھی اپنے  
بیٹا زاد بچہ کی حضرت ابوسلمہ کے ساتھ ہوں یعنی میرا بھی یہی فتویٰ ہے،

حضرت ابن عباس نے اسی وقت اپنے غلام کریم کو مسمومہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ جاؤ ان سے یہ مسئلہ پوچھ آؤ انہوں  
نے فرمایا سبیحہ اسمیہ کے شوہر قتل کئے گئے۔ در یہ اس وقت میدے تھیں چالیس راتوں کے بعد بچہ ہو گیا اسی وقت نکاح کا پیغام آیا  
ارحمتہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر دیا پیغام دینے والوں میں حضرت ابوالسائب بھی تھے۔ یہ حدیث قدرے طوالت کے  
ساتھ دو کتابوں میں بھی ہے،

حضرت عبداللہ بن عقبہ نے حضرت عمر بن عبداللہ بن ارقم زہری کو لکھا کہ وہ سبیحہ بنت حارث اسمیہ کے پاس جائیں اور ان  
سے ان کا واقعہ دریافت کر کے انہیں لکھ بھیجیں، یہ گئے دریافت کیا اور لکھا کہ ان کے خاوند حضرت سعد بن خویلد رضی اللہ عنہ تھے یہ  
مدری صحابی تھے حجتہ الوداع میں فوت ہو گئے اس وقت یہ حمل سے تھیں تھوڑے ہی دن کے بعد انہیں بچہ پیدا ہو گیا جب نفاس سے  
پاک ہوئیں تو اچھے پیڑ سے پہن کر بناؤ سنگھار کر کے بیٹھ گئیں حضرت ابوالسائب بن بک جب ان کے پاس آئے تو انہیں اس حالت  
میں دیکھ کر کہنے لگے تم جو اس طرح بیٹھی ہو تو کیا نکاح کرنا چاہتی ہو واللہ تم نکاح نہیں کر سکتیں جب تک کہ چار مہینے دس دن نہ گذر  
جائیں۔ میں یہ سن کر چار روزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے یہ مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا بچہ پیدا  
ہوتے ہی تم عدت سے نکل گئیں اب تمہیں اختیار ہے اگر چاہو تو اپنا نکاح کرلو (مسلم)

صحیح بخاری میں اس آیت کے تحت میں اس حدیث کے وارد کرنے کے بعد یہ بھی ہے کہ حضرت محمد بن سیرین ایک مجلس میں  
تھے جہاں حضرت عبدالرحمن بن بویعلی بھی تھے جن کی تعظیم مکریم ان کے ساتھی بہت ہی کیا کرتے تھے انہوں نے حاملہ کی عدت  
آئہ دو عدتوں کی میعاد بتائی اس پر میں نے حضرت سبیحہ دالی حدیث بیان کی، اس پر میرے بعض ساتھی مجھے ٹھوکے لگانے لگے  
میں نے کہا بھرتو میں نے بڑی جرات کی اگر عبداللہ پر میں نے بہتان باندھا حالانکہ وہ کونہ کے کونے میں زندہ موجود ہیں پس وہ ذرا  
شرعاً گئے اور کہنے لگے لیکن ان کے چچا تو یہ نہیں کہتے میں حضرت ابو عیطہ مالک بن عامر سے مانا انہوں نے مجھے حضرت سبیحہ دالی  
حدیث پوری سنائی میں نے کہا تم نے اس بابت حضرت عبداللہ سے بھی کچھ سنا ہے؟ فرمایا یہ حضرت عبداللہ کہتے تھے آپ نے فرمایا  
کیا تم اس پر سختی کرتے ہو اور رخصت نہیں دیتے؟ سورہ نساء قصرئی یعنی سورۃ طلاق سورہ نساء طولی کے بعد تری ہے اور اس میں  
فرمان ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے،

ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو ملا عنہ کرنا چاہے میں اس سے ملا عنہ کرنے کو تیار  
ہوں یعنی میرے فتوے کے خلاف جس کا فتویٰ ہو میں تیار ہوں کہ وہ میرے مقابلہ میں آئے اور جھوٹے پر اللہ کی لعنت کرے، میرا  
فتویٰ یہ ہے کہ جس والی کی عدت بچہ کا پیدا ہو جانا ہے پہلے عام حکم تھا کہ جن عورتوں کی خاوند مر جائیں وہ چار مہینے دس دن عدت



گزاریں اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ حمل و لیوں کی عدت بچے کا پیدا ہو جانا ہے پس یہ عورتیں ان عورتوں میں سے مخصوص ہو گئیں اب مسکدہ بھی ہے کہ جس عورت کا خاوند مر جائے اور وہ حمل سے ہو تو جب حمل سے فارغ ہو جائے، عدت سے نکل گئی۔

ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت علی کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کی عدت ان دونوں عورتوں میں سے جو آخری ہوا ہے،

مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جس وایوں کی عدت جو وضع حمل ہے یہ تین طلاق والیوں کی عدت ہے یا فوت شدہ خاوند والیوں کی آپ نے فرمایا دونوں کی، یہ حدیث بہت غریب ہے بلکہ منکر ہے اس لئے کہ اس کی استدلال میں شی بن صباح ہے اور وہ بالکل متروک الحدیث ہے، لیکن اس کی دوسری سندیں بھی ہیں۔

پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ متقیوں کے لئے ہر مشکل سے آسانی اور ہر تکلیف سے راحت عنایت فرمادیتا ہے، یہ اللہ کے حکام اور اس کی پاک شریعت ہے جو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے تمہاری طرف تار رہا ہے اللہ سے ڈرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اور چیزوں کے ڈر سے بچالیتا ہے اور ان کے تھوڑے عمل پر بڑا اجر دیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

آئسہ کی عدت میں فقہی مذاہب اربعہ

علامہ علاء الدین کا سنی حنفی عبد الرحیم لکھتے ہیں کہ یہ ان عورتوں کا حکم ہے جن کو حیض آنا قطعی بند ہو چکا ہو ورنہ کبرسی کی وجہ سے وہ سن ایاس میں داخل ہو چکی ہوں۔ ان کی عدت اس روز سے شمار ہوگی جس روز انہیں طلاق دی گئی ہو۔ اور تین مہینوں سے مراد تین قمری مہینے ہیں۔ اگر قمری مہینے کے آغاز میں طلاق دی گئی ہو تو باقی مانتا حق رویت ہلال کے لی طے سے عدت شمار ہوگی، اور اگر مہینے کے وسط میں کسی وقت طلاق دی گئی ہو تو ۳۰ دن کا مہینہ قرار دے کر ۳ مہینے پورے کرنے ہوں گے۔

(بدائع الصنائع، کتاب عدت)

رہیں وہ عورتیں جن کے حیض میں کسی نوع کی بے قاعدگی ہو، ان کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلافات ہیں۔

حضرت سعید بن السیب کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا جس عورت کو طلاق دی گئی ہو، پھر ایک دو مرتبہ حیض آنے کے بعد اس کا حیض بند ہو گیا ہو وہ ۹ مہینے انتظار کرے۔ اگر حمل ظاہر ہو جائے تو ٹھیک ہے، ورنہ ۹ مہینے گزرنے کے بعد وہ مزید تین مہینے عدت گزارے، پھر وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کے لیے طہل ہوگی۔

ابن عباسؓ، قتادہ اور عکرمہ کہتے ہیں کہ جس عورت کو سال بھر حیض نہ آیا ہو اسی عدت تین مہینے ہے۔ طاؤس کہتے ہیں کہ جس عورت کو سال میں ایک مرتبہ حیض آئے اس کی عدت تین حیض ہے۔ یہی رائے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، اور حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے۔

امام مالک کی روایت ہے کہ ایک صاحب حبان نامی تھے جنہوں نے اپنی بیوی کو ایسے زمانے میں طلاق دی جبکہ وہ بچے کو دودھ پلا رہی تھیں اور اس پر ایک سال گزر گیا مگر نہیں حیض نہ آیا۔ پھر وہ صاحب انتقام کر گئے۔ مطلقہ بیوی نے درخت کا دعویٰ کر

دیا۔ حضرت عثمانؓ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ انہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے مشورہ طلب کیا۔ دونوں بزرگوں کے مشورے سے حضرت عثمانؓ نے فیصلہ فرمایا کہ عورت وارث ہے۔ دلیل یہ تھی کہ نہ وہ ان عورتوں میں سے ہے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اور نہ ان بڑکیوں میں سے ہے جن کو ابھی حیض نہیں آیا، ہذا وہ شوہر کے مرنے تک اپنے اس حیض پر تھکی جو اسے پہلے آیا تھی اور اس کی عدت باقی تھی۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ جس عورت کا حیض بند ہو گیا ہو، مگر اس کا بند ہونا سن ایام کی وجہ سے نہ ہو کہ آئندہ اس کے جاری ہونے کی امید نہ رہے، اس کی عدت یا تو حیض ہی سے ہوگی اگر وہ آئندہ جاری ہو، یا پھر اس عمر کے لحاظ سے ہوگی جس میں عورتوں کو حیض آنا بند ہو جاتا ہے اور اس عمر کو پہنچنے کے بعد وہ تین مہینے عدت گزار کر نکاح سے آزاد ہوگی۔ یہی قول امام شافعیؒ، امام ثوریؒ، و امام ربیعؒ کا ہے۔ اور یہی مذہب حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کا ہے۔

امام مالک نے حضرت عمر اور حضرت عبد اللہ بن عباس کے قول کو اختیار کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت پہلے ۹ مہینے گزارے گی مگر اس دوران میں حیض جاری نہ ہو تو پھر وہ تین مہینے اس عورت کی سی عدت گزارے گی جو حیض سے مایوس ہو چکی ہو۔ ابن القاسم نے امام مالک کے مسکدہ کی توضیح یہ کی ہے کہ ۹ مہینے اس روز سے شمار ہوں گے جب آخری مرتبہ اس کا حیض ختم ہوا تھا نہ کہ اس روز سے جب اسے طلاق دی گئی۔ (یہ تمام تفصیلات احکام القرآن للبخاری اور بدائع الصنائع للکاسانی سے ماخوذ ہیں)

ام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی عورت جس کی عدت حیض کے اعتبار سے شروع ہوئی تھی، عدت کے دوران میں آئسہ ہو جائے تو اسے حیض دان عورتوں کے بجائے آئسہ عورتوں والی عدت گزارنی ہوگی۔ ورنہ اگر اس کو حیض آنا بند ہو جائے اور معلوم نہ ہو سکے کہ وہ کیوں بند ہو گیا ہے تو پہلے وہ حمل کے شبہ میں ۹ مہینے گزارے گی اور پھر اسے تین مہینے عدت کے پورے کرنے ہوں گے۔ اور اگر یہ معلوم ہو کہ حیض کیوں بند ہوا ہے، مثلاً کوئی بیماری ہو یا دودھ پل رہی ہو یا ایسا ہی کوئی اور سبب ہو تو وہ اس وقت تک عدت میں رہے گی جب تک یا تو حیض آنا شروع نہ ہو جائے اور عدت حیضوں کے لحاظ سے شمار ہو سکے، یا پھر وہ آئسہ ہو جائے اور آئسہ عورتوں کی سی عدت گزار سکے (الانصاف، مسائل عدت)

حاملہ عورت کی عدت کا اختتام وضع حمل یہ ہوگا

(وَأِنْ كَانَتْ حَامِلًا فَعِدَّتُهَا أَنْ تَضَعُ حَمْلَهَا) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَأُولَئِ الْأَحْمَالُ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ) (وَأِنْ كَانَتْ أَمَةً فَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (طَلَاؤُ الْأَمَةِ تَطْلِيلَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ) وَلَئِنْ الرِّقُّ مُنْصِفٌ وَالْحَيْضَةُ لَا تَنْجِزُ أَفْكَمِلَتْ فَصَارَتْ حَيْضَتَيْنِ، وَلِيهِ أَشَارَ عُمَرُ بِقَوْلِهِ. لَوْ اسْتَطَعْتُ لَجَعَلْتُهَا حَبْصَةً وَبِضْفًا (۱)  
(وَأِنْ كَانَتْ لَا تَحِيضُ فَعِدَّتُهَا شَهْرٌ وَنِصْفٌ) لِأَنَّهُ مُتَجَزِّءٌ فَأَمَكُنَ تَنْصِيفُهُ عَمَلًا بِالرِّقِّ

ترجمہ

اور اگر وہ عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل (بچے کی پیدائش) ہوگی اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "اور جس وان عورتوں کی عدت کی انتہاء بچے کو جنم دینا ہے۔" اگر وہ عورت کثیر ہو تو اس کی عدت دو حیض ہوگی اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے "کثیر کو دو طلاقیں دی جائیں گی اور اس کی عدت دو حیض ہوگی۔" اس کی ایک وجہ یہ ہے غلام سونہ (نعت کو) نصف کر دینا ہے اور کیونکہ حیض کے اجزاء نہیں کیے جاسکتے اس لیے یہ مکمل ہوگا اور دو حیض شمار ہوں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اپنے ان الفاظ میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ "اگر میں استطاعت رکھتا تو اس (کثیر) کی عدت کو ڈیڑھ حیض مقرر کرتا۔" اگر وہ کثیر ایسی ہو کہ اسے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت ڈیڑھ ماہ ہوگی کیونکہ اس وقت کو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے اس لیے کثیر ہونے پر عمل کرتے ہوئے اسے نصف قرار دینا ممکن ہے۔

شرح

بوست بل سے مروی ہے سیدہ اسمیہ جو حارث کی بیٹی تھی اپنے خاوند کی وفات کے بعد بیس دن بعد بچہ جنی۔ جب نفاس سے فارغ ہوئی تو اس نے بناؤ سنگار کیا۔ لوگوں کو اچنبہ ہوا اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسکا حال بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا بے شک وہ سنگار کرے۔ اسکی عدت مکمل ہو چکی ہے۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 184)

حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں، ایک مرتبہ وہ اور حضرت ابن عباس حضرت ابو ہریرہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ان لوگوں نے ایک ایسے شخص کا مسئلہ چھیڑ دیا جو فوت ہو جائے اور اس کی وفات کے کچھ دن بعد بچے کی پیدائش ہو جائے حضرت ابن عباس نے بیان کیا بیوی اور حمل میں سے جو مدت زیادہ ہوگی وہ اس کی عدت ہوگی۔ بوسلمہ بولے جیسے ہی وہ بچے کو جنم دے گی اس کی عدت ختم ہو جائے گی یہ دونوں صاحبان اس مسئلے پر الجھ پڑے حضرت ابو ہریرہ بولے میں اپنے بھتیجے کے ساتھ ہوں یعنی ابوسلمہ کی تائید کرتا ہوں۔ ان حضرات نے حضرت ابن عباس کے غلام کریم کو سیدہ ام فاطمہ کے پاس یہ مسئلہ دریافت کرنے کے لیے بھیجا تو سیدہ ام سلمہ نے یہ بات بتائی کہ سیدہ بنت حارث اسمیہ کے شوہر فوت ہو گئے ان کی وفات کے کچھ دن بعد ان کے ہاں بچے کی پیدائش ہو گئی تو وہ ابن دار سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب جن کی کنیت بوست بل تھی نے نکاح کا پیغام بھیجا اور اسے یہ بتایا کہ تمہاری عدت ختم ہو چکی ہے اس عورت نے یہ ارادہ ظاہر کیا کہ وہ کسی اور کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہے تو ابوسلمہ نے اس سے کہا کہ تمہاری عدت ابھی ختم نہیں ہوئی سیدہ نامی خاتون نے اس بات کا ذکر نبی اکرم ﷺ سے کیا تو آپ نے اسے اجازت دی کہ وہ شادی کر سکتی ہے۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 136)

حاملہ کی عدت و نکاح ثانی میں مذاہب فقہاء

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔ وضع حمل اس کی عدت ہے گو طلاق یا خاوند کی موت کے ذریعے دیر بعد ہی ہو جائے، جیسے کہ اس

آیہ کریمہ کے الفاظ ہیں اور احادیث نبویہ سے ثابت ہے ورجہوہ علماء سلف و خلف کا قول ہے، ہاں حضرت علی اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ سورہ بقرہ کی آیت اور اس آیت کو ماکران کا فتویٰ یہ ہے کہ ان دونوں میں سے جو زیادہ دیر میں ختم ہو وہ عدت یہ گزارے یعنی اگر بچہ تین مہینے سے پہلے پیدا ہو گیا تو تین مہینے کی عدت ہے اور تین مہینے گزر چکے اور بچہ نہیں ہو تو بچے کے ہونے تک عدت ہے، صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوسلمہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباس کے پاس آیا اور اس وقت حضرت ابو ہریرہ بھی وہیں موجود تھے اس نے سوال کیا کہ اس عورت کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے جسے اپنے خاوند کے انتقال کے بعد چار سو دن بچہ ہو جائے آپ نے فرمایا دونوں عدتوں میں سے آخری عدت اسے گزارنی پڑے گی یعنی اس صورت میں تین مہینے کی عدت اس پر ہے، ابوسلمہ نے کہا قرآن میں تو ہے کہ حمل دالیوں کی عدت بچہ کا دھانا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا میں بھی اپنے چچا زاد بھائی حضرت ابوسلمہ کے ساتھ ہوں یعنی میرا بھی یہی فتویٰ ہے، حضرت ابن عباس نے اسی وقت اپنے غلام کریم کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجی کہ جاؤ ان سے یہ مسئلہ پوچھو انہوں نے فرمایا سیدہ اسمیہ کے شوہر قتل کئے گئے اور یہ اس وقت امید سے تھیں چالیس راتوں کے بعد بچہ ہو گیا اسی وقت نکاح کا پیغام آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر دیا پیغام دینے والوں میں حضرت ابوالسائل بھی تھے۔ یہ حدیث قدرے طوالت کے ساتھ اور کتاہوں میں بھی ہے،

حضرت عبداللہ بن عتبہ نے حضرت عمر بن عبداللہ بن ارقم زہری کو لکھا کہ وہ سیدہ بنت حارث اسمیہ کے پاس جائیں اور ان سے ان کا واقعہ دریافت کر کے انہیں لکھ بھیجیں، یہ گئے دریافت کیا اور لکھا کہ ان کے خاوند حضرت سعد بن خوسہ رضی اللہ عنہ تھے یہ بدری صحابی تھے حجۃ لوداع میں فوت ہو گئے اس وقت یہ حمل سے تھیں تھوڑے ہی دن کے بعد انہیں بچہ پیدا ہو گیا جب ان سے پاک ہوئیں تو اچھے کپڑے پہن کر بناؤ سنگار کر کے بیٹھ گئیں حضرت ابوالسائل بن بلک جب ان کے پاس آئے تو انہیں اس حالت میں دیکھ کر کہنے لگے تم جو اس طرح بیٹھی ہو تو کیا نکاح کرنا چاہتی ہو واللہ تم نکاح نہیں کر سکتیں جب تک کہ چار مہینے دس دن نہ گزر جائیں۔ میں یہ سن کر چار روزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے یہ مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا بچہ پیدا ہوتے ہی تم عدت سے نکل گئیں اب تمہیں اختیار ہے اگر چاہو تو اپنا نکاح کرلو (مسلم)

صحیح بخاری میں اس آیت کے تحت میں اس حدیث کے وارد کرنے کے بعد یہ بھی ہے کہ حضرت سعد بن سیرین ایک مجلس میں تھے جہاں حضرت عبدالرحمن بن ابوعبلی بھی تھے جن کی تعظیم تکریم ان کے ساتھی بہت ہی کیا کرتے تھے انہوں نے حامد کی عدت آخری دو عدتوں کی میعاد بتائی اس پر میں نے حضرت سیدہ نامی حدیث بیان کی، اس پر میرے بعض ساتھی مجھے ٹپو کے لگانے لگے میں نے کہا پھر تو میں نے بڑی جرات کی اگر عبداللہ پر میں نے بہتان باندھا حالانکہ وہ کوفہ کے کونے میں زندہ موجود ہیں پس وہ ذرا شرمائے اور کہنے لگے لیکن ان کے بچا تو یہ نہیں کہتے ہیں۔

حضرت ابو عطیہ مالک بن عاص سے ملا انہوں نے مجھے حضرت سیدہ نامی حدیث پوری سنائی میں نے کہا تم نے اس بابت

حضرت عبداللہ سے بھی کچھ نہ ہے؟ فرمایا یہ حضرت عبداللہ کہتے تھے آپ نے فرمایا کیا تم اس پر سختی کرتے ہو اور رخصت نہیں دیتے؟ سورہ نساء قصریٰ یعنی سورۃ طلاق سورہ نہ طہولی کے بعد اتاری ہے وراس میں فرمان ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے، ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو ملا عنہ کرنا چاہے میں اس سے ملا عنہ کرنے کو تیار ہوں یعنی میرے فتوے کے خلاف جس کا فتویٰ ہو میں تیار ہوں کہ وہ میرے مقابلہ میں آئے درجہ جو نے پر اللہ کی لعنت کرے، میرا فتویٰ یہ ہے کہ حمل والی کی عدت بچہ کا پیدا ہو جانا ہے پہلے عام حکم تھا کہ جن عورتوں کی خاوند مر جائیں وہ چار مہینے دس دن عدت گذریں اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ حمل وایوں کی عدت بچے کا پیدا ہو جانا ہے پس یہ عورتیں ان عورتوں میں سے مخصوص ہو گئیں اب مسئلہ یہی ہے کہ جس عورت کا خاوند مر جائے اور وہ حمل سے ہو تو جب حمل سے فارغ ہو جائے، عدت سے نکل گئی۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت علی کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کی عدت ان دونوں عدتوں میں سے جو آخری ہو وہ ہے،

مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حمل وایوں کی عدت جو وضع حمل ہے یہ تین طلاق وایوں کی عدت ہے یا فوت شدہ خاوند وایوں کی آپ نے فرمایا دونوں کی، یہ حدیث بہت غریب ہے بلکہ منکر ہے اس نے کہ اس کی اس میں شکی بن صراح ہے اور وہ بالکل متروک الحدیث ہے، لیکن اس کی دوسری سندیں بھی ہیں۔ پھر فرمایا ہے اللہ تعالیٰ متقیوں کے لئے ہر مشکل سے آسانی اور ہر تکلیف سے راحت عنایت فرمادیتا ہے، یہ اللہ کے احکام اور اس کی پاک شریعت ہے جو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے تمہاری طرف تار ہا ہے اللہ سے ڈرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اور چیزوں کے ڈر سے بچالیتا ہے اور ان کے تھوڑے عمل پر بڑا اجر دیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، طلاق، ۴)

### باندی کی عدت میں مذہب فقہاء

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ اسی طرح بوٹڈی کی عدت بھی اتنی نہیں، اس کی عدت اس سے آدھی ہے یعنی دو مہینے اور پانچ راتیں، جمہور کا مذہب یہی ہے جس طرح بوٹڈی کی حد بہ نسبت آزاد عورت کے آدھی ہے اسی طرح عدت بھی۔ محمد بن سیرین اور بعض علماء و خابریہ بوٹڈی کی اور آزاد عورت کی عدت میں برابری کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل ایک تو اس آیت کا عموم ہے، دوسرے یہ کہ عدت ایک جلی امر ہے جس میں تمام عورتیں یکساں ہیں۔ حضرت سعید ابن مسیب ابو احالیہ وغیرہ فرماتے ہیں اس عدت میں حکمت یہ ہے کہ اگر عورت کو حمل ہوگا تو اس مدت میں بالکل ظاہر ہو جائے گا۔

حضرت ابن مسعود کی بخاری و مسلم والی مرفوع حدیث میں ہے کہ انسان کی پیدائش کا یہ حال ہے کہ چالیس دن تک تو رحم و در میں نطفہ کی شکل میں ہوتا ہے، پھر خون بست کی شکل چالیس دن تک رہتی ہے پھر چالیس دن تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے اور وہ اس میں روح پھونکتا ہے۔ تو یہ ایک سو بیس دن ہوئے جس کے چار مہینے ہوئے، دس دن حلیا طہ اور رکھ دے کیونکہ بعض مہینے انتیس دن کے بھی ہوتے ہیں اور جب روح پھونک دی گئی تو اب بچہ کی حرکت محسوس ہونے لگتی ہے اور حمل بالکل

ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس لئے اتنی عدت مقرر کی گئی۔

سعید بن مسیب فرماتے ہیں دس دن اس لئے ہیں کہ روح انہی دس دنوں میں پھونگی جاتی ہے۔ ربیع بن انس بھی فرماتے ہیں۔ حضرت امام احمد سے ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے تاکہ جس بوٹڈی سے بچہ ہو جائے اس کی عدت بھی آزاد عورت کے برابر ہے اس سے کہ وہ فراش بن گئی اور اس لئے بھی کہ مسند احمد میں حدیث ہے۔ حضرت عمرو بن عاص نے فرمایا لوگو سنو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم پر غلط ملط نہ کرو۔ اولاد والی بوٹڈی کی عدت جبکہ اس کا سردار فوت ہو جائے چار مہینے اور دس دن ہیں۔ یہ حدیث ایک اور طریق سے بھی ابورادہ میں مروی ہے۔ امام احمد اس حدیث کو منکر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے ایک راوی قبصیہ نے اپنے استاد عمر سے یہ روایت نہیں سنی۔

حضرت سعید بن مسیب مجاہد، سعید بن جبیر، حسن بن سیرین، ابن عیاض زہری اور عمرو بن عبدالعزیز کا یہی قول ہے۔ یزید بن عبدالملک بن مروان جو امیر المومنین تھے، یہی حکم دیتے تھے۔ اوزاعی، اسحاق بن راہویہ اور حماد بن ضبل بھی ایک روایت میں یہی فرماتے ہیں لیکن طاؤس اور قتادہ اس کی عدت بھی آدھی بتلاتے ہیں یعنی دو ماہ پانچ راتیں۔

حضرت امام ابو حنیفہ اور ن کے ساتھ حسن بن صالح بن حی فرماتے ہیں دو حیض عدت گزارے، حضرت علی ابن مسعود، عطاء اور ابراہیم نخعی کا قول بھی یہی ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کی مشہور روایت یہ ہے کہ اس کی عدت ایک حیض ہی ہے۔ ابن عمر، شعبی، کعبہ، لیث، ابو عبیدہ، ابو ثور اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ حضرت لیث فرماتے ہیں کہ اگر حیض کی حالت میں اس کا سید فوت ہوا ہے تو اسی حیض کا ختم ہو جانا اس کی عدت کا ختم ہو جانا ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں اگر حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے عدت گزارے۔ امام شافعی اور جمہور فرماتے ہیں ایک مہینہ اور تین دن مجھے زیادہ پسند ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، بقرہ، ۲۳۳)

### وضع حمل سے اختتام عدت کا بیان

جس حمل کے وضع ہونے سے عدت ختم ہو جاتی ہے وہ ہوگا جس میں انسان کا سر یا پاؤں بن چکا ہو، تو باجماع اس سے عدت ختم ہو جائیگی، اسے ابن منذر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کیونکہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ حمل تھا اس سے یہ عمومی نصوص میں داخل ہوگا۔

لیکن اگر یہ حمل وضع ہو جس میں ابھی کچھ بھی واضح نہ ہوا ہو اور وہ صرف خون اور گوشت کا لوتھڑا ہی ہو اور خلقت واضح نہ ہوئی ہو تو ثقہ دانتوں نے گواہی دی ہو کہ اس میں خفیہ صورت وضع ہو چکی تھی تو اس سے بھی عدت ختم ہو جائیگی؛ کیونکہ یہ حمل ہے اور عمومی نصوص میں داخل ہے۔ (کشف القناع، ۵/ 413)

### بیوہ عورت کی عدت کا بیان

(رَزَعَلَةُ الْحُرَّةِ فِي الرِّقَاقِ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرٍ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ

بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا (وَعِدَّةُ الْأَمَةِ شَهْرَانِ وَخَمْسَةُ أَيَّامٍ) لِأَنَّ الرِّقَّ مُصَنَّفٌ.

ترجمہ

اور شوہر کی وفات کی صورت میں 'آز' عورت کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "اور وہ دگ (موتے ہوئے) بیویں چھوڑ کر جاتے ہیں تو وہ عورتیں چار ماہ دس دن تک خود کو روکے رکھیں گی"۔ (بیوہ) کنیز کی عدت دو ماہ پانچ دن ہے اس کی وجہ یہی ہے، رقیق (نعت کو) نصف کر دیتی ہے۔

شرح

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْوُجُوهِ غَيْرِ  
إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ وَاللَّهُ عَزِيزٌ  
حَكِيمٌ (البقرہ،)

اور جو تم میں سے مرے اور بیویں چھوڑ جائیں وہ اپنی عورتوں کے لئے وصیت کر جائیں۔ سال بھر تک نان و نفقہ دینے کی ہے نکالے۔ پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس کا مؤخرہ نہیں جو انہوں نے اپنے معاملہ میں مناسب طور پر کیا اور اللہ غاب حکمت والا ہے۔ (کنز الایمان)

دور جاہلیت کی عدت و وفات کے منسوخ ہونے کا بیان

صدر الافاضل مولانا فہیم امین مراد آبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں بیوہ کی عدت ایک سال کی تھی اور ایک سال کمال وہ شوہر کے یہاں رہ کر نان و نفقہ پانے کی مستحق ہوتی تھی۔ پھر ایک سال کی عدت تو اِنْشَوْنَتْصُ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا سے منسوخ ہوئی جس میں بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر فرمائی گئی اور سال بھر کا نفقہ بیت میراث سے منسوخ ہوا جس میں عورت کا حصہ شوہر کے ترکہ سے مقرر کیا گیا ہذا اب اس وصیت کا حکم باقی نہ رہا حکمت اس کی یہ ہے کہ عرب کے لوگ اپنے مورث کی بیوہ کا نکلنا یا غیر سے نکاح کرنا بالکل گوارا ہی نہ کرتے تھے اور اس کو عارضی سمجھتے تھے اس لئے اگر ایک دم چار ماہ دس دن کی عدت مقرر کی جاتی تو یہ ان پر بہت شاق ہوتی ہذا ابتداء میں انہیں راہ پر لایا گیا۔ (خزانة العرفان)

اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت اس سے پہلے کی آیت اس سے پہلے کی آیت یعنی چار مہینے دس رات کی عدت والی آیت کی منسوخ ہو چکی ہے،

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن زبیر نے حضرت عثمان سے کہا کہ جب یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے تو پھر آپ اسے قرآن کریم میں کیوں لکھوا رہے ہیں، آپ نے فرمایا بھتیجے جس طرح اگلے قرآن میں یہ موجود ہے یہاں بھی موجود ہی رہے گی، ہم کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتے،

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں پہلے تو یہی حکم تھا کہ سال بھر تک نان نفقہ اس بیوہ عورت کو میت کے مال سے دیا جائے ورنہ اس کے مکان میں یہ رہے، پھر آیت میراث نے اسے منسوخ کر دیا اور خاوند کو اولاد نہ ہونے کی صورت میں مال متروکہ کا ثلثوں حصہ اور اولاد نہ ہونے کے وقت چوتھائی مال ورثہ کا مقرر کیا گیا اور عدت چار ماہ دس دن مقرر ہوئی۔

کثر صحیح بہ اور تابعین سے مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے، سعید بن مسیب کہتے ہیں سورۃ الاحزاب کی آیت (یا ایہا الدین امنوا اذ انکم حکم المومنات) الخ، نے اسے منسوخ کر دیا،

حضرت مجاہد فرماتے ہیں سات مہینے بیس دن جو اصلی عدت چار مہینے دس دن کے سوا کے ہیں سات مہینے اس مدت کا حکم ہو رہا ہے، عدت تو واجب ہے لیکن یہ زیادتی کی مدت کا عورت کو اختیار ہے خواہ وہ بیس بیٹھ کر یہ زمانہ گزار دے خواہ نہ گزارے ورنہ چھو جائے، میراث کی آیت نے رہنے سہنے کے مکان کو بھی منسوخ کر دیا، وہ جہاں چار مہینے عدت گزارے مکان کا خرچ خاوند کے ذمہ ہیں، پس ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت نے سال بھر تک کی عدت کو واجب ہی نہیں کیا پھر منسوخ ہونے کے کیا معنی؟

یہ تو صرف خاوند کی وصیت ہے اور اسے بھی عورت پورا کرنا چاہیے تو کرے ورنہ اس پر جبر نہیں، وصیہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں وصیت کرتا ہے جیسے آیت (یوصیکم اللہ فی اولادکم) الخ، اس کا نصب فتنو صوالہیں کو محمد دف ماں کرے۔ وصیت کی قرأت یہی ہے یعنی آیت (کتب عسکم وصیتہ) پس اگر عورتیں سال بھر تک اپنے فوت شدہ خاوندوں کے مکانوں میں رہیں تو انہیں نہ نکالا جائے اور اگر وہ عدت گزار کر جانا چاہیں تو ان پر کوئی جبر نہیں۔

بہت سے لوگ اسی کو اختیار کرتے ہیں اور باقی کی جماعت اسے منسوخ بتاتی ہے، پس اگر ان کا ارادہ اصلی عدت کے بعد کے زمانہ کے منسوخ ہونے کا ہے تو خیر ورنہ اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں خاوند کے گھر میں عدت گزارنی ضروری ہے اور اس کی دلیل موطا مالک کی حدیث ہے کہ حضرت بوسعید خدری کی ہمشیرہ صاحبہ فریدہ بن مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا ہمارے غلام بھاگ گئے تھے جنہیں ڈھونڈنے کیلئے میرے خاوند گئے قدوم میں ان غلاموں سے ملاقات ہوئی لیکن انہوں نے آپ کو قتل کر دیا ان کا کوئی مکان نہیں جس میں عدت گزاروں اور نہ کچھ کھانے پینے کو ہے اگر آپ اجازت دیں تو اپنے میکے چلی جاؤں اور وہیں عدت پوری کروں، آپ نے فرمایا اجازت ہے، میں لوٹی ابھی تو میں حجرے میں ہی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہوا یا یا خود بلایا اور فرمایا تم نے کیا کہا، میں نے پھر قصہ بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی گھر میں ہی ٹھہری رہو یہاں تک کہ عدت گزر جائے، چنانچہ میں نے وہیں عدت کا زمانہ پورا کیا یعنی چار مہینے دس دن۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں آپ نے مجھے ہوا یا یا اور مجھ سے یہی مسئلہ پوچھا، میں نے اپنا یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سمیت سنایا، حضرت عثمان نے بھی اس کی پیروی کی اور یہی فیصلہ دیا، اس حدیث کو امام ترمذی حسن صحیح کہتے ہیں۔

سعید بن اسحق اپنی پہلو بھی زینب بنت کعب کا یہ بیان نقل کرتے ہیں فریجہ بنت مالک نے انہیں بتایا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ آپ اسے اجازت دیں کہ وہ اپنے خاوندان میں واپس چلی جائیں کیونکہ اس کا شوہر اپنے مفرد





مباہرہ کر سکتا ہو کہ چھوٹی دان سورہ نساء اس آیت کے بعد نازل ہوئی جو سورہ بقرہ کے اندر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر وہ عورت بچے کو اس وقت جنم دے جب اس کے شوہر کی میت (غسل کے) تحفے پر پڑی ہوئی ہو تو بھی اس عورت کی عدت ختم ہو جائے گی اور اس کے لئے یہ جائز ہوگا وہ دوسری شادی کر لے۔

حاملہ بیوہ کی عدت میں مذاہب فقہاء

اس امر پر تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ مطلقہ حاملہ کی عدت وضع حمل تک ہے۔ لیکن اس امر میں اختلاف واقع ہو گیا ہے کہ یہ کیسی حکم اس عورت کا بھی ہے جس کا شوہر زمانہ حمل میں وفات پا گیا ہو؟ یہ اختلاف اس وجہ سے ہو ہے کہ سورہ بقرہ آیت 234 میں اس عورت کی عدت 4 مہینے دس دن بیان کی گئی ہے جس کا شوہر وفات پا جائے، اور وہاں اس امر کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ یہ حکم آیا تمام بیوہ عورتوں کے لیے عام ہے یا ان عورتوں کے لیے خاص ہے جو حاملہ نہ ہوں۔

حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان دونوں آیتوں کو ملا کر یہ استنباط کرتے ہیں کہ حاملہ مطلقہ کی حد وضع حمل تک ہی ہے، مگر بیوہ حاملہ کی عدت آخر الآجلیں ہے، یعنی مطلقہ کی عدت اور حاملہ کی عدت میں سے جو زیادہ عویل ہو وہی اس کی عدت ہے۔ مثلاً اگر اس کا بچہ 4 مہینے دس دن سے پہلے پیدا ہو جائے تو سے چار مہینے دس دن پورے ہونے تک عدت گزارنی ہوگی۔ اور اگر اس کا وضع حمل اس وقت تک نہ ہو تو پھر اس کی عدت اس وقت پوری ہوگی جب وضع حمل ہو جائے۔ یہی مذاہب اہل میہ کا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ سورہ طلاق کی یہ آیت سورہ بقرہ کی آیت کے بعد نازل ہوئی ہے، اس لیے بعد کے حکم نے پہلی آیت کے حکم کو غیر حاملہ بیوہ کے لیے خاص کر دیا ہے اور برہمنہ کی عدت وضع حمل تک مقرر کردی ہے، خواہ وہ مطلقہ ہو یا بیوہ۔ اس مسلک کی رو سے عورت کا وضع حمل چاہے شوہر کی وفات کے فوراً بعد ہو جائے یا 4 مہینے دس دن سے زیادہ طول کھینچے، بہر حال بچہ پیدا ہوتے ہیں وہ عدت سے باہر ہو جائے گی۔

اس مسلک کی تائید حضرت ابی بن کعب کی یہ روایت کرتی ہے وہ فرماتے ہیں، جب سورہ طلاق کی یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا یہ مطلقہ اور بیوہ دونوں کے لیے ہے؟ حضور ﷺ نے جواب دیا ہاں۔ دوسری روایت میں حضور ﷺ نے مزید تصریح فرمائی احوال کل حامل ان تصع ما فی بطنہا، برہمنہ عورت کی عدت اس کے وضع حمل تک ہے (ابن جریر۔ ابن ابی حاتم)

علامہ ابن حجر کہتے ہیں کہ اگرچہ اس کی سند میں کلام کی گنجائش ہے، لیکن چونکہ یہ متعدد سندوں سے نقل ہوئی ہے اس لیے اسنا پڑتا ہے کہ اس کی کوئی اصل ضرور ہے۔ اس سے بھی زیادہ بڑھ کر اس کی مضبوط تائید سیبہ اسمیہ کے واقعہ سے ہوتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پیش آیا تھا۔ وہ بحالت حمل بیوہ ہوئی تھیں اور شوہر کی وفات کے چند روز بعد (بعض روایات میں 20 دن، بعض میں 23 دن، بعض میں 25 دن، بعض میں 40 دن اور بعض میں 35 دن بیان ہوئے ہیں) ان کا وضع حمل ہو گیا تھا۔ حضور ﷺ سے ان کے معاملہ میں فتویٰ پوچھا گیا تو آپ نے ان کو نکاح کی اجازت دے دی۔ اس واقعہ کو بخاری و

مسلم نے کئی طریقوں سے حضرت ام سلمہ سے روایت کیا ہے۔ اسی واقعہ کو بخاری، مسلم، امام احمد، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے مختلف سندوں کے ساتھ حضرت مسور بن مخرمہ سے بھی روایت کیا ہے۔ مسلم نے خود سیبہ اسمیہ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں حضرت سعد بن خویہ کی بیوی تھی۔ حجۃ الوداع کے زمانے میں میرے شوہر کا انتقال ہو گیا جبکہ میں حاملہ تھی۔ وفات کے چند روز بعد میرے ہاں بچہ پیدا ہو گیا۔ ایک صاحب نے کہا کہ تم چار مہینے دس دن سے پہلے نکاح نہیں کر سکتیں۔ میں نے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فتویٰ دیا کہ تم وضع حمل ہوتے ہی حلال ہو چکی ہو، اب چاہے تو دوسرا نکاح کر سکتی ہو۔ اس روایت کو بخاری نے بھی مختصر نقل کیا ہے۔

صحابہ کی کثیر تعداد سے یہی مسلک منقول ہے۔ امام مالک، امام شافعی، عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے حاملہ بیوہ کا مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے کہا اس کی عدت وضع حمل کی ہے۔ اس پر انہوں نے ایک صاحب سے کہا کہ حضرت عمرؓ نے تو یہاں تک کہا تھا کہ اگر شوہر ابھی فتن بھی نہ ہوا ہو بلکہ اس کی اش اس کے بستر پر ہی ہو اور اس کی بیوی کے ہاں بچہ ہو جائے تو وہ دوسرے نکاح کے لیے حلال ہو جائے گی۔ یہی رائے حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابو مسعودؓ، بدی اور حضرت عائشہؓ کی ہے، دراسی کا اسناد اربعہ اور دوسرے کا بر فقہاء نے اختیار کیا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر حاملہ کے پیٹ میں ایک سے زیادہ بچے ہوں تو آخری بچے کی ولادت پر عدت ختم ہوگی۔ بچہ خواہ مردہ ہی پیدا ہو، اس کی ولادت سے عدت ختم ہو جائے گی۔ اسقاط حمل کی صورت میں اگر دائیاں اپنے فتن کی رو سے یہ کہیں کہ یہ کھنٹ خون کا تو خیر نہ تھا بلکہ اس میں آدمی کی صورت پائی جاتی تھی، یہ یہ رسولی نہ تھی بلکہ آدمی کی اصل تھی تو ان کا قول قبول کیا جائے گا اور عدت ختم ہو جائے گی۔ (معنی المحتاح)

حاجلہ اور حنفیہ کا مسلک بھی اس کے قریب قریب ہے، مگر اسقاط کے معاملہ میں ان کا مذہب یہ ہے کہ جب تک ان فی باؤٹ ظاہر نہ پائی جائے، محض دائیوں کے اس بیان پر کہ یہ آدمی کی اصل ہے، اعتناء نہیں کیا جائے گا اور اس سے عدت ختم نہ ہوگی (بدائع الصنائع۔ الانصاف)۔ حاجلہ اور حنفیہ کا مسلک ہی زیادہ فنی براعتیہ ہے۔

مطلقہ عورت بیوہ ہو جائے تو اس کی عدت کا حکم

وَإِذَا وَرِثْتُ الْمُطْلَقَةُ فِي الْمَرْصِ فَعِدَّتُهَا أَعَدُّ لَا حَلِّسَ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: ثَلَاثَ حَيْضٍ، وَمَعْنَاهُ إِذَا كَانَ الطَّلَاقُ بَيْنًا أَوْ ثَلَاثًا، أَمَّا إِذَا كَانَ رَحِيًّا فَعَلَيْهَا عِدَّةُ الْوَفَاةِ بِالْأَجْمَاعِ، لِأَبِي يُوسُفَ أَنَّ النِّكَاحَ قَدْ انْقَطَعَ قَبْلَ الْمَوْتِ بِالطَّلَاقِ وَلَمْ يَمْنَحْ ثَلَاثَ حَيْضٍ، وَأَمَّا تَجِبُ عِدَّةُ الْوَفَاةِ إِذَا زَالَ النِّكَاحُ فِي الْوَفَاةِ إِلَّا أَنَّهُ بَقِيَ فِي الْإِرْثِ لَا فِي حَقِّ تَعْبِيرِ الْعِدَّةِ، بِخِلَافِ الرَّحْمَنِ لَأَنَّ النِّكَاحَ نَاقٍ مِنْ كُلِّ

وَجِهٍ. وَلَهُمَا أَنَّهُ لَمَّا بَقِيَ فِي حَقِّ الْإِرْثِ يُجْعَلُ بَاقِيًا فِي حَقِّ الْعِدَّةِ اخْتِيَاظًا فَيَجْمَعُ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ

اور جب (شوہر کی) بیماری کے دوران طلاق یافتہ عورت (اس شوہر کے فوت ہونے پر) اس کی وارث بن جائے تو اس کی عدت وہ ہوگی جو بعد میں ختم ہو۔ یہ حکم امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں اس کی عدت تین حیض ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے جب طلاق بائنا ہو یا تین طلاق دی گئی ہوں۔ لیکن اگر رجعی طلاق ہو تو اس بات پر اتفاق ہے وہ وفات کی عدت بسر کرے گی۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے (شوہر کی) موت سے پہلے ہی طلاق کے نتیجے میں نکاح ختم ہو چکا ہے تو عورت پر یہ لازم ہوگا وہ (تین حیض تک عدت بسر کرے) وفات سے متعلق عدت اس وقت واجب ہوگی جب وفات کی وجہ سے نکاح زائل ہوگا تاہم وراثت کے حق میں یہ باقی ہے لیکن عدت کے متغیر ہونے کے حق میں نکاح کا حکم باقی نہیں ہے جبکہ رجعی طلاق کا حکم اس کے برخلاف ہے کیونکہ اس میں باعتبار اسے نکاح باقی ہوتا ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے جب نکاح وراثت کے حق میں باقی ہے تو عدت کے حق میں بھی احتیاط کے پیش نظر اسے باقی قرار دیا جائے گا لہذا ان دونوں کو جمع کر دیا جائے گا۔

عدت طلاق و عدت وفات کے جمع ہونے کا بیان

حضرت سیمان ابن یسار کہتے ہیں کہ احوص نے ملک شام میں اس وقت وفات پائی جب کہ ان کی بیوی کا تیسرا حیض شروع ہو چکا تھا اور احوص نے اپنے مرنے سے پہلے ان کو طلاق دیدی تھی چنانچہ حضرت معاویہ ابن یوسفیان نے اس مسئلہ کو دریافت کرنے کے لئے حضرت زید ابن ثابت کو خط لکھا، حضرت زید نے حضرت معاویہ کو جواب میں لکھا کہ جب اس عورت کا تیسرا حیض شروع ہو گیا تو وہ احوص سے لگ ہوگئی اور احوص اس سے الگ ہو گئے نہ تو احوص اس کے وارث ہوئے اور نہ وہ احوص کی وارث ہوئی۔

(موطا امام مالک، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 528)

صورت مسئلہ یہ تھی کہ حضرت احوص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور وہ تین حیض آنے تک کے لئے عدت میں بیٹھ گئیں جیسا کہ طلاق کی عدت کا حکم ہے پھر ابھی ان کی عدت پوری نہیں ہوئی تھی اور تیسرا حیض شروع ہوا تھا کہ احوص کا انتقال ہو گیا اس صورت میں انہیں چار مہینے دس دن تک وفات کی عدت میں بیٹھنا چاہئے تھا چنانچہ حضرت معاویہ نے حضرت زید ابن ثابت سے یہ مسئلہ پوچھا کہ اس صورت میں عورت خاندان کی وارث ہوگی یا نہیں؟ حضرت زید نے حضرت معاویہ کو لکھا کہ جب تیسرا حیض شروع ہو گیا تو محض تیسرے حیض کا خون دیکھتے ہی اس کا تعلق منقطع ہو گیا۔ اور زوجیت کی پابندی سے آزاد ہوگئی کیونکہ اس صورت میں طلاق کی عدت یا تو اس اعتبار سے کہ اس کی عدت کا زیادہ حصہ گزر گیا ہے یا اس اعتبار سے کہ تیسرا حیض شروع ہو گیا پوری ہوگئی ہے اس صورت میں وفات کی عدت ساقط ہوگئی لہذا جس طرح طلاق کی عدت پوری ہو جانے پر اگر مرد زندہ ہوتا تو وہ عورت کا وارث نہیں ہو سکتا تھا اسی

طرح اب مذکورہ مسئلہ میں جب کہ مرد مر گیا ہو تو عورت اس کی وارث نہیں ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ کا مقصد صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ وہ عورت احوص کی وارث ہوگی یا نہیں؟ جبکہ یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت معاویہ کا مقصد عدت کے بارے میں معلوم کرنا تھا کہ آیا یہ عورت اپنی طلاق کی عدت چارہری رکھے یعنی تیسرا حیض جو شروع ہو چکا ہے اس سے پاک ہو کر عدت سے نکل آئے یا اب وفات کی عدت بیٹھ جائے۔

ملاطی قاری لکھتے ہیں کہ اس موقع پر طبعی (شافعی) نے لکھا ہے کہ اس سے صریحاً یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مطلقہ عورت کی عدت کے بارے میں جو یہ حکم دیا ہے کہ

آیت (والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء) اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو روکے رکھیں تین حیض ختم ہونے تک تو اس میں قروء سے مراد طہر ہیں گویا طبعی کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ یہ حدیث شوافع کی دلیل ہے کیونکہ ان کے نزدیک مطلقہ کی عدت تین حیض نہیں بلکہ تین طہر ہیں حالانکہ طبعی کی یہ بات کہ اس حدیث سے شوافع کا مسلک ثابت ہوتا ہے کوئی مضبوط دلت نہیں ہے کیونکہ اول تو یہ ایک صحابی حضرت زید بن ثابت کا مسلک ہے دوسرے یہ کہ خود انہی حضرت زید سے اس امر کے برخلاف بھی منقول ہے چنانچہ ان سے یہ منقول ہے کہ حدیث (عدة لامة حیضتان) یعنی لونڈی کی عدت دو حیض ہیں پھر اس کے علاوہ یہ قطعاً معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت معاویہ نے حضرت زید کے قول پر عمل بھی کیا تھا یا نہیں۔

حنفیہ کے نزدیک ثلثہ قروء سے مراد تین حیض ہیں چنانچہ خلفاء راشدین اور اکثر صحابہ کا بھی یہ قول ہے نیز تیرہ صحابیوں سے منقول ہے کہ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ بیوی طلاق کی عدت میں جب تک تیسرے حیض سے پاک نہ ہو جائے مرد یعنی خاوند نہ جس نے اس کو طلاق دی ہے اس کا زیادہ حق رکھتا ہے (مطلب یہ کہ تیسرے حیض سے پاک ہونے کے بعد ہی عدت کی مدت پوری ہوتی ہے اور اس بیوی سے مرد کا کھس انقطاع ہو جاتا ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قروء سے حیض مراد ہیں ملاطی قاری نے اپنی کتاب میں اس موقع پر تفصیلی بحث کی ہے اور حنفیہ کے بہت سے دلائل لکھے ہیں۔

اگر مرد کو مرد ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا جائے تو اس کی بیوی کی عدت کا حکم

وَلَوْ قُتِلَ عَلَى رِقَبَتِهِ حَتَّى وَرِثَتْهُ امْرَأَةٌ فَعِدَّتُهَا عَلَى هَذَا الْاِخْتِلَافِ وَقِيلَ عِدَّتُهَا بِالْحَيْضِ بِالْاِجْمَاعِ لِأَنَّ النِّكَاحَ حَبْنٌ مَّا أُغْتَبِرَ بَاقِيًا إِلَى وَقْتِ الْمَوْتِ فِي حَقِّ الْإِرْثِ لِأَنَّ الْمُسْلِمَةَ لَا تَرِثُ مِنَ الْكَافِرِ (فَإِذَا عَتَقَتِ الْأَمَةُ فِي عِدَّتِهَا مِنْ طَلَاقٍ رَجْعِيٍّ انْتَقَلَتْ عِدَّتُهَا إِلَى عِدَّةِ الْحَرَائِرِ) لِإِقْبَامِ النِّكَاحِ مِنْ كُلِّ وَجْهِ (وَأَنَّ اعْتَقَتْ وَهِيَ مَبْنُوتَةٌ أَوْ مَسْوَئِي عَنْهَا زَوْجُهَا لَمْ تَنْتَقِلْ عِدَّتُهَا إِلَى عِدَّةِ الْحَرَائِرِ) لِزَوَالِ النِّكَاحِ بِالْبَيِّنَةِ أَوْ الْمَوْتِ.

ترجمہ

اور اگر شوہر کو اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا جائے اور وہ عورت اس کی وارث بنے تو اس عورت کی عدت اسی ختلف پر مبنی ہوگی۔ ایک قول کے مطابق اس بات پر جماع ہے اس کی عدت حیض کے اعتبار سے ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے اس صورت میں نکاح کو وراثت کے حوالے سے موت کے وقت تک باقی قرار نہیں دیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کوئی مسلمان عورت کسی کافر کی وارث نہیں بن سکتی۔ اگر رجعی طلاق کی صورت میں عدت کے دوران ہی کنیز کو آزاد کر دیا جائے تو اس کی عدت آزاد عورتوں کی طرح ہوگی کیونکہ نکاح ہر اعتبار سے باقی تھا۔ اگر کوئی کنیز باندہ طلاق کی عدت بسر کر رہی ہو یا وہ وفات کی عدت بسر کر رہی ہو اور پھر اسے آزاد کر دیا جائے تو اب اس کی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف منتقل نہیں ہوگی کیونکہ سابقہ نکاح، سند طلاق یا شوہر کی وفات کی وجہ سے زائل ہو چکا ہے۔

ارتداد سے فسخ نکاح میں مذہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ 'جب خوند یا بیوی میں سے کوئی ایک بھی رخصتی سے قبل مرتد ہو جائے تو مہا اہل مہم کے قول کے مطابق نکاح فسخ ہو جائیگا لیکن داد و خطا ہری سے بیان کیا گیا ہے کہ ارتداد سے نکاح فسخ نہیں ہوگا کیونکہ اصل میں نکاح باقی ہے۔ لیکن ہماری دلیل اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: (اور تم کافر عورتوں کی ناموس اپنے قبضہ میں مت رکھو)۔

درالمنہ زوج کفر مان سے، (تو تم انہیں کفار کی طرف مت لوٹاؤ، نہ تو وہ عورتیں ان کافروں کے لیے حلال ہیں، اور نہ ہی وہ کافران عورتوں کے لیے حلال ہیں)۔

اور اس لیے بھی کہ دین کا مختلف ہونا صحیح ہونے میں مانع ہے، اس لیے فسخ نکاح واجب ہوا، بالکل اسی طرح اگر کسی کافر شخص کی بیوی مسلمان ہو جائے تو وہ اس کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔ (امنی (7/133)

اور اگر رخصتی اور دخول کے بعد مرتد ہو تو کیا فوری طور پر عید گدی ہوگی یا کہ عدت کے بعد ہوگی؟

اس میں فقہاء کا اختلاف پایا جاتا ہے، شافعی حضرت کامسک ورحمہمہ کے ہاں صحیح اور ان شاء اللہ رائج بھی یہی ہے کہ اگر وہ عدت ختم ہونے سے قبل اسلام میں واپس آجائے تو وہ اسی نکاح پر باقی ہے، اور اگر اسلام میں واپس آنے سے قبل عدت ختم ہو جائے تو عید گدی ہو جائیگی۔

اور احناف اور مالکیہ کا مسلک ہے کہ مرتد ہونے کی صورت میں فوری طور پر عید گدی واقع ہو جائیگی، چاہے دخول اور رخصتی کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔ (امنی (7/133) الانصاف (8/216) کشاف القناع (15/121) نسخة المحتاج (7/328) الفتاویٰ الہندی (1/339) حاشیہ الدسوقی (2/270)

یہاں مصنف نے اس مسئلے کی وضاحت کی ہے: اگر شوہر مرتد ہو جاتا ہے تو اب اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے اس

کے اور اس کی بیوی کے درمیان نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ مرتد ہونے کی حالت میں اس شخص کو قتل کر دیا جاتا ہے تو اس کی بیوی تو مسلمان ہے اور وہ بیوی اس شخص کے مال کی وارث ہوگی، لیکن اس پر بیوہ کی عدت لازم نہیں ہوگی۔ اس بارے میں بھی فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک قول کے مطابق ایسی عورت کی عدت حیض کے اعتبار سے ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے: وراثت کے حوالے سے موت کے وقت نکاح کو باقی شمار نہیں کیا گیا ہے۔ کیونکہ کوئی مسلمان عورت کسی کافر کی وارث نہیں بن سکتی ہے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جب کسی کنیز کو رجعی طلاق دی جائے تو اس کی عدت دو حیض ہوتی ہے لیکن اگر اس رجعی طلاق کی عدت کے دوران اس کنیز کو آزاد کر دیا جائے تو اس کی عدت کنیز کے طور پر نہیں ہوگی بلکہ آزاد عورت کی عدت کی طرف منتقل ہو جائے گی، یعنی اس کی عدت تین حیض ہوگی۔ اس کی وجہ مصنف نے یہ بیان کی ہے۔ رجعی طلاق کی صورت میں نکاح ہر اعتبار سے باقی ہوتا ہے اس لیے یہ اسی طرح ہوگا جیسے وہ کنیز منکوحہ ہونے کی حالت میں آزاد کی گئی ہو۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ اگر کنیز کو طلاق دی گئی ہو یا وہ بیوہ ہو جائے اور پھر عدت کے دوران اسے آزاد کر دیا جائے۔ تو اس کی عدت آزاد عورت کی عدت کی طرف منتقل نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ طلاق باندہ یا شوہر کے انتقال کی وجہ سے نکاح مکمل طور پر ختم ہو چکا ہے۔

سہ عورت اگر خون دیکھ لے تو اس کی عدت نئے سرے سے شروع ہوگی

(وَإِنْ كَانَتْ آيِسَةً فَاعْتَدَتْ بِالشَّهْرِ ثُمَّ رَأَتْ الدَّمَ انْقَضَ مَا مَضَى مِنْ عِدَّتِهَا وَعَلَيْهَا أَنْ تَسْتَأْذِنَ الْعِدَّةَ بِالْحَيْضِ) وَمَعْنَاهُ إِذَا رَأَتْ الدَّمَ عَنِ الْعَادَةِ لِأَنَّ عَوْدَهَا يُبْطِلُ الْإِيَّاسَ هُوَ الصَّحِيحُ، فَظَهَرَ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ خَلْفًا وَهَذَا لِأَنَّ شَرْطَ الْخَلْفِيَّةِ تَحَقُّقُ الْيَاسِ وَذَلِكَ بِاسْتِدْآمَةِ الْعُجْرِ إِلَى الْمَمَاتِ كَالْعِدَّةِ فِي حَقِّ الشَّيْخِ الْقَائِي (وَلَوْ حَاضَتْ حَيْضَتَيْنِ ثُمَّ آيَسَتْ تَعْتَدُ بِالشَّهْرِ) تَحَرُّزًا عَنِ الْجَمْعِ بَيْنَ الْبَدَلِ وَالْمُبْدَلِ .

ترجمہ

اور اگر طلاق یافتہ عورت آئسہ تھی اور اس نے مہینے کے اعتبار سے عدت گزار دی لیکن بعد میں خون جاری ہو گیا تو اس کی پہلی عدت کا عدم تصور ہوگی اور وہ نئے سرے سے حیض کے اعتبار سے اپنی عدت پوری کرے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے: جب وہ اپنی عدت کے مطابق خون دیکھے کیونکہ اس خون کا واپس آنا "ایاس" کو باطل قرار دیدے گا اور صحیح قول یہی ہے تو اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اس کا قائم مقام کوئی نہیں ہوگا اس کی وجہ یہ ہے قائم مقام ہونے کے لیے یہ بات شرط ہے کہ اصل سے واپس ہو چکی ہو



اور یہ ثبوت اسی وقت متحقق ہو سکتا ہے جب مرتے دم تک اسے دوبارہ حیض نہ آئے جیسا کہ شیخ فانی کے حق میں فدیہ کا حکم ہے۔ اگر کسی عورت کو دوسرے حیض آئے اور پھر وہ کہہ ہو گئی تو وہ مہینوں کے اعتبار سے بسر کرے گی تاکہ بدل اور مبدل کو اکٹھا کرنے سے بچا جاسکے۔

**دوران حمل جاری ہونے والے خون کی صورت میں عدت کا بیان**

حمل کے دوران میں مہبل سے خون جاری ہونے میں اہل علم کے ہاں چند تفصیلات پائی جاتی ہیں۔ احادیث مبارکہ میں مختلف حالات میں آپ اس صورت کے مطابق حکم جاری فرمادیتے تھے۔ بعد میں جملہ احادیث کو سامنے رکھ کر علمائے کرام اور ائمہ عظام نے جو احکام استنباط کیے ہیں ان کی تفصیل یوں ہے۔ علماء کرام کا ایک فریق حمل کے دوران میں مہبل سے جاری ہونے والے خون کو بھی حیض کا قائم مقام قرار دیتا ہے۔ اور حیض کے احکام مہنوں ترک نماز یہاں لاگو کرتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ یہی فرماتے ہیں۔ ان کی دلیل سورہ بقرہ کی یہ آیت ہے:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ (آیت 222)

وہ فرماتے ہیں کہ پوچھتے ہیں حیض کا کیا حکم ہے؟ کہہ دو وہ ایک گندگی (ناپاکی) کی حالت ہے (تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ) اس مدت میں عورتوں سے الگ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ۔

اس آیت مبارکہ میں مطلق حیض کا ذکر ہے، جو کسی وقت بھی خارج ہو سکتا ہے خواہ عورت جس سے ہو یا بغیر حمل کے۔ اسی طرح فاطمہ بنت ابی حمیش سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (إذا كان دم الحيضة فانه دم اسود يعرف) گریسلان رحم حیض کی وجہ سے ہوتا ایسا خون سیاہی مائل ہوتا ہے۔ (تجربہ کار عورتوں کی مدد سے) حیض والا خون بہ آسانی پہچانا جاتا ہے۔

آپ کے اس فرمان میں بھی کہیں تذکرہ نہیں ہے کہ سیلان رحم حمل کے ساتھ نہیں ہوتا۔ اسی طرح ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے پوچھا کہ حاملہ عورت کے خون جاری ہو جائے تو کیا وہ نماز پڑھتی رہے؟ اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا: (لا تصلی حتی يذهب عنها الدم) نہیں، جب تک خون جاری رہتا ہے عورت نماز نہ پڑھے۔

علاوہ ازیں ائمہ کرام کی یہ رائے اس اصول پر ہے کہ عام حالات میں بالغ عورت کا خون جب حیض کی طرح گاڑھا سیال یا مائل بدبودار ہو تو وہ حیض ہی سمجھا جائے گا جس طرح دودھ پلانے والی عورت کو حیض آ سکتا ہے، اسی طرح حاملہ کو بھی حیض آ سکتا ہے۔ جس طرح شریعت نے دودھ پلانے والی عورت کے حیض کے احکام الگ نہیں بنائے اسی طرح حمل کے حیض کے احکام بھی الگ سے بیان نہیں کیے گئے۔ بنابرین محولہ بالا دلیلوں کی بنیاد پر ان ائمہ کرام کے نزدیک حاملہ عورت کو حیض آ سکتا ہے اور جب کبھی جاری ہونے والے خون میں حیض والے خون سے مشابہت پائی جائے، وہ حیض کا خون سمجھا جائے گا اور ناپاکی کی حالت میں ہونے کی وجہ سے نماز ترک کی جائے گی۔

دوسری طرف حنابلہ اور احناف، حمل کے دوران جاری ہونے والے خون کو حیض سے الگ، سیلان رحم میں سے سمجھتے ہیں۔ اس

رائے کے مطابق حاملہ عورت بدستور تمام نمازوں کی پابند رہے گی۔ صحابہ میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ثوبان رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب تھا۔ تابعین کی اکثریت کا بھی یہی قول ہے کہ حاملہ عورت کے جاری ہونے والا خون حیض نہیں ہوتا۔

جن تابعین سے یہ قول ثابت ہے وہ ہیں: سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ، عطاء رضی اللہ عنہ، حسن رضی اللہ عنہ، جابر بن زید رضی اللہ عنہ، عکرمہ رضی اللہ عنہ، محمد بن منکر رضی اللہ عنہ، شعبی رضی اللہ عنہ، کحول رضی اللہ عنہ، حماد رضی اللہ عنہ، ثوری رضی اللہ عنہ، اوزاعی رضی اللہ عنہ، ابو ثور رضی اللہ عنہ، سیمان بن یسار رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہ۔

یہ رائے شریعت کی درج ذیل دلیلوں سے ماخوذ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا توطأ حامل حتى تضع ولا غیر ذات حمل حتى تحيض حیضہ

حاملہ عورت سے اس وقت تک (نکاح کر کے) ہم بستری نہیں کی جائے گی جب تک وضع حمل نہ ہو جائے اور غیر حاملہ سے ہم بستری کیلئے ضروری ہے کہ (اُسے کم از کم) ایک حیض آ گیا ہو۔

اس حدیث میں حاملہ اور غیر حاملہ کی عدت میں تفریق کی گئی ہے۔ حمل والی عورت کی عدت وضع حمل تک ہے اگر اُسے حمل نہ ہو تو پھر اعتبار حیض کا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حمل والی عورت کو حیض نہیں آتا۔

اسی طرح ایک صحابی نے اپنی بیوی کو ایام حیض میں طلاق دے دی۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہدایت دے کر بھیجی کہ اُس سے کہو کہ اپنی بیوی سے رجوع کر لے اور اُس کے بعد اُسے اختیار ہے کہ زوجیت میں لینے کے بعد اُسے حالت حمل میں یا پھر ایام حیض کے علاوہ پاک حالت میں، چاہے تو طلاق دے دے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارکہ سے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ حمل کا ٹھہرنا ایسے ہے جیسے حیض کے بعد عورت کا پاک ہونا، کیونکہ ان دونوں حالتوں میں طلاق دینے (اگر دینی ہو) کو شریعت نے ردوار کھا ہے۔ جس طرح سورہ طلاق میں اللہ تعالیٰ طلاق دینے کیلئے عورت کی (جسمانی) طبی حالت کا اعتبار کرتا ہے کہ فطلقوهن لعدتهن (عورتوں کو) ان کی (مقررہ) عدت کیلئے طلاق دیا کرو۔

اس آیت مبارکہ سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے عورتوں کی دو حالتیں مراد لی ہیں: ایک حیض سے پاک ہو کر بھلی چنگی ہو گئی ہو یا پھر وہ عورت حمل سے ہو، یعنی ایام حیض میں طلاق ناپسندیدہ ہے۔ اگر حمل کے دنوں میں بھی شریعت میں حیض کا اعتبار ہوتا تو پھر آپ یہ نہ فرماتے کہ: بیطلقها طاهرا و حاملا

**پاکی یا حمل کی حالت میں طلاق کی اہانت کا بیان**

جہاں تک حمل میں حیض کے اعتبار کیسے فریق اول فاطمہ بنت ابی حمیش کی حدیث کو بنیاد بناتے ہیں، تو اس حدیث سے حمل کے دنوں میں حیض کا آنا ثابت نہیں ہوتا، اس بنا پر کہ فریق اول بھی حیض کے خون اور سیلان رحم کے خون کی رنگت اور صفات میں فرق

کا قائل ہے۔ سیلان رحم میں خون کا رنگ شوخ اور سرخ ہوتا ہے، کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ سیلان رحم میں حیض والی رنگت پائی جائے اور حیض کا خون رقیق (پتلا) ہو کر سیلان رحم والے خون کے مشابہ ہو جائے۔ شریعت کا مقصد اس حدیث سے معمول کے حالات میں ہر دو قسم کے خون کی رنگت میں فرق بتا کر، م حادثات میں حیض یا سیلان رحم میں سے ایک کو پہچان کر اس کے مطابق پاک ہونے یا صحت عدم پاک کا حکم لگانا ہے۔ جب خون کا جاری رہنا معمول سے ہٹ کر ہو تو پھر تمام اہل علم محض خون کی رنگ سے حکم مستنبط نہیں کرتے بلکہ شریعت کے دوسرے احکام و طبی حاست کو سامنے رکھ کر حکم لگاتے ہیں۔ مثلاً کے طور پر فریق اول کے ائمہ کرام میں سے اہل مشافعی رحمۃ اللہ علیہ معمول کے حالات میں تبدیلی کی وجہ سے دوسرے ذرائع پر اعتقاد کرتے ہیں اور فرہ تے ہیں کہ اگر رحم سے خون نکلنے کی مدت ایک دن رات سے کم ہو تو وہ حیض نہیں سمجھا جائے گا۔ (اس مختصر دورانیے میں حیض سمجھ کر جو نمازیں چھوڑ دیں گئیں تھیں عورت ان کی قضا دے گی) آیام کے مختصر ہونے کی وجہ سے خون کے رنگ پر اعتقاد نہیں کیا گیا خواہ وہ سیاہی مائل بدبودار ہی کیوں نہ ہو۔ مدت کے کم ہونے سے حالات معمول پر نہیں رہے، اس لئے شرعی حکم کیلئے دوسرے ذرائع پر اعتقاد کرنا پڑا اسی طرح شافعیہ کے نزدیک اگر ہوا ری کی مدت پندرہ دنوں سے اوپر ہو جاتی ہے تو وہ اس مدت کے بعد جاری رہنے والے خون پر بھی حیض کا حکم نہیں لگاتے کیونکہ اتنی بڑی مدت ان کے ہاں حیض کیلئے معتاد (معموم کی) نہیں سمجھی گئی۔

بتا بریں غیر معمولی حالات کے پیدا ہونے سے خون کی صفات کا اعتبار فریق اول کے نزدیک بھی نہیں رہتا تو اس سے ثابت ہوا کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حمیش والی حدیث معمول کے حالات میں تو دلیل ہے لیکن ہر حالات میں جبکہ حیض کی مدت گھٹ کر ایک دن رات سے کم ہو جائے یا بڑھ کر دوسرے چند دوڑے میں چلی جائے، مذکورہ بالا حدیث معمول کے آیام کیلئے آپ نے ارشاد فرمائی تھی۔ اس حدیث کا حمل یا جس کے بغیر کی (جسمانی) طبی حالت سے تعلق نہیں ہے۔

جدید طبی آلات سے جو تجربات ہوئے ہیں اور جو نتائج سامنے آئے ہیں ان کی رو سے اہل علم کے ہاں یہی بات تسلیم کی گئی ہے۔ عام طور پر ایک ہزار حاملہ عورتوں میں سے پانچ ایسی ہوتی ہیں کہ جنہیں حمل کے پہلے ماہ میں معمولی قسم کا خون آتا ہے جو حیض سے مشابہ ہوتا ہے لیکن دنیا بھر کے اطباء اس قسم کے خون کو حیض نہیں کہتے۔ عورت کے رحم سے جاری ہونے والے خون کے متعدد اسباب ہوتے ہیں۔

(الف) عورت کے رحم میں طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں جو بسا اوقات خون کے اخراج کا سبب بن جاتی ہیں۔  
(ب) حمل کا معتاد جگہ کی بجائے رحم سے باہر ٹھہرنا۔ ایسا حمل جان لیوا ہوتا ہے وپہیٹ کے درد اور ہڈ پریشی میں شدید کمی کی وجہ سے رحم سے خون کا اخراج شروع ہو جاتا ہے اور عام طور پر ایسی حالت میں فوراً جراثیم کی جاتی ہے۔

(ج) حمل کی دوسری پیچیدہ حالتوں میں بھی عورت کے رحم سے خون جاری ہو سکتا ہے۔ بتا بریں حمل کی حالت میں جاری ہونے والے خون کو محض ظاہری مشابہت کی وجہ سے حیض نہیں کہا جاسکتا۔

فریق اول کی دوسری دلیل: (ن المواء اذا دلت الدم انها لا تصلى)

بھی حمل کے باب میں بیان نہیں کی جاسکتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث کی راوی ہیں اور آپ رضی اللہ عنہا کا فتویٰ بھی تھا کہ حمل میں جاری ہونے والا خون حیض نہیں ہوتا۔ یہ درست ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق رحم سے ایک قسم کا خون جاری ہونے کی صورت میں ترک صلوٰۃ کا حکم دیتی تھیں لیکن عورت کے ترک صلوٰۃ کا سبب ہمیشہ حیض نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حاملہ کے جاری ہونے والے خون کو قبل از وقت نفاس کا خون سمجھتی ہوں۔ کوئی ایسا سبب ان کے نزدیک ضرور رہا ہے جس کی وجہ سے وہ حاملہ عورت کے جسم سے جاری ہونے والے خون کو حیض نہیں سمجھتی تھیں۔ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے المغنی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اور ان کے فتوے میں تطبیق کی ایک توجیہ اس طرح کی ہے کہ ولادت کے قریب جاری ہونے والے خون کو اہل علم نفاس میں شمار کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حالات حمل میں خون جاری ہونے میں نماز چھوڑنے کا قول نفاس پر محمول کیا جائے گا۔

فریقین کی آراء پیش کرنے کے بعد راجع قول یہ ہے کہ حالت حمل میں رحم سے جاری ہونے والا خون، حیض کا حکم نہیں رکھتا۔ جی اصطلاح میں ایسے خون کو دم کا ذب (جھوٹا خون) کہا جاتا ہے۔ عورت کے رحم سے خارج ہونے والے خون کے متعدد اسباب ہوتے ہیں۔ حیض کی مشابہت ہمیشہ حیض کا حکم نہیں رکھتی۔ اس بات پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔ آیام حمل میں رحم سے جاری ہونے والا خون جب حیض میں شمار نہیں ہوگا تو عورت ٹھہر (پاک) کی حالت میں ہے۔ بتا بریں وہ تمام نمازیں اپنے وقت پر ادا کرے گی جب تک کوئی اور ایسا سبب نہ ہو جو دوسرے حکم کا تقاضی ہو۔

فاسد نکاح کی منکوحہ یا موطوءہ بہ شبہ کی عدت کا حکم

(وَالْمَسْكُوحَةُ نِكَاحًا فَاسِدًا وَالْمَوْطُوءَةُ بِشُبْهَةِ عِدَّتَيْهِمَا الْحَيْضُ فِي الْفَرْقَةِ وَالْمَوْتُ لِأَنَّهَا لَتَعْرِفَ عَنْ بَرَاءَةِ الرَّجِيمِ لَا لِقَضَاءِ حَقِّ النِّكَاحِ، وَالْحَيْضُ هُوَ الْمَعْرِفُ (وَأَذَا مَاتَ مَوْلَى أُمِّ الْوَلَدِ عَنْهَا أَوْ اغْتَقَلَهَا فَعِدَّتُهَا ثَلَاثٌ حَيْضٌ).

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: حَيْضَةٌ وَاحِدَةٌ) لِأَنَّهَا تَجِبُ بِزَوَالِ مِلْكِ الْيَمِينِ فَشَابَهَتْ الْإِسْتِبْرَاءَ وَنَسَا أَنَّهَا وَجَبَتْ بِزَوَالِ الْإِمْرَاشِ فَاشْتَبَهَ عِدَّةَ النِّكَاحِ ثُمَّ إِمَامُنَا فِيهِ عُمَرُ فَإِنَّهُ قَالَ: عِدَّةُ أُمِّ الْوَلَدِ ثَلَاثٌ حَيْضٌ (۱) (وَلَوْ كَانَتْ مِمَّنْ لَا تَحْيِضُ فَعِدَّتُهَا ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ) كَمَا فِي النِّكَاحِ.

ترجمہ

نکاح فاسد کے نتیجے میں بننے والی منکوحہ اور شبہ کی وجہ سے جس عورت کے ساتھ دلی کی گئی ہو ان دونوں کی عدت علیحدگی اور موت دونوں صورتوں میں حیض کے اعتبار سے ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اس لئے ہے تاکہ رحم کا بری ہونا جانا جاسکے یہ اس وجہ سے

نہیں ہے کہ نکاح کے حق کو ختم کیا جائے اور یہ معرفت حیض کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے۔ جب ام ولد کا آقا طلاق کر جائے تو اسے آزاد کر دے تو ام ولد کی عدت تین حیض ہوگی۔ امام شافعی فرماتے ہیں۔ اس کی عدت صرف ایک حیض ہوگی، کیونکہ یہ عدت ملک یمن کے زائل ہونے کی وجہ سے لازم ہوئی ہے اس لیے یہ استبراء کی مانند ہو جائے گی۔ ہماری دلیل یہ ہے ام ولد کی عدت کو اس لیے واجب قرار دیا گیا ہے کہ وہ اب فراموش نہیں رہی اس لیے یہ عدت نکاح کے مشابہ ہوگی۔ نیز اس بارے میں ہمارے پیشوا حضرت عمر ہیں جن کا یہ ارشاد ہے۔ ”ام ولد کی عدت تین حیض ہوگی“۔ اگر ام ولد ایسی عورت ہو جسے حیض نہیں آتا تو اس کی عدت تین ماہ ہوگی جیسا کہ نکاح میں ہوتا ہے۔

شرح

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب س نے اپنی عورت مطلقہ سے عدت میں نکاح کیا اور قبل طلاق دیدی تو پورا مہر واجب ہوگا ورنہ سے عدت پیچھے۔ یا نہیں اگر پہلا نکاح فاسد تھا اور دخول کے بعد تفریق ہوئی اور عدت کے اندر نکاح صحیح کر کے طلاق دیدی یا دخول کے بعد کفو نہ ہونے کی وجہ سے تفریق ہوئی پھر نکاح کر کے طلاق دیدی یا نافذ سے نکاح کر کے طلاق دیدی پھر طلاق دی اور عدت کے اندر نکاح کیا اب وہ لڑکی نافذ ہوئی اور اپنے نفس کو اختیار کیا یا نافذ سے نکاح کر کے طلاق دیدی پھر لڑکی نے نافذ ہو کر اپنے کو اختیار کیا اور عدت کے اندر پھر اس سے نکاح کیا اور قبل دخول طلاق دیدی ان سب صورتوں میں دوسرے نکاح کا پورا مہر و طلاق کے بعد عدت واجب ہے، اگرچہ دوسرے نکاح کے بعد طلاق نہیں ہوئی کہ نکاح اول کی طلاق ثانی میں بھی طلاق قرار دی جائیگی۔ بچہ پیدا ہونے کے بعد عورت کو طلاق دی تو جب تک اسے تین حیض نہ آئیں دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی یا اس ایسا کو پہنچ کر مہینوں سے عدت پوری کرے اگرچہ بچہ پیدا ہونے سے قبل اسے تین حیض نہ آیا ہو۔ (در مختار، کتاب طلاق، باب عدت)

ام ولد کی تین حیض عدت کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کسی عورت کے ساتھ فاسد نکاح کیا گیا ہو یا اس کے ساتھ شہ کی وجہ سے صحبت کرنی گئی ہو تو ان دونوں کی عدت حیض کے اعتبار سے ہوگی۔ خواہ اس عورت کی مرد سے علیحدگی ہوئی ہو یا مرد کا انتقال ہو گیا ہو اس کی وجہ یہ ہے: اس عدت کو نکاح کے حق کی ادائیگی کے لئے مقرر نہیں کیا گیا بلکہ یہ جاننے کے لئے مقرر کیا گیا ہے کہ رحم میں نطفہ موجود ہے یا نہیں۔ اور یہ واقعیت حیض کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر ام ولد کے آقا کا انتقال ہو جائے یا وہ آقا اس ام ولد کو آزاد کر دے تو اس کی عدت تین حیض ہوگی۔

اس بارے میں امام شافعی کی رائے مختلف ہے وہ یہ فرماتے ہیں: اس کی عدت ایک حیض ہوگی اس کی دلیل انہوں نے یہ پیش کی ہے۔ یہ عدت ملک یمن کے زائل ہونے کی وجہ سے واجب ہوئی ہے لہذا یہ استبراء کے مشابہ ہو جائے گی اور استبراء

ایک حیض کے ذریعے ہوتا ہے۔ احناف اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں اس عورت کی عدت فراموش زائل ہونی کی وجہ سے واجب ہوئی ہے اس لیے یہ نکاح کی عدت کے مشابہ ہوگی اور وہ تین حیض ہے۔ اس کے بعد مصنف نے اپنے موقف کی تائید میں نقلی دلیل پیش کی ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ ”ام ولد کی عدت تین حیض ہوتی ہے“۔ اگر اس ام ولد کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین مہینے ہوگی جیسا کہ نکاح کے بارے میں بھی حکم ہے۔

(۱) أخرجه ابن أبي شيبة في "المصنف" أن عمرو بن العاص أمر أم ولد أعتقت أن تعتد ثلاث حيض، وكذا تب إلى عمر فكتب بحس رايه، وأخرج عن علي و ابن مسعود نحوه، فمن مات عنها سبعا انظر "نصب الرأية" ۲/۲۵۸ و "الدرار" ۲/۷۸-۷۹۔

نابالغ شخص کی حاملہ بیوہ کی عدت کا حکم

(وَأَذَا مَاتَ الصَّغِيرُ عَنْ أَمْرٍ آتٍ وَبِهَا حَبْلٌ فَعِدَّتُهَا أَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: عِدَّتُهَا أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرٍ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِأَنَّ الْحَمْلَ لَيْسَ بِقَابِلٍ النَّسَبِ مِنْهُ لِقَارِئَةِ الْحَادِثِ بَعْدَ الْمَوْتِ. وَلَهُمَا إِطْلَاقُ قَوْلِهِ تَعَالَى (وَأُولَاتِ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ) وَلِأَنَّهَا مُقَدَّرَةٌ بِمُدَّةٍ وَضَعِ الْحَمْلُ فِي أُولَاتِ الْأَحْمَالِ قُصِّرَتِ الْمُدَّةُ أَوْ طَالَتْ لَا لِلسَّمْعِ عَنْ فَرَاغِ الرَّحِمِ لِشَرِّعِهَا بِأَلَا شَهْرٍ مَعَ وَجُودِ الْأَقْرَاءِ، لَكِنْ لِقَضَاءِ حَقِّ النِّكَاحِ، وَهَذَا الْمَعْنَى يَتَحَقَّقُ فِي الصَّبِيِّ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ الْحَمْلُ مِنْهُ، بِخِلَافِ الْحَمْلِ الْحَادِثِ لِأَنَّهُ وَجَبَتْ الْعِدَّةُ بِالشَّهْرِ فَلَا تَتَغَيَّرُ بِخُلُوثِ الْحَمْلِ، وَلَيْمَّا نَحْنُ فِيهِ كَمَا رَجَبَتْ وَجَبَتْ مُقَدَّرَةٌ بِمُدَّةِ الْحَمْلِ فَافْتَرَقَا.

ترجمہ

در جب کوئی نابالغ لڑکا اپنی بیوی کو چھوڑ کر فوت ہو جائے جو حاملہ ہو تو طرفین کے نزدیک اس کی عدت وضع حمل ہوگی۔ امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں: اس کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی۔ امام شافعی بھی اسی بات کے قائل ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ اس حمل کی نسبت نابالغ کے ساتھ ثابت نہیں ہے تو یہ اسی طرح ہوگا جیسے اس نابالغ کے انتقال کے بعد وہ عورت حاملہ ہوئی ہو۔ طرفین کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ”حمل والی عورتوں کی عدت کی حد وضع حمل ہے“۔ یہ حکم مطلق ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے خواہ یہ مدت کم ہو یا زیادہ ہو اور یہ اس لیے نہیں ہوتی کہ رحم کا حمل سے خالی ہونا معلوم کیا جائے کیونکہ مہینوں کے اعتبار سے عدت دفات اس عورت کے لئے مشروط ہے جس کو حیض آیا کرتا ہے بلکہ یہ عدت نکاح کے حق کی

دینگ کے سنے اور نکاح کے حق کی ادائیگی نابالغ کی صورت میں بھی پائی جاتی ہے۔ اگرچہ حمل اس کے نطفے سے نہیں بھی ہے۔ تاہم اس حمل کی صورت اس سے قطعاً مختلف ہے جو وفات کے بعد رونہ ہوتا ہے کیونکہ اس سے پہلے مہینوں کے اعتبار سے عدت واجب ہو چکی تھی لہذا بعد میں حمل سامنے آنے کے نتیجے میں یہ تبدیل نہیں ہوگی جبکہ یہاں عدت آغاز ہی سے حمل کی عدت کے ساتھ ہوئی ہے تو اس کا اختتام بھی وضع حمل کے ساتھ ہی ہوگا اس لیے دونوں مسکوں کے درمیان فرق ہوگا۔

شرح

علامہ بی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر بارہ برس سے کم عمر والے کا انتقال ہوا اور اس کی عورت کے چھ مہینے سے کم کے اندر بچہ پیدا ہوا تو عدت وضع حمل ہے اور چھ مہینے یا زائد میں ہوا تو چھ مہینے دس دن اور نسب بہر جاں ثابت نہ ہوگا۔ اور اگر شوہر مرا ہوا ہو تو دونوں صورت میں وضع حمل سے عدت پوری ہوگی اور بچہ ثابت النسب ہے۔ اور جو شخص شخص تھا اس کا انتقال ہوا اور اس کی عورت حاملہ ہے یا مرنے کے بعد حاملہ ہونا معلوم ہوا تو عدت وضع حمل ہے اور بچہ ثابت النسب ہے۔

(جو ہرہ تیرہ باب عدت)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ اگر کوئی نابالغ لڑکا فوت ہو جائے اور اس کی بیوی حاملہ ہو تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس عورت کی عدت وضع حمل ہوگی۔

امام ابو یوسف کی رائے مختلف ہے وہ یہ فرماتے ہیں۔ اس عورت کی عدت بیوہ ہونے کے حوالے سے چار ماہ دس دن ہوگی امام شافعی بھی اس بات کے قائل ہیں۔

امام ابو یوسف اپنے موقف کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کیونکہ اس عورت کا مرحوم شوہر نابالغ تھا اور نابالغ لڑکا بچے کی پیدائش کا سبب نہیں بن سکتا اس لئے اس عورت کے ہاں پیدا ہونے والے بچے کا نسب اس عورت کے مرحوم نابالغ شوہر سے ثابت نہیں ہوگا۔ لہذا یہ اسی طرح ہو جائے گا جیسے اس نابالغ لڑکے کی وفات کے بعد حمل ٹھہرا ہو۔

امام ابو حنیفہ و امام محمد نے اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مطلق ہے۔ ”حاملہ عورتوں کی عدت (کا اختتام) بچے کو جنم دینا ہے۔“ ان حضرات نے دوسری دلیل یہ پیش کی ہے: حمل والی عورتوں میں عدت کی مدت وضع حمل ہے۔ خواہ یہ عدت تھوڑی ہو یا زیادہ ہو یہ اس سے نہیں ہے کہ اس بات کا پتہ چل جائے۔ کہ رحم میں کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ کیونکہ مہینے کے اعتبار سے بیوگی کی عدت گزارنے کا حکم اس عورت کے لیے ہے جسے حیض آتا ہو جبکہ یہاں بیوگی کی عدت نکاح کے حق کی ادائیگی کے لئے ہے اور یہ صورت اس وقت بھی پائی جائے گی جب عورت کا مرحوم شوہر نابالغ ہو، اگرچہ عورت کا حمل اس مرحوم کے نطفے سے نہ ہو۔

جبکہ شوہر کی وفات کے بعد عورت کے حاملہ ہونے کا حکم اس سے مختلف ہے کیونکہ اس کے حاملہ ہونے سے پہلے اس

پر مہینوں کے اعتبار سے بیوگی کی عدت گزارنا لازم ہو چکا ہے اس لئے بعد میں وہ حاملہ ہو بھی جاتی ہے تو اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: ہمارے زیر بحث مسئلے میں عدت کے آغاز کے وقت عورت حاملہ تھی۔ اس لیے اس کا اختتام وضع حمل کے ساتھ ہوگا۔ لہذا دونوں مسئلوں میں فرق واضح ہو جائے گا۔

شوہر کی وفات کے بعد بڑی عمر کی بیوہ کے حاملہ ہونے کا حکم

وَلَا يَلْزَمُ امْرَأَةَ الْكَبِيرِ إِذَا حَدَّثَ لَهَا الْحَبْلُ بَعْدَ الْمَوْتِ لِأَنَّ النَّسَبَ يَثْبُتُ مِنْهُ  
فَكَانَ كَالْقَائِمِ عِنْدَ الْمَوْتِ حُكْمًا (وَلَا يَثْبُتُ نَسَبُ الْوَلَدِ فِي الْوَجْهَيْنِ) لِأَنَّ  
الصَّبِيَّ لَا مَاءَ لَهُ فَلَا يَنْصَوِّرُ مِنْهُ الْعُقُوقُ، وَالْيَكَا حُ يَقُومُ مَقَامَهُ فِي مَوْضِعِ النَّصَوْرِ

ترجمہ

اور اس اصول کے پیش نظر بالغ شخص کی بیوی کا اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کہ جب اس کا بالغ شوہر انتقال کر جائے اور حمل بعد میں ظاہر ہو کیونکہ یہاں حمل کا نسب اس بالغ شخص کے ساتھ ثابت ہوگا تو گویا وہ حمل موت کے وقت میں ہی موجود تھا دونوں صورتوں میں بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا کیونکہ نابالغ بچے میں تو ابھی نطفہ کا وجود ہی نہیں تھا لہذا حمل کو اس کی طرف منسوب کرنا ممکن نہیں ہے اور نکاح کو صحبت کے قائم مقام وہاں کیا جاتا ہے جہاں صحبت کا امکان ہو سکے۔

شرح

حضرت ابودرداء کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے قریب سے گزرے جس کے جدی وراثت ہوئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارہ میں دریافت فرمایا کہ یہ کوئی آزاد عورت ہے یا لونڈی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ فلاں شخص کی لونڈی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا وہ شخص اس سے صحبت کرتا ہے صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ارادہ کیا کہ اس شخص پر ایسی لعنت کروں جو اس کے ساتھ قبر میں بھی جائے یعنی ایسی لعنت جو ہمیشہ رہے۔ میں طور کہ اس کا اثر اس کے مرنے کے بعد باقی رہے وہ کس طرح اپنے بیٹے سے خدمت کو بہا جب کہ بیٹے سے خدمت کے لیے کہن یا اس کو غلام بنانا حلال نہیں ہے یا اسکو کس طرح اپنا وارث قرار دے گا جب کہ غیر کے بیٹے کو اپنا وارث بنانا حلال نہیں ہے۔

(مسلم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر لعنت کا ارادہ اس لئے فرمایا کہ جب اس نے ایک لونڈی سے جماع کیا جو حالت صل میں اس کی ملکیت میں آئی تو اس استبراء کو ترک کیا حالانکہ وہ فرض ہے وہ کس طرح اپنے بیٹے سے خدمت کو کہے گا اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کے ذریعہ ترک استبراء پر لعنت کے سبب کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ حج کا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی



شخص اپنی لونڈی سے بغیر استبراء کے صحبت کرگا اور پھر اس سے بچہ پیدا ہوگا تو اس بچہ کے بارہ میں یا یہ احتمال ہوگا کہ وہ اس شخص کے نطفہ سے جس کی ملکیت سے نکل کر یہ لونڈی بغیر استبراء کے صحبت کر نیوالے کی ملکیت میں آئی ہے ت اس صورت میں اگر وہ شخص کہ جس نے بغیر استبراء کے اس لونڈی سے جماع کیا ہے اس بچہ کے نسب کا اقرار کرے گا یعنی یہ کہے گا کہ یہ بچہ میرا ہے جب کہ حقیقت میں وہ اس کے نطفہ سے نہیں ہے تو وہ بچہ اس شخص کا وارث ہوگا لہذا اس طرح ایک دوسرے شخص کے بچہ کا اثنا وارث بنانا لازم نہ ہوگا جو مرہ ہے اور اس پر وہ لعنت کا مستحق ہوگا یا پھر یہ صورت ہوگی کہ وہ اس بچہ کے نسب سے انکار کر دے گا جب کہ اس احتمال کے مطابق حقیقت میں وہ بچہ اس کا بیٹا ہوگا لہذا اس طرح اپنے ہی بیٹے سے غلامی کرانا اور اپنا نسب منقطع کرنا لازم آئے گا اور یہ بھی لعنت کو مستحق کر نیوالی صورت ہے لہذا اثبات ہوا کہ تحقیق حال کے لئے استبراء نہایت ضروری ہے۔

اس اصول کے پیش نظر یہ اعتراض بھی وارد نہیں ہوگا، اگر بالغ شوہر کا انتقال ہوا ہو اور حمل بعد میں ظاہر ہوا ہو تو اس کی وجہ یہی ہے حمل کی نسبت اس بالغ شخص کی طرف ہوگی، اور یہ اس بات کی دلیل ہوگی، اس کے انتقال کے وقت وہ حمل موجود تھا۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے، دونوں صورتوں میں بھی اس نابالغ کے انتقال کے وقت حمل موجود ہو یا موجود نہ ہو، اس حمل کا نسب اس نابالغ مرحوم سے ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ وہ نابالغ مرحوم باپ بننے کے قابل ہی نہیں ہوا تھا۔ اس لئے اس کی طرف حمل کی نسبت کا امکان نہیں پایا جاسکتا جبکہ نکاح کو صحبت کا قائم مقام وہاں قرار دیا جاسکتا ہے۔ جہاں صحبت کا امکان موجود ہو۔

جس حیض میں عورت کو طلاق ہوئی وہ عدت میں شامل نہیں ہوگا

(وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فِي حَالِ الْحَيْضِ لَمْ تَعُدَّ بِالْحَيْضَةِ الَّتِي وَقَعَ فِيهَا الطَّلَاقُ) لِأَنَّ الْعِدَّةَ مُقَدَّرَةٌ، بِثَلَاثِ حَيْضٍ كَوَامِلٍ فَلَا يَنْقُصُ عَنْهَا.

ترجمہ

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دیدے تو جس حیض کے دوران طلاق دی گئی ہے وہ عدت میں شمار نہیں ہوگا، کیونکہ عدت تین مکمل حیضوں کے ذریعے پوری ہوتی ہے اس لیے اس میں کسی حیض کی کمی نہیں کی جاسکتی۔

شرح

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ اگر شوہر بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دیدیتا ہے تو جس حیض کے دوران طلاق دی گئی ہے وہ عدت میں شامل نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ مصنف نے یہ بیان کی ہے: عدت تین مکمل حیض ہے، اور جس حیض میں طلاق دی گئی ہے، کیونکہ اس کا کچھ حصہ گزر چکا ہے اس لئے سے عدت میں شامل کرنے کے نتیجے میں عدت کے تین مکمل حیض نہیں ہوں گے۔

حیاض خلاشہ کو اطہار خلاشہ پر قیاس نہ کرنے کا فقہی بیان

احناف کے اس موقف پر بعض شوافع و لکھنے کی طرف یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ جس طرح آپ نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ لفظ قرء کا ترجمہ حیض کریں تو تین کا عدد پورا ہوتا ہے۔ جبکہ طہر معنی کرنے میں خلاشہ کا خاص مکمل نہیں ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد یہ دلیل دینا کہ جس حیض میں طلاق دی گئی تو وہ حیض عدت میں شمار نہ ہوگا اور اگر اسی طرح جس طہر میں طلاق دی گئی اس کو بھی شمار نہ کریں تو تین اطہار بھی پورے ہو جائیں گے اور احناف کا دلیل خاص کا حل بھی ہو جائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ طہر میں طلاق دینا یہ حکم شرعی کے مطابق مشروع ہے جبکہ حیض میں طلاق دینا یہ شریعت کے مطابق مشروع نہیں ہے البتہ واقع ہو جاتی ہے۔ اور طہر میں طلاق یہ اس کا اصلی طریقہ کار ہے جبکہ حیض میں طلاق دینا غیر شرعی طریقہ ہے۔ ہذا یہ حکم رض کے ہوا تو اس کے عارضی ہونے کے سبب ہم نے اس اصلی حکم یعنی طہر میں طلاق دینے پر قیاس نہ کیا۔ کیونکہ عارضی و اصل میں جب اشتراک علت نہ ہو تو قیاس نہ کیا جائے گا۔

دو عدتوں میں تذاتل کا فقہی بیان

(وَإِذَا وَطِئْتُ الْمُسْتَعْدَّةَ بِشُبْهَةِ فَعَلَيْهَا عِدَّةٌ أُخْرَى وَتَدَاخَلَتِ الْعِدَّتَانِ، وَيَكُونُ مَا تَرَاهُ الْمَرْأَةُ مِنَ الْحَيْضِ مُحْتَسَبًا مِنْهُمَا جَمِيعًا، وَإِذَا انْقَضَتِ الْعِدَّةُ الْأُولَى وَلَمْ تَكْمُلِ الثَّانِيَةَ فَعَلَيْهَا تَمَامُ الْعِدَّةِ الثَّانِيَةِ) وَهَذَا عِنْدَنَا. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا تَتَدَاخَلَانِ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ الْعِبَادَةُ فَإِنَّهَا عِبَادَةٌ كَفَّ عَنِ النِّزَاجِ وَالْحُرُوجِ فَلَا تَتَدَاخَلَانِ كَالصَّوْمَيْنِ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ وَلَسْنَا أَنَّ الْمَقْصُودَ التَّعَرُّفُ عَنْ فِرَاحِ الرَّجِيمِ وَقَدْ حَصَلَ بِالْوَاحِدَةِ فَتَدَاخَلَانِ، وَمَعْنَى الْعِبَادَةِ تَابِعٌ، أَلَا تَرَى أَنَّهَا تَنْقُضِي بِلُؤْنِ عِلْمِهَا وَمَعَ تَرْكِهَا الْكُفَّ (وَالْمُسْتَعْدَّةُ عَنْ وَقَاةٍ إِذَا وَطِئْتُ بِشُبْهَةٍ نَعْتَدُ بِالشُّهُورِ وَتَحْتَسِبُ بِمَا تَرَاهُ مِنَ الْحَيْضِ فِيهَا) تَحْقِيقًا لِلتَّذَاتُلِ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ.

ترجمہ

اور جب عدت گزارنے والی عورت کے ساتھ شبہ کی وجہ سے صحبت کرنی جائے تو اس عورت پر دوسری عدت گزارنا لازم ہوگا اور یہ دونوں عدتیں ساتھ ساتھ شمار ہوں گی۔ اس کی صورت یہ ہوگی، اس کے بعد اس عورت کو جو حیض آئے گا وہ دونوں عدتوں میں شمار ہوگا جب پہلی عدت مکمل ہو جائے گی تو عورت پر دوسری عدت کی ادائیگی لازم ہوگی یہ حکم احناف کے نزدیک ہے۔ امام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے: وہ دونوں عدتیں ایک دوسرے کے اندر داخل نہیں ہو سکتی ہیں، کیونکہ عدت کا مقصد عورت اور اللہ تعالیٰ کے

احکام کی تکمیل ہے اور یہ حکم ہے کہ عورت اپنے آپ کو دوسرا نکاح کرنے یا گھر سے باہر نکلنے سے روکے تو دو عبادات ایک ساتھ ادا نہیں کی جا سکتی جیسا کہ یک ہی دن میں دو روزے نہیں رکھے جاسکتے۔ ہماری دلیل یہ ہے، عدت کا اصل مقصد یہ ہے یہ پتہ چل سکے کہ رحم حمل سے خالی ہے اور اس بات کا علم ایک عدت کے ذریعے حاصل ہو جاتا ہے لہذا دوسری عدت کو بھی اس کے ساتھ ہی شمار کیا جائے گا اور اس مسئلے میں عبادت کا پہلو عدت کے بنیادی مقصد کے تابع ہوگا۔ کیا آپ نے اس بات پر غور نہیں کیا؟ عورت کے عہم اور اپنے آپ کو روکے بغیر بھی عدت گزر جاتی ہے۔ اگر وفات کی عدت بسر کرنے والی عورت کے ساتھ شبہ کی وجہ سے صحبت کر لی جائے تو وہ مہینوں کے اعتبار سے ہی اپنی عدت پوری کرے گی اور اس دوران جو حیض آئے گا وہ دوسری عدت میں شمار ہوگا تا کہ ممکنہ حد تک دونوں عدتوں کو ایک ساتھ شمار کیا جاسکے۔

### دو عدتوں میں مداخلت وعدم مداخلت کا فقہی بیان

حضرت سیمن ابن یاسر کہتے ہیں کہ احوص نے ملک شام میں اس وقت وفات پائی جب کہ ان کی بیوی کا تیسرا حیض شروع ہو چکا تھا اور احوص نے اپنے مرنے سے پہلے ان کو طلاق دیدی تھی چنانچہ حضرت معاویہ ابن بوسفیان نے اس مسئلہ کو دریافت کرنے کے لئے حضرت زید ابن ثابت کو خط لکھا، حضرت زید نے حضرت معاویہ کو جواب میں لکھا کہ جب اس عورت کا تیسرا حیض شروع ہو گیا تو وہ حوص سے الگ ہوگئی اور احوص اس سے الگ ہو گئے نہ تو احوص اس کے وارث ہوئے ورنہ وہ احوص کی وارث ہوئی۔

(مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 528 مؤطا امام مالک)

صورت مسئلہ یہ تھی کہ حضرت احوص نے اپنی بیوی کو طلاق دی ورنہ تین حیض آنے تک کے لئے عدت میں بیٹھ گئیں جیسا کہ طلاق کی عدت کا حکم ہے پھر ابھی ان کی عدت پوری نہیں ہوئی تھی اور تیسرا حیض شروع ہوا تھا کہ حوص کا انتقال ہو گیا اس صورت میں انہیں چار مہینے دس دن تک وفات کی عدت میں بیٹھنا چاہئے تھا چنانچہ حضرت معاویہ نے حضرت زید ابن ثابت سے یہ مسئلہ پوچھا کہ اس صورت میں عورت خاوند کی وارث ہوگی یا نہیں؟ حضرت زید نے حضرت معاویہ کو لکھا کہ جب تیسرا حیض شروع ہو گیا تو محض تیسرے حیض کا خون دیکھتے ہی اس کا تعلق منقطع ہو گیا۔ اور زوجیت کی پابندی سے آزاد ہوگئی کیونکہ اس صورت میں طلاق کی عدت یا تو اس اعتبار سے کہ اس کی عدت کا زیادہ حصہ گزر گیا ہے یا اس اعتبار سے کہ تیسرا حیض شروع ہو گیا پوری ہوگئی ہے اس صورت میں وفات کی عدت ساقط ہوگئی لہذا جس طرح طلاق کی عدت پوری ہو جانے پر اگر مرد زندہ ہوتا تو وہ عورت کا وارث نہیں ہو سکتا تھا اسی طرح اب مذکورہ مسئلہ میں جب کہ مرد مر گیا ہو تو عورت اس کی وارث نہیں ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ کا مقصد صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ وہ عورت احوص کی وارث ہوگی یا نہیں؟ جبکہ یہ اہل بھی ہے کہ حضرت معاویہ کا مقصد عدت کے بارے میں معلوم کرنا تھا کہ آیا یہ عورت اپنی طلاق کی عدت جاری رکھے یعنی تیسرا حیض جو شروع ہو چکا ہے اس سے پاک ہو کر عدت سے نکل آئے یا اب وفات کی عدت بیٹھ جائے۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اس موقع پر طیبی (شافعی) نے لکھا ہے کہ اس سے صریح یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک

میں مطلقہ عورت کی عدت کے بارے میں جو یہ حکم دیا ہے کہ آیت (والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء)

اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو روکے رکھیں تین حیض ختم ہونے تک

تو اس میں قروء سے مراد طہر ہیں گویا طیبی کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ یہ حدیث شوفع کی دلیل ہے کیونکہ ان کے نزدیک مطلقہ کی عدت تین حیض نہیں بلکہ تین طہر ہیں حالانکہ طیبی کی یہ بات کہ اس حدیث سے شوافع کا مسلک ثابت ہوتا ہے کوئی مضبوط بات نہیں ہے کیونکہ وہ تو یہ ایک صحابی حضرت زید بن ثابت کا مسلک ہے دوسرے یہ کہ خود انہی حضرت زید سے اس امر کے برخلاف بھی منقول ہے چنانچہ ان سے یہ منقول ہے کہ حدیث (عدۃ لامۃ حیضتان) یعنی لونڈی کی عدت دو حیض ہیں پھر اسکے ساتھ یہ قطعاً معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت معاویہ نے حضرت زید کے قول پر عمل بھی کیا تھا یا نہیں۔

حنفیہ کے نزدیک ثلث قروء سے مراد تین حیض ہیں چنانچہ حنفیہ رشتہ دار اکثر صحابہ کا بھی یہ قول ہے نیز تیرہ صحابیوں سے منقول ہے کہ وہ یہ کہہ کر تھے کہ بیوی طلاق کی عدت میں جب تک تیسرے حیض سے پاک نہ ہو جائے مرد یعنی خاوند کہ جس نے اس کو طلاق دی ہے اس کا زیادہ حق رکھتا ہے (مطلب یہ کہ تیسرے حیض سے پاک ہونے کے بعد ہی عدت کی مدت پوری ہوتی ہے اور اس بیوی سے مرد کا مکمل انتہاع ہو جاتا ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قروء سے حیض مراد ہیں ملا علی قاری نے اپنی کتاب میں اس موقع پر تفصیلی بحث کی ہے اور حنفیہ کے بہت سے دلائل لکھے ہیں۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے ایک شخص اپنی بیوی کو بائنہ طلاق دیدیتا ہے۔ وہ عورت اس عدت کے دوران دوسرے شخص سے نکاح کر لیتی ہے تو یہ نکاح درست نہیں لیکن دوسرے شخص نے اس نکاح کو درست سمجھتے ہوئے اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کر لی۔ اب قاضی کی عدالت میں پہلے شخص نے مقدمہ کر دیا ہے اس عورت کی عدت تو ابھی پوری نہیں ہوئی تھی لہذا اس کا دوسرا نکاح درست نہیں ہے۔ قاضی نے معاملے کی چھان بین کرنے کے بعد دوسرے نکاح کو کالعدم قرار دیتے ہوئے۔ عورت اور اس کے دوسرے شوہر کے درمیان تفریق کروادی۔ اب اس عورت کی پہلے شوہر سے بھی عدت باقی ہے اور دوسرے شخص سے بھی عدت باقی ہے۔ اب یہاں دو عدتیں ایک دوسرے میں داخل ہوں گی۔

اس کو صورت یہ ہوگی: پہلے شوہر کی عدت کا جو حصہ باقی ہوگا، دوسرے شوہر کی عدت اس پہلی عدت کے ساتھ اس وقت تک شمار ہوگی جب تک پہلی عدت پوری نہیں ہو جاتی جب پہلی عدت پوری ہو جائے گی تو دوسری عدت کا بقیہ حصہ پورا کر دیا جائے گا۔

اس کا آسان لفظوں میں یوں واضح کیا جاسکتا ہے: پہلے شوہر کی عدت تین حیض ہوگئی عورت نے ایک حیض کے بعد دوسرا نکاح کر لیا اور دوسرا حیض آنے سے پہلے دوسرے شوہر نے اس کے ساتھ صحبت بھی کر لی اور قاضی نے ان کے درمیان تفریق بھی کر دی تو اب عورت کو جو حیض آئے گا وہ پہلی عدت کا دوسرا حیض اور دوسری عدت کا پہلا حیض ہوگا۔ پھر گلا حیض

پہلی عدت کا تیسرا حیض ہوگا۔ جبکہ ساتھ پہلی عدت ختم ہو جائے گی اور وہ دوسری عدت کا دوسرا حیض ہوگا۔ اس کے بعد اگر کسی حیض صرف دوسری عدت سے متعلق ہوگا اور کیونکہ یہ دوسری عدت کا تیسرا حیض ہوگا۔ اس لئے اس کے ساتھ ہی دوسری عدت ختم ہو جائے گی۔

یہ علم احناف کے نزدیک ہے امام شافعی کی رائے اس بارے میں مختلف ہے وہ یہ فرماتے ہیں دونوں عدتیں ایک دوسرے میں داخل نہیں ہوں گی اس کی وجہ یہ ہے۔ عدت کی ادائیگی لازم ہونا عبادت کے طور پر ہے یعنی اس عدت کے دوران یہ بات عورت کے حق میں عبادت ہے۔ کہ وہ دوسری شادی کرنے اور گھر سے باہر نکلنے سے رک رہتی ہے تو عبادت ہونے کی وجہ سے وہ دونوں ایک دوسرے میں داخل نہیں ہوں گی جیسے کوئی شخص ایک ہی دن میں دو روزے نہیں رکھ سکتا۔ اس طرح ایک ہی حیض کو دو ہی عدتوں کا حصہ شمار نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے وہ عورت دونوں مدتوں میں، الگ الگ، تین تین حیض تک کا عرصہ عدت کے طور پر گزارے گی۔

احناف کی دلیل یہ ہے عدت کا بنیادی مقصد یہ ہے یہ پتہ چل جائے: رحم میں نطفہ موجود نہیں ہے اور یہ بات ایک ہی حیض کے ذریعے پتہ چل سکتی ہے اس لیے وہ ایک حیض ان دونوں عدتوں پر مشتمل شمار کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ عدت میں عبادت کا پہلو ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: عورت کو علم نہ بھی ہو تو بھی عدت اپنے وقت پر پوری ہو جاتی ہے۔ اس طرح اگر وہ دوسری شادی کرنے یا گھر سے باہر نکلنے سے باز نہیں آتی ہے تو بھی عدت پوری ہو جاتی ہے اگر یہ صرف عبادت ہوتی تو خلاف عدت کام کی وجہ سے یہ باطل ہو جاتی۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے جو عورت بیوگی کی عدت گزار رہی ہو اگر اس کے ساتھ شبہ کی وجہ سے صحبت کر لی جائے تو بھی وہ عورت بیوگی کی عدت مہینوں کے اعتبار سے یعنی چار ماہ دس دن گزارے گی اور اس دوران اسے جو حیض آئے گا۔ وہ دوسری عدت کا حصہ شمار ہوگا۔ تاکہ جہاں تک ممکن ہو دونوں عدتوں کو ایک دوسرے میں داخل کر دیا جائے۔

### عقب طلاق عدت کے آغاز کا بیان

(وَأَيُّهَا الْعِلَّةُ فِي الطَّلَاقِ عَقِبَ الطَّلَاقِ وَفِي الْوَفَاةِ عَقِبَ الْوَفَاةِ، فَإِنْ لَمْ تَعْلَمْ بِالطَّلَاقِ أَوْ الْوَفَاةِ حَتَّى مَضَتْ مُدَّةُ الْعِلَّةِ فَقَدْ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا) لِأَنَّ سَبَبَ وَجُوبِ الْعِلَّةِ الطَّلَاقُ أَوْ الْوَفَاةُ فَيُعْتَبَرُ ابْتِدَاءُ هَا مِنْ وَقْتِ وَجُودِ السَّبَبِ، وَمَشَايِخُنَا يَقُولُونَ فِي الطَّلَاقِ أَنَّ ابْتِدَاءَ هَا مِنْ وَقْتِ الْإِقْرَارِ نَفْيًا لِهَيْمَةِ الْمَوَاضَعَةِ.

(وَالْعِلَّةُ فِي النِّكَاحِ الْفَاسِدِ عَقِبَ التَّفَرُّقِ أَوْ عَزْمِ الْوَاطِئِ عَلَى تَرْكِ وَطَنِهَا)

وَقَالَ زُفَرٌ: مِنْ آخِرِ الْوَطْأِ لِأَنَّ الْوَطْءَ هُوَ السَّبَبُ الْمَوْجِبُ.

وَلَسَا أَنْ كُلَّ وَطْءٍ وَجَدَ فِي الْعَقْدِ الْفَاسِدِ يَجْرِي مَجْرَى الْوَطْءِ الْوَاحِدَةِ لَا سِتْنَادَ الْكُلِّ إِلَى حُكْمِ عَقْدٍ وَاحِدٍ، وَلِهَذَا يُكْتَفَى فِي الْكُلِّ بِمَهْرٍ وَاحِدٍ، فَقِيلَ: الْمَتَارَكَةُ أَوْ الْعَزْمُ لَا تُثَبِّتُ الْعِلَّةَ مَعَ جَوَازِ وَجُودِ غَيْرِهِ وَلِأَنَّ الْعَمَلُ عَلَى وَجْهِ الشَّبْهِةِ أُقِيمَ مَقَامَ حَقِيقَةِ الْوَطْءِ لِخَفَائِهِ وَمَسَاسِ الْحَاجَةِ إِلَى مَعْرِفَةِ الْحُكْمِ فِي حَقِّ غَيْرِهِ.

ترجمہ

در طلاق کی صورت میں عدت کا آغاز طلاق کی ابتداء کے بعد شروع ہوگا اور وفات کی صورت میں شوہر کے فوت ہونے کے ساتھ ہی شروع ہو جائے گا۔ اگر عورت کو طلاق یا شوہر کے انتقال کا علم نہ ہو یہاں تک کہ عدت کی مدت گزر جائے تو اس کی عدت ختم ہو جائے گی کیونکہ عدت کے واجب ہونے کا بنیادی سبب طلاق یا وفات ہے لہذا اس کا آغاز بھی سبب کے موجود ہونے کے وقت سے شمار ہوگا۔ سمرقند اور بخارا کے متنازع کا فہمی اس بارے میں یہ ہے: عدت کا آغاز اتر رکے وقت سے ہوگا تاکہ باہمی اتفاق کا الزام دور کیا جاسکے۔ فاسد نکاح میں عدت کا آغاز تفریق کے وقت سے ہوگا یہ پھر اس وقت سے ہوگا جب صحبت کرنے والے شخص نے صحبت نہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا ہو۔ امام زفر فرماتے ہیں: عدت کا آغاز سب سے آخری مرتبہ صحبت کرنے کے بعد سے شروع ہوگا کیونکہ وہ صحبت ہی عدت کے وجوب کا سبب ہے۔

اماری دلیل یہ ہے۔ فاسد عقد میں جنسی مرتبہ بھی صحبت کی گئی ہے وہ سب ایک ہی مرتبہ شمار ہوگی کیونکہ سب کی نسبت ایک ہی فاسد عقد کی طرف ہے اس لیے ان تمام صحبتوں کے عوض میں ایک ہی مہر دیا جاتا ہے تو جب تک علیحدگی نہ ہو جائے یا صحبت ترک کرنے کا پختہ ارادہ نہ ہو اس وقت تک عدت کا واجب ہونا ثابت نہیں ہوگا کیونکہ ابھی صحبت کا احتمال موجود ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے شبہ کی وجہ سے صحبت کرنے کو بھی حقیقی صحبت کے قائم مقام قرار دیا جائے گا کیونکہ صحبت ایک محض عمل ہے اور یہاں یہ ضرورت لازم پیش ہے کہ صحبت کرنے والے شخص کے علاوہ دوسرے شخص کے حق میں اس کا حکم معلوم کیا جائے۔

### وقت عدت کے شروع ہونے کا فقہی بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ واضح کیا ہے جس عدت کا تعلق طلاق سے ہو اس کا آغاز طلاق ہونے کے فوراً بعد ہو جاتا ہے اور جس عدت کا تعلق وفات سے اس کا آغاز شوہر کے انتقال کے فوراً بعد ہو جاتا ہے۔ خواہ عورت کو طلاق ہو جانے یا شوہر کے انتقال کا علم نہ ہو سکے۔ اس عورت کی عدت پوری ہو جائے گی۔

مصنف نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے۔ عدت کے وجود کا سبب طلاق ہونا یا شوہر کا انتقال ہے لہذا عدت کی ابتداء میں

سبب کی موجودگی کے وقت کا اعتبار کیا جائے گا۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: طلاق میں عدت کا آغاز اس وقت ہوگا جب شوہر اقرار کرے اس کی وجہ یہ ہے: ایسی صورت میں ن میاں بیوی پر یہ الزام عائد نہیں کیا جاسکے گا، انہوں نے باہمی رضامندی کے ساتھ اپنے کسی منافع کے حصول کے لئے سابقہ کسی وقت میں طلاق دیئے جانے اور موجودہ وقت میں اسی طلاق کی عدت ختم ہو جانے کا دعویٰ کیا ہے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جب نکاح فاسد ہو تو اس میں بھی عدت لازم ہوتی ہے اور اس عدت کا آغاز اس وقت ہوگا۔ جب اس مرد اور عورت کے درمیان علیحدگی کر دی جائے یا اس کا آغاز اس وقت ہوگا جب صحبت کرنے والا شخص اس بات کا پختہ ارادہ کرے کہ اب وہ صحبت نہیں کرے گا۔

مصنف نے یہاں یہ بات بیان کی ہے: اس بارے میں امام زفر کی رائے مختلف ہے کیونکہ ان کے نزدیک فاسد نکاح میں سب سے آخری مرتبہ جو صحبت کی گئی تھی عدت کا آغاز اس وقت سے ہوگا۔

انہوں نے اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: یہاں عدت واجب کرنے کا بنیادی سبب صحبت کرنا ہے لہذا عدت کے آغاز میں سب سے آخری صحبت کا اعتبار کیا جائے گا۔

احناف اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں فاسد عقد میں جتنی مرتبہ بھی صحبت کی گئی ہو وہ سب ایک ہی صحبت شمار ہوں گی، کیونکہ ان میں سے ہر ایک کی نسبت ایک ہی عقد کی صرف ہے یہی وجہ ہے: ایسے فاسد عقد میں کئی مرتبہ صحبت کر لینے کے باوجود ایک ہی مہر کی ادائیگی لازم ہوتی ہے اس لئے علیحدگی ہو جانے یا صحبت نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنے سے پہلے عدت ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ اس کے غیر کے موجود ہونے کا جواز یعنی مکان بہر حال پایا جا رہا ہے۔

یہاں مصنف نے احناف کے موقف کی تائید میں دوسری دلیل یہ پیش کی ہے: شبہ کی وجہ سے کی جانے والی صحبت حقیقی وطی کی قائم مقام ہوگی، کیونکہ صحبت کرنے والے شخص کو شبہ کے اعتبار سے وطی کرنے کی قدرت حاصل ہے اس لیے جب تک مرد اور عورت میں علیحدگی نہیں ہوگی۔ یا مرد جب تک صحبت نہ کرنے کا پختہ ارادہ نہیں کرے گا۔ اس وقت تک دوبارہ صحبت کرنے کا امکان موجود رہے گا اور جب تک صحبت کا امکان رہے گا عدت کا آغاز نہیں ہو سکے گا۔

یہاں یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے: حقیقی طور پر صحبت کا مخفی ہونا ہم تسلیم نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے: یہاں عدت کی معرفت کی ضرورت متعلقہ فریقین کو ہے اور ان کے لئے وطی کی حقیقت کوئی پوشیدہ معاملہ نہیں ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: یہاں یہ امکان پایا جاتا ہے: دوسرا شخص اس بارے میں حکم کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہو۔ یعنی کوئی اور شخص اس عورت کے ساتھ صحیح نکاح کرنا چاہتا ہے تو اب اسے یہ ضرورت پیش آئے گی: وہ اس بات

سے واقف ہو کہ اس عورت کی عدت کا آغاز زکب ہوا تھا اور اہتمام کب ہوا؟ تو دوسرے کے حق کی اس ضرورت کے پیش نظر اس امر کو مخفی قرار دیا جائے گا۔

عدت ختم ہونے میں عورت کے قول کے اعتبار کا بیان

(وَإِذَا قَالَتِ الْمُعْتَدَةُ انْقَضَتْ عِدَّتِي وَكَذَبَهَا الزَّوْجُ كَانَ الْقَوْلُ قَوْلَهَا مَعَ الْيَمِينِ) لَا يَهَا أَمِينَةً فِي ذَلِكَ وَقَدْ اتَّهَمَتْ بِالْكَذِبِ فَتَحْلِفُ كَالْمُؤَدَّعِ .

(وَإِذَا طَلَّقَ الرَّحُلُ امْرَأَتَهُ طَلَاقًا بَاطِلًا ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فِي عِدَّتِهَا وَطَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا فَعَلَيْهِ مَهْرٌ كَامِلٌ وَعَلَيْهَا عِدَّةٌ مُسْتَقْبَلَةٌ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ .

وَقَالَ مُحَمَّدٌ: عَلَيْهِ نِصْفُ الْمَهْرِ وَعَلَيْهِ اِتِّمَامُ الْعِدَّةِ الْأُولَى) لِأَنَّ هَذَا طَلَاقٌ قَبْلَ الْمَسْبُوسِ فَلَا يُوجِبُ كَمَالَ الْمَهْرِ وَلَا اسْتِنَافَ الْعِدَّةِ، وَكَمَالَ الْعِدَّةِ الْأُولَى إِنَّمَا يَجِبُ بِالطَّلَاقِ الْأَوَّلِ، لِأَنَّهُ لَمْ يَطْهَرِ حَالُ التَّزْوِجِ الثَّانِي، فَإِذَا ارْتَفَعَ بِالطَّلَاقِ الثَّانِي طَهَرَ حُكْمُهُ، كَمَا لَوْ اشْتَرَى أَمَّ وَلَدِهِ ثُمَّ اعْتَقَهَا .

وَلَهُمَا أَنَّهُمَا مَقْبُوضَةٌ فِي يَدِهِ حَقِيقَةٌ بِالْوَطْءِ الْأَوَّلِيِّ وَبَقِيَ أَثَرُهُ وَهُوَ الْعِدَّةُ، فَإِذَا حُدِّدَ النِّكَاحُ وَهِيَ مَقْبُوضَةٌ نَابَ ذَلِكَ الْقَبْضُ عَنِ الْقَبْضِ الْمُسْتَحَقِّ فِي هَذَا النِّكَاحِ كَالْعَاصِبِ يَشْتَرِي الْمَغْضُوبَ الَّذِي فِي يَدِهِ يَصِيرُ قَابِضًا بِمُجَرَّدِ الْعَقْدِ، فَوَضَحَ بِهَذَا أَنَّهُ طَلَاقٌ بَعْدَ الدُّخُولِ. وَقَالَ زُفَرٌ: لَا عِدَّةَ عَلَيْهَا أَصْلًا، لِأَنَّ الْأَوَّلَى قَدْ سَقَطَتْ بِالتَّزْوِجِ فَلَا تَعُودُ، وَالثَّانِيَةُ لَمْ تَحِبْ وَخَوَابُهُ مَا قُلْنَا .

ترجمہ

اور جب عدت بسر کرنے والی عورت نے یہ بات کہی: میری عدت گزر چکی ہے اور شوہر اس کی بات کو جھٹلا دے تب عورت قسم اٹھا کر اپنی بات کی تصدیق کر دے تو اس کی بات کو تسلیم کیا جائے گا کیونکہ اس بارے میں وہ امین تصور کی جائے گی، لیکن اس پر غلط فہمی کا الزام لگایا گیا ہے اس لیے مودع کی طرح اسے قسم اٹھانا ہوگی۔ اگر کوئی شخص عورت کو طلاق بائنہ دیدے اور پھر عدت کے دوران ہی اس سے نکاح کر لے لیکن دخول سے پہلے اسے پھر طلاق دیدے تو مرد کو پورا مہر ادا کرنا ہوگا اور عورت پر مستقل عدت بسر کرنا لازم ہوگا۔ یہ حکم امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہے۔

امام محمد نے یہ بات بیان کی ہے ایسی صورت میں مرد پر نصف مہر کی ادائیگی لازم ہوگی اور عورت پر پہلی عدت کو پورا کرنا لازم



ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ اسے محبت سے پہلے طلاق دی گئی ہے اس لیے نہ تو مرد پر پورے مہر کی ادائیگی واجب ہوگی اور نہ ہی عورت پر از سر نو عدت، بسر کرنا لازم ہوگا۔ جہاں تک پہلی عدت کے پورا کرنے کا تعلق ہے تو وہ پہلی طلاق کی وجہ سے لازم ہوئی تھی، کیونکہ دوسرے نکاح کا حال ظاہر نہیں ہو سکا۔ لیکن جب دوسرا نکاح طلاق سے زائل ہو گیا تو پہلی طلاق کا حکم ظاہر ہو جائے گا۔ جیسا کہ کوئی شخص اگر ام و مدخر یہ کرا سے آزاد کر دے (تو یہی حکم ہے)۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے: دراصل عورت پہلی محبت کی وجہ سے اپنے شوہر کے قبضے میں ہے اور پہلی محبت کا اثر یعنی عدت ابھی باقی ہے لہذا اگر شوہر اس کے ساتھ نئے سرے سے نکاح کرے اور عورت شوہر کے قبضے میں ہو تو یہ پہلا قبضہ دوسرے نکاح کے واجب قبضے کا قائم مقام ہو جائے گا۔ جیسا کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے غلام کو چھین کر اپنے قبضے میں لے لے اور پھر اس غلام کو مالک سے خرید لے، جبکہ وہ غلام پہلے ہی سے اس کے قبضے میں ہے تو پہلا قبضہ ہی قبضہ خرید کے قائم مقام ہو جائے گا تو اس مثال سے یہ بات ظاہر ہو گئی، دوسرے نکاح کے بعد جو طلاق واقع ہوئی ہے وہ دغوں کے بعد طلاق شمار ہوگی، تو عورت کو پورا مہر ملے گا اور اس پر عدت بسر کرنا لازم ہوگا۔ امام زفر نے یہ بات بیان کی ہے۔ عورت پر عدت گزارنا لازم ہی نہیں ہوگا، کیونکہ پہلی عدت دوسرے نکاح کی وجہ سے ساقط ہو گئی ہے لہذا وہ دوبارہ نہیں ہو سکتی اور طلاق کی صورت میں دوسری مرتبہ عدت واجب ہی نہیں ہوتی ہے (کیونکہ وہ دخول سے پہلے دی گئی ہے)۔ لیکن اس کا جواب وہی ہے جسے ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

### اعتقام عدت میں عورت پر قسم ہونے کا اعتبار

علامہ ابن عابدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اور اگر عورت کہتی ہے کہ عدت پوری ہو چکی اگر تازمانہ گزرا ہے کہ پوری ہو سکتی ہے تو قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہے اور اگر تازمانہ نہیں گزرا تو نہیں۔ مہینوں سے عدت ہو جب تو ظاہر ہے کہ اتنے دن گزرنے پر عدت ہو چکی اور حیض سے ہو تو آزاد عورت کے لیے کم، زکم، سٹھ دن ہیں اور لونڈی کے لیے چالیس بلکہ ایک روایت میں حرا کے لیے اُنتائیس دن کہ تین حیض کی اقل مدت نو دن ہے اور دو طہر کی تیس دن اور باندی کے لیے اکیس دن کہ دو حیض کے چھ دن و ایک طہر درمیان کا پندرہ دن ہے۔

اور جب مطلقہ کہتی ہے کہ عدت پوری ہو گئی کہ حمل تھا ساقط ہو گیا اگر حمل کی مدت اتنی تھی کہ اعضا بن چکے تھے تو مان یا جاوے ورنہ نہیں مثلاً نکاح سے ایک مہینے بعد طلاق دی اور طلاق کے ایک ماہ بعد حمل ساقط ہونا بتاتی ہے تو عدت پوری نہ ہوئی کہ بچے کے اعضا چار ماہ میں بنتے ہیں۔ (رہنمائے باب عدۃ، ج ۵، ص ۲۱۰، بیروت)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: عدت گزارنے والی عورت جب یہ بیان کر دے: میری عدت ختم ہو چکی ہے اور شوہر اس کی بات کی تردید کر دے تو اس بارے میں، قسم کے ہمراہ، عورت کا قول معتبر ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے وہ عورت اس بارے میں اٹین ہے۔

اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے: اگر وہ عورت اس بارے میں اٹین ہے تو پھر آپ اس سے حلف کیوں لے رہے ہیں تو مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے: شوہر نے اس کی بات کو جھٹلا کر اس پر جھوٹ بولنے کا الزام لگایا ہے اس لئے وہ عورت حلف اٹھائے گی کہ وہ سچ کہہ رہی ہے۔

یہ حکم بالکل اسی طرح ہوگا، جیسے کوئی شخص کسی کے پاس امانت رکھوائے، تو جس کے پاس امانت رکھوائی گئی ہو وہ یہ کہے میں اس امانت کو واپس کر چکا ہوں، لیکن رکھوانے والا شخص یہ کہے: واپس نہیں کی ہے، تو وہ شخص قسم اٹھائے گا، جس کے پاس امانت رکھوائی گئی تھی۔ ایسا اس وقت ہوگا جب امانت رکھوانے والا شخص اپنے موقف کو تائید میں کوئی ثبوت پیش نہ کر سکتا ہو۔ اگر ثبوت موجود ہوں تو ان کے مطابق حکم ہوگا۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: ایک شخص اپنی بیوی کو بائنہ طلاق دیدیتا ہے اور پھر اس عورت کی عدت کے دوران اس عورت کے ساتھ شادی کر لیتا ہے پھر اس عورت کے ساتھ محبت کرنے سے پہلے اُسے طلاق دیدیتا ہے تو اب مرد پر مکمل مہر کی ادائیگی لازم ہوگی، اور عورت پر دوسری عدت مستقل طور پر گزارنا لازم ہوگا، یہ حکم امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہے۔

اس بارے میں امام محمد کی رائے مختلف ہے وہ یہ فرماتے ہیں: شوہر کے ذمے نصف مہر کی ادائیگی لازم ہوگی اس کی وجہ یہ ہے: شوہر نے عورت کو محبت کرنے سے پہلے طلاق دیدی ہے اور اصول یہ ہے: جب شوہر بیوی کو محبت کرنے سے پہلے طلاق دیدے تو نصف مہر کی ادائیگی لازم ہوتی ہے اور بیوی پر اس دوسرے نکاح کی کوئی عدت لازم نہیں ہوگی، کیونکہ اصول یہ ہے: جب شوہر محبت کرنے سے پہلے طلاق دیدے تو بیوی پر کوئی عدت لازم نہیں ہوتی، لیکن کیونکہ عورت پر پہلی عدت پہلی طلاق کی وجہ سے لازم ہوتی تھی تو پہلی عدت کو پورا کرنا اس پر لازم ہے۔

اس کی مثال یہ ہے: اگر کوئی شخص اپنی ام و ولد کو خرید کر آزاد کر دے۔

اس کی صورت یہ ہوگی: کوئی شخص کسی کنیز کے ساتھ شادی کر دیتا ہے اور وہ کنیز اس شخص کے بچوں کو جنم دیتی ہے۔ پھر وہ شخص اس کنیز کو خرید کر آزاد کر دیتا ہے تو اس شخص نے جیسے ہی اپنی بیوی کو خرید لیا تو اس کنیز کا نکاح زائل ہو جائے گا، کیونکہ ملک نکاح اور ملک رقبہ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے ہیں۔ نکاح ختم ہونے کی وجہ سے عورت پر عدت بسر کرنا لازم ہو جائے گا۔

اور کیونکہ عورت کنیز ہے اس لیے اس کی عدت دو حیض ہوگی، لیکن جب شوہر نے اسے آزاد کر دیا تو اب اس کی عدت آزاد عورتوں کی طرح تین حیض ہونی چاہیے، لیکن آزاد ہونے سے پہلے جب وہ شوہر کی مملوک تھی اس وقت اس کے حق میں عدت ظاہر نہیں ہوئی، لیکن جب شوہر کے آزاد کرنے کے نتیجے میں یہ ملکیت زائل ہوگی تو عدت کا حکم ظاہر ہو جائے گا۔

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف نے اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: پہلی محبت کی وجہ سے وہ عورت

در حقیقت ابھی شوہر کے قبضے میں ہے اور پہلی صحبت کا اثر یعنی عدت ابھی باقی ہے جب شوہر اس عورت کے ساتھ دوبارہ نکاح کرتا ہے جبکہ وہ عورت پہلے ہی اس کے قبضے میں ہے تو یہ قبضہ دوسرے نکاح کے وجہ قبضے کے قائم مقام ہو جائے گا۔

اس کی مثال یہ ہے ایک شخص کسی دوسرے کی چیز غصب کر بیٹا ہے اور پھر دوسرے سے وہی چیز خرید لیتا ہے جسے اس نے غصب کیا تھا تو اب وہ شخص صرف اس عقد کی وجہ سے اس چیز کو قبضے میں لینے والا شمار ہوگا یعنی غصب کی وجہ سے ہونے والا قبضہ خریداری کی وجہ سے ہونے والے قبضے کا قائم مقام ہو جائے گا۔

اس طرح سابقہ مسئلے میں شوہر کا پہلے نکاح کا قبضہ دوسرے نکاح کے قبضے کا قائم مقام ہو جائے گا اور اس سے یہ بات ثابت ہوگی۔ دوسرے نکاح کے بعد جو طلاق واقع ہوئی ہے وہ صحبت ہو جانے کے بعد واقع ہوئی ہے اس لئے شوہر کے ذمے پورے مہر کی ادائیگی لازم ہوگی اور عورت پر مکمل عدت لازم ہوگی۔

اس بارے میں امام زفر کی رائے بالکل مختلف ہے وہ اس بات کے قائل ہیں عورت پر عدت لازم ہی نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے دوسرے نکاح کے نتیجے میں پہلی عدت ساقط ہو جائے گی اور دوسری طلاق کیونکہ صحبت سے پہلے ہوئی ہے اس لئے اس میں عدت واجب ہی نہیں ہوگی۔ مصنف فرماتے ہیں اس کا جواب دہی ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

غیر مسلم عورت پر عدت لازم نہیں ہوتی

قَالَ (وَإِذَا طَلَّقَ الذِّمِّيُّ الذِّمِّيَّةَ فَلَا عِدَّةَ عَلَيْهَا وَكَذَا إِذَا خَرَجَتْ الْحَرْبِيَّةُ إِلَى مُسْلِمَةٍ، فَإِنْ تَزَوَّجَتْ جَارًا إِلَّا أَنْ تَكُونَ حَامِلًا، وَهَذَا كُلُّهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَ لَا عَلَيْهَا وَعَسَى الذِّمِّيَّةُ الْعِدَّةُ) أَمَّا الذِّمِّيَّةُ فَلَا اخْتِلَافَ فِيهَا نَظِيرُ الْاِخْتِلَافِ فِي نِكَاحِهِمْ مَحَارِمُهُمْ، وَقَدْ بَيَّنَّا فِي كِتَابِ النِّكَاحِ، وَقَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ فِيمَا إِذَا كَانَ مُعْتَقْدُهُمْ أَنَّهُ لَا عِلَّةَ عَلَيْهَا، وَأَمَّا الْمُهَاجِرَةُ فَوَجْهُ قَوْلِهِمَا أَنَّ الْفُرْقَةَ لَوْ وَقَعَتْ بِسَبَبٍ آخَرَ وَجَبَتْ الْعِدَّةُ فَكَذَا بِسَبَبِ التَّبَايُنِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا هَاجَرَ الرَّجُلُ وَتَرَكَهَا لِعَدَمِ التَّبْيِغِ.

وَلَسَهُ قَوْلُهُ تَعَالَى (لَا حُجَّاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ) وَلَئِنْ الْعِدَّةَ حَيْثُ وَجَبَتْ كَانَ فِيهَا حَقُّ نِسَى آدَمَ وَالْحَرْبِيَّةِ مُلْحَقٌ بِالْجَمَادِ حَتَّى كَانَ مَحَلًّا لِلتَّمَلُّكِ إِلَّا أَنْ

تَكُونُ حَامِلًا لِأَنَّ فِي بَطْنِهَا وَلَدًا ثَابِتَ النَّسَبِ. وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يَجُوزُ نِكَاحُهَا وَلَا يَطْوُهَا كَالْحَبْلِيِّ مِنَ الزَّيْنِ وَالْأَوَّلِ أَصَحُّ.

ترجمہ

اور جب وہی ذمی مرد کسی ذمی عورت کو طلاق دیدے تو اس ذمی عورت پر عدت بسر کرنا لازم نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی حربی عورت مسلمان ہو کر اسلامی سلطنت میں آجائے (تو یہی حکم ہے)۔ صاحبین نے یہ بات بیان کی ہے حربی عورت پر عدت بسر کرنا لازم ہوگا اور ذمی عورت پر بھی لازم ہوگا۔ ذمی عورت پر عدت واجب ہونے کی دلیل یہ ہے ذمی عورت کے بارے میں جو اختلاف ہے وہ اس نوعیت کا ہے جو ذمیوں کا دائمی حرام عورتوں سے نکاح کر کے کے بارے میں ہے۔ ورنہ اس بات کو کتب نکاح میں مشرکین کے باہمی نکاح کے باب میں بیان کر چکے ہیں۔ اس بارے میں امام ابو حنیفہ کی رائے یہ ہے جب ذمیوں کا یہ اعتقاد ہو کہ طلاق یافتہ عورت پر عدت واجب نہیں ہوتی۔ جو عورت مسلمان ہو کر اسلامی سلطنت میں آئی ہو اس کے بارے میں صاحبین کے نزدیک حکم یہ ہے۔ اگر علیحدگی کسی دوسری وجہ سے واقع ہوئی ہے تو عدت واجب ہوگی۔ اسی طرح کفر کی سلطنت کو چھوڑ کر اسلامی سلطنت میں آنے کے نتیجے میں جو علیحدگی واقع ہوئی ہے اس سے بھی عدت واجب ہوگی اس کے برخلاف اگر شوہر مسلمان ہو کر اسلامی سلطنت میں آجائے اور بیوی کو دارالحرب میں چھوڑ آئے تو عدت لازم نہیں ہوگی کیونکہ اس عورت تک شرعی حکم نہیں پہنچ سکا ہے۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ”وَرَقَمَ بِرُؤُوسِهِمْ غَنَاهُمْ“ سے کہ تم ان عورتوں کے ساتھ نکاح کر لو۔ اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو دارالحرب سے مسلمان ہو کر تمہارے پاس آ جاتی ہیں۔ اس کی دوسری دلیل یہ ہے انسانوں کے حق کو مد نظر رکھتے ہوئے عدت واجب کی گئی ہے لیکن حربی شخص کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ وہ تو جمادات کی مانند ہے یہاں تک کہ اسے ملکیت میں لایا جاسکتا ہے لیکن اگر حربی عورت حاملہ ہو (تو حکم مختلف ہوگا) کیونکہ اس کے پیٹ میں وہ بچہ موجود ہے جس کا نسب ثابت ہے۔ امام حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ سے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے ایسی حاملہ عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہوگا البتہ اس کے ساتھ صحبت نہیں کی جائے گی جیسا کہ زنا کے نتیجے میں حاملہ ہونے والی عورت کے ساتھ نکاح کیا جاسکتا ہے لیکن صحبت نہیں کی جاسکتی تاہم پہلا قول زیادہ درست ہے۔

شرح

يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَ كُمْ الْمُؤْمِنَتُ مَهْجِرَاتٍ فَأَمْتَحِنُوهُنَّ أَلَلَهُ أَعْلَمَ بِأَيْمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ وَانْتُهُنَّ مَا نَفَقُوا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكُوفَرِ وَاسْأَلُوا مَا أَنْفَقْتُمْ وَاسْأَلُوا مَا أَنْفَقُوا دَلَّكُمْ حُكْمُ اللَّهِ

يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (ممتحنہ، ۱۰)

اے ایمان والو جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں کفرستان سے اپنے گھر چھوڑ کر آئیں تو ان کا امتحان کر لو۔ لنتن کے ایمان کا حال بہتر چلتا ہے پھر اگر وہ تمہیں ایمان والیں معلوم ہوں تو انہیں کافروں کو واپس نہ رو نہ دینا۔ انہیں حلال نہ وہ انہیں حلال اور ان کے کافر شوہروں کو دے دو جو ان کا خرچ ہوا۔ اور تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ان سے نکاح کر لو۔ جب ان کے مہر انہیں دوہرے کافریوں کے نکاح پر جبر نہ ہو۔ اور مانگ لو جو تمہارا خرچ ہوا۔ اور کافر مانگ لیں جو انہوں نے خرچ کیا۔ یہ اللہ کا حکم ہے وہ تم میں فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔ (کنز الایمان)

مہاجر عورتوں کے نکاح و فسخ نکاح میں فقہی تصریحات

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ، اکثر حضرات کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں جب عورت نے عدت کے دن پورے کر لئے اور اب تک اس کا کافر خاوند مسلمان نہیں ہوا تو وہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے،

ہاں بعض حضرات کا مذہب یہ بھی ہے کہ عدت پوری کر لینے کے بعد عورت کو اختیار ہے اگر چاہے اپنے اس نکاح کو باقی رکھے اگر چاہے فسخ کر کے دوسرا نکاح کر لے اور اسی پر بن عباس والی روایت کو محمول کرتے ہیں۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ ان مہاجر عورتوں کے کافر خاوندوں کو ان کے خرچ اخراجات جو ہوئے ہیں وہ ادا کر دو جیسے کہ مہر۔ پھر فرمان ہے کہ اب نہیں ان کے مہر دے کر ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی حرج نہیں، عدت کا گذر جا نا و یا مقرر کرنا وغیرہ جو امور نکاح میں ضروری ہیں ان شرائط کو پورا کر کے ان مہاجر عورتوں سے جو مسلمان نکاح کرنا چاہے کر سکتا ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تم پر بھی اے مسلمانوں ان عورتوں کا اپنے نکاح میں باقی رکھنا حرام ہے جو کافرہ ہیں، اسی طرح کافر عورتوں سے نکاح کرنا بھی حرام ہے اس کے حکم نازل ہوتے ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دو کافر بیویوں کو فوراً طلاق دے دی جن میں سے ایک نے تو معاویہ بن سفیان سے نکاح کر لیا اور دوسری نے صفوان بن امیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں سے صلح کی اور ابھی تو آپ حدیبیہ کے بچے کے حصے میں ہی تھے کہ یہ بیت نازل ہوئی اور مسلمانوں سے کہہ دیا گیا کہ جو عورت مہاجرہ آئے اس کا با ایمان ہونا درخوض نیت سے ہجرت کرنا بھی معلوم ہو جائے تو اس کے کافر خاوندوں کو ان کے دیئے ہوئے مہر واپس کر دو اسی طرح کافروں کو بھی یہ حکم سنایا گیا، اس حکم کی وجہ وہ عہد نامہ تھا جو ابھی ابھی مرتب ہوا تھا۔

حضرت الفاروق نے۔ بنی جن دو کافرہ بیویوں کو طلاق دی ان میں سے پہلی کا نام قریبہ تھا یہ ابو امیہ بن مغیرہ کی لڑکی تھی اور دوسری کا نام مکلثوم تھا جو عمرو بن حرو ل خزاہی کی لڑکی تھی حضرت عبید اللہ کی واندہ یہ بنی تھی، اس سے ابو جہم بن حدیفہ بن غانم خزاہی نے نکاح کر لیا یہ بھی مشرک تھا، اسی طرح اس حکم کے تحت حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے اپنی کافرہ بیوی روی بنت ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کو طلاق دے دی اس سے خالد بن سعید بن عاص نے نکاح کر لیا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے تمہاری بیویوں پر جو تم نے خرچ کیا ہے اسے کافروں سے لے لو جبکہ وہ ان میں چلی جائیں اور کافروں کی

عورتیں جو مسلمان ہو کر تم میں آجائیں انہیں تم ان کا کیا ہو، خرچ دے دو۔ صلح کے بارے میں اور عورتوں کے بارے میں اللہ کا فیصلہ بیان ہو چکا جو اس نے اپنی مخلوق میں کر دیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تمام تر مصیحتوں سے باخبر ہے اور اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا اس لئے کہ علی الاطلاق حکیم وہی ہے۔ اس کے بعد کی آیت وان فاتکم الیہم کا مطلب حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ جن کفار سے تمہارا عہد و پیمان صحیح و صفائی نہیں، اگر کوئی عورت کسی مسلمان کے گھر سے جا کر ان میں جا ملے تو ظاہر ہے کہ وہ اس کے خاوند کا کیا ہو خرچ نہیں دیں گے تو اس کے بارے میں بھی اجازت دی جاتی ہے کہ اگر ان میں سے کوئی عورت مسلمان ہو کر تم میں چلی آئے تو تم بھی اس کے خاوند کو کچھ نہ دو جب تک وہ نہ دیں۔

حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مسلمانوں نے تو اللہ کے اس حکم کی تعمیل کی اور کافروں کی جو عورتیں مسلمان ہو کر ہجرت کر کے آئیں ان کے لئے ہونے مہر ان کے خاوندوں کو واپس کئے لیکن مشرکوں نے اس حکم کے ماننے سے انکار کر دیا اس پر یہ آیت اتری اور مسلمانوں کو اجازت دی گئی کہ اگر تم میں سے کوئی عورت ان کے ہاں چلی گئی ہے اور انہوں نے تمہاری خرچ کی ہوئی رقم ادا نہیں کی تو جب ان میں سے کوئی عورت تمہارے ہاں آجائے تو تم اپنا وہ خرچ نکال کر باقی اگر کچھ بچے تو دے دو ورنہ معاملہ ختم ہوا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا یہ مطلب مروی ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جو مسلمان عورت کافروں میں جا ملے اور کافروں کے خاوند کو اس کا کیا ہو خرچ دانہ کریں تو وہ غنیمت میں سے آپ اس مسلمان کو بقدر اس کے خرچ کے دے دیں، پس فعاقبہم کے معنی یہ ہوئے کہ پھر تمہیں قریش یا کسی اور جماعت کفار سے مال غنیمت ہاتھ لگے تو ان مردوں کو جن کی عورتیں کافروں میں چلی گئی ہیں ان کا کیا ہو خرچ ادا کر دو، یعنی مہر مثل، ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں مطلب یہ ہے کہ یہی صورت اگر ناممکن ہو تو وہ سب ورنہ مال غنیمت میں سے اسے اس کا حق دے دیا جائے دلوں باتوں میں اختیار ہے اور حکم میں وسعت ہے حضرت امام ابن جریر اس تطبیق کو پسند فرماتے ہیں۔

میدان جنگ سے قبضہ میں آنے والی عورتیں

یعنی خاوندوں والی عورتیں بھی حرام ہیں، ہاں کفار عورتیں جو میدان جنگ میں قید ہو کر تمہارے قبضے میں آئیں تو یک حیض گزارنے کے بعد وہ تم پر حلال ہیں، مسند احمد میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ ادطس میں قید ہو کر ایسی عورتیں آئیں جو خاوندوں والیاں تھیں تو ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی بابت سوال کیا تب یہ آیت اتری ہم پر ان سے ملنا حلال کیا گیا ترمذی ابن ماجہ اور صحیح مسلم وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے،

طبرانی کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ جنگ خیبر کا ہے، سلف کی ایک جماعت اس آیت کے عموم سے استدلال کر کے فراتی ہے کہ بوئدی کو بیچ و الیہ اس کے خاوند کی طرف سے اسے طلاق کال کے مترادف ہے، ابراہیم سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب کوئی خاوند ولی بوئدی بیچی جائے تو اس کے جسم کا زیادہ حصہ اس کا ملک ہے،

حضرت ابی بن کعب حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت ابن عباس کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ اس کا بطن ہی اس کی طلاق ہے، ابن جریر میں ہے کہ بونڈی کی طلاقات چھ ہیں، بچنا بھی طلاق ہے آزاد کرنا بھی برت کرنا بھی اور اس کے حوند کا طلاق دینا بھی (یہ پانچ صورتیں تو بیان ہوئیں چھٹی صورت نہ تفسیر ابن کثیر میں سے نہ ابن جریر میں)

حضرت ابن لمسیب فرماتے ہیں کہ خاندن والی عورتوں سے نکاح حرام ہے لیکن بونڈیوں اس کی طلاق ان کا بک جانا ہے۔ حضرت معمر اور حضرت حسن بھی یہی فرماتے ہیں ان بزرگوں کا تو یہ قول ہے لیکن جمہوران کے مخالف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ بچنا طلاق نہیں اس لئے کہ خریدار بیچنے والے کا نائب ہے اور بیچنے والا اس نفع کو اپنی ملکیت سے نکال کر بیچ رہا ہے، ان کی دلیل حضرت بریرہ وال حدیث ہے جو بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب نہیں خرید کر آزاد کر دیا تو ان کا نکاح مغیث سے منع نہیں ہوا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فتح کرنے اور باقی رکھنے کا حکم دیا اور حضرت بریرہ نے فتح کرنے کو پسند کیا یہ واقعہ مشہور ہے، پس اگر بک جانا ہی طلاق ہوتا جیسے ان بزرگوں کا قول ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بریرہ کو ان کے بک جانے کے بعد اپنے نکاح کے باقی رکھنے نہ رکھنے کا اختیار نہ دینے، اختیار دینا نکاح کے باقی رہنے کی دلیل ہے تو آیت میں مراد صرف وہ عورتیں ہیں جو جہاد میں قبضہ میں آئیں واللہ اعلم۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ محضنت سے مراد پاک دامن عورتیں ہیں یعنی عقیقہ عورتیں جو تم پر حرام ہیں جب تک کہ تم نکاح اور مہر اور ولی سے ان کی عصمت کے مالک نہ بن جاؤ خواہ ایک ہو خواہ دو خواہ تین خواہ چار ابوالاعلیٰ و رطاؤس یہی مطلب بیان فرماتے ہیں۔ عمر اور عبید فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ چار سے زائد عورتیں تم پر حرام ہیں ہاں کثیروں میں یہ گنتی نہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ حرمت اللہ تعالیٰ نے تم پر لکھ دی ہے یعنی چار کی پس تم اس کی کتاب کو لازم پکڑو اور اس کی حد سے آگے نہ بڑھو، اس کی شریعت اور اس کے فرائض کے پابند رہو، یہ بھی کہا گیا ہے کہ حرام عورتیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ظاہر کر دیں۔

پھر فرمایا ہے کہ جن عورتوں کا حرام ہونا بیان کر دیا گیا ان کے علاوہ و سب حلال ہیں، ایک مطلب یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان چار سے کم تم پر حلال ہیں، لیکن یہ قول دور کا قول ہے و صحیح مطلب پہلا ہی ہے و یہی حضرت عطاء کا قول ہے، حضرت قتادہ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد لونڈیاں ہیں، یہی آیت ان وگوں کی دلیل ہے جو وہ بہنوں کے جمع کرنے کی حدت کے قائل ہیں اور ان کی بھی جو کہتے ہیں کہ ایک آیت اسے حلال کرتی ہے اور دوسری حرام۔ پھر فرمایا تم ان حلال عورتوں کو اپنے مال سے حاصل کر دو چار تک تو آزاد عورتیں اور لونڈیاں بغیر تعین کے لیکن ہو بہ طریق شرع۔ اسی سے فرمایا زنا کاری سے بچنے کے لئے اور صرف شہوت رانی مقصود نہیں ہونا چاہئے۔ پھر فرمایا کہ جن عورتوں سے تم فائدہ اٹھاؤ ان کے اس فائدہ کے مقابلہ میں مہر دے دیا کرو، جیسے اور آیت میں ہے و کیف تاحدوہ وقد افصى بعضکم الی بعض یعنی تم مہر کو عورتوں سے کیسے لگے حالانکہ ایک دوسرے سے مل چکے ہو اور فرمایا و اتوا النساء صدقاتہن نحسہ عورتوں کے مہر بخوشی دے دیا کرو و وجہ فرمایا ولا یحل لکم ان تاحدوا مما اتیتموھن شیان الخ تم نے جو کچھ عورتوں کو دے دیا ہو اس میں سے واپس لینا تم پر حرام ہے، اس آیت سے نکاح

متعدہ پر استدلال کیا ہے بیشک متعدد ابتداء اسلام میں مشروع تھا لیکن پھر منسوخ ہو گیا، اہم شافعی اور علمائے کرام کی ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ دوسرے متعدد مباح ہوا پھر منسوخ ہوا۔ بعض کہتے ہیں اس سے بھی زیادہ بڑا مباح اور منسوخ ہوا، اور بعض کا قول ہے کہ صرف ایک بار مباح ہوا پھر منسوخ ہو گیا پھر مباح نہیں ہوا۔

حضرت ابن عباس اور چند دیگر صحابہ سے ضرورت کے وقت اس کی اباحت مروی ہے، حضرت ام احمد بن ضبل سے بھی ایک روایت ایسی مروی ہے بن عباس ابی بن کعب سعید بن جبیر اور سدی سے مہر کے بعد الی اجل مسمى قرأت مروی ہے، مجاہد فرماتے ہیں یہ آیت نکاح متعدہ کی بابت نازل ہوئی ہے۔

لیکن جمہور اس کے برخلاف ہیں اور اس کا بہترین فیصلہ بخاری و مسلم کی حضرت علی والی روایت کر دیتی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر والے دن نکاح متعدہ سے اور گھریو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا، اس حدیث کے الفاظ کتب حکام میں مقرر ہیں صحیح مسلم شریف میں حضرت سیرہ بن معبد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے غزوہ میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ نے ارشاد فرمایا اے لوگو میں نے تمہیں عورتوں سے متعدہ کرنے کی رخصت دی تھی یہ دیکھو بیشک اب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے جس کے پاس اس قسم کی کوئی عورت ہو تو اسے چاہئے کہ اسے چھوڑ دے اور تم نے جو کچھ انہیں دے رکھا ہو اس میں سے ان سے کچھ نہ لو۔

صحیح مسلم شریف کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے حجت الوداع میں یہ فرمایا تھا، یہ حدیث کئی الفاظ سے مروی ہے، جن کی تفصیل جگہ احکام کی کتاب میں ہیں، پھر فرمایا کہ تقرر کے بعد بھی اگر تم پر رضامندی کچھ ملے کر لو تو کوئی حرج نہیں، اگلے جسے کو متعدہ پر محسوس کرنے دے تو اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جب مدت مقررہ گزر جائے پھر مدت کو بڑھا بیٹے اور جو یہ ہو اس کے علاوہ اور کچھ دینے میں کوئی گناہ نہیں،

سدی کہتے ہیں اگر چاہے تو پہلے کے مقرر مہر کے بعد جو دے چکا ہے وقت کے ختم ہونے سے پیشتر پھر کہہ دے کہ میں اتنی تنی مدت کے لئے پھر متعہ کرتا ہوں پس اگر اس نے رحم کی پاکیزگی سے پہلے دن بڑھا دے تو جب مدت پوری ہو جائے تو پھر اس کا کوئی دباؤ نہیں وہ عورت الگ ہو جائے گی اور حیض تک ٹھہر کر اپنے رحم کی صفائی کر لے گی ان دونوں میں میراث نہیں نہ یہ عورت اس مرد کی رشتہ نہ یہ مرد اس عورت کا، اور جن حضرات نے اس جملہ کو نکاح مسنون کے مہر کی کے مصداق کہا ہے ان کے نزدیک تو مطلب صاف ہے کہ اس مہر کی ادائیگی تاکید ایمان ہو رہی ہے جیسے فرمایا مہر بآسانی اور بہ خوشی دے دیا کرو، اگر مہر کے مقرر ہو جانے کے بعد عورت اپنے پورے حق کو یا تھوڑے سے حق کو چھوڑ دے صاف کر دے اس سے دست بردار ہو جائے تو میاں بیوی میں سے کسی پر کوئی گناہ نہیں۔

حضرت حنفی فرماتے ہیں کہ لوگ اقرار دیتے ہیں پھر ممکن ہے کہ گنتی ہو جائے تو اگر عورت اپنا حق چھوڑ دے تو جائز ہے ام ابن جریر بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ مہر کی رقم پوری پوری اس کے حوالے کر دے پھر



سے بسنے اور لگ ہونے کا پورا پورا اختیار دے، پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ عظیم و حکیم ہے ان کا احکام میں جو صحت و حرمت کے متعلق ہیں جو رحمتیں ہیں اور جو مصیبتیں ہیں انہیں وہی بخوبی جانتا ہے۔

اہل ظواہر کے نزدیک مقتودشوہر عورت کی عدت کا بیان

اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے کسی ایک اقوال ہیں کہ عورت کتنی مدت انتظار کرے تاکہ خاوند پر موت کا حکم لگایا جاسکے۔

محقق علماء کرام نے راجح یہ قرار دیا ہے کہ اس مدت کی تقدیر حاکم کے اجتہاد پر منحصر ہے، اور اس میں حالات و اوقات اور قرآن کے اعتبار سے اختلاف ہو سکتا ہے تو اس طرح قاضی اپنے اجتہاد سے اس مدت کو مقرر کرے گا جو اس کے ظن غالب میں ہو کہ اس دوران اس کی موت واقع ہو سکتی ہے۔

تو اس مدت کے اختتام پر وہ عورت فوت شدہ خاوند کی عدت چار ماہ و دس دن گزارے گی، اور اس مدت کے اختتام پر وہ شادی کر سکتی ہے۔

اور اگر اسے خاوند کی جگہ کا عیم ہے اور اس نے اس مدت میں اس سے علیحدگی اختیار کر رکھی ہے تو اس کا حکم ایذا و احکام ہوگا، لہذا عورت یا اس کا ولی اس سے رابطہ کرے گا یا پھر اس معاملے کو حاکم تک پہنچا دے گا جو خاوند کو مجبور کرے کہ وہ بیوی کے پاس واپس آئے اور اگر وہ واپس آنے سے انکار کر دے تو حاکم اس کی جانب سے ایک طلاق دے گا یا پھر نکاح فسخ کر دے گا۔

اسقاط حمل کی صورت میں حاملہ کی عدت کا بیان

علماء کرام کا اس پر بھی اجماع ہے کہ اگر اس نے بچے کی تخلیق کے بعد وضع حمل کر دیا تو اس کی عدت ختم ہو جائے گی۔

(المغنی لابن قدامہ المقدسی (11 / 229)

اور حمل کے اسی (80) دن کے بعد بچے کی تخلیق یعنی شکل و صورت فنی شروع ہو جاتی ہے، اور غائبانہ (90) دن کی تکمیل میں تخلیق بھی مکمل ہو جاتی ہے۔ لہذا اس بنا پر جس عورت نے حمل کے پانچویں ماہ میں حمل ساقط کر دیا، سب علماء کرام کے ہاں اس کی عدت ختم ہو جائے گی، اور اس کی عدت ختم ہو جانے پر خاوند کے یہ رجوع کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن خاوند کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اگر چاہے تو نیا نکاح کر سکتا ہے، اور اس میں نکاح کی وہ سب شروط پائی جانی ضروری ہیں جو نکاح میں پائی جاتی ہیں مثلاً مہر، گواہوں کی موجودگی، عورت کی رضا مندی، اور ولی کی موجودگی۔

اور اس شخص پر جو اسقاط حمل کا سبب بنا ہے وہ چیزیں باقی رہتی ہیں۔

ول اس کے ذمہ قتل خطا کا کفارہ ہے، جو ایک مومن غلام آزاد کرنا، اور اگر وہ غلام نہ پاسکے تو مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے کیونکہ بندہ بھانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور جو شخص کسی مسلمان کو بلا قصد مار ڈالے، اس پر ایک مسلمان غلام کی گردن آزاد کرنا اور مقتول کے عزیزوں کو دیت دینا ہے، ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ لوگ بطور صدقہ معاف کر دیں۔۔۔

پھر اسی آیت میں آگے فرمایا: پس جو نہ پائے اس کے ذمے دو مہینے کے لگا تار روزے ہیں، اللہ تعالیٰ سے بخشوانے کے لیے اور اللہ تعالیٰ بخوبی جاننے والا اور حکمت والا ہے) النساء (92)

دوم۔ اس کے ذمہ بچے کی دیت کی ادائیگی بھی ہے (اور وہ ماں کی دیت کا دسواں حصہ ہے، اور مسلمان عورت کی دیت بچہ س اونٹ میں جو انداز ساٹھ ہزار سعودی ریال بنتے ہیں) لہذا دام کو چاہے کہ وہ بچے کے درثناء کو چھ ہزار ریال یا پھر ان کی قیمت کی دوسری کرنسی کی ادائیگی کرے، اور ان پر تقسیم کی جائے گی کیونکہ بچہ فوت ہو چکا ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ والد اس دیت میں کسی چیز کا بھی وارث نہیں بن سکتا کیونکہ قاتل مقتول کا وارث نہیں بن سکتا۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔ (اور اگر مجرم بچے کو گرانے والا اس کا باپ یا اس کے درثناء میں سے کوئی اور ہو تو اس کے ذمہ غرقہ ہے،) اور غرقہ غلام یا لونڈی کو کہا جاتا ہے جس کی قیمت پانچ اونٹ ہیں، اور پر بیان ہو چکا ہے کہ وہ اندازاً چھ ہزار سعودی ریال بنتے ہیں) وہ اس میں سے کسی بھی چیز کا وارث نہیں ہوگا، اور ایک غلام آزاد کرے گا، مام زہری اور امام شافعی وغیرہ کا یہی قول ہے) (المغنی لابن قدامہ المقدسی (12 / 81)

فقہاء کرام کی ایک جماعت کا بیان ہے کہ جب عورت کو خضوت کے بعد ورودخول سے قبل طلاق دے دی جائے تو وہ باکرہ ہی رہتی ہے، اور اسی طرح شادی کر لے گی جس طرح باکرہ اور کنواری عورتیں کرتی ہیں درالاحکام میں درج ہے۔

"جسے صحیح خلوت کے بعد طلاق ہوئی ہو اور اس کی بکارت زائل نہ ہوئی ہو، یہ پھر دخول سے قبل طلاق ہو جائے تو وہ کنواری نہ کیوں کی طرح ہی شدی کر لے گی، چاہے اس پر عدت واجب ہوتی ہے، کیونکہ وہ حقیقت میں باکرہ ہے اور اس میں حیاء موجود ہے" دیکھیں: درالاحکام (1 / 336)

اور الفتاویٰ الہندیہ میں درج ہے: "ہمارے اصحاب (حنفی مذہب پر) نے صحیح خلوت کو بعض احکام میں وطء کے قائم مقام کیا ہے۔ اور بکارت زائل ہونے میں خلوت وطء کے قائم مقام نہیں ہوتی حتیٰ کہ کنواری عورت کے ساتھ خلوت کرے اور پھر اسے طلاق دے دے تو اس کی شدی کنواریوں کی طرح ہی کر لے گی۔ (الفتاویٰ الہندیہ (1 / 306)

اور کتاب "بلغة السائل للفتاویٰ (4 / 354) اور الانصاف (8 / 284) میں بھی اسی طرح کلام درج ہے۔

دوم۔ جب بیوی خاوند کی کسی کوتاہی اور ایسے سبب کے بغیر ہی طلاق کا مطالبہ کرے جو طلاق طلب کرنے کا باعث نہ بن سکتا ہو، تو خاوند کو یہ مطالبہ رد کرنے کا حق حاصل ہے، اور وہ بیوی سے طلع کر سکتا ہے کہ وہ مہر واپس کرے۔



## ﴿یہ فصل عورت کے سوگ کے بیان میں ہے﴾

### فصل سوگ کی فقہی مطبقت کا بیان

عہدہ ابن محمود ہارتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے اس سے پہلے عدت کے احکام کو بیان کیا ہے وراہ وہ عدت کی کیفیت اور عدت والی عورت پر کیا احکام واجب ہیں اور کیا احکام واجب نہیں ہیں ان کو بیان کر رہے ہیں۔ اس فصل میں مصنف علیہ الرحمہ بیان کریں گے عدت والی عورت پر کن امور کا خیال رکھنا ضروری ہے اور کن افعال سے پرہیز کرنا واجب ہے۔ اور حد کا معنی منع ہے۔ چونکہ عدت میں عورت کو بناؤں سکھا رہے منع کر دیا جاتا ہے لہذا اس کو حد سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(عنا یہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۱۳۶، بیروت)

### سوگ کا فقہی مفہوم

سوگ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بناؤں سکھ کر دے اور خوشبو دوسرہ وغیرہ لگانے سے پرہیز کرے چنانچہ یہ سوگ کرنا کسی دوسری میت پر تو تین دن سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ لیکن اپنے شوہر کی وفات پر چار مہینے دس دن تک یعنی ایام عدت میں سوگ کرنا واجب ہے۔

اب رہی یہ بات کہ چار مہینے دس دن یعنی عدت کی مدت کی ابتدا کب سے ہوگی تو جمہور علماء کے نزدیک اس مدت کی ابتدا خاوند کی موت کے بعد سے ہوگی لیکن حضرت علیؓ اس کے قائل تھے کہ عدت کی ابتدا اس وقت سے ہوگی جس وقت کہ عورت کو خاوند کے انتقال کی خبر ہوئی ہے لہذا اگر کسی عورت کا خاوند کہیں باہر سفر وغیرہ میں مر گیا، اس عورت کو اس کی خبر نہیں ہوئی یہاں تک کہ چار مہینے دس دن گزر گئے تو جمہور علماء کے نزدیک عدت پوری ہوگئی جب کہ حضرت علیؓ کے قول کے مطابق اس کی عدت پوری نہیں ہوگی بلکہ اس کو خبر ہونے کے وقت سے چار مہینے دس دن تک عدت میں بیٹھنا ہوگا۔

حضرت ام عطیہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے ہاں اپنے شوہر کے مرنے پر چار مہینے دس دن تک سوگ کرے اور ان ایام یعنی زمانہ عدت میں عصب کے علاوہ نہ تو کوئی تلکین کپڑ پہنے نہ سرمہ لگائے اور نہ خوشبو لگائے البتہ حیض سے پاک ہوتے وقت تھوڑا سا قحطیہ اٹھفارا استعمال کرے تو قباحات نہیں (بخاری و مسلم)

(وَلَا حُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنُتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِيمَ اللَّهِ أَنَّكُمْ سَأَلْتُمُوهُنَّ وَلَكِنْ لَا تَأْتِيَهُنَّ بِشَرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا وَلَا تَعْزَمُوا عُقْلَةَ النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكَيْفَ أَجَلَهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزُورٌ حَبِيمٌ (لقوہ، ۲۳۵)

اور تم پر گنہگار نہیں اس میں کہ اشارۃ عورتوں کے نکاح کا پیغام دیا اپنے دل میں چھپا رکھو، اللہ (عزوجل) کو معصوم ہے کہ تم اس کی یاد کرو گے ہاں ان سے خفیہ وعدہ مت کرو مگر یہ کہ تم ہی بات کرو جو شرع کے موافق ہے۔ اور عقد نکاح کا پکا ارادہ نہ کرو اب تک کتاب کا حکم پڑھا ہے یا نہیں پڑھا ہے اور جان لو کہ اللہ (عزوجل) اس کو جو نہ کہتا ہے جو کچھ اسے دلوں میں ہے تو اس سے زور اور جان لو کہ اللہ (عزوجل) بخشنے والا، حلم والا ہے۔

سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ عدت کے دوران ایسی عورتوں سے اشارہ و کتابیہ میں نکاح کا پیغام دینے میں کوئی حرج نہیں، مثلاً یہ کہہ کہ مجھے اپنے گھر سنبھالنے کیلئے ایک شریف عورت کی ضرورت ہے، یا یہ کہ آپ جیسی کوئی بھی خاتون مجھے مل جاتی تو میرے گھر کا نظام بہت اچھی طرح چلتا، یا یہ کہ مجھے کسی وفا شعار شریک حیات کی ضرورت ہے، وغیرہ وغیرہ، موصول تو یہی ہے کہ دوران عدت اس طرح کے کسی اشارہ و کتابیہ کی بھی اجازت نہ ہوتی، لیکن اس کی فطرت، اور اس کے طبعی میاں کی رعایت میں کسی اجازت دے دی گئی سی لئے ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو معصوم ہے کہ تم لوگ ان عورتوں کو یاد کرو گے اس لئے تمہارے اس فطری میاں و رحمان کی بناء پر تم کو اس کی اجازت دے دی گئی لیکن بات صرف اشارہ و کتابیہ ہی کی حد تک رہے۔ اس سے آگے بڑھ کر کہیں نہ سے کوئی خفیہ وعدہ و پیمانہ نہ کر لینا کہ اس سے آگے کئی طرح فقہی جزم لے سکتے ہیں اور مختلف قسم کی خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں، والعیاذ باللہ العظیم، خطبہ کا لفظ جب حرف خاء کے پیش کے ساتھ ہو تو اس کے معنی خطاب کے آتے ہیں جیسا کہ مجمع کا خطبہ وغیرہ، اور جب یہ اس کے زیر کے ساتھ ہو جیسا کہ یہاں ہے تو اس کے معنی متغنی کے آتے ہیں۔

اس لئے اس کے یہاں صرف ظاہر داری سے کام نہیں چل سکتا۔ بلکہ وہاں پر دلوں کے ارادوں اور نیتوں کو درست رکھنا بھی ضروری ہے۔ اس لئے اس کے ساتھ اپنے دلوں کے ارادوں کو بھی درست رکھنا۔

بیوہ اور مطلقہ پر سوگ کرنا لازم ہے

قَالَ (وَعَلَى الْمَبْتُوتَةِ وَالْمُتَوَفَّى عَنْهَا رَوْحُهَا إِذَا كَانَتْ بِإِلْعَاقِ مُسْلِمَةٍ الْحَدَادِ) أَمَّا الْمَبْتُوتَةُ عَنْهَا رَوْحُهَا فَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تَزَوَّجَتْ بِأَلِيٍّ وَالْيَوْمِ الْأَحَرِّ أَنْ تُحَدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ إِلَّا عَلَى رَوْحِهَا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا (۱)) وَمَا الْمَبْتُوتَةُ فَمَدَّهْنًا. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا حَدَادَ عَلَيْهَا لِأَنَّهُ وَحَبَّ إِظْهَارِ النَّاسِفِ عَلَى قَوْتِ زَوْجٍ وَفِي بَعْدِهَا إِلَى مَسَاتِهِ وَقَدْ أَوْحَشَهَا بِالْإِنْيَةِ فَلَا تَأْسَفُ بِقَوْتِهِ وَلَكِنَّا مَا رَوَى (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى الْمُعْتَدَةَ أَنْ تَحْتَضِبَ بِالْحَيَاءِ) وَقَالَ (الْحَيَاءُ طِبُّ (۲)) وَلَا أَنَّهُ يَجِبُ إِظْهَارُ النَّاسِفِ عَلَى قَوْتِ نِعْمَةِ ابْنِكَاحِ الْيَدَى هُوَ سَنَتْ

لِصَوْنِهَا وَكَفَايَةُ مُزْنِهَا، وَالْإِبَانَةُ أَقْطَعُ لَهَا مِنَ الْمَوْتِ حَتَّى كَانَ لَهَا أَنْ تُغَسِّلَهُ مَيِّتًا قَبْلَ  
الْإِبَانَةِ لَا بَعْدَهَا (وَالْحِدَادُ) وَيُقَالُ الْإِحْدَادُ وَهُمَا لَفْتَانِ (أَنْ تَتْرَكَ الطَّيْبَ وَالزَّيْنَةَ  
وَالْكُحْلَ وَالذَّهْنَ الْمُطَيَّبَ وَغَيْرَ الْمُطَيَّبِ إِلَّا مِنْ عُدْرٍ، وَفِي الْجَمَاعِ الصَّغِيرِ إِلَّا مِنْ  
وَجَعٍ) وَالْمُعْتَدُّ فِيهِ رَحْمَانٌ: أَحَدُهُمَا مَا ذَكَرْنَاهُ مِنْ إِطْهَارِ النَّاسِ فِيهِ.

وَالثَّانِي: أَنَّ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ كَوَاعِي الرَّغْبَةِ فِيهَا وَهِيَ مَمْنُوعَةٌ عَنِ النِّكَاحِ فَتَجْتَنِبُهَا  
كُنَى لَا تَصِيرُ ذَرِيعَةً إِلَى الْوُقُوعِ فِي الْمَحْرَمِ، وَقَدْ صَحَّ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ  
وَالسَّلَامُ لَمْ يَأْدَنْ لِلْمُعْتَدَّةِ فِي الْإِكْتِحَالِ<sup>(۱)</sup>.

وَالذَّهْنُ لَا يَغْرَى عَنْ نَوْعِ طَيِّبٍ وَفِيهِ زِينَةُ الشَّعْرِ، وَلِهَذَا يُمْنَعُ الْمَحْرَمُ عَنْهُ قَالَ:  
إِلَّا مِنْ عُدْرٍ لِأَنَّ فِيهِ ضَرُورَةً، وَالْمُرَادُ الدَّوَاءُ لَا الزَّيْنَةُ.

رجعہ

اور جس عورت کو طلاق بتدی گئی ہو یا بیوہ عورت اگر بالغ اور مسلمان ہو تو اس پر سوگ کرنا لازم نہیں تک بیوہ عورت کا تعلق  
ہے اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: "اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھنے والی کسی بھی عورت کے لئے یہ بات  
جائز نہیں ہے کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے البتہ اپنے شوہر کا سوگ چار ماہ دس دن تک کرے گی۔" جہاں تک  
طلاق بتہ پانے ان عورت کا تعلق ہے تو یہ ہمارا مذہب ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں: ایسی عورت پر سوگ لازم نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ  
یہ ہے سوگ اس شوہر کے انتقال پر کیا جاتا ہے جو مرتے دم تک عورت کی ذمہ داریاں نبھاتا ہے جبکہ اس شخص نے تو علیحدگی کے  
ذریعے اسے پریشان کر دیا ہے لہذا اس سے علیحدگی کی وجہ سے سوگ نہیں کیا جائے گا۔ ہماری دلیل وہ روایت ہے: نبی صلی اللہ علیہ  
وسلم نے عدت گزرنے والی عورت کو منع کیا تھا کہ وہ مہندی لگائے اور آپ نے ارشاد فرمایا تھا "مہندی ایک خوشبو ہے"۔ اس کی ایک

(۱) روى الحديث عن عبد الله بن مسعود عن رسول الله ﷺ منهم أم عطية رضي الله عنها أخرجه البخاري في "صحيحه" برقم (۵۳۴۲) و  
مسلم في "صحيحه" برقم (۹۲۸) و عن أم حبيبة و زينب بنت جحش مرفوعاً أخرجه البخاري في "صحيحه" برقم (۵۳۳۴-۵۳۳۵) و  
مسلم في "صحيحه" برقم (۱۴۸۶-۱۴۸۷)

(۲) هذا حديثان يحدیث الحاء طیب تقدم فی الجمع، و الثاني أخرجه مالك في "الموطأ" برقم ۶۰۰/۲ و أبو داود في  
"سننه" برقم (۲۳۰۵) و النسائي في "المعجم" برقم ۴۱۶-۵۲۰ عن أم سلمة مرفوعاً و فيه "ولا تمسطي بالطيب، ولا بالحاء فانه  
حطاب" و أخرجه أحمد في "المستند" ۳۰۲/۶ و أبو داود في "سننه" برقم (۲۳۰۴) عن أم سلمة رضي الله عنها مرفوعاً "المتوفى عنها  
زوجها لا تلبس المسفر من الثياب، ولا الممشقة، ولا الحلی، ولا تعتصب، ولا تكتحل"

توجہ یہ بھی ہے نکاح کی سخت زائل ہونے پر افسوس کے اظہار کے لئے سوگ کرنا لازم ہے کیونکہ نکاح اس خاتون کے لیے عصمت  
حفاظت کا ذریعہ ہے اور اس کی ضروریات کا کفیل تھا اور یہ جدائی شوہر کی انتقال کی صورت میں ملنے والی جدائی سے زیادہ افسوس ناک  
ہے۔

یہی وجہ ہے اس جدائی سے پہلے وہ اپنے مرحوم شوہر کو غسل دے سکتی ہے جبکہ اس عیحدگی کے بعد اس کے لئے یہ چار نہیں  
ہے۔ غلط حداد کو "احداد" بھی کہا گیا ہے: یہ لغات (اس سے مراد یہ ہے) عورت خوشبو، زینت، سرمہ، خوشبودار تیل، بغیر خوشبو  
کے تیل نہیں لگائے گی البتہ کسی عذر کی وجہ سے لگا سکتی ہے: یہ الفاظ ہیں "البتہ کسی عذر کی وجہ سے لگا سکتی ہے"۔

اس میں دو پہلو پائے جاتے ہیں۔ پہلا پہلو یہ ہے: جس کا ہم نے ذکر کیا افسوس کا اظہار کرنا ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے: اس  
طرح کی ریب و زینت عورت کی طرف رغبت دلانی ہے جبکہ اس عورت کے لئے نکاح کرنے کی ممانعت ہے لہذا وہ ایسی تمام  
چیزوں سے گریز کرے گی تاکہ یہ تمام چیزیں اس کے حرام میں مبتلا ہونے کا باعث نہ بنیں۔ صحیح روایات کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ  
علیہ وسلم نے عدت گزارنے والی خاتون کو سرمہ لگانے کی اجازت نہیں دی جہاں تک تیل کا تعلق ہے تو اس میں کوئی نہ کوئی خوشبو  
ضرور ہوتی ہے نیز اس کے ذریعے بالوں کی زینت بھی ظاہر ہوتی ہے یہی وجہ ہے: احرام باندھنے والے شخص کے لئے تیل لگانا منع  
ہے۔ مصنف نے (متن میں) یہ جو کہا ہے: "البتہ کسی عذر کی وجہ سے کیا جاسکتا ہے" تو اس کی وجہ یہ ہے اس کے بغیر چارہ نہیں ہے  
اور اس سے مراد وہائی ہے آرائش و زیبائش نہیں ہے۔

شرح

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتی ہیں اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والی کسی  
بھی خاتون (شاید یہ الفاظ ہیں) اللہ پر ایمان رکھنے والی کسی بھی خاتون کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ کسی بھی شخص کے مرنے پر  
تین دن سے زیادہ سوگ کرے البتہ شوہر کی وفات کے بعد چار ماہ دس دن سوگ کرے گی۔

(سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر ۱۴۰)

حضرت ام حبیبہ بنت ابوسلمیہ کے بھائی یا شاید کوئی قریبی عزیز فوت ہو گئے تین دن کے بعد انہوں نے زرد رنگ منگوایا اور  
اسے اپنے ہاتھوں پر لیا اور فرمایا کہ میں نے اس وجہ سے ایب کیا ہے کیونکہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے  
ہوئے سنا ہے اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والی کسی بھی عورت کے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے وہ شوہر کے عذر وہ کسی اور شخص کے  
مرنے پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے۔ شوہر کی وفات پر وہ چار ماہ دس دن سوگ کرے گی۔

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ "مقول" ہے تاہم اس میں سیدہ ام سلمہ کا ذکر ہے یا شاید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی اور

(۱) البھی عن الکاحل تقدم فی حدیث أم سمة أول ابی عبد الشیخ وأما الذهن فلم یجدہ محرر "الهدایة" انظر "نصب الراية"  
۲۵۲/۲ و "اللمعة" ۸۰/۲

زوجہ محترمہ کا ذکر ہے۔ (سنن داری: جلد دوم: حدیث نمبر 141)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میری خالہ کو عطلاق دے دی گئی انہوں نے یہ ارادہ کر لیا کہ وہ اپنے بھجوروں کے باغ کی دیکھ بھال کیا کریں تو ایک شخص نے ان سے کہا کہ تمہیں سات کی اجازت نہیں کہ تم گھر سے باہر نکلو وہ خاتون بیان کرتی ہیں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم گھر سے باہر نکلو اور اپنے باغ میں کام کرو۔ شاید تم اسے صدقہ کرو دیا نیکی کے کسی اور کام میں استعمال کرو۔ (سنن داری: جلد دوم: حدیث نمبر 144)

عذر کی وجہ سے سوگ والی عورت تیل لگا سکتی ہے

وَلَوْ اعْتَادَتْ الذَّهْنُ فَحَافَتْ وَجَعًا، فَإِنْ كَانَ ذَلِكَ أَمْرًا ظَاهِرًا يُبَاحُ لَهَا لِأَنَّ لِعَالِمَاتِ كَالْوَقْعِ، وَكَذَا لُبُّ الْحَبِيرِ إِذَا احْتَا جُتِ إِلَيْهِ لِعَدْوٍ لَا بَأْسَ بِهِ.  
(وَلَا تَخْضِبُ بِالْحِنَّاءِ) لَمَّا رَوَيْنَا (وَلَا تَلْسُ قَوْنًا مَصُوعًا بِعَصْفٍ وَلَا بِزَعْفَرَانٍ) لِأَنَّهُ يَفُوحُ مِنْهُ رَائِحَةُ الطَّيِّبِ.

ترجمہ

اور اگر عورت تیل استعمال کرنے کی عادی ہو (اور نہ لگانے سے) تکلیف کا اندیشہ ہو تو اگر یہ معاملہ ظاہر ہے تو اس کے لئے عذر شمار ہوگا کیونکہ غائب (امکان) واقع کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس طرح ریشم پہننے کا حکم ہے۔ اگر اس کی کسی عذر کی وجہ سے ضرورت ہو تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ تاہم وہ مہندی کو منضاب کے طور پر نہیں لگا سکتی اس کی وجہ سے روایت ہیں جو ہم نقل کر چکے ہیں۔ اسی طرح وہ درس اور زعفران میں رنگا ہوا کپڑا بھی نہیں پہن سکتی کیونکہ اس کے نتیجے میں اس کی خوشبو ادھر ادھر پھیلے گی۔

عدت والی عورت کیلئے تیل استعمال کرنے میں مذاہب اربعہ

حضرت ام سلمہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں روایت کرتی ہیں کہ جب میرے پہلے شوہرا بوسمہ کا انتقال ہوا اور میں عدت میں بیٹھی ہوئی تھی تو ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے اس وقت میں نے اپنے منہ پر ایوا لگا رکھا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ ام سلمہ یہ کیا ہے یعنی تم نے عدت کے دنوں میں منہ پر یہ کیا لگا رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ تو ایلا ہے جس میں کسی قسم کی کوئی خوشبو نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مگر ایوا چہرے کو جوان بنا دیتا ہے یعنی ایوا لگانے سے چہرہ چمکد رہو جاتا ہے اور اس کا رنگ نکھر جاتا ہے ہذا اتم اس کو نہ لگاؤ ہاں اگر کسی وجہ سے لگانا ضروری ہی ہو تو رات میں لگا لو اور دن میں صاف کر ڈالو کیونکہ رات میں استعمال کرنے سے بناؤ سنگار کا گمان ہوتا ہے (اسی طرح خوشبودار کنگھی بھی نہ کرو اور نہ مہندی کے ساتھ کنگھی کرو کیونکہ مہندی سرخ رنگ سے ہوتی ہے اور اس میں خوشبو ہوتی ہے جب کہ یہ سوگ کی حالت میں ممنوع ہے میں نے عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پھر میں کس چیز کے ساتھ کنگھی کروں یعنی اپنے بالوں کو کس چیز سے

صاف کرو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیری کے پتوں کے ساتھ کنگھی کرو اور ان پتوں سے اپنے سر کو صاف کی طرح ڈھانپ لو یعنی بیری کے پتے اپنے سر پر اتنی مقدار میں ڈالو کہ وہ تمہارے سر کو غلاف کی طرح ڈھانپ لیں۔

(ابوداؤد و نسائی، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 527)

حضرت ام خطیبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتی ہیں کوئی بھی عورت شوہر کے عہدہ کسی اور کے سرے پر تین سے زیادہ سوگ نہیں کر سکتی۔ شوہر کا سوگ چار ماہ دس دن کرے گی اس دوران وہ عصب کے علاوہ کوئی رنگین کپڑا استعمال نہیں کرے گی نہ خوشبو لگائے گی اور نہ سر ملگائے گی البتہ جب حیض سے پاک ہوگی اور غسل کرے گی اس وقت تھوڑی سی خوشبو استعمال کر سکتی ہے۔

(سنن داری: جلد دوم: حدیث نمبر 142)

خوشبودار تیل کے بارے میں تو علماء کا اتفاق و اجماع ہے کہ عدت والی عورت اس کا استعمال نہ کرے البتہ بغیر خوشبو کے تیل مثلاً روغن زیتون وقل کے بارے میں اختلافی اقوال ہیں چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ و حضرت امام شافعی تو بغیر خوشبو کا تیل لگانے بھی منع کرتے ہیں البتہ ضرورت و مجبوری کی حالت میں اس کی اجازت دیتے ہیں اور حضرت امام مالک حضرت امام احمد اور علماء طواہر نے عدت والی عورت کے لئے ایسے تیل کے استعمال کو جائز رکھا ہے جس میں خوشبو نہ ہو۔

حضرت ام سلمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس عورت کا خاوند مر جائے وہ نہ کسم میں رنگا ہوا کپڑا پہنے نہ گیرہ میں رنگا ہوا کپڑا پہنے نہ زیور پہنے نہ ہاتھ پاؤں اور بالوں پر مہندی لگائے ورنہ سر ملگائے۔

(ابوداؤد و نسائی)

اگر سیاہ اور خاکستری رنگ کے کپڑے پہنے تو کوئی مضائقہ نہیں اسی طرح کسم میں زیادہ دنوں کا رنگا ہوا کپڑا کہ جس سے خوشبو نہ آتی سو پہننا بھی درست ہے ہدایہ میں لکھا ہے کہ مذکورہ باعزت کو کسی عذر مثلاً کھجلی یا جوئیں یا کسی بیماری کی وجہ سے ریشمی کپڑا پہننا بھی جائز ہے۔

سوگ کے مسئلہ میں فقہی مذاہب

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس عورت کا خاوند مر گیا ہو اس پر عدت کے زمانہ میں سوگ کرنا واجب ہے چنانچہ اس پر تمام علماء کا اجماع و اتفاق ہے البتہ سوگ کی تفصیل میں اختلافی اقوال ہیں۔

حضرت امام شافعی اور جمہور علماء تو یہ کہتے ہیں کہ خاوند کی وفات کے بعد ہر عدت والی عورت پر سوگ کرنا واجب ہے خواہ وہ مدغوبہ ہو یعنی جس کے ساتھ جماع ہو چکا ہو یا غیر مدغوبہ ہو (یعنی جس کے ساتھ جماع نہ ہوا ہو) خواہ چھوٹی ہو یا بڑی خواہ باکرہ ہو یا شیعہ خواہ آزاد ہو یا لونڈی اور خواہ مسلمہ ہو یا کافرہ۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک سات قسم کی عورتوں پر سوگ واجب نہیں ہے جس کی تفصیل درمختار کے مطابق یہ ہے کہ (۱) کافرہ (۲) مجنونہ (۳) صغیرہ (۴) معتدہ علق یعنی وہ ام ولد جو اپنے مولیٰ کی طرف سے آزاد کئے جانے یا اپنے



مولیٰ کے مرجانے کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو (۵) وہ عورت جو نکاح فاسد کی عدت میں بیٹھی ہو (۶) وہ عورت جو وحی بالنبی کی عدت میں بیٹھی ہو یعنی جس سے کسی غیر مرد نے غلط فہمی میں جبراع کر لیا ہو اور اس کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو (۷) وہ عورت جو طلاق رجعی کی عدت میں بیٹھی ہو۔

جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ خاوند کے علاوہ کسی کے مرنے پر عورت کو تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں ہے اور تین دن تک بھی صرف صبح ہے واجب نہیں ہے چنانچہ اگر تین دنوں میں بھی خاوند سوگ کرنے سے منع کرے تو اس کو اس کا حق ہے کیونکہ بیوی کے بناؤ سنگار کا تعلق خاوند کے حق سے ہے اگر تین دنوں میں خاوند کی خواہش یہ ہو کہ وہ سوگ ترک کر کے بناؤ سنگار کرے اور بیوی خاوند کا کہنا نہ مانے تو اس بات پر بیوی کو مارنا خاوند کے لئے جائز ہے کیونکہ سوگ کرنے میں خاوند کا حق فوت ہو جاتا ہے۔

### سوگ کے فقہی احکام و مسائل

جس عورت کو طلاق رجعی ملی ہو اس کی عدت تو نفقہ اتنی ہی ہے کہ وہ مقررہ مدت تک گھر سے باہر نہ نکلے اور نہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اس کے لئے بناؤ سنگار وغیرہ درست ہے اور جس عورت کو جو مکلفہ مسلمہ یعنی باغ و قفل اور مسلمان ہوتی ہو تین طلاقیں مل گئیں یا ایک طلاق بائن یا اور کسی طرح سے نکاح ٹوٹ گیا یا خاوند مر گیا تو ان سب صورتوں میں اس کے لئے یہ حکم ہے کہ جب تک عدت میں رہے تب تک نہ تو گھر سے باہر نکلے نہ اپنا دوسرا نکاح کرے ورنہ بناؤ سنگار کرے یہ سب باتیں اس پر حرم ہیں۔ اس سنگار نہ کرنے اور میلے کچیلے رہنے کو سوگ کہتے ہیں۔

جب تک عدت ختم نہ ہو تب تک خوشبو لگانا کپڑے بسانا زیور پہننا پھوس پہننا سرمہ لگانا پان کھا کر نہ لال کرنا سی مسلمانہ میں تیل ڈالنا کنگھی کرنا مہندی لگانا اچھے کپڑے پہننا ریشمی اور رنگے ہوئے بہر دار کپڑے پہننا یہ سب باتیں ممنوع ہیں۔ ہاں مجبوری کی حالت میں اگر ان میں سے کوئی چیز اختیار کی گئی تو کوئی مضائقہ نہیں مثلاً سر میں درد ہونے کی وجہ سے تیل ڈالنے کی ضرورت پڑے تو بغیر خوشبو کا تیل ڈالنا درست ہے اسی طرح دوا کے لیے سرمہ لگانا بھی ضرورت کے وقت درست ہے۔

جس عورت کا نکاح صحیح نہیں ہوا تھا بلکہ بے قاعدہ ہو گیا تھا اور وہ فسخ کر دیا گیا یا خاوند مر گیا تو ایسی عورت پر سوگ کرنا واجب نہیں ہے۔ اسی طرح جو عورت حق یعنی آزادی کی عدت میں ہو جیسے ام ولد کو اس کا مولیٰ آزاد کر دے اور وہ اس کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو تو اس پر سوگ کرنا واجب نہیں ہے۔

جو عورت عدت میں بیٹھی ہو اس کے پاس نکاح کا پیغام بھیجنا جائز نہیں ہے ہاں نکاح کا کنہ یہ یعنی یہ کہنا کہ میں اس عورت سے نکاح کرنے کی خواہش رکھتا ہوں یا اس سے نکاح کرنے کا میں ارادہ رکھتا ہوں جائز ہے مگر یہ بھی اس صورت میں جائز ہے کہ جب کہ وہ عورت وفات کی عدت میں بیٹھی ہو اگر طلاق کی عدت میں بیٹھی ہو تو یہ بھی جائز نہیں ہے۔

جو عورت طلاق کی عدت میں بیٹھی ہو اس کو تو کسی بھی وقت گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے ہاں جو عورت وفات کی عدت میں بیٹھی ہو

وہ دن میں نکل سکتی ہے اور کچھ رات تک نکل سکتی ہے مگر رات اپنے گھر سے علاوہ دوسری جگہ بسر نہ کرے لہذا اپنے ساقا کے کام سے گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔

معدہ (عدت والی عورت) کو اپنی عدت کے دن اسی مکان میں گزارنے چاہئیں جس میں وہ فسخ و طلاق یا خاوند کی موت کے وقت سکونت پذیر ہو ہاں اگر اس مکان سے زبردستی نکال جائے اس مکان میں اپنے مال و اسباب کے ضائع ہونے کا خوف ہو یا اس مکان کے گر پڑنے کا خطرہ ہو اور یا اس مکان کا گریہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو ان صورتوں میں کسی دوسرے مکان میں عدت بیٹھنا جائز ہے۔

اسی طرح اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ میاں بیوی ایک ہی مکان میں رہیں اگرچہ وہ طلاق بائن کی عدت میں بیٹھی ہو بشرطیکہ دونوں کے درمیان پردہ حائل رہے ہاں اگر خاوند فاسق اور ناقابل اعتماد ہو یا مکان تنگ ہو تو عورت اس گھر سے منتقل ہو جائے اگرچہ خاوند کا منتقل ہونا اولیٰ ہے اور اگر میاں بیوی کے ایک ہی مکان میں رہنے کی صورت میں وہ دونوں اپنے ساتھ کسی ایسی معتد عورت کو رکھ لیں جو دونوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھنے پر قادر ہو تو بہت ہی اچھا ہے۔

اگر مرد عورت کو اپنے ساتھ سفر میں لے گیا اور پھر سفر کے دوران اس کو طلاق بائن یا تین طلاقیں دیدیں یا مرد مر گیا اور عورت کا شہر یعنی اس کا وطن اس جگہ سے کہ جہاں طلاق یا وفات واقع ہوئی ہے سفر شرعی یعنی تین دن کے سفر سے کم مسافت پر واقع ہو تو وہ اپنے شہر واپس آ جائے اور اگر اس مقام سے جہاں طلاق یا وفات ہوئی ہے اس کا سفر شرعی (یعنی تین دن کی مسافت) کے بقدر یا اس سے زائد فاصلہ پر واقع ہے اور وہ منزل مقصود (جہاں کے لئے سفر اختیار کیا تھا) اس مسافت سے کم فاصلہ پر واقع ہے تو اپنے شہر واپس آنے کی بجائے منزل مقصود چلی جائے اور ان دونوں صورتوں میں خواہ اس کا دلی اس کے ساتھ ہو یا ساتھ نہ ہو لیکن بہتر یہ ہے کہ وہ عورت طلاق یا وفات کے وقت کسی شہر میں ہو تو وہاں سے عدت گزارے بغیر نہ نکلے تو کسی محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد یہ فرماتے ہیں کہ اگر اس کا کوئی محرم اس کے ساتھ ہو تو پھر عدت سے پہلے بھی اس شہر سے نکل سکتی ہے۔

### کافر عورت پر سوگ کرنا لازم نہیں

قَالَ (وَلَا حِدَادَ عَلَى كَافِرَةٍ) لَأَنَّهَُا غَيْرُ مُحَاطَبَةٍ بِحَقِّقِ الشَّرْعِ (وَلَا عَلَى حَسِيرَةٍ) لَأَنَّ الْخِطَابَ مَوْضُوعٌ عَنْهَا (وَعَنِ الْأَمَةِ الْإِحْدَادُ) لَأَنَّهَُا مُحَاطَبَةٌ بِحَقِّقِ اللَّهِ تَعَالَى فِيمَا لَيْسَ فِيهِ إِبْطَالُ حَقِّ الْمَوْلَى، بِخِلَافِ الْمَنْعِ مِنَ الْخُرُوجِ لِأَنَّ فِيهِ إِبْطَالُ حَقِّهِ وَحَقُّ الْعَبْدِ مُقَدَّمٌ لِحَاجَتِهِ. قَالَ (وَلَيْسَ فِي عِدَّةِ أُمِّ الْوَلَدِ وَلَا فِي عِدَّةِ الْبَيْتِ حِجَابُ الْقَائِدِ الْإِحْدَادُ) لَأَنَّهُمَا مَا فَاتَهُمَا نِعْمَةُ النِّكَاحِ لَتُظْهِرَ النَّاسُ، وَالْإِبَاحَةُ أَصْلٌ.

ترجمہ

فریاد اور کافر عورت پر سوگ کرنا۔ رضی نہیں ہے کیونکہ وہ شرعی احکام کی پابندی نہیں ہے اسی طرح نابالغ عورت پر بھی۔ نہ نہیں ہے کیونکہ وہ احکام کا مخاطب نہیں ہے۔ کینز سوگ کرے گی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا مخاطب ہے۔ ان معاملات میں جس میں اس کے آقا کا حق باطل نہ ہو جب کہ گھر سے باہر نکلنے سے روکنا اس سے مختلف ہے کیونکہ اس صورت میں آقا کا حق باطل ہو جائے گا اور بندے کی ضرورت کے پیش نظر اس کا حق مقدم قرار دیا جائے گا۔ فرماتے ہیں: ام ولد کی عدت میں اور نکاح فاسد کی عدت میں سوگ کرنا نہیں ہوگا کیونکہ ان کے حق میں نکاح کی نعمت رائل نہیں ہوئی وہ اسوس کا اظہار کرے جب کہ اصل مباح ہونا ہے۔

شرح

کم عمر نابالغ لڑکی ہو تو ساری چیزیں کر سکتی ہے البتہ گھر سے باہر نہ نکلے نہ عدت ختم ہوئے تک دوسرے سے نکاح کرے۔

وَلَا تَعْرِمُوا عَقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَحْلَهُ (البقرة، ۲۳۵)

قَلَّا يَجِبُ عَلَى الصَّغِيرَةِ وَالْمَجْنُونَةِ الْكَبِيرَةِ وَلِكِنَّا بَيِّنَةٌ وَالْمُعْتَدَّةُ مِنَ النِّكَاحِ فَاسِدٍ وَالْمُطَلَّاقَةُ طَلًا وَرَجْعًا، وَهَذَا عِنْدَنَا. (بدائع الصنائع فصل فی احکام اعدۃ)

شوہر کے علاوہ کسی کے انتقال پر سوگ ماننا (یعنی رجب وزینت وغیرہ نہ کرنا) درست نہیں البتہ اگر شوہر اجازت دے تو تین دن تک اس طرح کر سکتی ہے۔

عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كُنَّا نُنْهَى أَنْ نُحِلَّ عَلَى مَيْتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا وَلَا نَكْتَحِلُ وَلَا نَتَطَيَّبُ وَلَا نَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوعًا إِلَّا ثَوْبَ عَصَبٍ وَقَدْ رُحِّصَ لَنَا عِنْدَ الطَّهْرِ إِذَا اغْتَسَلَتْ إِحْدَانَا مِنْ مَحِيضِهَا فِي نُبْدِيَةٍ مِنْ كُنُسِ أَطْفَارٍ وَكُنَّا نُنْهَى عَنْ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ (بخاری باب الطَّيِّبِ لِلْمَرْأَةِ عِنْدَ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيضِ)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ زینت شوہر کا حق ہے اور کسی کا حق اس کی اجازت کے بغیر یہاں درست نہیں یہ اور بات ہے اجازت زبانی بھی ہوتی اور بے زبانی بھی۔ ولسروج منع زوجته من الحداد علی الأقرباء؛ لأن الزينة حقه. (الفقه الاسلامی وادبہ الا حداد والحداد ج ۹ ص ۶۳۳)

عدت گزارنے والی عورت کو نکاح کا پیغام نہیں دیا جاسکتا

(وَلَا يَسْعَى أَنْ تُحْطَبَ الْمُعْتَدَّةُ وَلَا يَأْسُ بِالْتَّعْرِیْضِ فِي الْخُطْبَةِ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَلَا

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خُطْبَةِ النِّسَاءِ إِلَى أَنْ قَالِ (وَلَكِنْ لَا تَوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا) وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (السِّرُّ النِّكَاحُ) (۱) وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: التَّعْرِیْضُ أَنْ يَقُولَ زَانِي أُرِيدُ أَنْ أَتَزَوَّجَ. (۲) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي الْقَوْلِ الْمَعْرُوفِ إِنِّي فَبِكَ لَرَأَيْتُ وَإِنِّي أُرِيدُ أَنْ نَجْتَمِعَ (۳).

ترجمہ

اور یہ مناسب نہیں ہے عدت گزارنے والی عورت کو شادی کا پیغام بھیج جائے البتہ اشارے کنائے میں یہ بات کی جاسکتی ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "اور تم پہ کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اشارے کنائے میں عورتوں کو نکاح کے بارے میں کہتے ہو"۔ یہ آیت یہاں تک ہے "لیکن تم ان کے ساتھ کوئی پوشیدہ وعدہ نہ کرو بلکہ بھلائی کی بات کرو"۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "پوشیدہ سے مراد نکاح ہے"۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اشارۃً ذکر کرنے سے یہ مراد ہے۔ آدمی یہ کہے: میں شادی کرنا چاہ رہا ہوں۔ سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں: مناسب بات سے مراد یہ ہے "میں تم میں دلچسپی رکھتا ہوں یا میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم اکٹھے ہو جائیں۔"

شرح

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خُطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَسْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِيمَ اللَّهِ أَنَّكُمْ سَتَذَكَّرُوهُنَّ وَلَكِنْ لَا تَوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا وَلَا تَعْرِمُوا عَقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَنَّهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَفُوٌّ ذَلِيلٌ. (البقرة، ۲۳۴)

اور تم پر گناہ نہیں اس بات میں جو پردہ رکھ کر تم عورتوں کے نکاح کا پیام دیا اپنے دس میں چھپا رکھو۔ اللہ جانتا ہے کہ اب تم ان کی یاد کرو گے۔ ہاں ان سے خفیہ وعدہ نہ کر رکھو مگر یہ کہ اتنی سی بات کہو جو شرع میں معروف ہے اور نکاح کی گرہ بچی نہ کرو جب تک لکھا ہوا حکم اپنی میعاد کو نہ پہنچ لے۔ اور جان لو کہ اللہ تمہارے دل کی جانتا ہے تو اس سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا حلیم ہے۔

(۱) لم يحمله مخرجو "الهداية" وأخرج ابن أبي شيبة في "مصنفه" "لا يأخذ عليها عهد، وميثاقا أن لا تزوج غيره" انظر "نصب الرعية" ۲/۶۶۲ و "الدرية" ۲/۷۹-۷۰۔

(۲) أخرجه البخاري بنحوه في "صحيحه" في باب قول الله تعالى (ولا جناح عليكم فيما عرضتم) برقم (۵۱۴)۔

(۳) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" ۷/۱۷۹۔

تقدیرالفاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

یعنی عدت میں نکاح و نکاح کا کھلا ہوا یہ تو ممنوع ہے لیکن پردہ کے ساتھ خواہش نکاح کا اظہار گناہ نہیں مثلاً یہ کہہ کر تم بہت نیک عورت ہو یا اپنا ارادہ دل ہی میں رکھے اور زبان سے کسی طرح نہ کہے۔ اور تمہارے دلوں میں خواہش ہوگی سی سے تمہارے واسطے تعریض مباح کی گئی۔ (خزانة العرفان، بقرہ ۲۳۴)

### حالت عدت میں نکاح کی ممانعت میں فقہی بیان

حافظ عماد الدین لکھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ صراحت کے بغیر نکاح کی چاہت کا اظہار کسی اچھے طریق پر عدت کے اندر کرنے میں گناہ نہیں مثلاً یوں کہنا کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں، میں ایسی ایسی عورت کو پسند کرتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ اللہ میرا جوڑا بھی ملا دے، انشاء اللہ میں تیرے سوا دوسری عورت سے نکاح کا ارادہ نہیں کروں گا، میں کسی نیک و بندہ عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، اسی طرح اس عورت سے جسے طلاق بائن مل چکی ہو عدت کے اندر ایسے مبہم الفاظ کہنا بھی جائز ہیں۔

جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بن قیس سے فرمایا تھا جبکہ ان کے خاوند ابو عمرو بن حفص نے انہیں آخری تیسری طلاق دے دی تھی کہ جب تم عدت ختم کرو تو مجھے خبر کر دینا، عدت کا زمانہ حضرت ابن مکتوم کے ہاں گزارو، جب حضرت فاطمہ نے عدت نکل جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید سے جن کا مانگا تھا نکاح کرادیا، ہاں رجعی طلاق کی عدت کے زمانہ میں بجز اس کے خاوند کے کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ اشرار بنا کر یہ بھی اپنی رغبت ظاہر کرے واللہ اعلم۔

یہ فرما کر تم اپنے نفس میں چھپاؤ یعنی متکلی کی خواہش، ایک جگہ ارشاد ہے تیرا رب ان کے سینوں میں پوشیدہ کو اور ظاہر باتوں کو جانتا ہے۔ دوسری جگہ تمہارے باطل و ظاہر کا جاننے والا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا تھا کہ تم اپنے دلوں میں ضرور ذکر کر گئے اس واسطے اس نے تنگی بنادی، لیکن ان عورتوں سے پوشیدہ وعدہ نہ کرو، یعنی زنا کاری سے بچو، ان سے یوں نہ کہو کہ میں تم پر عاشق ہوں، تم بھی وعدہ کرو کہ میرے سوا کسی اور سے نکاح نہ کروگی وغیرہ۔ عدت میں ایسے الفاظ کا کہنا حلال نہیں، نہ یہ جائز ہے کہ پوشیدہ طور پر عدت میں نکاح کر لے اور عدت گزر جانے کے بعد اس نکاح کا اظہار کرے،

پس یہ سب اقوال اس آیت کے عموم میں آسکتے ہیں اسی سے فرمان ہوا کہ مگر یہ کہ تم ان سے اچھی بات کرو مثلاً ولی سے کہہ دیا کہ جدی نہ کرنا، عدت گزر جانے کی مجھے بھی خبر کرنا وغیرہ۔ جب تک عدت ختم نہ ہو جائے تب تک نکاح منع نہ کیا کرو، علماء کا اجماع ہے کہ عدت کے اندر نکاح صحیح نہیں۔ اگر کسی نے کر لیا اور دخول بھی ہو گیا تو بھی ان میں جدائی کرادی جائے گی، اب آیا یہ عورت اس پر ہمیشہ کیسے حرام ہو جائے گی یا پھر عدت گزر جانے کے بعد نکاح کر سکتا ہے؟

اس میں اختلاف ہے جمہور تو کہتے ہیں کہ کر سکتا ہے لیکن امام مالک فرماتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کیلئے حرام ہوگئی، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں کہ جب عورت کا نکاح عدت کے اندر کر دیا جائے گا اگر اس کا خاوند اس سے نہیں ملے تو ان دونوں

میں جدائی کرادی جائے گی اور جب اس کے پہلے خاوند کی عدت گزر جائے تو یہ شخص مجملہ اور لوگوں کو اس کے نکاح کا پیغام ڈال سکتا ہے اور اگر دونوں میں مدب بھی ہو گیا ہے جب بھی جدائی کرادی جائے گی اور پہلے خاوند کو عدت گزار کر پھر اس دوسرے خاوند کی عدت گزارے گی اور پھر یہ شخص اس سے ہرگز نکاح نہیں کر سکتا، اس فیصلہ کا ماخذ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اس شخص نے جدی کر کے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت کا لحاظ نہ کیا تو اسے اس کی خلاف مزادی گئی کہ وہ عورت اس پر ہمیشہ کیسے حرام کر دی گئی، جیسا کہ قتل اپنے مقتول کے ورثہ سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ امام شافعی نے امام مالک سے بھی یہ اثر روایت کیا ہے،

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ پہلا قول تو امام صاحب کا یہی تھا لیکن جدید قور آپ کا یہ ہے کہ اسے بھی نکاح کرنا حلال ہے کیونکہ حضرت علی کا یہی فتویٰ ہے۔ حضرت عمر دلا یہ اثر سنداً منقطع ہے بلکہ حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے اس بات سے رجوع کر لیا ہے اور فرمایا ہے کہ مہر ادا کر دے اور عدت کے بعد یہ دونوں آپس میں اگر چاہیں تو نکاح کر سکتے ہیں۔ پھر فرمایا جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے، اس کا لحاظ اور خوف رکھو اپنے دلوں میں عورتوں کے متعلق فرمان باری بخلاف خیال بھی نہ آنے دو۔ ہمیشہ دلوں کو صاف رکھو، برے خیالات سے اسے پاک رکھو۔ ذر، خوف کے حکم کے ساتھ ہی اپنی رحمت کی طبع اور بچ بھی دل کی اور فرمایا کہ اے العالمین خطاؤں کو بخشے والا اور حلم و کرم والا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، بقرہ ۲۳۴)

### معتدہ سے بطور اشارہ کلام کرنے کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: عدت گزارنے والی عورت کو نکاح کا پیغام نہیں دیا جاسکتا، البتہ اشارے کے طور پر اپنی خواہش کا اظہار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ مصنف نے دلیل کے طور پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نقل کیا ہے:

”اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اس بارے میں جو تم اشارے کے طور پر عورتوں کو نکاح کا پیغام دیتے ہو۔“ یہ آیت یہاں تک ہے: ”تم ان کے ساتھ کوئی پوشیدہ وعدہ نہ کرو بلکہ صرف مناسب بات کرو۔“ نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: ”(پوشیدہ وعدے سے مراد) نکاح کرنا ہے، یعنی تم ان کے ساتھ نکاح کا وعدہ نہ کرو۔“

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: اس آیت میں استعمال ہونے والے لفظ (اشارے کے طور پر کوئی بات کہنے) سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص یہ کہے: میں شادی کرنا چاہتا ہوں، یعنی وہ یہ نہ کہے: میں تمہارے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں اشارے کے طور پر یہ کہہ دے۔ میں شادی کرنا چاہتا ہوں ظاہر یہ کہنا ہو کہ تمہارے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں۔

مصنف بیان کرتے ہیں: سعید بن جبیر نے یہ وضاحت کی ہے مذکورہ بالا آیت میں استعمال ہونے والے لفظ ”مناسب بات“ سے مراد آدمی کا یہ کہنا ہے: مجھے تم میں دلچسپی ہے یا یہ کہنا ہے کہ ہم اکٹھے ہو جائیں وغیرہ وغیرہ۔

### طلاق یافتہ عورت گھر سے باہر نہیں نکل سکتی

(وَلَا يَجُوزُ لِلْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ وَالْمَبْتُوتَةِ الْخُرُوجُ مِنْ بَيْتِهَا لَيْلًا وَلَا نَهَارًا، وَالْمُتَوَفَّى

عَسَىٰ زَوْجُهَا تَخْرُجُ نَهَارًا وَتَعَصَّ اللَّيْلُ وَلَا نَبِيْتُ فِي عَيْرٍ مِّنْزِلِهَا) أَمَّا الْمُطَلَّاقَةُ فَلَقَوْلُهُ  
تَعَالَى (لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِّنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ) قِيلَ  
الْفَاحِشَةُ نَفْسُ الْخُرُوجِ، وَقِيلَ الزَّانَا، وَيَخْرُجْنَ لِإِقَامَةِ الْحَدِّ، وَأَمَّا الْمُتَوَفَّى عَنْهَا  
زَوْجُهَا فَلِأَنَّهُ لَا نَفَقَةَ لَهَا فَتَحْتَاجُ إِلَى الْخُرُوجِ نَهَارًا لِطَلَبِ الْمَعَاشِ، وَقَدْ يَمْتَدُّ إِلَى أَنْ  
يَهْجُمَ اللَّيْلُ، وَلَا كَذَلِكَ الْمُطَلَّاقَةُ لِأَنَّ النِّفَقَةَ دَارَةٌ عَلَيْهَا مِنْ مَّالِ زَوْجِهَا، حَتَّىٰ لَوْ  
اخْتَلَعَتْ عَلَى نَفَقَةٍ عِدَّتِهَا قِيلَ: إِنَّمَا تَخْرُجُ نَهَارًا، وَقِيلَ لَا تَخْرُجُ لِأَنَّهَا اسْقَطَتْ حَقَّهَا  
فَلَا يَطُلُ بِهِ حَقُّ عَلَيْهَا.

ترجمہ

اور جس عورت کو رجعی طلاق دی گئی ہو یا جس کو طلاق بدی گئی ہو اس کے لئے رات کے وقت یا دن کے وقت گھر سے نکلنا  
جائز نہیں ہے۔ البتہ یہ وہ عورت دن کے وقت ہر نکل سکتی ہے اور رات کے کچھ حصے میں بھی باہر رہ سکتی ہے لیکن وہ اپنے گھر سے  
باہر کہیں رات نہیں بسر کرے گی۔ جہاں تک طلاق یافتہ عورت کا تعلق ہے تو اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ”تم انہیں ن کے  
گھروں سے نہ نکالو اور وہ بھی نہ نکلیں“ سوائے اس کے جب وہ واضح طور پر برائی کا ارتکاب کریں۔ ایک قول کے مطابق یہاں  
”فاحشہ“ سے مراد گھر سے نکلنا ہے اور ایک قول کے مطابق اس سے مراد زنا کرنا ہے البتہ اگر ان پر حد قائم کی جائے تو وہ ہر نکلے  
گی۔ جہاں تک یہ عورت کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے اس کا خرچ کا کوئی بندوبست نہیں ہوتا اس لیے وہ دن کے وقت ہر نکلنے  
کی محتاج ہوگی تاکہ وہ اپنی ضروریات پوری کر سکے ورنہ بعض اوقات آدی کو گھر واپس آتے ہوئے رات ہو جاتی لیکن طلاق یافتہ  
عورت کا حکم مختلف ہے اس کی وجہ یہ ہے اس کا خرچ اس کے شوہر کے مال میں سے ادا کیا جائے گا۔ البتہ اگر اس نے اپنی عدت کے  
دوران کے خرچ کے عوض ضلع حاصل کر لیا ہو تو ایک قول کے مطابق وہ دن کے وقت ہر نکل سکتی ہے اور ایک قول کے مطابق پھر بھی  
نہیں نکلے گی، کیونکہ اس نے خود اپنے حق کو ساقط کیا ہے لہذا اس کی وجہ سے وہ حق باطل نہیں ہوگا جو اس کے ذمے رزم ہے۔

شرح

سعد بن ابی وقاص اپنی پھوپھی نہ نب بنت کعب کا یہ بیان نقل کرتے ہیں فریجہ بنت مالک نے انہیں بتایا کہ انہوں نے نبی اکرم  
صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ آپ اسے اجازت دیں کہ وہ اپنے خاندان میں واپس چلی جائیں کیونکہ اس کا شوہر اپنے مفروز  
غلاموں کو تلاش کرنے کے لیے نکلا جب اس نے قدم کے پاس انہیں پایا تو ان کے غلاموں نے ان کو قتل کر دیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ  
وسلم نے ارشاد فرمایا جب تک عدت ختم نہیں ہو جاتی تم اپنے گھر میں رہو۔ میں نے عرض کی میرے شوہر نے ایسا کوئی گھر نہیں چھوڑا  
جس کی میں مالک ہوں نہ کوئی خرچ چھوڑا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم یہیں رہو جب تک عدت ختم نہیں ہو جاتی راوی

بیان کرتے ہیں تو اس عورت نے اس گھر میں چار دس دن عدت بسر کی۔ نہ نب بنت کعب بیون کرتی ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ  
عندہ عہد حکومت میں انہوں نے کسی کو بھیجا کہ مجھ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو میں نے اس بارے میں بتایا تو انہوں نے اس کی پیروی  
کرتے ہوئے اس کے مطابق فیصلہ دیا۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 143)

معتدہ کے انتقال مکان میں فقہی مذاہب

حضرت نہ نب بنت کعب فرماتی ہیں کہ فریجہ بنت مالک بن سنان نے جو حضرت ابو سعید خدری کی بہن ہیں مجھے بتایا کہ وہ  
فریجہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ پوچھنے کے لئے حاضر ہوئیں کہ کیا وہ اپنی عدت گزارنے کے لئے اپنے میکہ ہی  
خدرہ میں منتقل ہو سکتی ہیں کیونکہ ان کے شوہر اپنے بھائے کے غلاموں کی ستمناش میں گئے تھے کہ ان غلاموں نے انہیں مار ڈالا  
چنانچہ فریجہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں اپنے میکہ میں آ جاؤں کیونکہ میرے شوہر نے مجھے جس  
مکان میں چھوڑا ہے وہ اس کے مالک نہیں تھے (یعنی میں جس مکان میں رہتی ہوں وہ ان کی ملکیت میں نہیں تھا) اور نہ ہی میرے  
پاس کھانے پینے کے خرچ کا کوئی انتظام ہے۔ فریجہ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ بہتر ہے کہ تم اپنے  
میکہ چلی جاؤ چنانچہ میں یہ اجازت حاصل کر کے واپس ہوئی اور جب حجرہ مبارکہ کے صحن میں یا مسجد نبوی میں پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے مجھے پھر بلایا اور فرمایا تم اپنے اسی گھر میں عدت میں بیٹھو جس میں تمہارے شوہر کے مرنے کی خبر آئی ہے گرچہ وہ تمہارے  
شوہر کی ملکیت میں نہیں ہے تا نکلے کتاب یعنی عدت اپنی مدت تک پہنچ جائے فریجہ کہتی ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے  
اس حکم کے مطابق چار مہینہ دس دن تک اسی مکان میں عدت میں بیٹھی رہی۔

(مالک ترمذی ابوداؤد نسائی ابن ماجہ دارمی، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 526)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معتدہ (یعنی عدت میں بیٹھی ہوئی عورت) کو بلا ضرورت ایک مکان سے دوسرے مکان میں  
اٹھا آنا درست نہیں ہے۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ جو عورت اپنے خاندان کے مرجع کی وجہ سے عدت  
میں بیٹھی ہو اس کے لیے سکنی یعنی شوہر کے مکان میں عدت گزارنا ضروری ہے یا نہیں چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت امام شافعی  
کے دو قول ہیں جس میں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس کے لیے سکنی ضروری ہے۔

حضرت عمر حضرت عثمان حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت عبداللہ ابن عمر بھی اسی کے قائل تھے ان کی طرف سے یہی حدیث  
بطور دلیل پیش کی جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو فریجہ کو مکان منتقل کرنے کی اجازت دے دی مگر پھر آپ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے ان کو منتقل ہونے سے منع کر دیا اور یہ حکم دیا کہ وہ اپنے شوہر کے اسی مکان میں عدت کے دن گزاریں اس سے ثابت ہوا  
کہ فریجہ کو پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجازت دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حدیث (امسکینی فی بیتک) ارشاد تم اپنے اسی  
گھر میں عدت میں بیٹھو کے ذریعہ منسوخ ہو گیا۔

حضرت امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ معتدہ وفات کے لئے سبکی ضروری نہیں ہے بلکہ وہ جہر چاہے عدت میں بیٹھ جائے اور یہی قول حضرت عی حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ کا بھی تھا اس قول کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فریاد کو مکان میں منتقل ہونے کی اجازت عطا فرمادی تھی اور پھر بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے ہی مکان میں عدت گزارنے کا جو حکم فرمایا وہ استحباب کے طور پر تھا اس مسئلہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا جو مسلک ہے وہ ان شاء اللہ باب التفقات کے ابتداء میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

عدت گزارنے والی عورت اپنے گھر میں قیامت پذیر رہے گی

وَعَلَى الْمُعْتَدَةِ أَنْ تَعْتَدَ فِي الْمَنْزِلِ الَّذِي يُصَافُ إِلَيْهَا بِالسُّكْنَى حَلَّ وَقُوعِ الْفَرْقَةِ وَالْمَوْتِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ) وَالْبَيْتُ الْمُصَافُ إِلَيْهَا هُوَ الَّذِي تَسْكُنُهُ، وَلِهَذَا لَوْ رَأَتْ أَهْلَهَا وَطَلَّقَهَا زَوْجَهَا كَانَ عَلَيْهَا أَنْ تَعُودَ إِلَى مَنْزِلِهَا فَتَعْتَدَ فِيهِ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِلْنِّبِيِّ فُتَيْلَ زَوْجَهَا (أَسْكِنِي فِي بَيْتِكَ حَتَّى يَنْفَعِ الْكِتَابَ أَجَلَهُ) (۱) (وَإِنْ كَانَ نَصِيبُهَا مِنْ دَارِ الْمَيِّتِ لَا يَكْفِيهَا فَأَخْرَجَهَا الْوَرِثَةُ مِنْ نَصِيبِهِمْ) انْتَقَلَتْ لِأَنَّ هَذَا انْتِقَالٌ بَعْدُ، وَالْعِبَادَاتُ تَزِيدُ فِيهَا الْأَعْدَارُ فَصَارَ كَمَا إِذَا خَافَتْ عَلَى مَتَاعِهَا أَوْ حَافَتْ سُقُوطَ الْمَنْزِلِ أَوْ كَانَتْ فِيْمَا بِأَجْرٍ وَلَا تَجِدُ مَا تُؤَدِّيهِ.

ترجمہ

اور عدت گزارنے والی عورت کے لئے یہ بات لازم ہے کہ وہ اسی گھر میں عدت بسر کرے جو عیادت کی یا شوہر کے انتقال کے وقت اس کا رہائشی گھر تھا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ”اور تم انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو“۔ یہاں گھر کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے یعنی وہ گھر جس میں وہ عورت رہتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے گھر گئی ہوئی ہو اور اس دوران اس کا شوہر اسے طلاق دیدے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے گھر واپس آ کر وہاں عدت بسر کرے۔ جس خاتون کا شوہر قتل ہو گیا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یہ فرمایا تھا ”تم اپنے گھر میں رہو ایساں تک کہ تمہاری عدت پوری ہو جائے“۔ اگر مہرجم کے گھر میں عورت کے لئے جگہ اس کے لئے کافی نہ ہو اور دوسرے درجہ اسے اپنے حصے میں سے نکال دیں تو وہ عورت وہاں سے منتقل ہو سکتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ منتقلی عذر کی وجہ سے ہے اور عبادت میں عذر اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہوگا جیسے اسے اپنے ساز و سامان کے بارے میں خوف ہو یا گھر کے گر جانے کا خوف ہو یا وہ کہے: یہ گھر کرائے کا ہے اور اس کے پاس کرائے کی ادائیگی

(۲) أخرجه أبو داود عن "سننه" برقم (۲۳۰۰) والترمذی عن "جامعه" برقم (۱۲۲۴) ولفظنا فی "المحیی" برقم (۲۰۳۱) واین ماجه

کے لئے (رقم نہ ہو)

دوران عدت ازواج کو ٹھہرانے کا بیان

بَابُهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطُفِقُوهُنَّ بِعَدَّتِهِنَّ وَخُصُّوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبِينَةٍ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَذَرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثَ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا (طلاق ۱۰)

اے نبی (ﷺ) جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت پر انہیں طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو اور اپنے رب اللہ سے ڈرو عدت میں انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ آپ نکلیں مگر یہ کہ کوئی صریح بے حیائی کی بات لائیں اور یہ کہ لبت کی حدیں ہیں اور جو امت کی حدوں سے آگے بڑھ جائیں اس نے اپنی جان پر ظلم کیا تمہیں نہیں معلوم شاید اللہ اس کے بعد کوئی نیا حکم بھیجے۔ (کنز المایین)

عدت کی حفاظت کرو اس کی ابتداء انتہا کی دیکھ بھال رکھو ایسا نہ ہو کہ عدت کی لمبائی عورت کو دوسرا خاوند کرنے سے روک دے، اور اس بارے میں اپنے ابتداء انتہا کی دیکھ بھال رکھو ایسا نہ ہو کہ عدت کی لمبائی عورت کو دوسرا خاوند کرنے سے روک دے اور اس بارے میں اپنے معذور حقیقی پروردگار عالم سے ڈرتے رہو، عدت کے زمانہ میں مطلقہ عورت کی رہائش کا مکان خاوند کے ذمہ ہے وہ اسے نکال نہ دے اور نہ خود اسے نکلتا جائز ہے کیونکہ وہ اپنے خاوند کے حق میں رکی ہوئی ہے

زنا کو بھی شامل ہے اور اسے بھی کہ عورت اپنے خاوند کو تنگ کرے اس کا خلاف کرے اور ایذا پہنچائے، یا بدزبانی و کج خلقی شروع کر دے اور اپنے کاموں سے اور اپنی زبان سے سسرال والوں کو تکلیف پہنچائے تو ان صورتوں میں بیشک خاوند کو جو بڑے کر اسے اپنے گھر سے نکال باہر کرے، یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اس کی شریعت اور اس کے بتائے ہوئے احکام ہیں۔ جو شخص ان پر عمل نہ کرے انہیں عیقر متی کے ساتھ توڑ دے ان سے آگے بڑھ جائے وہ اپنا ہی برا کرنے والا اور اپنی جان پر ظلم ڈھانے والا ہے شاید کہ اللہ کو نئی بات پیدا کر دے اللہ کے ارادوں کو اور ہونے والی باتوں کو کوئی نہیں چا سکتا، عدت کا زمانہ مطلقہ عورت کو خاوند کے گھر گزارنے کا حکم دیتا اس مصیحت سے ہے کہ ممکن ہے اس مدت میں اس کے خاوند کے خیالات بدل جائیں، طلاق دینے پر نادم ہو دل میں لوٹا لینے کا خیال پیدا ہو جائے اور پھر رجوع کر کے دونوں میاں بیوی امن وامان سے گزر کر نئے لگیں، نیا کام پیدا کرنے سے مراد بھی رجعت ہے۔

اسی بنا پر بعض سلف اور ان کے تابعین مثلاً حضرت امام محمد بن حنبل وغیرہ کا مذہب ہے کہ متبوتہ یعنی وہ عورت جس کی طلاق کے بعد خاوند کو رجعت کا حق باقی نہ رہا ہو اس کے لئے عدت گزارنے کے زمانے تک مکان کا دینا خاوند کے ذمہ نہیں، اسی صرح



جس عورت کا خاندان فوت ہو جائے اسے بھی ہاٹی مکان عدت تک کے لئے دینا اس کے ورثوں پر نہیں ان کی اعتادی دلیل حضرت  
فاطمہ بنت قیس فہریدہ والی حدیث ہے کہ جب ان کے خاوند حضرت ابو عمر بن حفص نے ان کو تیسری آخری طلاق دی اور وہ اس وقت  
یہاں موجود تھے بلکہ یمن میں تھے اور وہیں سے طلاق دی تھی تو ان کے وکیل نے ان کے پاس تھوڑے سے جو بھیج دیئے تھے کہ یہ  
تمہاری خوراک ہے یہ بہت تارخ ہو بس اس نے کہا بگڑتی کیوں ہو تمہارا غنہ کھانا پینا ہمارے ذمہ نہیں، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم کے پاس آئیں آپ نے فرمایا ٹھیک ہے حیرانفکد اس پر نہیں۔

مسلم میں ہے نہ تیرے رہے تیرے گھر اور ان سے فرمایا کہ تم ام شریک کے گھر پتی عدت گزارو، پھر فرمایا وہاں تو میرے اکثر  
صحابہ جایا آتے ہیں تم عبد اللہ بن ام مکتوم کے ہاں پتی عدت کا زمانہ گزارو وہ ایک نایاب آدمی ہیں تم وہاں آرام سے اپنے  
کپڑے بھی رکھ سکتی ہو،

مسند احمد میں ہے کہ ن کے خاوند کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جہاد پر بھیجا تھا انہوں نے وہیں سے انہیں حدیث بھیج دی ان  
کے بھائی نے ان سے کہا کہ ہمارے گھر سے چلی جاؤ انہوں نے کہا نہیں جب تک عدت ختم نہ ہو جائے میرا کھانا پینا اور رہنا سہنا  
میرے خاوند کے ذمہ ہے اس نے انکار کیا آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ معاملہ پہنچا جب آپ کو معلوم ہوا کہ یہ آخری تیسری  
طلاق ہے تب آپ نے حضرت فاطمہ سے فرمایا ان نفقہ گھر و خاوند کے ذمہ اس صورت میں ہے کہ اسے حق رجعت حاصل ہو جب  
یہ نہیں تو وہ بھی نہیں تم یہاں سے چلی جاؤ اور فلاں عورت کے گھر پتی عدت گزارو پھر فرمایا وہاں تو صحابی کی آمد و رفت ہے تم ابن ام  
مکتوم کے گھر عدت کا زمانہ گزارو وہ نایاب ہیں تمہیں دیکھ نہیں سکتے۔ طبرانی میں ہے یہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی  
ہن تھیں اس کے خاوند خردی قبیہ کے تھے، طلاق کی خبر کے بعد ان کے نفقہ طلب کرنے پر ان کے خاوند کے اوبیاء نے کہا تھا نہ تو  
تمہارے میاں نے کچھ بھیجا ہے نہ ہمیں دیئے کو کہا ہے و حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں یہ بھی مروی ہے کہ جب عورت کو وہ  
طلاق مل جائے جس کے بعد وہ اپنے اگلے خاوند پر حرام ہو جاتی ہے جب تک دوسرے سے نکاح اور پھر طلاق نہ ہو جائے تو اس  
صورت میں عدت کا نان نفقہ اور رہنے کا مکان اس کے خاوند کے ذمہ نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، طلاق، ۱)

عدت وفات میں اسی گھر میں رہنے پر مذہب اربعہ

ان میں سے مشہور اور قوی قول یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند کے گھر میں ہی عدت گزارے۔ اکثر علماء کرام جن میں آمد اور ہجری  
شامل ہیں کا یہی قول ہے ان کی دلیل میں مندرجہ ذیل حدیث شامل ہے: فریہ بنت مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ نبی  
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور ان سے سوال کیا کہ اس کا خاوند اپنے بھگے ہوئے غلاموں کو تلاش کرنے لگا اور جب وہ ان  
کے قریب جا پہنچا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا تو کیا وہ اپنے خاندان بخود رہے واپس چلی جائے کیونکہ میرے خاوند نے مجھے اپنی  
ملکیت والے گھر میں نہیں چھوڑا؟ وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا جی ہاں آپ جانتی ہیں، تو میں واپس  
پٹی اور ابھی کمرہ یا مسجد میں ہی تھی تو انہوں نے مجھے بلایا، یا پھر مجھے حکم دیا، میں وہی قصہ دوبارہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دہرایا

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ تم اپنے گھر میں ہی رہو حتیٰ کہ تمہاری عدت ختم ہو جائے۔

ان کا کہنا ہے کہ میں نے اس گھر میں چار ماہ وک دن عدت گزار لی، اور جب عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خدشہ فاقہ کیا  
تو انہوں نے مجھ سے اس کے متعلق سوال کیا اور میں نے انہیں بتایا تو انہوں نے بھی اسی کی پیروی کر کے میرے پاس آئے۔  
ابو داؤد سنن نسائی، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند ترمذی، بن حبان، حاکم، اور ابن نعیم رحمہم اللہ ان غیر سے روایت کرتے ہیں۔

جاننا ابن قیم کا کہنا ہے کہ: اس میں ایسی کوئی چیز نہیں جو سنت صحیحہ کو رد کرنے کا باعث ہو جسے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ  
عزاد کا برصیبہ کرام نے قبول کیا۔ (زاد المعاد 5 / 691)

بعض اوقات عدت گزارنے والی عورت اور یا پھر اس کے گھر میں کوئی اضطراری حالت پیدا ہو سکتی ہے مثلاً: راد خون،  
انہدام، غرق، یا پھر دشمن کا خوف یا وحشت، یا یہ کہ وہ فاسق ناحلوگوں کے درمیان رہائش پذیر ہو، یا پھر اس کے ورثہ اسے وہاں  
سے لانے کا ارادہ کر میں، یا پھر اس کا وہاں رہنا اولاد یا مال و دولت کے ضیاع کا باعث بن جائے، وغیرہ۔

احناف، حنبلیہ، مالکیہ کے جمہور علماء کے ہاں اس حالت میں اس کے لیے وہاں سے اپنی مرضی کی رہائش میں منتقل ہونا  
ہے، اور اس کے لیے اگر زمین نہیں کہ وہ قریبی رہائش اختیار کرے بلکہ وہ جہاں چاہے رہ سکتی ہے۔

لیکن شریعہ یہ ہے کہ اس دوسری رہائش میں بھی وہ ان احکام کی پابندی کرے گی جو پہلی رہائش میں کرتی تھی۔  
اور جو عورت اپنے خاوند کی فوتگی کے وقت والے گھر میں رہتے ہوئے اپنے معاملات کو چلا سکتی ہو اسے وہاں سے منتقل ہونا صحیح  
نہیں کیونکہ اس کا کوئی عذر نہیں ہے، مثلاً وہ دراشت یا ملاک کی بارہ میں کسی معتبر شخص کو وکیل بنا سکتی ہے۔  
اس بنا پر اگر آپ کی والدہ جس گھر میں اپنے خاوند کی فوتگی کے وقت رہ رہی تھی وہاں پر عدت گزار سکتی ہے اور اس کے بے  
ملک نہ ہونے کا وہ اسی گھر میں عدت گزارے۔

عدت کے دوران میاں بیوی کے درمیان پروے کا بیان

(ثُمَّ إِنْ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَطْلَاقٍ بَالَيْنٍ أَوْ فَلَاحٍ لَا بُدَّ مِنْ سُرَّةٍ بَيْنَهُمَا ثُمَّ لَا بَسَ بِهِ لِأَنَّهُ  
مُغْتَصَرِفٌ بِالْحُرْمَةِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ فَاسِقًا يُخَافُ عَلَيْهَا مِنْهُ فَيَحْيِلُ تَحْرُجُ لِأَنَّهُ عَدُوٌّ وَلَا  
تَخْرُجُ عَمَّا نَقَلَتْ إِلَيْهِ، وَالْأُولَى أَنْ يَخْرُجَ هُوَ وَيَتْرَكَهَا (وَأَنْ جَعَلَا بَيْنَهُمَا أَمْرًا تَقَا  
تَقْدِيرُ عَلَى الْحَيْلُولَةِ فَحَسَنٌ، وَإِنْ ضَاقَ عَلَيْهِمَا الْمَنْزِلُ فَلْيَخْرُجْ، وَالْأُولَى خُرُوجُهُ)

ترجمہ

اور جب علیحدگی باندہ طلاق کی وجہ سے ہوئی ہو تو میاں بیوی کے درمیان پردہ ہونا ضروری ہے اور پھر

اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا (وہ ایک ہی گھر میں رہیں) اس کی وجہ یہ ہے مرد اس کی حرمت کا معترف ہوگا ابتہ اگر وہ برے کردار کا مالک ہو اور عورت کو اس کی طرف سے اندیشہ ہو تو اس صورت میں وہ عورت گھر سے نکل سکتی ہے کیونکہ یہ بھی ایک عذر ہے لیکن وہ اس گھر سے نہیں نکلے گی جس میں وہ منتقل ہوگئی ہے زیادہ بہتر تو یہ ہے مرد اس گھر سے نکل جائے اور عورت کو وہاں رہنے دے۔ اگر وہ دونوں میاں بیوی اپنے درمیان ایک قابل اعتماد عورت کو بے لیس جو برائی سے روکنے پر قادر ہو تو یہ مناسب ہوگا اور اگر وہ گھر دونوں کے لئے تنگ ہو تو عورت کے لئے ٹکنا جائز ہوگا تاہم مناسب یہی ہے مرد وہاں سے نکل جائے۔

عدت بائین و ثلاثہ میں زوجین مثل اجنبی ہیں

طلاق بائن واقع ہوتے ہی زوجین کے درمیان رضیۃ نکاح ختم ہو جاتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہو جاتے ہیں، البتہ ایک طلاق بائن یا دو طلاق بائن کی صورت میں مہر جدید کے ساتھ نکاح کرنے کی گنجائش رہتی ہے، عدت گزرنے تک مطلقہ خاتون کو شوہر کے گھر میں رہنا از روئے شریعت لازمی ہے۔

مذکورہ صورت میں شوہر نے جب اپنی بیوی کو ایک طلاق بائن دی ہے تو اب وہ مرد اس کا شوہر نہیں اور یہ خاتون اس کی بیوی نہیں، دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی قرار پائے لہذا اس مطلقہ خاتون کے لئے ضروری ہے کہ اپنے شوہر سے جس نے اسے طلاق بائن دی ہے پردہ کرے۔

در مختار ج 2، کتاب الطلاق، باب اعدۃ، فصل فی الحداد، ص 675 میں ہے۔

(ولا بد من سترة بیہما فی البائن) لتلا یحتلی بالاجنبیۃ ومفادہ ان الحائل یمنع الحلوة المحرمة۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جب وہ دونوں میاں بیوی پروے کے ساتھ اس گھر میں نہ رہ سکتے ہوں، یعنی وہ مکان تنگ اور چھوٹا ہو تو کسی صورت میں وہ عورت وہاں سے نکل کر دوسری جگہ منتقل ہو سکتی ہے تاہم زیادہ بہتر یہی ہے۔ مرد وہاں سے کسی اور جگہ منتقل ہو جائے۔

اگر سفر کے دوران عورت مطلقہ یا بیوہ ہو جائے؟

(وَإِذَا خَرَجَتْ الْمَرْأَةُ مَعَ زَوْجِهَا إِلَى مَكَّةَ فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا أَوْ مَاتَ عَنْهَا فِي غَيْرِ مِصْرٍ، فَإِنْ كَانَ بَيْنَهُمَا مِصْرٌ أَوْ بَيْنَ مِصْرَيْنِ أَوْ بَيْنَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ رَجَعَتْ إِلَى مِصْرِهَا) لِأَنَّهُ لَيْسَ بِإِتِّدَاعٍ الْخُرُوجِ مَعْنَى بَلْ هُوَ بَاءٌ (وَإِنْ كَانَتْ مَسِيرَةَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ إِنْ شَاءَتْ رَجَعَتْ وَإِنْ شَاءَتْ مَضَتْ سَوَاءً كَانَ مَعَهَا وَلِيٌّ أَوْ لَمْ يَكُنْ) مَعْنَاهُ إِذَا كَانَ إِلَى الْمَقْصِدِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ أَيْضًا لِأَنَّ الْمَكَّةَ فِي ذَلِكَ الْمَكَانِ أَخَوْفَ عَلَيْهَا مِنَ الْخُرُوجِ، إِلَّا أَنَّ الرُّجُوعَ أَوَّلَى لِيَكُونَ الْإِعْدَادُ فِي مَنْزِلِ الزَّوْجِ.

قَالَ (إِلَّا أَنْ يَكُونَ طَلَّقَهَا أَوْ مَاتَ عَنْهَا زَوْجُهَا فِي مِصْرٍ فَإِنَّهَا لَا تَخْرُجُ حَتَّى تَعْتَدَ ثُمَّ تَخْرُجَ إِنْ كَانَ لَهَا مَحْرَمٌ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ (وَقَالَ أَبُو يُونُسَ وَمُحَمَّدٌ زَانٌ كَانَ مَعَهَا مَحْرَمٌ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمِصْرِ قَبْلَ أَنْ تَعْتَدَ) لَهُمَا أَنَّ نَفْسَ الْخُرُوجِ مُبَاحٌ دَفْعًا لِأَدَى لُغْرَبَةٍ وَوَحْشَةِ الْوَحْدَةِ فَهَذَا عُدْرٌ، وَإِنَّمَا الْحُرْمَةُ لِلْسَّفَرِ وَقَدْ ارْتَفَعَتْ بِالْمَحْرَمِ.

وَلَهُ أَنَّ الْعِدَّةَ أَمْعُ مِنَ الْخُرُوجِ مِنْ عَدَمِ الْمُحْرَمِ، فَإِنَّ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَخْرُجَ إِلَى مَا دُونَ السَّفَرِ بِغَيْرِ مُحْرَمٍ وَلَيْسَ لِلْمُعْتَدَةِ ذَلِكَ، فَلَمَّا حُرِّمَ عَلَيْهَا الْخُرُوجُ إِلَى السَّفَرِ بِغَيْرِ الْمُحْرَمِ فَفِي الْعِدَّةِ أَوَّلَى.

ترجمہ

اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے ہمراہ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئی تھی ورنہ راستے میں ایسی جگہ جہاں کوئی آدمی نہیں تھی اس مقام پر اس مرد نے اسے تین طلاقیں دیدی یا اس کا انتقال ہو گیا تو اگر اس جگہ سے اس عورت کا شہر تین دن سے کم فاصلے پر ہو تو وہ بے شہر واپس چلی جائے گی کیونکہ یہ ابتدائی طور پر اس کا ٹکنا نہیں ہوگا بلکہ پہلے سفر پر ہی مبنی شمار ہوگا۔ لیکن اگر تین دن کا فاصلہ ہو تو عورت کا اختیار ہے، اگر وہ چاہے تو واپس چلی جائے اور اگر چاہے تو مکہ کی طرف سفر جاری رکھے خواہ اس کے ساتھ اس کا دلی ہو یا نہ ہو۔

اس مسئلے کا مطلب یہ ہے جہاں تک وہ جانا چاہ رہی ہو وہاں تک بھی تین دن کی مسافت ہونی چاہئے کیونکہ آگے جانا وہاں رہنے کی نسبت کم خطرناک ہوگا۔ بہتر صورت یہ ہے۔ وہ اپنے گھر واپس چلی جائے تاکہ شوہر کے گھر میں ہی عدت بسر کرے۔ فرماتے ہیں: ابتہ اگر شوہر نے اسے طلاق دی یا اسے چھوڑ کر فوت ہو گیا اور یہ عمل کسی شہر میں ہوا تو وہ عورت شہر سے باہر نہیں نکلے گی جب تک اس کی عدت پوری نہیں ہو جاتی پھر وہ اس کے بعد شہر سے اس وقت نکلے گی اگر اس کے ساتھ کوئی محرم موجود ہو یا حکیم امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد یہ فرماتے ہیں اگر اس کے ساتھ کوئی محرم موجود ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس شہر سے عدت پوری ہونے سے پہلے نکل جائے۔

شرح

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب سفر میں شوہر نے طلاق بائن دیدی یا اس کا انتقال ہوا اب وہ جگہ شہر ہے یا نہیں اور وہاں سے جہاں جانا ہے مدت سفر ہے یا نہیں درہر صورت مکان مدت سفر ہے یا نہیں اگر کسی طرف مسافت سفر نہ ہو تو عورت کو اختیار ہے وہاں سے گھر واپس آئے اس کے ساتھ محرم ہو یا نہ ہو مگر بہتر یہ ہے کہ گھر واپس آئے اور اگر ایک طرف مسافت سفر ہے

اور دوسری طرف نہیں تو جدھر مسافت سفر نہ ہو اس کو اختیار کرے اور اگر دونوں طرف مسافت سفر ہے اور وہاں آبادی نہ ہو تو اختیار ہے جائے یا واپس آئے ساتھ میں محرم ہو یا نہ ہو اور بہتر گھر واپس آتا ہے اور اگر اس وقت شہر میں ہے تو وہیں عدت پوری کرے پھر غیر محرم نہ ادھر آ سکتی ہے نہ ادھر جا سکتی اور اگر اس وقت جنگل میں ہے مگر راستہ میں گاؤں یا شہر ملے گا اور وہاں ٹھہر سکتی ہے کہ وہ آبادی کا اندیشہ نہیں اور ضرورت کی چیزیں وہاں ملتی ہوں تو وہیں عدت پوری کرے پھر محرم کے ساتھ وہاں سے سفر کرے۔

(در مختار، باب عدت)

صاحبین کی دلیل اور اس کے جواب کا بیان

لَهُمَا أَنْ نَفْسَ الْخُرُوجِ مَبَاحٌ دَفْعًا لِأَذَى الْغُرْبَةِ وَوَحْشَةِ الْوَحْدَةِ فَهَذَا عُذْرٌ، وَأَمَّا الْحُرْمَةُ لِلْسَّفَرِ وَقَدْ ارْتَفَعَتْ بِالْمُحْرِمِ. وَلَكِنَّهُ أَنَّ الْعِدَّةَ أَمْنٌ مِنَ الْخُرُوجِ مِنْ عَدَمِ الْمُحْرِمِ، فَإِنَّ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَخْرُجَ إِلَى مَا دُونَ السَّفَرِ بِغَيْرِ مُحْرِمٍ وَلَيْسَ لِلْمُعْتَدَةِ ذَلِكَ، فَلَمَّا حُرِّمَ عَلَيْهَا الْخُرُوجُ إِلَى السَّفَرِ بِغَيْرِ الْمُحْرِمِ فَفِي الْعِدَّةِ أَوَّلَى.

ترجمہ

صاحبین کی دلیل یہ ہے نفس خروج مباح ہے تاکہ غریب الوطنی کی اذیت اور تنہائی کی وحشت کو دور کیا جاسکے اور یہ چیز ضرور ہے اصل حرمت سفر کے لئے ہے جبکہ وہ محرم کی وجہ سے ختم ہو گئی ہے۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل ہے کہ محرم کی عدم موجودگی کی بابت عدت باہر نکلنے سے زیادہ روکتی ہے کیونکہ عورت کے لئے یہ بات جو ہے کہ سفر سے کم فاصلہ محرم کے بغیر طے کر سکتی ہے لیکن عدت گزارنے والی عورت کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے اور جب محرم کے بغیر سفر پر نکلنا اس کے لئے حرام ہے تو عدت میں سفر کرنا بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا۔

حرمت سفر بہ سبب محرم کے ختم ہونے کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے ساتھ مکہ کا سفر کرتی ہے اور اس دوران وہ شوہر اسے تنہا طلاق دیدیتا ہے یا عورت کا شوہر سفر کے دوران راستے میں انتقال کر جاتا ہے تو اگر اس جگہ اور عورت کے شہر کے درمیان تین دن سے کم کا سفر ہو تو عورت اپنے شوہر واپس آجائے گی۔ مصنف فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے: حقیقی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ گھر سے نکلنے کا آغاز نہیں ہے بلکہ گھر سے تودہ پہلے ہی نکل چکی تھی، اب وہ اسی بنیاد پر واپس آ رہی ہے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: عورت اس وقت جب شوہر نے اسے طلاق دی یا جب شوہر کا انتقال ہوا اور وہ مکہ سے تین دن کی مسافت پر ہے تو وہ عورت اصل وطن ستین دن کی مسافت کی دوری پر ہو تو اس بارے میں عورت کو اختیار

ہوگا چاہے تو اپنے وطن واپس چلی جائے اور چاہے تو اپنی منزل مقصود یعنی مکہ مکرمہ چلی جائے خواہ اس کے بعد ان کے ساتھ اس کا ولی ہو یا نہ ہو کیونکہ جس جگہ پر حادثہ پیش آیا ہے اس جگہ رک کر عورت کا اپنی پورت عدت گزارنا یہ اس سے زیادہ خطرناک ہے کہ عورت وہاں سے چلی کر اپنی منزل کی طرف چلی جائے یا اپنے وطن واپس آجائے۔  
تاہم عورت کے لئے زیادہ بہتر یہی ہے وہ واپس اپنے وطن آجائے تاکہ اپنے شوہر کے گھر میں عدت گزار سکے کیونکہ وہاں وہ زیادہ محفوظ ہوگی۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر دوسرے شہر میں شوہر بیوی کو تین طلاقیں دیدیتا ہے یا شوہر کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس دوسرے شہر میں قیام کے دوران وہ عدت پوری ہونے سے پہلے نہیں نکل سکتی پھر وہ نکلے گی بھی اس وقت جب اس کے ساتھ کوئی محرم ہوگا یہ حکم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما اس بات کے قائل ہیں: اگر اس عورت کے ساتھ کوئی محرم موجود ہو تو وہ عدت پوری ہونے سے پہلے بھی اس شہر سے نکل سکتی ہے۔

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما نے اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: غریب الوطنی کو دور کرنے کے لئے اس عورت کے لئے شہر سے نکلنا بذات خود مباح ہے یہ بات عدت کی حیثیت رکھتی ہے البتہ رکاوٹ صرف سفر کے اعتبار سے ہے کہ وہ ایک سفر نہیں کر سکتی ہے لیکن جب اس کا محرم اس کے ساتھ ہوگا تو اس کی حرمت بھی ختم ہو جائے گی اس لئے اس عورت کو اس بات کا اختیار ہوگا وہ عورت چل کر اپنے وطن واپس آجائے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں: محرم کی عدم موجودگی سے زیادہ عدت گھر سے باہر نکلنے میں رکاوٹ ہوتی ہے کیونکہ عورت کو اس بات کا حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ سفر کی شرعی مسافت سے کم سفر محرم کے بغیر کر سکتی ہے لیکن عدت کے دوران اس بات کی بھی اجازت نہیں ہوتی کہ وہ سفر کر سکے۔

تو جب اس عورت کے لئے محرم کے بغیر سفر پر نکلنا حرام ہوگا تو عدت گزارنے والی عورت کے لئے بدرجہ اولیٰ سفر کے لئے نکلنا حرام ہونا چاہیے۔

دور جاہلیت کے نکاح و عدت کے احکام

سورہ فتح کی تفسیر میں صحیح حدیث کا واقعہ مفصل بیان ہو چکا ہے، اس صلح کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار قریش کے درمیان جو شرائط ہوئی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ جو کافر مسلمان ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلا جائے آپ اسے اہل مکہ کو واپس کر دیں، لیکن قرآن کریم نے ان میں سے ان عورتوں کو مخصوص کر دیا کہ جو عورت ایمان قبول کر کے آئے اور فی الواقع ہو گئی وہ بھی ایمان دار تو مسلمان اسے کافروں کو واپس نہ دیں، حدیث شریف کی تخصیص قرآن کریم سے ہونے کی یہ ایک بہترین مثال ہے۔

اور بعض سلف کے نزدیک یہ آیت اس حدیث کی ناخ ہے۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت مکشوم بنت عقبہ بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینہ چلی گئیں، ان کے دونوں بھائی عمرہ اور ولید ان کے واپس مینے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے کہا سنائیں یہ آیت امتحان نازل ہوئی اور مومنہ عورتوں کو واپس لوٹانے سے ممانعت کر دی گئی، حضرت ابن عباس سے سوال ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان عورتوں کا امتحان کس طرح لیتے تھے؟ فرمایا اس طرح کہ اللہ کی قسم کھا کر بیچ بچہ کہہ کر وہ اپنے خاوند کی ناپاکی کی وجہ سے نہیں چلی گئی صرف آب و ہوا اور زمین کی تبدیلی کرنے کے لئے بطور سیر و سیاحت نہیں آئی کسی دنیاوی کیلئے نہیں آئی بلکہ صرف اللہ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سلام کی خاطر ترک وطن کیا ہے اور کوئی غرض نہیں، قسم دے کر ان سوالات کا کرنا اور خوب آزمائشیں یہ کام حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد تھا اور روایت میں ہے کہ امتحان اس طرح ہوتا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے معبود برحق و رب شریک ہونے کی گواہی دیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ کے بندے اور اس کے پیچھے ہوئے رسول ہونے کی شہادت دیں، اگر آزمائش میں کسی کی غرض دنیاوی کا پتہ چل جاتا تو انہیں واپس لوٹا دیئے کا حکم تھا۔ مثلاً یہ معلوم ہو جائے کہ میں بیوی کی بن کی وجہ سے یا کسی اور غرض کی محبت میں چلی آئی ہے وغیرہ، اس آیت کے اس جملہ سے کہ اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ ایمان عورت ہے تو پھر اسے کافر نہ کہ طرف مت لوٹا و طاہت ہوتا ہے کہ ایمان پر بھی یقینی طور پر مطلع ہو جانا ممکن امر ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ مسلمان عورتیں کافر نہ کہ کافر مرد مسلمان عورتوں کے لئے حلال نہیں،

اس آیت نے اس رشتہ کو حرام کر دیا اور نہ اس سے پہلے مومنہ عورتوں کا نکاح کافر مردوں سے جائز تھا، جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص بن ریح سے ہوا تھا حالانکہ یہ اس وقت کافر تھے اور بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسلمہ تھیں، بدر کی لڑائی میں یہ بھی کافروں کے ساتھ تھے اور جو کافر زندہ پکڑے گئے تھے ان میں یہ بھی گرفتار ہو کر آئے تھے حضرت زینب نے اپنی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہار ان کے قدیئے میں بھیج دیا تھا کہ یہ آزاد ہو کر آئیں جسے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑی رقت طاری ہوئی اور آپ نے مسلمانوں سے فرمایا اگر میری بیٹی کے قیدی کو چھوڑ دینا تم پر واجب کرتے ہو تو اسے رہا کر دو مسلمانوں نے بہ خوشی بغیر فدیہ کے انہیں چھوڑ دینا منظور کیا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا اور فرمایا کہ آپ کی صاحبزادی کو آپ کے پاس مدینہ میں بھیج دیں انہوں نے اسے منظور کر لیا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھیج بھیج دیا، یہ واقعہ سنہ 2 ہجری کا ہے، حضرت زینب نے مدینہ میں بی اقامت نہ رہی اور یونہی بیٹھی رہیں یہاں تک کہ سنہ 8 ہجری میں ان کے خاوند حضرت ابوالعاص کو اللہ تعالیٰ نے توفیق اسلام دی اور وہ مسلمان ہو گئے تو حضور نے پھر ان کے لئے نکاح بغیر نئے مہر کے اپنی صاحبزادی کو ان کے پاس رخصت کر دیا اور روایت میں ہے کہ دو سال کے بعد حضرت ابوالعاص مسلمان ہو گئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پہلے نکاح پر حضرت زینب کو لوٹا دیا تھا یہی صحیح ہے اس لئے کہ مسلمان عورتوں کے مشرک مردوں پر حرام ہونے کے دو سال بعد یہ مسلمان ہو گئے تھے، ایک اور روایت میں ہے کہ ان کے اسلام کے بعد

سرے سے نکاح ہو اور نیا مہر بندہ،

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت یزید نے فرمایا ہے پہلی روایت کے راوی حضرت ابن عباس ہیں اور وہ روایت ازروئے اسد کے بہت اعلیٰ اور دوسری روایت کے راوی حضرت عمرو بن شعیب ہیں اور عمل اسی پر ہے، لیکن یہ یاد رہے کہ عمرو بن شعیب دانی روایت کے ایک راوی حجاج بن ارطاة کو حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ضعیف بتاتے ہیں، حضرت ابن عباس دانی حدیث کا جواب جمہور یہ دیتے ہیں کہ یہ شخصی واقعہ ہے ممکن ہے ان کی عدت ختم ہی نہ ہوئی ہو، اکثر حضرات کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں جب عورت نے عدت کے دن پورے کر لئے اور اب تک اس کا کافر خاوند مسلمان نہیں ہو تو وہ نکاح منع ہو جاتا ہے، ہاں بعض حضرات کا مذہب یہ بھی ہے کہ عدت پوری کر لینے کے بعد عورت کو اختیار ہے اگر چاہے اپنے اس نکاح کو باقی رکھے گا چاہے نکاح کر کے دوسرا نکاح کر لے اور اپنی پر امن عباس دانی روایت کو محمول کرتے ہیں۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ ان مہاجر عورتوں کے کافر خاوندوں کو ان کے خروج اخراجات جو ہوئے ہیں وادار کر دو جیسے کہ مہر۔

پھر فرماں ہے کہ اب انہیں ان کے مہر دے کر ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی حرج نہیں، عدت کا گذر جانا ان کا مقرر کرنا وغیرہ جو امور نکاح میں ضروری ہیں ان شرائط کو پورا کر کے ان مہاجرہ عورتوں سے جو مسلمان نکاح کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تم پر بھی اے مسلمانو ان عورتوں کا اپنے نکاح میں باقی رکھنا حرام ہے جو کافرہ ہیں، اسی طرح کافر عورتوں سے نکاح کرنا بھی حرام ہے اس کے حکم نازل ہوتے ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دو کافر بیویوں کو فوراً حلاق دے دی جن میں سے ایک نے تو معاویہ بن سفیان سے نکاح کر لیا اور دوسری نے صفوان بن امیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں سے صحیح کی اور ابھی تو آپ حدیبیہ کے نیچے کے حصے میں ہی تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں سے کہہ دیا گیا کہ جو عورت مہاجرہ آئے اس کا ایمان ہونا اور خلوص نیت سے ہجرت کرنا بھی معلوم ہو جائے تو اس کے کافر خاوندوں کو ان کے دیئے ہوئے مہر واپس کر دو اسی طرح کافروں کو بھی یہ حکم سنایا گیا، اس حکم کی وجہ عہد نامہ تھا جو ابھی ابھی مرتب ہوا تھا۔

حضرت الفاروق نے اپنی جن دو کافرہ بیویوں کو طلاق دی ان میں سے پہلی کا نام قریبہ تھا یہ ابوامیہ بن مغیرہ کی لڑکی تھی اور دوسری کا نام ام کلثوم تھا جو عمرو بن حروہ خزانہ کی لڑکی تھی حضرت عبید اللہ کی ولدہ یہی تھی، اس سے ابوجہم بن حذیفہ بن غانم خزاعی نے نکاح کر لیا یہ بھی مشرک تھا، اسی طرح اس حکم کے ماتحت حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے اپنی کافرہ بیوی اروی بنت ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کو طلاق دے دی اس سے خالد بن سعید بن عاص نے نکاح کر لیا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے تمہاری بیویوں پر جو تم نے خرچ کیا ہے سے کافروں سے لے لو جبکہ وہ ان میں چلی جائیں اور کافروں کی عورتیں جو مسلمان ہو کر تم میں آجائیں انہیں تم ان کا کیا ہوا خرچہ دے دو۔ صلح کے بارے میں اور عورتوں کے بارے میں اللہ کا فیصلہ بیان ہو چکا جو اس نے اپنی مخلوق میں کر دیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تمام تر مصلحتوں سے باخبر ہے اور اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا اس لئے کہ علی الاطلاق حکیم دی ہے۔ اس کے بعد کی آیت دان فانکم الخ کا مطلب حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ جن کفار سے تمہارا عہد و پیمان صحیح و صفائی نہیں،

مسلمان کے گھر سے جا کر ان میں جا ملے تو ظاہر ہے کہ وہ اس کے خاوند کا کیا ہو خراج نہیں دیں گے تو اس کے

۱۰۔ نہ اندہ علیہ فرماتے ہیں مسلمانوں نے تو اللہ کے اس حکم کی تعمیل کی اور کافروں کی جو عورتیں مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مسلمان بن گئیں۔ انہیں ہونے مہر ان کے خاوندوں کو واپس کئے لیکن مشرکوں نے اس حکم کے ماننے سے انکار کر دیا اس پر یہ آیت اتاری کہ اگر تم میں سے کوئی عورت ان کے ہاں چلی گئی ہے اور انہوں نے تمہاری خراج کی ہوئی رقم ادا نہیں کی۔ جب ان میں سے کوئی عورت تمہارے ہاں آ جائے تو تم اپنا وہ خراج نکال کر باقی اگر کچھ بچے تو دے دو ورنہ معاملہ ختم ہوا۔ حضرت بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا یہ مطلب مروی ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جو مسلمان عورت کافروں میں جا ملے اور کافراں کے خاوند کو اس کا کیا ہوا خراج ادا نہ کریں تو مال غنیمت میں سے آپ اس مسلمان کو بقدر اس کے خراج کے دے دیں، پس فقہاء کے معنی یہ ہوئے کہ پھر تمہیں قریش یا کسی اور جماعت کفار سے مال غنیمت ہاتھ لگے تو ان مردوں کو جن کی عورتیں کافروں میں چلی گئی ہیں ان کا کیا ہوا خراج۔ ذکر دو، یعنی مہر شل، ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں مطلب یہ ہے کہ یہی صورت گری ناممکن ہو تو وہ کسی ورنہ مال غنیمت میں سے اسے اس کا حق دے دیا جائے دونوں باتوں میں اختیار ہے اور حکم میں رعیت نہ حضرت امام ابن جریر اس تطبیق کو پسند فرماتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، مجتہد، ۱۰)

۲۰۰۔ مباحثہ فوار کے سبب احوال

فقہائے اسلام نے اس قانون کو چار بڑے بڑے عنوانات کے تحت مرتب کیا ہے: ایک، وہ حالت جس میں زوجین دار

بائتہ میں ہوں اور ان میں سے ایک مسلمان ہو جائے اور دوسرا کافر رہے۔ دوسرے، وہ حالت جس میں زوجین دار الکفر میں

ہوں اور ان میں سے ایک مسلمان ہو جائے اور دوسرا کافر رہے۔ تیسرے، وہ حالت جس میں زوجین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو کر

دار البیت میں ہجرت کر کے آجائے اور دوسرا در الکفر میں کافر رہے۔ چوتھے، وہ حالت جس میں مسلم زوجین میں سے کوئی ایک

مرید بنائے۔ ذیل میں ہم ان چاروں حالتوں کے متعلق فقہاء کے مسالک الگ الگ بیان کرتے ہیں۔

مسائل: برائے ستاب ازواج کے نکاح میں رہنے پر فقہی مذاہب اربعہ

۱۰۔ میں اگر اسلام شوبہ کرنے قبول کیا ہوں اور اس کی بیوی عیسائی یا یہودی ہو اور وہ اپنے دین پر قائم رہے تو دونوں کے نکاح باقی رہے گا کیونکہ مسلمان مرد کے لیے اہل کتاب بیوی جائز ہے۔ یہ امر تمام فقہاء کے درمیان متفق علیہ ہے۔

اور اگر اسلام قبول کرنے والے مرد کی بیوی غیر اہل کتاب میں سے ہو اور وہ اپنے دین پر قائم رہے، تو حفصہ اس کے متعلق کہنے

ن۔ اس صورت میں اگر روچھین کے درمیان خلوت ہو دی کہ ہو تو عورت مہر کی متحقق ہوگی، اور خلوت نہ ہوئی ہو تو اس کو مہر پانے کا حق رہے گا، کیونکہ فرقت اس کے انکار کی وجہ سے واقع ہوئی ہے (المسبوط، ہدایہ، فتح القدیر)

ہم شافی اور سادہ کہتے ہیں کہ اگر زوجین کے درمیان خلوت نہ ہوئی ہو تو کرو کے اسلام قبول کرتے ہی عورت اس کے نکاح سے باہر ہو جائے گی، اور اگر خلوت ہو چکی ہو تو عورت تین مرتبہ ایام ماہورہ کی آنے تک اس کے نکاح میں رہے گی، اس دوران میں وہ خود اپنی مرضی سے اسلام قبول کرے تو نکاح باقی رہے گا، ورنہ تیسری بار ایام سے فارغ ہوتے ہی آپ سے آپ فسخ ہو جائے گا۔ امام شافعیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ فیصوں کو ان کے مذہب سے تعرض نہ کرنے کی جو ضمانت ہماری طرف سے دی گئی ہے اس کی بنا پر یہ درست نہیں ہے کہ عورت کے سامنے، اسلام پیش کیا جائے۔ لیکن درحقیقت یہ ایک کمزور بات ہے، کیونکہ ایک ذمی عورت کے مذہب سے تعرض تو اس صورت میں ہوگا جبکہ اس کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اس سے صرف یہ کہنا کوئی بے جا تعرض نہیں ہے کہ تو، اسلام قبول کر لے تو اپنے شوہر کے ساتھ رہ سکتے گی ورنہ تجھے اس سے الگ کر دیا جائے گا۔

حضرت علیؓ کے زمانے میں اس کی نظیر پیش بھی نہ تھی۔ عراق کے ایک مجوسی زمیندار نے اسلام قبول کیا اور اس کی بیوی کا فریضہ بھی حضرت علیؓ نے اس کے سامنے اسلام پیش فرمایا۔ اور جب اس نے انکار کیا تب آپؐ نے دونوں کے درمیان تفریق کرادی۔ (المبسوط)

اہم، لکھتے ہیں کہ اگر خلوت نہ ہو چکی ہو تو مرد کے اسد م۔ تے ہی اس کی کافر بیوی اس سے فوراً جدا ہو جائے گی اور اگر خلوت ہو چکی ہو تو عورت کے سامنے اسلام پیش کیا جائے گا اور اس کے انکار کی صورت میں جدائی واقع ہو جائے گی۔

(مفتی لابن قدس)

خاندان کے عدم قبول اسلام پر تفریق میں مذاہب اربعہ

اور گرامسلم عورت نے قبول کیا ہو اور مرد کافر رہے، خواہ وہ اہل کتاب میں سے ہو یا غیر اہل کتاب میں سے، تو حنفیہ کہتے ہیں کہ دونوں میں خضوت ہو چکی ہو، یہ نہ ہوئی ہو، ہر صورت میں شوہر کے سامنے اسلام پیش کیا جائے گا، قبول کر لے تو عورت اس کے نکاح میں رہے گی، انکار کر دے تو قاضی دونوں میں تفریق سرا دے گا۔ اس دوران میں جن تک مرد اسلام سے انکار نہ کرے، عورت اس کی بیوی تو رہے گی مگر اس کو مقاربت کا حق نہ ہوگا۔ شوہر کے انکار کی صورت میں تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہوگی۔ اگر اس سے پہلے خلوت نہ ہوئی ہو تو عورت نصف مہر پانے کی حق دار ہوگی، اور خلوت ہو چکی ہو تو عورت پورا مہر بھی پائے گی اور عدت کا نفقہ بھی (المسعودی - مداد - فتح القدیر)

اہم شافعی کے نزدیک خوت نہ ہونے کی صورت میں عورت کے اسلام قبول کرتے ہی نکاح منہج ہو جائے گا، اور خلوت ہونے کی صورت میں عدت ختم ہونے تک عورت اس مرد کے نکاح میں رہے گی۔ اس مدت کے اندر وہ اسلام قبول کر لے تو نکاح باقی رہے گا ورنہ عدت گزرتے ہی جدائی واقع ہو جائے گی۔ لیکن مرد کے معاملہ میں بھی اہم شافعی نے وہی رائے ظاہر کی ہے جو عورت



کے مع میں اور منقول ہوئی کہ اس کے سامنے اسلام پیش کرنا جائز نہیں ہے، ورنہ یہ مسلک بہت کمزور ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں متعدد واقعات ایسے پیش آئے ہیں کہ عورت نے اسلام قبول کر لیا اور مرد سے اسلام لانے کے لیے کہا گیا اور جب اس نے انکار کر دیا تو دونوں کے درمیان تفریق کرادی گئی۔ مثلاً بنی تغلب کے ایک عیسائی کی بیوی کا معاملہ ان کے سامنے پیش ہوا۔ انہوں نے مرد سے کہہ دیا تو اسلام قبول کر لے ورنہ میں تم دونوں کے درمیان تفریق کر دوں گا۔ اس نے انکار کیا اور آپ نے تفریق نہ کر دی۔ یہوذاہلک کی ایک نو مسلم زمیندارنی کا مقدمہ ان کے پاس بھیجا گیا۔ اس کے معاملہ میں بھی انہوں نے حکم دیا کہ اس کے شوہر کے سامنے اسلام پیش کیا جائے، اگر وہ قبول کر لے تو بہتر، ورنہ دونوں میں تفریق کرادی جائے۔ یہ واقعات صحابہ کرم کے سامنے پیش آئے تھے اور کسی کا اختلاف منقول نہیں ہے (احکام القرآن للجصاص - المصنوع - فتح القدیر)

امام مالکؒ کے رائے اس معاملے میں یہ ہے کہ اگر عورت سے پہلے عورت مسلمان ہو جائے تو شوہر کے سامنے اسلام پیش کر جائے، وہ قبول کر لے تو بہتر ورنہ فوراً تفریق کرادی جائے۔ اور اگر عورت ہو چکی ہو اور اس کے بعد عورت اسلام لائی ہو تو زمانہ عدت ختم ہونے تک انتظار کیا جائے، اس مدت میں شوہر اسلام قبول کر لے تو نکاح باقی رہے گا، ورنہ عدت گزرتے ہی فرقت واقع ہو جائے گی۔ امام احمد کا ایک قول امام شافعیؒ کی تائید میں ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ زوجین کے درمیان اختلاف دین واقع ہو جائے تو بہر حال فوری تفریق کا موجب ہے خواہ خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو (المصنوع، مسائل نکاح و طلاق)

در لکھنؤ میں اگر عورت مسلمان ہو جائے اور مرد کافر رہے، یہ مرد مسلمان ہو جائے اور اس کی بیوی (جو عیسائی یا یہودی نہ ہو بلکہ کسی غیر کتابی مذہب کی ہو) اپنے مذہب پر قائم رہے، تو خفیہ کے نزدیک خواہ ان کے درمیان خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، تفریق واقع نہ ہوگی جب تک عورت کو تین مرتبہ یا مہا واری نہ آجائیں، یا اس کے غیر حاکمہ ہونے کو صورت میں تین مہینے نہ گزر جائیں۔ اس دوران میں اگر دوسرا فریق بھی مسلمان ہو جائے تو نکاح باقی رہے گا، ورنہ یہ مدت گزرتے ہی فرقت واقع ہو جائے گی۔ امام شافعیؒ اس معاملہ میں بھی خلوت اور عدم خلوت کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ ان کی رائے یہ ہے کہ اگر خلوت نہ ہوئی ہو تو زوجین کے درمیان دین کا اختلاف واقع ہوتے ہی فرقت ہو جائے گی، اگر خلوت ہو جانے کے بعد دین کا اختلاف رونما ہوا ہو تو عدت کی مدت ختم ہونے تک ان کا نکاح باقی رہے گا۔ اس دوران میں اگر دوسرا فریق اسلام قبول نہ کرے تو عدت ختم ہونے کے ساتھ ہی نکاح بھی ختم ہو جائے گا (المصنوع، فتح القدیر، احکام القرآن للجصاص)

اختلاف دارین کے سبب فسخ نکاح میں مذاہب اربعہ

جس صورت میں زوجین کے درمیان اختلاف دین کے ساتھ اختلاف دار بھی واقع ہو جائے، یعنی ان میں سے کوئی ایک دار الکفر میں کافر رہے اور دوسرا دار الاسلام کی طرف ہجرت کر جائے، اس کے متعلق خفیہ کہتے ہیں کہ دونوں کے درمیان نکاح کا تعلق آپ سے آپ ختم ہو جائے گا۔ اگر ہجرت کرنے والی عورت ہو تو اسے فوراً دوسرا نکاح کر لینے کا حق حاصل ہے، اس پر کوئی عدت نہیں ہے، البتہ مقاربت کے لیے اس کے شوہر کو استبراء جم کی خاطر ایک مرتبہ یا مہا واری نہ جانے تک انتظار کرنا ہوگا، اور اگر وہ

حاملہ ہو تب بھی نکاح ہو سکتا ہے مگر مقاربت کے لیے وضع حمل تک انتظار کرنا ہوگا۔ امام ابو یوسف اور امام محمد نے اس مسئلے میں امام ابو حنیفہؒ سے صرف اتنا اختلاف کیا ہے کہ ان کے نزدیک عورت پر عدت مازم ہے، اور اگر وہ حاملہ ہو تو وضع حمل سے پہلے اس کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ (المصنوع - ہدایہ - احکام القرآن للجصاص)

امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اختلاف دار کا اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ اصل چیز صرف اختلاف دین ہے۔ یہ اختلاف اگر زوجین میں واقع ہو جائے تو احکام وہی ہیں جو دارالاسلام میں زوجین کے درمیان یہ اختلاف واقع ہونے کے احکام ہیں (المصنوع)

امام شافعیؒ اپنی مذکورہ بالا رائے کے ساتھ ساتھ ہجرت کر کے آنے والی مسلمان عورت کے معاملہ میں یہ رائے بھی ظاہر کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنے کافر شوہر سے نکاح کر کے حق زوجیت کو مستند کرنے کے ارادے سے آئی ہو تو اختلاف دار کی بنا پر نہیں بلکہ اس کے اس قصد کی بنا پر فوراً فرقت واقع ہو جائے گی (المصنوع - ہدایہ)

لیکن قرآن مجید کی زیر بحث آیت پر غور کرنے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں صحیح ترین رائے وہی ہے جو امام ابو حنیفہؒ نے ظاہر فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ہجرت کر کے آنے والی مومن عورتوں ہی کے بارے میں نازل فرمائی ہے، اور انہی کا حق میں یہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے ان کافر شوہروں کے لیے حلال نہیں رہیں جنہیں وہ دار الکفر میں چھوڑ آئی ہیں، اور دارالاسلام کے مسلمانوں کی اجازت دی ہے کہ وہ ان کے مہر ادا کر کے ان سے نکاح کر لیں۔ دوسری طرف مہاجر مسلمانوں سے خطاب کر کے یہ فرمایا ہے کہ اپنی ان کافر بیویوں کو اپنے نکاح میں نہ رو کے رکھو جو دار الکفر میں رہ گئی ہیں اور کفار سے اپنے وہ مہر واپس، لے لو جو تم نے ان عورتوں کو دیے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ صرف اختلاف دین ہی کے احکام نہیں ہیں بلکہ ان احکام کو جس چیز نے یہ خاص شک دے دی ہے وہ اختلاف دار ہے۔ اگر ہجرت کی بنا پر مسلمان عورتوں کے نکاح ان کے کافر شوہروں سے ٹوٹ نہ گئے ہوتے تو مسلمانوں کو ان سے نکاح کر لینے کی اجازت کیسے دی جاسکتی تھی، اور وہ بھی اس طرح کہ اس اجازت میں عدت کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں ہے۔ اسی طرح اگر لَا تُمْسِكُوْا بِعَصَمِ الْكُوفَرِ کا حکم آجائے کے بعد بھی مسلمان مہاجرین کی کافر بیویوں ان کے نکاح میں باقی رہا کرتی ہوتیں تو ساتھ ساتھ یہ حکم بھی دیا جاتا کہ نکاح طلاق دے دو۔ مگر یہاں اس کی طرف بھی کوئی اشارہ نہیں۔ بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت طلحہؓ اور بعض دوسرے مہاجرین نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی تھی۔ مگر یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ ان کے لیے یہاں ضروری تھا، اور ان بیویوں کے ساتھ تعلق زوجیت کا انقطاع ان کے طلاق دینے پر موقوف تھا، اور اگر وہ طلاق نہ دیتے تو وہ بیویاں ان کے نکاح میں باقی رہ جاتیں۔

اس کے جواب میں عہد نبویؐ کے تین واقعات کی نظیریں پیش کی جاتی ہیں جن کو اس امر کا ثبوت قرار دیا جاتا ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اختلاف دار کے باوجود مومن اور کافر زوجین کے درمیان نکاح کا تعلق برقرار رکھا۔ پہلا واقعہ یہ ہے کہ فتح مکہ سے ذرا پہلے یوسف بن مرثد بن ابی العاص (موجودہ وادی فاطمہ) کے مقام پر لشکر اسلام میں آئے اور یہاں



اپنے باپوں کے نام کے ساتھ بلائے جاؤ گے؛ لہذا تم اپنے نام اچھے رکھو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اس معاملہ میں فیصلہ کرنا چاہا جو پاپے باپ کے مر جانے کے بعد اس سے ملایا جائے یعنی اس باپ سے جس کے نام سے پکارا جاتا ہے اور باپ کے وارث اس کو ملانا چاہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا اگر وہ بچہ اس باندی سے ہے جس کا بوقت جماع اس کا باپ مالک تھا تو اس کا نسب ملانے والے سے مل جائے گا لیکن جو ترکہ اس کے ملائے جانے سے پہلے تقسیم ہو چکا ہے اس میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا البتہ جو ترکہ ابھی تک تقسیم نہیں ہو اس میں اس کا حصہ ہوگا مگر جب وہ باپ جس سے اس کا نسب ملایا جا رہا ہے اپنی زندگی میں اس کے نسب سے انکار کرتا رہا ہو تو وارثوں کے ماننے سے اس کا نسب نہیں ملے گا اور اگر وہ بچہ ایسی باندی سے ہو جس کا مالک اس کا باپ نہ تھا یا وہ بچی آزاد عورت کے پیٹ سے پیدا ہو جس سے اس کے باپ نے زنا کیا تھا تو اس کا نسب نہ ملے گا اور نہ وہ اس کا وارث ہوگا اگرچہ اس کے باپ نے اپنی زندگی میں اس کا دعویٰ کیا ہو کہ یہ بچہ میرا ہے کیونکہ وہ ولد اثرنا ہے خواہ آزاد عورت کے پیٹ سے ہو یا باندی کے پیٹ سے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 499)

نیز سنن ابوداؤد میں پانچ مقام پر یہ حدیث انہی اسناد اور ردایوں کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ درست یہ ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کے باپوں ہی کے نام سے بلایا جائے گا، ماؤں کے نام سے نہیں جیسا کہ عام لوگوں میں مشہور ہے بلکہ بعض علماء بھی اس طرف گئے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الادب میں ایک باب یوں قائم کیا ہے۔ یاسب ما یدعی الناس ما بانہم یعنی یہ بیان کہ لوگوں کو ان کے آباء کے ناموں سے بلایا جائے گا۔ اس باب کے تحت وہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی درج ذیل حدیث لائے ہیں ان الغادر یُنصب لہ لواء یوم القیامة فیقال: ہذہ عذرة فلان بن فلان (شرح بخاری لابن بطال۔ 9/354 وایضاً فتح الباری 10/56)

خائن کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا، سوکھا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی خیانت ہے۔

قیامت کے ماں یا باپ کے نام سے پکارنے میں بحث و نظر

عذرِ ماہنِ بطل اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سقر ہاں ہذہ غدرة فلان بن فلان میں ان لوگوں کے قول کا رد ہے جن کا خیال ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کی دوس کے نام سے بلایا جائے گا کیوں کہ اس میں ان کے باپوں پر پردہ پوشی ہے اور یہ حدیث ان کے اس قول کے خلاف ہے۔

اس حدیث کی بنا پر دیگر علماء نے بھی اس قول کے قائلین کا رد کیا ہے۔ اس کے بارے میں ایک صریح حدیث بھی ہے مگر وہ اسنادی اعتبار سے ضعیف ہے اور وہ حدیث ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ مروی ہے: انکم تدعون یوم القيامة باسمائکم واسماء آبائکم فاحسروا اسمائکم۔ یقیناً تم قیامت کے دن اپنے اور اپنے آباء کے نام سے بلائے جاؤ گے چنانچہ تم اپنے اچھے اچھے نام رکھو (اس حدیث کو امام احمد (5/194) (ابوداؤد 4948) (ابن حبان 7/528) اور بخاری

**بَابُ ثَبُوتِ النَّسَبِ**

یہ باب ثبوت نسب کے بیان میں ہے

**باب ثبوت نسب کی فقہی مطابقت کا بیان**

علامہ ابن محمود باہر ترقی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے باب عدت کے بعد ثبوت نسب کا باب بیان کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عدت کا مقصد ہی استبراء رحم ہوتا ہے کیونکہ اگر کسی خاوند کی طلاق کے دو یا تین ماہ بعد یا کسی طرح چھ ماہ سے پہلے اور اسی طرح عدت حائضہ کی صورت میں وضع حمل، ورنہ عدت وفات میں عدت پوری ہونے سے پہلے اگر مطلقہ نے بچہ کو جنم دیا تو ان صورتوں میں اسی کا نسب ثابت ہوگا جس سے وہ مطلقہ ہوئی ہے۔ عدت کا تعلق نسب کے ساتھ مربوط ہے۔ کیونکہ عدت سے قبل یعنی جب کوئی عورت حائضہ کے عقد میں ہو تو نسب کا جھگڑا پیدا ہی نہیں ہوگا۔ اور یہ تصادم جب ہی ہو سکتا ہے جب کوئی عورت مطلقہ یا کسی طرح بھی تفریق ہو جائے۔ تو ان صورتوں میں نسب کا مسئلہ پیدا ہوگا بعد مصنف علیہ الرحمہ نے اس کو عدت کے بعد ذکر کیا ہے۔ تاکہ عدت کے احکام ورنہ عدت کی مدت سے معلوم ہو جانے کے بعد ثبوت نسب کے احکام کو سمجھنا قدرے آسان ہوگا لہذا باب ثبوت نسب کو مؤخر ذکر کیا ہے۔ (عنا یہ شرح الہدایہ بتصرف، ج ۶، ص ۱۵۲، بیروت)

### نسب بدلنے والے کیلئے وعید کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ جب عات ولی آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس عورت نے اپنے بچہ کو اس قوم میں داخل کیا جس میں سے وہ نہیں ہے تو وہ عورت اللہ کی (رحمت کی) چیزوں میں سے کسی چیز میں داخل نہیں ہے اور اللہ اس کو ہرگز اپنی جنت میں داخل نہ کرے گا ورنہ جو مرد ایسا ہو کہ بچہ کو اپنا بچہ ماننے سے انکار کرے اس میں کوئی شک نہیں ہے اس کی طرف (پیار بھری نظروں سے) دیکھ رہا ہو تو قیامت کے دن اس کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کو تمام مخلوق کے سامنے رسوا کرے گا۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 497)

قیامت کے دن باپ کے نام سے پکارا جائے گا

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكُمْ تَدْعُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَسْمَائِكُمْ وَأَسْمَاءِ آبَائِكُمْ فَاحْسِنُوا أَسْمَاءَكُمْ. (ابو داود، قال أبو داود ابن أبي زكريا لم يذكره أبا الدرداء، باب في تغيير الأسماء، حديث نمبر ۴۲۹)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم قیامت کے روز اپنے ناموں اور

(شرح السنہ 12/32) : نے عبد اللہ بن ابی زکریا کی سند سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس کی سند ضعیف اس لیے ہے کہ ابن زکریا نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا ہے جبکہ امام ابو داؤد اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (10/577) میں کہا ہے اور حافظ منذری نے مختصر السنن (7/571) میں کہا ہے کہ ان کا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔

جن بعض علماء نے کہا ہے کہ قیامت کے دن آدمی کو اس کی ماں کے ناموں سے یاد کیا جائے گا باپ کے نام سے نہیں۔ ان کے درج ذیل دلائل ہیں۔

پہلی دلیل: قوله سبحانه و تعالیٰ، یوم ندعو کل اناس بامامہم (الاسراء 7) : جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بدلیں گے۔ محمد بن کعب نے (بامامہم) کی تفسیر میں کہا ہے: قیل یعنی: بامہاتہم کہا گیا ہے۔ حتیٰ ان کی ماؤں کے ناموں سے۔ ان کے اس قول کو امام بخاری اور امام قرطبی نے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں تین حکمتیں ہیں جیسی علیہ السلام کی وجہ سے، حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے شرف کی بنا پر، اولاد نما کی عدم رسوائی کی وجہ سے۔ (معالم التنزیل للبخاری 5/110 اور الجامع لاحکام القرآن للقرطبی 5/628)

یہ قول بلا شک باطل ہے۔ صحیح میں ابن عمر کی حدیث سے ثابت ہے اس کے بعد انہوں نے ابن عمر کی مذکورہ حدیث کا ذکر کیا ہے۔ اس طرح زنجری نے بھی امام کی تفسیر امہات سے کی ہے۔ چنانچہ کہہ ہے: و من بدع التفسیر ان الامام جمع الام و ان الناس یدعون بامہاتہم۔۔۔ (تفسیر الکشاف - 2/369) : انوکھی تفسیروں میں سے ایک تفسیر یہ ہے کہ امام کی جمع ہے اور لوگوں کو قیامت کے دن ان کی ماؤں کے نام سے پکارا جائے گا۔ زنجری کی اس انوکھی تفسیر کا رد کرنے بن الفاظ میں کیا ہے۔

و لقد استبدع بدعا لفظا و معنی، فان جمع الام المعروف الامہات، اما رعاۃ عیسیٰ (علیہ السلام) بذکر امہات الخلائق لیذکر بامہ فیستدعی ان خلق عیسیٰ (علیہ السلام) من غیر اب غمیزة فی منصبہ، و ذلك عکس الحقیقة، فان خلقہ من غیر اب کان له آتہ، و شرفا فی حقہ واللہ اعلم (الانتصاب فیما تضمنہ الکشاف من الاعتزال 2/369: بہامش الکشاف)۔

زنجری نے لفظی اور معنوی بدعت ایجاد کی ہے، کیوں کہ امام کی معروف جمع امہات ہے۔ رہا عیسیٰ (علیہ السلام) کی رعایت کی خاطر لوگوں کو ان کی ماؤں کے ساتھ ذکر کرنا تا کہ ان کی (جیسی علیہ السلام) کی ماں کا ذکر کیا جائے تو یہ امر اس بات کا تقاضی ہے کہ عیسیٰ (علیہ السلام) کی بغیر باپ کے خلقت سے ان کے منصب پر حرف آتا ہے اور یہ حقیقت کے برعکس ہے کیوں کہ ان کا بغیر باپ کے پیدا کیا جانا، ان کے لیے مجزہ اور ان کے حق میں شرف ہے۔ بعض دیگر علماء نے مذکورہ تمام حکمتوں کا رد کیا ہے اور بعض نے اس رد کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ (تفسیر روح المعانی للآلوئی، ج ۱۵، ۲۲۱)

واضح رہے کہ امام کی معتبر مفسرین نے چار تفسیریں کی ہیں مگر ان میں سے سب سے معتبر تفسیر یہ ہے۔ کہ امام سے مراد

آدمی کا اہل نامہ ہے کیوں کہ (یوم ندعو کل اناس بامامہم) کے بعد اللہ عزوجل نے فرمایا ہے۔ (فمن اوتی کتابہ فہمیدہ) حافظ ابن کثیر نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے اور علامہ شہنشاہی نے ان کی تائید کی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر 5/127: و اضواء البیان: 2/322)

فائدہ: امام کی تفسیر نبی اور پیغمبر سے بھی کی گئی ہے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: قال بعض النسف: هذا اکبر شرف لاصحاب الحدیث لان امامہم الانبیاء (تفسیر ابن کثیر - 5/126) : بعض سلف نے کہا ہے کہ یہ اصحاب حدیث کے لیے بہت بڑا شرف ہے کیوں کہ ان کے امام انبیاء ہیں۔

دوسری دلیل: بعض و اہل سخت ضعیف قسم کی روایات ہیں جو درج ذیل ہیں۔

1۔ حدیث انس مں جس کے الفاظ یہ ہیں: یدعی الناس یوم القیامۃ بامہاتہم سترا من اللہ عزوجل علیہم (ابن عدی 1/336 اور ابن جوزی نے الموضوعات 3/248) میں روایت کیا ہے اور اس کو عد مذہبی نے میزان الاعتدال (1/177) میں ابن عدی کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور اس میں بامہاتہم کی بجائے باسماء امہاتہم ہے روز قیامت لوگوں کو اللہ عزوجل کی طرف سے ان پر پردہ پوشی کی وجہ سے ان کی ماؤں کے ساتھ بلایا جائے گا۔ مگر اس حدیث کی سند ضعیف ہے (اس حدیث کی سند اسحاق بن ابراہیم کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ امام جدو ابن سبوتی کا اس حدیث کی تقویت کی طرف رجحان ہے چنانچہ انہوں نے اس حدیث پر ابن جوزی کا تعقب کرتے ہوئے لکھا ہے۔

قلت: صرح ابن عدی بان الحدیث منکر فلیس بموضوع، ولہ شاهد من حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ اخرجہ الطبرانی (التعقیبات علی الموضوعات 51)

میں کہتا ہوں ابن عدی نے صراحت کی ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔ چنانچہ یہ موضوع نہیں اور اس کا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ایک شاہد ہے جسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔ قلت اس حدیث کے الفاظ درج ذیل ہیں: بان اللہ تعالیٰ یدعو الناس یوم القیامۃ باسمائہم سترا منہ علی عبادہ (طبرانی نے المعجم الکبیر 11/122) میں روایت کیا ہے)

یقیناً اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو ان پر پردہ پوشی کی خاطر ان کے ناموں سے بدے گا مگر یہ حدیث درج ذیل دو وجوہ کی بنا پر شاہد بننے کے قابل نہیں اس میں لوگوں کو ان کے ناموں سے بدے جانے کا ذکر ہے ماؤں کے ناموں سے بلائے جانے کا ذکر نہیں۔ اس کی سند سخت ضعیف ہے بلکہ موضوع ہے۔ (کیوں کہ اس کی سند میں اسحاق بن شیر ابو حذیفہ بخاری ہے جو متردک بلکہ کذاب ہے۔ البانی نے اس کو الضعیفہ 434) میں موضوع کہا ہے)

تنبیہ: حافظ ابن حجر نے فتح الباری (10/563) میں ابن عدی کا یہ قول: فی هذا الحدیث رد لقول من زعم انہم لا یدعون یوم القیامۃ الا بامہاتہم سترا علی ابائہم۔ (شرح البخاری لابن بطال 9/354) :

اس حدیث میں ان لوگوں کے قول کا رد ہے جن کا خیال ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کی ماؤں کے نام سے بلایا جائے گا کیوں کہ اس میں ان کے باپوں پر پردہ پوشی ہے۔ ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: قلت: ہو حدیث اخرجہ الطبرانی من حدیث ابن عباس وسندہ ضعیف جدا، واخرج ابن عدی من حدیث انس مثله، وقال: منکر اور وہ فی ترجمۃ اسحاق بن ابراہیم الطبری (فتح الباری) (10/563)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو طبرانی نے ابن عباس سے روایت کی ہے اور اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ ابن عدی نے اس حدیث انس سے بھی روایت کی ہے اور اسے منکر غیر صحیح کہا ہے۔ انہوں نے اس کو اسحاق بن ابراہیم طالقانی طبری کے ترجمے میں روایت کیا ہے۔

قلت: حدیث ابن عباس میں باسمائہم ہے باسمائہم نہیں۔ اسی طرح ان کا حدیث انس مثله بھی کہا درست نہیں کیوں کہ اس حدیث میں باسمائہم ہے۔ یہی وہم علامہ ابو الطیب عظیم آبادی سے بھی ہوا ہے کہ انہوں نے حدیث ابن عباس کو لفظ باسمائہم سے ذکر کیا ہے۔ نیز ان سے ایک غلطی یہ بھی ہوئی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ حدیث ابن عباس کو طبرانی نے سند ضعیف روایت کیا ہے جیسا کہ ابن قیم نے حافیۃ السنن میں کہا ہے جبکہ ابن قیم نے حدیث ابن عباس کا ذکر تک نہیں کیا بلکہ انہوں نے حدیث ابوامامہ کا ذکر کیا ہے جو عنقریب آ رہی ہے۔ (عون المعبود 8/283: اور تہذیب السنن، ج ۷، ص ۲۵۰)

2۔ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما: اس حدیث کا ابھی حدیث انس کے ضمن میں ذکر ہوا اور یہ بھی بیان ہوا کہ دو وجوہ کی بنا پر اس حدیث سے حجت لینا درست نہیں۔

3۔ حدیث ابوامامہ: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ یہ ایک طویل حدیث ہے جس میں میت کو دفن کر دینے کے بعد اسے تلقین کرنے کا ذکر ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

اذا مات احدکم من اخوانکم فسویتم التراب علی قبرہ فلیقم احدکم علی راس قبرہ ثم لیقل: یا فلاں بن فلاں فانہ یسمعه، ولا یجیب لہ بقول: یا فلاں بن فلاں، وفی آخرہ۔ فقال رجل: یا رسول اللہ فان لم یعرف احد قال: فیسبہ الی حواء، یا فلاں بن حواء (طبرانی نے المعجم الکبیر 8/298) حدیث نمبر 8989: میں روایت کیا ہے اور اس کی سند سخت ضعیف ہے بلکہ موضوع ہے۔

جب تمہارے بھائیوں میں سے کوئی مر جائے اور تم اس کی قبر پر مٹی کو برابر کرو تو تم میں سے کوئی ایک اس کی قبر کے سر پر کھڑا ہو، پھر کہے، اے فلاں، فلاں عورت کے بیٹے، سو یقیناً وہ اس کی بات کو سنتا ہے لیکن جواب نہیں دے پاتا۔ پھر کہے اے فلاں، فلاں عورت کے بیٹے، (اور اس حدیث کے آخر میں ہے) ایک آدمی نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ! اگر وہ اس کی ماں کو نہ جانتا ہو؟ فرمایا، وہ اس کو حواء کی طرف منسوب کرے کہے، اے فلاں حواء کے بیٹے مگر اس حدیث سے حجت لینا درست نہیں کیوں کہ یہ سخت ضعیف ہے (طبرانی نے سعید بن عبد اللہ الاودری کی سند سے ابوامامہ سے روایت کیا ہے اور حافظ عثمینی نے کہا ہے وہی اسناد

حصاعۃ لم اعرفہ (مجمع الزوائد 48) 3/ اس کی سند میں ایک جماعت ایسی ہے جن کو پہچان نہیں سکا۔ یعنی ان کو ان کے ترجمہ میں ملے)

ابن القیم نے اس حدیث کو اس لیے بھی رد کیا ہے کہ صحیح احادیث کے خلاف ہے چنانچہ لکھتے ہیں ولکس ہذا الحدیث منفق علی ضعفہ، فلا تقوم بہ حجة فصلا عن ان یعارض بہ ما هو اصح منه (تہذیب سنن 7/250): لیکن اس حدیث کے ضعف پر اتفاق ہے لہذا اس سے حجت قائم نہیں ہو سکتی چنانچہ اس صحیح حدیث کے مقابلے میں، یا جائے۔

قلت: اس حدیث کا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی رد ہوتا ہے۔ جس میں ہے کہ رسول اللہ جب میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو فرماتے: استغفروا لایحیکم وسلوا لہ النیب، فانہ الآن یسال (بوراکو 3221 الحاکم 370) اس کی سند حسن درجے کی ہے اور امام حاکم نے صحیح کہا ہے اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے ثابت قدمی کا سوال کرو کیونکہ بھی اس سے سول کیا جائے گا۔ اس حدیث معلوم ہوا کہ اس موقع پر میت کے لیے استغفار و ثابت قدمی کا سوال کیا جائے گا نہ کہ اس کو تلقین کی جائے گی۔ ابن عدل نے اس حدیث کو حدیث بی امامہ کے شواہد میں ذکر کیا ہے۔ (افتوحات الربانیہ 4/196)

اور کس قدر عجیب بات سے کیوں کہ استغفار و ثابت قدمی اور تلقین میں بہت فرق ہے اور صحیح احادیث سے جو تلقین ثابت ہے وہ قریب اموت آدمی کے بارے میں ہے۔ چنانچہ رسول اللہ نے فرمایا: لیسوا موتاکم لا الہ الا اللہ (صحیح مسلم 6/219) (230) اپنے مردوں کو (قریب امرگ لوگوں کو) لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ کوئی بھی قابل اعتماد حدیث ایسی نہیں ہے کہ جس کی بنا پر یہ کہا جاسکے کہ روز قیامت آدمی کو اس کی ماں کے نام سے بلایا جائے گا بلکہ عبد اللہ بن عمر کی صحیح حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آدمی کو اس کے باپ کے نام سے بلایا جائے گا۔ بعض علماء نے ان روایات میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے وہ یوں کہ جس حدیث میں باپ کے نام سے بلائے جانے کا ذکر ہے وہ صحیح النسب آدمی کے بارے میں ہو اور جس میں ماں کے نام سے بلائے جانے کا ذکر ہے وہ دوسرے آدمی کے بارے میں ہے۔ یہ کہ کچھ آدمی لوگوں کو ان کے باپ کے نام سے اور کچھ لوگوں کو ان کے ماں کے نام سے بلایا جائے گا۔ اس جمع یا تطبیق کو عظیم آبادی نے نقل کیا ہے۔ (عون المعبود 8/283):

بعض نے ایک دوسرے طریقے سے تطبیق دی ہے، وہ یہ کہ خائن کو اس کے باپ کے نام سے اور غیر خائن کو اس کی ماں کے نام سے بلایا جائے گا اور اس کی جمع کو ابن عدل نے شیخ زکریا سے نقل کیا ہے۔ (افتوحات الربانیہ 6/104):

بعض نے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر محمول کیا ہے کہ یہ اس آدمی کے بارے میں ہے۔ جو ولد الزنا نہ ہو یا لعان سے اس کی نفی نہ کی گئی ہو۔ (افتوحات الربانیہ 6/104):

مگر یہ سب تکلفات ہیں کیوں کہ جمع اور تطبیق کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب دونوں طرف کی روایت صحیح ہوتی



جب کہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف جو روایات ہیں وہ انتہائی ضعیف قسم کی ہیں۔ نیز اصل یہ ہے کہ آدمی کو اس کے باپ کی کے نام سے پکارا جائے گا، ابن بطل لکھتے ہیں:

والدعاء بالآباء اشد في التعريف وابلغ في التميز وبذلك نطق القرآن والسنة۔ (شرح البخاری لاہور بطل 9/354) : باپ کے نام سے بلانا پہچان میں زیادہ واضح اور تمیز میں زیادہ بیشع ہے اور قرآن و سنت بھی کسی پر شاہد ہے۔ ثبوت نسب سے متعلق فقہی حکام

(وَمَنْ قَالَ إِنَّ تَزَوَّجْتُ فَلَانَةَ فَهِيَ طَالِقٌ فَتَزَوَّجَهَا فَوَلَدَتْ وَلَدًا لَيْسَتْ أَشْهَرُ مِنْ يَوْمٍ تَزَوَّجَهَا فَهُوَ ابْنُهُ وَعَلَيْهِ الْمَهْرُ) أَمَّا النَّسَبُ فَلَانَتُهَا فِرَاشُهُ، لِأَنَّهَا لَمَّا جَاءَتْ بِالْوَلَدِ لَيْسَتْ أَشْهَرُ مِنْ وَقْتِ النِّكَاحِ فَقَدْ جَاءَتْ بِهِ لِأَقَلِّ مِنْهَا مِنْ وَقْتِ الطَّلَاقِ فَكَانَ الْعُلُوقُ قَبْلَهُ فِي حَالَةِ النِّكَاحِ وَالتَّصَوُّرُ قَابِتٌ بَأَنَّ تَزَوَّجَهَا وَهُوَ يُخَالِطُهَا فَوَافَقَ الْإِنْزَالُ النِّكَاحَ وَالنَّسَبُ يُحْتَاطُ فِي اثْبَاتِهِ، وَأَمَّا الْمَهْرُ فَلَانَتُهُ لَمَّا ثَبَتَ النَّسَبُ مِنْهُ جُعِلَ وَاطِنًا حُكْمًا فَتَاكَدَ الْمَهْرُ بِهِ (وَيَثْبُتُ نَسَبٌ وَلَدِ الْمُطَلَّاقَةِ الرَّجْعِيَّةِ إِذَا جَاءَتْ بِهِ لِسِتْنَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ مَا لَمْ يُقَرَّرْ بِانْقِصَاءِ عِدَّتِهَا) لِاحْتِمَالِ الْعُلُوقِ فِي حَالَةِ الْعِدَّةِ لِخَوَازِ أَنَّهُ تَكُونُ مُمْتَدَّةَ الطَّهَرِ (وَأِنْ جَاءَتْ بِهِ لِأَقَلِّ مِنْ سِتْنَيْنِ بَانَ مِنْ زَوْجِهَا بِانْقِصَاءِ الْعِدَّةِ) وَثَبَتَ نَسَبُهُ لَوْ جُودَ الْعُلُوقِ فِي النِّكَاحِ أَوْ فِي الْعِدَّةِ فَلَا يَصِيرُ مُرَاجِعًا لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ الْعُلُوقَ قَبْلَ الطَّلَاقِ وَيَحْتَمِلُ بَعْدَهُ فَلَا يَصِيرُ مُرَاجِعًا بِالسَّيِّئِ (وَأِنْ جَاءَتْ بِهِ لِأَكْثَرَ مِنْ سِتْنَيْنِ كَانَتْ رَجْعَةً) لِأَنَّ الْعُلُوقَ بَعْدَ الطَّلَاقِ وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ مِنْهُ لَا نِفَاءَ الزَّانَا مِنْهَا فَيَصِيرُ بِالْوَطْءِ مُرَاجِعًا.

ترجمہ

اور اگر کوئی شخص کہے: میں نے اگر فلاں عورت کے ساتھ شادی کی تو اسے طلاق ہوگی اور پھر وہ شخص اس عورت کے ساتھ شادی کرے اور نکاح کے چھ ماہ بعد عورت ایک بچے کو جنم دے تو وہ بچہ اسی نکاح کرنے والے کا بیٹا شمار ہوگا اور اس شوہر پر مہر کی ادائیگی لازم ہوگی۔ نسب کا ثبوت اس بنیاد پر ہوگا کہ عورت اس مرد کی فراش (مکود) تھی کیونکہ جب اس نے نکاح کے چھ ماہ بعد بچے کو جنم دیا اور طلاق کے چھ ماہ سے کم عرصے میں بچے کی پیدائش ہوئی تو بچے کا نطفہ حالت نکاح میں موجود تھا۔ اس کی صورت یہ ہے

مکنی ہے، مرد نے اس عورت کے ساتھ صحبت کی حالت میں نکاح کیا اور نکاح ہو جانے کے ساتھ ہی انزال کے نتیجے میں حمل ٹھہر گیا۔ تو حقیقت یہی ہے: نسب کو ثابت کیا جائے جہاں تک مہر کا تعلق ہے تو اس وقت تک لازم ہوگا جب مرد کا نسب ثابت ہو گیا تو حکم کے اعتبار سے اسے صحبت کرنے والا قرار دیا جائے گا۔ فی الحال اس کے نتیجے میں مہر سو کہہ دیا جائے گا۔ جس عورت کو رجعی طلاق دی گئی ہو اگر وہ طلاق کے دو سال یا اس سے زیادہ عرصے کے بعد بچے کو جنم دے تو بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا جب تک کہ اس عورت سے عدت گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے: یہ احتمال موجود ہے کہ عدت کی حالت میں نطفہ رہ گیا ہو کیونکہ عورت کے طہر کا زمانہ بہت طویل بھی ہو سکتا ہے۔ جس عورت کو رجعی طلاق دی گئی اور اس کے ہاں دو برس سے کم عرصے میں بچے کی پیدائش ہوگی تو وہ اپنے شوہر سے بائند ہو جائے گی کیونکہ بچے کی طلاق کے ساتھ ہی اس کی عدت ختم ہو جائے گی اور بچے کا نسب بھی ثابت ہو جائے گا کیونکہ بچے کا نطفہ نکاح کی حالت میں یا عدت کی حالت میں ٹھہرا ہے۔ لیکن ایسی صورت میں مرد کا رجوع کرنا ثابت نہیں ہوگا کیونکہ یہاں دو صورتوں کا احتمال موجود ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ طلاق سے پہلے ٹھہرا ہوا یعنی نکاح کی حالت میں ٹھہر ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ طلاق کے بعد ہو تو شک کی بنیاد پر شوہر کو رجوع کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ اگر دو سال کے بعد بچے کی پیدائش ہو تو رجوع ثابت ہو جائے گا کیونکہ جس ٹھہرے طلاق کے بعد ہوا ہے اور بظاہر یہی محسوس ہوتا ہے کہ جس اسی مرد کا ہوگا کیونکہ زنا کا کوئی ثبوت نہیں ہو سکا لہذا وہ صحبت کرنے کے ذریعے رجوع کرنے والا شمار ہوگا۔

شرح

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ زعمد کی باندی کے بچہ کے سلسلہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زعمد نے جھگڑا کیا۔ سعد کہتے تھے کہ میرے بھائی عتبہ نے مجھے وصیت کی تھی کہ جب میں مکہ جاؤں تو زعمد کی باندی کے بچہ کو دیکھوں اور اسے اصل کروں کیونکہ وہ میرا بچہ ہے اور عبد بن زعمد کا کہن تھا کہ وہ میرا بھائی ہے کیونکہ وہ میرے کی باندی کا بیٹا ہے جو میرے گھر میں پیدا ہوا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بچہ کو دیکھا تو واضح طور پر عتبہ کے مشابہ پایا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سودہ سے فرمایا تو اس سے پردہ کیا کر) ہر چند کہ سودہ بنت زعمد کا وہ بچہ بھائی قرار پایا مگر چونکہ وہ عتبہ کا نطفہ تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے پردہ کرنے کا حکم فرمایا اور مسدود نے اپنی حدیث میں یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عبد بن زعمد یہ بچہ تیرا بھائی ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 507)

(۲) حضرت عمرو بن شعیب اپنے دادا سے روایت ہے کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور بولا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ فلاں بچہ میرا ہے کیونکہ زمانہ جاہلیت میں نے اس کی ماں سے زنا کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سلام میں (زنا کے سبب نسب کا) دعویٰ نہیں ہے۔ جاہلیت کے تمام طریقے ختم ہو چکے ہیں۔ اب تو بچہ اسی کا ہے جس کے گھر پیدا ہوا اور زنا کار کے لیے سنگ ساری کی سزا ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 508)

(۳) حضرت ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میرے ہر والوں نے۔ گھر ہی کی ایک باندی سے۔ میرا نکاح کر دیا پھر میں نے اس سے جماع کیا تو مجھ جیسا ہی ایک کالا بچہ پیدا ہوا جس کا میں نے عبد اللہ نام رکھا۔ میں نے پھر اس سے صحبت کی تو پھر اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا جو میری ہی طرح کالا تھا میں نے اس کا نام عبید اللہ رکھا۔ پھر ایسا ہوا کہ میرے ہی گھر کے ایک رومی غلام نے اس پر چالیا جس کا نام یوحنا تھا یہ اس سے اپنی زبان میں اس سے گفتگو کرتا (جس کو ہم نہیں سمجھتے تھے) پھر اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا گویا کہ وہ گرگت تھا (یعنی اس کا رنگ رومیوں کی طرح سرخ تھا) میں نے اس سے پوچھا یہ کیا ہے؟ (یعنی یہ کس کا نطفہ ہے؟) وہ بولی یہ یوحنا کا ہے جس ہم نے یہ مقدمہ حضرت عثمان کے سامنے پیش کیا۔ انھوں نے عتراف کر لیا اور ان سے پوچھا کہ کیا تم اس فیصلہ پر راضی ہو جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا اور وہ فیصلہ یہ تھا کہ بچہ صاحب فراش کا ہے روای کا بیان ہے کہ میرا مکان ہے حضرت عثمان نے ان دونوں۔ غلام اور باندی کو (زنا کی سزا میں) کوڑے لگائے تھے۔

(سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 509)

### حق الامکان نسب کی حفاظت میں شرعی تحفظ

شرعی ضابطہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے بچہ کو حرامی نہ کہے، اس لیے پورے چھ مہینہ میں یا اس سے زیادہ میں جو بچہ پیدا ہوا یا نکاح ہونے کے بعد گھنٹی سے پہلے پیدا ہوا اور اس پر شبہ ہو تو حرامی نہ کہیں گے اور اگر شوہر انکار کرے تو پہلے جان ہوگا (بشرطیکہ اسلامی ملک ہو) پھر حکم لگایا جائے گا۔

وقد دل طاهر الحديث على أن لولد إنما يلحق بالأب بعد ثبوت الفراه، وهو لا يثبت إلا بعد إمكان الوطء في الزواج الصحيح أو الفاسد، وهو رأي الجمهور، وروى عن أبي حنيفة أنه يثبت بمجرد العقد، لأن مجرد المظنة كافية

(الفقه الاسلامي وادلته عناية الشرع بالنسب وتحريم التبنّي والإلحاق من طريق

غير مشروع، ج ۱۰، ص ۳)

مطلقہ بتہ کے بچے کا نسب ثابت ہوگا

(وَالْمَبْنُوتَةُ يَنْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا إِذَا جَاءَتْ بِهَ لَا قَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ) لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ الْوَلَدُ قَائِمًا وَقَدْ طَلَّقَ فَلَا يَتَقَيَّنُ بَزَوَالِ الْفِرَاشِ قَبْلَ الْعُلُوقِ فَيَنْبُتُ النَّسَبُ اخْتِيَاطًا، (فَإِنْ خَالَتْ بِهَ لِمَتَامِ سَنَتَيْنِ مِنْ وَقْتِ الْفُرْقَةِ لَمْ يَنْبُتْ) لِأَنَّ الْحَمْلَ حَادِثٌ بَعْدَ الطَّلَاقِ فَلَا يَكُونُ مِنْهُ لَأَنَّ وَطْأَهَا حَرَامٌ. قَالَ (أَلَا أَنْ يَدَّعِيَهُ) لِأَنَّهُ التَّزَمَهُ. وَلَهُ وَحَهُ بَانَ وَطْأَهَا

بُشْبُهَةٍ فِي الْعِدَّةِ (فَإِنْ كَانَتْ الْمَبْنُوتَةُ صَغِيرَةً يَجَامَعُ مِثْلَهَا فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ لِتِسْعَةِ أَشْهُرٍ لَمْ يَلْزَمْهُ حَتَّى تَأْتِيَ بِهِ لَا قَلَّ مِنْ تِسْعَةِ أَشْهُرٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَحَمَهُمَا اللَّهُ. وَقَالَ أَبُو يُونُسَ: يَنْبُتُ النَّسَبُ مِنْهُ إِلَى سَنَتَيْنِ) لِأَنَّهُ مُعْتَدَّةٌ يَحْتَمِلُ أَنْ تَكُونَ حَامِلًا وَلَمْ تَفِرْ بِإِنْقِضَاءِ الْعِدَّةِ فَاشْبَهَتْ الْكَبِيرَةَ.

وَلِهَذَا أَنَّ لِإِنْقِضَاءِ عِدَّتِهَا جِهَةً مُتَعَيِّنَةً وَهِيَ الْأَشْهُرُ فَبِمُضِيِّهَا يَحْكُمُ الشَّرْعُ بِإِلْإِنْقِضَاءِ وَهُوَ فِي الدَّلَالَةِ فَوْقَ إِقْرَارِهَا لِأَنَّهُ لَا يَحْتَمِلُ الْخِلَافَ، وَالْإِقْرَارُ يَحْتَمِلُهُ وَإِنْ كَانَتْ مُطْلَقَةً طَلَقًا رَجْعِيًّا فَكَذَلِكَ لُجُوبُ جَنْدُهُمَا، وَعِنْدَهُ يَنْبُتُ إِلَى سَبْعَةِ وَعِشْرِينَ شَهْرًا لِأَنَّهُ يُجْعَلُ وَاطِنًا فِي آخِرِ الْعِدَّةِ وَهِيَ الثَّلَاثَةُ الْأَشْهُرُ ثُمَّ تَأْتِي لَا كَثَرُ مُدَّةِ الْحَمْلِ وَهُوَ سَنَتَانِ، وَإِنْ كَانَتْ الصَّغِيرَةَ أَدْعَتْ الْحَمْلَ فِي الْعِدَّةِ فَالْجَوَابُ فِيهَا وَفِي الْكَبِيرَةِ سَوَاءٌ، لِأَنَّ إِقْرَارِهَا يُحْكَمُ بِطَوْرِهَا.

ترجمہ

اور وہ عورت جسے ایک باندہ طلاق یا تین طلاق دی گئی ہوں اگر وہ دو سال سے پہلے بچے کو جنم دے تو بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا یہاں یہ احتمال موجود ہے کہ طلاق کے وقت حمل موجود ہو اور اس بات کا یقین نہیں ہے کہ جب حمل ٹھہرا تھا اس وقت نکاح زائل ہو چکا تھا یا نہیں۔ اس لئے احتیاط کے پیش نظر نسب ثابت ہوگا۔ جس عورت کو باندہ طلاق دی گئی ہو وہ عید گئی کے وقت سے پورے دو سال بعد بچے کو جنم دے تو نسب ثابت نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں حمل طلاق کے بعد وجود میں آیا ہے لہذا وہ اس کے شوہر کا نہیں ہوگا کیونکہ اس کے لئے اس عورت کے ساتھ صحبت کرنا حرام تھا۔ البتہ اگر وہ شوہر خود یہ دعویٰ کر دے یہ بچہ میرا نطفہ ہے اس کی وجہ یہ ہے: اس نے نسب کو خود اپنے اوپر لازم کیا ہے۔ اس کی ممکن صورت یہ ہو سکتی ہے، مرد نے عدت کے دوران شبہ کی وجہ سے صحبت کر لی ہو۔ جس عورت کو طلاق بتہ دی گئی تھی اگر وہ نابالغ تھی لیکن یہی عمر کو پہنچ چکی تھی۔ اس کی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ صحبت کی جاسکتی ہو اور پھر وہ طلاق کے نوماہ گزرنے سے پہلے بچے کو جنم دے تو نسب ثابت ہو جائے گا یہ طریقین کا قول ہے۔

امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں طلاق کے آغاز سے لے کر دو سال تک مرد کا ہی نسب ثابت ہوگا اور وہ عورت عدت گزارنے والی نہ ہوگی۔ اس بات کا بھی احتمال موجود ہے کہ وہ حاملہ ہو اور اس نے عدت گزارنے کا اقرار بھی نہ کیا ہو تو بڑی عمر کی عورت سے مشابہہ ہو جائے گی۔ طریقین کی دلیل یہ ہے: اس عورت کی عدت پوری ہونے کے معین وقت کے بارے میں پتہ ہے اور وہ مہینے کے اعتبار سے ہے اور وہ وقت گزار جانے کے بعد شریعت عدت ختم ہونے کا حکم دیدیتی ہے اس سے شریعت کا حکم اس عورت کے اقرار

سے زیادہ واضح ہوگا کیونکہ شرعی حکم میں کسی قسم کا اختلاف نہیں پایا جاتا لیکن قرآن میں اس بات کا احتمال موجود ہے۔ اگر نابالغ لڑکی کو رجسی طلاق دی گئی ہو تو طرفین کے نزدیک مسکن کی بھی صورت ہوگی۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ستائیس ماہ تک نسب ثابت ہو سکتا ہے چونکہ یہ بات کا مکان موجود ہے مرد نے عدت کے آخر میں یعنی تیسرے ماہ کے آخر میں صحبت کر لی ہو اور عورت کے حمل کی مدت زیادہ سے زیادہ دو سال ہوتی ہے۔ اگر نابالغ لڑکی نے عدت کے دوران حمل ٹھہرنے کا دعویٰ کر دیا تو اس بارے میں نابالغ اور بالغ کا حکم ایک ہی ہے کیونکہ نابالغ لڑکی کے حمل کا اقرار کرنے کے نتیجے میں بالغ تصور کیا جائے گا۔

شرح

حضرت عبداللہ بن یزید بن رکنہ اپنے والد اور وہ بن کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملکہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو بے طلاق دی آپ نے پوچھا اس سے آپ کی کیا مراد ہے کتنی عداوتیں مراد ہیں میں نے کہا کہ ایک۔ آپ نے فرمایا بند کی قسم میں نے کہا ہاں اللہ کی قسم۔ پس آپ نے فرمایا وہی ہوگی جو تم نے نیت کی۔ اس حدیث کو ہم صرف اسی سند سے جانتے ہیں علماء، صحابہ، اور دوسرے علماء کا لفظ البتہ کے استعمال میں اختلاف ہے کہ اس سے کتنی عداوتیں مراد ہوتی ہیں حضرت عمر سے مراد یہ ہے کہ یہ ایک ہی طلاق ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس سے تین عداوتیں واقع ہو جاتی ہیں بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ طلاق دینے والے کی نیت کا اعتبار ہے اگر ایک طلاق کی نیت کی ہو تو ایک اگر تین کی نیت کی ہو تو تین واقع ہوتی ہیں لیکن اگر روکی نیت کی ہو تو ایک ہی واقع ہوگی۔ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔

امام مالک بن انس فرماتے ہیں اگر لفظ البتہ کے ساتھ طلاق دے اور عورت سے صحبت سرچکا تو تین عداوتیں واقع ہوں گی۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر ایک طلاق کی نیت ہو تو ایک واقع ہوگی اور رجوع کا اختیار ہوگا اگر روکی نیت کی ہو تو دو اگر تین کی نیت کی ہو تو تین واقع ہوں گی۔ (جامع ترمذی: جلد اول، حدیث نمبر 1185)

امام ترمذی کے قول بعض اہل علم سے مراد

مواہب: امامبارک پوری لکھتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اہل کوفہ سے وہ حضرات مراد لیے ہیں جو اہل علم وہاں رہتے تھے مثلاً امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، سفیان ثوری رحمہ اللہ، سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ وغیرہ اور بعض اہل کوفہ سے بعض مراد لیے ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اہل کوفہ یا بعض اہل کوفہ سے صرف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہی مراد نہیں لیے۔ (مقدمہ تفتخہ الاحوذی ص 209)

دو سال گزرنے کے بعد ثبوت نسب کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے جس عورت کو طلاق بتدی گئی ہو اسے طلاق ہونے کے بعد دو سال گزرنے سے پہلے مردہ بچے کو جنم دیتی ہے تو بچے کا نسب اس عورت کے سابقہ شوہر سے ثابت ہوگا اس کی وجہ یہ ہے جب بچے کی پیدائش اور طلاق ہونے کے درمیان دو سال سے کم عرصہ موجود ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہوگا طلاق کے وقت حمل قرار پا چکا تھا اس لیے احتیاط کے

پیش نظر سب کو ثابت قرار دیا جاتا ہے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے جس عورت کو طلاق بتدی گئی ہو اگر وہ طلاق ہونے کے ٹھیک دو سال بعد بچے کو جنم دیتی ہے تو بچے کا نسب اس عورت کے سابقہ شوہر سے ثابت نہیں ہوگا اس کی وجہ یہ ہے ایسی صورت میں حمل طلاق ہونے کے بعد قرار پایا ہے لہذا وہ اس شخص کا نہیں ہوگا کیونکہ طلاق بتدی ہو جانے کے بعد اس شخص کے لیے اس عورت کے ساتھ صحبت کرنا حرام ہو گا۔

تاہم اگر عورت کا سابقہ شوہر اس بچے کا باپ ہونے کا دعویٰ کرے تو اس صورت میں بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ اب اس شخص نے نسب خود اپنے ذمے لیا ہے۔

یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: اس صورت میں نسب ثابت ہونے کی ممکنہ صورت یہ ہو سکتی ہے شوہر نے عورت کی عدت کے دوران شبہ کی وجہ سے عورت کے ساتھ صحبت کر لی ہو۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اگر کسی عورت کو طلاق بتدی گئی ہو اور وہ ابھی نابالغ ہو اب اس کی ہم عمر لڑکی کے ساتھ صحبت کی جا سکتی ہو اور پھر وہ عورت نو مہینے گزرنے کے بعد بچے کو جنم دے اور وہ اس دوران عدت گزر جانے کا اعتراف نہ کرے تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس بات کے قائل ہیں۔ اس بچے کے نسب کو اپنا عورت کے سابقہ شوہر کے ذمے نہیں ہوگا البتہ مردہ عورت نو ماہ کا عرصہ گزرنے سے پہلے بچے کو جنم دیتی ہے تو شوہر پر یہ بات لازم ہوگی: وہ بچے کے نسب کو تسلیم کرے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی رائے اس بارے میں مختلف ہے وہ اس بات کے قائل ہیں اگر وہ لڑکی طلاق ہونے کے بعد دو سال گزرنے سے پہلے بچے کو جنم دیتی ہے تو اس بچے کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: کیونکہ وہ عورت عدت گزار رہی ہے اور اس نے عدت گزار جانے کا قرار بھی نہیں کیا تو اس لیے اس بات کا احتمال موجود ہے کہ طلاق کے وقت وہ حاملہ ہو تو اس کی مثال بھی بڑی عمر کی عورت کی طرح ہو جائے گی اور بڑی عورت کا حکم وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: کیونکہ لڑکی نابالغ ہے اور نابالغ لڑکی کے بارے میں حکم یہ ہے اس کی عدت مہینوں کے اعتبار سے ہوتی ہے حیض کے اعتبار سے نہیں ہوتی کیونکہ نابالغ ہونے کی وجہ سے اسے حیض نہیں آتا اس لیے مذکورہ بالا مسئلے میں اس نابالغ لڑکی کی عدت تین ماہ گزرنے کے بعد خورج بختم ہو جائے گی خواہ اس نے عدت گزار جانے کا اقرار کیا ہو یا نہ کیا ہو کیونکہ شریعت کے حکم کے تحت عورت کی عدت ختم ہو چکی ہے اس لیے یہ شرعی دالالت عورت کے اقرار پر فوقیت رکھتی ہے کیونکہ شرعی دالالت میں خلاف واقع ہونے کا احتمال نہیں ہے جبکہ عورت کے اقرار میں اس بات کا احتمال موجود ہے کہ وہ امر واقع کے خلاف ہو۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر اس عورت کو تین سال اس نابالغ لڑکی کو رجسی طلاق دی گئی ہو تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد

رحمۃ اللہ علیہا کے نزدیک یہی حکم ہوگا جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس بات کے قائل ہیں اگر وہ طلاق ہونے کے بعد ستائیس مہینے گزرنے سے پہلے بچے کو جنم دیتی ہے تو اس ستائیس مہینوں میں سے چوبیس مہینے دوساروں کے ہوں گے ورتین مہینے اس نابالغ لڑکی کی عدت کے ہوں گے تو ستائیس مہینے گزرنے سے پہلے گروہ بچے کو جنم دیتی ہے تو بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ عورت کی عدت تین ماہ ہے تو شوہر کو عدت کے آخری حصے میں صحبت کرنے والا قرار دیا جائے گا اور پھر یہ تصور کیا جائے گا عورت نے حمل کے زیادہ سے زیادہ عرصے یعنی دو سال بعد بچے کو جنم دیا۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر وہ نابالغ لڑکی عدت گزرنے کے دوران یعنی طلاق ہونے کے بعد تین ماہ گزرنے سے پہلے حاملہ ہونے کا دعویٰ کر دیتی ہے تو اس بارے میں اس کا وہی حکم ہوگا جو بڑی عمر کی عورت کا حکم ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے اس کے حاملہ ہونے کا اقرار اس کا بالغ ہونے کا حکم جاری کرنے کا باعث بن جائے گا۔

**یہ عورت کے بچے کا نسب کب ثابت ہوگا؟**

(وَيَبْتُ نَسَبَ وَلَدِ الْمُتَوَقَّى عَنْهَا رَوْجُهَا مَا بَيْنَ الْوَفَاةِ وَبَيْنَ السَّتَيْنِ) وَقَالَ زُفَرٍ:  
إِذَا جَاءَتْ بِه بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّةِ الْوَفَاةِ لِسِتَّةِ أَشْهُرٍ لَا يَبْتُ النِّسَبُ لِأَنَّ الشَّرْعَ  
حَكَمَ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا بِالشُّهُورِ لِتَعْيِنِ الْجِهَةِ فَصَارَ كَمَا إِذَا أَقْرَأَتْ بِالْانْقِضَاءِ كَمَا  
يَسْنَأُ فِي الصَّغِيرَةِ إِلَّا أَنَّا نَقُولُ لَا نَقْضَاءَ عِدَّتِهَا جِهَةً أُخْرَى وَهُوَ وَضْعُ الْحَمْلِ،  
بِخِلَافِ الصَّغِيرَةِ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِيهَا عَدَمُ الْحَمْلِ لَيْسَتْ بِمَحَلٍّ قَبْلَ الْبُلُوعِ وَفِيهِ  
شَكٌّ.

ترجمہ

اور جس خاتون کا شوہر انتقال کر جائے اس خاتون کے بچے کا نسب شوہر کی وفات کے دو سال بعد تک بچے کی پیدائش کی صورت میں ثابت شمار ہوگا۔ امام زفرین کرتے ہیں: اگر اس نے وفات کی عدت کے چھ ماہ کے بعد بچے کو جنم دیا تو نسب ثابت نہیں ہوگا کیونکہ شریعت نے مہینوں کے حساب سے اس کی عدت کی تکمیل کا حکم دیا ہے تو گویا اس نے عدت کے اختتام کا اقرار کر لیا ہے جیسا کہ ہم نابالغ لڑکی کے بارے میں یہ بات پہلے ہی بیان کر چکے ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں: یہ وہ عدت گزارنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے اس عورت کی عدت بچے کی پیدائش ہو جس کی عدت بچے کی پیدائش کے ساتھ ختم ہو۔ لیکن نابالغ لڑکی کا حکم اس سے مختلف ہے کیونکہ نابالغ میں اصل تو یہ ہے وہ حاملہ نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ بالغ ہونے سے پہلے وہ حمل کا محل اور اس کے بالغ ہونے کے بارے میں شک پایا جاتا ہے۔

### ثبوت نسب میں مدت حمل کا فقہی بیان

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حمل کی مدت کم سے کم چھ مہینے ہے ورنہ زیادہ سے زیادہ دو سال لہذا جو عورت طلاق رجعی کی عدت میں ہے اور عدت پوری ہونے کا عورت نے اقرار نہ کیا ہو ورنہ بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت ہے اور اگر عدت پوری ہونے کا اقرار کیا اور وہ مدت تھی ہے کہ اس میں عدت پوری ہو سکتی ہے اور وقت اقرار سے چھ مہینے کے اندر بچہ پیدا ہوا جب بھی نسب ثابت ہے کہ بچہ پیدا ہونے سے معصوم ہوا کہ عورت کا اقرار غلط تھا ورنہ دونوں صورتوں میں ورنہ مدت سے ثابت ہوا کہ شوہر نے رجعت کر لی ہے جبکہ وقت طلاق سے پورے دو برس یا زیادہ میں بچہ پیدا ہوا اور دو برس سے کم میں پیدا ہوا تو رجعت ثابت نہ ہوئی ممکن ہے کہ طلاق دینے سے پہلے کا حمل ہو اور اگر وقت اقرار سے چھ مہینے پر بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت نہیں۔ یونہی طلاق بائن یا موت کی عدت پوری ہونے کا عورت نے اقرار کیا اور وقت اقرار سے چھ مہینے سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت ہے، ورنہ نہیں۔ جس عورت کو بائن طلاق دی اور وقت طلاق سے دو برس کے اندر بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت ہے، ورنہ دو برس کے بعد پیدا ہوا تو نہیں مگر جبکہ شوہر اس بچہ کی نسبت کہے کہ یہ میرا ہے یا ایک بچہ دو برس کے اندر پیدا ہوا دوسرا بعد میں تو دونوں کا نسب ثابت ہو جائیگا۔  
(الدرا المختار، کتاب الطلاق، فصل فی ثبوت النسب، ج ۵، ص ۵۷، ۲۳۷، بیروت)

### نابالغہ مطلقہ کے بچے کے ثبوت نسب کا بیان

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب نابالغہ کو اس کے شوہر نے بعد دخول طلاق رجعی دی اور اس نے حاملہ ہونا نہ کہا تو اگر ستائیس مہینے کے اندر بچہ پیدا ہوا تو ثابت النسب ہے ورنہ طلاق بائن میں دو برس کے اندر ہوگا تو ثابت ہے ورنہ نہیں اور اگر اس نے عدت پوری ہو نہ کیا اقرار کیا ہے تو وقت اقرار سے چھ مہینے کے اندر ہوگا تو ثابت ہے ورنہ نہیں اور اگر نہ حاملہ ہونا نہ کہا نہ عدت پوری ہوئے کا اقرار کیا بلکہ سکوت کیا تو سکوت کا وہی حکم ہے جو عدت پوری ہونے کے اقرار کا ہے۔ شوہر کے مرنے کے وقت سے دو برس کے اندر بچہ پیدا ہوگا تو نسب ثابت ہے، ورنہ نہیں۔ یہی حکم صغیرہ کا ہے جبکہ حمل کا اقرار کرتی ہو اور اگر عورت صغیرہ ہے جس نے نہ حمل کا اقرار کیا نہ عدت پوری ہونے کا اور دس مہینے دس دن سے کم میں ہوا تو ثابت ہے ورنہ نہیں اور اگر عدت پوری ہونے کا اقرار کیا اور وقت اقرار یعنی چار مہینے دس دن کے بعد اگر چھ مہینے کے اندر پیدا ہوا تو ثابت ہے، ورنہ نہیں ہوگا۔  
(در مختار، کتاب طلاق، باب ثبوت نسب)

### عدت ختم ہونے کا اقرار کرنے کے بعد بچے کی پیدائش کا حکم

(وَإِذَا اعْتَرَفَتْ الْمُعْتَدَةُ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا ثُمَّ جَاءَتْ بِالْوَلَدِ لَاقِلَ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ يَبْتُ نَسَبُهُ) لِأَنَّهُ طَهَرَ كَذِبُهَا بِقِيْنِ فَطُلَّ الْإِقْرَارُ (وَإِنْ جَاءَتْ بِه لِسِتَّةِ أَشْهُرٍ لَمْ يَبْتُ) لِأَنَّا لَمْ نَعْلَمْ بِطُلَانِ الْإِقْرَارِ لِاحْتِمَالِ الْحُدُوثِ بَعْدَهُ، وَهَذَا اللَّفْظُ بِاطْلَاقِهِ يَتَنَاوَلُ

کُلُّ مُعْتَدَةٍ.

ترجمہ

اور عدت گزارنے والی عورت اگر عدت پوری ہونے کا اعتراف کرے اور پھر چھ ماہ سے کم عرصے میں اس کے ہاں بچے کی پیدائش ہو جائے تو بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ عورت کی غلط بیانی ظاہر ہوگئی ہے لہذا اس کا اعتراف مصل قرر دیا جائے گا۔ اگر وہ چھ مہینے کے بعد بچے کو جنم دے تو پھر اس بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا کیونکہ ہم اس کے اقرار کے باطل ہونے کا علم نہیں رکھتے اور یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے یہ حمل قرار کرنے کے بعد ٹھہرا ہو۔ یہاں پر مطلق طور پر عدت گزارنے والی عورت کا ذکر ہوا اس میں ہر قسم کی عدت شامل ہوگی۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ وقت نکاح سے چھ مہینے کے اندر بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت نہیں اور چھ مہینے یا زیادہ پر ہوا تو ثابت ہے جبکہ شوہر اقرار کرے یہ سکوت اور اگر کہتا ہے کہ بچہ پیدا ہی نہ ہو تو ایک عورت کی گواہی سے وراثت ثابت ہو جائیگی اور اگر شوہر نے کہا تھا کہ جب تو بچے تو تجھ کو طلاق دے عورت بچہ پیدا ہوتا بیان کرتی ہے اور شوہر نکار کرتا ہے تو دوسرا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے طلاق ثابت ہوگی تب جنائی کی شہادت ناکالی ہے۔ یونہی اگر شوہر نے حمل کا اقرار کیا تھا یا حمل ظاہر تھا جب بھی طلاق ثابت ہے اور نسب ثابت ہونے کے لیے فقط جنائی کا قور کافی ہے۔ ورا اگر وہ بچہ پیدا ہوئے یک چھ مہینے کے اندر دوسرا چھ مہینے پر یا چھ مہینے کے بعد تو دونوں میں کسی کا نسب ثابت نہیں۔ نکاح میں جہاں نسب ثابت ہونا کہا جاتا ہے وہاں کچھ یہ ضرور نہیں کہ شوہر دعوے کرے تو نسب ہوگا بلکہ سکوت سے بھی نسب ثابت ہوگا اور اگر نکار کرے تو نفی نہ ہوگی جب تک لعان نہ ہو اور اگر کسی وجہ سے جان نہ ہو سکے جب بھی ثابت ہوگا۔ (عالمگیری، باب ثبوت نسب)

جب جھوٹ یقین سے ثابت ہو جائے قاعدہ فقہیہ

اذا ظهر كذبه بيقين فبطل الاقرار (ماخوذ من الهدایہ ج ۲ ص ۳۱۱)

جب کسی کا کذب یقین کے ساتھ ظاہر ہو جائے تو اس کا اقرار باطل ہو جائے گا۔

بہت سے احکام ہیں جہاں اقرار کو شرعاً قبول کر لیا جاتا ہے لیکن جب کسی اقرار کا مجھونا ہونا یقین کے ساتھ ظاہر ہو جائے تو اس وقت وہ سابقہ قرار باطل ہو جاتا ہے کیونکہ ظاہر ہونے والی یقینی ثبوت اقرار سے قوی ہوتا ہے۔

اس کا ثبوت اس حکم سے مستط ہے۔

ترجمہ: حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔ (الاحقاف، ۱۵۰)

اب آیت مبارکہ میں حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت کو بیان کیا گیا ہے جواز ہائی سال ہے جبکہ دوسری آیت میں دودھ پلانے کی

مدت "حیثین کا مین" یعنی دو سال بیان کی گئی ہے۔

ترجمہ: اور تیس ماہ اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ (المعرقہ، ۲۳۲۰۵)

اس سے فقہاء نے یہ سننط کیا ہے کہ حمل کی مدت کم از کم چھ ماہ ہے۔ اگر کسی عدت والی عورت نے یہ اقرار کیا کہ اس کی عدت ختم ہو چکی ہے پھر چھ ماہ سے پہلے ہی اس نے بچے کو جنم دیا، تو نسب ثابت ہوگا (ہدایہ، ۳۱۱) اس مسئلہ کی دلیل یہی قاعدہ ہے کہ جب اس کا اقرار ظاہری یقین و دلیل کی وجہ سے باطل ہوا تو اثبات نسب کا حکم بھی ثابت ہو جائے گا۔

اس طرح وراثت بچہ کی وجہ سے عورت پر حد بھی ثابت ہو جائے گی کیونکہ یہ اس قدر قوی قرینہ ہے کہ دلیل نقلی سے بھی بے نیاز کر دیتا ہے۔

عدت گزارنے والی عورت کے ہاں بچے کی پیدائش کا ثبوت

(وَإِذَا وَلَدَتْ الْمُعْتَدَةُ وَلَدًا لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِلَّا أَنْ يَشْهَدَ بِوِلَادَتِهَا رَحْلَانُ أَوْ رَحُلٌ وَامْرَأَتَانِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ هُنَاكَ حَبْلٌ ظَاهِرٌ أَوْ اعْتِرَافٌ مِنْ قَبْلِ الرِّوَحِ فَيَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْ غَيْرِ شَهَادَةٍ.

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: يَثْبُتُ فِي الْحَمِيمِ بِشَهَادَةِ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ لِأَنَّ الْفِرَاشَ قَائِمٌ بِقِيَامِ الْعِدَّةِ وَهُوَ مُلْزِمٌ لِلنَّسَبِ وَالْحَاجَةُ إِلَى تَعْيِينِ الْوَلَدِ أَنَّهُ مِنْهَا فَيَتَعَيَّنُ بِشَهَادَتِهَا كَمَا فِي حَالِ قِيَامِ الْكَاحِ.

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْعِدَّةَ تَنْقُضِي بِإِقْرَارِهَا بِوَضْعِ الْحَمْلِ، وَالْمُنْقُضِي لَيْسَ بِحُجَّةٍ فَمَسَّتْ الْحَاجَةُ إِلَى اثْبَاتِ النَّسَبِ ابْتِدَاءً فَيُشْتَرَطُ كَمَالُ الْحُجَّةِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ ظَهَرَ الْحَبْلُ أَوْ صَدَرَ الْاعْتِرَافُ مِنَ الزَّوْجِ لِأَنَّ النَّسَبَ ثَابِتٌ قَبْلَ الْوِلَادَةِ وَالتَّعْيِينُ يَثْبُتُ بِشَهَادَتِهَا (فَإِنْ كَانَتْ مُعْتَدَةً عَنْ وَقْفَةٍ فَصَدَّقَهَا الْوَرِثَةُ فِي الْوِلَادَةِ وَلَمْ يَشْهَدْ عَلَى الْوِلَادَةِ أَحَدٌ فَهُوَ ابْنُهُ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا) وَهَذَا فِي حَقِّ الْإِرْتِ ظَاهِرٌ لِأَنَّهُ خَالِصٌ حَقِّهِمْ فَيَقْبَلُ فِيهِ تَصْدِيقُهُمْ، أَمَّا فِي حَقِّ النَّسَبِ هَلْ يَثْبُتُ فِي حَقِّ غَيْرِهِمْ.

قَالُوا: إِذَا كَانُوا مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ يَثْبُتُ لِقِيَامِ الْحُجَّةِ وَلِهَذَا قِيلَ: تُشْتَرَطُ لَفْظَةُ



الشَّهَادَةُ، وَقِيلَ لَا تُشْرَطُ لَأَنَّ الثَّبُوتَ فِي حَقِّ غَيْرِهِمْ تَبَعٌ لِّلثُبُوتِ فِي حَقِّهِمْ بِإِقْرَارِهِمْ، وَمَا كُنْتَ تَبَعًا لَا يُرَاعَى فِيهِ الشَّرَاطُ.

ترجمہ

جب کوئی عدت گزارنے والی عورت بچے کو جنم دے تو اس کا نسب اس شرط پر ثابت ہوگا ایک مرد یا دو خواتین اس بات کی گواہی دیں البتہ اگر حمل ظاہر ہو جائے یا خود شوہر اقرار کرے تو گواہی کے بغیر بھی نسب ثابت ہو جائے گا یہ حکم امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔ طریقین نے یہ بات بیان کی ہے: تمام صورتوں میں ایک عورت کی گواہی سے ہی نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ عدت قائم ہونے کی بنیاد پر وہ عورت بچے شوہر کا فراش شمار ہوگی اور نسب کے ثبوت کے لئے فراش کی موجودگی کافی ہے۔ البتہ اس بات کی ضرورت ہوگی کہ اس بچے کو واقعی اس خاتون نے جنم دیا ہے تو اس کے لئے ایک خاتون کی گواہی ہی کافی ہوگی جیسے کہ نکاح کی موجودگی میں (اس طرح سے) نسب ثابت ہو جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے یہ دلیل دی ہے: جب خاتون بچے کی پیدائش کا اقرار کرے تو اس کی عدت ختم ہو جائے گی، اور گزری ہوئی چیز دیس ہیں ہو سکتی ہیں اس لئے سرے سے نسب ثابت کرنے کی ضرورت پیش آئے گی اور اس کے لئے پوری گواہی درکار ہوگی۔ اس کے برخلاف جب حمل ظاہر ہو جائے یا شوہر کی طرف سے اعتراف پایا جائے تو ان صورتوں میں ولادت سے پہلے ہی نسب ثابت ہو گیا ہے البتہ تعین کے لئے ایک عورت کی گواہی کافی ہوگی۔

اگر کوئی عورت عدت وفات گزار رہی ہو (اور دوسال سے پہلے بچے کو جنم دے) اور وراثت اس بات کی تصدیق کر دیں کہ یہ بچہ اس کے مرحوم شوہر کا ہی ہے اور اس بچے کی پیدائش پر کوئی ایک شخص بھی گواہ نہ ہو تو اس بارے میں اتفاق ہے کہ وہ اس بارے میں مرحوم شوہر کا بیٹا شمار ہوگا۔ اور یہ بات وراثت کے حق میں ظاہر ہوگی کیونکہ یہ خالص ان کا حق ہے تو ان کا تصدیق کرنا قیوں ہوگا۔ یہاں یہ سواں ہے وراثت کے اقرار کے نتیجے میں نسب ثابت ہو اس کے علاوہ دوسروں کے حق میں بھی ثابت ہوگا یا نہیں ہوگا فقہاء نے یہ بات بیان کی ہے: تصدیق کرنے والے وراثت ایسے ہوں جن کی گواہی قابل اعتماد ہو تو سب کے حق میں نسب ثابت ہو جائے گا شرعی شہادت کے موجود ہونے کے نتیجے میں سب دوسروں کے حق میں بھی حجت ہو جاتا ہے۔ بعض فقہاء نے یہ بات بیان کی ہے شہادت (گواہی) کا لفظ شرط ہے۔ بعض فقہاء نے اسے شرط قرار نہیں دیا ہے: دوسروں کے حق میں نسب ثابت ہونا تابع کے طور پر ہے جو چیز تابع کے طور پر ثابت ہوتی ہے اس میں شرائط کا کوئی اثر نہیں رکھا جاتا ہے۔

عدت وفات میں پیدا ہونے والے بچے میں وراثت کی تصدیق

علامہ ابن عابدین آفندی رضی اللہ عنہما لکھتے ہیں کہ جب عدت وفات میں بچہ پیدا ہوا اور بعض ورثہ نے تصدیق کی تو اس کے حق میں نسب ثابت ہو گیا پھر اگر یہ عدت ہے اور اس کے ساتھ کسی اور وراثت قابل شہادت نے بھی تصدیق کی یا کسی اجنبی نے شہادت دی تو ورثہ اور غیر سب کے حق میں نسب ثابت ہو گیا یعنی مثلاً اگر اس لڑکے نے دعویٰ کیا کہ میرے باپ کے فلاں شخص پر اسے

مردے زین میں تو دعویٰ کرنے کے لئے اسکی حاجت نہیں کہ وہ اپنا نسب ثابت کرے اور اگر تہا ایک وارث تصدیق کرتا ہے یا چند ہوں مگر وہ عادل نہ ہوں تو فقط ان کے حق میں ثابت ہے اور اس کے حق میں ثابت نہیں یعنی مثلاً اگر دیگر ورثہ اس صورت میں انکار کرتے ہوں تو اولاد ہونے کی وجہ سے ان کے حصوں میں کوئی کمی نہ ہوگی اور وارث اگر تصدیق کریں تو ان کے لئے اقرار کرنے میں لفظ شہادت اور مجلس قاضی وغیرہ کچھ شرط نہیں مگر اس کے حق میں ان کا اقرار اس وقت مانا جائیگا جب عدت ہو ہوں ہاں اگر اس وارث کے ساتھ کوئی غیر وارث ہے تو اس کا فقط یہ کہہ دینا کافی نہ ہوگا کہ یہ عدل کا لڑکا ہے بلکہ لفظ شہادت اور مجلس حکم وغیرہ سب امور جو شہادت میں شرط ہیں، اس کے لئے شرط ہیں۔ بچہ پیدا ہوا عورت کہتی ہے کہ نکاح کو چھ مہینے یا زائد کا عرصہ گزرا اور مرد کہتا ہے کہ چھ مہینے نہیں ہوئے تو عورت کو قسم کھلائیں، قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہے اور شوہر یا اس کے ورثہ گواہ پیش کرنا چاہیں تو گواہ نہ سنے جائیں۔ (رہنما، فصل فی ثبوت نسب، ج ۵، ص ۲۳۳، بیروت)

شادی کے بعد چھ ماہ سے پہلے بچے کی پیدائش کا حکم

وَإِذَا تَرَوَّجَ الرَّجُلُ امْرَأَةً فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ لَّاقِلٍّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مُنْذُ تَرَوَّجَهَا لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ لِأَنَّ الْعُلُوقَ سَابِقَ عَلَى النِّكَاحِ فَلَا يَكُونُ مِنْهُ (وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ لِسِتَّةِ أَشْهُرٍ فَصَاعِدًا يَثْبُتْ نَسَبُهُ مِنْهُ اعْتَرَفَ بِهِ الزَّوْجُ أَوْ سَكَتَ) لِأَنَّ الْفِرَاشَ قَائِمٌ وَالْمُدَّةُ تَامَةٌ (فَإِنْ جَحَدَ الْوَلَادَةَ يَثْبُتْ بِشَهَادَةِ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ تَشْهَدُ بِالْوِلَادَةِ حَتَّى لَوْ نَفَاهُ الزَّوْجُ يَلَاغِيَنَّ) لِأَنَّ النَّسَبَ يَثْبُتُ بِالْفِرَاشِ الْقَائِمِ، وَاللِّغَانِ إِنَّمَا يَجِبُ بِالْقَذْفِ وَلَيْسَ مِنْ ضَرُورَتِهِ وَجُودُ الْوَلَدِ فَإِنَّهُ يَصِحُّ بِدُونِهِ (فَإِنْ وَلَدَتْ ثُمَّ اخْتَلَفَا فَقَالَ الزَّوْجُ: تَزَوَّجْتُكَ مِنْ أَرْبَعَةٍ وَقَالَتْ هِيَ: مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ فَقَوْلُهَا قَوْلُهَا وَهُوَ إِنَّهُ) لِأَنَّ الظَّاهِرَ شَاهِدٌ لَهَا فَإِنَّهَا تَلِدُ ظَاهِرًا مِنْ نِكَاحٍ لَا مِنْ سِفَاحٍ وَلَمْ يَذْكُرْ إِلَّا سِتَّ حِلَافٍ وَهُوَ عَلَى الْإِخْتِلَافِ.

ترجمہ

اور جب کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ شادی کرے اور وہ عورت نکاح کے بعد چھ مہینے گزرنے سے پہلے ہی بچے کو جنم دے تو اس بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا کیونکہ حمل نکاح سے پہلے ٹھہر گیا تھا لہذا وہ شوہر کا نطفہ نہیں ہوگا۔ لیکن اگر وہ چھ ماہ کے بعد یا اس سے زیادہ عرصے کے بعد بچے کو جنم دے تو اس بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا خواہ وہ مرد اس کا اعتراف کرے یا خاموش رہے کیونکہ



لیکن اگر وہ اس کا اعتراف کرے کہ وہ بچہ اس کا بیٹا ہے، درہند کہے کہ وہ بچہ زنا سے پیدا ہوا ہے، لیکن اگر اس نے یہ کہا کہ میرے زنا سے ہی پیدا ہوا ہے تو اس طرح نہ تو نسب ثابت ہوگا اور نہ ہی وہ اس کا وارث بنے گا۔

اور حافظ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے "المغنی" میں ذکر کیا ہے کہ جمہور علماء کے قول کے مطابق لعان کرنے والی عورت بچے کو لعان کرنے والا جب اپنے خاندان میں مدنا چاہے تو اسے اس کے ساتھ ہی حلق کیا جائے گا، لیکن ولد زنا کو زانی سے نفی نہیں جائے گا، یعنی جب زانی و مدنا کو اپنے ساتھ ملانا چاہے تو اسے زانی کے ساتھ ہی حلق نہیں کیا جائے گا۔

اور راجح تو یہی ہے کہ ولد زنا کا زانی سے نسب ثابت نہیں ہو سکتا چاہے وہ رانیہ عورت سے شادی کر لے اور شادی کے چھ ماہ سے قبل بچہ پیدا ہو یا پھر شادی نہ کرے اور بچہ پیدا ہو جائے تو یہ نسب کے ثبوت کا باعث نہیں، لیکن اگر وہ اسے اپنے خاندان میں ملانا چاہے اور نہ کہے کہ وہ اس کے زنا کا بیٹا ہے تو اس سے احکام دنیا میں اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ اور اسی طرح اگر وہ زانی کی عورت سے حمل کی حالت میں شادی کرے اور چھ ماہ سے قبل بچے کی پیدائش ہو اور زانی اس پر خاموشی اختیار کرے یہ پھر اس کا وارث کرے لیکن یہ نہ کہے کہ وہ زنا سے ہے تو احکام دنیا میں اس کا نسب ثابت ہوگا۔ (المفصل فی احکام المرأة 9 / 381)

### چھ ماہ کے بچے کے انساب الی الوالد کا بیان

علماء کرام کا فیصلہ ہے کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے، اگر عورت کے ہاں رخصتی اور خاوند کے دخول کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوتا ہے تو یہ بچہ خاوند کی طرف منسوب کیا جائیگا، اور صرف گمان اور احتمال کی بنا پر بچے کی والد کی طرف سے نفی نہیں کی جائیگی کیونکہ بچہ بڑا دے کا ہے۔

ایک شخص نے کنواری عورت سے شادی کی اور اس کے دخول کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو گیا تو کیا اس بچے کی نسبت والد کی طرف کی جائیگی؟

"اگر دخول کے چھ ماہ کے بعد چاہے ایک لحظہ بعد ہی بچہ پیدا ہو تو سب آئمہ کا اتفاق ہے کہ بچہ والد کی طرف منسوب ہوگا، اس طرح کا واقعہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بھی پیش آیا اور صحابہ کرام نے چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہونے کے امکان کو استدلال اس فرمان باری تعالیٰ سے کیا: اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانے کی عمر تیس ماہ ہیں۔ (الاحقاف، ۱۵)

اور اس فرمان باری تعالیٰ سے بھی۔ اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو برس دودھ پلائیں البقرة (۲۳۳) اگر تیس ماہ رضاعت کی مدت دو برس ہو تو پھر حمل چھ ماہ کا ہوگا، تو اس طرح آیت میں کم از کم حمل کو اور رضاعت کی پوری مدت کو جمع کیا گیا ہے۔

حافظ ابن کثیر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس مسئلہ پر استنباط کے متعلق کہتے ہیں: یہ ایک قوی استنباط ہے اور عثمان اور صحابہ کرام کی ایک جماعت نے بھی موافقت کی ہے۔ (تفسیر القرآن العظیم 4 / 158)

"حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے، اور یہ قرآن مجید کی دلالت کا مقتضی ہے قرآن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانے کا عرصہ تیس ماہ ہے۔ اور یہ فرمان: اور اس کا دودھ چھڑانا دو برسوں میں۔

جب ہم دودھ چھڑانے کی عمر دو برس لیتے ہیں تو حمل کے لیے باقی چھ ماہ رہ جاتے ہیں، اور یہ واضح ہے۔

### لعان و حلف میں فقہی اختلاف کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: چھ ماہ گزرنے کے بعد یا اس سے زیادہ مدت گزرنے کے بعد بچہ پیدا ہوتا ہے اور شوہر اس کی پیدائش سے انکار کر دیتا ہے تو بچے کی پیدائش کے لیے ایک ایسی عورت کی گواہی کافی ہوگی جو پیدائش کے وقت بچے کی ماں کے پاس موجود تھی اس کے لیے مزید کسی اضافی گواہی کی ضرورت نہیں ہوگی، لیکن اگر اس کے باوجود شوہر بچے کی اپنی اولاد ہونے کی غی کرتا ہے تو اس صورت میں اس پر لعان کرنا واجب ہو جائے گا اس کی وجہ یہ ہے: جب فرشتہ درست ہے تو نسب کے ثبوت کے لیے کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں ہوتی، لیکن کیونکہ شوہر نے انکار کر دیا ہے تو اب اس انکار کے نتیجے میں اس پر لعان کرنا لازم ہوگا اس کی وجہ یہ ہے بچے کے نسب کا انکار کر کے شوہر نے براہ راست عورت پر زنا کا الزام لگا دیا ہے اور اس وجہ سے لعان لازم ہو جاتا ہے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اگر کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ شادی کرتا ہے اور پھر عورت بچے کو جنم دیتی ہے اور پھر مایا بیوی کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہو جاتا ہے شوہر یہ کہتا ہے میں نے چار ماہ پہلے تمہارے ساتھ شادی کی تھی جبکہ عورت یہ کہتی ہے تم نے چھ ماہ پہلے شادی کی تھی تو اس بارے میں عورت کا قول معتبر ہوگا اور وہ بچہ اس شخص کی اولاد شمار ہوگا اس کی وجہ یہ ہے ظاہری صورت حال عورت کے حق میں گواہی دے رہی ہے کیونکہ ظاہر تو یہی ہے: عورت نے نکاح کے نتیجے میں بچے کو جنم دیا ہوگا زنا کے نتیجے میں جنم نہیں دیا ہوگا۔

یہاں مصنف نے یہ بات واضح کی ہے امام محمد رحمہ اللہ نے یہ بات ذکر نہیں کی اس بارے میں کسی سے قسم لی جائے گی حالانکہ اس بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حلف نہیں لیا جائے گا جب کہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس سے حلف لیا جائے گا۔

### بچے کی پیدائش کے ساتھ طلاق مشروط کرنے کا حکم

(وَاِنْ قَالَ لَا مُرَاتِبَ اِذَا وَلَدَتْ فَالْتِ طَالِقٌ فَشَهِدَتْ امْرَاَةٌ عَلٰی الْوِلَادَةِ لَمْ تَطْلُقْ عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَ أَبُو يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ: تَطْلُقُ) لِأَنَّ شَهَادَتَهَا حُجَّةٌ فِي ذَلِكَ.

قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (شَهَادَةُ النِّسَاءِ جَائِزَةٌ فِيمَا لَا يَسْتَطِيعُ الرِّجَالُ النَّظَرَ إِلَيْهِ) وَلَئِنَّهَا لَمَّا قَبِلَتْ فِي الْوِلَادَةِ تَقْبَلُ فِيمَا يَبْتَنِي عَلَيْهَا وَهُوَ الطَّلَاقُ وَلَا يَبْنِي

حَيْفَةَ أَنَّهَا ادَّعَتْ الْحَيْثُ فَلَا يَنْتُ إِلَّا بِحُجَّةٍ تَامَّةٍ، وَهَذَا لِأَنَّ شَهَادَتَهُنَّ صَرُورِيَّةٌ فِي حَقِّ الْوِلَادَةِ فَلَا تَظْهَرُ فِي حَقِّ الطَّلَاقِ لِأَنَّهُ يَنْفَلِكُ عَنْهَا (وَإِنْ كَانَ الزَّوْجُ قَدْ أَقْرَبَ بِالْحَلِّ طَلَّقَتْ مِنْ غَيْرِ شَهَادَةِ عِنْدَ أَبِي حَيْفَةَ وَعِنْدَهُمَا تُشْتَرَطُ شَهَادَةُ الْقَابِلَةِ) لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ حُجَّةٍ لَدَعْوَاهَا الْحَيْثُ، وَشَهَادَتُهَا حُجَّةٌ فِيهِ عَلَى مَا بَيَّنَّا. وَلَكِنَّهُ أَنَّ الْإِقْرَارَ بِالْحَبْلِ إِقْرَارٌ بِمَا يُفْصِلُ إِلَيْهِ وَهُوَ الْوِلَادَةُ، وَلِأَنَّهُ أَقْرَبُ بِكُونِهَا مُؤْتَمَنَةً فَيَقْبَلُ قَوْلُهَا فِي رَدِّ الْأَمَانَةِ.

ترجمہ

اور جب کوئی شخص اپنی بیوی کو یہ کہے تمہارے ہاں بچے کی پیدائش ہو تو تمہیں طلاق ہے اور عورت نے اس کے بچے کی پیدائش کی گواہی دیدی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک طلاق نہیں ہوگی جبکہ صاحبین کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی۔ صاحبین نے یہ دلیل دی ہے بچے کی پیدائش کے بارے میں ایک خاتون کی گواہی اثر انداز ہوتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے، "وہ امور جن کا مردوں کو دیکھنا جائز نہیں ہے اس بارے میں خواتین کی گواہی جائز ہوگی۔" صاحبین نے یہ دلیل بھی دی ہے جب بچے کی پیدائش کے بارے میں خاتون کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے تو ان امور کے بارے میں بھی قبول کی جائے گی جو پیدائش سے متعلق ہوں اور زیر بحث صورت میں طلاق بھی اسی پیدائش سے متعلق ہے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے اس خاتون کے شوہر نے حائض ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور یہ دعویٰ مکمل شرعی گواہی کے بغیر قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ بچے کی پیدائش کے سلسلے میں عورت کی گواہی ضرورت کی وجہ سے جائز ہوتی ہے لیکن اس کا اثر طلاق کے حق میں ظاہر نہیں ہوگا چونکہ طلاق تو پیدائش کے علاوہ بھی دی جاسکتی ہے۔ اگر شوہر حمل ٹھہرنے کا اقرار کر چکا ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک کسی گواہی کے بغیر طلاق واقع ہو جائے گی۔ صاحبین کے نزدیک یہاں بھی ایک خاتون کی گواہی شرط ہوگی کیونکہ قسم توڑنے کا دعویٰ کرنے کے لئے شرعی شہادت کی ضرورت ہوتی ہے جیسا کہ ہم پہلے یہ بات بیان کر چکے ہیں اور اس بارے میں خاتون کی گواہی کافی ہوگی۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے عورت کے حاملہ ہونے کا اقرار ایسی چیز کا اقرار ہے جو اس حمل کا نتیجہ ہو اور وہ بچے کی پیدائش ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے شوہر نے بیوی کے اہتمام ہونے کا اقرار کر لیا ہے تو امانت واپس کرنے میں عورت کا قول معتبر ہوگا۔

شرح

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کس شخص نے اپنی عورت سے کہا اگر تو جتنے تو تجھ کو طلاق ہے اس کے بچے پیدا ہوا طلاق ہوگی پھر چھ مہینے یا زیادہ میں دوسرا بچہ پیدا ہوا تو رجعت ہوگی اگرچہ دوسرا بچہ دو برس سے زیادہ میں پیدا ہوا کہ اکثر مدت حمل

دو برس ہے اور اس صورت میں مدت حیض سے ہے تو ہو سکتا ہے کہ زیادہ یا زیادہ دنوں کے بعد حیض آیا اور مدت ختم ہونے سے پیشتر شوہر نے طلاق کی ہو۔ ہاں اگر عورت مدت گزرنے کا اقرار کر چکی ہو تو مجبوری ہے۔ اور اگر دوسرا بچہ پہلے بچے سے چھ مہینے سے کم میں پیدا ہوا تو بچہ پیدا ہونے کے بعد رجعت نہیں۔ (درمختار، کتاب طلاق)

وہ مسائل جن میں صرف عورت ہی کی گواہی معتبر ہے

وہ مسائل جن سے مرد آگاہ نہیں ہو سکتے ان میں صرف عورت ہی کی گواہی معتبر ہوگی چاہے گواہی دینے والی ایک ہی عورت ہو تحور شہادۃ المرأة الواحد فیما لا یطلع علیہ الرجال۔ جن امور سے مرد مطلع نہیں ہو سکتے ان میں ایک عورت کی گواہی معتبر ہوگی۔ (عبدالرزاق، المصنف، 484، 7، رقم 13978)

تحور شہادۃ المرأة الواحدة فی الرضاع۔ بچے کی رضاعت میں ایک عورت کی گواہی بھی معتبر ہے۔ عبد الرزاق، المصنف، 335 : 8، رقم 15406)

و یقبل فی الولادة والیکارة والعیوب بالساء فی موضع لا یطلع علیہ الرجال شہادۃ امرأة واحد۔ ولادت اور عورتوں کے وہ معاملات جن سے مرد آگاہ نہیں ہو سکتے وہاں ایک عورت کی گواہی قبول کی جائے گی۔ (مرعی، ہدایہ، 154 : 2)

یہ یہاں ان معاملات اور مسائل کو بیان کریں گے جن میں مردوں کی گواہی معتبر نہیں، بلکہ صرف عورت کی گواہی معتبر ہے ان مسائل میں علماء کا اتفاق ہے اور کوئی اختلافی رائے نہیں پائی جاتی۔

ولادت اور بچے کے رونے پر گواہی

اگر بچے کی ولادت اور بچے کے رونے کے مسئلے میں کوئی نزاع واقع ہو جائے تو یہاں صرف عورت کی گواہی معتبر ہوگی مرد کی نہیں۔ اس لئے کہ یہ ان امور میں سے ہے جن پر اکثر اوقات مرد مطلع نہیں ہو سکتے۔ اس معاملے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دائی کی تنہا گواہی جائز قرار دی ہے۔

رضاعت پر عورت کی گواہی کا بیان

اسی طرح اگر رضاعت کے معاملے پر اختلاف ہو جائے اور معاملہ قاضی تک پہنچ جائے تو عورت کو یہ حق ہے کہ وہ گواہی دے کیونکہ یہ وہ مسئلہ ہے جو عورت کے ساتھ خاص ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ہے کہ دودھ پلانے والی عورت کی تنہا گواہی قبول کی جائے گی۔ اس لئے کہ بخاری میں روایت ہے کہ حضرت عقبہ بن حارث نے ام یحییٰ بنت ابی اہاب سے نکاح کیا۔ تو سودا، دودھ پلانے والی نے آکر کہا کہ تم دونوں کو میں نے دودھ پلایا تھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انہوں نے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔

دسم نے ارشاد فرمایا۔

کیف و قد قبل فدا فقہا و نکحت زو حاعیوہ۔ نکاح کیسے (قائم رہ سکتا ہے) اور گواہی دیدی گئی ہے۔ تو عقبہ نے  
ن سے عید کی اختیار کر لی اور بنت ابی اہب نے کسی اور سے نکاح کر لیا۔ (بخاری، 934 : 2، رقم 2497 :)

ماہواری پر عورت کی گواہی کا بیان

ماہواری (حیض) کے کسی بھی اختلاف پر بھی گواہی عورت ہی دے سکتی ہے۔ اسلام میں عورتوں کے حقوق اور عزت و احترام  
کے س تذکرے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی تہذیب کے اس مرحلے پر جب عورت کو جانوروں سے بھی بدتر تصور کیا  
جاتا تھا اور کسی عزت و تکریم کا مستحق نہیں سمجھا جاتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کو وہ حقوق عطا فرمائے جس سے اسے  
تقدس اور احترام پر مبنی سماجی و معاشرتی مقام نصیب ہوا۔ اور آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی یہ صرف اسلام کا عطا کردہ ضابطہ حیات  
ہے جہاں عورت کو تکریم اور بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کی ضمانت میسر آ سکتی ہے۔

### معلق بہ ولادت سے متعلق طلاق احناف کا اختلاف

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جو شخص اپنی بیوی کو یہ کہتا ہے تم نے بچے کو جنم دیا تو تمہیں طلاق ہے اور پھر ایک عورت  
اس بات کی گواہی دیدیتی ہے وہ عورت بچے کو جنم دے چکی ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس شخص کی بیوی کو طلاق نہیں ہوگی۔  
امام محمد اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما یہ موقف اختیار کرتے ہیں: عورت کو طلاق ہو جائے گی کیونکہ ایسی صورت حال میں  
دوسری عورت کی گواہی ثبوت کی حیثیت رکھتی ہے۔

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما اپنے موقف کی تائید میں نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان پیش کرتے ہیں ”جس صورت حال  
کو مرد نہ دیکھ سکتے ہوں اس بارے میں عورت کی گواہی درست ہوتی ہے۔“

صاحبین نے اپنے موقف کی تائید میں دوسری دلیل یہ پیش کی ہے۔ جب بچے کی پیدائش میں ایسی عورت کی گواہی قبول کی جا  
سکتی ہے تو اس بارے میں بھی قبول کی جائے گی جس حکم کی بنیاد بچے کی پیدائش پر ہو اور وہ حکم طلاق ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس بات کے قائل ہیں عورت نے یہاں حادثہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے اس لیے اس کے لیے مکمل شرعی  
گواہی درکار ہوگی۔

مصنف نے اس مسئلے کی حکمت یہ بیان کی ہے بچے کی پیدائش کے بارے میں صرف عورتوں کی گواہی کو قبول کرنا مجبوری کی  
وجہ سے ہے لیکن یہ مجبوری طلاق دینے کے حق میں ظاہر نہیں ہوتی ہے کیونکہ طلاق گواہی کے بغیر بھی ہو سکتی ہے اسی طرح طلاق  
بچے کی پیدائش کے علاوہ بھی ہو سکتی ہے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر عورت کے حاملہ ہونے کا اقرار کرتا ہے تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ

کے نزدیک گواہی کے بغیر عورت کو طلاق ہو جائے گی جبکہ صاحبین اس بات کے قائل ہیں یہاں یہ بات شرط ہوگی بچے کی پیدائش  
کے وقت کوئی عورت موجود ہو اور اس بات کی گواہی دے کہ اس بچے کو اسی عورت نے جنم دیا ہے۔

ان حضرات نے اس بات کی دلیل یہ دی ہے جب عورت نے قسم توڑنے کا دعویٰ کیا تو اس کے لیے ثبوت ضروری ہے اور اس  
بارے میں ثبوت اس عورت کی گواہی ہوگی جو بچے کی پیدائش کے وقت وہاں موجود ہوگی جیسا کہ اس بارے میں پہلے بیان کر چکے  
ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں: حاملہ ہونے کا اقرار اس بات کا اقرار ہے کہ جو اس حمل  
کے نتیجے میں سامنے آئے گی اور جب شوہر بیوی کے امانت دار ہونے کا اقرار کر لیتا ہے یعنی اس کے حاملہ ہونے کا اقرار کر لیتا ہے تو  
انت کی واپسی کے نتیجے میں بھی عورت کے قول کو قبول کیا جائے گا اس کا مطلب یہ ہے جب شوہر نے یہ اقرار کر لیا کہ عورت حاملہ  
ہے تو یہ بات ہے اس عورت نے اس حمل کو جنم دیا ہے تو بالواسطہ طور پر شوہر جب حمل کے بارے میں عورت کو سچی قرار دیدیا ہے تو  
حمل کی پیدائش کے بارے میں بھی وہ اس کو سچا قرار دے گا حمل چونکہ عورت کے پاس شوہر کی امانت ہوتا ہے تو اس بارے میں  
جب عورت کو سچا قرار دے رہا ہے تو اس کی واپسی یعنی بچے کی پیدائش میں شوہر اس کی بات کی تصدیق کر دے گا لہذا عورت کا قول  
یہاں کسی اضافی گواہی کے بغیر قابل قبول ہوگا۔

### گواہی کیلئے شرائط کا فقہی بیان

علمائے امت نے احادیث اور قیاس کی روشنی میں گواہ کی کچھ شرطیں بتائی ہیں۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) شاہد گواہ، (۲) آزاد ہو، غلام نہ ہو۔ (۳) بالغ ہو۔

مسلمان ہو، جیسا کہ من رجا لکم سے سمجھا جاتا ہے۔ کافر نہ ہو، البتہ کافر متاکن کی گواہی کافر متاکن پر درست ہو سکتی ہے نہ کہ  
مسلمان پر۔ واضح رہے کہ مندرجہ بالا تینوں شرطیں انھی باتوں کی گواہی میں معتبر ہیں جو دین سے متعلق ہیں اور معاملات میں تو صرف  
ابن عقل و تمیز کا قول معتبر ہوگا خواہ آزاد ہو یا غلام، کافر جو ان ہو یہ عقل و تمیز والا اس لیے کہ معاملات کثیرا بوقوع ہیں۔ چنانچہ ہدایہ  
کی کتاب انکراہیہ میں لکھا ہے۔

ويقبل في المعاملات قول الفاسق ولا يقبل في الديانات الا قول العدل ووجه الفرق ان المعاملات  
بكثر وجودها فيما بين الناس فلو شرطنا زاندا يودي الى الحرج فيقبل قول الواحد فيها عدلا كان او  
لانساقا كافرا كان او مسلما عبدا كان او حرا ذكرنا كان او انثى دفعا للحرج۔

معاملات کی مثال شراء، اذن تجارت اور وکیل بنانا وغیرہ اور دیانات کی مثال نجاست آب کی خبر دینا یا اور کوئی حل و حرمت کے  
حقوق خبر دینا۔

(۴) عادل ہو فاسق نہ ہو۔ (۵) جس چیز کی گواہی دے رہا ہو اس کو خوب جانتا ہو۔ (۶) اس گواہی سے اس کا کوئی نفع نہ ہو۔



(۷) اس سے اس کی کوئی مضرت دفع نہ ہو۔ (۸) خط اور نسیان میں مشہور نہ ہو۔ (۹) بے مروت اور اپنی نہ سو۔ (۱۰) پاکیزہ عداوت نہ ہو۔

مذکورہ صفات کے دوسرے دوسرے ہوں تو اس کے لیے ایک مرد اور دو عورتوں کا انتخاب کیا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ ہر معصیت آج اس وقت دو مرد بطور گواہ موبو، نہ ہوں یا یہاں بھی ہو سکتا ہے کہ ایک مرد اور بقیہ عورتیں ہی موجود ہوں۔ اسی وجہ سے یہ ضمیمہ کیا گیا کہ ایک مرد اور دو عورتوں کا انتخاب کرو۔ اس مرتبہ یہ معلوم ہوا کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ مرد کے بغیر صرف ایک عورت کی گواہی بھی جائز نہیں سوائے ان معاملات کے جن پر عورت کے علاوہ کوئی اور مطلع نہیں ہو سکتا جیسا کہ بکارت، ولادت اور عورتوں کے خاص عیوب وغیرہ۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ مدعی کی ایک قسم کے ساتھ دو عورتوں کی گواہی پر فیصلہ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ جس طرح ایک مرد گواہ کے ساتھ فیصلہ کرنا جائز ہے جب کہ دوسرے گواہ کی جگہ مدعی کھالے۔ فقہاء احناف کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں جب کہ محدثین اس کے قائل ہیں۔

عورت کیلئے دو کے عدد میں حکمت و علت

ان تفضل احمدہما فقد کرا احمدہما علی الاخریٰ آیت ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کو مقرر کرنے کی حکمت و علت ہے۔

حمل کی زیادہ سے زیادہ اور کم از کم مدت کا بیان

قَالَ (وَ أَكْثَرُ مُدَّةِ الْحَمْلِ سِتَانِ) لِقَوْلِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا الْوَلَدُ لَا يَبْقَى فِي الْبَطْنِ أَكْثَرَ مِنْ سِتَيْنِ وَلَوْ بَظِلِّ مِعْزَلٍ (وَ أَقَلُّهُ سِتَّةُ أَشْهُرٍ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَ حَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا) ثُمَّ قَالَ (وَ فِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ) فَبَقِيَ لِلْحَمْلِ سِتَّةُ أَشْهُرٍ وَ الشَّافِعِيُّ يُقَدِّرُ الْأَكْثَرَ بِأَرْبَعِ سِنِينَ، وَ الْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَاهُ، وَ الظَّاهِرُ أَنَّهُ قَالَتْهُ سَمَاعًا إِذَا الْعَقْلُ لَا يَهْتَدِي إِلَيْهِ ۱۔

ترجمہ

فہم نے اس کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے اس کی دلیل یہ ہے: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمایا کہ "بچہ دو سال سے زیادہ عرصہ پیٹ میں نہیں رہ سکتا خواہ بظل کے سامنے کی ہی طرح کیوں نہ ہو"۔ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔ محدثوں نے ارشاد فرمایا ہے: "ان کا حمل اور دودھ چھوڑنا تیس ماہ میں ہوگا"۔ ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اس

اور دودھ چھوڑنا دو سال میں ہوگا" تو حمل کی مدت چھ ماہ تک باقی رہ جائے گی۔ امام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت چار سال ہے۔ ہماری پیش کردہ روایات امام شافعی کے خلاف حجت ہے۔ یہ بھی بات ہے سیدہ عائشہؓ نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی ارشاد فرمائی ہوگی کیونکہ عام طور پر ایسے امور کے بارے میں پر محض اندازے کی بنیاد پر بات نہیں کی جاسکتی۔

حمل کی مدت کا فقہی بیان

وَ وَضَّيَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَ وَضَعَتْهُ كُرْهًا وَ حَمْلُهُ وَ فِصْلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا حَتَّى إِذَا بَلَغَ اَشُدَّهُ وَ نَلَّغَ اَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ اَوْرِغْنِي اَنْ اَشْكُرَ بِعَمَلِكَ اَلَّتِي اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلٰى وَالِدَيَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَ اَصْبِحْ لِيْ فِي ذُرِّيَّتِيْ اِنِّىْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (الاحقاف، ۱۵)

اور ہم نے آدمی کو حکم کیا کہ اپنے ماں باپ سے بھدائی کرے اس کی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا تکلیف سے اور جنی اس کو تکلیف سے اور اسے اٹھائے پھرنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے میں ہے۔ یہاں تک کہ جب اپنے زور کو پہنچا۔ اور چار مہینے برس کا ہو۔ عرش کی اسے میرے رب میرے دل میں ڈال کہ میں تیری نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی۔ اور میں وہ کام کروں جو تجھے پسند آئے۔ اور میرے لئے میری امداد میں صلاح رکھ۔ میں تیری طرف رجوع لایا۔ اور میں مسلمان ہوں۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اقل مدت حمل چھ ماہ ہے کیونکہ جب دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہوئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "خَوَلَيْنَ كَامِلَيْنِ" تو حمل کے لئے چھ ماہ باقی رہے، یہی قول ہے امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا اور حضرت امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اس آیت سے رضاع کی مدت ڈھائی سال ثابت ہوتی ہے۔ مسئلہ کی تفصیل مع دلائل کتب اصول میں مذکور ہیں۔ (خزانة العرفان) حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔

یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے انسان کو حکم کیا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ احسان کرو ان سے تواضع سے پیش آؤ۔ ابو داؤد و طیلسی میں حدیث کہ حضرت سعد کی والدہ نے آپ سے کہا کہ کیا ماں باپ کی اطاعت کا حکم اللہ نہیں؟ سن میں نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی جب تک تو اللہ کے ساتھ کفر نہ کر حضرت سعد کے انکار پر اس نے یہی کیا کہ کھانا پینا چھوڑ دیا یہاں تک کہ لکڑی سے اس کا منہ کھول کر جبراً پانی وغیرہ چھوڑ دیتے اس پر یہ آیت اتری یہ حدیث مسم شریف وغیرہ میں بھی ہے ماں نے حامت حمل میں کیسی کچھ تکلیفیں برداشت کی ہیں؟ اسی طرح بچہ ہونے کے وقت کیسی کیسی مصیبتوں کا وہ شکار رہی ہے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس آیت

سے اور اس کے ساتھ سورہ لقمان کی آیت (وفصّالہ فی عامین) اور اللہ عز و جل کا فرمان آیت (والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتیم الرضاۃ) یعنی، تمہیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلائیں ان کے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہیں مگر استدلال کیا ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ یہ استدلال بہت قوی اور باطل صحیح ہے۔

حضرت عثمان اور صحابہ کرام کی جہت سے بھی اس کی تائید کی ہے حضرت معمر بن عبد اللہ جہنی فرماتے ہیں کہ ہمارے قبیلے ایک شخص نے جہنیہ کی ایک عورت سے نکاح کیا چھ مہینے پورے ہوتے ہی اسے بچہ تولد ہوا اس کے خاوند نے حضرت عثمان سے ذکر کیا آپ نے اس عورت کے پاس آ دی بھیج دیا وہ تیار ہو کر آنے لگی تو ان کی بہن نے گریہ و زاری شروع کر دی اس بیوی صاحبہ نے بہن کو تسکین دی اور فرمایا کیوں روتی ہو اللہ کی قسم اس کی مخلوق میں سے کسی سے میں نہیں ملی میں نے کبھی کوئی برا فعل نہیں کیا تو دیکھو کہ اللہ کا فیصلہ میرے بارے میں کیا ہوتا ہے۔ جب حضرت عثمان کے پاس یہ آئیں تو آپ نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ جب حضرت علی کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے خلیفہ المسلمین سے دریافت کیا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ اگر عورت کو نکاح کے چھ مہینے کے بعد بچہ ہوا ہے جو ناممکن ہے۔ یہ سن کر علی مرتضیٰ نے فرمایا کیا آپ نے قرآن نہیں پڑھا؟ فرمایا ہاں پڑھا ہے فرمایا کیا یہ آیت نہیں پڑھی (و حملہ وفصّالہ ثلثون شہرا) اور ساتھ ہی یہ آیت بھی (حولین کاملین) اس مدت حمل اور مدت دودھ پلانے دونوں کے مل کر تیس مہینے اور اس میں سے جب دودھ پلانے کی کل مدت دو سال کے چوبیس وضع کر دے جائیں تو باقی چھ مہینے رہ جاتے ہیں تو قرآن کریم سے معلوم ہوا کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے اور اس بیوی صاحبہ کو بھی اتنی ہی مدت میں بچہ ہو پھر اس پر زنا کا الزام کیسے قائم کر رہے ہیں؟ حضرت عثمان نے فرمایا واللہ یہ بات بہت ٹھیک ہے افسوس میرا خیال ہے کہ اس طرف نہیں گیا جو اس عورت کو لے آؤ پس لوگوں نے اس عورت کو اس حال پر پایا کہ اسے فراغت ہو چکی تھی۔

حضرت معمر فرماتے ہیں واللہ ایک کو دوسرے کو لے سے اور ایک اثر دوسرے اثر سے بھی اتنا مشابہ نہیں ہوتا جتنا اس عورت کا یہ بچہ اپنے باپ سے مشابہ تھا خود اس کے والد نے بھی اسے دیکھ کر کہا اللہ کی قسم اس بچے کے بارے میں مجھے اب کوئی شک نہیں رہا اور اسے اللہ تعالیٰ نے ایک ناسور کے ساتھ جٹا کیا جو اس کے چہرے پر تھا وہ ہی اسے گھلاتا رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا (ابن ابی حاتم)

حالت حمل کے دکھ درد کی حالت سب کو معصوم ہے پھر دو سال تک اسے دودھ پلاتی رہتی ہے اور اس کی پرورش میں لگی رہتی ہے۔ چنانچہ اور آیت میں ہے (والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتیم الرضاۃ الخ) یعنی جو لوگ اپنی اولاد کو پورا پورا دودھ پلانا چاہے ان کے لئے آخری انتہائی سبب یہ ہے کہ دو سال کامل تک ان بچوں کو ان کی مائیں اپنا دودھ پلاتی رہیں۔ چونکہ ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے (و حملہ وفصّالہ ثلاثون شہرا) یعنی مدت حمل اور دودھ چھائی گئی تیس ماہ ہے۔ اس لئے حضرت ابن عباس اور دوسرے بڑے اماموں نے استدلال کیا ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ مہینے ہے۔

کنیز کے ساتھ شادی کر کے اسے خریدنے اس کے ہاں بچے کی پیدائش کا حکم

(وَمَنْ تَزَوَّجَ أَمَةً فَطَلَّقَهَا ثُمَّ اشْتَرَاهَا، فَإِنْ جَاءَتْ بِوَلَدٍ لَّأَقْلَ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مُنْذُ يَوْمِ اشْتَرَاهَا لَزِمَهُ وَإِلَّا لَمْ يَلْزَمْهُ) لِأَنَّهُ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ وَلَكِنَّ الْمُعْتَدَّةَ فَإِنَّ الْعُلُوقَ سَابِقَ عَلَى الْبِشْرَاءِ، وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي وَلَكِنَّ الْمَمْلُوكَةَ لِأَنَّهُ يُصَافُ الْحَادِثُ إِلَى أَقْرَبِ وَقْتِهِ فَلَا بُدَّ مِنْ دَعْوَةٍ، وَهَذَا إِذَا كَانَ الطَّلَاقُ وَاحِدًا بَائِنًا أَوْ خُلْعًا أَوْ رَجْعِيًّا، أَمَّا إِذَا كَانَ اثْنَتَيْنِ يَتَبَيَّنُ النَّسَبُ إِلَى سَنَتَيْنِ مِنْ وَقْتِ الطَّلَاقِ لِأَنَّهَا حُرِّمَتْ عَلَيْهِ حُرْمَةً غَلِيظَةً فَلَا يُصَافُ الْعُلُوقُ إِلَّا إِلَى مَا قَبْلَهُ، لِأَنَّهَا لَا تَحِلُّ بِالْبِشْرَاءِ.

(وَمَنْ قَالَ لَا مَنِيَّهَ إِنْ كَانَ فِي بَطْنِكَ وَلَدٌ فَهُوَ مِنِّي فَشَهِدَتْ عَلَى الْوَلَادَةِ امْرَأَةٌ فَهِيَ أُمُّ وَلَدِهِ) لِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى تَعْيِينِ الْوَلَدِ، وَيَتَبَيَّنُ ذَلِكَ بِشَهَادَةِ الْقَابِلَةِ بِالْإِجْمَاعِ.

ترجمہ

اور جو شخص کسی کنیز کے ساتھ نکاح کر لے اور پھر اسے طلاق دیدے اور پھر اسے خرید لے۔ اب اس کنیز کے ہاں خریدنے سے چھ ماہ پہلے بچے کی پیدائش ہو جائے تو وہ اسی مرد کا شمار ہوگا ورنہ اس کے ذمے لازم نہیں آئے گا۔ پہلی صورت کی دلیل یہ ہے کہ وہ ایسی صورت میں عدت گزارنے والی عورت کا بچہ شمار ہوگا کیونکہ خریدنے سے پہلے بچے کا نطفہ قرار پا چکا تھا۔

دوسری صورت میں وہ کنیز کا بچہ شمار ہوگا کیونکہ بچہ کی نسبت قریب ترین وقت کی طرف ہوگی تو اس صورت میں دعویٰ کرنا ضروری ہوگا۔ یہ اس صورت میں ہے جب کنیز کو ایک باندہ یا رجعی طلاق دی گئی ہو یا خلع کیا گیا ہو لیکن اگر وطلاق دی گئی ہوں تو وقت طلاق سے دو برس تک نسب ثابت ہوگا کیونکہ دو طلاقوں کی صورت میں وہ کنیز شوہر کے حق میں حرمت غلیظہ کے تحت حرام ہو جاتی ہے اس لئے حمل ٹھہرنا طلاق سے پہلے کسی وقت کی طرف منسوب ہوگا کیونکہ خریدنے کی وجہ سے یہ کنیز اس کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ ایک شخص اپنی کنیز سے یہ کہتا ہے اگر تمہارے پیٹ میں بچہ ہوگا تو وہ مجھ سے ہوگا۔ پھر ایک عورت بچے کی پیدائش کی گواہی دیدیتی ہے تو یہ کنیز اس کی ام ولد بن جائے گی۔ کیونکہ اس صورت میں بچے کی تعیین کی ضرورت تھی اور یہ تعیین اتفاقی طور پر ایک دایہ کی شہادت سے پوری ہو جائے گی۔

باندی کے بچے کا نسب اقرار سے ثابت ہونے کا بیان

علامہ ابن عابدین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی کنیز سے وطی کرتا ہے اور بچہ پیدا ہوا تو اس کا نسب اس وقت ثابت ہوگا کہ یہ اقرار کرے کہ میرا بچہ ہے اور وہ لونڈی ام ولد ہوگی اب اس کے بعد جو بچہ پیدا ہوئے ان میں اقرار کی حاجت نہیں مگر یہ ضرور ہے کہ نفی کرنے سے منہ پھری ہو جائے گا مگر نفی سے اس وقت منہ پھری ہوگا کہ زیادہ زمانہ نہ گزرا ہو نہ قاضی نے اس کے نسب کا حکم دیدیا ہو اور ان میں کوئی بات پائی گئی تو نفی نہیں ہو سکتی۔ اور مدبرہ کے بچے کا نسب بھی اقرار سے ثابت ہوگا۔ منکوحہ کے بچے کا نسب ثابت ہونے کے لیے اقرار کی حاجت نہیں بلکہ انکار کی صورت میں معن کرنا ہوگا ورنہ جہاں لعان نہیں وہاں انکار سے بھی کام نہ چلے گا۔ (رد المحتار، باب عدت، ج ۵، ص ۲۵۱، بیروت)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی کنیز کے ساتھ شادی کریتا ہے اور پھر صحبت کرنے کے بعد اسے طلاق دیدیتا ہے پھر اس کے بعد وہ اسی کنیز کو اس کے مالک سے خرید لیتا ہے اب اگر وہ کنیز اس شخص کے خریدنے کے بعد چھ ماہ گزرنے سے پہلے بچے کو جنم دیتی ہے تو اب اس خریدار کے لیے اس بچے کے نسب کو قبول کرنا لازم ہوگا لیکن اگر وہ چھ ماہ گزرنے کے بعد بچے کو جنم دیتی ہے تو اب خریدار پر اس بچے کے نسب کو اختیار کرنا لازم نہیں ہوگا۔

یہاں دو صورتیں ہیں جن میں سے پہلی صورت کی دلیل یہ ہے اگر اس عورت نے چھ ماہ سے کم عرصے میں بچے کو جنم دیا ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی یہ نطفہ اس عورت کے پیٹ میں اس شخص کے کنیز کو خریدنے سے پہلے قرار پا چکا تھا اب اس شخص سے پہلے کیونکہ وہ عورت عدت کی حالت میں تھی تو وہ بچہ عدت گزارنے والی عورت کا بچہ ہوگا اور اصول یہ ہے عدت گزارنے والی عورت کے بچے کا نسب دعوے کے بغیر ثابت ہو جاتا ہے اور اس عورت کے شوہر پر یہ بات لازم ہوگی وہ اس بچے کے نسب کو قبول کرے۔

جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے یعنی جب وہ عورت چھ ماہ گزرنے کے بعد بچے کو جنم دیتی ہے تو اس صورت میں یہ بات لازم آئے گی شوہر کے اس عورت کو خریدنے کے بعد ملک یمن کی حالت میں وہ نطفہ قرار پایا ہے اور کیونکہ وہ اس کی کنیز کا بچہ ہے اس لیے اصول یہ ہے کسی بھی پیش آنے والے حدیث کو کنیز وقت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور جب کوئی کنیز کسی کی ملکیت ہو تو اس کے بچے کا نسب مالک کے دعوے کے بغیر ثابت نہیں ہوتا اس لیے یہاں ہم نے یہ حکم دیا ہے اس شخص کا دعویٰ کرنا ضروری ہو گا۔

یہ تمام احکام اس صورت میں ہوں گے جب اس کنیز کو ایک باندی یا ایک رجعی طلاق دی گئی ہو یا اس کنیز نے خلع حاصل کر لیا ہو لیکن اگر شوہر نے سے دو طلاقیں دی ہوں تو کیونکہ کنیز کو دو طلاقیں دی جاسکتی ہیں اس لیے طلاق ہونے کے وقت سے بعد سے دو سال گزرنے تک اس کنیز کے بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ دو طلاقیں ہو جانے کے نتیجے میں وہ کنیز حرمت منظر کے طور پر شوہر سے علیحدہ ہو جائے گی اور اب شوہر کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اس کنیز کے ساتھ صحبت کر سکے نہ تو وہ نکاح کے اعتبار سے اس کے ساتھ صحبت کر سکتا ہے اور نہ ہی ملک یمن کے اعتبار سے صحبت کر سکتا ہے اس لیے اب طلاق ہو جانے کے بعد کے دھکی طرف

اس نطفہ کو منسوب نہیں کیا جاسکتا بلکہ اسے طلاق ہونے سے پہلے کی طرف منسوب کیا جائے گا اور طلاق ہو جانے کے بعد دوسرے گزرنے سے پہلے اگر وہ عورت بچے کو جنم دیدیتی ہے تو اس کا نسب اس کے سابقہ شوہر سے ثابت ہو جائے گا۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی آقا اپنی کنیز سے یہ کہتا ہے اگر تمہارے پیٹ میں بچہ موجود ہے تو میرا نطفہ ہے اور پھر ایک عورت اس کنیز کے ہاں بچہ پیدا ہونے کی گواہی دیدیتی ہے تو اب اس بچے کا نسب اس آقا سے ثابت ہو جائے گا وہ کنیز اس شخص کی ام ولد قرار پائے گی کیونکہ یہاں اس صورت میں صرف بچے کی پیدائش کے تعین کی ضرورت تھی اور پیدائش کے وقت عورت کی گواہی پائی گئی ہے اس لیے اس عورت کی گواہی کی وجہ سے اس عورت کے بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا۔

کسی بچے کے اولاد ہونے کے اقرار کا حکم

(وَمَنْ قَالَ لِعَلَامٍ هُوَ ابْنِي ثُمَّ مَاتَ فَجَاءَتْ أُمُّ الْعَلَامِ وَقَالَتْ أَنَا امْرَأَتُهُ فَهِيَ امْرَأَتُهُ وَهُوَ ابْنُهَا يَرْتَابُهُ) وَفِي النَّوَائِدِ جُعِلَ هَذَا جَوَابُ الْإِسْتِحْسَانِ، وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَكُونَ لَهَا الْمِيرَاثُ لِأَنَّ النَّسَبَ كَمَا يَثْبُتُ بِالنِّكَاحِ الصَّحِيحِ يَثْبُتُ بِالنِّكَاحِ الْفَاسِدِ وَبِالْوَطْءِ عَنْ شُبْهَةٍ وَبِمِلْكِ الْيَمِينِ، فَلَمْ يَكُنْ قَوْلُهُ إِقْرَارًا بِالنِّكَاحِ وَجْهٌ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّ الْمَسْأَلَةَ فِيمَا إِذَا كَانَتْ مَعْرُوفَةً بِالْحُرِّيَّةِ وَيَكُونُهَا أُمُّ الْعَلَامِ وَالنِّكَاحُ الصَّحِيحُ هُوَ الْمُتَعَيَّنُ لِلذِّكْرِ وَضِعًا وَعَادَةً (وَلَوْ لَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّهَا حُرَّةٌ فَقَالَتْ الْوَرِثَةُ أَنْتِ أُمُّ وَلَدٍ فَلَا مِيرَاثَ لَهَا) لِأَنَّ ظُهُورَ الْحُرِّيَّةِ بِاعْتِبَارِ الدَّارِ حُجَّةٌ فِي دَفْعِ الرِّقِّ لَا فِي اسْتِحْقَاقِ الْمِيرَاثِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ

اور ایک شخص ایک لڑکے کے بارے یہ کہتا ہے یہ میرا بیٹا ہے اور پھر وہ شخص فوت ہو جاتا ہے اور پھر اس لڑکے کی ماں آ کے کہتی ہے میں اس (مرحوم شخص) کی بیوی ہوں تو یہ عورت اس کی بیوی شمار ہوگی اور وہ لڑکا اس کا بیٹا شمار ہوگا اور دونوں وراثت میں حصہ دار ہوں گے۔ امام محمد نے نوادر یہ بات بیان کی ہے: یہ حکم استحسان کے پیش نظر ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے اس عورت کو وراثت میں حصہ نہ ملے کیونکہ جس طرح نسب صحیح نکاح کے ذریعے ثابت ہوتا ہے اور فاسد نکاح کے ذریعے بھی ثابت ہو جاتا ہے بلکہ شبہ کے ذریعے کی گئی وطی کے ذریعے بھی ثابت ہو جاتا ہے اور عورت کا مالک بن جانے کے نتیجے میں بھی ثابت ہو جاتا ہے تو مرد کا لڑکے کے بارے میں یہ کہنا: یہ میرا بیٹا ہے یہ نکاح کرنے کے مترادف شمار نہیں ہوگا۔

استحسان کی وجہ یہ ہے: جب مسئلے کی صورت ایسی ہو کہ جس میں عورت سے متعلق یہ بات مشہور ہو۔ وہ آزاد عورت ہو اور لوگوں

کو یہ بھی علم ہو کہ یہ اس بچے کی ماں ہے تو ایسا نسب ثابت ہونے میں عادت اور شریعت دونوں کے لحاظ سے نکاح کا صحیح ہونا متعین ہو جائے گا۔ اگر یہ بات ثابت نہ ہو سکے کہ وہ عورت آزاد ہے اور وراثت کہیں یہ ام ولد ہے تو عورت کو وراثت میں حصہ نہیں ملے گا کیونکہ اسلامی سسٹم کے اعتبار سے آزادی کا ظہور غلامی کے ازالے کے لئے معتبر ہو سکتا ہے لیکن وراثت کے حق کو ثابت نہیں کرتا ہے۔

میرا بیٹا کہنے سے ثبوت نسب کا بیان

شیخ محمد الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے کسی مذکر کی نسبت کہا یہ میرا بیٹا ہے اور اس شخص کا انتقال ہو گیا اور اس لڑکے کی ماں جس کا حرہ و مسلہ ہونا معلوم ہے یہ کہتی ہے کہ میں اس کی عورت ہوں اور یہ اس کا بیٹا تو دونوں وارث ہونگے اور اگر عورت کا آزاد ہونا مشہور نہ ہو یا پہلے وہ باندی تھی اور اب آزاد ہے اور یہ نہیں معلوم کہ مطلق کے وقت آزاد تھی یا نہیں اور ورثہ کہتے ہیں تو اس کی ام ولد تھی تو وارث نہ ہوگی۔ یونہی اگر ورثہ کہتے ہیں کہ تو اس کے مرنے کے وقت نصرانیہ تھی اور اس وقت اس عورت کا مسلمان ہونا مشہور نہیں ہے، جب بھی وارث نہ ہوگی۔ عورت کا بچہ خود عورت کے قبضہ میں ہے شوہر کے قبضہ میں نہیں اس کی نسبت عورت یہ کہتی ہے کہ یہ بڑا میرے پہلے شوہر سے ہے اس کے پیدا ہونے کے بعد میں نے تجھ سے نکاح کیا اور شوہر کہتا ہے کہ میرا ہے میرے نکاح میں پیدا ہوا تو شوہر کا قول معتبر ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری، کتاب طلاق)

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی کے ہاں بچہ پیدا ہوا عورت کہتی ہے کہ نکاح کو چھ مہینے یا زائد کا عرصہ گزرا اور مرد کہتا ہے کہ چھ مہینے نہیں ہوئے تو عورت کو قسم کھلائیں، قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہے اور شوہر یا اس کے ورثہ گواہ پیش کرنا چاہیں تو گواہ نہ سنے جائیں۔ (در مختار، کتاب طلاق، باب ثبوت نسب)

## بَابُ الْوَلَدِ مَنْ أَحَقَّ بِهِ

یہ باب پرورش بچہ کے حقدار کے بیان میں ہے

باب بچہ کی پرورش کے حق کی فقہی مطابقت کا بیان

معنف علیہ الرحمہ نے ثبوت نسب کے باب کے بعد حق حضانت کے باب کو بیان کیا ہے۔ کیونکہ کسی بچے کے نسب کے ثابت ہونے کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ حق حضانت بچے کے باپ کو دیا جائے یا پھر اس کی والدہ کو دیا جائے تو نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ کے مطابق حق حضانت ماں کو حاصل ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضانت کا دار و مدار شفقت کے پیش نظر متعین کیا گیا ہے اور شفقت باپ کی بہ نسبت ماں زیادہ ہوا کرتی ہے۔ اسی سبب کے پیش نظر ماں زیادہ حقدار ہوئی۔ اور اسی طرح حدیث مبارکہ میں نرس مرتبہ ماں کے حق تقدم کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جبکہ چوتھی مرتبہ باپ کے حق کو تاخر کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

حضانت کا فقہی مفہوم

جب پرندے اندے پرندوں کے نیچے ڈھانپ لیتے ہیں تو عربی زبان میں اس کو کہا جاتا ہے حصن الطائر بیضہ عورت کا پرورش کرنا ٹھیک اسی معنا کا مظہر ہے جو ایک بے زبان مادہ کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ اندوں یا چھوٹے بچوں کو اپنی آغوش محبت میں سمیٹ لے۔

حَصَنَ الطَّائِرُ بَيْضَهُ حَضَنًا مِنْ بَابِ قَتَلَ وَحَصَانًا بِالْكَسْرِ أَيْضًا صَمَةً تَحْتَ جَنَاحِهِ (المصباح المعبر، ج ۲، ص ۷۷)

حق حضانت کے ثبوت شرعی کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور بولی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ میرا بیٹا ہے۔ زمانہ حمل میں میرا پیٹ اس کا غلاف تھا اور زمانہ رضاعت میری چھاتی اس کے سینے کا برتن اور میری گود اس کا ٹھکانا۔ اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دیدی اور چاہتا ہے کہ اس بچہ کو مجھ سے چھین لے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا تو ہی اس کی زیادہ حقدار ہے جب تک کہ تو کسی اور سے نکاح نہ کرے۔

(سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 510)

امام بخاری حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد دوسرے سال میں جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمرہ قضا سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے تو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی چچا چچا کہتی پیچھے ہو لیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں لے لیا اور ہاتھ پکڑ لیا پھر حضرت علی وزید بن حارثہ

جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ہر ایک نے اپنے پاس رکھنا چاہا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، میں نے ہی اسے لیا اور میرے چچا کی لڑکی ہے اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، میرے چچا کی لڑکی ہے اور اس کی خاہ میری بی بی ہے اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، میرے (رضائی) بھائی کی لڑکی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لڑکی خالہ و دلولی اور فرمایا، کہ "خاہ بمنزلہ ماں کے ہے اور حضرت علی سے فرمایا، کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے اور حضرت جعفر سے فرمایا، کہ تم میری صورت اور میرت میں مشابہ ہو اور حضرت زید سے فرمایا، کہ تم ہمارے بھائی اور ہمارے مولیٰ ہو۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث ۲۲۵۱)

### پرورش کیلئے شرائط کا بیان

حق پرورش کے لیے ضروری ہے کہ جس کی پرورش کی جائے وہ نابالغ ہو اور اگر بالغ ہو تو معتدہ ہو (عقل و ہوش کے اعتبار سے متوازن نہ ہو)۔

بالغ اور ذی ہوش (رشید) لڑکے اور لڑکیاں والدین میں سے جس کے ساتھ رہنا چاہیں وہ رکھ سکتے ہیں الا کہ ہوں تو ان کو بھی رہنے کا حق حاصل ہے لڑکی ہو تو اس کو تنہا رہنے کی اجازت نہ ہوگی۔

حق پرورش کے لیے کچھ شرطیں وہ ہیں جو عورتوں اور مردوں دونوں کے لیے ضروری ہیں، کچھ شرطیں مردوں سے متعلق ہیں اور کچھ عورتوں سے متعلق، عورتوں اور مردوں کے لیے مشترک اوصاف میں سے یہ ہے کہ پرورش کرنے والا عاقل و بالغ ہو۔

بعض لوگوں نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ ذوق نہ ہو، لیکن حافظ ابن قیم کا خیال ہے کہ فسق جتن عام ہے، اس کے تحت اس قسم کی شرط لگانا بچوں کے حق میں مفید نہ ہوگا، اس لیے بھی کہ اکثر اوقات فاسق و فاجر ماں باپ بھی اپنے بچوں کے لیے فسق و فجور کی راہ کو پسند نہیں کرتے۔

حقیقت یہ ہے کہ ابن قیم کی رائے عین قرین قیاس ہے، بشرطیکہ پرورش کرنے والی اسکی پیشہ و فاسقہ نہ ہو کہ اس سے اپنے زیر پرورش بچوں کو غلط راہ پر ڈال دینا غیر متوقع نہ ہو۔

اہم بوجہ یہ ہے کہ نزدیک جب تک بچوں میں دین کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا نہ ہو جائے کہ کافرہ ماں کو بھی بچہ پر حق پرورش حاصل ہے، اگر عورت مرتد ہو جائے تو اس کو حق پرورش بھی باقی نہ رہے گا، غلامی بھی حق پرورش میں مانع ہے، غلام یا باندی اس حق سے محروم رہیں گے، کہ وہ بچہ کی مناسب پرورش و پرداخت کے لیے وقت فارغ نہیں کر سکتے۔

عورتوں کے لیے حق پرورش کی خاص شرط یہ ہے کہ وہ بچہ کی محرم رشتہ دار ہو۔

دوسرے اس نے کسی ایسے مرد سے نکاح نہ کیا ہو، جو اس زیر پرورش بچہ کا محرم نہ ہو، اگر ایسے اجنبی شخص سے نکاح کر لیا تو اس کا حق پرورش ختم ہو جائے گا، ہاں اگر اس کا نیا شوہر بچہ کا محرم ہو، جیسے بچہ کے چچا سے نکاح کر لے، یا بچہ کی مانی اس کے دادا سے نکاح کر لے تو اس کے حق پرورش پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، روایت موجود ہے کہ ایک خاتون کو حق پرورش دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا

قہانت احق بہ مالک تنکحی (سنن ابو داؤد)

مردوں کو حق پرورش حاصل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اگر زیر پرورش لڑکی کا مسئلہ ہو تو وہ مرد اس کا محرم ہوتا ہو، البتہ اگر کوئی دوسرا پرورش کنندہ موجود نہ ہو اور قاضی من سب سمجھے و مطمئن ہو تو وہ چچا، دھائی کے پاس بھی لڑکی کو رکھ سکتا ہے، لڑکی کا حق پرورش جس کو دیا جائے ضروری ہے کہ وہ مرد امین اور قابل اعتماد ہو، یہاں تک کہ بھائی اور چچا ہی کیوں نہ ہو لیکن فسق و خبیثت کی وجہ سے اس پر امینان نہ محسوس کیا جائے تو اسے حق پرورش حاصل نہ ہو سکے گا۔

بچے کی پرورش کی زیادہ حقدار ماں ہوگی

وَإِذَا وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَ الرَّوَجَيْنِ فَلَا تُمْ أَحَقُّ بِالْوَلَدِ إِسْمَارُ وَي (أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ ابْنِي هَذَا كَانَ بَطْنِي لَهُ وَعَاءٌ وَحَجْرِي لَهُ حِوَاءٌ وَتُدْبِي لَهُ سِقَاءً وَرَعَمَ أَبُوهُ أَنَّهُ يَنْزِعُهُ مِنِّي، فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ مَا لَمْ تَتْرَوْجِي (۱)) وَلَئِنْ الْأُمُّ أَشْفَقُ وَأَقْدَرُ عَلَى الْحَصَانَةِ فَكَانَ الدَّفْعُ إِلَيْهَا أَنْظَرَ، وَإِلَيْهِ أَشَارَ الصِّدِّيقُ بِقَوْلِهِ: رَيْفُهَا خَيْرٌ لَهُ مِنْ شَهِيدٍ وَعَسَلٍ عِنْدَكَ يَا عُمَرُ، قَالَ هِيَ وَفَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ وَالصَّاحِبَةَ حَاضِرُونَ مُتَوَفِّرُونَ (۲) (وَالْفَقَّةُ عَلَى الْأَبِ) عَلَى مَا نَذَكُرُ (وَلَا تُجَرُّ الْأُمُّ عَلَيْهِ) لِأَنَّهَا عَسَتْ تَعْجِزُ عَنِ الْحَصَانَةِ (فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ أُمٌّ فَأُمُّ الْأُمِّ أُولَى مِنْ أُمِّ الْأَبِ وَإِنْ بَعْدَتْ) لِأَنَّ هَذِهِ الْوِلَايَةَ تُسْتَفَادُ مِنْ قِتْلِ الْأُمّهَاتِ (فَإِنْ لَمْ تَكُنْ أُمُّ الْأُمِّ فَأُمُّ الْأَبِ أُولَى مِنَ الْأَخَوَاتِ) لِأَنَّهَا مِنَ الْأُمّهَاتِ، وَلِهَذَا تَحَرَّزَ مِيرَانُهَا السُّدُسُ وَلِأَنَّهَا أَوْفَرُ شَفَقَةً لِلْوِلَادِ (فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ جَدَّةٌ فَلَا أَخَوَاتُ أُولَى مِنَ الْعَمَّاتِ وَالْخَالَاتِ) لِأَنَّهِنَّ سَنَاتُ الْأَبَوَيْنِ وَلِهَذَا قُدِّمْنَ فِي الْمِيرَاثِ. وَفِي رِوَايَةِ الْخَالَةِ أُولَى مِنَ الْأُخْتِ لِأَبٍ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الْخَالَةُ وَالِدَةٌ (۱)) وَقِيلَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى (وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ) أَنَّهَا كَانَتْ خَالَتَهُ (وَتَقْدَّمُ الْأُخْتُ لِأَبٍ وَأُمٍّ) لِأَنَّهَا أَشْفَقُ (ثُمَّ الْأُخْتُ مِنَ الْأُمِّ ثُمَّ الْأُخْتُ مِنَ الْأَبِ) لِأَنَّ الْحَقَّ لَهَا مِنْ قِبَلِ الْأُمِّ (ثُمَّ الْخَالَاتُ أُولَى

(۱) أخرجه أبو داود في "مسند" ۲۰۷/۲ و صححه الحاكم و وافقه المنذرى.

(۲) سم يحدده مخرج "الهدية" بهذا اللفظ و أصله عند ابن أبي شيبة من طريق سعيد بن المسيب أن عمر طلق أم عاصم، ثم أتى عتب و عاصم في حجره، فأراد أن يخلعه منها، فجاد بها بينهما حتى يكي، فانطلقا إلى أبي بكر فقال له: يا عمر مسحها و حجرها و ربحها خير من من حبس حبس الصبي فحار نفسه، انظر "نصب الراية" ۲۶۶/۲-۲۶۷ و "الدرية" ۸۱/۲.





بھائی کی پرورش میں ندرت خصوصاً جبکہ مشق ہو اور اگر عصبیت بھی نہ ہوں تو ذوی امارحام کی پرورش میں دیر مثلاً اخیانی بھائی  
سکا بیٹا بھراں کا بچہ پھر حقیقی ماموں۔ چچا اور پھوپھی اور ماموں اور خاندان کی بیٹیوں کو لڑکے کی پرورش کا حق نہیں۔

اگر چند شخص ایک درجہ کے ہوں تو ان میں جو زیادہ بہتر ہو پھر وہ کہ زیادہ پرہیزگار ہو پھر وہ کہ ان میں بڑا ہو  
ہے۔ (در مختار، باب حضانت، ج ۵، ص ۲۷۱، بیروت)

### حق حضانت میں والدہ کے استحقاق کا بیان

پرورش کا حق عمر کی ایک حد تک عورتوں کو اور اس کے بعد مردوں کو حاصل ہوتا ہے، البتہ حق پرورش کے معاملہ میں شریعت  
عورتوں کے طبعی رفق، شفقت اور چھوٹے بچوں کی طبعی صلاحیت، نیز خود ماں کی ممتا اور اس کے جذبات و دوری کی رعایت کرتی  
ہوئے عورتوں کو اولیت دی ہے۔

علامہ کاساسی کے الفاظ میں: وَالْأَصْلُ فِيهَا النِّسَاءُ، لِأَنَّهُنَّ أَشْفَقُ وَأَرْفَقُ وَأَهْدَى إِلَى  
تَرْبِيَةِ الصَّغَارِ. (بدائع الصنائع، فصل: فِي بَيَانِ مَنْ لَهُ الْحَضَانَةُ)

اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ حق پرورش میں ماں سب سے پہلے اور مقدم ہے، اس کے بعد پھر جو رشتہ کے اعتبار سے نہایت  
قریب ہو، چنانچہ ماں کے بعد نانی چاہے وہ باپ کی پشت کی ہو، نانی نہ ہو تو دادی اور دادی میں بھی یہی ترتیب ہے، کہ دادی نہ ہو  
پر دادی بہن سے زیادہ مستحق ہے، دادی کے بعد بہن، بہن کے بعد خالہ، خالہ کے بعد پھوپھیوں کا درجہ ہے، بہن، خالہ، پھوپھی اور  
سب میں یہ ترتیب بھی ہے کہ ماں باپ دونوں کی شرکت کے ساتھ جو رشتہ ہو وہ مقدم ہے، اس کے بعد ماں شریک اور اس کے بعد  
باپ شریک کا درجہ ہے۔

اگر خواتین میں کوئی مستحق نہ ہو تو پھر حق پرورش ان مردوں کی طرف لوٹے گا جو عصب رشتہ دار ہوں اور ان رشتہ داروں میں  
وارث ہونے کے اعتبار سے مقدم ہوگا وہی حق پرورش کا بھی ذمہ دار ہوگا، فقہاء نے مردوں میں حق پرورش کی ترتیب یوں لکھی ہے  
باپ، دادا، پردادا وغیرہ، اس کے بعد حقیقی بھائی، پھر باپ شریک بھائی، پھر باپ شریک بھائی کا لڑکا، پھر حقیقی چچا  
باپ شریک چچا، پھر حقیقی چچا زاد بھائی، اس کے بعد باپ شریک چچا کا لڑکا، بشرطیکہ جس کی پرورش کی جارہی ہو وہ لڑکا ہو، لڑکی کا  
ان کے بعد باپ کے چچا اور دادا کے چچا وغیرہ کا حق ہے۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عبد الله بن عمرو أن امرأة قالت يا رسول الله  
إن ابني هذا كان طيباً له وعاء وتدي له سقاء وججري له حواء وإن أنا طلقني  
وأراد أن ينزعه مني فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم أنت أحق به مما لم  
تسكحي (ابو داود باب من أحق بالولد: عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ وَالِدَةٍ وَوَلَدِهَا فَرَّقَ اللَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَحَبِّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ  
(ترمذی باب فی کراهیة التفريق بين السبي السبي: عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ  
عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ طَلَّقَ أُمَّ عَاصِمٍ، ثُمَّ أَتَى عَلَيْهَا، وَفِي حَجْرِهَا عَاصِمٌ، فَأَرَادَ أَنْ  
يَأْخُذَهُ مِنْهَا، فَتَحَاذَبَا بَيْنَهُمَا حَتَّى نَكَى الْعَلَامُ، فَأَنْطَلَقَا إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ لَهُ أَبُو بَكْرٍ  
يَا عُمَرُ، مَنْسَحَهَا وَحَجْرُهَا وَرِيحُهَا خَيْرٌ لَكَ مِنْكَ حَتَّى يَشَبَّ الْمَصِيُّ  
فِي حَتَارٍ (مصنف ابن ابی شیبہ مَا قَالُوا: فِي الرَّجُلِ يُطْلَقُ امْرَأَتُهُ وَلَهَا وَلَدٌ صَغِيرٌ  
وَلِلرَّجَالِ مِنَ الْعَصَبَاتِ مَدْخَلٌ فِي الْحَضَانَةِ، وَأَوَّلَاهُمْ الْأَبُ، ثُمَّ الْجَدُّ أَبُو الْأَبِ وَإِنْ  
عَلَا، ثُمَّ الْأَخُ مِنَ الْأَبَوَيْنِ، ثُمَّ الْأَخُ مِنَ الْأَبِ، ثُمَّ بَنُوهُمْ وَإِنْ سَفَلُوا، عَلَى تَرْتِيبِ  
الْمِيرَاثِ، ثُمَّ الْعُمُومَةُ، ثُمَّ بَنُوهُمْ كَذَلِكَ، ثُمَّ عُمُومَةُ الْأَبِ، ثُمَّ بَنُوهُمْ).

(المغنی کتاب النفقات)

### حق حضانت کا ماں کی طرف ہونے میں قاعدہ فقہیہ

ولاية الحضانة تستفاد من قبل الامهات، (ہدایہ اولین ج ۲ ص ۴۱۴)

حضانت کی روایت ماؤں کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ جب شوہر اور بیوی کے درمیان جدائی ہو جائے  
تو صورت میں بچے کی پرورش کا زیادہ حقدار اور اس پر شفقت کی زیادہ حقدار اس کی ماں ہے کیونکہ حق حضانت یعنی پرورش کا حق  
ماں ہی کا ہے اور وہی زیادہ شفقت و رحم کرنے والی ہوتی ہے۔

کا ثبوت یہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ ﷺ: یہ میرا بیٹا ہے جس کیلئے میرا بطن  
فائدہ پہنچاتی ہے اس کو میرا کیا اور میری گود اسی کیلئے پرورش گاہ رہی، اور اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی اور  
مجھ سے چھیننا چاہتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اس عورت سے فرمایا تو اس کی زیادہ حقدار ہے جب تک کہ تو کسی دوسرے سے

نہ کرے۔ (سنن ابوداؤد، ج ۱ ص ۳۱۰، دارالحدیث ملتان)

نہ اور ماں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ (البقرہ ۲۳۳)

اس سے بھی یہ استنباط ہوتا ہے کہ پیداواری کا نفع ذمہ داری کی وجہ سے ہوتا ہے لہذا اس حکم کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ حضانت کی  
انتخاب کو حاصل ہے۔ (قواعد فقہیہ مع فوائد رضویہ، شبیر برادرز، لاہور)

بچے کو کب اختیار دیا جائے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے روایت ہے کہ بچے کو اس کے باپ اور اس کی ماں کے درمیان  
خفیہ رہا جائے۔ (جامع ترمذی ج ۳ ص ۱۶۲، فاروقی کتب خانہ لبنان)

اس حدیث کا مکمل یہ ہے کہ جب بچہ بالغ ہو جائے تو اسے اختیار دیا جائے کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہے یا اپنے  
مادر کے ساتھ رہنا چاہتا ہے لیکن یہ حدیث باب الاختصاص سے بالکل نہیں ہے۔ (توت المستندی ج ۳ ص ۱۶۲، فاروقی کتب خانہ لبنان)  
اگر خاتون عزیز موجود نہ ہو تو کون سا مرد پرورش کا حقدار ہوگا؟

(فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لِلصَّبِيِّ امْرَأَةٌ مِنْ أَهْلِهِ فَاخْتَصِمَ فِيهِ الرِّجَالُ فَأُولَاهُمْ أَقْرَبُهُمْ تَعَصِيًّا) لِأَنَّ  
الْوِلَايَةَ لِلْأَقْرَبِ وَقَدْ عُرِفَ التَّرْتِيبُ فِي مَوْضِعِهِ، غَيْرَ أَنَّ الصَّغِيرَةَ لَا تُدْفَعُ إِلَى عَصِيَّةٍ  
غَيْرِ مُحَرَّمٍ كَمَوْلَى الْعَتَاقَةِ وَابْنِ الْعَمِّ تَحَرُّزًا عَنِ الْفِتْنَةِ

ترجمہ

اور اگر بچے کی کوئی رشتہ دار خاتون موجود نہ ہو اس بارے میں مردوں کے درمیان اختلاف ہو جائے تو ان میں سے  
زیادہ حقدار وہ مرد ہوگا جو عصبہ ہونے میں زیادہ قریبی ہوگا کیونکہ یہ حق زیادہ قریبی عزیز کو ملتا ہے۔ اس حوالے سے ترتیب  
مخصوص مقدم پر بیون کی جائے گی تاہم نابالغ بچی کو نامحرم عصبہ کے سپرد نہیں کیا جائے گا جیسے مولیٰ عتاقہ یا چچا زاد ہے۔  
آزمائش سے بچا جائے۔

شرح

یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس  
بیوی (ایک انصاری عورت تھی جس سے ان کے بیٹے عمر بن عاصم پیدا ہوئے، پھر بعد میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عورت کو  
دیا، ایک دفعہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبا گئے تو اپنے بیٹے عاصم کو مسجد کے صحن میں کھیلنے کے لیے لے گئے اور وہاں سے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ  
پر سوار کر لیا اتنی دیر میں بچے کی مانی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک آ پہنچی اور بچے کو لینے کی کوشش کرنے لگی حتیٰ کہ دونوں ابو بکر صدیق رضی اللہ  
تعالیٰ عنہ کے پاس آئے۔ اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے: میرا بیٹا ہے، اور عورت کہنے لگی یہ بیٹا میرا ہے، تو ابو بکر رضی اللہ  
عنہ نے فرمایا: آپ اسے اس عورت کو دے دیں تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کوئی بات بھی نہ کی۔ امام مالک رحمہ اللہ  
نے اس حدیث کو موطن میں روایت کیا ہے (2 / 767) سنن بیہقی (8 / 5)

ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ یہ حدیث منقطع اور متصل دونوں طریق سے مشہور ہے اور اہل علم نے اسے قبول کیا ہے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ماں زیادہ مہربان اور رحم کرنے والی اور نرم دس، زیادہ محبت  
کرنے والی، زیادہ لائق اور جب تک شادی نہ کر لے وہ بچے کی زیادہ حقدار ہے۔

اور ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو یہ فرمایا تھا کہ ماں زیادہ مہربان اور رحم رکھتی ہے، اسی علت اور سبب سے ماں چھوٹے بچے  
کی زیادہ حقدار ہے،

حق حضانت کے بعد بچے کے رہنے میں فقہی مذاہب

مدت حضانت پوری ہونے کے بعد بچہ کس کے پاس رہے گا؟ اس مسئلے میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں۔ عہد نبوی کے بعض  
واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کو اختیار دیا تھا کہ وہ ماں باپ، جس کے ساتھ چاہے رہے۔  
حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور قاضی شریح نے بھی بعض مقدمات میں یہی فیصلہ کیا تھا، اس بنا پر شوافع اور حنابلہ کا یہی مسلک ہے۔ امام  
ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مدت حضانت ختم ہونے کے بعد باپ بچے کو اپنے پاس رکھنے کا زیادہ حق رکھتا ہے۔ اس لیے کہ اسی کو اس کی  
کفالت اور تعلیم و تربیت کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔ باپ کی یہ ولایت بچے کے بالغ ہونے تک ہے۔ اس کے بعد اسے اختیار ہوگا کہ وہ  
جس کے ساتھ رہنا چاہے رہے۔ ملحوظ رہے کہ بچے کی صحیح ذہنیت سے تعلیم اور دینی و اخلاقی تربیت کس کے پاس ہو سکتی ہے۔ اگر  
باپ۔ ابان ہو، یا کسی بنا پر بچے کی تعلیم و تربیت سے قاصر ہو اور ماں اس کام کو بہتر طریقے سے انجام دے سکتی ہو تو بچے کو اس کے پاس  
رہنے دیا جائے گا۔

بچے کی پرورش کا حق کب تک برقرار رہے گا؟

(وَالْأُمُّ وَالْجَدَّةُ أَحَقُّ بِالْعِلَامِ حَتَّى يَأْكُلَ وَحَدَهُ وَيَشْرَبَ وَحَدَهُ وَيَلْبَسَ وَحَدَهُ  
وَيُسْتَنْجَى وَحَدَهُ. وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: حَتَّى يُسْتَفْنَى فَيَأْكُلَ وَحَدَهُ وَيَشْرَبَ وَحَدَهُ  
وَيَلْبَسَ وَحَدَهُ) وَالْمَعْنَى وَاحِدٌ لِأَنَّ تَمَامَ الْإِسْتِغْنَاءِ بِالْقُدْرَةِ عَلَى الْإِسْتِغْنَاءِ. وَوَجْهُهُ  
أَنَّهُ إِذَا اسْتَفْنَى يَحْتَاجُ إِلَى التَّادِبِ وَالتَّخْلِيقِ بِآدَابِ الرِّجَالِ وَآخِلَاقِهِمْ، وَالْأَبُ أَقْدَرُ  
عَلَى التَّادِبِ وَالتَّقْيِيفِ، وَالْخَصَافُ قَدَرُ الْإِسْتِغْنَاءِ بِسَبْعِ سِنِينَ غَيْرَ أَنَّ الْغَالِبَ (وَالْأُمُّ  
وَالْجَدَّةُ أَحَقُّ بِالْجَارِيَةِ حَتَّى تَحِيضَ) لِأَنَّ بَعْدَ الْإِسْتِغْنَاءِ تَحْتَاجُ إِلَى مَعْرِفَةِ آدَابِ  
النِّسَاءِ وَالْمَرْأَةُ عَلَى ذَلِكَ أَقْدَرُ وَبَعْدَ الْبُلُوغِ تَحْتَاجُ إِلَى التَّحْصِينِ وَالْحِفْظِ وَالْأَبُ  
فِيهِ أَقْوَى وَأَهْلَى. وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهَا تُدْفَعُ إِلَى الْآبِ إِذَا بَلَغَتْ حَدَّ الشَّهْوَةِ لِتَحَقُّقِ  
الْحَاجَةِ إِلَى الصِّيَانَةِ. (وَمَنْ سِوَى الْأُمِّ وَالْجَدَّةِ أَحَقُّ بِالْجَارِيَةِ حَتَّى تَبْلُغَ حَدًّا تُشْتَهَى،

وَفِي الْحَامِيعِ الصَّغِيرِ حَتَّى تَسْتَعْنِيَ لَا تَهْأَلَا تَقْدِرُ عَلَى اسْتِحْدَامِهَا، وَلِهَذَا لَا تُوَاحِرُهَا لِلْخِدْمَةِ فَلَا يَحْصُلُ الْمَقْصُودُ، بِحَلَاكِ الْأُمِّ وَالْجَدَّةِ لِقُدْرَتِهِمَا عَلَيْهِ شَرْعًا.

ترجمہ

ورماں اور نانی بچے کی پرورش کرنے کی اس وقت تک حقدار ہیں گی جب تک وہ خود کھانے پینے لباس پہننے اور استنجہ کرنے کے قابل نہیں ہو جاتا۔ ایام الصغیر میں یہ الفاظ ہیں جب تک وہ بے نیاز نہیں ہو جاتا یعنی خود کھانے پینے لگتا ہے خود لباس پہن سکتا ہے۔ مطلب ایک ہی ہے کیونکہ مکمل بے نیازی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ خود استنجہ کرنے کے قابل ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے جب وہ اس حوالے سے (ماں اور نانی) سے بے نیاز ہو جائے گا تو اب اسے مردوں کے مخصوص آداب و خلاق سیکھنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ اور یہ ادب سکھانے میں باپ زیادہ قدرت رکھتا ہے۔ ماں خد صاف نے غائب صورت حال (یعنی عمومی تجربے) کے پیش نظر عمر کی حد سات برس مقرر کی ہے۔ ماں اور نانی بچی کی پرورش کی اس وقت تک حقدار رہیں گی جب تک اسے حیض نہیں آ جاتا۔ کیونکہ بے نیاز ہونے کے بعد بھی اسے خواتین کے مخصوص آداب کی تربیت دینے کے حوالے سے خاتون ہی زیادہ قدرت رکھے گی۔ جبکہ بالغ ہونے کے بعد اس کی پاکدامنی اور حفاظت کی ضرورت ہوگی اس حوالے سے باپ زیادہ وقت رکھتا ہوگا اور زیادہ بہتر ثابت ہوگا۔ امام محمد سے یہ روایت منقول ہے جب بچی کی عمر شہوت کی حد تک پہنچ جائے تو اس کی حفاظت کی ضرورت پیش آ جاتی ہے۔ ماں اور نانی کے علاوہ دیگر خواتین بچی کی پرورش کی اس وقت تک حقدار ہیں گی جب تک وہ شہوت کی حد تک نہ پہنچ جائے۔ جبکہ الجامع الصغیر میں یہ الفاظ ہیں جب تک وہ بے نیاز نہ ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے یہ خواتین اس بچی سے اپنی ذاتی خدمت نہیں لے سکتی ہیں۔ اس لئے یہ خدمت کے حوالے سے اس کی تربیت بھی نہیں سیکھیں گی اور مقصود حاصل نہیں ہو پائے گا۔ جبکہ ماں اور نانی کا حکم مختلف ہے۔ کیونکہ شرعی طور پر خدمت لینے کا حق رکھتی ہیں۔

شرح

حضرت ابو یوسف و سلیمان بیان کرتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس میں موجود تھا کہ ایک خاتون ان کے پاس آئی اور عرض کی میرا شوہر یہ چاہتا ہے کہ میرے بچے کو اپنے ساتھ لے جائے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بولے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا کہ ایک عورت آئی اور بولی کہ میرا شوہر یہ چاہتا ہے کہ وہ میرے بچے کو اپنے ساتھ لے جائے حالانکہ اس نے مجھے نفع بھی دیا ہے اور مجھے ابو عبیدہ کے کنوئیں سے سیراب بھی کیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم دونوں حصہ مقرر کر لو۔ یا شاید یہ الفاظ ہیں قرعہ اندازی کر لو اسی دوران اس کا شوہر بھی آ گیا اور بولا کہ میری اولاد کے بدلے میں کون سے بھڑا کر سکتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکے سے فرمایا کہ اے لڑکے یہ تمہاری امی ہے اور یہ تمہارے ابو ہیں تم ان دونوں میں سے جس کا چہرہ باتھ تھم ہو۔ راوی بیان کرتے ہیں تم ان میں سے جس کے ساتھ چاہو چلے جاؤ تو لڑکے نے اپنی والدہ کا ہاتھ

تمام لیا اور اس کے ساتھ چلا گیا۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر ۱۴۹)

### حق پرورش میں عرفی احوال سے متعلق فقہی بیان

امام مدد قاضی خاں حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جس عورت کے لیے حق پرورش ہے اس کے پاس لڑکے کو اس وقت تک رہنے دین کہ اب اسے اس کی حاجت نہ رہے یعنی اپنے آپ کھانا پیتا، پہنتا، استنجہ کر پیتا ہو، اس کی مقدار سات برس کی عمر ہے اور اگر عمر میں اختلاف ہو تو اگر یہ سب کام خود کر لیتا ہو تو اس کے پاس سے علیحدہ کر لیا جائے ورنہ نہیں اور اگر باپ لینے سے انکار کرے تو جبراً اس کے حوالے کیا جائے اور لڑکی اس وقت تک عورت کی پرورش میں رہے گی کہ حد شہوت کو پہنچ جائے اس کی مقدار نو برس کی عمر ہے اور اگر اس عمر سے کم میں لڑکی کا نکاح کر دیا گیا جب بھی اسی کی پرورش میں رہے گی جس کی پرورش میں ہے نکاح کر دینے سے حق پرورش باطل نہ ہوگا، جب تک مرد کے قابل نہ ہو۔ (فتاویٰ خانیہ، فصل فی حضانت، ج ۵، ص ۱۹۶، بیروت)

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

سات برس کی عمر سے بلوغ تک لڑکا اپنے باپ یا دادا یا کسی اور ولی کے پاس رہے گا پھر جب بالغ ہو گیا اور سمجھو رہے کہ فتنہ یا دماغی کا اندیشہ نہ ہو اور تادیب کی ضرورت نہ ہو تو جہاں چاہے وہاں رہے اور اگر ان باتوں کا اندیشہ ہو۔ اور تادیب کی ضرورت ہو تو باپ دادا وغیرہ کے پاس رہے گا خود مختار نہ ہوگا مگر بالغ ہونے کے بعد باپ پر نفقہ و جب نہیں اب اگر اخراجات کا مسئلہ ہو تو تبرع و احسان ہے۔

یہ حکم فقہی ہے مگر نظر بحال زمانہ خود مختار نہ رکھا جائے، جب تک چل چلن اچھی طرح درست نہ ہو میں اور پورا وثوق نہ ہوے کہ اب اس کی وجہ سے فتنہ و عار نہ ہوگا کہ آج کل اکثر مجتہدین مغرب اخلاق ہوتی ہیں اور نو عمری میں فساد بہت حد سرائیت کرتا ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

لڑکی نو برس کے بعد سے جب تک کو آری ہے باپ دادا بھائی وغیرہم کے یہاں رہے گی مگر جبکہ عمر رسیدہ ہو جائے اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو اسے اختیار ہے جہاں چاہے رہے اور لڑکی عیب ہے مثلاً بیوہ ہے اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو اسے اختیار ہے، ورنہ باپ دادا وغیرہ کے یہاں رہے اور یہ ہم پہلے بیان کر چکے کہ چچا کے بیٹے کو لڑکی کے لیے حق پرورش نہیں یہی حکم اب بھی ہے کہ وہ محرم نہیں بلکہ ضرور ہے کہ محرم کے پاس رہے اور محرم نہ ہو تو کسی ثقہ امانت دار عورت کے پاس رہے جو اس کی عفت کی حفاظت کر سکے اور اگر لڑکی ایسی ہو کہ فساد کا اندیشہ نہ ہو تو اختیار ہے۔ (ردھتار، کتاب طلاق، باب حضانت)

لڑکا بالغ نہ ہوا مگر کام کے قابل ہو گیا ہے تو باپ اسے کسی کام میں لگا دے جو کام سکھانا چاہے اس کے جاننے والوں کے پاس بھیج دے کہ ان سے کام سیکھے نوکری یا مزدوری کے قابل ہو اور باپ اس سے نوکری یا مزدوری کرانا چاہے تو نوکری یا مزدوری کرانے اور جو کمائے اس پر صرف کرے اور بیچ رہے تو اس کے لیے جمع کرنا رہے اور اگر باپ جانتا ہے کہ میرے پاس خرچ ہو جائے گا تو کسی اور کے پاس امانت رکھ دے۔ مگر سب سے مقدم یہ ہے کہ بچوں کو قرآن مجید پڑھائیں اور دین کی ضروری باتیں

سکھائی جائیں روزہ و نماز و طہارت اور بیع و اجارہ و دیگر معاملات کے مسائل جن کی روزمرہ حاجت پڑتی ہے ورنہ واقعی سے غافل شرع عمل کرنے کے جرم میں مبتلا ہوتے ہیں ان کی تعلیم ہو کر دیکھیں کہ بچہ کو علم کی طرف رجحان ہے اور سمجھ دار ہے تو علم و کمال کی خدمت سے بڑھ کر کیا کام ہے اور اگر استطاعت نہ ہو تو صحیح و تعمیم عقائد اور ضروری مسائل کی تعلیم کے بعد جس جائز کام میں لگا کر اختیار ہے۔

لڑکے پر پرورش کرنے والی کا حق اس وقت تک ہے جب تک وہ عورتوں کی نگرانی سے مستغنی نہیں ہو جاتا جس کا اندازہ ہر سال عمر ہے اور سی پر تنہی دیا جائے گا ورنہ لڑکی پر اس کا حق لڑکی کے مستہضاء ہونے تک ہے جس کا اندازہ نو سال کی عمر ہے اور سی پر تنہی دیا جائے گا۔ (درمختار باب العضانہ مطبع مجتہانی دہلی)

کنیز اور ام ولد آزاد ہونے پر بچے کی پرورش کی حقدار ہوں گی

قَالَ (وَالْأَمَةُ إِذَا أَعْتَقَهَا مَوْلَاهَا وَأُمُّ الْوَلَدِ إِذَا أُعْتِقَتْ كَالْحُرَّةِ فِي حَقِّ الْوَلَدِ) لَا تَنْهَمَا حُرَّتَانِ أَوْ أَنْ تُبَوِّتَ الْحَقِّ (وَلَيْسَ لَهُمَا قَبْلَ الْعِتْقِ حَقٌّ فِي الْوَلَدِ لِعَجْزِهِمَا) عَنْ الْحَضَانَةِ بِإِلَّا شَتَّالٍ بِخِدْمَةِ الْمَوْلَى (وَالذِّمَّةُ أَحَقُّ بِوَلَدِهَا الْمُسْلِمِ مَا لَمْ يَعْقِلْ إِلَّا ذِيَانٌ أَوْ يَخْفَ أَنْ يَأْتَلَ الْكُفْرَ) لِلنَّظَرِ قَبْلَ ذَلِكَ وَاحْتِمَالِ الضَّرَرِ بَعْدَهُ (وَلَا جِبَارَ لِلْعَلَامِ وَالْجَارِيَةِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَهُمَا الْخِيَارُ لِأَنَّ السَّبْيَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ خَيْرٌ (۱) وَلَنَا أَنَّهُ لِقُصُورِ عَقْلِهِ يَخْتَارُ مَنْ عِنْدَهُ الدَّعَاةُ لِتَخْلِيَتِهِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّعِبِ فَلَا يَتَحَقَّقُ النَّظَرُ، وَقَدْ صَحَّ أَنَّ الصَّحَابَةَ لَمْ يُخَيَّرُوا، أَمَّا الْحَدِيثُ فَقُلْنَا قَدْ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (اللَّهُمَّ اهْدِهِ) (۲) فَوَقَدْ لَا خِيَارَ لَهُ الْأَنْطَرِ بِدُعَائِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَوْ يُحْمَلُ عَلَى مَا إِذَا كَانَ بِالْعَلَا.

ترجمہ

اور جب کسی کنیز کو اس کا آقا آزاد کر دے یا ام ولد جب آزاد ہو جائے تو بچے کی پرورش کے حق کے مسئلے میں ان کی حیثیت آزاد عورت کی طرح ہوگی کیونکہ جس وقت انہیں یہ حق حاصل ہوگا اس وقت یہ دونوں آزاد ہیں۔ آزاد ہونے سے پہلے انہیں بچے کی پرورش کا حق حاصل نہیں ہوگا کیونکہ یہ دونوں پرورش کرنے سے عاجز ہوں گی کیونکہ یہ اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہوں گی۔ ذی عورت اپنے مسلمان بچے کی پرورش کی اس وقت تک حقدار ہوگی جب تک بچے کو دینی معاملات کی سمجھ بوجھ حاصل نہیں جاتی یا اس بات کا اندیشہ پیدا نہیں ہو جاتا کہ بچہ کفر سے مانوس ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے اس صورت میں بچے کے لیے اس

وقت سے پہلے شفقت پائی جاتی ہے اور اس کے بعد ضرر کا پہلو پایا جاتا ہے۔

اس بارے میں بچے یا بچی کو کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ امام شافعی یہ فرماتے ہیں ان دونوں کو اختیار ہوگا کیونکہ نبی اکرم نے (ایسی صورت حال میں) اختیار دیا تھا۔ ہماری دلیل یہ ہے بچے میں عقل ناقص ہوتی ہے اس لئے وہ (ماں باپ میں سے) اسے ترجیح دے گا جس کے پاس اسے کھیلنے کے مواقع زیادہ میسر ہوں گے تو اس صورت میں بچے کے لیے شفقت نہیں پائی جائے گی۔ پھر صحابہ کرام کے بارے میں بھی یہ بات مستند طور پر ثابت ہے کہ وہ ایسی صورت حال میں بچے کو اختیار نہیں دیتے تھے۔ جہاں تک حدیث کا تعلق ہے تو ہم اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں نبی اکرم نے اس بچے کو یہ دعا دی تھی: "اے اللہ! سے ہدایت نصیب کر"۔ تو نبی اکرم کی دعا کی برکت سے اس بچے کو اسے اختیار کرنے کی توفیق ملی جس کے ساتھ میں اس کے لیے زیادہ بہتری تھی۔ یا پھر اس روایت کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ وہ بچہ بالغ تھا۔

شرح

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جب کسی کنیز کو اس کا آقا آزاد کر دیتا ہے یا جب کوئی ام ولد آزاد ہو جاتی ہے تو بچے کی پرورش کے حق میں ان کا حکم آزاد عورت کی طرح ہوگا اس کی وجہ یہ ہے وہ دونوں اب آزاد ہیں لیکن جب تک یہ دونوں آزاد نہیں ہوتی تھیں اس وقت تک انہیں بچے کی پرورش کا حق نہیں ہوگا اس کی وجہ یہ ہے یہ اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے بچے کی مناسب طور پر دیکھ بھال کرنے کے قابل نہیں ہوں گی۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اگر کوئی مسلمان کسی اہل کتاب عورت کے ساتھ شادی کریتا ہے تو وہ عورت اس مسلمان کے بچے کی اس وقت تک پرورش کرنے کی حقدار ہوگی جب تک بچے کو دینی معاملات میں سمجھ بوجھ حاصل نہیں ہو جاتی یا جب تک یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ بچہ مانوس نہ ہو جائے اس وقت کے آجانے کے بعد بچے کو اس کے زیر پرورش رکھنے میں اس کے لیے ضرر کا احتمال ہے اس لیے اس وقت کے بعد اس کی اہل کتاب مانوس اس کی پرورش کرنے کی حقدار نہیں ہوگی۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے لڑکا ہو یا لڑکی انہیں ذاتی طور پر کوئی اختیار حاصل نہیں ہوگا کہ وہ ماں یا باپ میں سے جس کے ساتھ جانا چاہیں اس کے ساتھ چلے جائیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے اس بارے میں مختلف ہے وہ یہ فرماتے ہیں لڑکا ہو یا لڑکی اسے یہ اختیار حاصل ہوگا اگر وہ ماں یا باپ میں سے کسی ایک کے ساتھ جانا چاہے تو وہ اس کے ساتھ رہے۔

(۱) أخرجه أبو داود في "سننه" برقم (۲۲۷۷) والترمذي في "جامعه" برقم (۱۳۸۱) والنسائي في "المجتبى" برقم (۳۲۷۱) وابن ماجه في "سننه" برقم (۲۳۵) (۲) أخرجه أبو داود في "سننه" برقم (۲۴۳۳) والنسائي في "المجتبى" برقم (۳۲۷۰) والحاكم في "المستدرک" برقم (۲۰۶/۲) وصححه والدارقطني (۳۳/۳) عن رافع بن سنان: أنه أسلم وأبنت امرأته أن تسلم، ففأبى ابن لهما صغير لم يبلغ فخير، فقال: اللهم اهده، فذهب إلى أبيه.



امام شافعی نے اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل نقل کی ہے ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے ایسی صورتحال میں بچے کو اختیار دیا تھا۔ مصنف یہ فرماتے ہیں: احناف اس بات کے قائل ہیں بچے میں عقل کیونکہ کم ہوتی ہے اس لیے وہ ماں باپ میں سے اس کے ساتھ رہنے کو ترجیح دے گا جس کی طرف سے اسے زیادہ چھوٹ حاصل ہوگی، کہنے کو دینے کے زیادہ مواقع ملیں گے پابندیاں اور روک ٹوک کم ہونے کا امکان ہوگا لیکن دوسری طرف یہ نرمی اس بچے کے اخلاق کی خرابی کا باعث بن سکتی ہے اور یہ چھوٹ بچے کے حق میں شفقت شمار نہیں کی جاسکتی اس لیے اس حوالے سے بچے کو اختیار نہیں دیا جاسکتا۔

اس کے بعد مصنف نے نقلی طور پر یہ بات نقل کی ہے: صحابہ کرام کے بارے میں یہ بات متفقہ طور پر ثابت ہے: وہ ایسی صورتحال میں بچے کو اختیار نہیں دیتے تھے اگر ایسا کرنا مسنون ہوتا تو صبیہ کرام بھی اس طرح کی صورتحال میں بچے کو یہ اختیار دیتے کہ وہ ماں یا باپ میں سے جس کے ساتھ جانا چاہے اس کے ساتھ چلا جائے۔

اب یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے جب نبی اکرم ﷺ نے ایسی صورتحال میں اختیار دیا تھا تو پھر ہمیں صبیہ کرام کی طرف رجوع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے: نبی اکرم ﷺ نے اس بچے کے لیے بطور خاص یہ دعا کی تھی "اے اللہ! اسے ہدایت عطا کر!" نبی اکرم ﷺ کی اس دعا کی برکت کے نتیجے میں اس بچے کو وہ صورتحال اختیار کرنے کی توفیق ملی جو اس کے حق میں زیادہ شفقت والی تھی، لیکن یہ صرف نبی اکرم ﷺ کی دعا کی برکت کی وجہ سے تھا جبکہ بعد میں چونکہ ایسی کوئی صورتحال نہیں پائی گئی اسی لیے صبیہ کرام نے ایسی کسی صورتحال میں بچے کو کوئی اختیار نہیں دیا۔

یہاں ایک احتیاط یہ بھی ہو سکتا ہے جس وقت نبی اکرم ﷺ نے اس بچے کو یہ اختیار دیا تھا اس وقت وہ بچہ بالغ ہو چکا تھا۔ ہدایہ کے شارحین نے اس بات کی وضاحت کی ہے: صاحب ہدایہ کا بیان کردہ دوسرا احتمال درست نہیں ہے کیونکہ احادیث کی کتابوں سے یہ بات واضح ہے: اس بچے کی عمر کم تھی۔

### بچے کے حق حفاظت میں مذاہب اربعہ

جب بچہ سات برس کا ہو جائے تو اسے والدین میں سے کسی کے ساتھ رہنے کا اختیار دیا جائیگا، اور وہ جسے زیادہ پسند کرتا ہے اسے اختیار کر کے اس کے ساتھ رہے گا، لیکن بچی سات برس کی ہو جائے تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اسے بھی اختیار دیا جائیگا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: "ماں زیادہ حقدار ہے حتیٰ کہ بچی کی شادی ہو جائے یا حیض آجائے"

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: "اس کی ماں زیادہ حقدار ہے، حتیٰ کہ بچی کی شادی ہو جائے اور خاوند دخول کر لے" اور امام احمد کہتے ہیں: "اس بچی کا باپ زیادہ حقدار ہے، کیونکہ باپ اس کی حفاظت زیادہ کر سکتا ہے۔"

### کافر کیلئے حق پرورش نہ ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی مقدسی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ امام شافعی، امام احمد، امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ کے توں میں بچوں کی دیکھ بھال اور پرورش کافر نہیں کر سکتا۔ (المغنی (11/412)

اس لیے اگر آدمی کے مسلمان رشتہ دار بہت زیادہ دور رہائش پذیر ہوں تو بچوں کو ان کے پاس بھیجا دیا جائے گا، اگر ایب کرنا ممکن نہیں تو پھر ان بچوں کو کسی مسلمان گھرانے کے سپرد کر دیا جائے تاکہ وہ ان کی دیکھ بھال اور پرورش کر سکے۔  
پرورش کرنے والے کی بعض شرائط: اسلام: کافر پرورش نہیں کر سکتا۔ عقل: مجنون اور پاگل اور مدہوش شخص کو پرورش کا حق نہیں۔ بوغت: چھوٹی عمر والا بھی پرورش نہیں کر سکتا۔ حسن تربیت: یعنی وہ تربیت بھی اچھی کر سکتا ہو اس لیے گندی تربیت کرنے والے کو بھی پرورش کا حق حاصل نہیں۔

ابن قیم کا کہنا ہے: مسلمان کی کافر دو وجوہات سے پرورش نہیں کر سکتا۔

پہلی: اس لیے کہ پرورش کرنے والا اپنے دین کے مطابق بچے کی پرورش کرنے پر حریص ہوتا ہے، وہ یہ چاہتا ہے کہ بچہ اس کے دین پر بڑا ہو اور تربیت حاصل کرے تو اس طرح اس کے لیے بڑا اور عقل مند ہونے کے بعد اس دین سے لگنا مشکل ہو جائے۔  
اور بعض اوقات تو وہ اس بچے کی فطرت ہی تبدیل کر ڈالتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پیدا فرمایا ہے تو اس طرح وہ اس فطرت کی طرف کبھی بھی نہیں لوٹا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے:

( ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، (لیکن) اس کے والدین اسے یہودی یا پھر عیسائی، یا پھر مجوسی بنا ڈالتے ہیں ) تو اس لیے خدشہ ہے کہ مسلمان بچے کو کہیں وہ یہودی یا پھر عیسائی نہ بنا ڈالے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ: یہ حدیث تو والدین کے بارہ میں خاص ہے۔ اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ: حدیث میں غالب چیز کا ذکر ہے اس لیے کہ اکثر اور غالب طور پر بچہ اپنے والدین کے درمیان ہی پرورش پاتا ہے، لیکن اگر اس کے والدین نہ ہوں یا پھر ان میں سے کوئی ایک نہ ہو تو ان کی جگہ اس کے رشتہ دار بچے کے ولی بنتے ہوئے پرورش کرتے ہیں۔

دوسری: بلاشبہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مسلمانوں اور کفار کے مابین دوستی اور مولاۃ ختم کر دی ہے، اور مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کا دوست اور ولی بنایا ہے، اور اسی طرح کفار بھی آپس میں ایک دوسرے کے دوست ولی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی ختم کردہ مولاۃ کے اسباب میں سے سب سے قوی سبب پرورش ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں کے مابین ختم کیا ہے۔

## فصل

یہ فصل مطلقہ کا بچے کو شہر سے باہر لے جانے کے بیان میں ہے ﴿  
فصل خروج الولد الی القری کی فقہی مطابقت

علامہ ابن محمود بارتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ باب حضانت کے بعد اس کو الگ فصل کے طور پر بیان کرنا یہ حضانت میں فرق کرنے کی غرض سے ہے۔ تاکہ حق حضانت و حق خروج میں فرق واضح ہو جائے۔ اور امگ کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ حق حضانت عورت اس کو اس لئے دیا گیا ہے کہ اس کو نقصان نہ پہنچے جبکہ حق خروج الی القری میں باپ کو نقصان ہے لہذا اب یہاں ماں کیلئے خروج کا حق معدوم ہے۔ (منہ یہ شرح الہدایہ، شرف، ج ۲، ص ۱۹۲، بیروت)

کوئی مستحق حضانت اپنے حق سے دست بردار ہوتا چاہے تو اس کی گنجائش ہے۔ لیکن اگر وہ اپنا حق استعمال کرنا چاہے تو اسے اس سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ نانی تہرہ ہوتی ہو، اسے بچے کی پرورش کی ذمہ داری اٹھانے میں دشواری ہو تو وہ اس سے معذرت کر سکتی ہے۔ اس صورت میں بچہ کو اس شخص کی پرورش میں دیا جائے گا جو اس کے بعد مستحق حضانت ہو۔ استحقاق حضانت کی بنیاد شریعت میں اس بات پر نہیں رکھی گئی ہے کہ باپ اس کے لیے تیار ہے یا نہیں اور بچے کے کسی دوسرے کے پاس رہنے کو وہ اپنی حق تلفی سمجھتا ہے یا نہیں۔ البتہ فقہاء نے استحقاق حضانت کے لیے بعض شرائط بیان کی ہیں، مثلاً یہ کہ مستحق حضانت مسلمان ہو، بالغ و عاقل ہو، دین دار ہو اور اس کا فاقہ و فجور عام نہ ہو، وہ بچے کی پرورش کرنے پر قادر ہو، بڑھاپے، مرض یا کسی مصروفیت کی بنا پر اس سے معذور نہ ہو، اسے کوئی متعدی مرض نہ ہو، جہاں اس کا قیام ہو وہ جگہ محفوظ و مامون ہو، وغیرہ۔ ان میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو اس کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔

طلاق یافتہ عورت اپنے بچے کو شہر سے باہر لے جاسکتی ہے؟

(وَإِذَا أَرَادَتْ الْمُطَلَّقَةُ أَنْ تَخْرُجَ بِوَلَدِهَا مِنَ الْمِصْرِ فَلَيْسَ لَهَا ذَلِكَ) لِمَا فِيهِ مِنَ الْإِضْرَارِ بِالْأَبِ (أَلَا أَنْ تَخْرُجَ بِهِ إِلَى وَطَنِهَا وَقَدْ كَانَ الزَّوْجُ تَزَوَّجَهَا فِيهِ) لِأَنَّهُ التَّزَمَ الْمَقَامَ فِيهِ عُرْفًا وَشَرْعًا، قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ تَاهَلَ بِبَلَدَةٍ فَهُوَ مِنْهُمْ) (۱) وَلِهَذَا يَصِيرُ الْحَرْبِيُّ بِهِ ذِمِّيًّا، وَإِنْ أَرَادَتْ الْخُرُوجَ إِلَى مِصْرٍ غَيْرِ وَطَنِهَا وَقَدْ كَانَ

(۱) أخرجه ابن أبي شيبة و أبو يعلى من حديث عثمان و في سندهما عكرمة بن ابراهيم الأزدي وهو ضعيف بلفظ: "إذا تزوج الرجل ببلد فهو من أهلها" وأحمد في "مسنده" ۲۲/۱ بلفظ: "من تاهل في بلد فليصل صلاة مفيم".

التَّزَوُّجُ فِيهِ أَشَارَ فِي الْكِتَابِ إِلَى أَنَّهُ لَيْسَ لَهَا ذَلِكَ، وَهَذَا رِوَايَةُ كِتَابِ الطَّلَاقِ، وَقَدْ ذَكَرَ فِي الْحَامِيعِ الصَّغِيرِ أَنَّ لَهَا ذَلِكَ لِأَنَّ الْعُقْدَ مَتَى وَجِدَ فِي مَكَانٍ يُوجِبُ أَحْكَامَهُ فِيهِ كَمَا يُوجِبُ النَّبِيُّ التَّسْلِيمَ فِي مَكَانِهِ، وَمِنْ جُمْلَةِ ذَلِكَ حَقُّ امْسَاكِ الْأَوْلَادِ وَجْهَ الْأَوَّلِ أَنَّ التَّزَوُّجَ فِي دَارِ الْغُرَبَاءِ لَيْسَ التَّزَامًا لِلْمَكْنِثِ فِيهِ عُرْفًا، وَهَذَا أَصَحُّ وَالْحَاصِلُ أَنَّهُ لَا بُلْدَ مِنَ الْأَمْرَيْنِ جَمِيعًا: الْوُطْنُ وَوُجُودُ النِّكَاحِ،

ترجمہ

اور اگر طلاق یافتہ عورت یہ ارادہ کرے کہ وہ بچے کو شہر سے باہر لے جائے تو اسے اس کا حق نہیں ہوگا کیونکہ اس کے نتیجے میں باپ کو ضرر۔ حق ہوگا البتہ وہ اس بچے کے ساتھ اپنے آبائی وطن جاسکتی ہے جہاں مردنے اس کے ساتھ شادی کی تھی کیونکہ مردنے عام رواج اور شریعت کے حساب سے اس بات کا التزام کیا تھا کہ وہ وہاں قیام کرے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے "جو شخص کسی مخصوص علاقے میں شادی کرے تو وہ ان کا حصہ شمار ہوگا"۔ یہی وجہ ہے اس کے نتیجے میں حربی شخص ذی بن جاتا ہے۔ اگر وہ عورت اپنے آبائی وطن کے علاوہ کسی اور جگہ جانا چاہتی ہو اور اس کی شادی بھی اسی جگہ ہوئی تھی تو (مختصر القدوری) میں اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے کہ اسے اس بات کا حق حاصل نہیں ہوگا کہ بت الطلاق کی روایت یہی ہے۔ "الجامع الصغیر" میں یہ بات ذکر کی گئی ہے عورت کو اس بات کا حق حاصل ہوگا کیونکہ جس جگہ پر عقد پایا گیا عقد کے احکام اس جگہ میں پائے جائیں گے جیسا کہ سودا جس جگہ منعقد ہوتا ہے فروخت شدہ چیز اسی جگہ حوالے کی جاتی ہے۔ عقد کے دیگر احکام میں یہ بات بھی شامل ہے اول دکی پرورش اپنے ساتھ رکھ کر کی جائے۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے: اجنبی جگہ پر شادی کرنا اس میں عام رواج کے مطابق اپنے اوپر یہ بات لازم کرنے کا مفہوم نہیں پایا جاتا کہ مرد وہاں قیام بھی کرے گا اور یہی روایت زیادہ مستند ہے۔ حاصل کلام یہ ہے عورت اسی صورت میں بچے کو ساتھ لے جاسکتی ہے جب دو باتیں پائی جا رہی ہوں ایک یہ ہے عورت اسے اپنے وطن لے کر جا رہی ہو اور دوسری یہ ہے: اس وطن میں اس کی شادی بھی ہوئی ہو۔

قریبی شہر میں حق حضانت والے کے رہنے میں مذاہب اربعہ

عام حالات میں بچے کو وہیں رکھنا ضروری ہے جہاں اس کے باپ کا قیام ہو۔ اس لیے کہ شریعت نے باپ کو بچے کی تعین و تربیت اور مجموعی خبر گیری کا ذمہ دار بنایا ہے اور اسے بچے کو دیکھنے کا بھی حق حاصل ہے۔ اس لیے ماں باپ میں سے کوئی بھی اگر دوسری جگہ منتقل ہو رہا ہو تو ماں کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔ یہ دیکھ کر شافع اور حنابلہ کا مسک ہے۔ احناف کے نزدیک ماں بچے کے ساتھ کسی دوسرے قریبی شہر میں رہ سکتی ہے، جہاں باپ کی بد آسانی آمد و رفت ہو سکتی ہو۔ اسی طرح وہ اسے کسی دور دراز شہر میں بھی لے جاسکتی ہے اگر وہ شہر اس کا وطن ہو۔ (الموسمۃ الفقہیہ، کویت)

بچے کے ماں باپ میں سے کوئی ایک دوسری جگہ منتقل ہو رہا ہو تو بچہ کس کے پاس رہے؟ اس سلسلے میں یہ دیکھا جائے گا کہ بچہ کس کے پاس رہنا زیادہ بہتر اور مفید ہے اور کس کے پاس وہ زیادہ محفوظ رہے گا۔ یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ اس کی دوسری شہر منتقل کہیں دوسرے فریق کو پریشان کرنے اور اس کو بچے سے محروم کرنے کے مقصد سے تو نہیں ہے۔ اگر ایسا ہے تو بچے کو اس کے ساتھ نہیں بھیجا جائے گا۔ (فقہ السنہ)

جب خاوند اور بیوی کا ملک علیحدہ علیحدہ ہو اور بچہ بھی پرورش کی عمر (یعنی سات برس کی عمر سے چھوٹا) میں ہو تو صحیح اور اصل یہی ہے کہ پرورش کا حق ماں کو ہے۔

اس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ ذیل فرمان ہے: (جب تک نکاح نہ کر لے تو اس کی زیادہ حقدار ہے)

سنن ابوداؤد حدیث نمبر (1938)

یہ تو اصل کے اعتبار سے ہوا، لیکن یہاں ایک اور اصل اور قاعدہ ہے کہ پرورش بچے کی مصلحت پر مبنی ہے: تو اگر ماں یا پھر باپ کے ساتھ سفر میں بچے کو ضرر اور تکلیف ہو تو بچے کی پرورش کا مسئلہ داند کے حق میں ہوگا کہ بچے کو سفر کی وجہ سے تکلیف نہ ہو، اور اگر ماں کے ساتھ ایک ملک سے دوسرے ملک سفر میں بچے کو کوئی ضرر اور تکلیف نہیں ہوتی تو اصل پرورش کا حق ماں کو ہی حاصل رہے گا۔

### حق حضانت والے بچے کی مسافت کا بیان

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ زمانہ پرورش میں باپ یہ چاہتا ہے کہ عورت سے بچہ لے کر کہیں دوسری جگہ چلا جائے تو اس کو یہ اختیار حاصل نہیں اور اگر عورت چاہتی ہے کہ بچہ کو لے کر دوسرے شہر کو چلی جائے اور دونوں شہروں میں اتنا فاصلہ ہے کہ باپ اگر بچہ کو دیکھنا چاہے تو دیکھ کر رات آنے سے پہلے واپس آ سکتا ہے تو لے جاسکتی ہے اور اس سے زیادہ فاصلہ ہے تو خود بھی نہیں جاسکتی۔ یہی حکم ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں یا گاؤں سے شہر میں جانے کا ہے کہ قریب ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ اور شہر سے گاؤں میں بغیر اجازت نہیں لے جاسکتی، ہاں اگر جہاں جانا چاہتی ہے وہاں اس کا میکا ہے اور وہیں اس کا نکاح ہوا ہے تو لے جاسکتی ہے اور اگر اس کا میکا ہے مگر وہاں نکاح نہیں ہوا بلکہ نکاح کہیں اور ہوا ہے تو نہ سیکے لے جاسکتی ہے، نہ وہاں جہاں نکاح ہوا، اس کے علاوہ کوئی اور پرورش کرنے والی لے جانا چاہتی ہو تو باپ کی اجازت سے لے جاسکتی ہے۔ مسلمان یا ذمی عورت بچہ کو دارالحرب میں مطلقاً نہیں بھیج سکتی، اگر چہ وہیں نکاح ہوا ہو۔ عورت کو طلاق دیدی اس نے کسی اجنبی سے نکاح کر لیا تو باپ بچہ کو اس سے لے کر سفر میں لے جاسکتا ہے جبکہ کوئی اور پرورش کا حقدار نہ ہو ورنہ نہیں۔ جب پرورش کا زمانہ پورا ہو چکا اور بچہ باپ کے پاس آ گیا تو باپ پر یہ واجب نہیں کہ بچہ کو اس کی ماں کے پاس بھیجے نہ پرورش کے زمانہ میں ماں پر باپ کے پاس بھیجنا لازم تھا ہاں اگر ایک کے پاس ہے اور دوسرا اسے دیکھنا چاہتا ہے تو دیکھنے سے منع نہیں کیا جاسکتا۔ (در مختار، باب حضانت، ج ۵، ص ۴۷۰، بیروت)

دو شہروں کے درمیان کتنا فاصلہ معتبر ہوگا؟

وَهَذَا كُلُّهُ إِذَا كَانَ بَيْنَ الْمَضْرَيْنِ تَفَاوُثٌ، أَمَّا إِذَا تَقَارَبَا بِحَيْثُ يُمَكِّنُ لِلْوَالِدِ أَنْ

يُطَالِعَ وَلَدَهُ وَيَبْتَ فِي بَيْتِهِ فَلَا بَأْسَ بِهِ، وَكَذَا الْجَوَابُ فِي الْقَرَبَيْنِ، وَلَوْ انْتَقَلَتْ مِنْ قَرْبَةِ الْمَضْرِ إِلَى الْمَضْرِ لَا بَأْسَ بِهِ لِأَنَّ فِيهِ نَظَرًا لِلصَّغِيرِ حَيْثُ يَتَخَلَّقُ بِاخْلَاقِ أَهْلِ الْمَضْرِ وَلَيْسَ فِيهِ ضَرَرٌ بِالْأَبِ، وَفِي عَكْسِهِ ضَرَرٌ بِالصَّغِيرِ لِتَخَلُّقِهِ بِاخْلَاقِ أَهْلِ السَّوَادِ فَلَيْسَ لَهَا ذَلِكَ.

### ترجمہ

اور یہ سب ان صورتوں میں ہے جب دونوں شہروں کے درمیان فاصلہ زیادہ ہو، لیکن اگر دونوں شہروں کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ باپ جب چاہے وہاں جا کر اپنے بچے سے مل کر رات تک واپس آ سکتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ پھر دو گاؤں کے درمیان کا بھی یہی حکم ہے۔ اسی طرح اگر شوہر اپنے بچے کو چھوٹی بستی سے بڑے شہر کی طرف منتقل کرتا ہے تو اس میں بھی کوئی مضرت نہیں ہوگا، کیونکہ اس صورت میں بچے کی بہتری کا مفہوم پایا جاتا ہے اور وہ اس صورت میں شہریوں کے آداب و اخلاق سیکھ سکتا ہے اور باپ کا بھی اس میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ لیکن شہر سے گاؤں لے جانے کا حکم اس سے مختلف ہوگا، کیونکہ اس صورت میں بچے کے حق میں نقصان پایا جا رہا ہے، کیونکہ وہ دیہاتیوں کے اخلاق سیکھ لے گا اس لیے عورت کو اسے وہاں لے جانے کا اختیار نہیں ہوگا۔

### شرح

مصنف یہ فرماتے ہیں یہ تمام احکام اس صورت میں ہیں جب ان دو شہروں یعنی جس شہر سے دوسرے شہر میں عورت اس بچے کو لے جانا چاہتی ہے ان دونوں شہروں کے درمیان کافی فاصلہ ہو، لیکن اگر وہ دونوں شہر ایک دوسرے سے اتنے قریب ہوں کہ بچے کے والد کے لیے یہ بات ممکن ہو کہ وہ اپنے بچے کے لیے ملنے جا کر وہاں اس سے مل کر اپنے گھر میں آ کر رات بسر کر سکتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مصنف فرماتے ہیں: اسی طرح دو بستیوں کے بارے میں بھی جواب یہی ہوگا۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اگر عورت اس بچے کو شہر کی نواحی بستی سے اٹھا کر شہر لے جانا چاہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اس میں بچے کے لیے شفقت کا پہلو پایا جاتا ہے، کیونکہ وہ شہریوں کے آداب و اخلاق سیکھ لے گا اور اس میں باپ کے لیے کوئی ضرر بھی نہیں ہے، لیکن اس کے برعکس صورت حال میں یعنی جب وہ عورت بچے کو شہر سے گاؤں لے جانا چاہتی ہو تو اس میں بچے کے لیے بھی ضرر ہے، کیونکہ اس میں دیہاتیوں کے آداب و اخلاق پیدا ہو جائیں گے تو ایسی صورت میں عورت کو اس بات کا اختیار نہیں ہوگا، وہ اس بچے کو شہر سے لے جا کر گاؤں میں آباد کرے۔

## بَابُ النِّفْقَةِ

﴿یہ باب بیوی کو خرچ دینے کے بیان میں ہے﴾

باب نفقہ کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابر قاضی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف صیہ رحمہ نے جب باب حضانت کو بیان کیا ہے تو حق حضانت چونکہ ماں کو حاصل ہے تو حضانت بھی نفقہ کی محتاج ہے۔ لہذا ضروری ہوا کہ اس چیز کو بیان کیا جائے جس میں نفقہ کا بیان ہوا اور نفقہ کا معنی خرچ ہے۔ یعنی بیوی کے اخراجات کا وہ حق جو اس کے شوہر کے ذمہ واجب ہے اس کو نفقہ کہتے ہیں۔ کسی شخص پر غیر کی طرف سے وجوب نفقہ کے اسباب تین ہیں۔ (۱) زوجیت (۲) نسب (۳) ملک، زوجیت کو مقدم کرنے کا سبب یہ ہے کہ نسب میں اصل زوجیت ہے کیونکہ ثبوت نسب کا سبب وہی ہے۔ اور نسب کا سبب ہونا ملکیت سے افضل ہے کیونکہ نسب میں جس پر اخلاق ہے وہ نافرمانی کے جسم کا حصہ ہے۔ جبکہ ملکیت یعنی غلامی میں ایسا نہیں ہے۔ ہذا ملک پر نسب کو مقدم کیا ہے۔

(عناہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۱۹، بیروت)

نفقہ کا لغوی و فقہی مفہوم

نفقات نفقہ کی جمع ہے اور نفقہ اس چیز کو کہتے ہیں کہ جو خرچ کی جائے جب کہ شرعی اصطلاح میں طعام لباس اور سنی مکان کو نفقہ کہتے ہیں چونکہ نفقہ کی کئی نوعیتیں اور قسمیں ہوتی ہیں جیسے بیوی کا نفقہ اول، دکان نفقہ والدین کا نفقہ اور عزیز و اقارب کا نفقہ وغیرہ اس لئے نفقہ کی ان انواع کے اعتبار سے عنوان میں نفقات یعنی جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے نیز یہاں نفقہ سے اس کا عام مفہوم مراد ہے خواہ واجب ہو یا غیر واجب ہو۔

لوٹری غلام کے حقوق کا مطلب ہے ان کو کھانا پینا اور ان پر ایسے کاموں کا بوجھ نہ ڈالنا جو ان کی طاقت و ہمت سے باہر ہوں۔

بیوی کے نفقہ کے احکام و مسائل کا بیان

مرد پر اپنی بیوی کا نفقہ یعنی کھانے پینے کا خرچ لباس اور مکان دینا واجب ہے چاہے مرد عمر میں اپنی بیوی سے چھوٹا ہی کیوں نہ ہو ورنہ بیوی مسکین ہو یا کافر ہو خواہ بالغ ہو یا ایسی نابالغ ہو جس سے جماع نہ کیا جاسکتا ہو لیکن نفقہ واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس بیوی نے اپنے آپ کو شوہر کے گھر میں شوہر کے سپرد کر دیا ہو اگر سپرد نہ کیا ہو تو اس کی وجہ یا تو اس کا کوئی حق ہو کہ جس کو ادا کرنے سے انکار کرتا ہو یا خود شوہر سپرد کرنے کا مطالبہ نہ کرتا ہو۔

بہتر یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو اپنا ہم پیالہ و ہم نوالہ بنائے دونوں ایک ساتھ رہیں اور حیثیت کے مطابق جو کچھ میسر ہو اس میں

دونوں گزارہ کریں اور جیسا کہ شریف گھرانوں کا قاعدہ ہے شوہر باہر کسب معاش کرے اور بیوی گھر کے انتظامات کی ذمہ دار بنے شوہر جو کچھ کھائے اسکے مطابق جنس و سامان گھر میں مہیا کرے اور بیوی اپنی سلیقہ شعاری کے ذریعہ اس جنس و سامان کو پورے گھر اور متعلقین کی ضرورتوں میں صرف کرے اور اگر کسی وجہ سے شوہر بیوی کا اس طرح ہم پیالہ و ہم نوالہ رہنا ممکن نہ ہو اور بیوی قاضی و حاکم کے یہاں یہ درخواست کرے کہ میرے لئے شوہر پر نفقہ مقرر کر دیا جائے تو حاکم و قاضی کی طرف سے بیوی کے لئے ماہانہ نفقہ دینے پینے کا خرچ مقرر کر دیا جائے گا۔ اور وہ مقرر مقدار اس کے سپرد کر دیا جائے گا اسی طرح ایک سال میں دوسرے کچھ ادا کیا مقرر کیا جائے گا اور وہ مقرر کچھ ہر ششماہی پر اس کے حوالہ کر دیا جائے گا اگر قاضی و حاکم نے عورت کے لئے ماہانہ نفقہ مقرر کر دیا تو شوہر کو واپس لے کرے گا اور اگر شوہر نے ماہانہ نہ دیا اور عورت نے روزانہ طلب کیا تو شام کے وقت عورت کو مطالبہ کرنے کا اختیار ہو گا۔

نفقہ مقرر کرنے کے سلسلہ میں اس مقدار کا ناظر رکھا جائے گا جو بیوی کے لئے کافی ہو اور بغیر کسی اسراف و تنگی کے اپنا گزارہ کر سکے۔ یہی معیار کی بات تو اس میں میاں بیوی دونوں کی حالت و حیثیت کا اعتبار ہوگا اگر وہ دونوں مالی طور پر اچھی حالت و حیثیت رکھیں تو اچھی ہی حیثیت کا نفقہ بھی واجب ہوگا اور اگر وہ دونوں تنگ دست و مفلس ہوں تو نفقہ بھی اسی کے اعتبار سے واجب ہوگا اور اگر یہ صورت ہو کہ میاں تو خوش حال ہو اور بیوی تنگ دست ہو یا میاں تنگ دست ہو اور بیوی خوش حال ہو تو پھر درمیان درجہ کا نفقہ "جب ہوگا حتیٰ وہ نفقہ دیا جائے گا جو خوشی کی وجہ سے کم ہو اور تنگ دستی کے درجہ سے زیادہ ہو اور بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ بہر صورت شوہر کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا وہ جس حالت و حیثیت کا ہوگا اسی کے مطابق نفقہ مقرر کیا جائے گا خواہ بیوی کسی بھی حیثیت و حالت کی مالک ہو۔

اگر شوہر بیوی کے درمیان خوشحالی و تنگ دستی کے بارے میں اختلاف پیدا ہو جائے یعنی شوہر تو کہے کہ میں تنگ دست ہوں اس لئے تنگ دستی کا نفقہ دوں گا اور بیوی کہے کہ نہیں تم خوشحال ہو اس لئے میں خوشحالی کا نفقہ لوں گی اور پھر یہ معاملہ حاکم و قاضی کی عدالت میں پہنچے اور بیوی اپنے دعویٰ کے گواہ پیش کر دے تو ان گواہوں کا اعتبار کر کے بیوی کے لئے خوشی کا نفقہ مقرر کیا جائے گا اور اگر نانے گواہ پیش نہ کرے تو پھر شوہر کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔

اگر بیوی کے ساتھ کوئی خادم یا خادمہ بھی ہے اور شوہر خوش حال ہے تو عورت کے نفقہ کے ساتھ اس خادم یا خادمہ کا نفقہ بھی شوہر کا واجب ہوگا اور اگر شوہر تنگ دست ہو تو اس خادم یا خادمہ کا نفقہ شوہر پر لازم نہیں ہوگا۔

اگر حاکم و قاضی نے شوہر کی تنگ دستی کی وجہ سے اس کی بیوی کے لئے تنگ دستی کا نفقہ مقرر کر دیا اور پھر شوہر خوش حال ہو گیا اور نانے نے خوش حالی کے نفقہ کا دعویٰ کر دیا تو اس کے لئے خوشی کا نفقہ مقرر کیا جائے گا اور اگر شوہر کی خوش حالی کی وجہ سے بیوی کے لئے خوشحالی کا نفقہ مقرر کیا گیا تھا اور پھر شوہر تنگ دست ہو گیا تو اب تنگ دستی کا نفقہ مقرر کر دیا جائے گا۔

جو عورت شوہر کی وفات کی عدت میں ہو اس کو نفقہ نہیں ملتا خواہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو اسی طرح جو بیوی نافرمان ہو جائے یعنی

شوہر کی اجازت کے بغیر اور بلا کسی وجہ کے شوہر کے گھر سے چلی جائے تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہیں ہوگا۔ نیز جو بیوی کسی دینی یعنی قرض وغیرہ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے قید خانہ میں ڈال دی گئی ہو یا اپنے میکہ میں ایسی بیمار ہو کہ شادی کے بعد شوہر کے گھر نہ بھی گئی ہو، یا اس کو کوئی غاصب لے کر بھاگ گیا ہو یا وہ اتنی کم عمر ہو کہ اسکے ساتھ جماع نہ کیا جاسکتا ہو اور یا بغیر شوہر کے حج کو چلی گئی ہو تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہیں ہوگا ہاں جو بیوی شوہر کے ساتھ حج کو جائے گی اس کا حضر کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا سفر کا خرچ اور سواری کا کرایہ واجب نہیں ہوگا۔

اگر بیوی اپنے میکہ میں بیمار ہوئی اور نکاح کے بعد شوہر کے گھر بھیجی گئی تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہیں ہوگا البتہ جو بیوی اپنے شوہر کے گھر آ کر بیمار ہوئی ہے اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا۔

شوہر کو چاہئے کہ بیوی کے رہنے کا ٹھکانہ و مکان شرعی مقصد کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی حیثیت و استطاعت کے مطابق خود مقررہ مہیا کرے اور وہ مکان ایسا ہونا چاہئے جو خود اس کے اہل و عیال و اس بیوی کے اہل و عیال سے خالی ہو اور اگر خود بیوی ان اہل و عیال کے ساتھ رہنا چاہے تو پھر اس طرح کا مکان بنادینا واجب نہیں رہے گا۔

اگر شوہر کے گھر میں کئی کمرے ہوں اور ان میں سے ایک کمرہ کہ جس میں کوڑا اور تالہ کھنچی وغیرہ ہو خالی کر کے بیوی کو دیدے تو یہ کافی ہے بیوی کو دوسرے کمرے کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

اگر شوہر چاہے کہ گھر میں بیوی کے پاس اس کے عزیز و اقارب کو اگرچہ دوسرے شوہر سے اس بیوی کا لڑکا ہی کیوں نہ ہو آنے سے منع کر دے تو اس کو اس کا حق ہے ہاں اگر بیوی کے وہ عزیز و اقارب اس کے محرم ہوں تو ان کو بیوی کا سامنا کرنے یا اس سے بات چیت کرنے سے روکنے کا حق اس کو نہیں ہے اسی طرح شوہر کو یہ بھی حق نہیں ہے کہ وہ مہینہ میں ایک بار بیوی کو اپنے والدین کے پاس جانے یا والدین کو اس کے پاس آنے سے روکے یعنی ہفتہ میں ایک بار سے زائد آنے جانے سے روک سکتا ہے اور والدین کے علاوہ دوسرے ذی رحم محرم رشتہ داروں کے پاس سال بھر میں ایک مرتبہ بیوی کے جانے یا بیوی کے پاس ان کے آنے پر پابندی عائد کرنے کا حق نہیں ہے یعنی سال بھر میں ایک بار سے زائد ان کے آنے پر پابندی عائد کر سکتا ہے۔

جو عورت طلاق کی عدت میں ہو وہ شوہر سے نفقہ اور رہنے کے لئے مکان پانے کی مستحق ہے خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن ہو یا مغلطہ ہو اور خواہ عورت حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو، اسی طرح جو عورت ایسی تفریق جدائی کی عدت میں ہو جو کسی معصیت کی وجہ سے نکاح کی کسی شرعی حق کی وجہ سے واقع ہوئی ہو تو اس کا نفقہ و سکنی بھی شوہر کے ذمہ ہوگا، مثلاً کوئی ام ولد یا دہرہ کسی کے نکاح میں تھی اور پھر خیار حق کی بناء پر اس نے شوہر سے جدائی اختیار کر لی یا کسی نابالغ کا نکاح اس کے ولی نے کسی شخص سے کر دیا تھا اور پھر اس نے بالغ ہونے کے بعد خیار بلوغ کی بناء پر اس شوہر سے جدائی اختیار کر لی تو ان صورتوں میں بھی عورت نفقہ اور سکنی پانے کی مستحق ہوگی اور اگر عورت کسی ایسی تفریق (جدائی) کی عدت میں ہو جو کسی معصیت کی بناء پر واقع ہوئی ہو اور اس کا نفقہ و سکنی شوہر کے ذمہ نہیں ہوگا، مثلاً عورت نعوذ باللہ مرتد ہو گئی یا اس نے شوہر کے بیٹے سے کوئی ایسا برافضل کر لیا جس سے شوہر پر حرام ہو گئی جیسے اس سے ہم بستری

کر لی یا اس کو شہوت سے چھو لیا یا اس کا بوسہ لیا اور اس کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان جدائی واقع ہو گئی اور وہ عدت میں بیٹھ گئی تو ان صورتوں میں وہ شوہر سے کھانے پینے کا خرچ اور رہنے کے لئے مکان پانے کی مستحق نہیں ہوگی۔

اگر کسی عورت کو تین طلاقیں دی گئیں اور وہ عدت میں بیٹھ گئی نیز نفقہ و سکنی کی حقدار رہی لیکن پھر زمانہ عدت میں نعوذ باللہ مرتد ہو گئی تو اس کے نفقہ و سکنی کا حق ساقط ہو جائیگا اور اگر عورت نے اپنے زمانہ عدت میں شوہر کے لڑکے یا شوہر کے باپ سے ناجائز تعلق قائم کر لیا شہوت سے بوس و کنار کر لیا تو نفقہ و سکنی کی مستحق رہے گی بشرطیکہ وہ عدت طلاق رجعی کی نہ ہو بلکہ طلاق بائن مغلطہ کی ہو۔

بیوی کا خرچ شوہر پر لازم ہونے کا بیان

قَالَ (النَّفَقَةُ وَاجِبَةٌ لِلزَّوْجَةِ عَلَى زَوْجِهَا مُسْلِمَةً كَانَتْ أَوْ كَافِرَةً إِذَا سَلِمَتْ نَفْسَهَا إِلَى مَنْزِلِهِ فَعَلَيْهِ نَفَقَتُهَا وَكِسْوَتُهَا وَسُكْنَاهَا) وَالْأَصْلُ فِي ذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى (لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ) وَقَوْلُهُ تَعَالَى (وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ) وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي حَدِيثِ حَبَّةِ الْوَدَاعِ (وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ) وَلَآنَ النَّفَقَةُ جَزَاءُ الْإِحْتِبَاسِ فَكُلُّ مَنْ كَانَ مَحْبُوسًا بِحَقِّ مَقْصُودٍ لِغَيْرِهِ كَانَتْ نَفَقَتُهُ عَلَيْهِ: أَصْلُهُ الْقَاضِي وَالْعَامِلُ فِي الصَّدَقَاتِ. وَهَذِهِ الدَّلَائِلُ لَا فَضْلَ فِيهَا فَتَسْتَوِي فِيهَا الْمُسْلِمَةُ وَالْكَافِرَةُ (وَيُعْتَبَرُ فِي ذَلِكَ حَالُهُمَا جَمِيعًا) قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ: وَهَذَا اخْتِيَارُ الْخَصَافِ وَعَلَيْهِ الْقَوِيُّ، وَتَفْسِيرُهُ أَنَّهُمَا إِذَا كَانَا مُوسِرَيْنِ تَجِبُ نَفَقَةُ الْبَسَارِ، وَإِنْ كَانَا مُعْسِرَيْنِ فَتَنَفَقَةُ الْإِعْسَارِ، وَإِنْ كَانَتْ مُعْسِرَةً وَالزَّوْجُ مُوسِرًا فَتَنَفَقْتُهَا دُونَ نَفَقَةِ الْمُوسِرَاتِ وَفَوْقَ نَفَقَةِ الْمُعْسِرَاتِ.

وَقَالَ الْكَرَّخِيُّ: يُعْتَبَرُ حَالُ الزَّوْجِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ) وَجِهَةُ الْآرِثِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِهَذِهِ امْرَأَةِ أَبِي سُفْيَانَ (خُذِي مِنْ مَالِ زَوْجِكَ مَا يَكْفِيكَ وَوَلَدِكَ بِالْمَعْرُوفِ) (۱) اُعْتَبَرَ حَالُهَا وَهُوَ الْفَقْرُ فَإِنَّ النَّفَقَةَ تَجِبُ بِطَرِيقِ الْكِفَايَةِ، وَالْفَقِيرَةُ لَا تَتَقَيَّرُ إِلَى كِفَايَةِ الْمُوسِرَاتِ فَلَا مَعْنَى لِلزِّيَادَةِ، وَنَحْنُ نَقُولُ بِمُوجِبِ النَّصِّ أَنَّهُ يُخَاطَبُ بِقَدْرِ وَسْعِهِ وَبِالْبَاقِي دَيْنٌ فِي ذِمَّتِهِ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ بِالْمَعْرُوفِ الْوَسْطُ وَهُوَ الْوَاجِبُ وَبِهِ يَتَبَيَّنُ أَنَّهُ لَا مَعْنَى لِلتَّقْدِيرِ كَمَا ذَهَبَ إِلَيْهِ



الشَّافِعِيُّ أَنَّهُ عَلَى الْمَوَسِّرِ مَدَانٍ وَعَلَى الْمُعْسِرِ مَدٌّ وَعَلَى الْمُتَوَسِّطِ مَدٌّ وَبَصْفٌ مَدٌّ  
لَآنَ مَا وَجَبَ كِفَايَةً لَا يَتَقَدَّرُ شَرْعًا فِي نَفْسِهِ.

ترجمہ

فرمایا: اور بیوی کا خرچ شوہر کے ذمے لازم ہے خواہ بیوی مسلمان ہو یا کافر ہو جب وہ اپنے آپ کو شوہر کے گھر حوالے کر دے تو اس کا خرچ اس کا لباس اور رہائش شوہر کے ذمے ہوگی۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بنیادی حکم ہے۔ "خوشحال شخص اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے گا۔" نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: "بچے کا والد اس کی ماں کا کھانا اور لباس مناسب طور پر دے گا۔" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جیتے الوداع کے خطبے میں یہ بات ارشاد فرمائی تھی۔ "ان خواتین کی خوراک اور لباس کی مناسب طور پر فراہمی تم پر لازم ہے۔" اس کی وجہ یہ ہے نفقہ دراصل اس بات کا عوض ہے جو عورت کو روکے رکھنے کا اختیار مرد کو حاصل ہو ہے اور جو بھی شخص کسی دوسرے کے حق کے لئے رکھنے کا پابند ہو اس کا خرچ روکنے والے کے ذمے ہوگا۔ اس کی مثال قاضی اور عامل کی تنخواہ کا حکم ہے۔ ان تمام دلائل میں کوئی فصل نہیں ہے اس لیے خرچ کی داغ بیل کے بارے میں مسلمان اور کافر بیوی کی حیثیت یکساں ہوگی۔ خرچ کی مقدار کے بارے میں مرد اور عورت دونوں کی حیثیت کا خیال رکھا جائے گا۔ فرماتے ہیں: یہ امام مقدوری کی رائے ہے اور امام خصاف نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور فتویٰ بھی اسی کے مطابق دیا جاتا ہے۔

خصاف کے قول سے مراد یہ ہے: جب میاں بیوی دونوں خوشحال ہوں گے تو خرچ بھی خوشحالی کے حساب سے واجب ہوگا اور اگر دونوں تنگدست ہوں گے تو خرچ بھی اسی حیثیت کے مطابق ہوگا لیکن اگر شوہر خوشحال ہو اور بیوی غریب ہو تو اس کا خرچ غریب عورتوں سے زیادہ ہوگا اور والد اور عورتوں سے کم ہوگا۔

امام کرنی اور امام شافعی کے نزدیک تمام حالات میں مرد کی حیثیت کا خیال رکھا جائے گا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "خوشحال شخص اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے۔"

امام خصاف کے فتویٰ کی وجہ یہ ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان کی بیوی ہند رضی اللہ عنہا سے یہ فرمایا تھا: "تم اپنے شوہر کے مال میں سے اتنا لے سکتی ہو جو تمہارے لیے اور تمہاری اولاد کے لیے مناسب طور پر کافی ہو۔" تو اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند رضی اللہ عنہا کا اعتبار کیا تھا اور فقہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کتنا خرچ کفایت کے اعتبار سے لازم ہوتا ہے اور غریب عورت کے لئے خوشحال عورتوں جیسی کفایت ضروری نہیں ہے اس لیے اسے زیادہ داغ بیل کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔ جہاں تک نص کا تعلق ہے تو ہم بھی اس کے مطابق یہی کہتے ہیں۔ مرد کے لئے یہی حکم ہے کہ وہ اپنی گنجائش کے مطابق خرچ کرے اور جو باقی ہوگا وہ اس کے ذمے قرض ہوگا۔ قرآن پاک میں "معروف" سے مراد میاں روی ہے کیونکہ واجب بھی یہی

(۲) أخرجه البخاری فی "صحیحہ" برقم (۵۳۶۱) و مسلم فی "صحیحہ" برقم (۱۷۱۴) و أبو داود فی "سنن" برقم (۳۵۳۲) و ترمذی فی "معجم" برقم (۵۰۱۰) و ابن ماجہ برقم (۱۸۵۷).

ہے۔ ریر بحث سکے میں یہ بات تحقیق پایہ تک پہنچ چکی ہے کہ نفقہ کے سلسلے میں کوئی معین مقدار نہیں کی جاسکتی۔ جبکہ امام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے خوشحال شخص پر نصف صاع کی داغ بیل لازم ہوگی اور غریب شخص پر چوتھائی صاع کی اور درمیانے درجے کے شخص پر بیڑھ کی داغ بیل لازم ہوگی۔ کیونکہ جو بھی چیز کفایت کے طور پر واجب ہوگی وہ شرعی طور پر متعین نہیں کی جاسکتی۔

فقہ ولد کے والد پر ہونے میں شرعی بیان

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ. (البقرہ، ۲۳۳)

اور جس کا بچہ ہے۔ اس پر عورتوں کا کھانا پہننا ہے حسب دستور۔ کسی جان پر بوجھ نہ رکھا جائے گا مگر اس کے مقدور بھروسہ کو ضرر نہ دیا جائے اس کے بچہ سے۔ اور نہ اولاد والے کو اس کی اولاد سے۔ یا ماں ضرر نہ دے اپنے بچہ کو اور نہ اولاد والے اپنی اولاد کو۔ اور جو باپ کا قائم مقام ہے اس پر بھی ایسا ہی واجب ہے۔ (کنز الایمان)

صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

یعنی والد، اس انداز بیان سے معلوم ہوا کہ نسب باپ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ بچہ کی پرورش اور اس کو دودھ پونے باپ کے ذمہ واجب ہے اس کے لئے وہ دودھ پلانے والی مقرر کرے لیکن اگر ماں اپنی رغبت سے بچہ کو دودھ پلانے تو مستحب ہے۔ شوہر اپنی زوجہ پر بچہ کے دودھ پلانے کے لئے جبر نہیں کر سکتا اور نہ عورت شوہر سے بچہ کے دودھ پلانے کی اجرت طلب کر سکتی ہے جب تک کہ اس کے نکاح یا عدت میں رہے۔ اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ کو طلاق دی اور عدت گزر چکی تو وہ اس سے بچہ کے دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہے۔

اگر باپ نے کسی عورت کو اپنے بچہ کے دودھ پلانے پر بہ اجرت مقرر کیا اور اس کی ماں سی اجرت پر یا بے معوضہ دودھ پلانے پر رضی ہوئی تو ماں ہی دودھ پلانے کی زیادہ مستحق ہے اور اگر ماں نے زیادہ اجرت طلب کی تو باپ کو اس سے دودھ پلانے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ (تفسیر احمدی مدارک) المعروف سے مراد یہ ہے کہ حسب حیثیت ہو بغیر تنگی اور فضول خرچی کے۔

یعنی اس کو اس کے خلاف مرضی دودھ پلانے پر مجبور نہ کیا جائے۔ زیادہ اجرت طلب کر کے۔ ماں کا بچہ کو ضرر دینا یہ ہے کہ اس کو وقت پر دودھ نہ دے اور اس کی گمرانی نہ رکھے یا اپنے ساتھ مانوس کرینے کے بعد چھوڑ دے اور باپ کا بچہ کو ضرر دینا یہ ہے کہ مانوس بچہ کو ماں سے چھین لے یا ماں کے حق میں کوتاہی کرے جس سے بچہ کو نقصان پہنچے۔ (تزان العرفان، بقرہ، ۲۳۳)

بیوی اور اولاد کا بقدر ضرورت نفقہ خاوند پر واجب ہے

ام المؤمنین حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ہندہ بنت عتبہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امیر اشوہر ابوسفیان بہت بخیل اور حریص ہے وہ مجھ کو اتنا خرچ نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد کی ضروریات کے لئے کافی ہو جائے البتہ اگر میں اس کے مال

میں سے خود کچھ نکال لوں اس طرح اس کو خیر نہ ہو تو ہماری ضروریات پوری ہو جاتی ہیں تو کیا یہ جائز ہے کہ میں شوہر کو خیر کے بغیر اس کے مال میں سے اپنی اور اولاد کی ضروریات کے بقدر کچھ نکال لوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی اور اپنی اولاد کی ضروریات کے بقدر کہ جو شریعت کے مطابق ہو یعنی اوسط درجہ کا خرچ اس کے مال میں سے لے لیا کرو (بخاری و مسلم)

امام نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نفقہ بقدر ضرورت واجب ہے۔ چنانچہ تمام علماء کا اس پر جماع و اتفاق ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے کئی مسئلے ثابت ہوتے ہیں (۱) مرد پر اس کی بیوی اور نابالغ اولاد (جس کی ذاتی ملکیت میں مال نہ ہو) کا نفقہ واجب ہے (۲) نفقہ ضرورت و حاجت کے بقدر واجب ہوتا ہے (۳) فتویٰ دیتے وقت کوئی شرعی حق نافذ کرتے وقت اجنبی عورت کا کلام سننا جائز ہے (۴) کسی شخص کے بارے میں ایسی کوئی بات بیان کرنا کہ جس کو اگر وہ سنے تو ناگواری محسوس کرے جائز ہے بشرطیکہ یہ بیان کرنا کوئی مسند پوچھنے یا فتویٰ لینے کی غرض سے ہو (۵) اگر کسی شخص پر کسی دوسرے شخص کا کوئی مالی مطالبہ ہو اور وہ اس کی ادائیگی نہ کرتا ہو تو مطالبہ والے کے لئے جائز ہے کہ وہ اس شخص کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے اپنے مطالبہ کے بقدر لے لے (۶) بیوی بھی اپنے شوہر کے مال کے ذریعہ اپنی اولاد پر خرچ کرنے اور ان کی کفالت کرنے کی ذمہ دار ہے (۷) بیوی کو اپنی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنا جائز ہے خواہ شوہر نے اس کی صریح اجازت دے دی ہو یا بیوی کو اس کی رضا مندی کا علم ہو (۸) قاضی اور حاکم کو یہ اختیار ہے کہ اگر وہ کسی معاملہ میں مناسب سمجھے تو محض اپنے علم اور اپنی معلومات کی بنیاد پر حکم جاری کر دے جیسے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندو سے گواہ طلب نہیں کئے بلکہ اپنی معلومات کی بنیاد پر حکم دے دیا۔ (شرح مسلم، نووی)

### وجوب نفقہ میں فقہی مذاہب کا بیان

حافظ ابن کثیر دمشقی لکھتے ہیں۔ بچوں کی مال کا نان نفقہ بچوں کے والد پر ہے۔ اپنے اپنے شہروں کی عادت اور دستور کے مطابق ادا کریں، نہ تو زیادہ ہونہ کم بلکہ حسب طاقت و وسعت درمیانی خرچ دے دیا کرو جیسے فرمایا آیت (لیسحق ذو سعة من سعته) یعنی کثادگی والے اپنی کثادگی کے مطابق اور تنگی والے اپنی طاقت کے مطابق دیں، اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، عنقریب اللہ تعالیٰ سختی کے بعد آسانی کر دے گا۔

ضحاک فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کے ساتھ بچہ بھی ہے تو اس کی دودھ پلائی کے زمانہ تک کا خرچ اس مرد پر واجب ہے۔ پھر ارشاد باری ہے کہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلانے سے انکار کر کے اس کے والد کو تنگی میں نہ ڈال دے بلکہ بچے کو دودھ پلائی رہے اس لئے کہ یہی اس کی گزارن کا سبب ہے۔ دودھ سے جب بچہ بے نیاز ہو جائے تو بیشک بچہ کو دے دے لیکن پھر بھی نقصان رسائی کا ارادہ نہ ہو۔ اسی طرح خاوند اس سے جبراً بچے کو الگ نہ کرے جس سے غریب و دکھ میں پڑے۔ وارث کو بھی یہی چاہئے کہ بچے کی والدہ کو خرچ سے تنگ نہ کرے، اس کے حقوق کی نگہداشت کرے اور اسے ضرورت پہنچائے۔

حنفیہ اور حنبلیہ میں سے جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ رشتہ داروں میں سے بعض کا نفقہ بعض پر واجب ہے انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب اور جمہور سلف صالحین سے یہی مروی ہے۔ سرہ والی مرفوع حدیث سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے جس میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی محرم رشتہ دار کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ یہ بھی یاد رہے کہ دو سال کے بعد دودھ پلانا عموماً بچہ کو نقصان دیتا ہے، یا تو جسمانی یا دماغی۔ حضرت علقمہ نے ایک عورت کو دو سال سے بڑے بچے کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھ کر منع فرمایا۔ پھر فرمایا گیا ہے اگر یہ رضا مندی اور مشورہ سے دو سال کے اندر اندر جب کبھی دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی حرج نہیں ہاں، ایک کی چاہت دوسرے کی رضا مندی کے بغیر ناکافی ہوگی اور یہ بچے کے بچاؤ کی اور اس کی نگرانی کی ترکیب ہے۔ خیال فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر رحیم و کریم ہے کہ چھوٹے بچوں کے والدین کو ان کاموں سے روک دیا جس میں بچے کی بربادی کا خوف تھا، اور وہ حکم دیا جس سے ایک طرف بچے کا بچاؤ ہے دوسری جانب ماں باپ کی اصلاح ہے۔

سورۃ طلاق میں فرمایا آیت (فان ارضعن لکم فاتوهن اجورھن) ارغ، اگر عورتیں بچے کو دودھ پلایا کریں تو تم ان کی اجرت بھی دیا کرو اور آپس میں عمرگی کے ساتھ معاملہ رکھو۔ یہ اور بات ہے کہ تنگی کے وقت کسی اور سے دودھ پوادو، چنانچہ یہاں بھی فرمایا اگر والدہ اور واد متفق ہو کر کسی عذر کی بنا پر کسی اور سے دودھ شروع کر انہیں اور پہلے کی اجازت کامل طور پر والدہ والدہ کو دے دے تو بھی دونوں پر کوئی گناہ نہیں، اب دوسری کسی دایہ سے اجرت چکا کر دودھ پوادیں۔ لوگو اللہ تعالیٰ سے ہر امر میں ڈرتے رہا کرو اور یاد رکھو کہ تمہارے اقوال و افعال کو وہ بخوبی جانتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، بقراءہ ۲۳۳)

### مطلقہ ثلاثہ کے نفقہ میں مذاہب اربعہ

حضرت شعبی کہتے ہیں کہ فاطمہ بنت قیس نے فرمایا میرے شوہر نے رسول اللہ کے زمانے میں مجھے تین طلاقیں دیں تو آپ نے فرمایا تیرے لیے نہ تو گھر ہے اور نہ نفقہ۔ مغیرہ کہتے ہیں کہ میں نے جب ابراہیمؑ سے اس حدیث کا تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا کہ حضرت عمر نے فرمایا ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے جس کے متعلق ہمیں یہ بھی معلوم نہ ہو کہ اسے یا دھبی ہے یا بھول گئی ہے حضرت عمر تین طلاق والی کو گھر اور کپڑا دیتے تھے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1189)

حضرت شعبی سے روایت ہے کہ میں فاطمہ بنت قیس کے پاس گیا اور ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے معاملے میں کیا فیصلہ فرمایا تھا؟ کہا کہ میرے خاوند نے مجھے لفظ 'بنتہ' کے ساتھ طلاق دی تھی تو میں نے ان سے نان نفقہ اور گھر کے لیے جھگڑا کیا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر اور نان نفقہ نہ دیا۔ داؤد کی حدیث میں یہ بھی ہے پھر مجھے حکم دیا کہ ام کلثوم کے گھر عدت کے دن گزار دوں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے بھری، عطاء بن ابی رباح، احمد اور اسحاق وغیرہ کا یہی قول ہے کہ جب شوہر کے پاس رجوع کا اختیار باقی نہ رہے تو رہائش اور نان نفقہ بھی اس کے ذمہ نہیں رہتا لیکن بعض علماء صحابہ جن میں عمر بن

خطاب، اور عبداللہ بن مسعود بھی شامل ہیں کہتے ہیں کہ تین طلاق کے بعد بھی عدت پوری ہونے تک گھر اور نان نفقہ مہیا کرنا شوہر کے ذمہ ہے، سفیان اور اہل کوفہ کا یہ قول ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ شوہر کے ذمے صرف رہائش کا بندوبست رہ جاتا ہے نان نفقہ کی ذمہ داری نہیں۔ مک لیت بن سعد اور شافعی کا بھی یہی قول ہے، ام شافعی اپنے قول کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا: (لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يُخْرِجُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبِينَةٍ) ام شافعی کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہ بنت قیس کو اس نئے گھر نہیں دلوایا کہ وہ اپنے شوہر سے سخت کلامی کرتی تھیں۔ ام شافعی فرماتے ہیں کہ فاطمہ بنت قیس کے واقعہ پر مشتمل حدیث کی رو سے اسکی عورت کے لیے نفقہ بھی نہیں۔ (جامع ترمذی، جلد اول: حدیث نمبر 1190)

نفقہ ولد کا باپ پر ہونے میں اہل علم کا اجماع

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ابن منذ کہتے ہیں: ہمیں اہل علم میں سے جتنے بھی یاد ہیں ان سب کا اس پر اجماع ہے کہ ان بچوں کا خرچہ جن کے پاس مال نہیں والد کے ذمہ ہے، اور اس لیے بھی کہ اولاد انسان کا ایک حصہ ہے اور والد کے جگر کا ٹکڑا ہے۔

لہذا جس طرح اس کا اپنے آپ اور گھر والوں پر خرچ کرنا واجب ہے اسی طرح اپنے بعض یعنی اولاد اور اپنی اصل یعنی مال باپ پر خرچ کرنا بھی واجب ہے۔ (المغنی) (8 / 171)

بچوں پر خرچہ کرنے میں کتاب وسنت اور اجماع دلیل اور اصل ہے۔

کتاب اللہ کے دلائل: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے: (اگر تمہارے کہنے سے وہی دودھ پلائیں تو تم انہیں ان کی اجرت دے دو) (الطلاق) (6)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رضاعت کی اجرت والد کے ذمہ واجب کی ہے۔

اور ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کا روٹی کپڑا ہے جو دستور کے مطابق ہے) (البقرة) (233)

سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دلیل: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا: (جتنا تمہیں اور تمہارے اولاد کو اچھے طریقے سے کفایت کرے وہ لے لیا کرو) (صحیح بخاری حدیث نمبر 5364) صحیح مسلم حدیث نمبر (1714)

اور اجماع کی دلیل اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ علماء کرام کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ چھوٹے بڑے بچوں کا خرچہ اس وقت تک والد کے ذمہ ہے جب تک وہ مستغنی نہیں ہو جاتے۔

علماء کرام اس پر متفق ہیں کہ والد پر اس بیٹے کا کوہ خرچہ لازم نہیں جس کے پاس مال ہو اور وہ مستغنی ہو اگرچہ وہ عمر میں چھوٹا کیوں نہ ہو۔ اور اس پر بھی متفق ہیں کہ بیٹا جب بالغ ہو جائے اور کمانے پر قادر ہو تو والد پر اس کا خرچہ لازم نہیں۔ علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ اگر بیٹا فقیر اور بالغ ہو لیکن کمانے کی قدرت نہ رکھے تو اکثر علماء کرام کا خیال ہے کہ والد کے ذمہ اس کا خرچہ نہیں اس

لیے کہ وہ کماء کرنے کی قدرت و طاقت رکھتا ہے۔

اور کچھ علماء کرام کا کہنا ہے کہ بیٹا اگر فقیر اور بالغ ہو چاہے وہ کمانے کی قدرت و طاقت رکھے والد پر اس کا خرچہ واجب ہے۔

اس میں وہ دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمان دیتے ہیں: (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا تھا: اپنے دراپنے بچوں کی کفایت جتن مال لے لیا کرو)۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرمان میں بالغ اور صحیح کو مستغنی نہیں کیا، اور اس لیے کہ وہ بیٹا فقیر ہے جس کی بنا پر وہ خرچہ کا مستحق ہے کہ غنی والد اس پر خرچہ کرے جیسا کہ اگر بیٹا اندھا ہو یا مستقل مریض ہو۔ ابن تیمیہ سے پوچھا گیا: والد غنی اور والد اور اس کا بیٹا تنگ دست ہو تو کیا غنی والد اپنے تنگ دست بیٹے پر خرچ کرے گا؟ ابن تیمیہ کا جواب تھا: جی ہاں اگر بیٹا فقیر ہو اور کسی کی کرنے سے عاجز اور والد مالدار ہو تو بیٹے پر بہتر اور اچھے طریقے سے خرچ کرنا لازم ہے۔ یہ مختصر لکھ گیا ہے

علماء کرام کا اس پر بھی اختلاف ہے کہ اگر غنی بالغ ہو جائے تو کیا والد کے ذمہ اس کا خرچہ ہے کہ نہیں؟ اکثر علماء کرام کا کہنا ہے کہ شادی تک اس پر خرچہ لازم ہے، اور یہی قول اقرب الی الصواب ہے اس لیے کہ وہ کمائی کرنے سے عاجز ہے، واللہ اعلم۔

علماء کرام کے کلام کا مجمل طور پر مفہوم یہی ہے، آپ کچھ نصوص اور ان کے دلائل جن سے علماء کرام نے استدلال کیا ہے مندرجہ ذیل کتب میں دیکھ سکتے ہیں

(علماء شافعیہ: کتاب الام) (8 / 340) علماء مالکیہ: المدونہ (2 / 263) اور تبیین المسائل شرح تدریب المسائل (3 / 244)۔ علماء حنفیہ: المسوط (5 / 223)۔ علماء حنابلہ: المغنی ابن قدامہ (8 / 171)

کس صورت میں عورت کو خرچ ملے گا؟

(وَإِنْ امْتَسَعَتْ مِنْ تَسْلِيمِ نَفْسِهَا حَتَّى يُعْطِيَهَا مَهْرَهَا فَلَهَا النَّفَقَةُ) لِأَنَّهُ مَنَعَ بِحَقِّ فَكَانَ قَوْلُ الْإِحْتِسَاسِ لِمَعْنَى مِنْ قَبْلِهِ فَيَجْعَلُ كَلَامًا قَائِلًا: (وَإِنْ نَشَرْتَ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا حَتَّى تَعُوذَ إِلَى مَنْزِلِهِ) لِأَنَّ قَوْلَ الْإِحْتِسَاسِ مِنْهَا، وَإِنْ عَادَتْ جَاءَ الْإِحْتِسَاسُ فَتَجِبُ النَّفَقَةُ، بِخِلَافِ مَا إِذَا امْتَسَعَتْ مِنَ التَّمَكُّنِ فِي بَيْتِ الزَّوْجِ لِأَنَّ الْإِحْتِسَاسَ قَائِمًا وَالزَّوْجُ يَقْدِرُ عَلَى الْوُطْءِ كَرَاهًا.

ترجمہ

اور اگر عورت اپنے آپ کو اس وقت تک مرد کے حوالے کرنے سے انکار کر دے جب تک مرد اس کا مہر نہیں دیدیتا تو اس دوران عورت کو خرچ ملتا رہے گا کیونکہ اس نے اپنے حق کی وجہ سے انکار کیا ہے لہذا عورت کا محبوب نہ ہونا ایسی وجہ سے ہے جو شوہر کی طرف سے پائی جا رہی ہے گویا اس عورت نے منع نہیں کیا۔ اگر عورت نا فرمانی سے کام لے تو اسے اس وقت تک خرچ نہیں ملے گا

جب تک وہ شوہر کے گھر واپس نہیں آ جاتی کیونکہ اس صورت میں محبوس ہونے کا خوف ہونا عورت کی طرف سے پایا جا رہا ہے جب وہ واپس آ جائے گی تو محبوس ہونے کا مفہوم آ جائے گا ہذا خرچ کی ادائیگی لازم ہو جائے گی۔ اس کے برعکس جب وہ شوہر کے گھر میں رہتے ہوئے صحبت کرنے سے انکار کر دیتی ہے تو اس وجہ سے خرچ ساقط نہیں ہوگا کیونکہ احتباس موجود ہے اور شوہر اس کی رضا مندی کے بغیر بھی اس کے ساتھ صحبت کر سکتا ہے۔

شرح

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: "جب نان و نفقہ ادا نہ کرنے کے باوجود بیوی رہنے پر راضی ہو جائے تو بیوی پر لازم نہیں کہ وہ خاوند کو اپنے نزدیک آنے دے؛ کیونکہ خاوند اسے اس کا عوض نہیں دے رہا اس لیے بیوی پر اپنا آپ خاوند کے سپرد کرنا لازم نہیں، بالکل اسی طرح جیسے کوئی خریدار کسی خریدی ہوئی چیز کی قیمت ادا نہ کر سکے تو خریدی ہوئی چیز خریدار کے سپرد کرنا واجب نہیں۔ اس بنا خاوند کو چاہیے کہ وہ بیوی کا راستہ چھوڑ دے تاکہ وہ اپنے نان و نفقہ کا بندوبست کر سکے، کیونکہ اسے نفقہ کے بغیر روکے رکھنا اس کے لیے نقصان دہ ہے۔"

اور اگر بیوی ملکہ اور بھی ہو تو خاوند کو اسے روکنے کا حق نہیں، کیونکہ اسے روکنے کا حق تو اس صورت میں ہوگا جب وہ اس کے اخراجات برداشت کرے، اور جس کے بغیر وہ نہیں رہ سکتی اس کی ضروریات پوری کرے، اور اس سے استمتاع کی اپنی ضرورت کی وجہ سے، لہذا جب یہ دونوں چیزیں نہ پائی جائیں تو خاوند اسے روکنے کا حق نہیں رکھتا۔ (المغنی (8) / (165))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور بیوی آنے سے انکار کر دے اور خاوند اس پر ناراضگی کی حالت میں ہی رات بسر کر دے تو اس عورت پر صبح ہونے تک فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں) (صحیح بخاری بدء المثلح حدیث نمبر (2998))

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جب عورت اپنے خاوند کا بستر چھوڑ کر رات بسر کرے تو اس کے واپس آنے تک فرشتے اس عورت پر لعنت کرتے رہتے ہیں) (صحیح بخاری کتاب النکاح حدیث نمبر (4795)) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو شخص بھی اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور اس کی بیوی آنے سے انکار کر دے تو آسمان والا اس پر ناراض رہتا ہے حتیٰ کہ اس کا خاوند اس سے راضی ہو جائے) (صحیح مسلم کتاب النکاح حدیث نمبر (1736))

طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جب خاوند اپنی بیوی کو اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے بلائے تو اسے آنا چاہیے، اگر چہ وہ خود پر ہی کیوں نہ ہو) سنن ترمذی کتاب الرضاع حدیث نمبر (1080) اور جب عورت اپنے خاوند کے ساتھ رات گزارنے اور اس کے بستر میں جانے سے رک جائے تو اس کا حق نفقہ اور تقسیم کا حق

بھی ختم ہو جاتا ہے کیونکہ نفقہ تو استمتاع کے بدلے میں ہے، اور ایسی عورت کو اپنے خاوند کی نافرمانی کہا جائے گا۔ البیہوتی کا کہنا ہے: نشوز یہ ہے کہ عورت اپنے خاوند کو اپنے استمتاع سے منع کر دے یا اس کی بات زنج ہو کر تسلیم کرے، مثلاً جب وہ اسے بلائے تو حیل و حجت سے کام لے، یا پھر اس کی بات اس وقت تک تسلیم نہ کرے جب تک خاوند اسے مجبور نہیں کرتا (شرح منہی الارادات للبیہوتی (3 / 55))

اور جب بیوی نافرمانی کرنے لگے تو اس کا نفقہ ختم اس لیے کہ نفقہ تو اطاعت اور اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کرنے کے عوض میں تھا۔

اور نشوز یہ ہے کہ بیوی پر جو خاوند کے حقوق میں سے واجب ہیں وہ ان میں خاوند کی نافرمانی کرنے لگے تو اسے نشوز کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے بھی خاوند کے لیے یہ بیان کیا ہے کہ اسے بیوی کی نافرمانی کی حالت میں کیا کرنا چاہیے اسی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(اور جن عورتوں کی نافرمانی اور بددماغی کا تمہیں ڈر اور غم نہ ہو انہیں نصیحت کرو، اور انہیں الگ بستروں پر چھوڑ دو، اور انہیں ماری سزا دو، پھر اگر وہ تمہاری بات تسلیم کر لیں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ بڑی بلندی اور بڑائی والا ہے) (النساء (34))

فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے کہ: اگر نافرمانی کرنے والی بیوی وعظ و نصیحت اور اسے بستر میں علیحدگی یعنی جب تک وہ اپنی نافرمانی پر قائم ہے اس سے اللہ تعالیٰ کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے (اور انہیں الگ بستروں میں چھوڑ دو) مضاجعت اور تین دن تک کلام نہ کرنے کے باوجود وہ اپنی نافرمانی پر مصر ہے تو اسے ماری سزا دی جائے گی لیکن ماری میں سختی نہیں ہونی چاہیے۔

اور خاوند کے لیے اس حالت میں اسے طلاق دینا جائز ہے، المراد وہی رحمہم اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: بیوی کے برے اخلاق اور اس کی سوء معاشرت وغیرہ کے سبب سے ضرورت کے وقت طلاق دینا مباح ہے، اور اسی طرح اس سے تنگی ہونے اور غرض پوری نہ ہونے کے وقت، ان کا کہنا ہے کہ اس حالت میں بغیر کسی اختلاف کے طلاق مباح ہے۔ (الانصاف (8 / 430))

اور اگر وہ آپ سے نفرت کرنے لگی اور آپ سے کراہت کرنے لگی ہے جس کا آپ حل نہیں نکال سکتے تو اس وقت طلاق دینا مستحب ہے، اس لیے کہ اس حالت میں نکاح باقی رکھنے سے بیوی کو نقصان ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

(نذوق کسی کو نقصان دو اور نہ ہی خود نقصان اٹھاؤ) (الملخص الفقہی (2 / 305))

اور ایسی حالت میں طلاق دینے میں کوئی گناہ نہیں، اور آپ کی مالی مشکلات کے بارہ میں گزارش یہ ہے کہ آپ کے لیے جائز ہے کہ آپ ایسی عورت سے عیادی کر لیں جو اپنا خرچہ خود برداشت کر سکتی ہو یا پھر آپ کی کچھ مالی مسوئیت سے ہی گزارے کرنے پر راضی ہو جائے۔

اور اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ آپ اپنی پہلی بیوی سے کچھ معاملات پر صلح کر لیں اور بیوی کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ اپنے کچھ

حقوق خاوند کو چھوڑ دے جس میں نفقہ اور تقسیم وغیرہ شامل ہوں تاکہ وہ اسے طلاق نہ دے اور اپنے پاس ہی رکھے۔

اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور اگر عورت اپنے خاوند کی تاثراتی سے ڈرے یا پھر اسے اس کے اعراض کا ڈر ہو تو ان دونوں پر کوئی حرج نہیں کہ وہ صبح کر لیں اور صبح کرنا ہی بہتر ہے) عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرمان ہے کہ یہ اس طرح ہے کہ عورت کسی شخص کے پاس ہو اور اس کا خاوند اسے طلاق دینا چاہے وہ بیوی اسے کہے کہ مجھے اپنے پاس ہی رکھو اور طلاق نہ دو مجھ پر نفقہ و تقسیم میں تجھے آزادی ہے۔ (الملخص الفقہی 2 / 296)

نابالغ بیوی کے نفقہ کا بیان

(وَأَنَّ كَانَتْ صَغِيرَةً لَا يَسْتَمْتَعُ بِهَا فَلَا نَفَقَةٌ لَهَا) لِأَنَّ افْتِسَاعَ الْإِسْتِمْتَاعِ لِمَعْنَى فِيهَا، وَالْإِحْتِسَاسُ الْمُسَوِّجُ مَا يَكُونُ وَبِئْسَ إِلَى مَقْصُودٍ مُسْتَحَقٍّ بِالنِّكَاحِ وَلَمْ يُؤْخَذْ بِخِلَافِ الْمَرِيضَةِ عَلَى مَا نَبَّيْ. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَهَا النِّفَقَةُ لِأَنَّهَا عَوَّضٌ مِنَ الْمِلْكِ عِنْدَهُ كَمَا فِي الْمَمْلُوكَةِ بِمِلْكِ الْيَمِينِ. وَلَسَا أَنْ الْمَهْرَ عَوَّضٌ عَنِ الْمِلْكِ وَلَا يَجْتَمِعُ الْعَوَّضَانِ عَنْ مَعْوَضٍ وَاحِدٍ فَلَهَا الْمَهْرُ دُونَ النِّفَقَةِ.

ترجمہ

اور اگر عورت نابالغ ہو اور اتنی کم سن ہو کہ اس کے ساتھ صحبت نہ کی جاسکتی ہو مرد پر اس کا خرچ واجب نہیں ہوگا کیونکہ صحبت میں رکاوٹ ایک ایسی علت ہے جو عورت میں پائی جا رہی ہے اور خرچ اس اعتبار کی وجہ سے واجب ہوتا ہے جو نکاح کے مطلوب تک رسائی کا ذریعہ بن سکتا ہو لیکن یہ اعتبار اس نوعیت کا نہیں ہے اس لیے اس میں خرچ بھی واجب نہیں ہوگا۔ تاہم بیمار بیوی کا حکم اس سے مختلف ہے اس کا خرچ ساقط نہیں ہوگا ہم عنقریب اس کی وضاحت کریں گے۔ امام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے: نابالغ بیوی کو بھی خرچ ملے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ امام شافعی کے نزدیک خرچ شوہر کی ملکیت کے عوض میں ہوتا ہے جیسا کہ کثیر کا خرچ اس کے مالک کے ذمے ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک مہر ملک کا عوض ہوتا ہے اور ایک ہی چیز کے دو عوض نہیں ہو سکتے ہیں اس لیے نابالغ لڑکی مہر کی حقدار ہوگی خرچ کی حقدار نہیں ہوگی۔

شرح

إحتباس

عربی زبان سے اسم مشتق ہے، مثلاً مزید فیہ کے باب افتعال سے مصدر ہے اردو میں بطور حاصل مصدر مستعمل ہے۔ اردو میں 1874ء کو انیس کے مجموعے "مراثی" میں مستعمل ملتا ہے۔

اگر خاوند نابالغ فقیر یا پانچ ہو تو اسکی بیوی کا نفقہ نابالغ کے والد کے ذمہ ہے۔ (در مختار، باب النفقہ مطبع مجتہائی دہلی)

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

بروہ عورت جس کا خرچ اور نفقہ خاوند پر لازم نہیں مثلاً جس عورت کی رخصتی نہیں ہوئی اور خاوند کے سپرد نہیں کی گئی، اور وہ چھوٹی عمر کی بچی جس سے استمتاع کرنا ممکن نہیں، تو اس کا خرچ خاوند کے ذمہ لازم نہیں، اور نہ ہی اس کا فطرانہ خاوند کے ذمہ ہے، کیونکہ وہ ان میں شامل نہیں ہوتی جن کی معونت خاوند کے ذمہ ہے۔ (المغنی 2 / 361)

اور بھوتی رحمہ اللہ کہتے ہیں: جس کا نفقہ خاوند کے ذمہ لازم نہیں ان کا فطرانہ بھی خاوند پر لازم نہیں آتا، مثلاً وہ بیوی جس سے جوں نہیں ہوا اور اس نے اپنا آپ خاوند کے سپرد نہیں کیا۔ (کشاف القناع 2 / 252)

گزرے ہوئے دنوں کا نفقہ

نفع کے باب میں ایک قابل ذکر مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرد نے ایک عرصے تک نفقہ ادا نہیں کیا، حالاں کہ بیوی نے نفقہ معاف نہیں کیا تھا، تو سوال یہ ہے کہ گزرے ہوئے دنوں کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلے میں فقہاء احناف کا عمومی رجحان یہ ہے کہ نفقہ صل میں تبرع ہے نہ کہ عوض۔ اس لیے گزرے ہوئے دنوں کا نفقہ دو ہی صورتوں میں واجب ہوگا، یا تو پہلے سے قاضی نے نفع کا فیصلہ کر دیا ہو اور فیصلے کے باوجود شوہر نے نفقہ ادا نہ کیا ہو تو گزشتہ ایام کا نفقہ بھی واجب ہوگا۔ یا زوجین کے درمیان پہلے نفقے کی دائی کے سلسلے میں کوئی معاہدہ ہوا ہو اور شوہر نے اس معاہدے کے مطابق عمل نہ کیا ہو، اگر قضا یا قضی یا صلح یا تراضی پہلے سے موجود نہ ہو تو گزرے ہوئے دنوں کا نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ (رد المحتار، مجمع الانہر) دوسرے فقہاء نفقہ کو شوہر کو حاصل حق احتباس کا عوض قرار دیتے ہیں۔ اس لیے ان کے نزدیک گزرے ہوئے وقت کا نفقہ بھی واجب ہوگا۔

(حاشیۃ الدسوقی: روضة الطالبین: ۱، المغنی)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اگر بیوی اتنی کم سن ہو کہ اس کے ساتھ صحبت نہ کی جاسکتی ہو تو احناف اس بات کے قائل ہیں: ایسی صورت میں بیوی کو خرچ نہیں ملے گا اس کی وجہ یہ ہے یہاں تمتع میں رکاوٹ عورت کی طرف سے پائی جا رہی ہے اس لیے اگرچہ یہاں پر ظاہری طور پر احتباس کی صورت موجود ہے لیکن کیونکہ وہ ناقص ہے اس وجہ سے وہ عورت خرچ کی حقدار نہیں ہوتی کیونکہ خرچ اسی احتباس کی وجہ سے لازم ہوتا ہے جو اصل مقصود کا وسیلہ بن سکتا ہو اس میں نکاح کے اصل مقصد یعنی صحبت کرنے کی قدرت حاصل ہو اور یہاں احتباس کامل نہیں ہے کیونکہ اس نابالغ لڑکی کے ساتھ صحبت نہیں کی جاسکتی اس لیے اس وجہ سے اس کا خرچ لازم نہیں ہوگا۔

اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے اگر بیوی بیمار ہو جاتی ہے اور اس وجہ سے اس کے ساتھ صحبت نہیں کی جاسکتی تو یہاں بھی رکاوٹ عورت کی طرف سے پائی جا رہی ہے تو پھر آپ ایسے عالم میں عورت کو خرچ کا حقدار کیوں قرار دیتے ہیں؟ مصنف یہ فرماتے ہیں: بیمار عورت کا حکم اس سے مختلف ہے اس کی ہم مزید وضاحت آگے چل کر کریں گے۔

امام شافعی رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں: نابالغ بیوی کو خرچ ملے گا اس کی وجہ یہ ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک خرچ کی ادائیگی



”تمتع“ کی ملکیت کے عوض میں ہوتی ہے اور کیونکہ شوہر اپنے شوہر ہونے کی وجہ سے بیوی سے ”تمتع“ کا مالک بن چکا ہے اس لیے اس پر خرچ کی ادائیگی بھی لازم ہوگی بالکل اسی طرح جیسے اگر کوئی شخص کسی کنیز کے خرید لیتا ہے تو وہ کنیز اگرچہ نابالغ ہو اس کنیز کے خرچ کی ادائیگی اس پر لازم ہو جاتی ہے کیونکہ اسے ”تمتع“ کا حق حاصل ہو چکا ہے۔

احناف یہ دلیل پیش کرتے ہیں اس ملکیت کا عوض مہر ہوتا ہے اور کیونکہ ایک چیز کے دو عوض نہیں ہو سکتے اس لیے آپ اس ملکیت کا عوض مہر اور خرچ دونوں کو قرار نہیں دے سکتے اگر آپ خرچ کی ادائیگی کو اس ملکیت کا عوض قرار دیتے ہیں تو پھر آپ مہر کو کس چیز کا عوض قرار دیں گے؟ تو کیونکہ مہر اس ملکیت کا عوض ہے لہذا خرچ کی ادائیگی اس ملکیت کا عوض نہیں ہوگی اس لیے اس کی نابالغ بیوی کو مہر مل جائے گا لیکن خرچ نہیں ملے گا۔

نابالغ شوہر کی بالغ بیوی کے نفقہ کا بیان

(وَإِنْ كَانَ الزَّوْجُ صَغِيرًا لَا يَقْدِرُ عَلَى الْوُطْءِ وَهِيَ كَبِيرَةٌ فَلَهَا النِّفْقَةُ مِنْ مَالِهِ)  
لِأَنَّ التَّسْلِيمَ قَدْ تَحَقَّقَ مِنْهَا، وَإِنَّمَا الْعَجْزُ مِنْ قِبَلِهِ فَصَارَ كَالْمَجْبُوبِ وَالْعَيْنِ.

ترجمہ

اور اگر شوہر اتنا کم سن ہو کہ محبت کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اور بیوی اس سے عمر میں بڑی ہو تو اس بیوی کو اس شوہر کے مال میں سے خرچ ملے گا کیونکہ عورت کی طرف سے اپنے آپ کو سپرد کرنا ثابت ہو گیا ہے اور عذر شوہر کی طرف سے پایا جا رہا ہے اس لیے وہ مجبور یا عین کی مانند شمار کیا جائیگا۔

حق تسلیم کے سبب نفقہ ہونے کا بیان

علامہ علاء الدین جنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جس عورت سے نکاح صحیح ہوا اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے عورت مسلمان ہو یا کافرہ، آزاد ہو یا مکاتبہ بحتج ہو یا مالدار، دخول ہو یا نہیں، بالغ ہو یا نابالغ مگر نابالغ میں شرط یہ ہے کہ جماع کی طاقت رکھتی ہو یا مضطرب ہو۔ اور شوہر کی جانب کوئی شرط نہیں خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو اس پر نفقہ واجب ہے اس کے مال سے دیا جائے گا۔ اور اگر اس کی ملک میں مال نہ ہو تو اس کی عورت کا نفقہ اس کے باپ پر واجب نہیں ہاں اگر اس کے باپ نے نفقہ کی ضمانت کی ہو تو باپ پر واجب ہے شوہر عین ہے یا اس کا عضو متاثر نہ ہو یا عیض ہے کہ جماع کی طاقت نہیں رکھتا یا ج کو گیا ہے جب بھی نفقہ واجب ہے۔ نابالغ جو قابل جماع نہ ہو اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں، خواہ شوہر کے یہاں ہو یا اپنے باپ کے گھر جب تک قابل دلی نہ ہو چائے ہاں اگر اس قابل ہو کہ خدمت کر سکے یا اس سے اس حاصل ہو سکے اور شوہر نے اپنے مکان میں رکھا تو نفقہ واجب ہے اور نہیں رکھا تو نہیں۔ (درمکار، باب نفقہ زوجہ، ج ۵، ص ۲۸۰، بیروت)

محسوس وجہ کے نفقہ کا بیان

(وَإِذَا حُبِسَتْ الْمَرْأَةُ فِي دَيْنٍ فَلَا نَفْقَةَ لَهَا) لِأَنَّ قُوَّتَ الْإِحْتِسَاسِ مِنْهَا بِالْمَمَاطِلَةِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مِنْهَا بِأَنَّ كَانَتْ عَاجِزَةً فَلَيْسَ مِنْهُ، وَكَذَا إِذَا غَضِبَهَا رَجُلٌ كَرِهًا فَذَهَبَ بِهَا.

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ لَهَا النِّفْقَةَ، وَالْفَتَاوَى عَلَى الْأَوَّلِ لِأَنَّ قُوَّتَ الْإِحْتِسَاسِ لَيْسَ مِنْهُ لِيُحْعَلَ بَاقِيًا تَقْدِيرًا، وَكَذَا إِذَا حَبَّتْ مَعَ مُحْرَمٍ لِأَنَّ قُوَّتَ الْإِحْتِسَاسِ مِنْهَا.

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ لَهَا النِّفْقَةَ لِأَنَّ إِقَامَةَ الْفَرْضِ عُذْرٌ، وَلَكِنْ تَجِبُ عَلَيْهِ نَفْقَةُ الْحَضَرِ دُونَ السَّفَرِ لِأَنَّهَا هِيَ الْمُسْتَحَقَّةُ عَلَيْهِ، وَلَوْ سَافَرَ مَعَهَا الزَّوْجُ تَجِبُ النِّفْقَةُ بِالِاتِّفَاقِ لِأَنَّ الْإِحْتِسَاسَ قَائِمٌ لِقِيَامِهِ عَلَيْهَا وَتَجِبُ نَفْقَةُ الْحَضَرِ دُونَ السَّفَرِ، وَلَا يَجِبُ الْكَرَاءُ لِمَا قُلْنَا (فَإِنْ مَرِضَتْ فِي مَنْزِلِ الزَّوْجِ فَلَهَا النِّفْقَةُ) وَالْقِيَاسُ أَنَّ لَا نَفْقَةَ لَهَا إِذَا كَانَ مَرَضًا يَمْنَعُ مِنَ الْجَمَاعِ لِقُوَّتِ الْإِحْتِسَاسِ لِلِاسْتِمْتَاعِ.

وَجُزْءُ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّ الْإِحْتِسَاسَ قَائِمٌ فَإِنَّهُ يَسْتَأْنِسُ بِهَا وَيَمْسُهَا وَتَحْفَظُ الْبَيْتَ، وَالْمَنْعُ بِعَارِضٍ فَاشْتَبَهَ الْحَيْضَ.

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهَا إِذَا سَلَمَتْ نَفْسَهَا ثُمَّ مَرِضَتْ تَجِبُ النِّفْقَةُ لِتَحَقُّقِ التَّسْلِيمِ، وَلَوْ مَرِضَتْ ثُمَّ سَلَمَتْ لَا تَجِبُ لِأَنَّ التَّسْلِيمَ لَمْ يَصِحَّ قَالُوا هَذَا حَسَنٌ.

وَفِي لَفْظِ الْكِتَابِ مَا يُشِيرُ إِلَيْهِ.

ترجمہ

جب کوئی عورت کسی قرض کی وجہ سے محسوس ہو تو اس کا خرچ بند کرنے والے کے ذمے نہیں ہوگا کیونکہ احتباس کا زائل ہونا عورت کی طرف سے پایا جا رہا ہے کیونکہ اس نے قرض کی ادائیگی میں تاخیر کی ہے لیکن اگر احتباس کا زائل ہونا عورت کی طرف سے نہ ہو یعنی وہ عورت قرض کی ادائیگی نہ کر سکتی ہو تو شوہر سے خرچ کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص عورت کو زبردستی لے جائے تو اس کا خرچ شوہر کے ذمے نہیں ہوگا۔ امام ابو یوسف نے یہ بات بیان کی ہے۔ اس کا خرچ شوہر کے ذمے ہوگا لیکن

فتویٰ پہلے قول پر ہے کیونکہ احتباس کا زائل ہونا شوہر کی طرف سے نہیں ہے اس لیے حکمی طور پر یہ برقرار رہے گا۔

اسی طرح اگر کوئی عورت اپنے کسی محرم کے ساتھ حج کے لئے چلی جاتی ہے تو اس کا خرچ ساقط ہو جائے گا کیونکہ احتباس زائل کرنے کا مفہوم عورت کی طرف سے پیدا ہوا ہے۔ امام ابو یوسف اس صورت میں بھی خرچ لازم ہونے کے قائل ہیں کیونکہ شرعی فرض کی تکمیل ایک عذر ہے اس لیے شوہر پر حضر کا خرچ لازم ہوگا سفر کا خرچ لازم نہیں ہوگا اس کی وجہ یہ ہے شوہر پر یہی چیز لازم ہے۔

اگر بیوی شوہر کے ساتھ سفر کرتی ہے تو اس بات پر اتفاق ہے خرچ شوہر کے ذمے ہوگا کیونکہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ہے اس لیے احتباس کا مفہوم پایا جا رہا ہے۔ تاہم وہ سفر کے دوران اتنا ہی خرچ دے گا جتنے حضر میں دیتا تھا سفر کے لئے کوئی اضافی طور پر خرچ نہیں دیا جائے گا اور کرائے کی ادائیگی شوہر کے ذمے نہیں ہوگی جیسے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اگر بیوی شوہر کے گھر میں بیمار ہو جاتی ہے تو اسے خرچ ملے گا۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے اگر بیماری کی نوعیت ایسی ہو جو صحبت میں رکاوٹ ہو تو اسے خرچ نہ دیا جائے کیونکہ تمتع کا احتباس ختم ہو گیا ہے تاہم استحسان کے پیش نظر یہ ساقط نہیں ہوگا کیونکہ احتباس کا مفہوم موجود ہے اور شوہر اس سے انوس ہے اسے ہاتھ لگا سکتا ہے وہ عورت اس کے گھر کی حفاظت کرتی ہے یہاں تک صحبت میں رکاوٹ کا تعلق ہے تو وہ دھارنے کی وجہ سے ہے تو یہ عارضہ حیض کے مشابہہ قرار دیا جائے گا۔

امام ابو یوسف نے یہ بات بیان کی ہے اگر عورت ایک مرتبہ اپنے آپ کو شوہر کے سپرد کر دے اور پھر بیمار ہو جائے تو پردگی ثابت ہونے کی وجہ سے خرچ کی ادائیگی لازم رہے گی۔ لیکن اگر عورت پہلے بیمار ہوئی ہو اور پھر اس نے خود کو شوہر کے سپرد کیا تو خرچ لازم نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں پردگی درست نہیں ہے۔ ہمارے مشائخ نے یہ بات بیان کی ہے یہ قول بہترین ہے امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

### قید ہونے کی بیوی کا سقوط نفقہ کا فقہی بیان

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عورت اگر قید ہوگئی اگرچہ بطور ظلم تب بھی شوہر پر نفقہ واجب نہیں ہاں اگر خود شوہر کا عورت پر ذین تھا اسی نے قید کرایا تو ساقط نہ ہوگا۔ یونہی اگر عورت کو کوئی اٹھالے گیا یا چھین لے گیا جب بھی شوہر پر نفقہ واجب نہیں۔ عورت حج کے لیے گئی اور شوہر ساتھ نہ ہو تو نفقہ واجب نہیں اگرچہ محرم کے ساتھ گئی ہو اگرچہ حج فرض ہو۔ اگرچہ شوہر کے مکان پر رہتی تھی۔ اور اگر شوہر کے ہمراہ ہے تو نفقہ واجب ہے حج فرض ہو یا نفل مگر سفر کے مطابق نفقہ واجب نہیں بلکہ حضر کا نفقہ واجب ہے، لہذا اگر ایہ وغیرہ مصارف سفر شوہر پر واجب نہیں ہے۔ (جوہرہ تیرہ، باب نفقہ)

### حالت قید کے سبب حالت احتباس کے ختم ہونے کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کسی شخص کی بیوی نے کسی دوسرے شخص کا قرض ادا کرنا تھا اور قرض کی عدم ادائیگی کی

جسے اس عورت کو قید کر دیا گیا تو اب اس عورت کے قید ہونے کی وجہ سے شوہر کے گھر میں احتباس کی صورت ختم ہوگئی ہے اس لیے قید کے دوران اس کے خرچ کی ادائیگی اس کے شوہر پر لازم نہیں ہوگی کیونکہ یہاں احتباس میں رکاوٹ عورت کی طرف سے نہیں ہے کیونکہ اگر وہ قرض کو بروقت ادا کر دیتی تو اسے قید نہ کیا جاتا۔

یہاں مصنف نے اس مسئلے کی وضاحت کی ہے اگرچہ عورت خود بھی اس قرض کو ادا کرنے سے باز ہو تو بھی شوہر سے وہ قرض کا مطالبہ نہیں کر سکتی کیونکہ اس صورت میں اس عورت کا قرض بینا اس احتباس میں رکاوٹ کا سبب بن جائے گا اور کیونکہ یہ عورت کی طرف سے پیدا ہوا ہے اس لیے وہ خرچ کی حقدار نہیں ہوگی۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی بیوی کو غصب کر لیتا ہے یعنی کسی شخص کی بیوی کسی دوسرے شخص کی بیوی تھی اور کسی تیسرے شخص نے اسے غصب کر لیا اب وہ عورت شوہر سے خرچ ملنے کی حقدار نہیں ہوگی۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ بھی نقل کی گئی ہے ایسی عورت کو خرچ ملے گا کیونکہ وہ احتباس فوت ہونے کے بعد ہے۔

پہلے قول کی دلیل یہ پیش کی گئی ہے جب بھی احتباس میں رکاوٹ شوہر کی طرف سے نہ ہو تو عورت خرچ کی حقدار قرار نہیں دیا جائے جس عورت کو غصب کیا گیا ہے اس میں بھی احتباس میں رکاوٹ شوہر کی طرف سے نہیں ہے اس لیے اس عورت کو خرچ نہیں دیا جائے گا۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس بات کے قائل ہیں ایسی عورت کو خرچ ملے گا وہ یہ فرماتے ہیں جس طرح فرض کی ادائیگی کی وجہ سے عورت کو معذور قرار دیا جاتا ہے یعنی اگر عورت پر حج فرض ہو جائے تو اب وہ حج کرنے کے لیے جاتی ہے تو اس کا خرچ شوہر سے لازم ہوتا ہے لیکن یہ خرچ بھی قیام کے دوران یعنی حضر کی حالت میں لازم ہوتا ہے سفر کی حالت کا لازم نہیں ہوتا کیونکہ حبث کے الفاظ "من سب طور پر" میں صرف حضر کا خرچ شامل ہوگا کیونکہ اگر سفر کے خرچ کی ادائیگی بھی شوہر کے ذمے لازم کر دی جائے تو یہ اس کے لیے بہت بھاری ہو جائے گی۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اگر عورت کے سفر میں اس کا شوہر بھی اس کے ساتھ ہو تو اس صورت میں عورت کو ضرور خرچ دیا جائے گا تاہم اس بارے میں حکم یہی ہے کسی جگہ پر قیام کے دوران کھانے پینے وغیرہ کے حوالے سے جو خرچ ہوتا ہے اس کی ادائیگی شوہر پر لازم ہوگی البتہ اگر شوہر احسان کے طور پر بیوی کے دیگر اخراجات ادا کرے تو یہ زیادہ بہتر ہے لیکن بیوی کے اخراجات کے کرائے کی ادائیگی شوہر پر لازم نہیں ہوگی۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اگر کوئی عورت شوہر کے گھر میں بیمار ہو جاتی ہے تو استحسان کے پیش نظر وہ بیماری کے دوران کے دوران خرچ کی حقدار ہوگی اگر وہ کوئی ایسا مرض ہے جس کی وجہ سے شوہر اس کے ساتھ صحبت کرنے کے قابل نہیں رہتا تاہم تقاضا تو یہ تھا ایسی عورت کو بھی خرچ نہ ملے کیونکہ یہاں احتباس میں فوت ہونے کا پہلو عورت کی طرف سے پیدا ہو رہا ہے

کیونکہ مرد اس سے تمتع نہیں کر سکتا ہے۔

احسان کی دلیل یہ ہے احتیاس یہاں موجود ہے شوہر اس عورت سے انیت محسوس کر سکتا ہے اسے چھو سکتا ہے وہ عورت شوہر کے گھر کی حفاظت کر سکتی ہے بیماری کی وجہ سے جو رکاوٹ آئی ہے وہ عارضی ہے اور اس کی مثال حیض کی طرح ہو جائے گی جس طرح حیض کے دوران شوہر بیوی کے ساتھ صحبت نہیں کر پاتا لیکن اس دوران بیوی کو خرچ ملتا رہتا ہے اسی طرح بیماری کے دوران اگرچہ شوہر بیوی کے ساتھ صحبت کرنے کے قابل نہ ہو لیکن پھر بھی عورت کو خرچ ملتا رہے گا۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس بات کے قائل ہیں جب وہ عورت اپنے آپ کو شوہر کے سپرد کر دیتی ہے پھر وہ بیمار ہوتی ہے تو اب خرچ کی ادائیگی لازم ہوگی اس کی وجہ یہ ہے اس نے اپنا آپ مکمل طور پر شوہر کے سپرد کر دیا تھا لیکن اگر وہ پہلے بیمار ہوئی اور پھر پنا آپ شوہر کے سپرد کیا تو اس صورت میں خرچ کی ادائیگی لازم نہیں ہوگی اس کی وجہ یہ ہے شوہر کے سپرد کرنا مکمل طور پر پایا نہیں جا رہا فقہاء نے یہ بات بیان کی ہے یہ رائے زیادہ بہتر ہے۔

خوشحال شوہر پر بیوی کے خادم کا خرچ بھی لازم ہوگا

(قَالَ: وَيُفْرَضُ عَلَى الزَّوْجِ النِّفَقَةُ إِذَا كَانَ مُوسِرًا وَنَفَقَةُ خَادِمِهَا) الْمُرَادُ بِهَذَا بَيَانُ نَفَقَةِ الْخَادِمِ، وَلِهَذَا ذَكَرَ فِي بَعْضِ النُّسخِ: وَتُفْرَضُ عَلَى الزَّوْجِ إِذَا كَانَ مُوسِرًا نَفَقَةُ خَادِمِهَا.

وَوَجْهُهُ أَنَّ كِفَايَتَهَا وَاجِبَةٌ عَلَيْهِ، وَهَذَا مِنْ تَمَامِهَا إِذَا لَا بُدَّ لَهَا مِنْهُ (وَلَا يُفْرَضُ لِأَكْثَرِ مِنْ نَفَقَةِ خَادِمٍ وَاحِدٍ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ.

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: تُفْرَضُ لِخَادِمَيْنِ لِأَنَّهَا تَحْتَاجُ إِلَى أَحَدِهِمَا لِمَصَالِحِ الدَّخْلِ وَإِلَى الْآخَرِ لِمَصَالِحِ الْخَارِجِ.

وَلَهُمَا أَنَّ الْوَاحِدَ يَقُومُ بِالْأَمْرَيْنِ فَلَا ضَرُورَةَ إِلَى اثْنَيْنِ، وَلَآئِنَّهُ لَوْ تَوَلَّى كِفَايَتَهَا بِنَفْسِهِ كَانَ كَافِيًا، فَكَذَا إِذَا أَقَامَ الْوَاحِدُ مَقَامَ نَفْسِهِ، وَقَالُوا: إِنَّ الزَّوْجَ الْمُوسِرَ يَلْزَمُهُ مِنْ نَفَقَةِ الْخَادِمِ مَا يَلْزَمُ الْمُعْسِرُ مِنْ نَفَقَةِ امْرَأَتِهِ وَهُوَ أَذْنَى الْكِفَايَةِ.

وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ إِذَا كَانَ مُوسِرًا إِشَارَةً إِلَى أَنَّهُ لَا تَجِبُ نَفَقَةُ الْخَادِمِ عِنْدَ اعْسَارِهِ وَهُوَ رِوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، وَهُوَ الْأَصَحُّ خِلَافًا لِمَا قَالَهُ مُحَمَّدٌ

لَآنَّ الْوَاجِبَ عَلَى الْمُعْسِرِ أَذْنَى الْكِفَايَةِ وَهِيَ قَدْ تَكْتَفِي بِخِدْمَةِ نَفْسِهَا.

ترجمہ

اگر شوہر خوشحال ہو تو اس پر بیوی اور اس کے خادم کا خرچ لازم ہوگا۔ اس مسئلے کی بنیاد خادم کے خرچ کا بیان ہے یہی وجہ ہے نزدیکی کے بعض نسخوں میں یہ عبارت موجود ہے۔ ”اگر شوہر خوشحال ہو تو اس پر عورت کے خادم کا خرچ عائد کیا جائے گا۔“ اس کی وجہ یہ ہے بیوی کی کفایت شوہر پر لازم ہے اور کفایت کی تکمیل میں خادم کا خرچ بھی شامل ہوگا کیونکہ عورت کے لئے اس کے بغیر پورا نہیں ہے۔ تاہم عورت کو ایک خادم سے زیادہ خرچ نہیں ملے گا یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف نے یہ بات بیان کی ہے اس پر دو خادموں کا خرچ لازم ہوگا کیونکہ ایک خادم گھریلو کام کے لئے ہوگا اور دوسرا باہر کے کاموں کے لئے ہوگا۔ طرفین نے یہ بات بیان کی ہے ایک ہی خادم دونوں طرح کی ضروریات پوری کر سکتا ہے لہذا دو کی ضرورت نہیں ہوگی۔

دوسری وجہ یہ ہے اگر شوہر خود بیوی کے ان معاملات کی دیکھ بھال کر سکتا ہے تو یہ بھی کافی ہوگا اسی طرح جب وہ اپنی جگہ پر کسی شخص کو مقرر کر دیتا ہے (تو اسے بھی کافی ہونا چاہئے)۔ مشائخ نے یہ بات بیان کی ہے صاحب حیثیت شوہر پر خادم کا اتنا خرچ لازم ہوگا جتنا خرچ ایک غریب آدمی اپنی بیوی کو دیتا ہے اور یہ کفایت کا کم ترین درجہ ہے۔ متن کے یہ الفاظ ”جب وہ خوشحال ہو“ یہ بات کی طرف اشارہ ہے اگر شوہر غریب ہو تو خادم کا خرچ اس کے ذمے لازم نہیں ہوگا۔ امام حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ سے حدیث روایت نقل کی ہے اور یہی بات درست ہے۔ اس کے برخلاف امام محمد نے یہ بات پیش کی ہے (کہ غریب شخص پر بھی خادم کا خرچ لازم ہوگا) اس کی وجہ یہ ہے: ”مستحق شخص پر کفایت کا کم سے کم مرتبہ لازم ہوگا اور بیوی خود بھی اپنے کام کاج کر سکتی ہے۔“

نفعہ میں اصل عسر و یسر ہونے کا قاعدہ فقہیہ

واجب نفقہ میں اصل عسر و یسر ہے۔ (الہدایہ، ۴۱۷)

اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ شوہر پر بیوی کا جو نفقہ واجب ہے اس کی مقدار شوہر کے حال کے مطابق ہوگی اگر شوہر امیر دولت مند ہے تو نفقہ امراء لوگوں کی طرح ادا کرے اور اگر شوہر غریب مفلس ہے تو نفقہ غریب و مفلس لوگوں کی طرح ادا کرے، لہذا کسی غریب شخص کی بیوی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دولت مند لوگوں کی بیویوں کی طرح نفقہ کا مطالبہ کرے۔ اور کسی امیر و دولت مند شخص کی بیوی یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو غریب عورت کی طرح نفقہ دے۔

نما کا ثبوت یہ ہے۔

وعلى المولود له رزق هن وكسوتهن بالمعروف لا تكلف نفس الا وسعها (البقرہ ۲۲۳)

مردم کا بچہ ہے اس کے ذمہ دستور کے مطابق ان (ماؤں) کا کھانا اور پہننا ہے اور کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کیا جائے گا۔

نقد کی تعریف

عقد نکاح کے بعد شوہر پر بیوی کیلئے کھانا، لباس و مکان کا لازم ہونا نفقہ کہلاتا ہے جبکہ عرف و معاشرے میں محض کھانے کو کہا جاتا ہے۔

اختیار

نفقہ عروہ کے سبب سے مختلف ہوتا رہتا ہے۔

طلاق رجعی و بائنہ کے بعد بھی نفقہ۔

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی یا طلاق بائنہ دے دی تو بعد از طلاق بھی عدت میں اس پر نفقہ واجب ہوگا۔

تنگدست شخص کے ذمے بیوی کا خرچ قرض ہوگا

(وَمَنْ أَعْسَرَ بِنَفَقَةِ امْرَأَتِهِ لَمْ يَفْرُقْ بَيْنَهُمَا وَيُقَالُ لَهَا اسْتِدْنِي عَلَيْهِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَفْرُقُ، لِأَنَّهُ عَحَزَ عَنِ الْأَمْسَاكِ بِالْمَعْرُوفِ فَيَنْبُؤُ الْقَاضِي مَنَابَهُ فِي التَّفْرِيقِ كَمَا فِي الْحَبِّ وَالْعَنَةِ، بَلْ أَوْلَى لَأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى النَّفَقَةِ أَقْوَى. وَلَمَّا أَنَّ حَقَّهُ يَبْطُلُ وَحَقُّهَا يَتَأَخَّرُ، وَالْأَوَّلُ أَقْوَى فِي الضَّرَرِ، وَهَذَا لِأَنَّ النَّفَقَةَ تَصِيرُ دَيْنًا بِفَرْضِ الْقَاضِي فَتُسْتَوْفَى الزَّمَانِ الثَّانِي، وَقَوْتُ الْمَالِ وَهُوَ تَابِعٌ فِي النِّكَاحِ لَا يَلْحَقُ بِمَا هُوَ الْمَقْصُودُ وَهُوَ التَّنَاسُلُ.

وَفَائِدَةُ الْأَمْرِ بِالِاسْتِدْنَةِ مَعَ الْفَرْضِ أَنَّ يُمْكِنَهَا إِحَالَةَ الْغَرِيمِ عَلَى الزَّوْجِ، فَأَمَّا إِذَا كَانَتْ الْاسْتِدْنَةُ بِغَيْرِ أَمْرِ الْقَاضِي كَانَتْ الْمُطَالَبَةُ عَلَيْهَا دُونَ الزَّوْجِ. (وَإِذَا قَضَى الْقَاضِي لَهَا بِنَفَقَةِ الْإِعْسَارِ ثُمَّ أَيْسَرَ فَخَاصَمَتْهُ تَمَّمَ لَهَا نَفَقَةُ الْمُؤَسَّرِ) لِأَنَّ النَّفَقَةَ تَخْتَلِفُ بِحَسَبِ الْيَسَارِ وَالْإِعْسَارِ، وَمَا قَضَى بِهِ تَقْدِيرٌ لِنَفَقَةِ لَمْ تَجِبْ، فَإِذَا تَبَدَّلَ حَالُهَا فَلَهَا الْمُطَالَبَةُ بِتَمَامِ حَقِّهَا.

ترجمہ

اور اگر کوئی شخص بیوی کا خرچ ادا کرنے سے قاصر ہو جائے تو دونوں کے درمیان علیحدگی نہیں کروائی جائے گی بلکہ قاضی

سے یہ کہے گا وہ اپنے شوہر کی ذمہ داری پر قرض حاصل کر لے۔ امام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے دونوں کے درمیان علیحدگی کروا دی جائے گی کیونکہ شوہر عام روایت کے مطابق اس عورت کو اپنے ساتھ رکھنے سے عاجز ہو گیا ہے۔ اس سے تفریق کرنے میں قاضی اس کا قائم مقام قرار دیا جائے گا جیسا کہ محبوب اور عینین میں ہوتا ہے۔

بلکہ خرچ سے عاجز ہونے کی صورت میں قاضی اس کا قائم مقام ہوگا کیونکہ خرچ کی ضرورت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے اس طرح مرد کا حق مکمل طور پر باطل ہو جائے گا جبکہ عورت کا حق متاخر بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن مرد کے حق کو باطل کرنے کے نتیجے میں نقصان زیادہ ہو جائے گا کیونکہ قاضی کے مقرر کرنے کے نتیجے میں وہ خرچ مرد کے ذمے قرض بن جائے گا اور عورت اسے مستقبل میں کسی وقت وصول کر سکتی ہے۔ نیز نکاح میں مال کی حیثیت تابع کی ہوتی ہے تو اسے اس چیز کے ساتھ حق نہیں کیا جاسکتا جو نکاح کا اصل مقصد ہوتا ہے یعنی نسل کی بقاء خرچ کی ادائیگی لازم کرنے کے ساتھ قرض لینے کا حکم دینے کا فائدہ یہ ہوگا عورت قرض خواہ کو مرد کے حوالے کر دے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے عورت اگر قاضی کے حکم کے بغیر قرض لے گی تو قرض خواہ اسی سے مطالبہ کرے گا اس کے شوہر سے نہیں کرے گا۔

اگر قاضی عورت کے حق میں غریب شخص پر واجب ہونے والے خرچ کی ادائیگی کو زمر کرے اور بعد میں عورت کا شوہر خوشحال ہو جائے اور پھر عورت دعویٰ کر دے تو قاضی خوشحال شخص پر واجب ہونے والے قرض کی ادائیگی کا حکم دے گا کیونکہ خوشحالی اور تنگدستی کے عالم میں خرچ بدلتا رہتا ہے اس لیے قاضی نے جس خرچ کے بارے میں حکم دیا تھا وہ ایسے شوہر کے بارے میں تھا جو (زیادہ خرچ کا) پابند نہیں تھا لیکن جب اس کی حالت تبدیل ہو گئی تو بیوی کو پورے حق کا مطالبہ کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

ناداری نفقہ کے سبب عدم تفریق کا بیان

علامہ علاؤ الدین ہسکمی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شوہر اگر ناداری کے سبب نفقہ دینے سے عاجز ہے تو اس کی وجہ سے تفریق نہ کی جائے۔ یونہی اگر مالدار ہے مگر مال یہاں موجود نہیں جب بھی تفریق نہ کریں بلکہ اگر نفقہ مقرر ہو چکا ہے تو قاضی حکم دے کہ قرض لیکر یا کچھ کام کر کے صرف کرے اور وہ سب شوہر کے ذمہ ہے کہ اُسے دینا ہوگا۔ (درمختار، کتاب طلاق، باب نفقہ)

قال الامام المحقق على الاطلاق علامه اكمل الدين ابن همام الحنفى فى شرح عبارة المدكورة،

بِقَوْلِنَا قَالَ الزُّهْرِيُّ وَعَطَاءٌ وَابْنُ يَسَارٍ وَالْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ وَالثَّوْرِيُّ وَابْنُ أَبِي لَيْلَى وَابْنُ شُبْرَمَةَ وَحَمَادُ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ وَالظَّاهِرِيُّ، وَمَعْنَى الْاسْتِدْنَةِ أَنَّ تَشْتَرِي الطَّعَامَ عَلَى أَنْ يُؤَدَّى الزَّوْجُ ثَمَنَهُ.

وَقَالَ الْخَصَّافُ: الشَّرَاءُ بِالنِّسْبَةِ لِقَضَى الثَّمَنَ مِنْ مَالِ الزَّوْجِ، وَبِقَوْلِ الشَّافِعِيِّ

قَالَ مَالِكٌ وَأَحْمَدُ فِي ظَاهِرِ قَوْلِهِ ، وَعَنْهُ رِوَايَةٌ كَقَوْلِنَا ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْعَجَزُ عَنْ الْكِسْوَةِ وَالْعَجَزُ عَنْ الْمَسْكَنِ ، وَهَذَا التَّفْرِيقُ فَسَخَ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ ، وَأَحْمَدُ طَلَّاقٌ عِنْدَ مَالِكٍ .

وَلَوْ امْتَنَعَ عَنِ الْإِنْفَاقِ عَلَيْهَا مَعَ الْيَسْرِ لَمْ يُفَرَّقْ ، وَيَبِيعُ الْحَاكِمُ عَلَيْهِ مَالَهُ وَيَصْرِفُهُ فِي نَفَقَتِهَا ، فَإِنْ لَمْ يَحِذْ مَالَهُ بِحَبْسِهِ حَتَّى يُفِيقَ عَلَيْهَا وَلَا يَفْسَخْ ، وَعَنْ هَذَا مَا ذَكَرَ فِي النِّهَايَةِ حَيْثُ قَالَ : ثُمَّ اَعْلَمْ أَنَّ ظُهُورَ الْعَجَزِ عَنِ النَّفَقَةِ إِنَّمَا يَكُونُ إِذَا كَانَ الزَّوْجُ حَاضِرًا ، أَمَّا إِذَا غَابَ غَيْبَةً مُنْقِطَةً وَلَمْ يَخْلُفْ لَهَا نَفَقَةً فَرَفَعَتْ الْأَمْرَ إِلَى الْقَاضِي فَكَتَبَ الْقَاضِي إِلَى عَالِمٍ يَرَى التَّفْرِيقَ بِالْعَجَزِ عَنِ النَّفَقَةِ فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا هَلْ تَقَعُ الْفُرْقَةُ ؟ قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ أَبُو الْحَسَنِ السَّغْدِيُّ : نَعَمْ إِذَا تَحَقَّقَ الْعَجَزُ عَنِ النَّفَقَةِ .

قَالَ صَاحِبُ الدَّجِيرَةِ : فِي هَذَا الْحَوَاقِبِ نَظَرٌ ، وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يَصِحُّ قَصَاؤُهُ لِأَنَّ الْعَجَزَ لَا يُعْرَضُ حَالَةَ الْغَيْبَةِ لِجَوَازِ أَنْ يَكُونَ قَادِرًا لِيَكُونَ هَذَا تَرَكَ الْإِنْفَاقَ لَا الْعَجَزَ عَنْهُ ، فَإِنْ رَفَعَ هَذَا الْقَضَاءُ إِلَى قَاضٍ آخَرَ فَأَمَضَاهُ جَازَ قَصَاؤُهُ ، وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يَنْفَعُ لِأَنَّ هَذَا الْقَضَاءُ لَيْسَ فِي مُجْتَهِدٍ فِيهِ لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّ الْعَجَزَ لَمْ يَبْتِ ذِكْرُهُ فِي الْفَصْلِ الثَّانِي مِنْ فُصُولِ الْإِنْفَاقِ الْأَسْرُوشِيِّ فَتَكُونُ الشُّهُودُ

عَلِمَتْ مَجَازَهُ مُجَازَ فَتَهُمْ فَلَا يَقْضِي بِهَا كَمَا ذَكَرَهُ ظَهِيرُ الدِّينِ . وَاعْلَمْ أَنَّ الْفَسْخَ إِذَا غَابَ وَلَمْ يَتْرَكْ لَهَا نَفَقَةً يُمَكِّنُ بَغْيَ طَرِيقِ إِبْتِاحِ عَجْزِهِ بِمَعْنَى فَقْرِهِ لِيَجِيءَ مَا قَالَ وَهُوَ أَنَّ تَعَدُّرَ النَّفَقَةِ عَلَيْهَا . قَالَ الْقَاضِي أَبُو الطَّيِّبِ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ : إِذَا تَعَدَّرَتْ النَّفَقَةُ عَلَيْهَا بِغْيَتِهِ ثَبَتَ لَهَا الْفَسْخُ . قَالَ فِي الْحِلْيَةِ : وَهُوَ وَجْهٌ حَسَنٌ فَلَا يَلْزَمُ مَجِيءُ مَا قَالَ ظَهِيرُ الدِّينِ . (فتح القدیر ، ج ۹ ، ص ۴۴۵ ، بیروت)

اگر کچھ عرصہ شوہر بیوی کو خرچ نہ دے؟

(وَإِذَا مَضَتْ مُدَّةٌ لَمْ يُفِيقِ الزَّوْجُ عَلَيْهَا وَطَالَتْهُ بِذَلِكَ فَلَا شَيْءَ لَهَا إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْقَاضِيُ فَرَضَ لَهَا النَّفَقَةَ لَوْ صَالَحَتْ الزَّوْجَ عَلَى مِقْدَارٍ فِيهَا فَيَقْضَى لَهَا بِنَفَقَةِ مَا

مَضَى) لِأَنَّ النَّفَقَةَ صِلَةٌ وَلَيْسَتْ بِعَوَضٍ عِنْدَنَا عَلَى مَا مَرَّ مِنْ قَبْلُ فَلَا يُسْتَحْكَمُ الْجُورُوبُ فِيهَا إِلَّا بِالْقَضَاءِ كَالْهَبَةِ لَا تُوجِبُ الْمِلْكَ إِلَّا بِمُؤَكَّدٍ وَهُوَ الْقَبْضُ وَالصُّلْحُ بِمَنْزِلَةِ الْقَضَاءِ لِأَنَّ وَلَا يَتَّعَى عَلَى نَفْسِهِ أَقْوَى مِنْ وَلَا يَتَّعَى الْقَاضِيُ ، بِخِلَافِ الْمَهْرِ لِأَنَّهُ عَوَضٌ .

(وَإِنْ مَاتَ الزَّوْجُ بَعْدَ مَا قَضَى عَلَيْهِ بِالنَّفَقَةِ وَمَضَى شُهُورٌ سَقَطَتْ النَّفَقَةُ) وَكَذَا إِذَا مَاتَتِ الزَّوْجَةُ لِأَنَّ النَّفَقَةَ صِلَةٌ وَالصِّلَاتُ تَسْقُطُ بِالْمَوْتِ كَالْهَبَةِ تَبْطُلُ بِالْمَوْتِ قَبْلَ الْقَبْضِ .

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَصِيرُ دَيْنًا قَبْلَ الْقَضَاءِ وَلَا تَسْقُطُ بِالْمَوْتِ لِأَنَّهُ عَوَضٌ عِنْدَهُ فَصَارَ كَسَائِرِ الدُّيُونِ ، وَجَوَابُهُ قَدْ بَيَّنَّاهُ .

ترجمہ

اگر کچھ مدت گزرنے تک شوہر خرچ نہیں دیتا اور بعد میں عورت گزشتہ خرچ کا مطالبہ کر دیتی ہے تو صرف دو صورتوں میں اسے بوجھل سکتا ہے ورنہ کچھ نہیں ملے گا۔ ایک صورت یہ ہے۔ قاضی نے اس کے لئے مخصوص مقدار مقرر کی ہو۔ دوسری صورت یہ ہے۔ عورت نے خرچ کی مخصوص مقدار کے بارے میں مرد کے ساتھ مصالحت کی ہو۔

ان دونوں صورتوں میں قاضی عورت کے لئے گزشتہ خرچ کی ادائیگی کا حکم دے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ خرچ بہرہ کی حیثیت رکھتا ہے یعنی عطیہ اور احسان کے طور پر دیا جاتا ہے۔ یہ ہمارے نزدیک ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یہ ملکیت کا عوض نہیں ہوتا اس لیے اس کا لازم ہونا صرف قاضی کے فیصلے کے نتیجے میں مستحکم ہوگا جیسا کہ بہرہ کی صورت میں ہوتا ہے یعنی جب تک اسے مضبوط کرنے والی چیز یعنی اپنے قبضے میں لینا نہ پایا جائے اس وقت تک ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔ میں بیوی کا کسی مخصوص مقدار پر مصالحت کر لینا بھی قاضی کے فیصلے کے مترادف ہوگا کیونکہ شوہر اپنی ذات پر قاضی سے زیادہ تصرف کرنے کا حق رکھتا ہے جبکہ مہر کا حکم اس کے برخلاف ہے کیونکہ وہ تو ملکیت کا عوض ہوتا ہے۔

اگر شوہر کو خرچ کا حکم دیا گیا اور کچھ عرصے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا پھر چند ماہ گزر گئے تو خرچ ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر بیوی انتقال کر جاتی ہے تو یہی حکم ہوگا کیونکہ خرچ تو ایک عطیہ ہے اور اس نوعیت کے عطیات موت کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ جیسے کوئی شخص کسی کو کوئی چیز ہبہ کرے لیکن جس کو ہبہ کی گئی تھی اس شخص کے اس چیز کو قبضے میں لینے سے پہلے ہبہ کرنے والا شخص انتقال کر جائے تو یہ ہبہ باطل ہو جائے گا۔



ام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے خراج کی ادائیگی قاضی کے فیصلے سے پہلے بھی شوہر کے ذمے قرض کی صورت میں تھی اس لیے اس کی موت کی وجہ سے یہ ساقط نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ امام شافعی کے نزدیک یہ خراج عوض کا درجہ رکھتا ہے لہذا یہ دوسرے قرضوں کی مانند ہو جائے گا (جو موت کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتے) اس کا جواب ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

عدم دعویٰ کے سبب سقوط نفقہ کا بیان

علامہ قاضی خاں حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب تک عورت سن ایاس کو نہ پہنچے اس کی عدت تین حیض ہے جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا اور اگر اس عمر سے پہلے کسی وجہ سے جوان عورت کو حیض نہیں آتا تو اس کی عدت کتنی ہی طویل ہو زمانہ عدت کا نفقہ واجب ہے یہاں تک کہ اگر سن ایاس تک حیض نہ آیا تو بعد ایاس تین ماہ گزرنے پر عدت ختم ہوگی اور اس وقت تک نفقہ دینا ہوگا۔ ہاں اگر شوہر گواہوں سے ثابت کر دے کہ عورت نے اقرار کیا ہے کہ تین حیض آئے اور عدت ختم ہوگئی تو نفقہ ساقط کہ عدت پوری ہو چکی اور اگر عورت کو طلاق ہوئی اس نے اپنے کو حامہ بتایا تو قبض طلاق سے دو برس تک وضع حمل کا انتظار کیا جائے وضع حمل تک نفقہ واجب ہے اور دو برس پر بھی بچہ نہ ہوا اور عورت کہتی ہے کہ مجھے حیض نہیں آیا اور حمل کا گمان تھا تو نفقہ برابر لیتی رہے گی یہاں تک کہ تین حیض آئیں یا سن ایاس آ کر تین مہینے گزر جائیں۔ عدت کے نفقہ کا نہ دعویٰ کیا نہ قاضی نے مقرر کیا تو عدت گزرنے کے بعد نفقہ ساقط ہو گیا۔ (فتاویٰ خانہ، باب نفقہ)

جو عورت بے اجازت شوہر گھر سے چلی جایا کرتی ہے اس بنا پر اسے طلاق دیدی تو عدت کا نفقہ نہیں پائے گی ہاں اگر بعد طلاق شوہر کے گھر میں رہی اور باہر جانا چھوڑ دیا تو پائے گی۔

بیوی کا خراج پیشگی دینے کا حکم

(وَإِنْ أَسْلَفَهَا نَفَقَةَ السَّنَةِ) أَى عَجَلَهَا (ثُمَّ مَاتَ) (لَمْ يُسْتَرْجَعْ مِنْهَا شَيْءٌ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ يُحْتَسَبُ لَهَا نَفَقَةُ مَا مَضَى وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِلزَّوْجِ) وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْكُفُورَةُ لِأَنَّهَا اسْتَعَجَلَتْ عَوَضًا عَمَّا تَسْتَحِقُّ عَلَيْهِ بِإِلَّاخْتِبَاسٍ، وَقَدْ بَطُلَ إِلَّا اسْتِحْقَاقُ بِالْمَوْتِ فَيَبْطُلُ الْعَوَضُ بِقَدْرِهِ كَرِزْقِ الْقَاضِي وَعَطَاءِ الْمُقَاتِلَةِ.

وَلَهُمَا أَنَّهُ صَلََّةٌ وَقَدْ اتَّصَلَ بِهِ الْقَبْضُ وَلَا رُجُوعَ فِي الصَّلَاتِ بَعْدَ الْمَوْتِ لِانْتِهَاءِ حُكْمِهَا كَمَا فِي الْهَبَةِ، وَلِهَذَا لَوْ هَلَكَتْ مِنْ غَيْرِ اسْتِهْلَاكِ لَا يُسْتَرَدُّ شَيْءٌ مِنْهَا

بِإِلَّاخْتِبَاسٍ.

وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهَا إِذَا قَبِضَتْ نَفَقَةَ الشَّهْرِ أَوْ مَا ذُوْنَهُ لَا يُسْتَرْجَعُ مِنْهَا شَيْءٌ لِأَنَّهُ يَسِيرُ فَصَارَ فِي حُكْمِ الْحَالِ.

ترجمہ

اور اگر شوہر بیوی کو ایک سال کا خراج پیشگی ادا کر دے اور پھر اس کا انتقال ہو جائے تو بیوی سے کچھ بھی واپس نہیں لیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اس بات کے قائل ہیں۔ امام محمد نے یہ بات بیان کی ہے۔ جتنا عرصہ گزر چکا تھا اسے شمار کر کے عورت کو خراج دیا جائے گا اور باقی رقم شوہر کی شہر ہوگی۔ امام شافعی بھی اسی بات کے قائل ہیں۔ لباس کے بارے میں بھی اسی نوعیت کا اختلاف ہے کیونکہ شوہر کے روکنے کی حد کی وجہ سے عورت کو شوہر پر جو حق حاصل ہو گا وہ اسے عوض کے طور پر پیشگی وصول کر چکی ہے لیکن شوہر کے انتقال کی وجہ سے وہ حق باطل ہو گیا اس لیے اسی انداز سے اس کا عوض بھی باطل ہو جائے گا جس طرح قاضی کی تنخواہ اور مجاہدین کی تنخواہ کا حکم ہے۔ شخصین کی دلیل یہ ہے خراج ایک عطیہ ہے جسے عورت اپنے قبضے میں لے چکی ہے اور اس طرح کے عطیات موت کے بعد واپس نہیں لیے جاتے کیونکہ ان کا وقت پورا ہو چکا ہوتا ہے جیسا کہ ہمہ میں یہی حکم ہے۔ اسی بنیاد پر پیشگی دیا جانے والا خراج اگر ضائع ہو جائے اور اس کے ضائع ہونے میں عورت کا قصور نہ ہو تو اس بات پر سب کا اتفاق ہے عورت سے کچھ واپس نہیں لیا جائے گا۔ امام محمد سے ایک روایت یہ بھی ہے عورت نے ایک ماہ یا کم عرصے کا خراج وصول کیا تھا تو شوہر کے مرنے کے بعد اس سے کچھ بھی واپس نہیں لیا جائے گا کیونکہ یہ بہت تھوڑی سی مقدار ہے جو زمانہ حل کا خراج شمار ہوگی۔

تعیین نفقہ کا فقہی مفہوم

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ نفقہ کی مقدار معین کی جائے تو اس میں جو طریقہ آسان ہو وہ برتا جائے مثلاً مزدوری کرنے والے کے لیے یہ حکم دیا جائیگا کہ وہ عورت کو روزانہ شام کو اتار دے دیا کرے کہ دوسرے دن کے لیے کافی ہو کہ مزدور ایک مہینے کے تمام مصارف ایک ساتھ نہیں دے سکتا اور تاجر اور نوکری پیشہ جو ماہوار تنخواہ پاتے ہیں مہینے کا نفقہ ایک ساتھ دے دیا کریں اور ہفتہ میں تنخواہ ملتی ہے تو ہفتہ وار اور کھیتی کرنے والے ہر سال یا ربیع و خریف دو فصلوں میں دیا کریں۔

اگر باہم رضا مندی سے کوئی مقدار معین ہوئی یا قاضی نے معین کر دی اور چند ماہ تک وہ رقم نہ دی تو عورت وصول کر سکتی ہے اور معاف کرنا چاہے تو کر سکتی ہے بلکہ جو مہینہ آ گیا ہے اس کا بھی نفقہ معاف کر سکتی ہے جبکہ ماہ بمرہ نفقہ دینا ٹھہرا ہو اور سالانہ مقرر ہو تو اس سال اور سال گزشتہ کا معاف کر سکتی ہے۔ پہلی صورت میں بعد والے مہینے کا دوسری میں اس سال کا جو ابھی نہیں آیا معاف نہیں کر سکتی اور اگر نہ باہم کوئی مقدار معین ہوئی نہ قاضی نے معین کی تو زمانہ گزشتہ کا نفقہ نہ طلب کر سکتی ہے، نہ معاف کر سکتی ہے کہ وہ شوہر کے ذمہ واجب ہی نہیں، ہاں اگر اس شرط پر ضلع ہو کہ عورت عدت کا نفقہ معاف کر دے تو یہ معاف ہو جائیگا۔ عورت کو مثلاً مہینے

بھر کا نفقہ دیدیا اس نے فضول خرچی سے مہینہ پورا ہونے سے پہلے خرچ کر ڈالا یا چوری چارہ یا کسی اور وجہ سے ہلاک ہو گیا تو اس مہینے کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں۔ (در مختار، باب نفقہ، ج ۵، ص ۳۰۰، بیروت)

شوہر غلام ہو تو بیوی کا خرچ اس کے ذمے قرض ہوگا

(وَإِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ حُرَّةً فَلَنَفَقَتَهَا دِينَ عَلَيْهِ يُبَاعُ فِيهَا) وَمَعْبَاهُ إِذَا تَزَوَّجَ بِإِذْنِ الْمَوْلَى لَأَنَّهُ دَيْنٌ وَجَبَ فِي ذِمَّتِهِ لَوْجُودِ سَبَبِهِ وَقَدْ ظَهَرَ وَجُوبُهُ فِي حَقِّ الْمَوْلَى فَيَتَعَلَّقُ بِرَقَبَتِهِ كَذَيْنِ التِّجَارَةِ فِي الْعَبْدِ التَّاجِرِ، وَلَهُ أَنْ يَقْدِيَ لَأَنَّ حَقَّهَا فِي النِّفْقَةِ لَا فِي عَيْنِ الرِّقْبَةِ، فَلَوْ مَاتَ الْعَبْدُ سَقَطَتْ، وَكَذَا إِذَا قُتِلَ فِي الصَّحِيحِ لَأَنَّهُ صِلَةٌ. وَإِنْ تَزَوَّجَ الْحُرُّ أَمَةً فَبَوَّأَهَا مَوْلَاهَا مَعَهُ مَنْزِلًا فَعَلَيْهِ النِّفْقَةُ لَأَنَّهُ تَحَقَّقَ الْإِخْتِبَاسُ (وَإِنْ لَمْ يَبُوتْهَا فَلَا نَفْقَةَ لَهَا) لِعَدَمِ الْإِخْتِبَاسِ، وَالتَّبَوُّتُ أَنْ يُخْلِيَ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ فِي مَنْزِلِهِ وَلَا يَسْتَعْدِمَهَا، وَلَوْ اسْتَعْدِمَهَا بَعْدَ التَّبَوُّتِ سَقَطَتْ النِّفْقَةُ لَأَنَّهُ قَاتَ الْإِخْتِبَاسِ، وَالتَّبَوُّتُ غَيْرُ لَازِمَةٍ عَلَى مَا مَرَّ فِي النِّكَاحِ، وَلَوْ خَدَمَتْهُ الْجَارِيَةُ أَحْيَانًا مِنْ غَيْرِ أَنْ يَسْتَعْدِمَهَا لَا تَسْقُطُ النِّفْقَةُ لَأَنَّهُ لَمْ يَسْتَعْدِمَهَا لِيَكُونَ اسْتِرْدَادًا، وَالْمُدَبَّرَةُ وَأُمُّ الْوَلَدِ فِي هَذَا كَالْأَمَةِ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ

اور اگر کوئی غلام کسی آزاد عورت کے ساتھ نکاح کر لیتا ہے تو اس عورت کا خرچ اس غلام کے ذمے قرض ہوگا اور اس قرض کے عوض میں اس غلام کو فروخت کر دیا جائیگا۔ اس کا مطلب یہ ہے یہ اس وقت ہوگا جب غلام نے اپنے آقا کی اجازت کے ساتھ نکاح کیا ہو کیونکہ یہ خرچ غلام کے ذمے ہے اس کا سبب یعنی عقد نکاح موجود ہے اور اس قرض کا واجب ہونا مالک کے حق میں بھی ظاہر ہو چکا ہے اس لیے یہ قرض غلام کے ذمے ہوگا جیسا کہ تجارت کا قرض غلام کے ذمے ہوتا ہے۔

ابستہ مالک کو یہ اختیار ہوگا وہ غلام کا فدیہ دیدے کیونکہ عورت کا حق خرچ ہے غلام کی ذات کے بارے میں نہیں ہے۔ اگر وہ غلام فوت ہو جاتا ہے تو یہ فدیہ ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر اس غلام کو قتل کر دیا جاتا ہے تو صحیح روایت کے مطابق یہ خرچ ساقط ہو جائے گا کیونکہ خرچ کا تعلق زندگی کے ساتھ ہے۔ اگر آزاد مرد کسی کنیز کے ساتھ شادی کر لیتا ہے اور اس کنیز کا آقا اسے شوہر کے پاس رات رہنے کی اجازت دیدیتا ہے تو اس کنیز کا خرچ شوہر کے ذمے ہوگا کیونکہ اس صورت میں اعتبار ثابت ہو گیا ہے لیکن

اگر آقا اسے خاوند کے پاس رات رہنے کی اجازت نہیں دیتا تو عورت کو خرچ نہیں ملے گا کیونکہ اعتبار اس میں پایا جا رہا۔ تبوت سے مراد یہ ہے مالک اس کنیز کو اس شوہر کے گھر میں قیام کرنے کی اجازت دے اور خود اس کنیز سے خدمت کر دے۔ اگر شوہر کے گھر میں بسانے کے بعد بھی وہ اس کنیز سے خدمت لیتا ہے تو خرچ ساقط ہو جائے گا کیونکہ اعتبار اس کا مفہوم ختم ہو چکا ہے۔ کتاب النکاح میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ شوہر کے گھر میں بسانا کنیز کے مالک پر لازم نہیں ہے۔ اگر کنیز کا مالک اسے مکمل طور پر اپنی خدمت کے لئے پابند نہیں کرتا بلکہ وہ کنیز کبھی کبھی اس کا کام کر دیتی ہے تو مرد کے ذمے سے خرچ ساقط نہیں ہوگا کیونکہ آقا نے اسے واپس لینے کے طور پر اس سے خدمت نہیں لی ہے۔ مدبر کنیز اور ام ولد کنیز کے احکام بھی دیگر کنیزوں کی طرح ہوں گے۔

اکمال نفقہ میں بیع عبد کا بیان

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب غلام نے مولیٰ کی اجازت سے نکاح کیا ہے تو اگر غلام خالص ہے یعنی مدبر و مکاتب نہ ہو تو اسے بیع کر اس کی عورت کا نفقہ ادا کریں پھر بھی باقی رہ جائے تو یکے بعد دیگرے بیچتے رہیں یہاں تک کہ نفقہ ادا ہو جائے بشرطیکہ خریدار کو معلوم ہو کہ نفقہ کی وجہ سے بیچا جا رہا ہے اور اگر خریدے وقت اسے معلوم نہ تھا بعد کو معلوم ہوا تو خریدار کو بیع رد کرنے کا اختیار ہے اور اگر بیع کو قائم رکھا تو ثابت ہوا کہ راضی ہے لہذا اب اسے کوئی عذر نہیں اور اگر مولیٰ بیچنے سے انکار کرتا ہے تو مولیٰ کے سامنے قاضی بیع کر دے گا مگر نفقہ میں بیچنے کے لیے یہ شرط ہے کہ نفقہ آقا اس کے ذمہ باقی ہو کہ ادا کرنے سے عاجز ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مولیٰ اپنے پاس سے نفقہ دیکر اپنے غلام کو ٹھہرا لے اور اگر وہ غلام مدبر یا مکاتب ہو جو بدلہ کتبہ ادا کرنے سے عاجز نہیں تو بیچنا نہ جائے بلکہ مالک کو نفقہ کی مقدار پوری کرے۔ اور اگر جس عورت سے نکاح کیا ہے وہ اس کے مولیٰ کی کنیز ہے تو اس پر نفقہ واجب ہی نہیں۔ (در مختار، ج ۵، ص ۳۲۰، بیروت)

عدم نفقہ پر رضا مندی سے حق تسلیم کے عدم سقوط کا بیان

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب نان و نفقہ ادا نہ کرنے کے باوجود بیوی رہنے پر راضی ہو جائے تو بیوی پر لازم نہیں کہ وہ خاوند کو اپنے نزدیک آنے دے؛ کیونکہ خاوند اسے اس کا عوض نہیں دے رہا اس لیے بیوی پر اپنا آپ خاوند کے سپرد کرنا لازم نہیں، بالکل اسی طرح جیسے کوئی خریدار کسی خریدی ہوئی چیز کی قیمت ادا نہ کر سکے تو خریدی ہوئی چیز خریدار کے سپرد کرنا واجب نہیں۔

اس بنا خاوند کو چاہیے کہ وہ بیوی کا راستہ چھوڑ دے تاکہ وہ اپنے نان و نفقہ کا بندوبست کر سکے، کیونکہ اسے نفقہ کے بغیر روکے رکھنا اس کے لیے نقصان دہ ہے۔ اور اگر بیوی مالدار بھی ہو تو خاوند کو اسے روکنے کا حق نہیں؛ کیونکہ اسے روکنے کا حق تو اس صورت میں ہوگا جب وہ اس کے اخراجات برداشت کرے، اور جس کے بغیر وہ نہیں رہ سکتی اس کی ضروریات پوری کرے، اور اس سے استمتاع کی اپنی ضرورت کی وجہ سے، لہذا جب یہ دونوں چیزیں نہ پائی جائیں تو خاوند اسے روکنے کا حق نہیں رکھتا۔ (المغنی (۸/ 165)

## فصل

﴿یہ فصل بیوی کو رہائش فراہم کرنے کے بیان میں ہے﴾

نقذ واجب ہونے کے تین سبب ہیں:

۱) زوجیت یعنی میاں بیوی کا رشتہ (۲) نسب (۳) ملک

جس عورت سے نکاح صحیح ہوا، اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے، اگرچہ وہ ناپلغ ہو، مگر ناپلغہ میں شرط یہ ہے کہ جماع کی طاقت رکھتی ہو یا مشہور ہو کہ حس شوہر کو پہنچ جائے اور شوہر کی جانب کوئی شرط نہیں اگرچہ صغیر اسن (کم سن) ہو۔

نقذ زوجہ میں فقہی تصریحات

علاء الدین ہسکلی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہم بستی کے بعد اگر عورت، شوہر کے یہاں آنے سے انکار کرتی ہے تو اگر مہر بخل کا مطالبہ کرتی ہے کہ وہ دو تو جاؤں گی۔ تو نفقہ کی مستحق ہے ورنہ نہیں ہے۔ جس مکان میں عورت رہتی ہے۔ وہ اس کی ملک ہے اور شوہر کا آنا، وہاں بند کر دیا تو نفقہ نہیں پائے گی۔ ہاں اگر اس نے شوہر سے کہا کہ مجھے اپنے مکان میں سے چلو یا میرے لیے کرایہ کا کوئی مکان لے دو اور شوہر نہ لے لیا تو نفقہ کی مستحق ہے کہ قصور شوہر کا ہے۔

عورت شوہر کے گھر بیمار ہوئی یا میکہ میں تھی اور بیمار ہو کر اس کے یہاں گئی یا اپنے ہی گھر رہی مگر شوہر کے یہاں جانے سے انکار نہ کیا تو نفقہ واجب ہے اور اگر شوہر کے یہاں بیمار ہوئی اور اپنے میکہ چلی گئی اور اگر اتنی بیمار ہے کہ ڈولی وغیرہ پر بھی نہیں آ سکتی تو نفقہ کی مستحق ہے اور اگر آ سکتی ہے مگر نہیں آتی تو نہیں ہے۔

عورت شوہر کے یہاں سے ناحق چلی گئی تو نفقہ نہیں پائے گی جب تک واپس نہ آئے اور اگر اس وقت واپس آئی کہ شوہر مکان پر نہیں بلکہ پردیس چلا گیا ہے جب بھی نفقہ کی مستحق ہے۔ اگر مرد و عورت دونوں مالدار ہوں تو نفقہ مالدار کا سا ہوگا اور دونوں محتاج ہوں تو محتاجوں کا سا۔ اور ایک مالدار ہے اور دوسرا محتاج تو متوسط درجے کا یعنی محتاج جیسا کھاتا ہوں اس سے عمدہ اور اغنیاء (مالدار) جیسا کھاتے ہوں اس سے کم نفقہ کا تین روپوں سے نہیں کیا جاسکتا کہ ہمیشہ اتنے ہی روپے دیئے جائیں اس لیے کہ نرخ بدلتا رہتا ہے۔ ارزانی اور گرانی دونوں کے مصارف یکساں نہیں ہو سکتے۔

عورت جب رخصت ہو کر آئی تو اس وقت سے شوہر کے ذمہ اس کا لباس ہے۔ اگرچہ عورت کے پاس کتنے ہی جوڑے ہوں۔

سال میں کم از کم دو جوڑے دینا واجب ہے۔ ہر ششماہی پر ایک جوڑا، مگر اس کا لحاظ ضروری ہے کہ اگر دونوں مالدار ہوں تو مالداروں کے سے کپڑے ہوں اور محتاج وغریب ہوں تو غریبوں کے سے اور ایک مالدار ہو ایک محتاج تو متوسط ہوں جیسے کھانے میں

نہیں باتوں کا لحاظ ہے۔ لباس میں اس شہر کے رواج کا اعتبار ہے۔ جوڑے گرمی میں جیسے کپڑوں کا وہاں چھن ہے وہ دے۔ اور ادنیٰ موزے جو جائزوں میں سردی کی وجہ سے پہنے جاتے ہیں۔ یہ دینے ہوں گے۔

نقذ کا تیسرا جزو سکھنے ہے یعنی رہنے کا مکان کہ شوہر جو رہنے کیلئے مکان دے وہ خالی ہو یعنی شوہر کے متعلقین وہاں نہ رہیں اور اگر مکان میں شوہر کے متعلقین رہتے ہوں اور عورت نے اسی کو اختیار کر لیا کہ سب کے ساتھ رہے تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ جیسا کہ عام طور پر ہمارے اطراف و بلاد میں دستور ہے۔ ہاں یہ لحاظ ضروری ہے کہ شوہر کے رشتہ دار اسے ناحق ایذا نہ دیں۔ عورت اپنی سوت یا شوہر کے متعلقین کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تو اگر مکان میں کوئی ایسا دالان اس کو دے دے جس میں دروازہ ہو اور عورت اسے بند کر سکتی ہو کہ اس کا سامان محفوظ رہے تو اب دوسرا مکان طلب کرنے کا اسے اختیار نہیں۔ بشرطیکہ شوہر کے رشتہ دار، عورت کو تکلیف نہ پہنچاتے ہوں۔

عورت تنہا مکان چاہتی ہے اور شوہر مالدار ہے تو اسے ایسا مکان دے جس میں پاخانہ، غسل خانہ، باورچی خانہ وغیرہ ضروریات علیحدہ ہوں اور غریبوں میں خالی ایک کمرہ دے دینا کافی ہے۔ اگرچہ غسل خانہ وغیرہ مشترک ہو۔

یہ بات ضروری ہے کہ عورت کو ایسے مکان میں رکھے جس کے پڑوسی صالحین ہوں کہ فاسقوں بدچلنوں میں خود بھی رہنا اچھا نہیں نہ کہ ایسے مقام پر عورت کا ہونا۔ اگر مکان بہت بڑا ہو کہ عورت وہاں تنہا رہنے سے گھبراتی اور ڈرتی ہے تو وہاں کوئی ایسی نیک عورت رکھے جس سے دل وابستگی ہو اور جی بہلا رہے یا عورت کو کوئی دوسرا مکان دے جو اتنا بڑا نہ ہو اور اس کے ہمسایہ نیک لوگ ہوں۔ (در مختار باب نفقہ)

علاء الدین عابدین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عورت کے والدین ہر ہفتہ میں ایک بار اپنی لڑک کے یہاں آ سکتے ہیں۔ شوہر منع نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر رات میں وہاں رہنا چاہتے ہوں تو شوہر کو منع کرنے کا اختیار ہے۔ یونہی عورت اپنے والدین کے یہاں ہر ہفتہ میں ایک بار بار جاسکتی ہے مگر رات بغیر اجازت اپنے شوہر وہاں نہیں رہ سکتی اور غیروں کے یہاں جانے یا ان کی عیادت کرنے یا شادی وغیرہ تقریبوں کی شرکت سے منع کر دے عورت بغیر اجازت جائے گی تو گنہ گار ہوگی اور اجازت سے گئی اور وہاں پردہ کا خیال نہ رکھا اور شوہر کو یہ بات معلوم ہے تو دونوں گنہگار ہوئے۔

جس کام میں شوہر کی حق تلفی نہ ہوتی ہو، نہ اس میں کوئی نقصان ہو اگر عورت گھر میں وہ کام کر لیا کرے جیسے کپڑا سینا پر دنا کاڑھنا یا ایسے ہی اور دوسرے کام جن کیلئے گھر سے باہر نہ جانا پڑے تو ایسے کاموں سے منع کرنے کی حاجت نہیں۔ خصوصاً جبکہ شوہر گھر نہ ہو کہ ان کاموں سے جی بہلتا رہے گا اور بے کار بیٹھے گی تو وسوسے اور خطرے پیدا ہوتے رہیں گے اور ل یعنی فضول باتوں میں مشغول ہوگی۔ (در مختار کتاب طلاق، باب نفقہ)

بیوی کو الگ رہائش فراہم کرنے کا بیان

(وَعَلَى الزَّوْجِ أَنْ يُسْكِنَهَا فِي دَارٍ مُفْرَدَةٍ لَيْسَ فِيهَا أَحَدٌ مِنْ أَهْلِهَا إِلَّا أَنْ تَخْتَارَ ذَلِكَ)

لَاَنَّ السُّكْنَى مِنْ كِفَايَتِهَا فَتَجِبُ لَهَا كَالْتَفَقَةِ، وَقَدْ أَوْجَبَهُ اللَّهُ تَعَالَى مَقْرُونًا بِالتَّفَقَةِ، وَإِذَا وَجِبَ حَقًّا لَهَا لَيْسَ لَهُ أَنْ يُشْرِكَ غَيْرَهَا فِيهِ لِأَنَّهَا تَتَضَرَّرُ بِهِ، فَإِنَّهَا لَا تَأْمَنُ عَلَى مَتَاعِهَا، وَيَمْنَعُهَا ذَلِكَ مِنَ الْمَعَاشِرَةِ مَعَ رُوحِهَا وَمِنْ الْإِسْتِمَاعِ، إِلَّا أَنْ تَخْتَارَ لِأَنَّهَا رَضِيَتْ بِاتِّقَاصِ حَقِّهَا (وَأَنْ تَكَانَ لَهُ وَلَدٌ مِنْ غَيْرِهَا فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُسْكِنَهُ مَعَهَا) لِمَا بَيَّنَّا وَلَوْ أَسْكَنَهَا فِي بَيْتٍ مِنَ الدَّارِ مُفْرِدٍ وَلَهُ غُلُقٌ كَقَفَاها لِأَنَّ الْمَقْصُودَ قَدْ حَصَلَ (وَلَهُ أَنْ يَمْنَعَ وَالِدَيْهَا وَلَوْلَاهَا مِنْ غَيْرِهِ وَأَهْلِهَا مِنَ الدُّخُولِ عَلَيْهَا) لِأَنَّ الْمَنْزِلَ مِلْكُهُ فَلَهُ حَقُّ الْمَنْعِ مِنْ دُخُولِ مِلْكِهِ (وَلَا يَمْنَعُهُمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَيْهَا وَكَلَامِهَا فِي آتِي وَقْتِ اخْتَارُوا) لِمَا فِيهِ مِنْ قَطِيعَةِ الرَّحِمِ، وَلَيْسَ لَهُ فِي ذَلِكَ ضَرَرٌ، وَقِيلَ: لَا يَمْنَعُهَا مِنَ الدُّخُولِ وَالْكَلَامِ وَأَنَّمَا يَمْنَعُهُمْ مِنَ الْقَرَارِ وَالذَّوَامِ لِأَنَّ الْفِتْنَةَ فِي اللَّبَاسِ وَتَطْوِيلِ الْكَلَامِ، وَقِيلَ: لَا يَمْنَعُهَا مِنَ الْخُرُوجِ إِلَى الْوَالِدَيْنِ وَلَا يَمْنَعُهُمَا مِنَ الدُّخُولِ عَلَيْهَا فِي كُلِّ جُمُعَةٍ، وَفِي غَيْرِهِمَا مِنَ الْمَحَارِمِ التَّقْدِيرُ بِسَنَةِ وَهُوَ الصَّحِيحُ.

ترجمہ

اور شوہر پر یہ بات لازم ہے: وہ اپنی بیوی کو ایسے مکان میں رہائش فراہم کرے جس میں شوہر کے خاندان کا کوئی بھی فرد نہ رہتا ہو البتہ عورت خود ان لوگوں کے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ رہائش فراہم کرنا عورت کی کفایت کا حصہ ہے لہذا خرچ کی طرح رہائش فراہم کرنا بھی لازم ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے اسے خرچ کے ہمراہ لازم قرار دیا ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی تو رہائش عورت کا شرعی حق ہوگا اور اسے اس بارے میں اختیار ہوگا دوسرا اس میں اس کے ساتھ شریک نہ ہو کیونکہ دوسرے کی شرکت کے نتیجے میں اسے تکلیف لاحق ہو سکتی ہے اس کا سامان محفوظ نہیں رہے گا اس طرح وہ اپنے شوہر کے ساتھ بے تکلفی کے ساتھ نہیں رہ سکے گی اور نہ ہی ازدواجی تعلقات کا فائدہ حاصل کر سکے گی۔

لیکن اگر عورت خود کسی کو اجازت دے تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے حق میں کمی کرنے پر خود راضی ہوئی ہے۔ اگر شوہر کا دوسری بیوی سے بیٹا ہو تو وہ اس بیوی کے ساتھ اسے نہیں ٹھہرا سکے گا اس کی وجہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اگر شوہر اپنے گھر میں بیوی کو ایسے الگ کمرے میں رہائش فراہم کرتا ہے جس کا دروازہ الگ ہو تو یہ کافی ہوگا کیونکہ اس کے نتیجے میں مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ بیوی کے والدین اس کے سابق شوہر سے اس کی اولاد یا اس کے دیگر رشتے داروں کو شوہر اپنے گھر آنے سے روک سکتا ہے کیونکہ یہ گھر شوہر کی ملکیت ہے اور وہ اپنی ملکیت میں داخل ہونے سے کسی کو بھی روک سکتا ہے۔ شوہر کو

یہ اختیار حاصل نہیں ہوگا وہ بیوی کو اس کے رشتے داروں سے ملنے سے اور بات چیت کرنے سے روک دے وہ جب چاہے اس سے ملاقات کر سکتے ہیں کیونکہ اس روکنے کے نتیجے میں رشتہ داری کے حقوق کی پابلی لازم آتی ہے اور اس منے کے نتیجے میں شوہر کو کوئی نقصان بھی نہیں ہے۔

بعض مشائخ نے یہ بات بیان کی ہے۔ شوہر اس ملاقات کی طرح انہیں گھر میں داخل ہونے اور گفتگو کرنے سے بھی نہیں روک سکتا۔ البتہ قیام کرنے سے روک سکتا ہے کیونکہ زیادہ طویل گفتگو اور قیام کے نتیجے میں ناگوار صورت حال سامنے آ سکتی ہے۔ بعض مشائخ نے یہ بات بیان کی ہے شوہر بیوی کے والدین کے ہاں جانے یا والدین کے عورت کے پاس آنے سے نہیں روک سکتا۔ البتہ دیگر محرم عزیزوں سے سوا بھر میں ایک آدھ بار ملنے کی اجازت دے سکتا ہے اور یہی حکم درست ہے۔

بیوی کو نفقہ، سکنہ فراہم کرنے میں فقہی تصریحات

خاوند پر واجب ہے کہ وہ بیوی کے لیے ایسی رہائش مہیا کرے جو اسے لوگوں کی آنکھوں اور بارش گرمی و سردی وغیرہ سے بچائے، اور وہ اس میں مستقل طریقے سے رہے جو اس کی ضرورت کو پورا کرتی ہو مثلاً ایک کمرہ اور باورچی خانہ اور لیٹرین ہی کیوں نہ ہو۔

لیکن اگر عقد نکاح کے وقت اگر بیوی نے اس سے بڑی رہائش کی شرط رکھی ہو تو اور بات ہے اور اسے پورا کرنا ضروری ہوگا، اور خاوند کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ بیوی پر لازم کرے کہ وہ اپنے کسی دیور کیساتھ مل کر کھائے۔

خاوند کو چاہیے کہ وہ اپنی استطاعت اور طاقت کے مطابق بیوی کے لیے رہائش تیار کرے جو کہ عرف اور معاشرہ کی عادات اور معیار کے مطابق ہو۔

حافظ ابن حزم لکھتے ہیں کہ

خاوند پر ضروری ہے کہ بیوی کو اپنی استطاعت اور قدرت کے مطابق رہائش دے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(تم انہیں اپنی طاقت کے مطابق وہاں رہائش پزیر کرو جہاں خود رہتے ہو) (الطلاق (6))

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔

خاوند پر بیوی کے لیے رہائش کا انتظام کرنا واجب ہے، اس کی دلیل فرمان باری تعالیٰ ہے: (تم انہیں اپنی طاقت کے مطابق

وہاں رہائش پزیر کرو جہاں خود رہتے ہو) (الطلاق (6))

تو جب مطلقہ یعنی طلاق والی عورت کہیں رہائش ثابت ہے تو پھر جو نکاح میں ہے اس کے لیے تو بالاولیٰ واجب ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور ان کے ساتھ اچھے اور بہتر انداز میں پود و باش اختیار کرو)

اور یہ بات معروف ہے کہ اسے رہائش میں رکھا جائے گا، اور اس لیے بھی کہ وہ رہائش کے بغیر نہیں رہ سکتی تاکہ لوگوں کی

نظروں سے اسے چھپا جائے، اور پھر اس کے ساتھ تصرف کرنے اور اس سے استمتاع کرنے اور مال و متاع کی حفاظت کیلئے بھی رہائش کی ضرورت ہے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ (المغنی لابن قدامہ المقدسی (9 / 237)

علامہ عدالدین کاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: اور اگر خاوند اپنی بیوی کو اس کی سوکن کے ساتھ رکھنا چاہے یا پھر اپنے کسی رشتہ دار مثلاً اپنی والدہ، بہن، یا دوسری بیوی کی بیٹی اور یا کسی اور رشتہ دار کے ساتھ، اور بیوی ان کے ساتھ رہنے سے انکار کر دے تو خاوند پر ضروری ہے کہ وہ اسے علیحدہ گھر میں رکھے۔

اور اگر اسے وہ کسی بڑے سے گھر میں ان کے ساتھ رکھے جس میں اس کے لیے بالکل علیحدہ انتظام ہو جو اس کے لیے کافی ہو تو پھر وہ علیحدہ مکان کا مطالبہ نہیں کر سکتی، اس لیے کہ مال و متاع اور استمتاع کا عدم حصول زائل ہو چکا ہے اور یہ سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ (بدائع الصنائع (4 / 23)

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی کہنا ہے کہ: خاوند کے لیے چارہ نہیں کہ وہ دونوں بیویوں کو ان کے مرضی کی بغیر ایک ہی گھر میں رہائش پزیر کرے چاہے وہ چھوٹی ہو یا بڑی اس لیے کہ ان دونوں پر ضرر ہے کیونکہ دونوں کی آپس میں غیرت اور عداوت ہے، اور ان دونوں کو ایک ہی گھر میں اکٹھا کرنا اس کو محاصرت کو اور ابھارنا اور زیادہ کرتا ہے۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ جب وہ دونوں میں سے کسی ایک کے پاس رات گزارے گا تو دوسری اس کی کھسر پھسر نے گی یا پھر اسے دیکھے گی جس سے اس کی غیرت جوش مارے گی اور غی صمت اور بڑھنے گی، لیکن اگر وہ ایک ہی گھر میں رہنے پر راضی ہو جائیں تو پھر جائز ہے، کیونکہ یہ ان کا حق ہے اور وہ اسے ترک بھی کر سکتی ہیں۔ (المغنی لابن قدامہ المقدسی (8 / 137)

ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ مقصد نہیں کہ ایک سے ہم بستری دوسری کے سامنے کی جائے اور یا پھر دوسری سب کچھ سنتی رہے، بلکہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقصد تو یہ ہے کہ ایک ہی گھر میں ان کی رہائش کرنا جائز ہے، وہ اس طرح کہ ایک ہی گھر میں ہر ایک کی باری پر اس کے پاس جائے جہاں پر اسے دوسری نہ دیکھ رہی ہو۔

اور اگر گھر میں ہر بیوی کو علیحدہ علیحدہ سونے کا کمرہ اور باورچی خانہ اور بیت الخلاء وغیرہ تیار کر دے تو یہ کافی ہے، اور اسی طرح اگر ایک ہی گھر میں ہر ایک کے لیے مستقل فلیٹ یا پھر ایک ایک منزل بنا دے یہ بھی کافی ہے۔

احناف میں سے ہرکسی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے: اور اسی طرح بیوی کے لیے رہائش کا انتظام کرنا واجب ہے جو کہ خاوند اور بیوی دونوں کے گھر والوں سے خالی ہو، اور یہ سب کچھ ان کی حالت کے مطابق ہوگا جس میں کھانا پینا، اور لباس وغیرہ کا انتظام ہو اور اس کا گھر علیحدہ ہونا چاہیے جس میں بیت الخلاء وغیرہ بھی ہونا ضروری ہے اور اس کے لیے ایک باورچی خانہ جو کہ اس کی ضروریات پوری کر سکے۔

اور ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ اس پر تعلق چڑھاتے ہوئے کہتے ہیں: کفیف اور مطبخ سے بیت الخلاء اور باورچی خانہ ہے کہ وہ بھی گھر کے اندر ہوں (یعنی اگر کمرہ ہے تو اس میں یہ بھی شامل ہونا ضروری ہے) یا پھر ایسے گھر میں ہوں جہاں پر کوئی اور شریک نہ

بر۔ (الدر المختار (3 / 600 - 599)

میرا یہ کہنا ہے کہ: کاسانی کے قول "گھر" سے مراد کمرہ پر یہ قول دلالت کرتا ہے کہ اگر گھر میں کئی ایک کمرے ہوں تو اس کے لیے وہ ایک کمرہ کو خالی کرے اور اسے بیوی کے لیے علیحدہ گھر بنائے، ان کا کہنا ہے کہ: بیوی کے لیے چارہ نہیں کہ وہ دوسرے گھر کا مطالبہ کرے۔ (بدائع الصنائع (4 / 34)

تو اس بنا پر آپ کے خاوند کے لیے چارہ ہے کہ وہ آپ کو گھر کے کسی کمرہ میں رہائش پزیر کرے جہاں پر فقہ و زمان بالغ مردوں سے جو آپ پر حرام ہیں کبھی تھ ضوت وغیرہ کا خدشہ نہ، اور خاوند کے لیے چارہ نہیں کہ آپ کو گھر میں باقی دوسرے لوگوں کے کام کرنے پر مجبور کرے، یا پھر یہ کہے کہ آپ ان کے ساتھ کھائیں پئیں۔ اور اگر وہ دستہ عت رکھتا ہو تو آپ کے لیے علیحدہ رہائش کا انتظام کرے تو یہ آپ کے لیے اچھا اور بہتر ہے، لیکن اگر آپ کی ماس اور سر بوڑھے ہیں اور اپنے بیٹے کے محتاج ہیں، اور ان کی خدمت کرنے والا اس کے علاوہ اور کوئی نہیں اور ان کی خدمت دین رہ کر کی جاسکتی ہے تو پھر اس پر واجب ہے کہ وہ وہیں رہے۔

ہم ان شاء اللہ خاوند اور بیوی کے ایک دوسرے پر کتب و سنت کی روشنی میں حقوق کا ذکر کریں جس کی شرح میں اہل علم کے ذہل کا بھی ذکر کیا جائے گا۔

### مرف بیوی کے خاص حقوق

بیوی کے اپنے خاوند پر کچھ تو مالی حقوق ہیں جن میں مہر، نفقہ، اور رہائش شامل ہے۔ اور کچھ حقوق غیر مالی ہیں جن میں بیویوں کے درمیان تقسیم میں عدل انصاف کرنا، اچھے اور احسن انداز میں بود باش و معاشرت کرنا، بیوی کو تکلیف نہ دینا۔

### مالی حقوق کا بیان

مہر: مہر وہ مال ہے جو بیوی کا اپنے خاوند پر حق ہے جو عقد یا پھر دخول کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے، اور یہ بیوی کا خاوند پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب کردہ حق ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور عورتوں کو ان کے مہر راضی خوشی دے دو) (النساء (4) اور مہر کی مشروعیت میں اس عقد کے خطرے اور مقام کا اظہار اور عورت کی عزت و تکریم اور اس کے لیے اعزاز ہے۔ مہر عقد کا نام شرط نہیں اور نہ ہی جمہور فقہاء کے ہاں یہ عقد کارکن ہے، بلکہ یہ تو اس کے آثار میں سے ایک اثر ہے جو اس پر مرتب ہوا ہے، لہذا کوئی عقد نکاح بغیر مہر ذکر کیے ہو جائے تو بافتاق جمہور علماء کے وہ عقد صحیح ہوگا۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (اگر تم عورتوں کو بغیر مہر لگائے اور بغیر مہر مقرر کیے طلاق دے دو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں) (البقرہ (236)

تو ہاتھ لگانے یعنی دخول سے قبل اور مہر مقرر کرنے سے قبل طلاق کی اباحت عقد نکاح میں مہر کے ذکر نہ کرنے پر دلالت کرتی

ہے۔

اور اگر عقد میں مہر کا نام نہیں لیا گیا تو خاوند پر مہر واجب ہوگا، اور اگر عقد نکاح میں ذکر نہیں کیا جاتا تو پھر خاوند پر مہر مشروط ہوگا، یعنی اس جیسی دوسری عورتوں جتنا مہر دینا ہوگا۔

علماء اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ بیویوں کا خاوند پر نان و نفقہ واجب ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اگر عورت اپنا آپ خاوند کے پر کر دے تو پھر نفقہ واجب ہوگا، لیکن اگر بیوی اپنے خاوند کو نفقہ حاصل کرنے سے منع کر دیتی ہے یا پھر اس کی نافرمانی کرتی ہے تو نان و نفقہ کا حقدار نہیں سمجھا جائے گا۔

### بیوی کے نفقہ کے وجوب کی حکمت

عقد نکاح کی وجہ سے عورت خاوند کے لیے محبوس ہے، اور خاوند کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر نکلنا منع ہے، تو اس پر خاوند پر واجب ہے کہ وہ اس کے بدلے میں اس پر خرچہ کرے، اور اس کے ذمہ ہے کہ وہ اس کو کفالت کرنے والا خرچہ دے، اور یہ خرچہ عورت کا اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کرنے اور اس سے نفع حاصل کرنے کے بدلے میں ہے۔

### نان و نفقہ کا مقصد

بیوی کی ضروریات پوری کرنا مثلاً کھانا، پینا، رہائش وغیرہ، یہ سب کچھ خاوند کے ذمہ ہے اگرچہ بیوی کے پاس اپنا مال ہو اور غنی بھی ہو تو پھر بھی خاوند کے ذمہ نان و نفقہ واجب ہے۔

اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان عورتوں کا روٹی کپڑا اور رہائش دستور کے مطابق ہے) (البقرہ 233)

اور ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے کچھ اس طرح فرمایا: (اور کشادگی والا اپنی کشادگی میں سے خرچ کرے اور جس پر رزق کی تنگی ہو اسے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرنا چاہیے) (الطلاق 7)

### سنت نبویہ میں سے دلائل

حند بنت عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو کہ ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی تھیں نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ ابوسفیان اس پر خرچ نہیں کرتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا تھا: (آپ اپنے اور اپنی اولاد کے لیے جو کافی ہو اچھے انداز سے لے لیا کرو)

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ابوسفیان کی بیوی حند بنت عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی: اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان بہت حریص اور بخیل آدمی ہے مجھے وہ اتنا کچھ نہیں دیتا جو کہ مجھے اور میری اولاد کے لیے کافی ہو والا یہ کہ میں اس کا مال اس کے علم کے بغیر حاصل کر لوں، تو کیا ایسا کرنا میرے لیے کوئی گناہ تو نہیں؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: تو اس کے مال سے اتنا اچھے انداز سے لے لیا کر جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو کافی ہو۔ صحیح بخاری حدیث نمبر (5049) صحیح مسلم حدیث نمبر (1714)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ الوداع کے موقع پر فرمایا: (تم ہرگز بارہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، بلاشبہ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی امان سے حاصل کیا ہے، اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ تعالیٰ کے کمرے حلال کیا ہے، ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ جسے تم ناپسند کر تمہو وہ تمہارے گھر میں داخل نہ ہو، اگر وہ ایب کریں تو تم انہیں مار کی راہ اور جو زخمی نہ کرے اور شدید تکلیف دہ نہ ہو، اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انہیں اچھے اور احسن انداز سے نان و نفقہ اور رہائش دو) صحیح مسلم حدیث نمبر (1218)

### ملکی یعنی رہائش کا بیان

یہ بھی بیوی کے حقوق میں سے ہے کہ خاوند اس کے لیے اپنی وسعت اور طاقت کے مطابق رہائش تیار کرے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے: (تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں انہیں بھی رہائش پزیر کرو) (الطلاق 6)

### بیویوں کے درمیان عدل و انصاف:

بیوی یا اپنے خاوند پر حق ہے کہ اگر اس کی اور بھی بیویاں ہوں تو وہ ان کے درمیان رات گزارنے، نان و نفقہ اور سکون وغیرہ عدل و انصاف کرے۔

### حسن معاشرت:

خاوند پر واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی سے اچھے اخلاق اور نرمی کا برتاؤ کرے، اور اپنی وسعت کے مطابق اسے وہ اشیاء پیش کرے جو اس کیلئے محبت و الفت کا باعث ہوں۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور ان کے ساتھ حسن معاشرت اور اچھے انداز میں بود باش اختیار کرو) (النساء 19)

اور ایک دوسرے مقام پر کچھ اس طرح فرمایا: (اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حق ہیں جیسے ان پر مردوں کے حق ہیں)۔ (البقرہ 228)

سنت نبویہ میں ہے کہ: ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (عورتوں کے بارہ میں غرضی صیحت قبول کرو اور ان سے حسن معاشرت کا مظاہرہ کرو)۔

(صحیح بخاری حدیث نمبر 3153) صحیح مسلم حدیث نمبر (1468)

اب ہم ذیل میں چند ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی بیویوں کیساتھ حسن معاشرت کے نمونے پیش کرتے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہمارے لیے قد وہ اور اسوہ اور آئینہ ہیں۔



(۱) حضرت زینب بنت ابی سلمہ کہتی ہیں کہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ چادر میں تھی تو مجھے یام حیض شروع ہو گئے جس کی بنا پر میں اس چادر سے کھسک کر نکل گئی اور جا کر حیض والے کپڑے پہن لیے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہنے لگے یہ حیض آ گیا ہے؟ میں نے جواب دیا جی ہاں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور اپنے ساتھ چادر میں داخل کر لیا۔ وہ کہتی ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجھے حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں نہ کھا پیتے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور میں ایک ہی برتن سے اسٹھٹھ غسل جنابت بھی کیا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری حدیث نمبر (316) صحیح مسلم حدیث نمبر (296)

(۲) حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم میں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حجرہ کے دروازہ پر کھڑے دیکھا اور جیٹھی لوگ اپنے نیزوں سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز کرتے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر سے مجھے چھپایا کرتے تھے تاکہ میں ان کے کھیل کود کچھ سکوں، پھر وہ میری جوت وہاں ہی کھڑے رہتے حتیٰ کہ میں خود ہی وہاں سے چلی جاتی، تو نوجوان لڑکی جو کہ کھینے پر حریص ہوتی ہے اس کی قدر کیا کرو۔

(صحیح بخاری حدیث نمبر (443) صحیح مسلم حدیث نمبر (892)

(۳) حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھتے اور قرأت کرنا بیٹھ کر کرتے تھے جب تمیں یہ چالیس آیات کی قرأت باقی رہتی تو کھڑے ہو کر پڑھتے پھر رکوع کرنے کے بعد سجدہ کرتے پھر دوبارہ رکعت میں بھی اسی طرح کرتے اور نماز سے فارغ ہو کر مجھے دیکھتے اگر میں سوئی ہوئی نہ ہوتی تو مجھ سے باتیں کرتے، اور اگر نہ سوچکی ہوتی تو آپ بھی لیٹ جاتے۔ (صحیح بخاری حدیث نمبر (1068)

بیوی کو تکلیف سے دو چار نہ کرنا

یہ سلمیٰ اصول بھی ہے، اور جب کسی اجنبی اور دوسرے تیسرے شخص کو نقصان اور تکلیف دینا حرام ہے تو پھر بیوی کو تکلیف اور نقصان دینا تو بالولی حرام ہوگا۔

عبودہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ: (نہ تو اپنے آپ کو نقصان دو اور نہ ہی کسی دوسرے کو نقصان دو) سنن ابن ماجہ حدیث نمبر (2340) اس حدیث کو امام احمد، امام حاکم، اور امام صالح وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ (حلاصة البدو المنیر (2 / 438)

اس مسئلہ میں شارع نے جس چیز پر تنبیہ کی ہے ان میں ایسی روکی سزا دینا جو شدید اور سخت قسم کی ہو۔ چاہے بر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا: (تم عورتوں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، بلاشبہ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی امان سے حاصل کیا ہے، اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ تعالیٰ کے کلمہ سے طالع کیا ہے، ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ جسے تم ناپسند کر تہو وہ تمہارے گھر میں داخل نہ ہو، اگر وہ ایسا کریں تو تم انہیں مار کر سزا دو جو زنی نہ

کرے اور شدید تکلیف دہ نہ ہو، اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انہیں اچھے اور احسن انداز سے نان و نفقہ اور رہائش دو) صحیح مسلم حدیث نمبر (1218)

بیوی پر خاوند کے حقوق

بیوی پر خاوند کے حقوق بہت ہی عظیم حیثیت رکھتے ہیں بلکہ خاوند کے حقوق تو بیوی کے حقوق سے بھی زیادہ عظیم ہیں اس لیے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے: (اور ان عورتوں کے بھی ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان مردوں کے ہیں اچھائی کے ساتھ، ہاں مردوں کو ان عورتوں پر درجہ اور فضیلت حاصل ہے) (البقرہ (228)

امام ابو بکر صاص رحمہ اللہ کا کہنا ہے: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بیان کیا ہے کہ خاوند اور بیوی دونوں کے ایک دوسرے پر حق ہیں، اور خاوند کو بیوی پر ایسے حق بھی ہیں جو بیوی کے خاوند پر نہیں۔

اور ابن العربی کا کہنا ہے: یہ اس کی نص ہے کہ مرد کو عورت پر فضیلت حاصل ہے اور نکاح کے حقوق میں بھی اسے عورت پر فضیلت حاصل ہے۔ اور ان حقوق میں سے کچھ یہ ہیں

اطاعت کا وجوب

اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر حاکم مقرر کیا ہے جو اس کا خیال رکھے گا اور اس کی راہنمائی اور اسے حکم کرے گا جس طرح کہ حکمران اپنی رعایا پر کرتے ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو کچھ جسمانی اور عقلی خصائص سے نوازا ہے، اور اس پر کچھ مالی امور بھی واجب کیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں) (النساء (34)

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں: علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیان کیا ہے کہ (مرد عورتوں پر حاکم ہیں) یعنی وہ ان پر حاکم اور امیر ہیں، یعنی ان کی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اطاعت کی جائے گی، اور اس کی اطاعت اس کے اہل و عیال کے لیے احسان اور اس کے مال کی محافظ ہوگی۔ مقاتل، سدی، اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی ایسے ہی کہا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر (1 / 492)

خاوند کے لیے استمتاع ممکن بنانا

خاوند کا بیوی پر حق ہے کہ وہ بیوی سے نفع حاصل کرے، جب عورت شادی کر لے اور وہ جماع کی اہل بھی ہو تو عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو عقد نکاح کی بنا پر خاوند کے طلب کرنے پر خاوند کے سپرد کر دے۔

وہ اس طرح کہ اسے مہر ادا کرے اور عورت اگر مطالبہ کرے تو اسے حسب عادت ایک یا دو دن کی مہلت دے کہ وہ رخصتی کیلئے

اپنے آپ کو تیار کر لے کیونکہ یہ اس کی ضرورت ہے اور یہ بہت ہی آسان سی بات ہے جو کہ عادتاً معروف بھی ہے۔  
اور جب بیوی جماع کرنے میں خاوند کی بات تسلیم نہ کرے تو یہ ممنوع ہے اور وہ کبیرہ کی مرتکب ہوئی ہے، لیکن اگر کوئی شرعی  
عذر ہو تو ایسا کر سکتی ہے مثل حیض، یا فرضی روزہ، اور بیماری وغیرہ ہو۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جب مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے  
اور بیوی انکار کر دے تو خاوند اس پر رات ناراضگی کی حالت میں سر کرے تو صبح ہونے تک فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں)  
(صحیح بخاری حدیث نمبر (3065) صحیح مسلم حدیث نمبر (1436)

خاوند جسے ناپسند کرتا ہو اسے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دینا: خاوند کا بیوی پر یہ بھی حق ہے کہ وہ اس کے گھر میں اسے  
داخل نہ ہونے دے جسے اس کا خاوند ناپسند کرتا ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (کسی بھی عورت کے لیے یہ جائز نہیں  
کہ وہ خاوند کی موجودگی میں (نفی) روزہ رکھے لیکن اس کی اجازت سے رکھ سکتی ہے، اور کسی کو بھی اس کے گھر میں داخل ہونے کی  
اجازت نہ لیکن اس کی اجازت ہو تو پھر داخل کرے) (صحیح بخاری حدیث نمبر (4899) صحیح مسلم حدیث نمبر (1026)

سیمان بن عمرو بن احوص بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث بیان کی کہ وہ حجۃ الوداع میں نبی  
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہوئے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی اور وعظ و نصیحت کرنے کے بعد فرمایا:  
(عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور میری نصیحت قبول کرو، وہ تو تمہارے پاس قیدی اور اسیر ہیں، تم ان سے کسی چیز کے  
مالک نہیں لیکن اگر وہ کوئی فحش کام اور نافرمانی وغیرہ کریں تو تم انہیں بستر سے الگ کر دو، اور انہیں مار کی سزا دو لیکن شدید اور سخت  
نہ کرو، اگر وہ تمہاری اطاعت کر لیں تو تم ان پر کوئی راہ تلاش نہ کرو، تمہارے تہاری عورتوں پر حق ہیں اور تمہاری عورتوں کے بھی تم  
پر حق ہیں، جسے تم ناپسند کرتے ہو وہ تمہارے گھر میں داخل نہ ہو، اور نہ ہی اسے اجازت دے جسے تم ناپسند کرتے ہو، خبردار تم پر ان  
کے بھی حق ہیں کہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور انہیں کھانا پینا اور رہائش بھی اچھے طریقے سے دو) سنن ترمذی حدیث نمبر (1163)  
سنن ابن ماجہ حدیث نمبر (1851) امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔

جاہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (تم عورتوں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو،  
بلاشبہ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی امان سے حاصل کیا ہے، اور ان کی شرکاء ہوں کو اللہ تعالیٰ نے نکرہ سے حلال کیا ہے، ان پر تمہارا حق یہ  
ہے کہ جسے تم ناپسند کر رہو وہ تمہارے گھر میں داخل نہ ہو، اگر وہ ایسا کریں تو تم انہیں مار کی سزا دو جو زخمی نہ کرے اور شدید تکلیف دہ نہ  
ہو، اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انہیں اچھے اور احسن انداز سے نانا و نفقہ اور رہائش دو) (صحیح مسلم حدیث نمبر (1218)

خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلنا

خاوند کا بیوی پر یہ حق ہے کہ وہ گھر سے خاوند کی اجازت کے بغیر نہ نکلے۔

شرعیہ اور حجاب کا کہنا ہے کہ: عورت کے لیے اپنے بیمار والد کی عیادت کے لیے بھی خاوند کی اجازت کے بغیر نہیں جاسکتی،  
ورنہ خاوند کو اس سے منع کرنے کا بھی حق ہے۔۔۔ اس لیے کہ خاوند کی اطاعت واجب ہے تو واجب کو ترک کر کے غیر واجب کام کرنا  
جائز نہیں۔

تادیب: خاوند کو چاہیے کہ وہ بیوی کی نافرمانی کے وقت اسے اچھے اور احسن انداز میں ادب سکھائے نہ کہ کسی برائی کے ساتھ،  
اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اطاعت نہ کرنے کی صورت میں عیدگی اور تلکی سی مار کی سزا دے کر ادب سکھانے کا حکم دیا ہے علماء  
احناف نے چار مواقع پر عورت کو مار کے ساتھ تادیب جائز قرار دی ہے۔

تادیب کے جواز پر دلائل

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور جن عورتوں کی نافرمانی اور بدو غی کا تمہیں ڈر اور خدشہ ہو انہیں نصیحت کرو، اور انہیں الگ  
بستروں پر چھوڑ دو، اور انہیں مار کی سزا دو) (النساء (34)  
اور ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا فرمان کچھ اس طرح ہے: (اے ایمان والو! اپنے آپ اور اپنی اہل و عیال کو اس آگ  
سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں) (التحریم (6)

حافظ ابن کثیر کا کہنا ہے: قادیان رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: آپ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دیں، اور اللہ تعالیٰ کی معصیت  
و نافرمانی کرنے سے روکیں، اور ان پر اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ کریں، انہیں ان کا حکم دیں، اور اس پر عمل کرنے کے لیے ان کا تعاون  
کریں، اور جب انہیں اللہ تعالیٰ کی کوئی معصیت و نافرمانی کرتے ہوئے دیکھیں تو انہیں اس سے روکیں اور اس پر انہیں ڈانٹیں۔  
ضحاک اور مقاتل رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

مسلمان کا حق ہے کہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں، گھر والوں اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کو اللہ تعالیٰ کے فرائض کی تعمیم دے  
اور جس سے اللہ تعالیٰ منع کیا ہے وہ انہیں سکھائے۔ (تفسیر ابن کثیر (4 / 392)  
و بیوی کا اپنے خاوند کی خدمت کرنا: اس پر بہت سے دلائل ہیں جن میں سے کچھ کا ذکر تو اوپر بیان ہو چکا ہے۔  
ابن تیمیہ کا قول ہے۔

بیوی پر اپنے خاوند کی اچھے اور احسن انداز میں ایک دوسرے کی مثل خدمت کرنا واجب ہے، اور یہ خدمت مختلف حالات کے  
مطابق ہوتی ہے، تو ایک دیہاتی عورت کی خدمت شہر میں بسنے والی عورت کی طرح نہیں، اور اسی طرح ایک طوقور عورت کی خدمت  
گھر دار و ناتواں عورت کی طرح نہیں ہو سکتی۔ (الفتاویٰ الکبریٰ (4 / 561)

عورت کا اپنا آپ خاوند کے سپرد کرنا:

جب عقد نکاح مکمل اور صحیح شرط کے ساتھ پورا اور صحیح ہو تو عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کر دے

اور اسے استمتاع و نفع اٹھانے دے، اس لیے کہ عقد نکاح کی وجہ سے عوض خاوند کے سپرد ہونا چاہیے، جو کہ استمتاع اور نفع کی صورت میں ہے، اور اسی طرح عورت بھی عوض کی مستحق ہے جو کہ مہر کی صورت میں دیا جاتا ہے۔

بیوی کی اپنے خاوند سے حسن معاشرت:

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حق ہیں جیسے ان مردوں کے ہیں اچھائی کے ساتھ) (البقرة: 228)

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: یعنی ان عورتوں کے لیے حسن صحبت، اور اچھے اور احسن انداز میں معاشرت بھی ان کے خاوندوں پر اسی طرح ہے جس طرح ان پر اللہ تعالیٰ نے خاوندوں کی اطاعت واجب کی ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے: ان عورتوں کے لیے یہ بھی ہے کہ ان کے خاوند انہیں تکلیف اور ضرر نہ دیں جس طرح ان عورتوں پر خاوندوں کے لیے ہے۔ یہ امام طبری کا قول ہے۔

اور ابن زید رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔

تم ان عورتوں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس سے ڈرو، جس طرح کہ ان عورتوں پر بھی ہے کہ وہ بھی تمہارے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کریں اور ڈریں۔ اور معنی قریب قریب سب ایک ہی ہے، اور مندرجہ بالا آیت سب حقوق زوجیت کو عام ہے۔ (تفسیر القرطبی) (3 / 124-123)

موجود شوہر کے مال میں سے بیوی کے خرچ کی ادائیگی کا حکم

(وَإِذَا غَابَ الرَّجُلُ وَلَهُ مَالٌ فِي يَدِ رَجُلٍ يَعْتَرِفُ بِهِ وَبِالزَّوْجِيَّةِ فَرَضَ الْقَاضِي فِي ذَلِكَ وَلَمْ يَعْتَرِفْ بِهِ) لِأَنَّهُ لَمَّا أَقَرَّ بِالزَّوْجِيَّةِ الْوَدِيعَةَ فَقَدْ أَقَرَّ أَنَّ حَقَّ الْإِخْدِ لَهَا؛ لِأَنَّ لَهَا أَنْ تَأْخُذَ مِنْ مَالِ الزَّوْجِ حَقَّهَا مِنْ غَيْرِ رِضَا، وَأَقْرَارُ صَاحِبِ الْيَدِ مَقْبُولٌ فِي حَقِّ نَفْسِهِ لَا سِيَّمَا هَاهُنَا فَإِنَّهُ لَوْ أَنْكَرَ أَحَدَ الْأَمْرَيْنِ لَا تُقْبَلُ بَيِّنَةُ الْمَرْأَةِ فِيهِ لِأَنَّ الْمَوْدِعَ لَيْسَ بِخَصْمٍ فِي اثْبَاتِ الزَّوْجِيَّةِ عَلَيْهِ وَلَا الْمَرْأَةُ خَصْمٌ فِي اثْبَاتِ حُقُوقِ الْغَائِبِ، وَإِذَا ثَبَتَ فِي حَقِّهِ تَعَدَّى إِلَى الْغَائِبِ، وَكَذَا إِذَا كَانَ الْمَالُ فِي يَدِهِ مُضَارَبَةً، وَكَذَا الْجَوَابُ فِي الدَّيْنِ، وَهَذَا كُلُّهُ إِذَا كَانَ الْمَالُ مِنْ جِنْسِ حَقِّهَا دَرَاهِمَ أَوْ دَنَانِيرَ أَوْ طَعَامًا أَوْ كِسُوفَةً مِنْ جِنْسِ حَقِّهَا، أَمَّا إِذَا كَانَ مِنْ خِلَافِ جِنْسِهِ

لَا تُفَرِّضُ النَّفَقَةَ فِيهِ لِأَنَّهُ يَحْتَاجُ إِلَى الْبَيْعِ، وَلَا يَبَاعُ مَالُ الْغَائِبِ بِإِلَافٍ، أَمَّا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فَلِأَنَّهُ لَا يَبَاعُ عَلَى الْحَاضِرِ وَكَذَا عَلَى الْغَائِبِ، وَأَمَّا عِنْدَهُمَا فَلِأَنَّهُ إِنْ كَانَ يَقْضَى عَلَى الْحَاضِرِ لِأَنَّهُ يَعْرِفُ امْتِنَاعَهُ لَا يَقْضَى عَلَى الْغَائِبِ لِأَنَّهُ لَا يَعْرِفُ امْتِنَاعَهُ.

قَالَ (وَيَأْخُذُ مِنْهَا كَفِيلًا بِهَا) نَظَرًا لِلْغَائِبِ لِأَنَّهُ رُبَّمَا اسْتَوْفَتْ النَّفَقَةَ أَوْ طَلَّقَهَا الزَّوْجَ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَرُقَّ بَيْنَ هَذَا وَبَيْنَ الْمِيرَاثِ إِذَا قَسَمَ بَيْنَ وَرَثَةٍ حُضُورًا بِالْبَيِّنَةِ وَلَمْ يَقُولُوا: لَا نَعْلَمُ لَهُ وَارِثًا آخَرَ حَيْثُ لَا يُؤْخَذُ مِنْهُمْ الْكَفِيلُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّ هُنَاكَ الْمَكْفُولُ لَهُ مَجْهُولٌ وَهَاهُنَا مَعْلُومٌ وَهُوَ الزَّوْجُ وَيُحْلِفُهَا بِاللَّهِ مَا أَعْطَاهَا النَّفَقَةَ نَظَرًا لِلْغَائِبِ.

قَالَ (وَلَا يَقْضَى بِنَفَقَةٍ فِي مَالِ غَائِبٍ إِلَّا لِهَؤُلَاءِ) وَوَجْهُ الْفَرْقِ هُوَ أَنَّ نَفَقَةَ هَؤُلَاءِ رَاجِعَةٌ قَبْلَ قَضَاءِ الْقَاضِي وَلِهَذَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَأْخُذُوا قَبْلَ الْقَضَاءِ فَكَانَ قَضَاءُ الْقَاضِي إِعَانَةً لَهُمْ، أَمَّا غَيْرُهُمْ مِنَ الْمَحَارِمِ فَتَفَقُّهُمْ إِنَّمَا تَجِبُ بِالْقَضَاءِ لِأَنَّهُ مُجْتَهِدٌ فِيهِ، وَالْقَضَاءُ عَلَى الْغَائِبِ لَا يَجُوزُ، وَلَوْ لَمْ يَعْلَمْ الْقَاضِي بِذَلِكَ وَلَمْ يَكُنْ مُقَرَّرًا بِهِ فَأَقَامَتْ الْبَيِّنَةُ عَلَى الزَّوْجِيَّةِ أَوْ لَمْ يُخْلَفْ مَالًا فَأَقَامَتْ الْبَيِّنَةُ لِيَفْرِضَ الْقَاضِي نَفَقَتَهَا عَلَى الْغَائِبِ وَيَأْمُرَهَا بِالِاسْتِدَانَةِ لَا يَقْضَى الْقَاضِي بِذَلِكَ لِأَنَّ فِي ذَلِكَ قَضَاءً عَلَى الْغَائِبِ.

وَقَالَ زُفَرٌ: يَقْضَى فِيهِ لِأَنَّ فِيهِ نَظَرًا لَهَا وَلَا ضَرَرَ فِيهِ عَلَى الْغَائِبِ، فَإِنَّهُ لَوْ حَضَرَ وَصَدَّقَهَا فَقَدْ أَخَذَتْ حَقَّهَا، وَإِنْ جَحَدَ يَخْلِفُ، فَإِنْ نَكَلَ فَقَدْ صَدَقَ، وَإِنْ أَقَامَتْ بَيِّنَةً فَقَدْ ثَبَتَ حَقُّهَا، وَإِنْ عَجَزَتْ يَضْمَنُ الْكَفِيلُ أَوْ الْمَرْأَةُ، وَعَمَلُ الْقَضَاةِ الْيَوْمَ عَلَى هَذَا أَنَّهُ يَقْضَى بِالنَّفَقَةِ عَلَى الْغَائِبِ لِحَاجَةِ النَّاسِ وَهُوَ مُجْتَهِدٌ فِيهِ، وَفِي هَذِهِ

الْمَسْأَلَةُ أَقْوَبُ لِمَرْجُوعٍ عَنْهَا فَلَمْ يَذْكُرْهَا.

ترجمہ

اور اگر کوئی شخص کہیں چلا جاتا ہے اور اس کا کچھ مال کسی دوسرے شخص کے پاس موجود ہو جس کا اس نے اعتراف بھی کیا ہو اور وہ یہ بھی اعتراف کرے کہ یہ عورت اس غیر موجود مرد کی بیوی ہے تو قاضی اس مال میں سے اس غیر موجود شخص کی بیوی اس کی کس اولاد اور اس غیر موجود شخص کے والدین کا حصہ مقررہ کر دے گا۔

اسی طرح اگر قاضی کو امانت کے مال کا علم ہو جائے خواہ امانت رکھنے والا شخص اس کا اعتراف نہ بھی کرے (تو یہی حکم ہوگا) پہلے مسئلے کی وجہ یہ ہے: جب اس نے زوجیت اور ودیعت دونوں کا قرار کر لیا تو گویا اس نے یہ بھی اقرار کر لیا کہ اس بیوی کو اس مال میں سے خرچ لینے کا حق حاصل ہے کیونکہ بیوی شوہر کی رضامندی کے بغیر بھی اس کے مال میں سے اپنی ضرورت کے مطابق خرچ لے سکتی ہے اور مال پر قبضہ رکھنے والے شخص کا اقرار اپنی ذات کے حق میں مقبول ہوگا خصوصاً زیر بحث مسئلے میں ضرور قبول کیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے: اگر وہ ودیعت یا زوجیت میں سے کسی ایک چیز کا انکار کر دیتا تو اس کے مقابلے میں عورت کے گواہ قبول نہیں کئے جاتے کیونکہ زوجیت کے ثبوت کیسے ودیعت رکھنے والا شخص خصم (فریق خف) نہیں بن سکتا۔ اسی طرح بیوی غیر موجود شخص کے حقوق ثابت کرنے کے لئے خصم نہیں بن سکتی۔

لیکن جب ودیعت رکھنے والا شخص خود دونوں باتوں کا اقرار کرے تو یہ ثبوت اور یہ اعتراف غیر موجود شخص کی طرف متعدی ہوگا۔ اگر اس غیر موجود شخص کا مال اس کے پاس مضاربت کے طور پر ہو تو مسئلے کی یہی صورت ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی شخص کے ذمے اس غیر موجود شخص کا مال بطور قرض ہو تو بھی یہی صورت ہوگی۔

یہ سب صورتیں اس وقت ہیں جب وہ مال عورت کے حق جنس سے تعلق رکھتا ہو جیسے روپیہ پیہہ اناج اور لباس جس کا حق عورت کو حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ مال عورت کے حق کی جنس سے مختلف ہو تو قاضی اس میں سے خرچ مقرر نہیں کرے گا کیونکہ خرچ مقرر کرنے کے لئے مال کو فروخت کرنا پڑے گا اور یہ ایک طے شدہ اصول ہے غیر موجود شخص کا مال فروخت نہیں کیا جاسکتا۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس حکم کی وجہ یہ ہے: کہ جس طرح موجود شخص کا مال فروخت نہیں کیا جاسکتا اسی طرح غیر موجود شخص کا مال بھی فروخت نہیں کیا جاسکتا۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک حکم یہ ہے حاضر شخص کے مال کو فروخت کرنے کا حکم قاضی اس وقت دیتا ہے جب وہ شخص حق کی ادائیگی سے انکار کرتا ہے لیکن غیر موجود شخص کے بارے میں فیصلہ نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اس کے انکار کے (ہونے یا نہ ہونے) کے بارے میں پتہ نہیں چل سکتا۔ فرماتے ہیں: قاضی فیصلہ کرتے ہوئے اس عورت کی طرف سے ایک ضامن لے گا تاکہ اس غیر موجود شخص کے مال کی نگہداشت بھی ہو سکے کیونکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بیوی مرد سے پہلے ہی اپنا خرچ وصول کر چکی ہوتی ہے اور وہ مرد اسے طلاق دے چکا ہوتا ہے اور اس کی عدت بھی گزر چکی ہوتی ہے۔

اس مسئلے اور وراثت کے درمیان فرق یہ ہے: جب ثبوت کی موجودگی میں وراثت کے درمیان کو تقسیم کر دیا جائے اور انہوں نے یہ نہ کہا ہو: ہمارے علم کے مطابق (مرحوم کا) اور کوئی وارث نہیں ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس صورت میں ان سے کفیل نہیں لیا جائے گا کیونکہ وہاں وہ شخص جس کے لئے کفیل لیا جا رہا ہے نامعلوم ہے اور یہاں معلوم ہے اور وہ عورت کا شوہر ہے اس لئے قاضی اس عورت سے قسم لے گا خدا کی قسم شوہر نے اسے خرچ نہیں دیا تھا تاکہ غیر موجود شخص پر شفقت ثابت ہو سکے۔

فرماتے ہیں ان کے علاوہ اور کسی کے لئے قاضی غائب شخص کے مال میں سے فیصلہ نہیں دے سکتا۔ فرق کی وجہ یہ ہے ان دو کا حق قاضی کے فیصلے سے پہلے ہی مازم تھا اس لئے اس فیصلے سے پہلے ہی انہیں خرچ لینے کا اختیار تھا قاضی کا فیصلہ ان دوگوں کی مددگار ہوگا۔ جہاں تک دیگر رشتے داروں کے خرچ کا تعلق ہے تو ان کا خرچ قاضی کے فیصلے سے ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ قاضی اس حوالے سے مجتہد ہوتا ہے اور غیر موجود شخص کے بارے میں فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر قاضی کو اس عورت کا اس شخص کی بیوی ہونا معلوم نہ ہو اور جس شخص کے پاس ودیعت رکھی گئی تھی وہ بھی اقرار نہ کرے اور پھر بیوی اپنے بیوی ہونے کا ثبوت پیش کر دے یا شوہر نے مال ہی نہ چھوڑا ہو لیکن عورت اس بات کا ثبوت پیش کر دے تاکہ قاضی غائب شخص کے خلاف اس کا خرچ مقرر کر دے اور بیوی کو قرض لینے کا حکم دے تو (ثبوت پیش کر دینے کے باوجود) قاضی یہ حکم نہیں دے سکتا کیونکہ اس صورت میں غیر موجود شخص کے خلاف فیصلہ کرنا لازم آتا ہے۔

امام زفر نے یہ بات بیان کی ہے ایسی صورت میں قاضی فیصلہ دے گا کیونکہ اس صورت میں عورت کے لئے شفقت پائی جاتی ہے اور غیر موجود شخص کے خلاف کوئی ضرر نہیں ہے کیونکہ اگر وہ حاضر ہو اور عورت کی بات کی تصدیق کر دے تو عورت نے اپنا حق وصول کر لیا ہے اور اگر وہ انکار بھی کر دے تو اس سے قسم لی جائے گی پھر اگر وہ قسم سے انکار کر دیتا ہے تو اس کے قول کی تصدیق کی جائے گی اگر وہ عورت کوئی ثبوت پیش کر دے تو اس کا حق ثابت ہو جائے گا۔ اگر وہ عورت ثبوت پیش نہ کر سکے تو وہ عورت یا اس کا کفیل اس مال کے ذمہ دار ہوں گے۔ آج کل کے قاضی حضرات اسی قول کے مطابق فیصلہ دیتے ہیں۔ دوگوں کی ضرورت کی پیش نظر قاضی غیر موجود شخص کے خلاف خرچ کا فیصلہ دیتا ہے اس میں بھی اجتہاد پایا جاتا ہے اور اس بارے میں ایسے اقوال بھی ہیں جن سے رجوع کیا جا چکا ہے اس لئے ہم نے ان کا ذکر نہیں کیا۔

شرح

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہند بنت عتبہؓ آئی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہے اگر میں اس کے مال میں سے اپنے بچوں کو کھلاؤں تو کوئی حرج ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، بشرطیکہ دستور کے مطابق ہو۔

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 330)

حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ابوسلمہ کے بچوں کو خرچ دینے میں مجھے ثواب ملے گا میں انہیں اس حالت میں اور اس طرح (فقر کی حالت میں) چھوڑ نہیں سکتی وہ بھی میرے ہی بچے ہیں، آپ نے فرمایا ہاں تجھے ثواب ملے گا

جو تو انکی ذات پر خرچ کرے گی۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 340)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بہتر صدقہ وہ ہے کہ صدقہ دینے والے کی مالداری قائم رہے اور اوپر دیا نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے اور اپنے رشتہ داروں سے ابتدا کرو (اور کیا یہ اچھی بات ہے) کہ عورت کہے یہ تو مجھے کھانا دیا مجھے طلاق دے دو، غلام کہے کہ مجھے کھلاؤ اور مجھ سے کام ہو اور بیٹا کہے کہ مجھ کو کھانا کھلاؤ مجھے کس پر چھوڑتے ہو، لوگوں نے پوچھا اے ابو ہریرہ تم نے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، انہوں نے کہا نہیں، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی طرف سے کہتا ہے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 326)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہند بنت عتبہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہے اور مجھے کچھ بھی نہیں دیتا کہ جو میرے بچوں کو کافی ہو جائے، سوائے اس کے کہ جو میں اسے بتائے بغیر لے لیتی ہوں تو آپ نے فرمایا جس قدر تیرے بچوں کو کافی ہو اس میں سے بقدر ضرورت لے لیا کرو۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 335)

شوہر کے مال سے قاضی کے نفقہ دلوانے کا بیان

علامہ قاضی خان حنفی مدد الرحمن لکھتے ہیں کہ جب عورت نے قاضی کے پاس آ کر بیان کیا کہ میرا شوہر کہیں گیا ہے اور مجھے نفقہ کے لیے کچھ دے کر نہ گیا تو اگر کچھ روپے یا غنہ چھوڑ گیا ہے اور قاضی کو معلوم ہے کہ یہ اس کی عورت ہے تو قاضی حکم دیا کہ اس میں سے خرچ کرے مگر فضول خرچ نہ کرے مگر یہ قسم لے لے کہ اس سے نفقہ نہیں پایا ہے اور کوئی ایسی بات بھی نہیں ہوئی ہے جس سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے اور عورت سے کوئی ضامن بھی لے۔ (فتاویٰ خانہ، باب نفقہ)

علامہ علاء الدین حنفی مدد الرحمن لکھتے ہیں کہ جب کسی عورت کا شوہر کہیں چلا گیا ہے اور نفقہ نہیں دے گیا مگر گھر میں اسباب وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو نفقہ کی جنس سے نہیں تو عورت ان چیزوں کو بیچ کر کھانے وغیرہ میں نہیں صرف کر سکتی۔

جس مقدار پر رضامندی ہوئی یا قاضی نے مقرر کی عورت کہتی ہے کہ یہ تاکافی ہے تو مقدار بڑھادی جائے یا شوہر کہتا ہے کہ یہ زیادہ ہے اس سے کم میں کام چل جائیگا کیونکہ اب ارزانی ہے یا مقررہ زیادہ مقدار ہوئی اور قاضی کو بھی معلوم ہو گیا کہ یہ رقم زائد ہے تو کم کر دی جائے۔ چند مہینے کا نفقہ باقی تھا اور دونوں میں سے کوئی مر گیا تو نفقہ ساقط ہو گیا ہاں اگر قاضی نے عورت کو حکم دیا تھا کہ قرض لیکر صرف کرے پھر کوئی مر گیا تو ساقط نہ ہوگا۔ طلاق سے بھی بیشتر کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے مگر جبکہ اسی لیے طلاق دی ہو کہ نفقہ ساقط ہو جائے تو ساقط نہ ہوگا۔ (در مختار، باب نفقہ)

اہل و عیال پر خرچ کرنے کی فضیلت کا بیان

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حجۃ الوداع کے سال خطبہ دیتے ہوئے سنا کہ کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر کوئی چیز خرچ نہ کرے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

پوچھا گیا کیا کسی کو کھانا بھی نہ دے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ تو ہمارے مالوں میں سے افضل ترین ہے اس باب میں سعد بن ابی وقاص اسماء بنت ابوبکر ابو ہریرہ عبد اللہ بن عمرو اور عائشہ سے بھی روایت ہے امام ابویسی ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابوامامہ حسن ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 652)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کوئی عورت اپنے خاوند کے مال سے صدقہ دے تو اس کے لئے بھی اجر ہے اور اسکے خاوند کے لئے اس کی مثل ہے اور خاتون کے لئے بھی اس کے برابر ہے اور کسی ایک کو اجر ملنے سے کسی دوسرے کا اجر کم نہیں ہوتا شوہر کے لئے کمانے اور بیوی کے لئے خرچ کرنے کا اجر ہے امام ابویسی ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 653)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ دینار جس کو تو اللہ کے راستہ میں خرچ کرتا ہے اور وہ دینار جس کو تو غلام پر خرچ کرتا ہے اور وہ دینار جو تو نے مسکین پر خیرات کر دیا اور وہ دینار جو تو نے اپنے اہل و عیال پر خرچ کیا ہے ان میں سب سے زیادہ ثواب اس دینار کا ہے جو تو اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے۔

(صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 2304)

## فصل

﴿یہ فصل مطلقہ کیلئے نفقہ و سکنہ فراہم کرنے کے بیان میں ہے﴾

فصل نفقہ و سکنہ کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بارتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مصنف علیہ الرحمہ حالت نکاح کے احکام نفقہ و سکنہ سے فارغ ہوئے ہیں تو اب نہیں نے حالت مفارقت کے نفقہ و سکنہ کو بیان کرنا شروع کیا ہے۔ (عنہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۲۳۰، بیروت)

کیونکہ نکاح کی حالت میں نفقہ و سکنہ کا سبب نکاح سے ہے اور نکاح چونکہ مفارقت سے مقدم ہے لہذا مصنف علیہ الرحمہ نے اس کو مقدم ذکر کیا ہے اور مفارقت نکاح کے بعد طلاق وغیرہ کے سبب سے ہے اور یہ عوارض مؤخر ہیں لہذا مصنف علیہ الرحمہ عوارض مؤخرہ کے سبب ہونے کے پیش نظر اس فصل کو مؤخر ذکر کیا ہے۔ (رضوی عفی عنہ)

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

"اگر مرد ہر ایک کو واجب کردہ اخراجات اور لباس وغیرہ دیتا ہے تو پھر اس پر ان دونوں میں نفقہ اور لباس میں برابری کرنا واجب نہیں، امام احمد رحمہ اللہ نے ایک شخص جس کی دو بیویاں تھیں کے متعلق فرمایا: اس کو حق حاصل ہے کہ وہ ایک کو دوسری پر نفقہ اور شہوات اور رہائش میں فضیلت دے، جب دوسری کے پاس کفالت کرنے والے اخراجات اور رہائش وغیرہ ہو، اور وہ اس کے لیے دوسری بیوی سے زیادہ قیمتی لباس خرید سکتا ہے، اور یہ کفالت میں ہو۔ (المغنی) 10 ر (242)

اور امام احمد رحمہ اللہ سے ایک دوسری روایت وارد ہے کہ "نفقہ اور لباس وغیرہ میں خاوند پر عدل کرنا واجب ہے، اور اسے کسی ایک کو فضیلت دینے کا حق نہیں۔

طلاق یافتہ عورت کو خرچ اور رہائش فراہم کرنا

(وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فَلَهَا النِّفْقَةُ وَالسُّكْنَى فِي عِدَّتِهَا رَجْعًا كَانَ أَوْ بَائِنًا) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا نَفْقَةَ لِلْمَبْتُوتَةِ إِلَّا إِذَا كَانَتْ حَامِلًا، أَمَّا الرَّجْعِيُّ فَلَاَنَّ النِّكَاحَ بَعْدَهُ قَائِمٌ لَا يَسِيمَا عِنْدَنَا فَإِنَّهُ يَحِلُّ لَهُ الْوَطْءُ، وَأَمَّا الْبَائِنُ فَوَجْهُ قَوْلِهِ مَا رَوَى (عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ: طَلَّقَنِي زَوْجِي ثَلَاثًا فَلَمْ يَقْرَضْ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُكْنَى وَلَا نَفْقَةً) (۱) وَلَا أَنَّهُ لَا مِلْكَ لَهُ وَهِيَ مُرْتَبَةٌ عَلَى الْمِلْكِ وَلِهَذَا لَا تَجِبُ لِلْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا لَا بَعْدَ امِّهِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَتْ حَامِلًا لَا نَا عَرَفْنَاهُ بِالنِّصِّ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى (وَإِنْ

كُنْ أُولَاتٍ حَمَلٍ فَأَنْفَقُوا عَلَيْهِنَّ) الْآيَةُ.

وَلَنَا أَنَّ السَّفَقَةَ جَزَاءُ اخْتِبَاسٍ عَلَى مَا ذَكَرْنَا، وَالْاِخْتِبَاسُ قَائِمٌ فِي حَقِّ حُكْمٍ مَقْصُودٍ بِالنِّكَاحِ وَهُوَ الْوَلَدُ إِذَا الْعِدَّةُ وَاجِبَةٌ لِصِيَانَةِ الْوَلَدِ فَتَجِبُ النِّفْقَةُ وَلِهَذَا كَانَ لَهَا السُّكْنَى بِالْإِجْمَاعِ وَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَتْ حَامِلًا. وَحَدِيثُ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ رَدَّهُ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَإِنَّهُ قَالَ: لَا نَدْعُ كِتَابَ رَبِّنَا وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا يَقُولُ امْرَأَةٌ لَا تَدْرِي صَدَقْتُ أَمْ كَذَبْتُ حَفِظْتُ أَمْ نَيْيْتُ (۱)، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: (لِلْمُطَلَّاقَةِ الثَّلَاثِ النِّفْقَةُ وَالسُّكْنَى مَا دَامَتْ فِي الْعِدَّةِ (۲)) وَرَدَّهُ أَيْضًا رَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَأَسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَجَابِرٌ وَعَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ. (۳)

(۱) أخرجه مسلم في "صحيحه" باب المطلقة البائنة لا نفقة لها برقم (۳۷۰) و أبو داود في "سننه" برقم (۲۲۸۸) والترمذي في "معجمه" برقم (۱۱۹۷) والحاقي في "المجتبى" برقم (۳۴۲۰) وابن ماجه برقم (۲۰۳۶) وأحمد في "المسند" ۳۷۳/۶۔ (۱) قوله لا تدري أصحقت أم كذبت: ليس هو بهذا اللفظ في الأصول الخمسة فالدي عبد مسلم. "لا تدري حمضت أم نسيت" و نحوه عند أبي داود والترمذي، و لا تذكر هذه الجملة عند النسائي و ابن ماجه، وجاءت بلفظ مسلم في "المصنف" لابن شيبة ۱۱۷۱/۲۔ وجاءت في "شرح معاني الآثار" للطحاوي ۶۷/۳ بلفظ: لا تدري لعلها كذبت۔ وفي رواية ثالثة عنده ۶۸/۳ لعلها أوهمت۔ ومعنى لعلها كذبت و لعلها أوهمت واحد أي لعلها أخطأت۔ فعمد رضى الله عنه عنهما انهم فاطمة بنت قيس رضى الله عنها بالكذب والافتعال للغير، اما أراد أنها قد تكون أخطأت بلفظ: لا تدري۔ والظاهر أن هذا من تصرف بعض الرواة ذهابا منهم أن المعنى واحد و كذب ثانی بمعنى أخطأ۔ قال الخطابي كما في "عون المعبود" ۱/۶۳: والعرب تضع (الكذب) موضع (الخطأ) في كلامها، يقول: كذب سمعي وكذب بصري۔ و من هذا قول الشافعي في "المرجل الذي صف له العسل" صدق الله، وكذب أخيك" انظر تعليق العلامة أبو غدة على "قواعد في علوم الحديث" ص ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ (۲) أخرجه مسلم في "صحيحه" برقم (۴۷) (۳) أما حديث جابر فأخرجه الدارقطني في "سننه" ۴۳۳/۲ في التبريد حرب بن أبي العالبة أبو معاذ البصري صلوات بهم، و حديث عائشة أخرجه مسلم في "صحيحه" ۳۶۸/۱۔ وأما عن ريد بن ثابت و أسامة بن زيد فلم يحدده مع جوا "الهداية انظر" نصب الراية" ۲۷۲/۳ و "الدرية" ۸۳/۲۔

ترجمہ

اور جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے جو رجعی ہو یا بائنہ ہو تو عدت کے دوران اس عورت کے اخراجات اور رہائش انتظام شوہر کے ذمے ہوگا۔ امام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے طلاق بائنہ حاصل کرنے والی عورت کو خرچ نہیں ملے گا۔ البتہ اگر وہ حاملہ ہو تو اسے خرچ دیا جائے گا۔

رجعی طلاق کی صورت میں خرچ اس لئے لازم ہوتا ہے کیونکہ عدت پوری ہونے تک نکاح برقرار رہتا ہے۔ بطور خاص ہمارے نزدیک کیونکہ اس دوران صحبت کرنا جائز ہوتا ہے۔ بائنہ طلاق کی صورت میں خرچ کے لازم نہ ہونے کی دلیل نبی اکرم صلی





ابھی کا اطلاق اس شخص پر بھی تو ہوتا ہے جو دو طلاق پہلے دے کر رجوع کر چکا ہو اور اب اسے صرف ایک ہی طلاق دینے کا حق باقی ہو۔ دوسری دلیل ان کی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دینے کا جب یہ طریقہ بتایا کہ آدمی یا تو ایسے طہر میں طلاق دے جس میں مباشرت نہ کی گئی ہو یا ایسی حائضہ میں طلاق دے جبکہ عورت کا حاملہ ہونا ظاہر ہو چکا ہو تو اس میں آپ نے پہلی دوسری، یا آخری طلاق کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا۔ لہذا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ان کو اسی جگہ رکھو جہاں تم رہتے ہو ہر قسم کی طلاق سے متعلق ناجائز ہے۔ تیسری دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ حاملہ مطلقہ خواہ رجعیہ ہو یا متوتہ، اس کی سکونت اور اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے۔ اور غیر حاملہ رجعیہ کے لیے بھی یہ دونوں حقوق واجب ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کونت اور نفقہ کا وجوب دراصل نسل کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس بنا پر ہے کہ یہ دونوں قسم کی عورتیں شرعاً شوہر کے گھر میں رہنے پر مجبور ہیں۔ اب اگر یہی حکم متوتہ غیر حامد کے بارے میں بھی ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی سکونت اور اس کا نفقہ مرد کے ذمہ نہ ہو۔

دوسرے گروہ کہتے ہیں کہ مطلقہ متوتہ کے لیے سکونت کا حق تو ہے مگر نفقہ کا حق نہیں ہے۔ یہ مسلک سعید بن المسیب، سلیمان بن یوسف، عطاء، شععی، اوزاعی، لیث اور ابو سعید رحمہم اللہ کا ہے، اور امام شافعی اور امام مالک نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ لیکن مفتی الحقان میں امام شافعی کا مسلک اس سے مختلف بیان ہوا ہے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

تیسرا گروہ کہتا ہے کہ مطلقہ متوتہ کے لیے نہ سکونت کا حق ہے نہ نفقہ کا۔ یہ مسلک حسن بصری، حماد، ابن ابی لیلیٰ، عمرو بن دینار، طاؤس، اسحاق بن راہویہ، اور ابو ثور کا ہے۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباس کا بھی یہی مسلک نقل کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل اور امامیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

اور مفتی الحقان میں شافعی کا مسلک بھی یہ بیان کیا گیا ہے کہ تحب سکی لمعتلہ طلاق او حاملہ ولا بانس ..... ولا حاملہ البانس لا نفقة لها ولا کسوة۔ طلاق کی بنا پر جو عورت عدت گزار رہی ہو اس کے لیے سکونت کا حق واجب ہے خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو، مگر بانس کے لیے واجب نہیں ہے ..... اور غیر حاملہ بانس کے لیے نہ نفقہ ہے اور نہ کسوا۔ اس مسلک کا استدلال ایک تو قرآن مجید کی اس آیت سے ہے کہ لَا تَذِرُنَّ لَعَلَّ الْمَالُ يَنْفِقَ ذَٰلِكَ أَمْرًا تَنْهَى جاتے، شاید اس کے بعد اللہ موافقت کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ بات مطلقہ رجعیہ کے حق میں درست ہو سکتی ہے نہ کہ متوتہ کے حق میں۔ اس لیے مطلقہ کو گھر میں رکھنے کا حکم بھی رجعیہ ہی کے لیے خاص ہے۔ دوسرا استدلال فقہ طہ بنت قیس کی حدیث سے ہے جسے کتب حدیث میں بکثرت صحیح سندوں کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔

یہ فقہ طہ بنت قیس الفہم یہ اولین مہاجرات میں سے تھیں، بڑی عاقلہ بھی جاتی تھیں، اور حضرت عمرؓ کی شہادت کے موقع پر اصحاب شوریٰ کا اجتماع انہی کے ہاں ہوا تھا۔ یہ پہلے ابو عمرو بن حفص الحکیمؓ کے نکاح میں تھیں، پھر ان کے شوہر نے ان کو تین طلاقیں دے کر الگ کر دیا، اور بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت اسماءہ بن زید سے کیا۔ ان کا قصہ یہ ہے کہ ان کو شوہر ابو عمرو پہلے ان کو دو طلاق دے چکے تھے۔ پھر جب حضرت علیؓ کے ساتھ وہ یمن بھیجے گئے تو انہوں نے وہاں سے باقی

مذہب تیسری طلاق بھی ان کو بھیج دی۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ ابو عمرو بنی نے اپنے رشتہ داروں کو پیغام بھیجا تھا کہ عدت کے زمانے میں ان کو گھر میں رکھیں اور ان کا خرچ برداشت کریں۔ اور بعض میں یہ ہے کہ انہوں نے خود نفقہ و سکونت کے حق کا مطالبہ کیا تھا۔ بہر حال جو صورت بھی ہو، شوہر کے رشتہ داروں نے ان کا حق ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر یہ دعویٰ لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں، اور حضور ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ نہ تمہارے لیے نفقہ ہے نہ سکونت۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «الساكنة والسكنى للمرأة على زوجها ما كانت له عدها رجعة، فإذا لم يكن له عليها رجعة فلا نفقة ولا سكنى۔ عورت کا نفقہ اور اس کی سکونت تو شوہر پر اس صورت میں واجب ہے جب کہ شوہر کو اس پر رجوع کا حق ہو۔ مگر جب رجوع کا حق نہ ہو تو نہ نفقہ ہے نہ سکونت (مسند احمد)»

طبرانی اور نسائی نے بھی قریب قریب یہی روایت نقل کی ہے اور اس کے آخری الفاظ یہ ہیں فاداکانت لا تحل له حتی نسكح زوجها غيره فلا نفقة ولا سكنى۔ لیکن جب وہ اس کے لیے اس وقت تک حلال نہ ہو جب تک اس کے سوا کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے تو پھر اس کے لیے نہ نفقہ ہے نہ سکونت۔ یہ حکم بیان کرنے کے بعد حضور ﷺ نے ان کو پہلے ام شریک کے گھر میں عدت گزارنے کا حکم دیا اور بعد میں فرمایا کہ تم ابن ام مکتوم کے ہاں رہو۔

لیکن اس حدیث کو جن لوگوں نے قبول نہیں کیا ہے ان کے دلائل یہ ہیں۔

اول، ان کو شوہر کے رشتہ داروں کا گھر چھوڑنے کا حکم اس لیے دیا گیا تھا کہ وہ بہت تیز زبان تھیں اور شوہر کے رشتہ داروں کی بد مزاجی سے تنگ تھیں۔ سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ ان خاتون نے اپنی حدیث بیان کر کے لوگوں کو فتنے میں ڈال دیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ زبان دراز تھیں، اس لیے ان کو ابن ام مکتوم کے ہاں رکھا گیا (ابوداؤد)۔ دوسری روایت میں سعید بن المسیب کا یہ قول منقول ہوا ہے کہ انہوں نے اپنے شوہر کے رشتہ داروں سے زبان درازی کی تھی اس لیے انہیں اس گھر سے منتقل ہونے کا حکم دیا گیا تھا (بہاص)۔ سلیمان بن یسار کہتے ہیں ان کا گھر سے نکلنا دراصل بد مزاجی کی وجہ سے تھا (ابوداؤد)۔

ثانی، ان کی روایت کو حضرت عمرؓ نے اس زمانے میں رد کر دیا تھا جب بکثرت صحابہ موجود تھے اور اس معاملہ کی پوری تحقیقات ہو چکی تھی۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں کجب حضرت عمرؓ کو فاطمہؓ کی یہ حدیث پہنچی تو انہوں نے فرمایا لسننا بتاوا کسی آیت فی کتاب اللہ و لقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقسل اماء لعلها اوهمت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول لها السكنى و نفقة۔ ہم کتاب اللہ کی ایک آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے جسے شاید کچھ وہم ہوا ہے۔ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ متوتہ کے لیے سکونت کا حق بھی ہے اور نفقہ کا بھی (بہاص)۔ ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میں اسود بن یزید کے پاس کوفہ کی مسجد میں بیٹھا تھا۔ وہاں شععی نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث کا ذکر کیا۔ اس پر حضرت اسود نے شععی کو کنکریاں کھینچ ماریں اور کہا کہ حضرت عمرؓ نے زمانے میں جب فاطمہؓ کی یہ روایت پیش کی تھی تو انہوں نے کہا تھا ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے رد نہیں کر سکتے معلوم

نہیں اس نے یاد رکھا یہ بھول گئی۔ اس کے لیے نفقہ و رسونت ہے، اللہ کا حکم ہے لَا تُخْعِرْ رَجُلًا مِنْ مَبْنُوتِهِمْ یہ روایت باختلاف الفاظ مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں منقول ہوئی ہے۔

ثام، مروان کے زمانہ حکومت میں جن مطلقہ مبنوتہ کے متعلق ایک نزاع چل پڑی تھی، حضرت عائشہؓ نے فاطمہ بنت قیس کی روایت پر سخت اعتراضات کیے تھے۔ قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کیا آپ کو فاطمہ کا قصہ معلوم نہیں ہے؟ انہوں نے جواب دیا فاطمہ کی حدیث کا ذکر نہ کر دو تو چھ ہے (بخاری) بخاری نے دوسری روایت جو نقل کی ہے اس میں حضرت عائشہؓ کے الفاظ یہ ہیں فاطمہ کو یہ ہو گیا ہے، وہ خدا سے ڈرتی نہیں؟ تیسری روایت میں حضرت عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا فاطمہ کے لیے یہ حدیث بیان کرنے میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ حضرت عروہ ایک اور روایت میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فاطمہ پر سخت ناراضی اک اظہار فرمایا اور کہا وہ دراصل ایک خالی مکان میں تھیں جہاں کوئی مونس نہ تھا اس لیے ان کی سمدستی کی خاطر حضور ﷺ نے ان کو گھر بدل دینے کی ہدایت فرمائی تھی۔

ربیع، بن خاتون کا نکاح بعد میں اسامہ بن زید سے ہوا تھا، اور محمد بن اسامہ کہتے ہیں کہ جب کبھی فاطمہ اس حدیث کا ذکر کرتیں میرے والد، جو چیز بھی ان کے ہاتھ لگتی تھی ان پر دے مارتے تھے (بھاص)۔ ظاہر ہے کہ حضرت اسامہ کے علم میں نہ اس کے خلاف نہ ہوتی تو وہ اس حدیث کی روایت پر اتنی ناراضی کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔ (تفسیر تفہیم القرآن)

بیوہ عورت کیلئے نفقہ نہ ہونے کا بیان

(وَلَا نَفَقَةٌ لِلْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا) لِأَنَّ احْتِبَاسَهَا لَيْسَ لِحَقِّ الزَّوْجِ بَلْ لِحَقِّ الشَّرْعِ فَإِنَّ التَّرْبِصَ عِبَادَةٌ مِنْهَا.

آلَا تَرَى أَنَّ مَعْنَى التَّعْرِيفِ عَنْ بَرَاءَةِ الرَّحِمِ لَيْسَ بِمُرَاعَى فِيهِ حَتَّى لَا يُشْتَرَطَ فِيهَا الْحَيْضُ فَلَا تَجِبُ نَفَقَتُهَا عَلَيْهِ، وَلِأَنَّ النَّفَقَةَ تَجِبُ شَيْئًا فَشَيْئًا وَلَا مِلْكَ لَهُ بَعْدَ الْمَوْتِ فَلَا يُمَكِّنُ إِيَّاجُهَا فِي مِلْكِ الْوَرَثَةِ (وَكُلُّ فُرْقَةٍ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْمَرْأَةِ بِمَعْصِيَةٍ مِثْلِ الرِّدَّةِ وَتَقْبِيلِ ابْنِ الزَّوْجِ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا) لِأَنَّهَا صَارَتْ حَاسَةً نَفْسَهَا بِغَيْرِ حَقٍّ فَصَارَتْ كَمَا إِذَا كَانَتْ نَاشِزَةً، بِخِلَافِ الْمَهْرِ بَعْدَ الدُّخُولِ لِأَنَّهُ وَجَدَ التَّسْلِيمَ فِي حَقِّ الْمَهْرِ بِالْوُطْئِ، وَبِخِلَافِ مَا إِذَا جَاءَتْ الْفُرْقَةُ مِنْ قِبَلِهَا بِغَيْرِ مَعْصِيَةٍ كَحِيَارِ الْعَتَقِ وَحِيَارِ الْبُلُوعِ وَالتَّفْرِيقِ لِعَدَمِ الْكِفَاءِ لِأَنَّهَا حَبَسَتْ نَفْسَهَا

بِحَقِّ وَذَلِكَ لَا يُسْقِطُ النَّفَقَةَ كَمَا إِذَا حَبَسَتْ نَفْسَهَا لِاسْتِيفَاءِ الْمَهْرِ.

ترجمہ

اور بیوہ عورت کو خرچ نہیں ملے گا، کیونکہ اس کا حق شوہر کے حق کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ شریعت کے حق کی وجہ سے ہے کیونکہ اس کا اس عدت کو گزارنا عبادت کے طور پر ہے۔ کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ اس عدت کا بنیادی مقصد رحم کے بری ہونے کی معرفت کا حصول نہیں ہے یہاں تک کہ اس میں حیض بھی شرط نہیں ہے اس لیے مرحوم شوہر پر اس عورت کا خرچ لازم نہیں ہوتا۔ اس کی دوسری دلیل یہ ہے خرچ تھوڑا تھوڑا کر کے لازم ہوتا ہے موت کے بعد شوہر کی کوئی ملکیت باقی نہیں رہی اور وراثہ کی ملکیت میں خرچ واجب کرنا عملی طور پر ممکن نہیں ہے۔

ہر وہ علیحدگی جس کی بنیادی وجہ عورت کی طرف سے معصیت ہو جیسے وہ (معوذ اللہ) مرتد ہو جائے یا شوہر کے بیٹے کا (شہوت کے ساتھ) بوسہ لے تو اس عورت کو خرچ نہیں ملے گا، کیونکہ اس صورت میں اس نے خود اپنی ذات کو ناحق طور پر روکا ہے اور اس کی مثال نافران عورت کی طرح ہو جائے گی۔ جبکہ صحبت کے بعد مہر کے لازم ہونے کا حکم اس سے مختلف ہے چونکہ صحبت کرنے کے نتیجے میں وہ اپنے آپ کو مرد کے سپرد کر چکی ہے لہذا اس کا مہر ثابت ہو جائے گا۔ اور یہ صورت اس حکم سے بھی مختلف ہے جب جدائی کی وجہ عورت ہو لیکن اس میں معصیت نہ پائی جاتی ہو جیسے آزاد ہونے پر حاصل ہونے والا اختیار بائع ہونے پر حاصل ہونے والا اختیار یا غونہ ہونے کی وجہ سے ہونے والی علیحدگی وغیرہ کیونکہ ان تمام صورتوں میں عورت نے اپنے آپ کو اپنے حق کی وجہ سے روکا ہے اس لیے اس سے خرچ ساقط نہیں ہوگا۔ جیسے اگر وہ مہر ملنے سے پہلے اپنے آپ کو مرد کے سپرد نہیں کرتی تو اس دوران سے خرچ ملتا ہے گا۔

بیوہ کے نان و نفقہ میں فقہی مذاہب اربعہ

یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ مطلقہ، خواہ رجعیہ ہو یا مبنوتہ، اگر حاملہ ہو تو وضع حمل تک اس کی سکونت اور اس کے نفقہ کا ذمہ دار شوہر ہے۔ البتہ اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ حاملہ کا شوہر مر گیا ہو، قطع نظر اس سے کہ وہ طلاق دینے کے بعد مراد ہو، یا اس نے کوئی طلاق نہ دی ہو اور عورت زمانہ حمل میں بیوہ ہو گئی ہو۔ اس معاملہ میں فقہاء کے مسالک یہ ہیں۔

۱ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ شوہر کے مجموعی ترکہ میں اس کا نفقہ واجب ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، قاضی شریع، ابوالعالیہ، شعبی اور ابراہیم نخعی سے بھی یہی قول منقول ہے، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بھی ایک قول اسی کی تائید میں ہے (آبوسی۔ بھاص)

۲ ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا دوسرا قول یہ نقل کیا ہے کہ اس پر اس کے پیٹ کے بچہ کے حصے میں سے خرچ کیا جائے اگر میت نے کوئی میراث چھوڑی ہو۔ اور اگر میراث نہ چھوڑی ہو تو میت کے وارثوں کو اس پر خرچ کرنا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا: **وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ** (البقرہ، آیت 233)۔

3 حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت عبد اللہ بن الزبیر، حضرت حسن نھری، حضرت سعید بن المسیب اور حضرت عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ متوفی شوہر کے مال میں اس کے لیے کوئی نفقہ نہیں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی ایک تیسرا قول نقل منقول ہوا ہے (بصاح)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر کے ترکہ میں سے اس کو جو میراث کا حصہ ملا ہو اس سے وہ اپنا خرچ پورا کر سکتی ہے، لیکن شوہر کے مجموعی ترکہ پر اس کا نفقہ عائد نہیں ہوتا جس کا بار تمام وارثوں پر پڑے۔

14 ابن ابی لیل کہتے ہیں کہ اس کا نفقہ متوفی شوہر کے مال میں اسی طرح واجب ہے جس طرح اس کے مال میں کسی کا خرچ واجب ہوتا ہے (بصاح)۔ یعنی مجموعی ترکہ میں سے جس طرح قرض ادا کیا جاتا ہے اسی طرح اس کا نفقہ بھی ادا کیا جائے۔

15 امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر کہتے ہیں کہ میت کے مال میں اس کے لیے نہ سکونت کا حق ہے نہ نفقہ۔ کیونکہ موت کے بعد میت کی کوئی ملکیت ہی نہیں ہے۔ اس کے بعد تو وہ وارثوں کا مال ہے۔ ان کے مال میں حاملہ بیوہ کا نفقہ کے واجب ہو سکتا ہے (ہدایہ، بصاح)۔ یہی مسلک امام احمد بن حنبل کا ہے (الانصاف)۔

16 امام شافعی کہتے ہیں کہ اس کے لیے کوئی نفقہ نہیں ہے، البتہ اسے سکونت کا حق ہے (مغنی المحتاج)۔ ان کا استدلال حضرت ابوسعید خدریؓ کی بہن فریحہ بنت مالک کے اس واقعہ سے ہے کہ ان کے شوہر جب قتل کر دیے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ شوہر کے گھر ہی میں عدت گزاریں (ابوداؤد، نسائی، ترمذی)۔

مزید برآں ان کا استدلال درقطنی کی اس روایت سے ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: **لِلْحَامِلِ الْمَتَوَلَّى عَهَا زَوْجَهَا** نفقہ۔ بیوہ حاملہ کے لیے کوئی نفقہ نہیں ہے۔ یہی مسلک امام مالک کا بھی ہے (حاشیہ الدسوقی)۔

اگر مطلقہ عورت مرتد ہو جائے تو اس کا خرچ ساقط ہو جائے گا

**(وَإِنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ ارْتَدَّتْ وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ سَقَطَتْ نَفَقَتُهَا، وَإِنْ مَكَثَتْ ابْنُ زَوْجِهَا مِنْ نَفْسِهَا فَلَهَا النَّفَقَةُ) مَعْنَاهُ: مَكَثَتْ بَعْدَ الطَّلَاقِ، لِأَنَّ الْفُرْقَةَ تَثْبُتُ بِالطَّلَاقِ الثَّلَاثِ وَلَا عَمَلَ فِيهَا لِلرَّدَّةِ وَالتَّمْكِينِ، إِلَّا أَنَّ الْمُرْتَدَّةَ تُحْبَسُ حَتَّى تَتُوبَ، وَلَا نَفَقَةَ لِلْمُحْبُوسَةِ، وَالْمُمْكِنَةُ لَا تُحْبَسُ فَلِهَذَا يَقَعُ الْفَرْقُ.**

ترجمہ

اور اگر شوہر اپنی بیوی کو تین حلقوں میں دیدے اور پھر عورت "معاذ اللہ" مرتد ہو جائے تو اس کا خرچ ساقط ہو جائے گا۔ لیکن اگر وہ شوہر کے بیٹے کو صحبت کا موقع دے تو اس کا خرچ ساقط نہیں ہوگا۔ اس کا مفہوم یہ ہے: وہ طلاق کے بعد اس کا موقع دے کیونکہ علیحدگی تو تین طلاقیں کی وجہ سے ثابت ہو چکی ہے۔ اس میں مرتد ہونے یا شوہر کے بیٹے کو موقع دینے کا کوئی داخل نہیں ہے البتہ

مرتد ہونے کے نتیجے میں اسے قید کر دیا جاتا ہے جب تک وہ توبہ نہیں کر لیتی اور قیدی کا خرچ مازم نہیں ہوگا جبکہ جو عورت شوہر کے بیٹے کو صحبت دیتی ہے اسے قید نہیں کیا جاتا ہے اس لیے دونوں صورتوں کے درمیان فرق ہوگا۔

عدت و فوات میں نفقہ نہ ہونے کا بیان

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ وفات کی عدت میں نفقہ واجب نہیں، خواہ عورت کو حمل ہو یا نہیں۔ یونہی جو ذمت عورت کی جانب سے معصیت کے ساتھ ہو اس میں بھی نہیں مثلاً عورت مرتد ہوگئی یا شہوت کے ساتھ شوہر کے بیٹے یا باپ کا بوسہ لیا یا شہوت کے ساتھ چھوا، ہاں اگر مجبور کی گئی تو ساقط نہ ہوگا۔ یونہی اگر عدت میں مرتد ہوگئی تو نفقہ ساقط ہوگا پھر اگر اسامہ مائی تو نفقہ خود کرایہ گا۔ اور اگر عدت میں شوہر کے بیٹے یا باپ کا بوسہ لیا تو نفقہ ساقط نہ ہوا اور جو فرقت زوجہ کی جانب سے سبب مباح سے ہو اس میں نفقہ عدت ساقط نہیں مثلاً خیاء عتق، خیاء ربکو غ عورت کو حاصل ہوا، اس نے اپنے نفس کو اختیار کیا بشرطیکہ دخول کے بعد ہو ورنہ عدت ہی کہیں اور خلع میں نفقہ ہے، ہاں اگر خلع اس شرط پر ہوا کہ عورت نفقہ و سکنتہ معاف کرے تو نفقہ اب نہیں پائے گی مگر سکنتہ سے شوہر اب بھی نرمی نہیں کہ عورت اس کو معاف کرنے کا اختیار نہیں رکھتی۔ (جوہرہ نیرہ، باب نفقہ)

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ خاوند اور بیوی کے لیے شب زفاف میں ہم بستری کرنا اگر وہ چاہیں تو جائز ہے، لیکن شریعت میں اس کی تعداد متعین نہیں کہ کتنی بار ہم بستری کی جائے، اس کا سبب یہ ہے کہ یہ بات اور اشخاص کے اعتبار سے مختلف ہو سکتی ہے، اور پھر جب قدرت و طاقت میں بھی فرق ہے تو شریعت کی عادت نہیں کہ وہ اس طرح کے مسائل میں تعداد متعین کرے۔ لیکن جماع اور ہم بستری عورت کا حق ہے جو خاوند پر واجب ہے، ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: کہ اگر اس کا کوئی عذر نہیں تو وہ اپنی بیوی سے ہم بستری کرے، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول یہی ہے۔ (المغنی، ل بن قدامہ) (30 / 7)

حدیث شریف میں ہے کہ: عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اے عبد اللہ کیا مجھے یہ نہیں بتایا گیا کہ تو دن کو روزہ رکھتا اور رات کیوقت قیام کرتا ہے؟ میں نے عرض کی کیوں نہیں اے اللہ تعالیٰ کے رسول (بات تو ایسی ہی ہے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو ایسا نہ کر بلکہ روزہ رکھ اور انظار بھی (یعنی کبھی چھوڑ بھی دیا کر) اور قیام بھی کیا کرو اور سو یا بھی کرو، اس لیے کہ تیرے جسم کا تجھ پر حق ہے اور تیری آنکھ کا بھی تجھ پر حق ہے، اور تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے) (صحیح بخاری)

حدیث کی شرح میں ہے کہ: یہ خاوند کے لائق نہیں کہ وہ عبادات میں اتنی کوشش کرے کہ وہ جماع اور سکنتی کرنے کے حق سے بھی کمزور ہو جائے۔ دیکھیں فتح الباری۔ اور خاوند پر بیوی کا یہ حق ہے کہ خاوند اس کے پاس رات بسر کرے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: جب اس کی بیوی ہو تو اس پر لازم اور ضروری ہے کہ اگر اس کے پاس کوئی عذر نہیں تو وہ چار راتوں میں ایک رات اس کے پاس بسر کرے۔ (المغنی) (7 / 28) اور کشف القناع (3 / 144)

اور بیوی کی حسب خواہش خاوند پر ہم بستری و جماع واجب ہے جب تک کہ خاوند کا بدن کمزور نہ ہو اور یا پھر اسے ایسا کرنا

معیشت سے ہی روک دے۔۔۔

اور اگر وہ آپس میں تنازع کا شکار ہو جائیں تو خاوند پر قاضی فقہ کی طرح اسے بھی مقرر کر دے گا اور وہ اس میں زیادتی کرتا ہو (الاختیارات الفقہیہ ص 246)

شرعی طور پر مطلوب اور مقصود تو یہ ہے کہ خاوند کی ہم بستری کے ذریعہ سے بیوی کو فحاشی اور غلط کام سے بچایا جائے اور ہم بستری بھی بیوی کی خواہش اور اتنی ہو جس سے یہ بچہ ہو سکے، تو اس طرح اس کے لیے چار مہینہ یا اس سے زیادہ اور کم کی مدت مقرر کرنے میں کوئی وجہ نظر نہیں آتی بلکہ اس میں تو یہ ہونا چاہیے کہ ہم بستری اتنی ہو جتنی کا حق خاوند ادا کر سکے اور بیوی کی جتنی خواہش ہو یہ تو عادی حالت اور خاوند کی موجودگی میں ہے کہ خاوند اپنی بیوی کے ساتھ رہائش پذیر ہو۔ لیکن اگر وہ سفر یا کسی اور کام اور تجارت وغیرہ یا کسی مشرور عذر کی بنا پر غائب ہے تو اس حالت میں خاوند کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ بیوی سے زیادہ مدت غائب نہ رہے۔

اور اگر اس کے غائب ہونے کا سبب مسلمانوں کے کسی نفع کی وجہ سے ہو مثلاً وہ جہاد فی سبیل اللہ میں نکلا ہوا ہے یا پھر مسلمانوں کی سرحدوں کی حفاظت پر مامور ہے تو اس میں ضروری ہے کہ اسے چار ماہ کے اندر راندراپنے گھر واپس آنے کی اجازت دینی چاہیے تاکہ وہ کچھ مدت اپنے بیوی بچوں میں گزارے اور پھر دوبارہ سرحدوں پر یا جہاد میں واپس چلا جائے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیاست اور حکم یہی تھا کہ انہوں نے فوجیوں اور سرحدی محافظوں کے لیے یہ مقرر کیا تھا کہ وہ اپنی بیویوں سے چار مہینے تک دور رہیں جب یہ مدت پوری ہو جاتی تو انہیں واپس بلا لیا جاتا اور ان کی جگہ ہر دوسروں کو بھیجا جاتا تھا: (المفصل فی احکام المرأة (7 / 239)

## فصل

### یہ فصل اولاد کے خرچ کے بیان میں ہے ﴿﴾

#### فصل اولاد خرچ کی فقہی مطابقت کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ نے اس سے پہلے زوجہ کے خرچ سے متعلق احکام شرعیہ کو بیان کیا ہے۔ کیونکہ فقہ کی ابتداء جبکہ اولاد کے وجود کا سبب ہی زوجہ ہے لہذا اس کو مقدم ذکر کیا ہے۔ کیونکہ اولاد باعتبار وجود بیوی سے مؤخر ہے۔ لہذا موقوف علیہ کو موقوف پر مقدم ذکر کرنا اصول کے مطابق ہے۔

کتاب و سنت میں بہت سارے دلائل ملتے ہیں جو اولاد پر خرچہ کرنے کی ترغیب دلاتے اور ابھارتے ہیں اور اس کی فضیلت کو بیان کرتے ہیں ذیل میں ہم چند ایک دلائل کا ذکر کریں گے۔

#### قرآن مجید سے نفقہ اولاد کے دلائل کا بیان

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ دستور کے مطابق ان کا روٹی کپڑا ہے) (البقرة 233) اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا ایک دوسرے مقام پر کچھ اس طرح ارشاد ہے: (اور وسعت اور کثافت و رزق والیکے لیے اپنی وسعت و کثرت کی سے خرچ کرنا ضروری ہے اور جس پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ہو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو کچھ دے رکھا ہے) (اپنی مشیت کے مطابق) خرچ کرے) (الطلاق، 7)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اور تم جو بھی خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں تمہیں اور زیادہ عطا کرتا ہے اور وہ اللہ ہی سب سے بہتر رازق و روزی دینے والا ہے) (سباء، 39)

#### احادیث کے مطابق نفقہ اولاد کے دلائل کا بیان

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ساری احادیث وارد ہیں جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیویوں اور بچوں اور خاص کر لڑکیوں پر خرچ کرنے کی فضیلت بیان کے ہے جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (ایک دینار اللہ تعالیٰ کے راستے میں آپ کا خرچ کرنا اور ایک دینار ہے جو آپ نے غلامی کی آزادی کے لیے خرچ کیا، اور ایک دینار وہ ہے جو آپ نے مسکین پر صدقہ کیا، اور ایک دینار وہ ہے جو آپ نے اپنے بیوی بچوں پر خرچ کیا، ان میں سے سب سے زیادہ اجر و ثواب والا وہ ہے جو آپ نے اپنے اہل و عیال پر خرچ کیا) (صحیح مسلم حدیث نمبر 995)

(۲) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (سب

سے فضل دینا روہ ہے جو آدمی اپنے بچوں پر خرچ کرتا ہے، اور وہ دینار جو اپنے جانور پر اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے، اور وہ دینار جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے دوست و احباب پر خرچ کرتا ہے) صحیح مسلم حدیث نمبر (994)

(۳) حضرت ابو قلابہ رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث میں اہل عیال سے ابتداء کی گئی ہے، پھر ابو قلابہ کہتے ہیں کہ کہ اپنے چھوٹے بچوں پر خرچ کرنے والے سے زیادہ اجر و ثواب کا مالک کون ہو سکتا ہے جن بچوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے گا یا پھر ان کی بنا پر اللہ تعالیٰ اسے نفع دے اور انہیں غنی کر دے۔

(۴) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: (تو کوہ بھی چیز اللہ تعالیٰ کے راستے میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنے کے لیے خرچ کرے تو تجھے اس پر اجر و ثواب ملے گا حتیٰ کہ وہ چیز بھی جو تاپنی بیوی کے منہ میں ڈالے) اس کا بھی اجر و ثواب ملے گا (صحیح بخاری حدیث نمبر (1295) صحیح مسلم حدیث نمبر (1628)

(۵) حضرت ابو مسعود البدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جب آدمی اپنے گھر والوں پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے تو یہ اس کے لیے صدقہ بن جاتا ہے) صحیح بخاری حدیث نمبر (55) صحیح مسلم حدیث نمبر (1002)

(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (بندے جب بھی صبح کرتے ہیں تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں ان میں سے ایک یہ کہتا ہے: اے اللہ خرچ کرنے والے کو اور زیادہ عطا فرما اور اس کا نعم البلد دے اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ خرچ نہ کرنے والے کو اور کم عطا کر اور باقی ماندہ کو ضائع کر دے) صحیح بخاری حدیث نمبر (1442) صحیح مسلم حدیث نمبر (1010)

(۷) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت مانگنے آئی اور اسے کے ساتھ اس کی دو بچیاں بھی تھیں تو اس نے میرے پاس سوائے کھجور کے اور کچھ بھی نہ پایا تو میں نے وہی ایک کھجور اسے دے دی تو اس نے وہ کھجور دو حصوں میں تقسیم کر کے اپنی دونوں بچیوں کو دے دی اور خود کچھ بھی نہ کھا یا اور پھر اٹھ کر چلی گئی اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو میں نے انہیں یہ ماجرا سنایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: (ان لڑکیوں کے بارہ میں جسے بھی آزمائش میں ڈالا جائے) یعنی جس کے ہاں بھی بیٹیاں ہوں) تو وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اچھی تربیت کرے تو وہ اس کیلئے آگ سے بچاؤ کا باعث ہوں گی (صحیح بخاری حدیث نمبر (1418) صحیح مسلم حدیث نمبر (2629)

(۸) ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس ایک مسکین عورت اپنی دو بیٹیوں کو اٹھائے ہوئے آئی تو میں نے اسے تین کھجوریں دیں تو اس نے اپنی دونوں بیٹیوں کو ایک ایک کھجور دی اور جب وہ خود کھجور کھانے کے لیے اٹھانے لگی تو اس کی دونوں بیٹیوں نے وہ کھجور بھی کھانے کے لیے مانگ لی تو اس عورت نے وہ کھجوری بھی دو کھجوروں میں تقسیم کر کے انہیں دے

دی جو خود کھانے کا ارادہ رکھتی تھی مجھے اس کا یہ کام بہت ہی اچھا لگا بعد میں میں اس کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو انہوں نے فرمایا: (اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو اس کے بدلے میں جنت دے دی یا اس کی بنا پر آگ سے آزاد کر دیا)۔

(صحیح مسلم حدیث نمبر (2630)

(۹) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (جس نے بھی دوڑ کیوں کی ہو غت تک بیروڑ کی وہ اور میں قیامت کے روز اکٹھے آئیں گے، اور آپ نے اپنی دونوں انگلیوں کا ملایا) صحیح مسلم حدیث نمبر (2631) اور اس موضوع میں بہت سی احادیث ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (غذاء الہلب (2 / 437) سے کچھ کی ویشی کے ساتھ لیا گیا ہے۔

اور ابن بطال رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: آدمی اپنے آپ اور اہل و عیال پر خرچ کرے اور ان پر بھی جن کا خرچہ اس کے ذمہ مازم اور واجب ہے اور اس خرچ کرنے میں کوہ کنبوی سے کام نہ لے ان پر اتنا ہی خرچ کرے جتنا کہ واجب ہے اور اس میں اسراف بھی نہ کرے۔

اس لیے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور یہ وہ لوگ ہیں جب وہ خرچ کرتے ہیں تو اس میں اسراف و فضول خرچی نہیں کرتے، ورنہ ہی اس میں کنبوی سے کام لیتے ہیں اور وہ ان دونوں کے دو میان کا راستہ اختیار کرتے ہیں)۔ اور یہ خرچہ سب صدقات و خیرات اور خرچوں سے افضل ہے۔ (طرح التدریب، 2 / 74)

تابالغ اولاد کا خرچ صرف باپ پر لازم ہوگا

(وَنَفَقَةُ الْوَلَدِ الصَّغِيرِ عَلَى الْآبِ لَا يُشَارِكُهُ فِيهَا أَحَدٌ كَمَا لَا يُشَارِكُهُ فِي نَفَقَةِ الرِّوَجَةِ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ) وَالْمَوْلُودُ لَهُ هُوَ الْآبُ (فَإِنْ كَانَ الصَّغِيرُ رَضِيعًا فَلَيْسَ عَلَى أُمِّهِ أَنْ تُرَضِعَهُ) لِمَا بَيَّنَّا أَنَّ الْكَفَايَةَ عَلَى الْآبِ وَأُجْرَةُ الرِّضَاعِ كَالنَّفَقَةِ وَلَا نَهَا عَسَاهَا لَا تَقْدِرُ عَلَيْهِ لِعُدْرِ بِهَا فَلَا مَعْنَى لِلْجَبْرِ عَلَيْهِ.

وَقِيلَ فِي تَأْوِيلِ قَوْلِهِ تَعَالَى (لَا تُضَارُّ وَالِدَهُ بِوَلَدِهَا) بِإِلْزَامِهَا الرِّضَاعَ مَعَ كَرَاهِيَّتِهَا، وَهَذَا الَّذِي ذَكَرْنَا بَيَانُ الْحُكْمِ، وَذَلِكَ إِذَا كَانَ يُوجَدُ مَنْ تُرَضِعُهُ، أَمَّا إِذَا كَانَ لَا تُوَجَدُ مَنْ تُرَضِعُهُ تَجَبَّرُ الْأُمُّ عَلَى الرِّضَاعِ صَيَانَةً لِلصَّبِيِّ عَنِ الطِّيَاعِ.

قَالَ (وَيَسْتَأْجِرُ الْآبُ مَنْ تُرَضِعُهُ عَنْدَهَا) أَمَّا اسْتِئْجَارُ الْآبِ فَلِأَنَّ الْآجَرَ عَلَيْهِ، وَقَوْلُهُ عَنْدَهَا مَعْنَاهُ إِذَا أَرَادَتْ ذَلِكَ لِأَنَّ الْحَجَرَ لَهَا.



ترجمہ

اور نابالغ اولاد کا خرچ باپ کے ذمے ہے اور اس بارے میں کوئی اس کا شریک نہیں ہوگا جس طرح بیوی کے خرچ میں کوئی اس (شوہر) کا شریک نہیں ہوتا اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ”ان عورتوں کا خرچ اس کے ذمے ہے جس کا بچہ ہے“۔ یہاں ”جس کا بچہ ہے“ سے مراد باپ ہے۔ اگر وہ کسٹن بچہ دودھ پیتا ہو تو اس کی ماں پر لازم نہیں ہے کہ اسے دودھ پلانے اس کی وجہ بیان کر چکے ہیں اس کی ضروریات پوری کرنا باپ کے ذمے ہے اور دودھ پلانے کا معاوضہ خرچ کی مانند ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے یہ مکان موجود ہے کہ اس کی ماں کسی عذر کی وجہ سے اسے دودھ نہ پلا سکتی ہو لہذا اس بارے میں زبردستی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ ایک قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مفہوم یہی ہے۔ ”ماں کو اس کے بچے کے حوالے سے ضرورت پہنچا جائے“۔ یعنی جب اسے یہ بات ناپسند ہو تو سے دودھ پلانے کا یا بند نہ کیا جائے۔ ہم نے جو یہ بات ذکر کی ہے یہ حکم کا بیان ہے اور یہ اس صورت میں ہے جب بچہ کو دودھ پلانے کے لئے کوئی عورت مل جائے لیکن اگر اسے دودھ پلانے کے لئے کوئی عورت نہیں ملتی تو ماں کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا تاکہ بچہ کو ہلاکت سے بچایا جاسکے۔ باپ ایسی عورت کو ملازم رکھے گا جو بچے کو اس کی ماں کے پاس دودھ پلانے جہاں تک باپ کے ملازم رکھنے کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے معاوضہ باپ کے ذمے ہے اور مصنف کے یہ الفاظ ”اس (ماں) کے پاس“ کا مطلب یہ ہے جب ماں یہ چاہے (یعنی بچے کو ماں سے دور نہیں کیا جاسکتا) کیونکہ گود کا حق اسے حاصل ہے۔

اولاد کے غفقہ کے احکام و مسائل

نابالغ اولاد جس کی ذاتی ملکیت میں کچھ بھی مال و اسباب نہ ہو کے اخراجات اس کے باپ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ باپ خود تنگ دست و مفلس کیوں نہ ہو کوئی دوسرا آدمی اس ذمہ داری میں شریک نہیں کیا جائیگا۔ اگر بچہ ابھی دودھ پیتا ہو اور اس کی ماں اس کے باپ کے نکاح میں ہو نیز وہ بچہ دوسری عورت کا دودھ پی پیتا ہو اور اس کی ماں اس کو دودھ پلانا نہ چاہتی ہو تو اس ماں کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا ہاں اگر بچہ کسی دوسری عورت کا دودھ پیتا ہی نہ ہو یا ماں کے علاوہ دودھ پلانے والی نہ ملے تو اس صورت میں وہ دودھ پلانے پر مجبور کی جائے گی۔

اگر ماں بچہ کو دودھ پلانے سے انکار کر دے اور کوئی دوسری عورت دودھ پلانے والی ملتی ہو تو یہ حکم ہے کہ باپ دودھ پلانے والی کو مقرر کر دے جو بچہ کو ماں کے پاس آ کر دودھ پلانے اب اگر اس بچہ کی ذاتی ملکیت میں مال موجود ہو تو اس دودھ پلانے والی کی اجرت اس بچہ کے مال سے دی جائے گی۔ اگر بچہ کی ذاتی ملکیت میں مال موجود نہ ہو تو پھر دودھ پلانے کی اجرت باپ کے ذمہ ہوگی۔

اگر باپ بچہ کی ماں کو دودھ پلانے کے لئے اجارہ پر مقرر کرے اور وہ اس کے نکاح میں ہو یا طلاق رجعی کی عدت میں ہو تو یہ

باجز نہیں ہے ہاں اگر وہ ماں طلاق یا نکاح کی عدت میں ہو تو اس کو بھی دودھ پلانے کیسے اجرت پر رکھنا بعض حضرات کے نزدیک تو ناجائز ہے اور بعض حضرات کے نزدیک جائز ہے اسی طرح عدت گزرنے کے بعد ماں کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر رکھ لینا جائز ہے بلکہ اس صورت میں تو وہ ماں دودھ پلانے والی کسی دوسری عورت کی بہ نسبت زیادہ اجرت کا مطالبہ نہ کرے تو اس کی حماقت ہوگی۔

اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ یا معتدہ کو اپنے اس بچہ کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر رکھے جو دوسری بیوی کے ظن سے ہو تو یہ اجارہ جائز ہے اگر کسی کی بالغ بیٹی بالکل مفلس و تنگ دست ہو یا نابالغ و معذور ہو تو ان کے اخراجات بھی باپ ہی کے ذمہ ہوں گی چنانچہ فتویٰ اسی پر ہے جبکہ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ان کے اخراجات کا دو تہائی حصہ باپ کے ذمہ اور ایک حصہ ماں کے ذمہ ہوگا۔

بچے کو دودھ پلانا ماں کا اخلاقی فرض ہے

(وَإِنْ اسْتَأْجَرَهَا وَهِيَ زَوْجَتُهُ أَوْ مُعْتَدَّتُهُ لِرِضَاعٍ وَلَدِهَا) لَمْ يَجْزُ لَأَنَّ الرِّضَاعَ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهَا دِيَانَةً. قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ) إِلَّا أَنَّهَُا عُذِرَتْ لَاحْتِمَالِ عَجْزِهَا، فَإِذَا أَقْدَمَتْ عَلَيْهِ بِالْأَجْرِ ظَهَرَ قُدْرَتُهَا فَكَانَ الْفِعْلُ وَاجِبًا عَلَيْهَا فَلَا يَجُوزُ أَحَدُ الْأَجْرِ عَلَيْهِ، وَهَذَا فِي الْمُعْتَدَّةِ عَنْ طَلَاقٍ رَجْعِيٍّ رَوَايَةٌ وَاحِدَةٌ لَأَنَّ النِّكَاحَ قَائِمٌ، وَكَذَا فِي الْمُبْتَوَةِ فِي رَوَايَةٍ، وَفِي رَوَايَةٍ أُخْرَى: جَازَ اسْتِئْجَارُهَا لِأَنَّ النِّكَاحَ قَدْ زَالَ. وَجْهُ الْأَوَّلَى أَنَّهُ بَاقٍ فِي حَقِّ بَعْضِ الْأَحْكَامِ.

(وَلَوْ اسْتَأْجَرَهَا وَهِيَ مَنكُوحَتُهُ أَوْ مُعْتَدَّتُهُ لِرِضَاعِ ابْنٍ لَهُ مِنْ غَيْرِهَا جَازٌ) لِأَنَّهُ غَيْرُ مُسْتَحَقٍّ عَلَيْهَا (وَإِنْ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَاسْتَأْجَرَهَا) يَعْنِي لِرِضَاعٍ وَلَدِهَا (جَازٌ) لِأَنَّ النِّكَاحَ قَدْ زَالَ بِالْكُلِّيَّةِ وَصَارَتْ كَالْأَجْنَبِيَّةِ (فَإِنْ قَالَ الْأَبُ لَا اسْتَأْجَرُهَا وَجَاءَ بِغَيْرِهَا فَرَضِيَّتُ الْأُمِّ بِمِثْلِ أَجْرِ الْأَجْنَبِيَّةِ أَوْ رَضِيَّتُ بِغَيْرِ أَجْرِ) كَانَتْ هِيَ أَحَقَّ لِأَنَّهَا أَشْفَقُ فَكَانَ نَظَرًا لِلصَّبِيِّ فِي الدَّفْعِ إِلَيْهَا (وَإِنْ التَّمَسَّتْ زِيَادَةً لَمْ يُجْبَرْ الزَّوْجُ عَلَيْهَا) دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهُ وَاللَّهِ الْإِشَارَةُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى (لَا تُضَارَّ وَالِدَةُ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ) أَيْ بِالزَّامِهِ لَهَا أَكْثَرُ مِنْ أَجْرِ الْأَجْنَبِيَّةِ.

(وَنَفَقَةُ الصَّغِيرِ وَاجِبَةٌ عَلَى أَبِيهِ وَإِنْ خَالَفَهُ فِي دِينِهِ، كَمَا تَجِبُ نَفَقَةُ الزَّوْجَةِ عَلَى الزَّوْجِ وَإِنْ خَالَفَتْهُ فِي دِينِهِ) أَمَّا الْوَلَدُ فَلِإِطْلَاقِ مَا تَلَوْنَا، وَلَأنَّهُ جُزْؤُهُ فَيَكُونُ فِي مَعْنَى نَفْسِهِ، وَأَمَّا الزَّوْجَةُ فَلِأَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْعَقْدُ الصَّحِيحُ فَإِنَّهُ يَأْزِئُ الْإِخْتِبَاسِ الثَّابِتَ بِهِ، وَقَدْ صَحَّ الْعَقْدُ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرَةِ وَتَرْتَّبَ عَلَيْهِ الْإِخْتِبَاسُ فَوَجَبَتْ النَّفَقَةُ. وَفِي جَمِيعِ مَا ذَكَرْنَا إِنَّمَا تَجِبُ النَّفَقَةُ عَلَى الْآبِ إِذَا لَمْ يَكُنْ لِلصَّغِيرِ مَالٌ، أَمَّا إِذَا كَانَ فَالْأَصْلُ أَنَّ نَفَقَةَ الْإِنْسَانِ فِي مَالِ نَفْسِهِ صَغِيرًا كَانَ أَوْ كَبِيرًا.

ترجمہ

اور جب مرد ایسی عورت کو ملازم رکھ لیتا ہے جو (بچے کی ماں اور اس مرد) کی بیوی ہو یا اس کی عدت گزار رہی ہو تاکہ وہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلائے تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دینی اعتبار سے ماں ہی دودھ پلانے کی پابند ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں“ تاہم ماں کے عاجز ہونے کے احتمال کی وجہ سے اسے معذور قرار دیا جائے گا جسے جب وہ معذور ہو دودھ پلانے پر تیار ہوگی تو اس سے یہ ثابت ہو جائے گا وہ دودھ پلا سکتی ہے لہذا یہ عمل اس پر واجب ہو جائے گا اور اس کے لئے اس کا معوضہ لینا جائز نہیں ہوگا۔ یہاں عدت گزارنے والی عورت سے مراد وہ عورت ہے جسے رجعی طلاق دی گئی ہو اور اس بارے میں بھی ایک روایت ہے کیونکہ نکاح ابھی برقرار ہے۔ جس عورت کو طلاق بتدی گئی ہو ایک روایت کے مطابق اس کا بھی یہی حکم ہے۔ دوسری روایت کے مطابق اس کے لئے معوضہ لینا جائز ہے کیونکہ نکاح ختم ہو چکا ہے۔ پہلی روایت کی وجہ یہ ہے بعض احکام کے حق میں نکاح باقی ہوتا ہے۔ اگر مرد ایسی عورت کو ملازم رکھتا ہے جو اس کی منکوحہ ہو یا اس کی عدت بسر کر رہی ہو تاکہ وہ اس مرد کے اس بچے کو دودھ پلائے جو دوسری بیوی سے ہے تو ایسا کرنا جائز ہوگا کیونکہ اس بچے کو دودھ پلانا اس عورت پر لازم نہیں ہے۔

اگر اس عورت کی عدت پوری ہو جاتی ہے اور پھر مرد اسے ملازم رکھتا ہے یعنی اس لیے کہ وہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلائے تو یہ جائز ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح مکمل طور پر ختم ہو چکا ہے اور وہ عورت (اس مرد کیلئے) اجنبی عورت کی طرح ہے۔ اگر باپ یہ کہتا ہے میں اس (یعنی بچے کی ماں) کو اجرت پر مقرر نہیں کرتا اور کسی دوسری عورت کو لے آتا ہے (جس کا معوضہ کم ہو) پھر بچے کی ماں اس اجنبی عورت جتنے معاوضے پر راضی ہو جاتی ہے یا کسی معاوضے کے بغیر راضی ہو جاتی ہے تو وہی زیادہ حقدار ہوگی کیونکہ ماں زیادہ شفیق ہوتی ہے تو بچے کے لئے بہتری یہی ہے اسے ماں کے سپرد کیا جائے۔ اگر وہ زیادہ معاوضے کی طلبگار ہو تو شوہر اس کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتا یعنی پانے سے ضرور دور کرنے کے لئے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ ”ماں کو

اس کی اولاد کے حوالے سے ضرر نہ پہنچایا جائے اور باپ کو اس کی اولاد کے حوالے سے یعنی باپ کو اس بات کا پابند نہ کیا جائے کہ وہ ماں کو اجنبی عورت سے زیادہ معاذ دے۔ کس بچے کا خرچ اس کے باپ کے ذمے لازم ہوگا۔ اگرچہ اس کا دین باپ کے دین سے مختلف ہو جس طرح بیوی کا خرچ شوہر کے ذمے لازم ہوتا ہے اگرچہ بیوی کا دین شوہر کے دین سے مختلف ہو۔ جہاں تک بچے کا خرچ ہے تو اس کی دلیل اس آیت کا مطلق ہونا ہے جو ہم نے تلاوت کی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ بچہ اس شخص کا جزو ہے لہذا وہ اس کی اپنی ذات کے حکم میں ہوگا۔ جہاں تک بیوی کا تعلق ہے تو اس کا سبب صحیح عقد ہے جو اس اعتبار سے مقابلی میں ہو یعنی جو مرد کے لئے ثابت ہے۔ مسلمان مرد اور کافر عورت کے درمیان عقد ٹھیک ہوتا ہے اور اس عقد پر اعتبار اس کا حکم مرتب ہوتا ہے اس لیے خرچ کی ادائیگی لازم ہوگی۔ ہم نے جتنی بھی صورتیں ذکر کی ہیں ان سب میں باپ پر خرچ اس وقت لازم ہوگا جب اس بچے کا پانہ کوئی ماں نہ ہو۔ لیکن اگر مال ہو تو اصل حکم یہی ہے۔ انسان کا خرچ اس کے اپنے مال میں سے دیا جاتا ہے خواہ وہ نابالغ ہو یا بالغ ہو۔

شرح

(۱) وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلائیں یہ (حکم) اس کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے، اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور پہننا دستور کے مطابق بچے کے باپ پر لازم ہے، کسی جان کو اس کی طاقت سے جڑھ کر تکلیف نہ دی جائے، (اور) نہ ماں کو اس کے بچے کے باعث نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اس کی اولاد کے سبب سے، اور وارثوں پر بھی یہی حکم عائد ہوگا، پھر اگر ماں باپ دونوں باہمی رضامندی اور مشورے سے (دو برس سے پہلے ہی) دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں، اور پھر اگر تم اپنی اولاد کو (واپس سے) دودھ پلوانے کا ارادہ رکھتے ہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ جو تم دستور کے مطابق دیتے ہو انہیں ادا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ جان لو کہ بے شک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے۔ (القرآن، البقرة 233 : 2)

صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ بیان طلاق کے بعد یہ سواں جعاً سامنے آتا ہے کہ اگر طلاق والی عورت کی گود میں شیر خوار بچہ ہو تو اس جدائی کے بعد اس کی پرورش کا کیا طریقہ ہوگا اس لئے یہ قرین حکمت ہے کہ بچہ کی

پرورش کے متعلق ماں باپ پر جو احکام ہیں وہ اس موقع پر بیان فرمادیئے جائیں لہذا یہاں ان مسائل کا بیان ہوا۔

ماں خواہ مطلقہ ہو یا نہ ہو اس پر اپنے بچے کو دودھ پلانا واجب ہے بشرطیکہ باپ کو اجرت پر دودھ پلانے کی قدرت و استطاعت نہ ہو یا کوئی دودھ پلانے والی میسر نہ آئے یا بچہ ماں کے سوا اور کسی کا دودھ قبول نہ کرے اگر یہ باتیں نہ ہوں یعنی بچہ کی پرورش خاص ماں کے دودھ پر موقوف نہ ہو تو ماں پر دودھ پلانا واجب نہیں مستحب ہے۔ (تفسیر احمدی و جمل)

یعنی اس مدت کا پورا کرنا لازم نہیں اگر بچہ کو ضرورت نہ رہے اور دودھ چھڑانے میں اس کے لئے خطرہ نہ ہو تو اس سے کم مدت میں بھی چھڑانا جائز ہے۔ (تفسیر احمدی خازن)

یعنی والد، اس انداز بیان سے معلوم ہوا کہ نسب باپ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ بچہ کی پرورش اور اس کو دودھ پلانا باپ کے ذمہ جب ہے اس کے لئے وہ دودھ پلانے والی مقرر کرے لیکن اگر ماں اپنی رغبت سے بچہ کو دودھ پلائے تو مستحب ہے۔

شوہر اپنی زوجہ پر بچہ کے دودھ پلانے کے لئے جبر نہیں کر سکتا اور نہ عورت شوہر سے بچہ کے دودھ پلانے کی اجرت طلب کر سکتی ہے جب تک کہ اس کے نکاح یا عدت میں رہے۔

اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ کو طلاق دی اور عدت گزر چکی تو وہ اس سے بچہ کے دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہے۔ اگر باپ نے کسی عورت کو اپنے بچہ کے دودھ پلانے پر اجرت مقرر کیا اور اس کی ماں اسی اجرت پر یا بے معاوضہ دودھ پلانے پر راضی ہوئی تو ماں ہی دودھ پلانے کی زیادہ مستحق ہے اور اگر ماں نے زیادہ اجرت طلب کی تو باپ کو اس سے دودھ پلوانے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ (تفسیر احمدی مدارک) المعروف سے مراد یہ ہے کہ حسب حیثیت ہو بغیر تنگی اور فضول خرچی کے۔

(تفسیر خزان العرفان، ۲۳۳)

یعنی اس کو اس کے خلاف مرضی دودھ پلانے پر مجبور نہ کیا جائے۔ زیادہ اجرت طلب کر کے۔ ماں کا بچہ کو ضرور دینا یہ ہے کہ اس کو وقت پر دودھ نہ دے اور اس کی نگرانی نہ رکھے یا اپنے ساتھ مانوس کر لینے کے بعد چھوڑ دے اور باپ کا بچہ کو ضرور دینا یہ ہے کہ مانوس بچہ کو ماں سے چھین لے یا ماں کے حق میں کوتاہی کرے جس سے بچہ کو نقصان پہنچے۔

یعنی ماں کو حکم ہے کہ اپنے بچہ کو دو برس تک دودھ پلائے اور یہ مدت اس کے لئے ہے جو ماں باپ بچہ کے دودھ پینے کی مدت کو پورا کرنا چاہیں ورنہ اس میں کمی بھی جائز ہے جیسا آیت کے اخیر میں آتا ہے اور اس حکم میں وہ مائیں بھی داخل ہیں جن کا نکاح باقی ہے اور وہ بھی جن کو طلاق مل چکی ہو یا ان کی عدت بھی گزر چکی ہو ہاں اتنا فرق ہوگا کہ کھانا کپڑا منکوحہ اور معتدہ کو تو دینا زوج کو ہر حال میں لازم ہے دودھ پلائے یا نہ پلائے اور عدت ختم ہو چکے گی تو پھر صرف دودھ پلانے کی وجہ سے دینا ہوگا اور اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ دودھ کی مدت کو جس ماں سے پورا کرنا چاہیں یا جس صورت میں باپ سے دودھ پلانے کی اجرت ماں کو دلوانا چاہیں تو اس کی انتہا دو برس کامل ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہوا کہ علی العموم دودھ پلانے کی مدت دو برس سے زیادہ نہیں۔

یعنی باپ کو بچہ کی ماں کو کھانا کپڑا ہر حال میں دینا پڑے گا۔ اول صورت میں تو اس لئے کہ وہ اس کے نکاح میں ہے، دوسری

صورت میں عدت میں ہے اور تیسری صورت میں دودھ پلانے کی اجرت دینی ہوگی اور بچہ کے ماں باپ بچہ کی وجہ سے ایک دوسرے کو تکلیف نہ دیں مثلاً ماں بلا وجہ دودھ پلانے سے انکار کرے یا باپ بلا سبب ماں سے بچہ جدا کر کے کسی اور سے دودھ پلائے یا کھانے کپڑے میں تنگی کرے۔

اگر باپ مر جاوے تو بچہ کے وارثوں پر بھی یہی لازم ہے کہ دودھ پلانے کی مدت میں اس کی ماں کے کھانے کپڑے کا خرچہ نہیں اور تکلیف نہ پہنچائیں اور وارث سے مراد وہ وارث ہے جو حرم بھی ہو۔

یعنی اگر ماں باپ کسی مصلحت کی وجہ سے دو سال کے اندر ہی بچہ کی مصلحت کا خیال کر کے باہمی مشورہ و رضامندی سے دودھ چھڑان چاہیں تو اس میں گناہ نہیں، مثلاً ماں کا دودھ لہتانا ہو۔

یعنی اسے مرد اگر تم کسی ضرورت و مصلحت سے ماں کے سوا کسی دوسری عورت سے دودھ پلانا چاہو تو اس میں بھی گناہ نہیں مگر اس کی وجہ سے ماں کا کچھ حق نہ کاٹ رکھے بلکہ دستور کے موافق جو ماں کو دینا ٹھہر یا تھا وہ دے دے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دودھ پلانے والی کا حق نہ کاٹے۔

والدات کے حکم میں وہ مائیں بھی داخل ہیں جن کو طلاق ہو چکی ہو خواہ وہ عدت میں ہوں یا عدت بھی گزر چکی ہو، اور وہ بھی جو بدستور بچہ کے باپ کے نکاح میں ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ رضاعت کی زیادہ مدت دو سال ہے۔ تاہم اس سے حسب ضرورت کم ہو سکتی ہے (جدا کر کے) آگے اس کا ذکر آ رہا ہے) اور یہ مدت قمری تقویم کے حساب سے شمار ہوگی۔

یعنی منکوحہ عورت اور مطلقہ عورت جو عدت میں ہو اس کے کھانے اور کپڑے کی ذمہ داری تو پہلے ہی بچہ کے باپ پر ہوتی ہے اور اگر عدت گزر چکی ہے تو اس آیت کی رو سے باپ ہی اس مطلقہ عورت کے اخراجات کا ذمہ دار ہوگا کیونکہ وہ اس کے بچے کو دودھ پلا رہی ہے۔

یعنی والد سے اس کی حیثیت سے زیادہ کھانے اور کپڑے کے اخراجات کا مطالبہ نہ کیا جائے یہ مطالبہ خواہ عورت خود کرے یا اس کے ورثاء کریں۔

یعنی ماں بلا وجہ دودھ پلانے سے انکار کر دے اور باپ کو پریشان کرے۔ اسی طرح باپ بچہ کو ماں سے جدا کر کے کسی اور سے دودھ پلائے اور اس طرح ماں کو پریشان کرے یا اس کے کھانے اور کپڑے کے اخراجات میں تنگی کا مظاہرہ کرے۔ یہ ماں یا دودھ پلانے کے لیے جبر کیا جائے جبکہ وہ اس بات پر آمادہ نہ ہو۔

یہ بچہ جو دودھ پی رہا ہے۔ خود بھی اپنے باپ کا وارث ہے اور اس کے علاوہ بھی وارث ہوں گے۔ بہرحال یہ خرچہ مشترک طور پر اہل بیت کے ترکہ سے ادا کیا جائے گا اور یہ وہ ادا کریں گے جو عصبہ (میت کے قریبی وارث مرد) ہیں۔

یعنی اگر ماں باپ دونوں باہمی مشورہ سے دو سال سے پہلے ہی دودھ چھڑانا چاہیں مثلاً یہ کہ ماں کا دودھ چھ نہ ہو اور بچے کی

صحت خراب رہتی ہو یا اگر ماں باپ کے نکاح میں ہے تو اس کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ ماں کو اس دوران حمل ٹھہر جائے اور بچہ دودھ چھڑانے کی ضرورت پیش آئے تو ایسی صورتوں میں ان دونوں پر کچھ گن نہ ہوگا اور یہ ضروری نہ رہے گا کہ بچہ کو ضرور دوسال دودھ پدیا جائے۔

۱۔ اس کا ایک مطلب تو وہ ہے جو ترجمہ میں لکھ گیا ہے اور دوسرا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر تم دایہ سے دودھ پوانا چاہو تو اس کا معاوضہ دینا ہی ہے۔ مگر اس وجہ سے ماں کو جو کچھ طے شدہ خرچ چل رہا تھا وہ اسے ادا کر دینا چاہیے، اس میں کمی نہ کرنی چاہیے۔ ایسے بے شمار احکام ہیں جنہیں بیان کرنے کے بعد "اللہ تعالیٰ نے" اللہ سے ڈرتے رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ معاملات کی دنیا میں، ایک ہی معاملہ کی بے شمار ایسی شکلیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ جن کے مطابق انسان اللہ کے کسی حکم کے خلاف بری اخلاقیات کا پابند نہ رہے، اپنا ایسا فائدہ سوچتا ہے جو نشانے الہی کے خلاف ہوتا ہے۔ مگر اس سے دوسرے کا نقصان ہو جاتا ہے اسے تکلیف پہنچ جاتی ہے اور ایسے پیدا ہونے والے تمام حالات کے مطابق الگ الگ حکم بیان کرنا مشکل بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف بھی۔ لہذا انسان کو "اللہ سے ڈرتے رہنے کی تاکید اس لیے کی جاتی ہے۔ انسان اپنی نیت درست رکھے اور آخرت میں اللہ کے حضور جو بڑی کا تصور رکھتے ہوئے ان احکام کو بعینہ اسی طرح بجالائے جس طرح اللہ تعالیٰ کی منشا ہو۔

۱، اس آیت میں مسئلہ رضاعت کا بیان ہے۔ اس میں پہلی بات یہ ہے جو مدت رضاعت پوری کرنی چاہے تو وہ دوسال پورے دودھ پلے ان الفاظ سے کم مدت دودھ پلانے کی بھی جستجاش نکلتی ہے دوسری بات یہ معلوم ہوئی مدت رضاعت زیادہ سے زیادہ دو سال ہے، جیسا کہ ترمذی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت ہے۔

۲، طلاق ہو جانے کی صورت میں شیر خوار بچے اور اس کی ماں کی کفالت کا مسئلہ ہمارے معاشرے میں بڑا پیچیدہ بن جاتا ہے اور اس کی وجہ سے شریعت سے انحراف ہے۔ اگر حکم الہی کے مطابق خاوند اپنی طاقت کے مطابق عورت کے روٹی کپڑے کا ذمہ دار ہو جس طرح کہ اس آیت میں کہا جا رہا ہے تو نہایت آسانی سے مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

۳، ماں کو تکلیف پہنچانا یہ ہے کہ مثلاً ماں بچے کو اپنے پاس رکھنا چاہے، مگر ماما کے جذبے کو نظر انداز کر کے بچہ زبردستی اس سے چھین لیا جائے یا یہ کہ بغیر خرچ کے ذمہ داری اٹھائے اسے دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے۔ باپ کو تکلیف پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ ماں دودھ پلانے سے انکار کر دے یا اس کی حیثیت سے زیادہ کا اس سے مالی مطالبہ کرے۔

۴، باپ کے نفوت ہو جانے کی صورت میں یہی ذمہ داری وارثوں کی ہے کہ وہ بچے کی ماں کے حقوق صحیح طریقے سے ادا کریں تاکہ نہ عورت کو تکلیف ہو نہ بچے کی پرورش اور نگہداشت متاثر ہو۔

۵، یہ ماں کے علاوہ کسی اور عورت سے دودھ پوانے کی اجازت ہے بشرطیکہ اس کا معاوضہ دستور کے مطابق ادا کر دیا جائے۔

## فصل

### ﴿یہ فصل آباؤ اجداد اور خادم کے خرچ کے بیان میں ہے﴾

والدین کے خرچ والی فصل کی فقہی مطابقت کا بیان

صاحب ہدایہ نے اس سے پہلے بیوی اور اولاد و صغار کے نفقہ کو بیان کیا ہے۔ اور اب اس سے فارغ ہونے کے بعد وہ والدین و اجداد وغیرہ کے نفقہ سے متعلق احکام ذکر کریں گے۔ والدین کا نفقہ اگرچہ بیوی و اولاد و صغار سے مقدم ہے لیکن یہاں مؤخر ذکر کرنے کا سبب یہ ہے کہ عام طور پر والدین سے بعد اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص بیوی اور اولاد کے ساتھ ایک خاندان آباد کرتا ہے۔ اس لئے شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ بیوی اور اولاد کے حقوق پورے کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اب والدین کو چھوڑ دیا جائے۔ بلکہ ان کا نفقہ بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح کوئی شخص اپنی اولاد اور اپنی بیوی کو نفقہ فراہم کرتا ہے۔

والدین کی خدمت و نفقہ میں احادیث کا بیان

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں جانے کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا کیا تیرے والدین زندہ ہیں اس نے عرض کیا جی ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ان کی خدمت میں رہ تیرے لئے یہی جہاد ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2004)

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے عرض کیا میں ہجرت اور جہاد کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم (کے ہاتھ پر) بیعت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اس کا اجر چاہتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تیرے والدین میں سے کوئی زندہ ہے اس نے عرض کیا جی ہاں بلکہ دونوں زندہ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اللہ سے اس کا اجر چاہتے ہو اس نے عرض کیا جی ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے والدین کی طرف جا اور ان دونوں سے اچھا سلوک کر۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2007)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جرتج اپنے عبادت خانے میں عبادت کر رہے تھے کہ ان کی ماں آگئی حمید کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی اس طرح صفت بیان کی جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان سے صفت بیان کی تھی جس وقت ان کی ماں نے ان کو بلایا تو انہوں نے اپنی تھیلی اپنی پلکوں پر رکھی ہوئی تھی پھر اپنے سرابین جرتج کی طرف اٹھا کر ابن جرتج کو آواز دی اور کہنے لگیں اے جرتج میں تیری ماں ہوں مجھ سے بات کر ابن جرتج اس وقت نرم پڑھ رہے تھے ابن جرتج نے کہا اے اللہ ایک طرف میری ماں ہے اور ایک طرف نماز ہے پھر ابن جرتج نے نماز کو اختیار کیا پھر ان کی ماں نے کہا اے اللہ یہ جرتج میرا بیٹا ہے میں اس سے بات کرتی ہوں تو یہ میرے ساتھ بات کرنے سے انکار کر دیتا ہے اے اللہ ابن جرتج

کو اس وقت تک موت نہ دینا جب تک کہ یہ بدکار عورتوں کا منہ نہ دیکھ لے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر جرجی کی ماں اس پر دے کرتی کہ وہ فتنہ میں پڑ جائے تو وہ فتنے میں مبتلا ہو جاتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھیڑوں کا ایک جروا تھا جو جرجی کے عبادت خانہ میں ٹھہرتا تھا گاؤں سے ایک عورت نکلی تو اس چرواہے نے اس عورت کے ساتھ برا کام کیا تو وہ عورت حامد ہو گئی اس عورت نے ہاں یک لڑکے کو دے دی تو اس عورت سے پوچھا گیا کہ یہ لڑکا کہاں سے لائی ہے اس عورت نے کہا اس عبادت خانہ میں جو رہتا ہے یہ اس کا لڑکا ہے (یہ سنتے ہی اس گاؤں کے لوگ) پھوڑے لے کر آئے اور انہیں آواز دی وہ نماز میں تھے انہوں نے کوئی بات نہ کی تو لوگوں نے اس کا عبادت خانہ شروع کر دیا جب جرجی نے یہ ماجرا دیکھا تو وہ اتر لوگوں نے اس سے کہا کہ اس عورت سے پوچھ یہ کیا کہتی ہے جرجی ہنسنا اور پھر اس نے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس نے کہا تیرا باپ کون ہے اس نے کہا میرا باپ بھیڑوں کا چرواہا ہے جب لوگوں نے اس بچے کی آواز سنی تو وہ کہنے لگے کہ ہم نے آپ کا جتنا عبادت خانہ گرایا ہے ہم اس کے بدلے میں سونے اور چاندی کا عبادت خانہ بنا دیتے ہیں جرجی نے کہا نہیں بلکہ تم اسے پہلے کی طرح مٹی ہی کا بنا دو اور پھر ابن جرجی اوپر چلے گئے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2008)

(۴) حضرت بہز بن حکیم بواسطہ والد اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون بھلائی کا زیادہ مستحق ہے فرمایا تمہاری ماں۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد۔ فرمایا تمہاری والدہ۔ میں نے چوتھی مرتبہ عرض کی اس کے بعد فرمایا تمہاری والدہ۔ میں نے چوتھی مرتبہ عرض کیا ان کے بعد کون زیادہ مستحق ہے؟ فرمایا تمہارے والد اور ان کے قریبی رشتہ داروں میں سے جو سب سے زیادہ قریبی ہو۔ اور اسی طرح درجہ بدرجہ۔ اس باب میں حضرت ابو ہریرہ، عبد اللہ بن عمر، عائشہ اور ابو درداء سے بھی احادیث منقول ہیں۔ بہز بن حکیم، معاویہ بن حیدہ قشیری کے بیٹے ہیں۔ یہ حدیث حسن ہے شعبہ نے بہز بن حکیم کے بارے میں کلام کیا ہے محدثین کے نزدیک یہ ثقہ ہیں ان سے معمر، سفیان، ثوری، حماد بن سلمہ اور کئی دوسرے آئمہ راوی ہیں۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1979)

(۵) حضرت سید بن عاصم رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کسی مسکین کو صدقہ دینا ایک صدقہ ہے یعنی اس کو دینے میں صرف صدقہ ہی کا ثواب ملتا ہے) مگر اپنے اقرباء میں سے کسی کو صدقہ دینا دوسرے ثواب کا باعث ہے، ایک ثواب تو صدقہ کا اور دوسرا ثواب صلہ رحمی کا ہوتا ہے۔

(احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 436

(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے پاس ایک دینار ہے جسے میں خرچ کرنا چاہتا ہوں سوا سے کہاں خرچ کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے اپنی اولاد پر خرچ کرو۔ اس نے عرض کیا میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اسے اپنے اہل (یعنی اپنی بیوی، ماں، باپ اور دوسرے اقرباء) پر خرچ کرو، اس نے کہا کہ

میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ فرمایا کہ اسے اپنے خادم پر خرچ کرو پھر اس نے کہا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے فرمایا کہ اب تم اس بارے میں زیادہ جان سکتے ہو! (یعنی اب اس کے بعد کے مستحق کو تم ہی بہتر جان سکتے ہو جسے اس کا مستحق سمجھو اسے دے دو۔) (ابوداؤد، نسائی، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 439)

تخلدست ماں باپ اور آباؤ اجداد کا خرچ انسان پر لازم ہے

(وَعَلَى الرَّجُلِ أَنْ يُنْفِقَ عَلَى أَبِيهِ وَآجِدَائِهِ وَجَدَّاتِهِ إِذَا كَانُوا فَقَرَاءَ وَإِنْ خَالَفُوهُ فِي دِينِهِ) أَمَّا الْآبَوَانِ فَلِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا) نَزَلَتْ الْآيَةُ فِي الْآبَوَيْنِ الْكَافِرَيْنِ، وَلَيْسَ مِنَ الْمَعْرُوفِ أَنْ يَعِيشَ فِي نِعَمِ اللَّهِ تَعَالَى وَيَتْرُكَهُمَا يَمُوتَانِ جُوعًا، وَأَمَّا الْآجِدَادُ وَالْجَدَّاتُ فَلِأَنَّهُمْ مِنَ الْآبَاءِ وَالْأُمَّهَاتِ وَلِهَذَا يَقُومُ الْجَدُّ مَقَامَ الْآبِ عِنْدَ عَدَمِهِ وَلَا نَهْمُ سَبَّوْا لِأَحْيَائِهِ فَاسْتَوْجَبُوا عَلَيْهِ الْإِحْيَاءَ بِمَنْزِلَةِ الْآبَوَيْنِ، وَشَرِطَ الْفَقْرُ لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ ذَا مَالٍ، فَلَا يَجِبُ نَفَقَتُهُ فِي مَالِهِ أَوْلَى مِنْ إِبْجَابِهَا فِي مَالٍ غَيْرِهِ، وَلَا يُمْنَعُ ذَلِكَ بِاخْتِلَافِ الدِّينِ لِمَا تَلَوْنَا (وَلَا تَجِبُ السَّفَقَةُ مَعَ اخْتِلَافِ الدِّينِ إِلَّا لِلزَّوْجَةِ وَالْآبَوَيْنِ وَالْآجِدَادِ وَالْجَدَّاتِ وَالْوَلَدِ وَالْوَلَدِ) أَمَّا الزَّوْجَةُ فَلِمَا ذَكَرْنَا أَنَّهَا وَاجِبَةٌ لَهَا بِالْعَقْدِ لِاخْتِبَاسِهَا لِحَقِّ لَهُ مَقْصُودٍ، وَهَذَا لَا يَتَعَلَّقُ بِاتِّحَادِ الْمِلَّةِ، وَأَمَّا غَيْرُهَا فَلِأَنَّ الْجُزْئِيَّةَ ثَابِتَةٌ وَجُزْءُ الْمَرْءِ فِي مَعْنَى نَفْسِهِ، فَكَمَا لَا يُمْتَنَعُ نَفَقَةُ نَفْسِهِ لِكُفْرِهِ لَا يُمْتَنَعُ نَفَقَةُ جُزْئِهِ إِلَّا أَنَّهُمْ إِذَا كَانُوا حُرَّتَيْنِ لَا تَجِبُ نَفَقَتُهُمْ عَلَى الْمُسْلِمِ وَإِنْ كَانُوا مُسْتَأْمِنَيْنِ، لِأَنَّا نَهَيْنا عَنْ الْبِرِّ فِي حَقِّ مَنْ يَفَاقِلُنَا فِي الدِّينِ.

ترجمہ

اور آدمی پر یہ بات لازم ہے: وہ اپنے ماں باپ، اجداد، جدات کو خرچ دے جب وہ غریب ہوں اگرچہ ان کا دین اس شخص کے دین سے مختلف ہو۔ جہاں تک ماں باپ کا تعلق ہے تو اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ”دنیا میں ان دونوں کے ساتھ اچھائی کے ساتھ رہو“۔ یہ آیت کافر ماں باپ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ اور یہ بات اچھائی میں شامل نہیں ہے کہ آدمی خود اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں زندگی گزارے اور ماں باپ کو بھوک سے مرنے کے لئے چھوڑ دے۔ جہاں تک اجداد اور جدات کا تعلق ہے تو

اس کی وجہ یہ ہے۔ وہ بھی ماں باپ کی طرح ہیں یہی وجہ ہے۔ باپ کی عدم موجودگی میں دادا قائم مقام ہوتا ہے۔ اس کی یہ وجہ بھی ہے۔ یہ لوگ آدمی کی زندگی کا سبب ہیں تو آدمی پر بھی یہ لازم ہوگا ان کی زندگی برقرار رکھنے کے لئے ضروریات فراہم کرے جس طرح ماں باپ کے لئے کرتا ہے۔ ان کا غریب ہونا شرط ہے کیونکہ اگر وہ صاحب حیثیت ہوں گے تو ان کے اپنے مال میں سے ان کا خرچ پورا کرنا اس سے بہتر ہے کہ کسی دوسرے کے مال میں سے اسے پورا کیا جائے۔ دین کے اختلاف کی وجہ سے یہ بات ممنوع نہیں ہوگی اس کی دلیل وہ آیت ہے جو ہم تلاوت کر چکے ہیں۔ دین کے اختلاف کے ہمراہ صرف بیوی ماں باپ اجداد و جدات و دادا اور دکی اولاد کا خرچ لازم ہوتا ہے۔ جہاں تک بیوی کا تعلق ہے تو اس کی دلیل وہ ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ یہ اس عقد کی وجہ سے بیوی کے حق میں لازم ہوگا جس کے نتیجے میں مرد کو اس عورت کو گھر میں رکھنے کا حق ہوتا ہے اور اس چیز کا تعلق دین میں اتحاد کے ساتھ نہیں ہے۔ جہاں تک دیگر افراد کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے جو ثابت ثابت ہے اور آدمی کا جزء اس کے اپنے وجود کی حیثیت رکھتا ہے تو جس طرح آدمی اپنے کفر کی وجہ سے اپنا خرچ نہیں روک سکتا اسی طرح اپنے جزء کا خرچ بھی نہیں روک سکتا۔ البتہ اگر وہ لوگ حربی ہوں تو ان کا خرچ مسلمان کے ذمے نہیں ہوگا۔ اگرچہ وہ "مستامن" ہوں کیونکہ ہمیں ان لوگوں کے ساتھ بھلائی سے منع کیا گیا ہے جو دین کے بارے میں ہمارے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔

### والدین کے نفقہ کے احکام و مسائل

اصول جتنی باپ دادا دادی نانا نانی (خواہ اسکے اوپر کے درجہ کے ہوں) اگر محتاج ہوں تو ان کے اخراجات کی ذمہ داری اولاد پر ہے بشرطیکہ اولاد خوشحال و تو گھر ہو اور خوشحال و تو گھر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اولاد مالی طور پر اس حیثیت و درجہ کی ہو کہ اس کو صدقہ و زکوٰۃ کا مال لینا حرام ہو اگر تو گھر اولاد میں مذکور مؤنث یعنی بیٹا اور بیٹی دونوں ہوں تو اس نفقہ کی ذمہ داری دونوں پر برابر ہوگی۔

محتاج شخص کا نفقہ واجب ہونے کے سلسلے میں قرب و جزائیت کا اعتبار ہے نہ کہ ارث کا مثلاً اگر کسی محتاج شخص کی بیٹی اور پوتا دونوں مال دار ہوں تو اس کا نفقہ بیٹی پر واجب ہوگا باوجودیکہ اس شخص کی میراث دونوں کو پہنچتی ہے اسی طرح اگر کسی محتاج شخص کی نواسی اور بھائی دونوں مالدار ہوں تو اس کا نفقہ نواسی پر واجب ہوگا اگرچہ اس شخص کی میراث کا مستحق صرف بھائی ہوگا۔

### ذوی الارحام کے نفقہ کے احکام و مسائل

ہر مالدار شخص پر اس کے ہر ذی رحم محرم کا نفقہ واجب ہے بشرطیکہ وہ ذی رحم محرم محتاج ہو یا نابالغ ہو یا مفلس عورت ہو یا اپنا معذور ہو یا اندھا ہو یا طبل علم ہو یا دیہات جس و بیوقوفی یا کسی اور عذر کی بنا پر کمانے پر قادر نہ ہو اور اگر وہ مالدار شخص ان لوگوں پر خرچ نہ کرے تو اس کو خرچ کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ ذی رحم محرم رشتہ داروں کا نفقہ مقدار میراث کے اعتبار سے واجب ہوتا ہے۔

اور میراث کی مقدار کے اعتبار کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنی محتاجی و تنگدستی کی وجہ سے اپنے ذی رحم محرم رشتہ داروں سے نفقہ

مائل کرنے کا مستحق ہے اگر اس کو مردہ تصور کر لیا جائے اور اس کی میراث کو اس کے ان ذی رحم محرم وارثوں پر تقسیم کیا جائے تو جس وارث کے حصہ میں میراث کی جو مقدار آئے گی وہی مقدار اس کے نفقہ کے طور پر اس ذی رحم محرم پر واجب ہوگی مثلاً زید ایک محتاج و محتدمت شخص ہے اس کے قریبی اعزاء ہیں صرف تین متفرق بہنیں ہیں یعنی ایک تو حقیقی بہن ہے ایک سوتیلی بہن ہے اور ایک اخینا بہن ہے ان تینوں بہنوں پر زید کا نفقہ واجب ہے جس کو وہ تینوں اس طرح پورا کریں گی کہ زید کا پورا نفقہ پانچ برابر برابر حصوں میں کر کے تین حصے تو حقیقی بہن کے ذمہ ہوگا ایک حصہ سوتیلی بہن کے ذمہ ہوگا اور ایک حصہ اخینا بہن کے ذمہ ہوگا مقدار کی یہ تقسیم بالکل اسی طرح ہے جس طرح یہ کہ ترکہ میں سے ان بہنوں کے حصہ کی میراث کی تقسیم ہوگی۔

نیز اس سلسلہ میں مقدار میراث کا درحقیقت ہر وقت متعین و معلوم ہونا شرط نہیں ہے بلکہ محض وراثت کی اہلیت کا ہونا شرط ہے چنانچہ اگر زید (جو محتاج و مفلس ہے) کا ایک ماں ہے اور ایک چچا زاد بھائی ہے اور وہ دونوں ہی مالدار ہیں تو زید کا نفقہ اس کے ماں پر واجب ہوگا۔

جو شخص محتاج و مفلس ہو اس پر کسی کا نفقہ واجب نہیں ہوتا خواہ وہ والدین ہوں یا ذی رحم محرم رشتہ دار لیکن بیوی اور اولاد کا نفقہ اس پر ہر حال میں واجب رہے گا۔

دین و مذہب کے اختلاف کی صورت میں ایک دوسرے پر نفقہ واجب نہیں ہوتا لیکن بیوی والدین دادا دادی اور اولاد اور اولاد کی اولاد خواہ نہ کہ ہوں یا مؤنث یہ لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں ان کا نفقہ دین و مذہب کے اختلاف کے باوجود واجب ہوتا ہے۔

محتاج باپ کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے نفقہ کے لئے اپنے لڑکے کا مال یعنی اشیاء منقولہ بیچ سکتا ہے لیکن عقار یعنی اشیاء غیر منقولہ جیسے زمین و باغات کو بیچنے کا اختیار نہیں ہوگا اسی طرح اس لڑکے پر اگر باپ کا نفقہ کے علاوہ کوئی اور دین یعنی قرض و مطالبہ ہو تو اس کے لئے لڑکے کی اشیاء منقولہ کو بھی بیچنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ نیز ماں کو اپنے لڑکے کا بھی کوئی مال خواہ اشیاء منقولہ ہو یا غیر منقولہ بیچنے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا اور صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کے نزدیک تو باپ کو بھی اشیاء منقولہ کے بیچنے کا اختیار نہیں ہے۔

حنفیہ اور حنبلیہ میں سے جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ رشتہ داروں میں سے بعض کا نفقہ بعض پر واجب ہے انہوں نے سی آیت سے استدلال کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب اور جمہور سلف صالحین سے یہی مروی ہے۔ سمر والی مرفوع حدیث سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے جس میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی محرم رشتہ دار کا لک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ یہ بھی یاد رہے کہ دو سال کے بعد دودھ پلانا عموماً بچہ کو نقصان دیتا ہے یا تو جسمانی یا دماغی۔

حضرت غلقہ نے ایک عورت کو دو سال سے بڑے بچے کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھ کر منع فرمایا۔ پھر فرمایا گیا ہے اگر یہ رضامندی اور مشورہ سے دو سال کے اندر اندر جب کبھی دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی حرج نہیں ہاں ایک کی چاہت دوسرے کی رضامندی کے بغیر نا کافی ہوگی اور یہ بچے کے بچہ و کی اور اس کی نگرانی کی ترکیب ہے۔ خیال فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر



کس قدر رحیم و کریم ہے کہ چھوٹے بچوں کے والدین کو ان کاموں سے روک دیا جس میں بچے کی بربادی کا خوف تھا، اور وہ علم ہیں جس سے ایک طرف بچے کا بچاؤ ہے دوسری جانب ماں باپ کی اصلاح ہے۔

سورۃ طلاق میں فرمایا آیت (فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَارْضَعْنَ أَخُوَهُنَّ ۖ 65 - اطلاق 6: ) اگر عورتیں بچے کو دودھ پلایا کریں تو تم ان کی اجرت بھی دیا کرو اور آپس میں عہدگی کے ساتھ معاملہ رکھو۔ یہ اور بات ہے کہ تنگی کے وقت کسی اور سے دودھ پلوا دو، چنانچہ یہاں بھی فرمایا اگر والدہ اور مدد متفق ہو کر کسی عذر کی بنا پر کسی اور سے دودھ شروع کرائیں اور پہلے کی اجازت کامل طور پر والدہ و امہ کو دے دے تو بھی دونوں پر کوئی گناہ نہیں، اب دوسری کسی دایہ سے اجرت چکا کر دودھ پلوا دیں۔ لوگو! اللہ تعالیٰ سے ہر امر میں ڈرتے رہا کرو اور یاد رکھو کہ تمہارے اقوال و افعال کو وہ بخوبی جانتا ہے۔

مسلمان پر غیر مسلم بھئی کا خرچ لازم نہیں ہوگا

(وَلَا تَجِبُ عَلَى النَّصْرَانِيِّ نَفَقَةُ أَخُوهِ الْمُسْلِمِ) وَكَذَا لَا تَجِبُ عَلَى الْمُسْلِمِ نَفَقَةُ أَخُوهِ النَّصْرَانِيِّ لِأَنَّ النِّفَقَةَ مُتَعَلِّقَةً بِالْإِزْثِ بِالنِّصِّ بِخِلَافِ الْعَتَقِ عِنْدَ الْمَلِكِ لِأَنَّهُ مُتَعَلِّقٌ بِالْقَرَابَةِ وَالْمَحْرَمِيَّةِ بِالْحَدِيثِ، وَلِأَنَّ الْقَرَابَةَ مُوجِبَةً لِلصَّلَاةِ، وَمَعَ الْإِتِّفَاقِ فِي الْبَدَنِ أَكْثَرُ وَدَوَامُ مِلْكِ الْيَمِينِ أَعْلَى فِي الْقَطِيعَةِ مِنْ حِرْمَانِ الْفَقِيَّةِ، فَاعْتَبَرْنَا فِي الْأَعْلَى أَصْلَ الْعِلَّةِ وَفِي الْأَذْنَى الْعِلَّةَ الْمُؤَكَّدَةَ فَلِهَذَا افْتَرَقَا (وَلَا يُشَارِكُ الْوَلَدُ فِي نَفَقَةِ أَبَوَيْهِ أَحَدًا) (۱) لِأَنَّ لَهُمَا تَأْوِيلًا فِي مَالِ الْوَلَدِ بِالنِّصِّ، وَلَا تَأْوِيلَ لَهُمَا فِي مَالِ غَيْرِهِ، وَلِأَنَّهُ أَقْرَبُ النَّاسِ إِلَيْهِمَا فَكَانَ أَوْلَى بِاسْتِحْقَاقِ نَفَقَتِهِمَا عَلَيْهِ، وَهِيَ عَلَى الذُّكُورِ وَالْإِنَاثِ بِالسُّوِّيَّةِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَهُوَ الصَّحِيحُ، لِأَنَّ الْمَعْنَى يَشْمَلُهُمَا.

ترجمہ

اور کسی عیسائی شخص پر اپنے مسلمان بھائی کا خرچ لازم نہیں ہے اسی طرح مسلمان پر اپنے عیسائی بھائی کا خرچ لازم نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے نص سے یہ بات ثابت ہے خرچ کا تعلق وراثت سے ہوتا ہے جبکہ مالک ہونے پر آزاد ہونے کا حکم اس کے برخلاف ہے کیونکہ اس کا تعلق قرابت اور محرم ہونے سے ہے اور یہ بات حدیث سے ثابت ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے قرابت صلہ رحمی کو لازم کرتی ہے اور دین میں اتفاق کی صورت میں یہ زیادہ مؤکد ہو جاتی ہے۔ ملک یمن کو برقرار رکھنا خرچ سے محروم کرنے کے مقابلے میں قطع رحمی کے حوالے سے برتر حیثیت رکھتا ہے اس لیے ہم برتر حیثیت میں اصل علت کا اعتبار کریں گے اور کمتر صورت میں اس علت کا اعتبار کریں گے جو مؤکد ہوتی ہے اس لیے ان دونوں کے درمیان فرق ہوگا۔

والدین کو خرچ دینے میں بیٹے کے ساتھ اور کوئی شریک نہیں ہوگا کیونکہ نص سے یہ بات ثابت ہے۔ وہ دونوں بیٹے کے مال میں حق رکھتے ہیں۔ یمن بیٹے کے علاوہ کسی اور کے مال میں حق نہیں رکھتے۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے: بیٹا والدین کے سب سے قریب ہوتا ہے اس لیے مناسب یہی ہے: ان کا خرچ اسی کے ذمے ہو۔ ظاہر روایت کے مطابق اس بارے میں مذکر اور مؤنث (یعنی بیٹا و بیٹی) کا حکم برابر ہوگا اور یہی رائے درست ہے کیونکہ مفہوم میں دونوں شامل ہیں۔

(۱) بشیر الی حدیث انت و مالک لابی، وروی ابو داؤد فی "سنہ" برقم (۳۵۲۸) والترمذی فی "جامعہ" برقم (۱۳۸۷) والمسنائی فی "المجتبیٰ" برقم (۴۱۴۵) وابن ماجہ برقم (۲۱۳۷) عن عائشة رضی اللہ عنہا مرفوعاً: "ان أطيب ما أكل الرجل من كسبه، وان ولده من كسبه"

بیٹے کے مال کی نسبت باپ کی طرف کرنے کا بیان

(۱) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرد نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ میرا مال بھی ہے اور اول بھی اور میرا باپ چاہتا ہے کہ میرا تمام مال بڑپ کر جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو اور تیرا مال دونوں تیرے باپ کی ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 449)

(۲) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرا باپ میرا مال بڑپ کر گیا ہے۔ آپ نے فرمایا تو اور تیرا مال دونوں تیرے باپ کے ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تمہاری اول و تمہاری بہترین کئی ہے اس لئے تم ان کا مال کھاؤ۔

(سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 450)

(۳) ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ہندہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا اے اللہ کے رسول خیل مرد ہے مجھے اتنا نہیں دیتا کہ مجھے اور میرے بچوں کو کافی ہو جائے الہ یہ کہ میں اس کی علمی میں اس کے مال میں سے کچھ لے لوں (تو اس سے گزارہ ہو جاتا ہے) آپ نے فرمایا اتنا لے سکتی ہو جو دستور کے موافق تمہیں اور تمہارے بچوں کو کافی ہو جائے۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 451)

(۴) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک صحابی آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا باپ مجھ سے پوچھتا تک نہیں اور میرا مال خرچ کر رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اچھا بلا واسکے باپ کو۔ انکے باپ کو پتہ چلا کہ میرے بیٹے نے بارگاہ نبوت میں میری شکایت کی ہے تو انہوں نے دکھ اور رنج کے کچھ اشعار دل میں پڑھے، زبان سے ادا نہیں کیے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے تو ادھر جبرائیل امین آ گئے۔ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ، اللہ فرما رہا ہے کہ اس سے فرمائیں پہلے وہ اشعار سنائے جو تمہاری زبان پر نہیں آئے بلکہ تمہارے دل نے پڑھے ہیں اور اللہ نے عرش پر ہوتے ہوئے بھی انہیں لیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمائش پر وہ صحابی کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ قربان جاؤں آپ کے رب پر وہ کیسا رب ہے میرے اندر تو ایک خیال آیا تھا اللہ نے وہ بھی سن لیا۔ فرمایا: اچھا پہلے وہ اشعار سناؤ پھر تمہارے مقدمے کا فیصلہ کریں گے۔ یہ اشعار عربی میں ہیں۔ انکا اردو ترجمہ کچھ یوں ہے۔

ترجمہ

اے میرے بچے میں نے تیرے لیے اپنا سب کچھ لگا دیا جب تو گود میں تھا تو میں اس وقت بھی تیرے لیے پریشان رہا تو سوتا تھا اور ہم تیرے لیے جاگتے تھے تو روتا تھا اور ہم تیرے لیے روتے تھے

اور سارا دن میں تیرے لیے خاک چھانتا تھا اور روزی کھاتا تھا اپنی جوانی کو گرمی اور خزاں کے ٹھنڈے سے بچاتا تھا مگر تیرے لیے گرم روٹی کا میں نے ہر حال میں انتظام کیا کہ میرے بچے کو روٹی ملے، چاہے مجھے ملے یا نہ ملے اس کے چہرے پر مسکراہٹ نظر آئے

جب کبھی تو بیمار ہو جاتا تھا تو ہم تیرے لئے تڑپ جاتے تھے تیرے پہلو بدلنے پر ہم ہزاروں دوسووں میں مبتلا ہو جاتے تھے تیرے رونے پر ہم بے قرار ہو جاتے تھے تیری بیماری ہماری کمر توڑ دیتی تھی اور ہمیں بارودتی تھی ہمیں یوں لگتا تھا تو بیمار نہیں بلکہ میں بیمار ہوں تجھے درد نہیں اٹھا بلکہ مجھے درد اٹھتا ہے تیری ہائے پر ہماری ہائے نکلتی تھی اور ہر پہلو یہ خطرہ ہوتا تھا کہ کہیں میرے بچے کی جان نہ چلی جائے

اس طرح میں نے تجھے پروان چڑھایا اور خود میں بڑھاپے کا شکار ہوتا رہا تجھ میں جوانی رنگ بھرتی چلی گئی اور مجھ سے بڑھاپا جوانی چھینتا چلا گیا۔

پھر جب میں اس سطح پر آیا کہ اب مجھے تیرے سہارے کی ضرورت پڑی ہے اور تو اس سطح پر آ گیا ہے کہ تو بے سہارا چل سکے

تو مجھے تمن ہوئی کہ جیسے میں نے اسے پالا ہے یہ بھی میرا خیال کریگا جیسے میں نے اسکے ناز برداشت کیے ہیں، یہ بھی میرے ناز برداشت کریگا

لیکن تیرا لہجہ بدل گیا، تیری آنکھ بدل گئی، تیرے تہ بدل گئے تو مجھے یوں سمجھنے لگا کہ جیسے میں تیرے گھر کا نوکر ہوں تو مجھ سے یوں بولنے لگا کہ جیسے میں تیرا زرخیز غلام ہوں تو یہ بھی بھول گیا کہ میں نے تجھے کس طرح پالا تیرے لئے کیسے جاگا، تیرے لئے کیسیر دیا، تڑپا اور چلا آج تو میرے ساتھ وہ کر رہا ہے جو آقا اپنے نوکر کے ساتھ بھی نہیں کرتا

اگر تو مجھے بیٹا بن کر نہیں دکھا سکا اور مجھے باپ کا مقام نہیں دے سکا تو کم از کم پڑوسی کا مقام تو دیدے، کہ پڑوسی بھی پڑوسی کا حال پوچھ لیتا ہے

اور تو بخل کی باتیں کرتا ہے۔

یہ اشعار سننے پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نوجوان سے فرمایا اٹھ جا میری مجلس سے، تو بھی اور تیرا ماں بھی تیرے باپ کا ہے۔ (امام بیہقی، دلائل نبوة،)

یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے۔ یہ حکم ظاہر روایت کے مطابق ہے اور یہی صحیح ہے۔ اس غلطی کے ذریعے مصنف نے امام سرخسی رحمہ اللہ کے اس قول سے احتراز کیا ہے ان کے نزدیک خرچ کی ادائیگی میں وراثت کا اعتبار کیا جائے گا، یعنی ایک مذکر کا حصہ دو مؤنث کے برابر ہوگا۔

تنگہ ست محرم رشتے دار کے خرچ کا حکم

(وَالْفَقْرَةُ لِكُلِّ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ إِذَا كَانَ صَغِيرًا فَقِيرًا أَوْ كَانَتْ امْرَأَةً بَالِغَةً فَقِيرَةً أَوْ كَانَ ذَكَرًا بَالِغًا فَقِيرًا زَمَنًا أَوْ أَعْمَى) لِأَنَّ الصِّلَةَ فِي الْقَرَابَةِ الْقَرِيبَةِ وَاجِبَةٌ دُونَ النِّعْدَةِ، وَالْفَاصِلُ أَنْ يَكُونَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ، وَقَدْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ) وَفِي قِرَاءَةِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ "وَعَلَى الْوَارِثِ ذِي الرَّحِمِ الْمَحْرَمِ مِثْلُ ذَلِكَ" ثُمَّ لَا بُدَّ مِنَ الْحَاجَةِ وَالصَّغَرِ وَالْأُتُوَّةِ وَالزَّمَانَةِ وَالْعَمَى أَمَّا رَةُ الْحَاجَةِ لِتَحَقُّقِ الْعَجْزِ، فَإِنَّ الْقَادِرَ عَلَى الْكَسْبِ غَنِيٌّ بِكَسْبِهِ، بِخِلَافِ الْآبَوَيْنِ لِأَنَّهُ يَلْحَقُهُمَا تَعَبُ الْكَسْبِ وَالْوَلَدُ مَأْمُورٌ بِدَفْعِ الضَّرْرِ عَنْهُمَا فَتَجِبُ نَفَقَتُهُمَا مَعَ قُدْرَتِهِمَا عَلَى الْكَسْبِ.

قَالَ (وَيَجِبُ ذَلِكَ عَلَى مِقْدَارِ الْمِيرَاثِ وَيُجَبَّرُ عَلَيْهِ) لِأَنَّ التَّسْبِيصَ عَلَى الْوَارِثِ تَبِيَّةٌ عَلَى اغْتِبَارِ الْمِقْدَارِ، وَلِأَنَّ الْغُرْمَ بِالْغَنَمِ وَالْجَبْرَ لَا يَفَاءُ حَقٌّ مُسْتَحَقٌّ

ترجمہ

اور ہر ذی رحم محرم کے لئے خرچ کی ادائیگی واجب ہے جبکہ وہ کس اور محتاج ہو یا اگر وہ بالغ ہو اور محتاج ہو اور عورت ہو۔ یا بالغ ہو محتاج ہو اور مرد ہو جو تنگڑا یا اندھا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے قریبی قرابت میں صلہ رحمی واجب ہوتی ہے اور دور کی قرابت میں یہ واجب نہیں ہوتی ہے دونوں کے درمیان فرق یہی ہوگا وہ رشتہ دار ذی رحم محرم ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ "اور وارث پر اس کی مانند" حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت میں یہ الفاظ ہیں۔ "اور ذی رحم محرم وارث پر اس کی مانند (لازم ہے)"۔ پھر حاجت

مند ہونا، نابالغ ہونا اور مونث ہونا، تنکڑا ہونا یا اندھا ہونا محتاج ہونے کی علامت ہے کیونکہ اس صورت میں عاجز ہونا متحقق ہو جاتا ہے کیونکہ جو شخص کمانے پر قادر ہو وہ اپنی کمائی کے ذریعے بے نیاز ہو جاتا ہے جبکہ والدین کا حکم اس سے مختلف ہے کیونکہ کمانے میں نہیں تکلیف کا سامن کرنا پڑے گا جبکہ بیٹے کے لئے یہ حکم ہے وہ ان سے ضرر کو دور کرے، لہذا ان دونوں کے کمانے کی قدرت رکھنے کے باوجود ان دونوں کا خرچ (بیٹے کے ذمے) لازم ہوگا۔ میراث کی مقدار کے اعتبار سے یہ خرچ لازم ہوتا ہے اور اس بارے میں اسے مجبور کیا جائے گا کیونکہ نص میں ورثہ کا ذکر ہونا اس بات کی دلیل ہے وہ خرچ وراثت کے حساب سے ہوگا اور "دی اتنی ہی ادائیگی برداشت کرتا ہے جتنا حصہ اسے حاصل ہو سکتا اور زبردستی کرنا اس لیے ہے تاکہ حقدار کو اس کا حق پورا مل سکے۔

تنگ دست رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی فضیلت کا بیان

عبد مہد بن محمود باہرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف کا یہ قول "(وَالْفَقَّةُ لِكُلِّ دِي رَحِمٍ مَحْرَمٌ)" اور اس کی ترجمہ حذف ہے اور وہ یہ ہے کہ جس ذی رحم محرم سے ہمیشہ سب سے نکاح حل نہیں ہے۔ (عنا یہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۷۰، بیروت) عبد مہد بن یزید انصاری کہتے ہیں کہ میں نے ابو سعید انصاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر رہا ہوں، آپ نے فرمایا کہ جب مسلمان اپنی بیوی بچوں کی ذات پر کارثوب سمجھ کر خرچ کرتا ہے تو وہ اس کے لئے صدقہ ہو جاتا ہے۔

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 322)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! خرچ کر میں تیری ذات پر خرچ کروں گا۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 323)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیواؤں اور مسکین کے لئے محنت اور مزدوری کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا یا رات کو عبادت کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کی طرح ہے۔ صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 324

حضرت حاکم بن سعد کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں میری عیادت کے لئے تشریف لائے، میں نے عرض کیا کہ میرے پاس مال ہے کیا میں اپنے سارے مال میں وصیت کر دوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، میں نے پوچھا نصف مال میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، میں نے کہا ثلث میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثلث میں کر سکتے ہو، اگر چہ یہ بھی زیادہ ہے اور فرمایا اپنے وارثوں کو ہمدرد چھوڑنا تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں ایسی حالت میں چھوڑو کہ تنگ دست ہوں اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں اور تم ان کی ذات پر جو کچھ بھی خرچ کر دو گے، وہ تمہارے لئے صدقہ ہے، یہاں تک کہ وہ لقمہ جو تم اپنی بیوی کے منہ میں دیتے ہو اور شاید اللہ تمہاری عمر دراز کرے کہ تم سے ایک قوم کو فائدہ ہو اور دوسری کو نقصان صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 325۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہتر صدقہ وہ ہے کہ جس سے صدقہ دینے والے کی مالداری قائم رہے اور اپنے رشتہ داروں سے شروع کرو۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 327) معمر کہتے ہیں کہ مجھ سے ثوری نے پوچھا کہ کیا تو نے اس شخص کے بارے میں کچھ سنا ہے جو اپنے اہل و عیال کے ایک سال یا اس سے کچھ کم کیسے خرچ جمع کرے، معمر نے کہا کہ مجھے کچھ یاد نہیں آیا، پھر میں نے وہ حدیث بیان کی جو ہم سے ابن شہاب زہری نے روایت کی، ابن مالک بن اوس حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی نضیر کے درختوں کو بیج دیتے تھے اور اپنے اہل و عیال کے لئے ایک سال کی خوراک رکھ لیتے تھے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 328)

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ

خبر کا فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کے ساتھ بچہ بھی ہے تو اس کی دودھ پدائی کے زمانہ تک کا خرچ اس مرد پر واجب ہے۔ پھر ارشاد پاری ہے کہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلانے سے انکار کرے اس کے والد کو تنگی میں نہ ڈالے۔ بچہ اپنے کو دودھ پلاتی رہے اس لئے کہ یہی اس کی گزارن کا سبب ہے۔ دودھ سے جب بچہ بپایا ہو جائے تو بچہ کو دے دے لیکن پھر بھی نقصان رسائی کا ارادہ نہ ہو۔ اسی طرح خوند اس سے جبراً بچے کو الگ نہ کرے جس سے غریب دکھ میں پڑے۔ وارث کو بھی یہی چاہئے کہ بچے کی والدہ کو خرچ سے تنگ نہ کرے، اس کے حقوق کی نگہداشت کرے اور اسے ضرر نہ پہنچائے۔ حنفیہ اور حنبلیہ میں سے جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ رشتہ داروں میں سے بعض کا نفقہ بعض پر واجب ہے انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب اور جمہور سلف صالحین سے یہی مروی ہے۔ سرہ والی مرفوع حدیث سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے جس میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی محرم رشتہ دار کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ یہ بھی یہ در ہے کہ دو سال کے بعد دودھ پلانا عموماً بچہ کو نقصان دیتا ہے، یا تو جسمانی یا دماغی۔ حضرت عاتقہ نے ایک عورت کو دو سال سے بڑے بچے کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھ کر منع فرمایا۔ پھر فرمایا گیا ہے اگر یہ رضامندی اور مشورہ سے دو سال کے اندر اندر جب کبھی دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی حرج نہیں ہاں ایک کی چاہت دوسرے کی رضامندی کے بغیر نا کافی ہوگی اور یہ بچے کے بچاؤ کی اور اس کی نگرانی کی ترکیب ہے۔ خیال فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر رحیم و کریم ہے کہ چھوٹے بچوں کے والدین کو ان کاموں سے روک دیا جس میں بچے کی بربادی کا خوف تھا، اور وہ حکم دیا جس سے ایک طرف بچے کا بچاؤ ہے دوسری جانب ماں باپ کی اصلاح ہے۔ سورۃ طلاق میں فرمایا آیت (فَإِنْ أَرَضَعْنَكُمْ فَارْزُقُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ 65 - الطلاق: 6)

اگر عورتیں بچے کو دودھ پلایا کریں تو تم ان کی اجرت بھی دیا کرو اور آپس میں عہدگی کے ساتھ معاملہ رکھو۔ یہ اور بات ہے کہ تنگی کے وقت کسی اور سے دودھ پلاؤ، چنانچہ یہاں بھی فرمایا اگر والدہ اور والد متفق ہو کر کسی عذر کی بنا پر کسی اور سے دودھ شروع کرائیں اور پہلے کی اجازت کامل طور پر والد والدہ کو دے دے تو بھی دونوں پر کوئی گناہ نہیں، اب دوسری کسی دایہ سے اجرت چکا کر دودھ پلا دیں۔ لوگو! اللہ تعالیٰ سے ہر امر میں ڈرتے رہا کرو اور یہ درکھو کہ تمہارے اقوال و افعال کو وہ بخوبی جانتا ہے۔

حاملہ مطلقہ کے غفقہ و رہائش کا بیان

حاملہ مطلقہ عورت کو نفقہ اور رہائش دونوں اشیاء میں سے چاہے طلاق رجعی ہو یا طلاق بائن۔ رجعی طلاق میں اس لیے کہ وہ بیوی کے حکم میں ہے حتیٰ کہ عدت ختم ہو جائے، اور یہ عدت وضع حمل سے ختم ہوگی۔ رہی بابت طلاق والی عورت تو اس کے نفقہ کی دلیل سنت نبویہ اور اجماع ہے۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: بالجملہ یہ کہ جب آدمی بیوی کو طلاق بائن دے یعنی یا تو تین طلاق ہو یا پھر خلع یا پھر خلع نکاح، اور بیوی حاملہ ہو تو اسے نفقہ اور رہائش ملے گی، اس پر اہل علم کا اجماع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔  
(تم انہیں وہیں رکھو جہاں رہتے ہو اپنی استطاعت کے مطابق۔ ورنہ انہیں نقصان نہ دے کہ تم ان پر تنگی کرو، اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرو حتیٰ کہ وہ حمل وضع کر دیں)۔

اور بعض حدیث میں ہے کہ فطمہ بنت قیس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: تمہیں نفقہ نہیں ملے گا، الا یہ کہ تم حاملہ ہو "اور اس لیے بھی کہ حمل خاوند کا بچہ ہے، اس لیے اس پر خرچ کرنا باپ پر واجب ہے، اور یہ اس وقت ہی ممکن ہو سکتا ہے جب عورت پر خرچ کیا جائے، اور اسی طرح رضاعت کی اجرت بھی واجب ہوگی۔ (المغنی) 8 / (185)

حاملہ عورت کے عداوہ طلاق بائن والی عورت کو نفقہ اور رہائش نہ ملنے کی دلیل صحیح مسلم کی درج ذیل حدیث ہے۔ شععی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں فطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گیا اور ان سے ان کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے متعلق دریافت کیا تو وہ کہنے لگیں "ان کے خاوند نے انہیں طلاق بتا دے دی تھی، تو میں یہ معاملہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر گئی کہ مجھے رہائش اور نفقہ ملنا چاہیے۔

وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے نہ تو نفقہ کا فیصلہ کیا اور نہ ہی رہائش کا، اور مجھے حکم دیا کہ میں ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں عدت گزاروں" (صحیح مسلم حدیث نمبر: 1480)

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ: وہ کہتی ہیں: میں نے اس کا ذکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا: نہ تو تیرے لیے نفقہ ہے ورنہ نہ ہی رہائش "اور ابن داؤد کی روایت میں ہے کہ: آپ کو نفقہ نہیں ملے گا، لیکن یہ کہ آپ حاملہ ہوں"

دوم۔ مرد پر حمل کی حالت میں بچے کا نفقہ واجب ہے، اور اسی طرح رضاعت میں بھی، اور رضاعت کے بعد کا خرچ بھی والد پر ہے، اس میں سے ماں پر کچھ بھی لازم نہیں چاہے ماں مالدار ہی کیوں نہ ہو۔

نفقہ میں وراثت کے اخراجات، اور رہائش اور کھانا پینا اور لباس اور رضاعت کی اجرت، اور بچے کو جو علاج معالجہ کی ضرورت ہو اس کے اخراجات بھی شامل ہونگے۔

جب مطلقہ عورت حمل وضع کر لے تو نہ اسے نفقہ ملے گا اور نہ ہی رہائش، لیکن اس کے بچے کا خرچ اور اسے رہائش دی جائیگی، اور عدت کو حق حاصل ہے کہ وہ بچے کے باپ سے رضاعت کی اجرت کا مطالبہ کرے۔

اور جب مطلقہ عورت بچے کی پرورش کرنے والی ہو تو فقہاء کرام کا اس کے نفقہ اور رہائش میں اختلاف ہے کہ آیا باپ پر۔ زم بچا یا نہیں، یعنی جس بچے کی پرورش ہو رہی ہے اس کے باپ پر، یا کہ ماں پر یا جو شخص ماں پر خرچ کر رہا ہے اس پر لازم ہوگا، یا کہ وہ ان میں شریک ہوگا، کہ خاوند اور مطلقہ دونوں ہی خرچ ادا کریں، یہ حاکم کی جھٹکا کے مطابق ہوگا۔ یہ کہ اگر اس کی رہائش ہو تو وہ اس پر تنفا کرے گی اور اگر اس کے پاس رہائش نہیں تو پھر بچے کے باپ پر لازم ہے کہ وہ اسے رہائش فراہم کرے اس میں کئی مشہور اقوال ہیں۔ (حاشیہ ابن عابدین) 3 / (562) اور شرح الخرزی 4 / (218)

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ اگر باپ پر دودھ پیتے بچے کی رہائش لازم کی گئی ہو تو مطلقہ عورت کے لیے شرط لگائی جائیگی کہ جب تک وہ بچے کی پرورش کرے گی یا پھر دودھ پلائیگی وہ بھی اس کے ساتھ ہی رہائش میں رہیگی، اور اسے اپنے میکے میں رہنا لازم نہیں، یا پھر اسے مکان کرایہ پر لے کر دیا جائیگا، اور بچے کے باپ اور ماں دونوں کو حق حاصل ہے کہ وہ عورت کے میکے میں رہنے پر صلح کر لیں یا پھر عورت کے لیے خاص مکان ہو۔

سوم۔ بالاتفاق بچے کی رضاعت کی اجرت والد پر ہے، اور طلاق دینے والا باپ یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ اپنی مطلقہ بیوی کو اپنے بچے کو دودھ پلانے پر مجبور کرے۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: بچے کی رضاعت اکیلے باپ کے ذمہ ہے، اور اسے بچے کی ماں کو رضاعت پر مجبور کرنے کا حق حاصل نہیں، چاہے عورت غلط ہو یا شریف، اور چاہے وہ عقد زوجیت میں ہو یا پھر طلاق یافتہ، ہمارے علم کے مطابق اگر بیوی عقدہ زوجہ کی ہے تو اسے بالاتفاق رضاعت پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اگر وہ اپنے خاوند کے ساتھ ہے تو ہمارے ہاں اسی طرح ہے، ورنہ ماٹوری اور شافعی اور اصحاب الرائے بھی یہی کہتے ہیں۔ (المغنی) 11 / (430)

اور ان کا کہنا ہے: جب ماں رضاعت کی اجرت مثل طلب کرے تو وہ اس کی زیادہ حقدار ہے، چاہے وہ حال زوجیت میں ہو یا پھر اس کے بعد، اور چاہے باپ کو فری دودھ پلانے والی مل گئی ہو، یا نہ ملے۔ (المغنی) 11 / (431)

"ربا رضاعت کی اجرت کا مسئلہ تو علماء کرام کا اتفاق ہے کہ عورت کو اس کا حق حاصل ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے) اور اگر وہ تمہارے لیے دودھ پلائیگی تو انہیں ان کی اجرت دو) اور خوشحال شخص پر نفقہ واجب ہوگا، لیکن تنگ دست پر نفقہ نہیں ہے۔ (الفتاویٰ الکبریٰ) 3 / (347)

چہرہ: رہی پرورش کی اجرت یعنی بچے کی تربیت اور اس کی دیکھ بھال کی اجرت تو اس میں فقہاء کرام کا اختلاف پایا جاتا ہے، حاملہ حضرات کا مسلک یہ ہے کہ عورت کو پرورش کی اجرت طلب کرنے کا حق حاصل ہے، چاہے کوئی ایسی عورت بھی موجود ہو جو بغیر اجرت کے پرورش کرے۔ منقہی الارادات میں درج ہے: اور رضاعت کی طرح ماں زیادہ حقدار ہے چاہے اجرت مثل سے ہی ہو (شرح منقہی الارادات) 3 / (249)

اور مالکی حضرات کا مسلک یہ ہے کہ: پرورش کرنے کی کوئی اجرت نہیں، اور احناف اور شافعی حضرات کے ہاں اس مسئلہ میں

تفصیل ہے۔ (الموسوعة الفقهية (17 / 311)

بالغ جی اور اپنا بیٹے کے خرچ کا حکم

قَالَ (وَتَجِبُ نَفَقَةُ الْإِبْنَةِ الْبَالِغَةِ وَالْأَبْنِ الزَّيْنِ عَلَى أَبِيهِ أَثَلَاثًا عَلَى الْآبِ الثَّلَاثِ وَعَلَى الْأُمِّ الثَّلَاثُ) لِأَنَّ الْمِيرَاثَ لَهُمَا عَلَى هَذَا الْمِقْدَارِ .

قَالَ الْعَدُّ الضَّعِيفُ : هَذَا الَّذِي ذَكَرَهُ رِوَايَةُ الْخَصَافِ وَالْحَسَنِ، وَفِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ كُلِّ النَّفَقَةِ عَلَى الْآبِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ) وَصَارَ كَالْوَلَدِ الصَّغِيرِ .

وَوَجْهُ الْفَرْقِ عَلَى الرِّوَايَةِ الْأُولَى أَنَّهُ اجْتَمَعَتْ لِلْآبِ فِي الصَّغِيرِ وَلَايَةٌ وَمَوْنَةٌ حَتَّى وَجَبَتْ عَلَيْهِ صَدَقَةُ فِطْرِهِ فَاخْتَصَّ بِنَفَقَتِهِ، وَلَا كَذَلِكَ الْكَبِيرُ لِانْعِدَامِ الْوِلَايَةِ فِيهِ فَتَشَارِكُهُ الْأُمُّ، وَفِي غَيْرِ الْوَالِدِ يُعْتَبَرُ قَدْرُ الْمِيرَاثِ حَتَّى تَكُونَ نَفَقَةُ الصَّغِيرِ عَلَى الْأُمِّ وَالْجَدِّ أَثَلَاثًا، وَنَفَقَةُ الْآخِ الْمُعْسِرِ عَلَى الْأَحْوَاتِ الْمُتَقَرِّقَاتِ الْمُوسِرَاتِ أَخْمَاسًا عَلَى قَدْرِ الْمِيرَاثِ، غَيْرَ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ أَهْلِيَّةُ الْإِرْثِ فِي الْجُمْلَةِ لَا إِحْرَازُهُ، فَإِنَّ الْمُعْسِرَ إِذَا كَانَ لَهُ خَالٌ وَابْنٌ عَمٌّ تَكُونُ نَفَقَتُهُ عَلَى خَالِهِ وَمِيرَاثُهُ يُحْرَزُهُ ابْنُ عَمِّهِ (وَلَا تَجِبُ نَفَقَتُهُمْ مَعَ اخْتِلَافِ الدِّينِ لِبُطْلَانِ أَهْلِيَّةِ الْإِرْثِ وَلَا بُدٌّ مِنْ اعْتِبَارِهِ وَلَا تَجِبُ عَلَى الْفَقِيرِ) لِأَنَّهَا تَجِبُ صِلَةً وَهُوَ يَسْتَحِقُّهَا عَلَى غَيْرِهِ فَكَيْفَ تَسْتَحِقُّ عَلَيْهِ بِخِلَافِ نَفَقَةِ الرُّوحَةِ وَوَلَدِهِ الصَّغِيرِ لِأَنَّهُ التَّرْمَهَا بِالْإِقْدَامِ عَلَى الْعُقْدِ إِذَا الْمَصَالِحُ لَا تَنْتَظِمُ دُونَهَا، وَلَا يَعْمَلُ فِي مِثْلِهَا الْإِعْسَارُ .

ثُمَّ الْإِسَارُ مُقَدَّرٌ بِالنِّصَابِ فِيمَا رَوَى عَنْ أَبِي يُوسُفَ .

وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ قَدَّرَهُ بِمَا يَفْضُلُ عَلَى نَفَقَةِ نَفْسِهِ وَعِيَالِهِ شَهْرًا أَوْ بِمَا يَفْضُلُ عَلَى ذَلِكَ مِنْ كَسْبِهِ الدَّائِمِ كُلِّ يَوْمٍ لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ وَأَنَّمَا هُوَ الْقُدْرَةُ دُونَ النِّصَابِ فَإِنَّهُ لِلتَّيْسِيرِ وَالْفَتْوَى عَلَى الْأَوَّلِ، لَكِنَّ النِّصَابَ نِصَابُ حِرْمَانِ

الصَّدَقَةُ .

ترجمہ

اور بالغ جی یا بالغ بیٹے کا خرچ والدین پر اس نسبت سے لازم ہوگا اس کے تین حصے ہوں گے ان میں سے دو حصے باپ کے ہوں گے اور ایک حصہ ماں کے ذمے ہوگا کیونکہ ان دونوں کو وراثت اسی حساب سے ملے گی۔ بندہ ضعیف یہ کہتا ہے یہ وہ چیز ہے جس کا ذکر خصاف اور حسن کی روایت میں ہے۔

ظاہر الروایت میں یہ ہے ہر خرچ باپ کے ذمے ہوگا اس کی دیس اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ”ن عورقوں کا رزق (خرچ) اور ماں کا لباس اس شخص کے ذمے ہوگا جس کا بچہ ہے“ تو یہ کس بچے کی، مند ہو جائے گا۔ یہی روایت کے مطابق فرق کی وجہ یہ ہے کہ بچے کی طرف سے دو چیزیں باپ کے ذمے ہوتی ہیں وراثت اور مونت یہاں تک کہ بالغ بچے کی طرف سے صدقہ فطر بھی باپ ہی کو ادا کرنا پڑتا ہے اس لیے بالغ بچے کا خرچ بطور خاص باپ پر لازم ہوگا۔ لیکن بالغ بیٹے کی یہ حیثیت نہیں ہوتی کیونکہ اس پر باپ کی وراثت برقرار نہیں رہتی اس لیے اس کے خرچ میں ماں بھی شریک ہوگی اسی طرح باپ کے علاوہ دیگر رشتے داروں پر ان کی وراثت کے حصے کے حساب سے خرچ کی ادائیگی لازم کی جائے گی۔

یہاں تک کہ بالغ بچے کا خرچ اس کے دادا اور اس کی ماں پر وراثت کی نسبت سے لازم ہوگا محتاج بھائی کا خرچ وراثت کے غلط سے متفرق قسم کی خوشحال بہنوں پر پانچ حصوں میں تقسیم ہو جائے گا جو وراثت میں ان کی مقدار کے حساب سے ہوگا البتہ یہ ضروری ہے وراثت کا استحقاق کافی ہوگا۔ اگرچہ عملی طور پر انہیں وراثت میں حصہ نہ ملے۔ اگر کسی محتاج شخص کا ماموں اور چچا زاد بھائی خوشحال ہوں تو اس محتاج شخص کا خرچ اس کے ماموں کے ذمے ہوگا حالانکہ وراثت میں حصہ چچا زاد بھائی کو ملتا ہے۔

اگر ان ذی محرم رشتے داروں کے ساتھ دین میں اختلاف ہو تو خرچ واجب نہیں ہوگا کیونکہ دین میں اختلاف کی وجہ سے وراثت کی اہلیت بھی باقی نہیں رہتی ہے حالانکہ اس اہلیت کے لئے وراثت پر قیاس کرنا ضروری ہے محتاج شخص پر کسی کا خرچ ادا کرنا لازم نہیں ہوتا کیونکہ اس کا لازم ہونا عطیے کے طور پر ہوتا ہے اور محتاج شخص خود اس کا مستحق ہے تو اس پر کسی دوسرے کو خرچ فرما کر ادا کرنا کیسے لازم ہو سکتا ہے۔

البتہ بیوی یا بالغ بیٹے کے خرچ کا حکم اس سے مختلف ہے کیونکہ بیوی اور بچے کا خرچ میاں یا باپ پر لازم ہوتا ہے خواہ وہ غریب ہی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے آدمی جب نکاح کر لیتا ہے تو وہ اپنے اوپر خرچ کو لازم کر لیتا ہے کیونکہ خرچ کی ادائیگی کے بغیر نکاح کی مصلحت پوری نہیں ہوتی اور تنگ دستی ایسے امور میں حاصل نہیں ہو سکتی۔ امام ابو یوسف سے جو روایت نقل کی گئی ہے اس کے مطابق خوشحالی کا معیار زکوٰۃ کا نصاب ہوگا۔ امام محمد سے یہ روایت منقول ہے: ایک ماہ کے ذاتی اخراجات اور بیوی بچوں کے اخراجات کے علاوہ اگر اس کے پاس کچھ بچ جائے (تو وہ شخص خوشحال شمار ہوگا) یا روزانہ کی آمدن میں اتنی بچت ہوتی ہو وہ خوشحال

تصور ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے بندوں کے حقوق میں استطاعت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اس میں نصاب کا کوئی واسطہ نہیں ہے کیونکہ شرعی نصاب تو دولت مند ہونے کے لئے ہوتا ہے۔ تاہم فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر دیا گیا ہے اور نصاب سے مراد وہ نصاب ہے جس کی موجودگی میں صدقہ و خیرات لینا حرام ہوتا ہے۔

### نابالغ اولاد پر وجوب نفقہ کا بیان

عبد مہدی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ نابالغ اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہے جبکہ اولاد فقیر ہو یعنی خود اس کی ملک میں مال نہ ہو اور آزاد ہو۔ اور نابالغ بیٹا اگر پانچ یا چھنوں یا تینوں ہو کمانے سے عاجز ہو اور اس کے پاس مال نہ ہو تو اس کا نفقہ بھی باپ پر ہے اور بڑی جبکہ مال نہ رکھتی ہو تو اس کا نفقہ بہر حال باپ پر ہے اگرچہ اس کے اعضا سلامت ہوں۔ اور اگر نابالغ کی ملک میں مال ہے مگر یہاں مال موجود نہیں تو باپ کو حکم دیا جائے گا۔ کہ اپنے پاس سے خرچ کرے جب مال آئے تو جتنا خرچ کیا ہے اس میں سے لے لے اور گریبٹو خود خرچ کیا ہے اور چاہتا ہے کہ مال آنے کے بعد اس میں سے لے لے تو لوگوں کو گواہ بتائے کہ جب مال آئے گا میں لے لوں گا اور گواہ نہ کیے تو دیا نہ لے سکتا ہے قضا نہیں ہے۔ نابالغ کا باپ تنگ دست ہے اور مال مالدار جب بھی نفقہ باپ پر ہے مگر مال کو حکم دیا جائے گا کہ اپنے پاس سے خرچ کرے اور جب شوہر کے پاس ہو تو وصول کر لے۔

(جوہرہ نیر و باب نفقہ)

علامہ عطاء اللہ بن حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر باپ مفلس ہے تو کمانے اور بچوں کو کھلائے اور کمانے سے بھی عاجز ہے مثلاً پانچ ہے تو دادا کے ذمہ نفقہ ہے کہ خود باپ کا نفقہ بھی اس صورت میں اسی کے ذمہ ہے۔ طالب علم کہ علم دین پڑھتا ہو اور نیک چلن ہو اس کا نفقہ بھی اس کے والد کے ذمہ ہے وہ طلبہ مراد نہیں جو فضولیات و لغویات فلاسفہ میں مشغول ہوں اگر یہ باتیں ہوں تو نفقہ باپ پر نہیں۔ (در مختار، کتاب طلاق، باب نفقہ)

### اصول و فروع کے نفقہ کا فقہی بیان

بہن، بھائی، چچا، ماموں، خالہ، چھو بھی یا ان کی اولاد اگر غریب ہیں اور حاجت مند ہیں۔ تو ان کو زکوٰۃ دینا دوسرا ثواب ہے۔ ایک صلہ رحمی کا دوسرے اور ان کی فرض کا ہاں اپنے اصول یعنی والدین، دادا، دادی، نانا، نانی اور ان سے اوپر والے اور اپنے فروع یعنی او۔ دشتا بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی اور ان کی اولاد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ یونہی میاں بیوی ایک دوسرے کو زکوٰۃ زکوٰۃ فطرانہ فقہیہ مال کفارہ نہیں دے سکتے۔

اگر یہ اولاد نابالغ ہے اور تادار ہے اور اس کے والدین مالدار صاحب نصاب ہیں تو اولاد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں کیونکہ نابالغ اولاد کا نان نفقہ والدین کے ذمہ ہے اور وہ مالدار ہیں۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ جو شخص خود تنگ دست اور ضرورت مند ہو اس پر کسی دوسرے شخص کا خرچ لازم نہیں ہوتا

اس کی وجہ یہ ہے بیوی بچوں کے علاوہ کسی اور کا خرچ 'صلہ رحمی کے طور پر ادا کیا جاتا ہے جبکہ محتاج شخص تو خود دوسروں کی طرف سے حسان اور صلہ رحمی کا مستحق ہوتا ہے تو وہ کسی دوسرے پر احسان کیسے کر سکتا ہے البتہ اس محتاج شخص پر اپنی بیوی اور اپنی نابالغ اولاد کا خرچ لازم ہوتا ہے کیونکہ اس نے خود نکاح کر کے اس خرچ کی ادائیگی اپنے اوپر لازم کی ہے کیونکہ خرچ کے بغیر زندگی مشکل صورت حال کا شکار ہو جاتی ہے اس لیے شوہر کے ذمے بیوی کے خرچ کی ادائیگی لازم ہوگی خواہ وہ خوشحال ہو یا تنگ دست ہو اسی طرح کیونکہ نابالغ اولاد باپ کے رحم و کرم پر ہوتی ہے اس لیے اس کا خرچ ادا کرنا بھی باپ کے ذمے لازم ہوگا۔

یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے خوشحال ہونے کی مقدار کیا ہے؟ وہ یہ فرماتے ہیں۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس بات کے قائل ہیں۔ جو شخص نصاب کی مقدار جتنے مال کا مالک ہو اور وہ نصاب اس کی ذاتی ضروریات کے علاوہ ہو تو ایسا شخص خوشحال شمار ہوگا اور اس پر دوسرے لوگوں کے خرچ کی ادائیگی لازم ہوگی۔

اس بارے میں امام محمد رحمہ اللہ سے دو روایات منقول ہیں۔

پہلی روایت کے مطابق: جس شخص کے پاس اس کی اپنی اور اپنے اہل خانہ کی ضروریات کے علاوہ ایک ماہ کا خرچ موجود ہو وہ خوشحال شمار ہوگا۔

دوسری روایت کے مطابق: جس شخص کی آمدن اتنی ہو کہ اسے روزانہ اتنا مال بیچ جاتا ہو کہ وہ اس کے اور اس کے اہل خانہ کی ضروریات کے لیے کافی ہو تو وہ خوشحال شمار ہوگا۔

مصنف نے یہ بات بیان کی ہے خوشحالی کے بارے میں پہلا قول معتبر ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے بندوں کے حقوق میں صرف کسی چیز پر قدرت کا اعتبار کیا جاتا ہے نصاب پر قدرت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اس کی وجہ یہ ہے ناب خوشحالی کی آسانی کے لیے ہوتا ہے یہاں نصاب سے مراد وہ مقدار ہے جس کی موجودگی میں انسان کے لیے زکوٰۃ دینا حرام ہو جاتا ہے۔

غیر موجود بیٹے کے مال میں سے والدین کو خرچ فراہم کرنا

(وَإِذَا كَانَ لِلزَّانِ الْمَالُ الْقُصِيُّ فِيهِ بِنْفَقَةِ أَبَوَيْهِ) وَقَدْ بَيَّنَّا الْوُجْهَ فِيهِ (وَإِذَا بَاعَ أَبُوهُ مَتَاعَهُ فِي نَفَقَتِهِ (جَان) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ، وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ (وَأَنَّ بَاعَ الْعَقَّارَ لَمْ يَجُزْ) وَفِي قَوْلِهِمَا لَا يَجُوزُ ذَلِكَ كُلُّهُ وَهُوَ الْقِيَاسُ، لِأَنَّهُ لَا وَلَايَةَ لَهُ لَا نَقْطَاعَهَا بِالْبُلُوغِ، وَلِهَذَا لَا يَمْلِكُ فِي حَالِ حَضَرَتِهِ وَلَا يَمْلِكُ الْبَيْعَ فِي دَيْنٍ لَهُ سِوَى النَّفَقَةِ، وَكَذَا لَا تَمْلِكُ الْأُمُّ فِي النَّفَقَةِ



وَلَا يَسِي حَيْفَةَ رَحْمَةِ اللَّهِ أَنْ لِلْأَبِ وَلَايَةَ الْحِفْظِ فِي مَالِ الْغَائِبِ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ  
لِلْوَصِيِّ ذَلِكَ قَالَابُ أَوْلَى لَوْ فُورِ شَفَقَتِهِ، وَتَبِعَ الْمَنْقُولِ مِنْ بَابِ الْحِفْظِ وَلَا  
كَذَلِكَ الْعَقَارُ لِأَنَّهَا مُحَصَّنَةٌ بِنَفْسِهَا، وَبِخِلَافِ غَيْرِ الْأَبِ مِنَ الْأَقَارِبِ لِأَنَّهُ لَا  
وَلَايَةَ لَهُمْ أَصْلًا فِي التَّصَرُّفِ حَالَةَ الصِّغَرِ وَلَا فِي الْحِفْظِ نَعْدَ الْكِبَرِ.

إِذَا حَارَبَ بَيْعُ الْأَبِ فَالْثَّمَنُ مِنْ جَنْسِ حَقِّهِ وَهُوَ الْفَقَّةُ فَلَهُ الْإِسْتِيفَاءُ مِنْهُ، كَمَا لَوْ  
نَاعَ الْعَقَارُ وَالْمَنْقُولُ عَلَى الصَّغِيرِ جَارَ لِكَمَالِ الْوَلَايَةِ، ثُمَّ لَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهُ بِنَفَقَتِهِ  
لِأَنَّهُ مِنْ جَنْسِ حَقِّهِ (وَإِنْ كَانَ لِلْبَيْنِ الْغَائِبِ مَالٌ فِي يَدِ أَبِيهِ وَانْفَقَا مِنْهُ لَمْ يَضْمًا)  
لِأَنَّهُمَا اسْتَوْفِيَا حَقَّهُمَا لِأَنَّ نَفَقَتَهُمَا وَاجِبَةٌ قَبْلَ الْقَضَاءِ عَلَى مَا مَرَّ وَقَدْ أَخَذَا  
جَنْسَ الْحَقِّ (وَإِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فِي يَدِ أَجَنَبِيٍّ فَانْفَقَ عَلَيْهِمَا بِغَيْرِ إِذْنِ الْقَاضِي  
صَمِنَ) لِأَنَّهُ تَصَرَّفَ فِي مَالِ الْغَيْرِ بِغَيْرِ وَلَايَةٍ لِأَنَّهُ نَائِبٌ فِي الْحِفْظِ لَا غَيْرُ،  
بِخِلَافِ مَا إِذَا أَمَرَهُ الْقَاضِي لِأَنَّ أَمْرَهُ مُلْزِمٌ لِعُمُومِ وَلَايَتِهِ.

وَإِذَا ضَمِنَ لَا يَرْجِعُ عَلَى الْقَابِضِ لِأَنَّهُ مَدَّكَ بِالضَّمَانِ فَظَهَرَ أَنَّهُ كَانَ مُتَبَرِّعًا بِهِ.

ترجمہ

اور اگر غیر موجود بیٹے کا مال موجود ہو تو اس میں سے والدین کے خرچ کے لئے حکم دیا جائے گا اس کی دلیل ہم ذکر کر چکے  
ہیں۔ اگر غیر موجود بیٹے کا باپ اس بیٹے کے مال کو خرچ حاصل کرنے کے لئے فروخت کر دے تو ایسا کرنا جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ  
کے نزدیک یہ حکم استحسان کے پیش نظر ہے۔ اگر باپ اس غیر موجود بیٹے کی زمین یا مکان کو فروخت کرنا چاہتا ہے تو ایسا کرنا جائز نہیں  
ہوگا۔ صاحبین نے یہ بات بیان کی ہے: چنانچہ ادخواہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ ہو اسے فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے بیٹے کے بالغ ہونے کی وجہ سے اس پر باپ کا ولایت کا حق ختم ہو چکا ہے یہی  
وجہ ہے: بیٹے کی موجودگی میں باپ اس کے مال کو فروخت نہیں کر سکتا یا اسی طرح خرچ کے علاوہ کسی دوسرے قرض کے سلسلے میں بھی  
وہ اس مال کو فروخت نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اس غیر موجود بیٹے کی مال بھی اپنے خرچ کے لئے اس مال کو فروخت نہیں کر سکتی۔ امام  
ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: باپ کو اپنے غیر موجود بیٹے کے مال کی حفاظت کا حق حاصل ہے۔ کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ جب وہی کو  
حفاظت کا حق حاصل ہوتا ہے تو باپ کو بدرجہ اولیٰ یہ حاصل ہونا چاہئے کیونکہ باپ میں شفقت کا مادہ زیادہ پایا جاتا ہے۔ جو مال منقول

نہا جاسکتا ہو۔ سے فروخت کرنا حفاظت کی ایک کڑی ہے جبکہ غیر منقولہ مال میں یہ پہون نہیں پڑتا اس کی وجہ یہ ہے وہ بذات خود  
محفوظ ہوتا ہے۔

باپ کے علاوہ دوسرے کسی رشتے دار کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کیونکہ اس کی وجہ یہ ہے۔ اس غیر موجود بیٹے کے بچپن میں بھی  
نہ رشتے داروں کو اس کے مال میں تصرف کرنے کا اختیار نہیں تھا اور اس کے بالغ ہونے کے بعد بھی نہ رشتے داروں کو وہ ولایت  
مال نہیں ہوگی جو حفاظت کے لئے ہوتی ہے۔

جب باپ اس کے مال کو فروخت کرنے کا اختیار رکھتا ہے اور اس مال کی قیمت ایک ایسی جنس ہے جو اس باپ کا حق ہے یعنی  
نہ کا خرچ ہے تو وہ خریدار سے اس کی قیمت وصول کرنے کا بھی حق رکھتا ہوگا۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے مکمل ولایت کی وجہ سے  
باپ بالغ بیٹے کی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد کو فروخت کر سکتا ہے اور قیمت میں سے اپنا خرچ وصول کر سکتا ہے کیونکہ مودعہ ایسی  
جنس ہے جس پر اسے حق حاصل ہے۔ اگر غیر موجود بیٹے کا مال والدین کے قبضے میں ہو وہ والدین حاجت مند ہوں اور اس میں سے  
اپنا خرچ وصول کر لیں تو بعد میں وہ اس کے ضامن نہیں ہوں گے کیونکہ انہوں نے اپنے حق کو وصول کیا ہے جیسا کہ ہم پہلے یہ بات  
ذکر کر چکے ہیں قاضی کے فیصلہ کرنے سے پہلے وہ اپنا خرچ وصول کرنے کے حقدار ہیں اور انہوں نے یہ حق کی جنس میں سے وصول  
کیا ہے۔

اگر اس غیر موجود بیٹے کا مال کسی بھی شخص کے قبضے میں ہو اور وہ قاضی کی اجازت کے بغیر مال کو ان مال باپ پر خرچ کر دے تو  
بعد میں وہ شخص ضامن ہوگا کیونکہ اس نے ولایت کے بغیر دوسرے شخص کے مال میں تصرف کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے: وہ اجنبی شخص  
صرف حفاظت کے سلسلے میں غیر موجود شخص کا نائب تھا اور کسی معاملے میں نہیں تھا اس کے برخلاف جب قاضی اسے اس کا حکم  
دے تو حکم مختلف ہوگا کیونکہ قاضی کی ولایت عام ہونے کی وجہ سے اس کے حکم کی پابندی کی جائے گی۔ اگر وہ تاوان ادا کر دیتا  
ہے تو وہ ان والدین سے واپس نہیں لے گا جنہوں نے اس مال کو قبضے میں لیا (یعنی غیر موجود شخص کے والدین) کیونکہ تاوان ادا  
کرنے کے نتیجے میں وہ اس کا مالک ہو گیا اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی: اس نے ہمہ کے طور پر وہ مال دیا تھا۔

شرح

عورت نے قاضی کے پاس آ کر بیان کیا کہ میرا شوہر کہیں گیا ہے اور مجھے نفقہ کے لیے کچھ دے کر نہ گیا تو اگر کچھ روپے یا غلہ  
بھجوز گیا ہے اور قاضی کو معلوم ہے کہ یہ اس کی عورت ہے تو قاضی حکم دے گا کہ اس میں سے خرچ کرے مگر فضول خرچ نہ کرے مگر یہ قسم  
لے لے کہ اس سے نفقہ نہیں پایا ہے اور کوئی ایسی بات بھی نہیں ہوئی ہے جس سے نفقہ سا قسط ہو جاتا ہے اور عورت سے کوئی ضامن بھی  
لے۔ (فتاویٰ حنفیہ، کتاب نفقہ)

شوہر کہیں چلا گیا ہے اور نفقہ نہیں دے گیا مگر گھر میں اسباب وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو نفقہ کی جنس سے نہیں تو عورت ان  
چیزوں کو بیچ کر کھانے وغیرہ میں نہیں صرف کر سکتی۔ (عالمگیری، کتاب طلاق، باب نفقہ)

علامہ غلام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ جس مقدار پر رضامندی ہوئی یا قاضی نے مقرر کی عورت کہتی ہے کہ یہ ناکافی ہے تو مقدار بڑھادی جائے یا شوہر کہتا ہے کہ یہ زیادہ ہے اس سے کم میں کام چل جائیگا کیونکہ اب ارزانی ہے یا مقرر ہی زیادہ مقدار ہوئی اور قاضی کو بھی معلوم ہو گیا کہ یہ رقم زائد ہے تو کم کر دی جائے چند مہینے کا نفقہ باقی تھا اور دونوں میں سے کوئی مر گیا تو نفقہ ساقط ہو گیا ہاں اگر قاضی نے عورت کو حکم دیا تھا کہ قرض لیکر صرف کرے پھر کوئی مر گیا تو ساقط نہ ہوگا۔ طلاق سے بھی پیشتر کا نفقہ ساقط ہو جائے ہے مگر جبکہ اس لیے طلاق دی ہو کہ نفقہ ساقط ہو جائے تو ساقط نہ ہوگا۔ (در مختار، کتاب طلاق، باب نفقہ)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے 'اگر کوئی شخص' یعنی 'جنسی شخص' قاضی کے فیصلے کے بغیر غیر موجود شخص کا مال اس کے والدین پر خرچ کر دیتا ہے اور پھر اس پر تادان کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے اور وہ تادان ادا کر دیتا ہے تو اب وہ اس غیر موجود شخص کے والدین سے کوئی وصولی نہیں کر سکتا اگرچہ اس نے پہلے رقم ان والدین پر ہی خرچ کی تھی کیونکہ اس اجنبی شخص کا غیر موجود شخص کے والدین پر یہ خرچ کرنا بطور احسان ہوگا عطیے کے طور پر ہوگا اور کیونکہ غیر موجود شخص کے والدین نے اس عطیے کو اپنے قبضہ میں لے لیا ہے تو اب قبضہ میں لیے جانے کے بعد عطیہ واپس نہیں ہو سکتا اس لیے وہ اجنبی شخص اس غیر موجود شخص کے والدین سے کوئی بھی رقم واپس نہیں لے سکے گا۔

قاضی کے فیصلے کے باوجود خرچ نہ ملنے کا حکم

(وَإِذَا قَضَى الْقَاضِي لِلْوَلَدَيْنِ وَذَوِي الْأَرْحَامِ بِالنَّفَقَةِ فَمَضَتْ مُدَّةُ سَقَطَتْ) لِأَنَّ نَفَقَةَ هُؤُلَاءِ تَجِبُ كِفَايَةً لِلْحَاجَةِ حَتَّى لَا تَجِبُ مَعَ الْيَسَارِ وَقَدْ حَصَلَتْ بِمُضِيِّ الْمُدَّةِ، بِخِلَافِ نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ إِذَا قَضَى بِهَا الْقَاضِي لِأَنَّهَا تَجِبُ مَعَ يَسَارِهَا فَلَا تَسْقُطُ بِحُصُولِ الْإِسْتِغْنَاءِ فِيمَا مَضَى.

قَالَ (أَلَا أَنْ يَأْذَنَ الْقَاضِي بِالْإِسْتِغْنَاءِ عَلَيْهِ) لِأَنَّ الْقَاضِي لَهُ وَلَايَةٌ عَامَّةٌ فَصَارَ إِذْنُهُ كَأَمْرِ الْغَائِبِ فَيَصِيرُ ذِمَّتُهُ فِي ذِمَّتِهِ فَلَا تَسْقُطُ بِمُضِيِّ الْمُدَّةِ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ

اور جب قاضی کسی شخص پر اس کے بیٹے والدین یا محرم رشتے داروں کا خرچ لازم کر دے لیکن وہ شخص ایک مدت تک اس خرچ کو ادا نہ کرے تو اس مدت کا خرچ ساقط ہو جائے گا کیونکہ لوگوں کا خرچ ان کی ضرورت پوری کرنے کے لئے ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ لوگ خوشحال ہوں تو وہ خرچ لازم نہیں ہوتا اس لیے جو مدت گزر گئی ہو اس کی کفایت بھی ہوگئی۔ اس کے برخلاف اگر قاضی

بیوی کے لئے خرچ مقرر کر دے تو وہ ساقط نہیں ہوگا کیونکہ بیوی کا خرچ تو بیوی کے خوشحال ہونے کے باوجود بھی لازم ہوتا ہے۔ اس لیے گزری ہوئی مدت میں عورت کے بے نیاز ہونے کی وجہ سے یہ ساقط نہیں ہوگا۔ البتہ اگر قاضی اس غیر موجود شخص کی ذمہ داری پر قرض لینے کی اجازت دیدے تو گزشتہ مدت کا خرچ ساقط نہیں ہوگا کیونکہ قاضی کی ولایت سب پر عام ہوتی ہے تو اس کا حکم دینا اسی طرح ہوگا جیسا کہ اس غیر موجود شخص نے خود اس کی اجازت دی ہو لہذا یہ اس غیر موجود شخص کے ذمے قرض ہوگا جو وقت گزرنے کے ساتھ ساقط نہیں ہوگا باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

شرح

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ اگر قاضی کسی شخص کے لیے یہ فیصلہ کرتا ہے کہ وہ اپنی اولاد اپنے والدین اور اپنے رشتے داروں کا خرچ فراہم کرے گا اور پھر اس کے بعد کچھ عرصہ گزر جاتا ہے اس میں اس نے خرچ فراہم نہیں کیا تو اس گزرے ہوئے عرصے کا خرچ ساقط ہو جائے گا اس کی وجہ یہ ہے ان لوگوں کا خرچ صرف ضرورت پوری کرنے کے لیے ہوتا ہے تو کیونکہ سابقہ عرصہ ان کا یہی گزر گیا ہے لہذا سابقہ عرصے کے اعتبار نہیں ہوگا یہی وجہ ہے اگر یہ لوگ خوشحال ہو جاتے ہیں تو پھر ان کے خرچ کی ادائیگی لازم نہیں رہتی تو جب کچھ عرصہ خرچ کے بغیر گزر گیا تو یہ اس بات کی دلیل سمجھا جائے گا اس عرصے کے دوران انہیں خرچ کی ضرورت نہیں تھی لہذا اب گزرے ہوئے زمانے کا خرچ اس شخص کے ذمے لازم نہیں ہوگا۔

اس کے برخلاف اگر قاضی کسی شخص کی بیوی کا خرچ مقرر کرتا ہے اور پھر کچھ عرصہ خرچ کی ادائیگی کے بغیر گزر جاتا ہے تو سابقہ زمانے کا خرچ اس شوہر کے ذمے لازم رہے گا اور وہ ساقط نہیں ہوگا اس کی وجہ یہ ہے اگر بیوی خوشحال ہو تو بھی اس کا خرچ ادا کرنا شوہر کے ذمے لازم ہوتا ہے اس لیے سابقہ زمانے کا خرچ ساقط نہیں ہوگا اور شوہر اس خرچ کو ادا کرنے کا پابند ہوگا۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی قاضی کسی غیر موجود شخص کے والدین یا اس کے بیوی بچوں کو یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ اس غیر موجود شخص کے نام پر قرض حاصل کر کے اپنی ضروریات پوری کریں اور پھر کچھ مدت گزرنے تک وہ قرض نہیں دیتے تو ان کا خرچ ساقط نہیں ہوگا اس کی وجہ یہ ہے قاضی کو تمام ولایت حاصل ہوتی ہے اس لیے اس کا تصرف اسی طرح ہوگا جیسے اس غیر موجود شخص نے خود قرضہ لینے کی ہدایت کی ہو کہ تم میرے نام پر قرضہ لے کر اپنا خرچ پورا کر سکتے ہو تو حکم یہی ہے اگر غیر موجود شخص نے خود قرضہ لینے کی ہدایت کی ہوئی اور کچھ مدت گزرنے تک والدین یا بیوی بچوں نے قرض نہ لیا ہوتا تو بھی ان لوگوں کا خرچ ساقط نہیں ہوتا۔

## فصل

## ﴿یہ فصل غلام و باندی کے نفقہ کے بیان میں ہے﴾

## فصل نفقہ غلام و باندی کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود باری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے اس فصل میں غلام وغیرہ اور دیگر حیوانات کے نفقہ کو بیان کیا ہے اور اس فصل کو مؤخر کیا ہے۔ اور اس کا سبب ظاہر ہے کہ انسان کو اس ملکیت والے میں انفاق پر مجبور نہیں کیا جائے البتہ آزادی میں کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ جانوروں کا معاملہ اس کے درمیان اور اللہ کے درمیان ہے۔ نفقہ زوجہ اور غلام میں فرق کیا جائے گا کیونکہ آقا جب غلام کا نفقہ روک دے تو اس کو غلام کی بیع پر مجبور کیا جائے گا۔ جبکہ شوہر جب نفقہ زوجہ روکے تو اس کو طلاق پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ جب کسی غلام کو بیچ جائے گا اس غلام کو گویا خفیہ کی طرف پھیرنا ہے یعنی غلام کا خفیہ اس کی شمن ہے۔ جبکہ طلاق میں کوئی خفیہ نہیں ہے۔ کیونکہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے تو یہ ایسی تفریق ہے جس میں خفیہ نہیں ہے۔ لہذا خفیہ کے فوائد کے وقت خفیہ کو طرف پھیرنا منع ہو جائے گا اور جہاں خفیہ ہو گا وہاں حکم ریت کو خلف کی طرف پھیر دیا جائے گا۔

(عنہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۲۶۲، بیروت)

## غلام و باندی کے نفقہ کے ثبوت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کے بارے میں فرمایا کہ اس کی روٹی کپڑا اس کے آقا کے ذمہ ہے اور یہ کہ اس سے صرف اتنا کام لیا جائے جو اس کی طاقت و ہمت کے مطابق ہو۔

(مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 538)

اس حدیث میں غلام کے بارے میں دو ہدایتیں ہیں ایک تو یہ کہ غلام کا نفقہ چونکہ اس کے مالک پر واجب ہے اس لئے مالک کو چاہئے کہ وہ اپنے غلام کو اس کی حاجت کے بقدر اور اپنے شہر کے عام دستور کے مطابق اس کو روٹی کپڑا دے یعنی اس کے شہر میں عام طور پر غلام کو جس مقدار میں اور جس معیار کا روٹی اور کپڑا دیا جاتا ہے اسی کے مطابق وہ بھی دے، دوسری ہدایت یہ ہے کہ اپنے غلام کو کوئی ایسا کام کرنے کا حکم نہ دیا جائے جس پر وہ مداومت نہ کر سکتا ہو اور جو اس کی ہمت و طاقت سے باہر ہو یا جس کی وجہ سے اس کے جسم میں کوئی ظاہری نقصان پہنچ سکتا ہو۔

گویا اس ہدایت کے ذریعہ یہ احساس دلایا گیا ہے کہ انسان اپنے غلام کے بارے میں یہ حقیقت ذہن میں رکھے کہ جس طرح مالک حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ان کی طاقت و ہمت سے زیادہ کی عمل و فعل کا بار نہیں ڈالا ہے اور ان کو انہی احکام کا پابند کیا ہے جو ان کے قوائے فکر و عمل کے مطابق ہیں اسی طرح بندوں کو بھی جو مالک مجازی ہیں یہی چاہئے کہ وہ اپنے مملوک یعنی غلام پر

کہ جو انہی کی طرح انسان ہیں ان کی طاقت و ہمت سے باہر کسی کام کا بار نہ ڈالیں۔

حضرت ابن عباس سے یہ حدیث مرفوع منقول ہے کہ غلام کے تئیں مالک کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں (۱) جب غلام نماز پڑھ رہا ہو تو اس کو جہد بازی کا حکم نہ دے (۲) جب وہ کھانا کھا رہا ہو تو اس کو اپنے کسی کام کے لئے نہ اٹھائے (۳) اس کو اتار کھانا دے جس سے اس کا پیٹ اچھی طرح بھر جائے۔

## آقا پر اپنی کنیز اور غلام کا خرچ لازم ہے

(وَعَلَى الْمَوْلَى أَنْ يُفِقَّ عَلَى عَبْدِهِ وَآمِيهِ) لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَمَالِكِ  
(إِنَّهُمْ إِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، أَطْعَمُوهُمْ مِمَّا تَأْكُلُونَ وَالْيَسُوهُمْ  
مِمَّا تَلْبَسُونَ، وَلَا تُعَذِّبُوا عِبَادَ اللَّهِ (۱)) (فَإِنْ امْتَنَعَ وَكَانَ لَهُمَا كَسْبٌ اكْتَسَبَا وَانْفَقَا)  
لَإِنَّ فِيهِ نَظَرًا لِلْجَانِبَيْنِ حَتَّى يَبْقَى الْمَمْلُوكُ حَيًّا وَيَبْقَى فِيهِ مِنْكَ الْمَالِكُ (وَأَنْ لَمْ  
يَكُنْ لَهُمَا كَسْبٌ) بَأَنَّ كَانَ عَبْدًا رَمًا أَوْ جَارِيَةً لَا يُؤَاجِرُ مِثْلَهَا (أُجِبَرُ الْمَوْلَى عَنِ  
بَيْعِهِمَا) لِأَنَّهُمَا مِنْ أَهْلِ الْإِسْتِحْقَاقِ وَفِي الْبَيْعِ إِيفَاءُ حَقِّهِمَا وَإِبْقَاءُ حَقِّ الْمَوْلَى  
بِالْخُلْفِ، بِخِلَافِ نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ لِأَنَّهَا تَصِيرُ دَيْنًا فَكَانَ تَأْخِيرًا عَلَى مَا ذَكَرْنَا، وَنَفَقَةُ  
الْمَمْلُوكِ لَا تَصِيرُ دَيْنًا فَكَانَ إِنْطِلَالًا، وَبِخِلَافِ سَائِرِ الْحَيَوَانَاتِ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ أَهْلِ  
الْإِسْتِحْقَاقِ فَلَا يُجْبَرُ عَلَى نَفَقَتِهَا، إِلَّا أَنَّهُ يُؤْمَرُ بِهِ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى لِأَنَّهُ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (نَهَى عَنْ تَعَذِّيبِ الْحَيَوَانِ (۲)) وَفِيهِ ذَلِكَ، وَنَهَى عَنْ إِضَاعَةِ  
الْمَالِ (۱) وَفِيهِ إِضَاعَتُهُ. وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يُجْبَرُ، وَالْأَصَحُّ مَا قُلْنَا، وَاللَّهُ  
تَعَالَى أَعْلَمُ بِالْصَّوَابِ.

(۱) أخرجه البخاری فی "صحیحہ" ۴۶۵/۱۰ برقم (۶۰۰) و مسند فی "صحیحہ" ۱۲۸۲، ۱۲۸۳ برقم (۱۶۶۱) من رویہ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً و أبو داود فی "سنن" برقم (۵۱۵۷)۔

(۲) أخرجه أحمد فی "مسند" ۱۶۸/۵ و أبو داود فی "سنن" ۳۵۹/۵۔ ۳۶۰ برقم (۵۱۵۷) عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً: "من لاء مکم من مملوک کیکم ما طعموه مما تأکلون و اکسوه مما لبسوا و من لم یأطعمکم منهم بیعوه ولا تعذبوا خلق اللہ" و أخرجه أحمد فی "المسند" ۱۸۰/۴۔ ۱۸۱ و أبو داود فی "سنن" ۳۔ ۴۹/ برقم (۲۵۴۸) و صحیحہ ابن حبان فی صحیحہ فی البر والصلة باب فصل من طعمه و الاحسن برقم (۵۴۵) سهل بن الحظیة قال: "مر رسول اللہ ﷺ ببعیر قد لحق ظہرہ بیطہ فقال: "انقوا اللہ فی ہذہ السہام المعجمۃ فارکوها صالحة و کلوها صالحة"

ترجمہ

اور مالک پر اپنے غلام اور کنیز کا خرچ لزم ہوتا ہے اس کی دلیل نبی اکرم ﷺ کا غلاموں کے بارے میں یہ فرمان ہے ”وہ تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارا ماتحت کر دیا ہے تم انہیں وہی چیز کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور وہی چیز پہننا جو تم پہنتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو عذاب نہ دو“۔ اگر آقا کا انکار کر دیتا ہے اور وہ دونوں (غلام اور کنیز) ہنرمند ہوں تو وہ خود کام کر کے کمائیں گے اور کھائیں گے کیونکہ اس میں دونوں فریقوں کے لئے بہتری ہے یہاں تک کہ غلام بھی زندہ رہے گا اور مالک کی ملکیت بھی باقی رہے گی۔ لیکن اگر وہ دونوں ہنرمند نہ ہوں یعنی وہ غلام لجا ہوا یا کنیز ایسی ہو کہ اسے کوئی ملازم نہ رکھتا ہو تو آقا کو ان کی فروخت پر مجبور کر دیا جائے گا کیونکہ وہ دونوں استحقاق رکھتے ہیں اور فروخت کرنے کی صورت میں ان کا حق پورا کیا جا رہا ہے اور آقا کا حق بھی پورا کیا جا رہا ہے کہ اسے قیمت مل جائے گی۔ ابستہ بیوی کے خرچ کا حکم اس سے مختلف ہے کیونکہ وہ قرض ہو جاتا ہے لہذا اس میں تاخیر کی جاسکتی ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ لیکن غلام کا خرچ قرض نہیں بنتا اس لیے ابطال ضروری ہوگا۔ جبکہ حیوانات کا حکم اس کے برخلاف ہے اس کی وجہ یہ ہے ”وہ استحقاق کے حقدار نہیں ہیں اس لیے ان کے خرچ کے بارے میں آقا کو مجبور نہیں کیا جاسکتا البتہ اسے یہ پابند کیا جائے گا وہ ان کا خرچ ادا کرے اور یہ معاملہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چانوروں کو اذیت دینے سے منع کیا ہے اور یہ بات اس میں شامل ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال ضائع کرنے سے بھی منع کیا ہے اور اس میں مال کو ضائع کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

امام ابو یوسف نے یہ بات بیان کی ہے: اس بارے میں مالک کو مجبور کیا جائے گا تاہم درست قول وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ اور اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

### دین و خلقت میں غلاموں کی مماثلت کا بیان

حضرت ابو ذر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غلام تمہارے بھائی ہیں اور دین و خلقت کے اعتبار سے تمہاری ہی طرح ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری آزمائش کے لئے ماتحت بنایا ہے لہذا اللہ تعالیٰ جس شخص کے بھائی کو اس کا ماتحت بنائے یعنی جو شخص کسی غلام کا مالک بنے تو اس کو چاہئے کہ وہ جو خود کھائے وہی اسکو بھی کھلائے اور جو خود پہنے وہی اسکو بھی پہنائے نیز اس سے کوئی ایسا کام نہ لے جو اس کی طاقت سے باہر ہو اور اگر کوئی ایسا کام اس سے لئے جائے جو اس کی طاقت سے باہر ہو تو اس کام میں خود بھی اس کی مدد کرے (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 539)

امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ذریعہ مالک کو یہ حکم دینا کہ وہ اپنے غلام کو بھی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور اس کو وہی (۱) فی الصحیحین البخاری فی ”صحیحہ“ فی الاستقراض باب ما یبہی عن اصیغۃ المال (۲۳۰۸) و مسلم فی ”صحیحہ“ فی الاصلیہ باب: البہی عن کثرۃ المسائل من غیر حاجۃ (۱۳۴۱/۳) (۵۹۳) (۱۲) عن المعیرۃ بن شعبۃ مرفوعاً: ان اللہ حرم علیکم ثلاثاً عقوق الأمہات، وواد البنات، و منع وھات وکفرہ لکم ثلاثاً: قیل و قال، وکثرۃ السؤل، و اضاغۃ فمال

پہنائے جو خود پہنتا ہے وجوب کے طور پر نہیں بلکہ بطریق استحباب ہے چنانچہ مالک اس کے مملوک کا اسی حیثیت و مقدر کا نفقہ واجب ہے جو عرف عام اور رواج و دستور کے مطابق ہو خواہ وہ مالک کے کھانے کپڑے کے برابر ہو یا اس سے کم و زیادہ ہو یہاں تک کہ اگر مالک خواہ اپنے زہد و تقویٰ کی بناء پر یا ازراہ نخل اپنے کھانے پینے اور پہننے میں اس طرح کی تنگی کرتا ہو جو اس حیثیت کے لوگوں کے معیار کے منافی ہے تو ایسی تنگی مملوک کے حق میں جائز نہیں ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو کام غلام کے لئے مشکل نظر آئے اور وہ اسکو پورا کرنے میں دقت محسوس کرے تو اس کام کی تکمیل میں غلام کی مدد کر دے خواہ خود اس کا ہاتھ بٹا دے کسی دوسرے شخص کو اسکی مدد کرنے پر متعین کر دے چنانچہ بعض بزرگوں کے بارے میں منقول ہے کہ وہ چکی پیسنے میں اپنی لونڈیوں کی مدد کرتے تھے یاں طور کہ ان لونڈیوں کے ساتھ مل کر چکی پیستے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے لئے کھانا تیار کرے اور پھر وہ کھانا لے کر اس کے پاس آئے تو جس کھانے کے لئے اس نے گرمی اور دھوپ میں تکلیف ٹھکی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ آقا اس خادم کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھائے اور اس کے ساتھ کھانا کھائے اور اگر کھانا تھوڑا ہو ورکھنے والے زیادہ ہوں تو اس کھانے میں سے ایک دو لقمہ لے کر اس کے ہاتھ پر رکھ دے (مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 541)

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے خادموں اور نوکروں کے ساتھ کھانا کھانے میں محسوس نہ کرے کیونکہ خادم و نوکر بھی ایک انسان اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس کا بھائی ہے پھر اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ ایک دسترخوان پر جتنے زیادہ لوگ ایک ساتھ کھانا کھاتے ہیں اس کھانے میں برکت ہوتی ہے چنانچہ ایک روایت میں فرمایا گیا ہے کہ افضل کھانا وہ ہے جس میں زیادہ ہاتھ پڑیں یہ بات ملحوظ رہے کہ حدیث میں خادم و نوکر کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھانے یا اس کھانے میں سے اس کو تھوڑا بہت دے دینے کا حکم دیا گیا ہے وہ استحباب کے طور پر ہے۔

### باندی اور غلام کے نفقہ کے احکام و مسائل

آقا پر اپنے غلام اور باندی کے اخراجات کی کفالت ضروری ہے خواہ ان میں ملکیت پوری ہو جسے خالص غلام یا ادھوری ہو جیسے مدبرہ اور ام ولد اور خواہ کمسن ہوں یا بڑی عمر والے اور خواہ اپانچ و معذور ہوں۔ یا بالکل تندرست و توانا ہوں۔

اگر کوئی شخص اپنے غلاموں کی کفالت سے انکار کرے تو وہ غلام اس بات کے مختار ہوں گے کہ محنت و مزدوری کریں اور جو کچھ کمائیں اس سے اپنے اخراجات پورے کریں اور اگر ان کے لئے کوئی مزدوری کا کام نہ ہو اور وہ کم کر اپنے اخراجات پورے نہ کر سکتے ہوں تو پھر قاضی و حاکم کی طرف سے آقا کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ ان غلاموں کو فروخت کر دے۔

اگر کسی شخص نے کوئی جانور خریدا تو اس پر جانور کے چارہ پانی کا انتظام کرنا واجب ہے لیکن اگر ان کو چارہ پانی دینے سے انکار کر دیا تو اس کو قانونی طور پر اس جانور کو فروخت کرنے پر مجبور نہیں کیا جائیگا۔ لیکن دیانۃً اور اخلاقی طور پر اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اس جانور کو فروخت کر دے یا اسکے چارہ پانی کا انتظام کرے۔

## غلام و باندی کا نفقہ روکنے والے کیلئے وعید کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عمر کے بارے میں منقول ہے کہ ایک دن ان کے پاس ان کا کارندہ آیا تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ یہ تم نے غلام اور بونڈیوں کو ان کا کھانا دیدیا ہے، اس نے کہا کہ نہیں انہوں نے فرمایا کہ فورا واپس جاؤ اور ان کو ان کا کھانا دو کیونکہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آدمی کے گنہ کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے مملوک کو کھانا دے، اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے گنہ کے لئے یہ کافی ہے کہ جس شخص کی روزی اس کے ہاتھ میں سے جتنی سپنے اہل و عیال اور غلام لونڈی وہ اس کی روزی ضائع کرے۔

(مسلم مشکوٰۃ شریف، جلد سوم، حدیث نمبر 540)

## مذہب حنفی پر غیر مقلدین کا اعتراض و جواب

نام نہاد غیر مقلد مولوی وحید الزماں حیدر بادی لکھتا ہے کہ اگر خاوند نہیں چلا گیا ہو اور اس کا پتہ معلوم ہو تو عورت اپنے شہر کے قاضی کے پاس جائے وہ اس شہر کے قاضی کو لکھ کر جہاں اس کا خاوند ہو عورت کا خرچہ منگوائے۔ اگر یہ امر ممکن نہ ہو جیسا کہ ہمارے زمانے کا حال ہے کہ قاضیوں کو مطلق اختیار نہیں ہے تو عورت اپنے شہر کے قاضی کو اطلاع دے اور وہ نکاح فسخ کرادے۔ روایانی نے کہا کہ اس پر فتویٰ ہے اگر خاوند کا بالکل پتہ نہ ہو جب بھی نکاح فسخ کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر خاوند مفلس ہو اور نان نفقہ نہ دے سکا موش فعیہ اور الحمدیث کا یہی قول ہے اور حنفیہ نے جو مذہب اختیار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں خاوند مفلس ہو یا غائب ہر حال میں عورت صبر سے بچھی رہے۔ البتہ اس کے نام پر قرض لے کر کھا سکتی ہے۔ بتائیے مفلس یا غائب کو کون قرض دے گا۔ اس زمانہ میں تو ماہاروں کو بھی بغیر گروی کے کوئی قرض نہیں دیتا۔

مولوی وحید الزماں کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں نام نہاد فرقہ غیر مقصدین کا اتنا وقار بھی نہیں ہے کہ کوئی شخص ان کو قرض دے۔ لوگوں کو غور و فکر اور نام نہاد اہل حدیث فرقہ کے اس رویے سے عبرت پکڑنی چاہیے کہ جو فرقہ لوگوں کے ماں کی حفاظت کی ضمانت نہیں دیتے وہ لوگوں کے ایمانوں کے ہی فساد کی طرح ہو سکتے ہیں۔

دوسرا سبق یہ حاصل ہوتا ہے کہ جو فرقہ مسلمانوں کے بارے میں اتنی بدگمانی رکھتا ہے وہ مسلمانوں کے ایمانوں کے بارے میں کس قدر بدگمان اور ناسور ہوگا۔

تیسرا معنی یہ معلوم ہوا ہے کہ غیر مقلدین دنیاوی مفلسی سے فقہی احکام کا استدلال کرتے ہیں کیا خوب غیر مقلدین کی ہادانی ہے کہ ایک طرف دعویٰ قرآن و سنت کرتے ہوئے جھٹکتے نہیں ہے جبکہ دوسری طرف گمراہ کن استدلال کی مشینیں نگا رکھی ہیں

جو حق مفہوم یہ اخذ ہوتا ہے کہ غیر مقصدین کا یہ کہنا کہ بتائیے مفلس یا غائب کو کون قرض دے گا۔ جناب آپ تو ظم غیب کو غیر خدا کیسے شرک سمجھتے ہیں اور اب آنے والے وقت سے متعلق ہونے والے واقعہ کا سوال کر رہے ہیں۔ کہیں اپنے مسلک کی کمزور دیکھ کر پھسل تو نہیں گئے۔

## کتاب العتاق

## ﴿یہ کتاب غلام آزاد کرنے کے بیان میں ہے﴾

## کتاب العتاق کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ طلاق اور عتاق میں مشترک منسوب یہ ہے کہ ان دونوں میں اسقاط مشترک ہے۔ کیونکہ عتاق میں ملک رقبہ کا اسقاط ہے جبکہ طلاق میں ملک بضع کے منفع کا اسقاط ہے۔ جس چیز سے ذمے سے ملکیت ساقط ہو جائے اس کو ایراء کہتے ہیں اور جس چیز سے ملکیت قصاص ساقط ہو جائے اس کو غفوق کہتے ہیں۔ ہذا اسقاط کی مختلف اقسام و انواع کا بھی امتیازی رعایت کرنے کیلئے فرق کرنا ضروری ہے۔ اور یہاں بعض کی اضافت کل کی طرف کی گئی ہے۔

(فتح قدیر، ج ۱۰، ص ۳۵، بیروت)

علامہ ابن محمود باری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مصنف نے کتاب طلاق کے بعد کتاب عتاق کو بیان کیا ہے۔ کیونکہ ان میں برایت و لزوم کے طور پر اسقاط برابر ہے۔ جس طرح طلاق میں ہے۔ یہاں تک کہ اس میں تعلیق صحیح ہے۔ پس بعض عتاق کل عتاق کی طرح ہو گیا ہے۔ بہر حال افسد خواہ بطور حقیقت ملکیت میں ہو وہ عتاق میں ثبوت کے بعد طلاق کی طرح فسخ و قبول کرنے والا نہیں ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۲۶۵، بیروت)

طلاق کی ترتیب جس کو حدیث میں بھی ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ ہم وہ بھی ذکر کر رہے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے۔ لا طلاق ولا عتاق فی علاق (مسند احمد: ۲۷۶)

زبردستی کی کوئی طلاق اور آزادی نہیں ہے۔ اور اگر ازبردستی میں شامل ہے، کیونکہ مجبور و مکرہ شخص تصرف کا حق کھو بیٹھتا ہے۔

## عتاق کا لغوی و شرعی مفہوم

عتاق کا لغوی معنی ہے۔ آزاد کرنا، جبکہ اصطلاح شرعی میں مالک کا کسی غلام کو اپنی ملکیت سے آزاد کر دینے کا نام عتاق ہے۔ حق اور عتاق کا معنی آزادی ہے جس طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا لقب مبارک عتاق ہے۔ اور اس لقب مبارک کا سبب یہ ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی، جب آپ کی ولادت شریفہ ہوئی تو آپ کی والدہ محترمہ آپ کو بیت نہ شریف لے گئیں اور دعا کی: "اے اللہ انہیں موت سے آزاد کر کے میری خاطر زندگی عطا فرما دے" دعا قبول ہوئی و آپ کا قب مبارک عتاق ہو گیا۔ (مختصر تاریخ دمشق جلد 13، ص 35، شرح مواہب زرقانی، ج 1، ص 445)

## عتاق کے اسباب کا بیان

عتاق کے اسباب کثیر ہیں۔

مِنْهَا الْإِغْتَاقُ ، وَمِنْهَا دَعْوَى النَّسَبِ ، وَمِنْهَا الْإِسْتِيْلَادُ ، وَمِنْهَا مِلْكُ الْقَرِيبِ ، وَمِنْهَا زَوَالُ يَدِ الْكَافِرِ عَنْهُ كَمَا إِذَا اشْتَرَى الْحَرَبِيُّ فِي دَارِنَا عَبْدًا مُسْلِمًا فَدَخَلَ بِهِ فِي دَارِ الْحَرْبِ فَإِنَّهُ يَعْتِقُ فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَمِنْهَا الْإِفْرَارُ بِحُرِّيَةِ الْعَبْدِ إِذَا اشْتَرَاهُ بَعْدَ ذَلِكَ

قرآن کے مطابق غلاموں کو آزاد کرنے کا بیان

(۱) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِمًا إِلَّا خَطْنًا وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِمًا خَطْنًا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِمَةٍ وَدِيَّةٌ مُسْلَمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِمَةٍ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فِدْيَةٌ مُسْلَمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِمَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوَنُّةً مِنَ اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا . (النساء، ۹۲)

اور مسلمانوں کو نہیں پہنچتا کہ مسلمان کا خون کرے مگر ہاتھ بہک کر اور جو کسی مسلمان کو نادانستہ قتل کرے تو اس پر ایک سوک مسلمان کا آزاد کرنا ہے اور خون بہا کہ مقتول کے لوگوں کو سپرد کی جائے مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں پھر اگر وہ اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے۔ اور خود مسلمان ہے تو صرف ایک سوک مسلمان کا آزاد کرنا اور اگر وہ اس قوم میں ہو کہ تم میں ان میں معاہدہ ہے تو اس کے لوگوں کو خون بہا سپرد کی جائے اور ایک مسلمان ملوک آزاد کرنا۔ تو جس کا ہاتھ نہ پہنچے۔ وہ لگا تار دو مہینے کے روزے رکھے۔ یہ اللہ کے یہاں اس کی توبہ ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ (کنز الایمان)

(۲) وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَا ذَلِكَ تَوْعُظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ . (مجادلہ، ۳)

اور وہ جو اپنی بیویوں کو اپنی ماں کی جگہ کہیں۔ پھر وہی کرنا چاہیں جس پر اتنی بڑی بات کہہ چکے۔ تو ان پر لازم ہے۔ ایک مرد آزاد کرنا۔ قبل اس کے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں یہ ہے جو صیحت تمہیں کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔ (۳) فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا . (النور) اگر تم کو غلاموں میں بھلائی نظر آئے تو ان سے مکاتبت کرو۔

احادیث کے مطابق غلاموں کو آزاد کرنے کا بیان

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی مسلمان آدمی کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے عوض آزاد کرنے والے کے عضو کو (جہنم کی) آگ سے نجات دے گا سجد

بنی مرجمہ کا بیان ہے کہ میں علی بن حسین کے پاس گیا اور ان کے سامنے یہ حدیث بیان کی تو انہوں نے اپنے ایک غلام کا قصد کیا جس کی قیمت عبداللہ بن جعفر دس ہزار درہم یا ایک ہزار درہم دینے کو تیار تھے اس کو آزاد کر دیا۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2369)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو کسی قول کی اجازت کے بغیر ان کے آزاد کردہ غلام کا مولیٰ بن جائے اس پر اللہ فرشتوں، در تمام لوگوں کی لعنت ہو اس کا قیمت کے دن نہ کوئی نقل قبول ہوگا نہ فرض۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1299)

(۳) حضرت عمرو بن شعیب، اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مکاتیب اس وقت تک غلام ہی ہے جب تک کہ اس کے بدل کتابت میں سے ایک درہم بھی ہوتی ہے۔

(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 535 حدیث مرفوع)

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ کو خریدنے کا ارادہ فرمایا تو اس کے آقاؤں نے ولاء کی شرط رکھ دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ولاء اسی کا حق ہے جو آزاد کرے یا فرمایا جو نعمت کا دلی ہو۔ اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 2226، حدیث متواتر حدیث مرفوع)

(۵) حضرت ابن عباس بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا جس مرد کی باندی سے اس کی دوا ہو جائے تو وہ باندی اس کے (انتقال) بعد آزاد ہو جائے گی۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 673، حدیث مرفوع)

(۶) حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مشترک غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کرے اور اس شخص کے پاس اتنا مال کہ غلام کی قیمت دے سکے تو اس غلام کی قیمت لگا کر ہر ایک شریک کو موافق حصہ ادا کرے گا اور غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر اس کے پاس مال نہیں ہے تو جس قدر اس غلام میں سے آزاد ہوا ہے اتنی ہی حصہ آزاد رہے گا۔ (موطائنام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1150 حدیث مرفوع)

(۷) حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غلام تمہارے بھائی ہیں اور دین و خلقت کے اعتبار سے تمہاری ہی طرح ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری آزمائش کے لئے ماتحت بنایا ہے لہذا اللہ تعالیٰ جس شخص کے بھائی کو اس کا ماتحت بنائے یعنی جو شخص کسی غلام کا مالک بنے تو اس کو چاہئے کہ وہ جو خود کھائے وہی اسکو بھی کھلائے اور جو خود پہنے وہی اسکو بھی پہنے نیز اس سے کوئی ایسا کام نہ لے جو اس کی طاقت سے باہر ہو اور اگر کوئی ایسا کام اس سے لئے جائے جو اس کی طاقت سے باہر ہو تو اس کام میں خود بھی اس کی مدد کرے (مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 539، حدیث مرفوع)



غلامی کی ابتداء و تاریخی تجزیہ

غلامی کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ ایک بد قسمت شخص میدان جنگ میں گرفتار ہو جاتا ہے گرفتاری کے بعد مال غنیمت کے ساتھ اس کی تقسیم ہوتی ہے اور وہ ایک خاص شخص کی ملک بن جاتا ہے اس کے بعد اپنے آقا کی شخصی حکومت کے ساتھ اس کو سلطنت کے قوانین کے ماتحت زندگی بسر کرنا ہوتی ہے اس لئے اگر کسی قوم کی نسبت یہ سوال ہو کہ غلاموں کے متعلق اس کا کیا طرز عمل تھا؟ تو بہ ترتیب حسب ذیل عنوانات میں یہ سوال کیا جاسکتا ہے۔

(۱)۔ حالت قید میں ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا گیا؟

(۲)۔ آقا نے غلام کو غلام بنا کر رکھایا آزاد کر دیا؟

(۳)۔ غلاموں کو کیا کیا ملکی حقوق دیئے اور بادشاہ کا غلاموں کے ساتھ کیا طرز عمل رہا؟

صحابہ کرام کے زمانے میں جو لوگ غلام بنائے گئے ہم ان کے متعلق اسی ترتیب سے بحث کرتے ہیں۔

اسیران جنگ کا قتل نہ کرنے کا بیان

اسلام سے پہلے مہذب سے مہذب ملکوں میں غلاموں کو قید کر کے بے دریغ قتل کر دیا جاتا تھا، چنانچہ تاریخ قدیم میں اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں، لیکن قرآن مجید میں اسیران جنگ کے متعلق یہ حکم ہے۔

حَتَّىٰ إِذَا اُتَخْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوُتَاقَ قَلَامًا مَّا بَعْدُ وَآمَنًا فِدَاءً۔ (سورۃ محمد)

یہاں تک کہ جب تم ان کی طاقت کچل چکے ہو تو مغبوطی سے گرفتار کر لو، پھر چاہے احسان کر کے چھوڑ دیا نہ لے کر اور صحابہ کرام نے شدت کے ساتھ اس کی پابندی کی، چنانچہ ایک بار حجاج کے پاس ایک اسیر جنگ آیا اور اس نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اس کے قتل کرنے کا حکم دیا، لیکن انہوں نے کہا ہم اس پر مامور نہیں ہیں، اس کے بعد قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت پڑھی۔ (کتاب اخراج للقاضی ابی یوسف)

اسیران جنگ کو کھانا کھانا اور ان کے آرام و آسائش کا سامان، ہم پہنچانا

صحابہ کرام اسیران جنگ کو اپنے آپ سے بہتر کھانا کھلاتے تھے اور ان کے آرام و آسائش کے ضروری سامان، ہم پہنچاتے تھے خود قرآن مجید نے صحابہ کرام کی اس فضیلت کو نمایاں کیا ہے۔

وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مَشْكِيْنَا وَيَتِيمًا وَأَمِيرًا۔ (الدھر)

باوجودیکہ ان لوگوں کو خود کھانے کی خواہش ہو پھر بھی وہ مسکین کو تیمم کو اور قیدی کو کھانا کھلاتے تھے۔

مجم بطرانی میں ہے کہ صحابہ کرام اسیران جنگ کے ساتھ اس قدر لطف و مراعات کرتے تھے کہ خود کھجور کھا لیتے تھے مگر ان کو جو کی روٹی کھلاتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں جب مالک بن نویرہ اپنے رفقاء کے ساتھ گرفتار ہوا تو رات کو ان کو سخت سردی محسوس ہوئی، حضرت خالد بن ولیدؓ کو خبر ہوئی تو عام منادی کرادی۔ اذفتوا اسراکم (طبری)

اپنے قیدیوں کو گرم کپڑے اوڑھاؤ

شاہی خاندان کے اسیران جنگ کے ساتھ برتاؤ

اگرچہ صحابہ کرام تمام قیدیوں کے ساتھ نہایت عمدہ برتاؤ کرتے تھے، لیکن شاہی خاندان کے قیدی اور بھی لطف و مراعات کے مستحق ہوتے تھے، حضرت عمرو بن اعاصؓ نے جب جنگ مصر میں بیس پر حملہ کیا اور مقوقس شہ مصر کی بیٹی اور نو سہ گرفتار ہو کر آئی تو انہوں نے حضرت عمرؓ کے حکم سے نہایت عزت و احترام کے ساتھ اس کو مقوقس کے پاس بھیج دیا اور مزید احتیاط کے لئے اس کے ساتھ ایک سردار کو کر دیا کہ بحفاظت تمام اس کو پہنچا آئے۔ (مقریزی)

سیران جنگ کو اعزہ و اقارب سے جدا نہ کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام حکم یہ تھا کہ قیدی اپنے اعزہ و اقارب سے جدا نہ کئے جائیں، صحابہ کرام اس حکم پر نہایت شدت کے ساتھ عمل فرماتے تھے، ایک بار حضرت ابویوب انصاریؓ کسی فوج میں تھے اسیران جنگ کی تقسیم ہوئی تو بچوں کو ماں سے بچہ نہ لے لیا گیا، بچے رونے لگے تو انہوں نے ان کو ماں کی آغوش میں ڈال دیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس سے بچوں کو جدا کرے گا خدا قیامت کے دن اس کو اس کے اعزہ و اقارب سے جدا کر دے گا۔

(مسند دارمی کتاب الجہاد باب النهی عن التفريق بين الوالدة وولدها)

وڈیوں کے ساتھ استبراء کے بغیر جماع کرنا

عرب میں یہ وحشیانہ طریقہ جاری تھا کہ جو لوڈیاں گرفتار ہو کر آتی تھیں، ان سے استبراء رحم کے بغیر مباشرت کرنا جائز سمجھتے تھے اور اس میں حاملہ وغیرہ حاملہ کی کوئی تفریق نہیں کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس طریقہ کو بالکل ناجائز قرار دیا اور ان لوڈیوں کو مطلقہ عورتوں کے حکم میں شامل کر لیا، یعنی جب تک غیر حاملہ لوڈیوں پر عدت حیض نہ گزر جائے اور حاملہ لوڈیوں کا وضع حمل نہ ہو جائے ان سے اس قسم کا فائدہ اٹھانا ناجائز نہیں ہو سکتا، صحابہ کرام غزوات میں اس حکم کی شدت کے ساتھ پابندی کرتے تھے، ایک بار حضرت روضہ بن ثابت انصاریؓ نے مغرب کے ایک گاؤں پر حملہ کیا ماں غنیمت کی تقسیم کا وقت آیا تو فوج کو یہ ہدایت فرمائی۔

من اصاب من هذا السبي فلا يطوءها حتى تحيض

یہ لوڈیاں جن لوگوں کے حصے میں آئیں جب تک ان کو حیض نہ آجائے وہ ان سے جماع نہ کریں۔ دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا:

أيها الناس إني لا أقول فيكم إلا ما سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول فإني يوم حيين

فقال لا يحل لامرء يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسقي ماءه زرع غيره يعني آتياں الحبالی من السبايا وان یصیب امرأۃ لیبا من السبی حتی یستبرئها (مسند ابن حنبل)

لوگو! میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے آپ نے جنین کے دن فرمایا جو غلام اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لایا اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ دوسرے کی کھیتی میں آب پاشی کرے یعنی حامد اور شبہ لونڈیوں سے بغیر استبراء و رحم نہ کرے۔

### غلاموں کی آزادی

یہ وہ احسانات تھے جو صحابہ کرام حالت قید میں غلاموں کے ساتھ کرتے تھے، لیکن ان کا اصلی احسان یہ ہے کہ جو لوگ بید کر کے غلام بنائے جاتے تھے، اکثر ان کو بھی مختلف طریقوں سے آزاد کر دیتے تھے۔

حضرت ام ورقہ بنت نوفلؓ ایک صحابیہ تھیں جنہوں نے دو غلام مدبر کئے تھے، (مدبران غلاموں کو کہتے ہیں جن کی آزادی آقا کی موت کے ساتھ مشروط ہوتی ہے) جنہوں نے ان کو شہید کر دیا تھا کہ جلد آزاد ہو جائیں۔

(ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب المذۃ النساء)

حضرت عائشہؓ نے ایک لونڈی اور ایک غلام کو آزاد کرنا چاہا مگر چونکہ دونوں کا نکاح ہو گیا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے شوہر کو آزاد کر دیا کہ بی بی کو طلاق لینے کا اختیار باقی نہ رہے۔

(ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی المملوکین یعتقان معاہل تخیروا امرائہ)

ایک بار حضرت عائشہؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے ناراض ہو گئیں اور ان سے بات بند کرنے کی قسم کھائی، پھر معاف کرنے کے بعد قسم کے کفارہ میں ۱۰۰ غلام آزاد کئے۔ (بخاری کتاب الادب باب الہجرۃ)

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ دفعہ حالت خواب میں مر گئے، حضرت عائشہؓ نے ان کی جانب سے بکثرت غلام آزاد کئے، (موطا امام، مک کتاب الحق والولاء باب عتق الحبی عن المیت) ان کے پاس اسیران قبیلہ بنو تمیم میں سے ایک لونڈی تھی، آپ نے فرمایا کہ اس کو آزاد کر دو کیونکہ یہ اسماعیل کی اولاد میں سے ہے۔ (مسلم کتاب المضائل باب من فضائل عمار واسلم وغیرہم)

حضرت میمونہؓ کی ایک لونڈی تھی جس کو انہوں نے آزاد کر دیا آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ خدا تم کو اس کا اجر دے گا، لیکن اگر اپنے ماموں کو دے دیتیں تو اس سے زیادہ ثواب ملتا۔ (ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب فی صلۃ الرحم و بخاری کتاب البیۃ)

سفینہ حضرت ام سلمہؓ کی ایک لونڈی تھی انہوں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری کے لئے آزاد کر دیا۔ (ابوداؤد کتاب العتق باب فی العتق علی شرط)

ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں بیان کیا کہ میری ایک لونڈی دامن کوہ میں بکریاں چرائی تھی، بھیڑ آیا اور ایک بکری کو

خائے گیا، اس پر میں نے اس کو طمانچہ مارے، یہ واقعہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی اور اس کو بوا کر پوچھا کہ خدا یہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان پر پھر پوچھا میں کون ہوں؟ بولی رسول اللہ ﷺ ارشاد ہوا کہ اس کو آزاد کر دے تو مسلمان ہے۔

(ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب تشمیت العاطس فی الصلوۃ)

مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جس کو ایک رقم معین کے ادا کرنے کے بعد آزادی کا حق حاصل ہو جاتا ہے، حضرت ام سلمہؓ اپنے غلاموں کو مکاتب بناتی تھیں، لیکن قبل اس کے کہ پورا معاوضہ یعنی بدل کتابت ادا کریں اس سے کسی قدر رقم لے کر جلد سے جلد آزاد کر دیتی تھیں۔ (موطا امام مالک کتاب العتق والولاء باب القطاعۃ فی الکتابۃ)

ایک صحابی نے انتقال کیا تو وارث کی جستجو ہوئی، معلوم ہوا کہ کوئی نہیں ہے، ان کا صرف ایک آزاد کردہ غلام ہے، آپ نے اسی کو ان کی وراثت دلوادی۔ (ابوداؤد کتاب الفرائض باب فی میراث ذوی الارحام)

ایک غلام دو صحابیوں کے درمیان مشترک تھا، ایک صحابی نے اپنا حصہ آزاد کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا، خدا کا کوئی شریک نہیں اور اس غلام کو آزاد کر دیا۔

(ابوداؤد کتاب العتق باب فیمن اعتق نصیباً له من مملوک)

حضرت حکیم بن حزام نے زمانہ جاہلیت میں سو غلام آزاد کئے تھے، اسلام لائے تو زمانہ اسام میں بھی سو غلام آزاد کئے، (مسلم کتاب الایمان باب بیان حکم عمل الکافر اذا اسلم بعدہ) ان غلاموں کی آزادی نہایت شرف و شوکت کے ساتھ عمل میں آئی، چنانچہ وہ حج کو آئے تو عرفہ کے دن ان غلاموں کے گھے میں چاندی کے طوق ڈال کر لائے جن پر "عتقاء اللہ بن حکیم بن حزام" لکھا ہوا تھا، یعنی یہ حکیم بن حزام کی جانب سے خدا کی راہ میں آزاد ہیں۔

(نزہۃ الابرار تذکرہ حکیم ابن حزام)

حضرت عثمانؓ کی شہادت کا وقت آیا تو ۱۰۰ غلام آزاد کئے۔ (مسند ابن حنبل، جلد ۴، صفحہ ۱۰۹، مسند عثمانؓ)

حضرت عمرؓ نے انتقال کے وقت جو وصیتیں کیں ان میں ایک یہ تھی: غلامان عرب میں سے جو لوگ میری وفات کا زمانہ پائیں وہ خدا کے مال سے آزاد ہیں۔ (مسند ابن حنبل، جلد ۴، صفحہ ۱۱۰)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک غلام کو آزاد کیا تو غلام کے پاس جو مال تھا اگرچہ وہ اس کے مالک ہو سکتے تھے، لیکن مال بھی اسی کو دے دیا۔ (سنن ابن ماجہ ابواب العتق باب من اعتق عبد اولہ مال)

حضرت ابوذرؓ کو ایک انصاری صحابی تھے، ان کی جائداد کی کل کائنات ایک غلام سے زیادہ تھی، لیکن انہوں نے اس کو بھی مدبر کر دیا، لیکن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہیں فرمایا اور فروخت کر کے ان کو اس کی قیمت دلا دی۔

(ابوداؤد کتاب العتق باب فی بیع المدبر)

ایک اور صحابی کی ملک میں صرف غلام تھے جن کو انہوں نے مرتے وقت آزاد کر دیا، لیکن وصیت کے قاعدے کے موافق

آپ ﷺ نے صرف دو غلاموں کی آزادی کو جائز رکھا۔ (ابوداؤد کتاب العتق باب فیمن عتق عبداً یصلعہم اللہ) اسیران ہوازن میں سے حضرت عمرؓ کے پاس ایک لونڈی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کیا تو انہوں نے بھی غم دیا کہ یہ لونڈی بھی انہی آزاد شدہ لوگوں کے ساتھ کر دی جائے۔ (ابوداؤد کتاب الصیام باب العتق یعود المرء یشرب کتاب البجاء) ہے کہ وہ لونڈی نہیں تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام اور آقا و بھائی بنادیا تھا اس لئے اگر صحابہ غلاموں کے ساتھ سختی کے ساتھ پیش آجائے تھے تو اس جرم کے کفارے میں ان کو آزاد کر دیتے تھے، حضرت ابوسعود انصاریؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اسی طرح ایک ایک غلام آزاد کئے تھے۔ (ابوداؤد کتاب الادب باب فی حق المملوک)

ایک صحابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے دو غلام ہیں، جو نہایت خائن، کذاب اور نافرمان ہیں، میں جرائم پر ان کو برا بھلا کہتا ہوں اور سزا دیتا ہوں اس معاملہ میں میرا کیا انجام ہوگا؟ ارشاد ہوا ان کی خیانت، کذب، نافرمانی اور تمہاری سزا کا حساب ہوگا۔

اگر تمہاری سزا ان کے جرائم سے زیادہ ہوگی تو اس زیادتی کا تم سے بدلہ لیا جائے گا، یہ سن کر وہ رونے پینے لگے اور کہا کہ بھئی ہے کہ میں ان کو اپنے پاس سے بیحدہ کر دوں، آپ گواہ رہے کہ وہ آزاد ہیں۔ (ترمذی ابواب تفسیر القرآن تفسیر سورہ انبیاء) ایک بار آپ ﷺ نے ابوہشیم بن الیمان انصاریؓ کو ایک غلام عنایت فرمایا اور ہدایت کی کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کر، ان کی بی بی نے کہا تم سے یہ نہ ہو سکے گا، بہتر یہ ہے کہ اس کو آزاد کر دو، انہوں نے اس کو آزاد کر دیا۔ (ترمذی ابواب الزہد)

ایک بار آپ ﷺ نے حضرت ابوذرؓ کو ایک غلام دیا اور کہا کہ اس کے ساتھ نیکی کرو، انہوں نے یہی نیکی کی کہ اس کو آزاد کر دیا۔ (ادب المفرد باب العتق عن انعام)

حضرت ابوہریرہؓ اسلام لانے کے لئے چلے تو ساتھ میں غلام بھی تھا، وہ موقع پا کر راستے ہی میں بھاگ گیا بھٹک گیا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے تو اسی حالت میں غلام بھی آیا، آپ ﷺ نے فرمایا ابوہریرہؓ! الے لو یہ تمہارا غلام ہے، بولے کہ آپ گواہ رہے یہ خدا کی راہ میں آزاد ہے۔

(بخاری ابواب الشرک باب اذا قال معذہ ھو للہ ونوی لعتق والا شہاد فی العتق) ایک بار کسی شخص نے اپنے غلام سے کسی کام کو کہا وہ سو گیا، وہ آیا تو اس کو چہرے پر آگ ڈال دی، غلام گھبرا کر اٹھ تو کنویں میں گر پڑا، حضرت عمرؓ نے اس کے چہرے کی حالت دیکھی تو اس کو آزاد کر دیا۔ (ادب المفرد باب حسن المملکۃ)

صرف یہی نہیں تھا کہ صحابہ کرام اپنے مملوک لونڈی غلام کو آزاد کرتے تھے؛ بلکہ یہ اس قدر افضل کام خیال کیا جاتا تھا کہ دوسروں کے غلاموں کو صرف آزاد کرنے کے لئے خریدتے تھے، چنانچہ حضرت عائشہؓ نے ایک لونڈی کو اس لئے خریدا تھا کہ اس کو آزاد کر دیں، (ابوداؤد کتاب انشاء باب فی الولاء) ابتدائے اسلام میں حضرت ابو بکرؓ نے بھی سات غلام خرید کر آزاد کئے تھے۔

حضرت زبیر بن عوامؓ نے ایک غلام خریدا اور اس کو آزاد کر دیا، (موطا امام مالک کتاب العتق والولاء باب حرالاعبداء) ان کے علاوہ بکثرت غلاموں کو صحابہ کرام نے آزاد کیا۔

میرا ساعیل نے بلوغ الرام کی شرح میں نجم الوہاج سے ایک فہرست نقل کی ہے جس کی رو سے صحابہ کرام کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد تالیس ہزار دو سو ستائیس (۷۳۰۲) تک پہنچتی ہے، چنانچہ ان صحابہ کے نام حسب ذیل ہے

حضرت عائشہؓ حضرت حکیم بن حزامؓ ذوالکلاع حمیری حضرت عباسؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اس کتاب میں حضرت ابو بکرؓ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد نہیں بتائی ہے؛ لیکن لکھ ہے کہ انہوں نے بکثرت غلام آزاد کئے۔ (سبل السلم، کتاب العتق)

سیاسی حیثیت سے صحابہ کرام نے غلاموں کو جو حقوق عطا کئے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

### عرب کا غلام نہ بنانا

اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے پاس قبیلہ بنو تمیم کی ایک لونڈی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کہ اس کو آزاد کر دو، کیونکہ یہ اسماعیل کی اولاد میں سے ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خود آپ ﷺ اہل عرب کا غلام بنانا پسند نہیں فرماتے تھے، لیکن حضرت عمرؓ نے عام قانون بنادیا کہ عرب کا کوئی شخص غلام نہیں بنایا جاسکتا، چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں قبائل مرہہ کے جو لوگ گرفتار ہوئے تھے، ان کو انہوں نے اسی بنا پر آزاد کر دیا۔ (یعقوبی)

اسلام کے پہلے عرب کے جو لوگ لونڈی یا غلام بنائے گئے تھے ان کی نسبت یہ حکم دیا کہ اگر کسی قبیلہ کا کوئی شخص کسی قبیلہ میں غلام بنالیا گیا ہو تو وہ اس کے بدلے میں دو غلام بطور فدیہ کے دے کر آزاد کر سکتا ہے، اسی طرح ایک لونڈی کے عوض میں دو لونڈی دے کر آزاد کرائی جاسکتی ہے۔ (طبقات ابن سعد ذکرہ ریاح بن حارث)

غیر قومیں اگرچہ غلام بنائی جاسکتی تھیں تاہم حضرت عمرؓ نے ان کو بھی بہت کم غلام بنایا مصر فتح ہوا تو چھ لاکھ مرد اور عورت مسلمانوں کے قبضہ میں آئے، فوج کے اکثر حصہ کا اصرار تھا کہ ان کو لونڈی غلام بنا کر تمام فوج پر تقسیم کر دیا جائے، لیکن حضرت عمرؓ نے جزیہ مقرر کر کے ان کو بالکل آزاد کر دیا، چند گاؤں کے لوگوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تھی، وہ گرفتار ہوئے تو لونڈی غلام بنا کر مدینہ میں بھیج دیئے گئے، لیکن حضرت عمرؓ نے ان کو بھی واپس کر دیا۔ (حسن المحاضرہ)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام عام حکم بھیج دیا کہ کوئی کاشکار یا پیشہ ور غلام نہ بنایا جائے۔ (کنز العمال) حضرت عمرؓ کے عہد میں زراعت کو جو ترقی ہوئی اور اس کی وجہ سے حاصل و خراج میں جو اضافہ ہوا اس کی اصل وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اکثر مفتوح قوموں کو آزاد کر رکھا اور وہ آزادی کے ساتھ زراعت کے کاروبار میں مصروف رہے۔

غلاموں کو مکاتب بنانے کا بیان

غلاموں کی آزادی کی ایک صورت یہ ہے کہ ان سے یہ شرط کر لی جائے کہ اتنی مدت میں وہ اس قدر رقم ادا کر کے آزاد ہو سکیں ہیں یہ حکم خود قرآن مجید میں مذکور ہے۔ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا (النور)

ترجمہ: غلاموں میں بھلائی نظر آئے تو ان سے مکاتب کر دو

لیکن حضرت عمرؓ کی خلافت سے پہلے یہ حکم وجوبی نہیں سمجھا جاتا تھا، لیکن سقا کو معاہدہ مکاتب کرنے یا نہ کرنے کا اختیار تھا، لیکن حضرت عمرؓ نے غلام اس حکم کو وجوبی قرار دیا، چنانچہ جب سیرین نے اپنے سقا حضرت انسؓ سے مکاتب کی درخواست کی اور انہوں نے اس کو منظور کرنے سے انکار کر دیا، تو حضرت عمرؓ نے ان کو ہوا کر دے سے مارا اور قرآن مجید کی اس آیت کے رو سے ان کو معاہدہ مکاتب کرنے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری کتاب المکاتب)

حضرت عمرؓ ہمیشہ اس قسم کے غلاموں کی آزادی میں سسینیاں پیدا کرتے رہتے تھے، ایک بار ایک مکاتب غلام نے مال جمع کر کے کے بدل کتابت ادا کرنا چاہا، لیکن سقا ٹیکمشت رقم لینے سے انکار کر دیا اور باقساط لینا چاہا، وہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انہوں نے کل رقم کے کر بیت المال میں داخل کر دیا اور کہا، تم شام کو آنا میں تمہیں آزادی کا فرمان لکھ دوں گا، اس کے بعد لینے یا نہ لینے کا تمہارے آقا کا اختیار ہوگا، آقا کو خبر ہوئی تو اس نے آکر یہ رقم وصول کر لی۔

(طبقات ابن سعد، ذکرہ ابوسعید الخدری)

اسیران جنگ سے اعزہ و اقارب کو جدا نہ کرنا

اگرچہ صحابہ کرامؓ مذہباً اور اخلاقاً خود ہی قیدیوں کو ان کے اعزہ و اقارب سے جدا کرنا ناجائز سمجھتے تھے، لیکن حضرت عمرؓ نے تو نونا حکماً اس کی ممانعت فرمادی، چنانچہ تمام امراء فوج کے نام فرمان بھیجے کہ بھائی کو بھائی سے اور لڑکی کو ماں سے جدا نہ کیا جائے، ایک بار بازار میں شور مچا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دربان یزید کو بھیجا تو معلوم ہوا کہ ایک لونڈی کی ماں فروخت کی جا رہی ہے، انہوں نے تمام مہاجرین و انصار کو جمع کیا اور یہ آیت پڑھی:

"فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتَقَطَعُوا أَرْحَامَكُمْ" (محمد)

پھر اگر تم نے منہ موڑا تو تم سے کیا توقع رکھی جائے؟ یہی کہ تم زمین میں فساد مچاؤ اور اپنے خونی رشتہ کاٹ ڈالو اور کہہ کہ اس سے بڑھ کر کیا قطع رحم ہو سکتا ہے کہ لڑکی کو ماں سے جدا کیا جائے، چنانچہ اس کے بعد تمام امراء کے نام فرمان بھیج دیا کہ اس قسم کا قطع رحم جائز نہیں۔ (کنز العمال، جلد ۱۲، صفحہ ۱۱۲)

غلاموں کے وظیفہ

بیت المال سے مسلمانوں کو جو وظیفہ ملتا تھا، اس میں غلام برابر کے شریک تھے، اول اول حضرت ابو بکرؓ نے غلاموں کو بیت

المال میں تمام مسلمانوں کا شریک بنایا، ابوداؤد کتاب الخراج میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔

کان ابی یقسم للحر والعبد میرے باپ غلام اور آزاد کو مال تقسیم فرمادیتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے جب باضابطہ طور پر تمام مسلمانوں کے وظائف مقرر فرمائے تو آقا کے برابر غلاموں کے وظائف بھی مقرر کرائے، (فتوح البلدان، صفحہ ۱) ان کو اس بات میں اس قدر فکر تھی کہ جب ایک مال نے غلاموں کو وظیفہ نہیں دیا، تو اس کو لکھ بھیجا کہ کسی مسلمان کا اپنے بھائی مسلمان کو حقیر سمجھنا نہایت بری بات ہے، (فتوح البلدان، صفحہ ۱) حضرت عمرؓ نے اور مختلف طریقوں سے غلاموں کو مالی اعانتیں دیں اہل عوالی کے مزدوری پیشہ غلاموں کی مردم شہاری کرائی اور ان کے روزینے جاری کئے، حضرت عثمانؓ نے اس کو اور ترقی دی اور خوراک کے ساتھ کپڑے بھی مقرر فرمائے، حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ ہفتہ کے روز عوالی کو جاتے اور جو غلام ضعیف نظر آتے ان کے ٹکس معاف کر دیتے۔

حضرت عثمانؓ نے عام طور پر یہ ہدایت کی کہ جو لونڈی کوئی پیشہ نہیں جانتی اور جو غلام صغیر السن ہیں ان کو کسی پیشہ کی تکلیف نہ دی جائے ورنہ ناجائز طریقے سے وہ روزینہ پیدا کریں گے، لیکن اس کے ساتھ ان کو عمدہ کھانا دیا جائے۔ (موطا امام مالک کتاب الجامع باب الامر بالرفق بالمملوک)

غلاموں کو تعلیم دینے کا بیان

سب سے بڑھ کر یہ کہ صحابہ کرامؓ نے غلاموں کو تعلیم بھی دلائی، ایک بار چند عیسائی غلام پکڑ کر آئے، تو حضرت عمرؓ نے ان کو کعب میں داخل کر دیا۔ (فتوح البلدان)

حضرت عثمانؓ نے حمران بن ابان کو خرید کر لکھنا سکھایا اور اپنا میرنشی بنایا، (فتوح البلدان) بخاری سے معلوم ہوتا ہے کہ مکاتب میں آزاد بچوں کے ساتھ بہت سے غلاموں کے لڑکے بھی تعلیم پاتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت ام سلمہؓ نے اون صاف کرنے کے لئے مکتب سے لڑکے طلب کئے تو کہلا بھیجا کہ آزاد بچے نہ بھیجے جائیں۔ (بخاری کتاب الدیات باب من استعاض عبد او صبی)

غلاموں کو امان دینے کا حق دینا

امان دینے کا حق صرف فاتح قوم کو حاصل ہوتا ہے، لیکن خلفاء نے یہ حق خود غلاموں کو بھی دیا، چنانچہ ایک بار مسلمانوں نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا تو ایک غلام نے محصور فوج کو امان دیدی، تمام مسلمانوں نے کہا اس کا اعتبار نہیں ہے، لیکن ان لوگوں نے کہا ہم آزاد اور غلام کو نہیں جانتے، اب اس باب میں حضرت عمرؓ سے معلوم کیا گیا تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ مسلمانوں کے غلاموں کا معاہدہ خود مسلمانوں کا معاہدہ ہے۔ (فتوح البلدان)

## غلاموں کی عزت و آبرو کی حفاظت

خلفاء راشدین لوٹریوں اور غلاموں کی عزت و آبرو کا اسی قدر پاس کرتے تھے جس قدر ایک آزاد مرد یا آزاد عورت کا کیا جاسکتا ہے، ایک بار ایک غلام نے کسی بوٹڈی کی ناموس پر ناچ کر حمد کیا اور حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو غلام کو جلا وطن کر دیا۔  
(موطا امام محمد باب الاشرار فی الزنا)

## حقوق میں مساوات

ان حقوق کے علاوہ ذاتی طور پر خلفاء راشدین غلاموں کو عام مسلمانوں کے برابر سمجھتے تھے، چنانچہ اس کی بعض مثالیں حسن معاشرت کے عنوان میں گزر چکی ہیں۔  
ان تمام مراتب کے پیش نظر ہو جانے کے بعد صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صحابہ کرام کے زمانے میں شخص اور ملکی دونوں حیثیتوں سے غلام غلام نہیں رہے تھے، بلکہ مسلمانوں کے ایک فرد بن گئے تھے۔

## اعتاق کے مندوب تصرف کا بیان

الْبَاعِثُ تَصَرَّفَ مَذْذُوبٌ إِلَيْهِ ، قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ( أَيُّمَا مُسْلِمٍ أَعْتَقَ مُؤْمِنًا أَعْتَقَ اللَّهُ تَعَالَى بِكُلِّ عَضْوٍ مِنْهُ عَضْوًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ ) وَلِهَذَا اسْتَحَبُّوا أَنْ يُعْتِقَ الرَّجُلُ الْعَبْدَ وَالْمَرْأَةَ الْأَمَةَ لِيَتَحَقَّقَ مُقَابَلَةُ الْأَعْضَاءِ بِالْأَعْضَاءِ .

قَالَ ( الْعِتْقُ يَصِحُّ مِنَ الْحُرِّ الْبَالِغِ الْعَاقِلِ فِي مِلْكِهِ ) شَرَطُ الْحُرِّيَّةِ لِأَنَّ الْعِتْقَ لَا يَصِحُّ إِلَّا فِي الْمِلْكِ وَلَا مِلْكَ لِلْمَمْلُوكِ وَالْبُلُوغُ لِأَنَّ الصَّبِيَّ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهِ لِيَكُونَ ضَرَرًا ظَاهِرًا ، وَلِهَذَا لَا يَمْلِكُهُ الْوَلِيُّ عَلَيْهِ ، وَالْعَقْلُ لِأَنَّ الْمَجْنُونَ لَيْسَ بِأَهْلٍ لِلتَّصَرُّفِ وَلِهَذَا لَوْ قَالَ الْبَالِغُ : أَعْتَقْتُ وَأَنَا صَبِيٌّ فَأَقُولُ قَوْلَهُ ، وَكَذًا إِذَا قَالَ الْمُعْتَقُ أَعْتَقْتُ وَأَنَا مَحْنُونٌ وَجُنُونُهُ كَانَ ظَاهِرًا لَوْجُودِ الْإِسْنَادِ إِلَى حَالَةِ مُنَاقِبَةٍ ، وَكَذًا لَوْ قَالَ الصَّبِيُّ كُلُّ مَمْلُوكٍ أَمْلِكُهُ فَهُوَ حُرٌّ إِذَا اخْتَلَمْتُ لَا يَصِحُّ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِأَهْلٍ لِقَوْلٍ مُلْزِمٍ ، وَلَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ الْعَبْدُ فِي مِلْكِهِ حَتَّى لَوْ أَعْتَقَ عَبْدٌ غَيْرَهُ لَا يَنْفَعُ عِتْقُهُ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ( لَا عِتْقَ فِيمَا لَا يَمْلِكُهُ ابْنُ آدَمَ ) .

ترجمہ

اعتاق کا تصرف مندوب ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس مسلمان نے کسی مؤمن کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کو جہنم

سے آزاد کرے گا۔ لہذا مستحب ہے کہ مرد غلام کو اور عورت باندی کو آزاد کرے تاکہ اعضاء کا اعضاء کیساتھ تقابل ہو جائے۔  
فرمایا: آزادی ہر اس بالغ عاقل سے صحیح ہوتی ہے جس کی ملکیت ہو۔ اور آزادی کی شرط یہ ہے کہ وہ صرف ملکیت سے صحیح ہوتی ہے۔ جبکہ مملوک کی ملکیت نہیں ہوتی۔ اور بچہ اس لئے اہل نہیں ہے کیونکہ اس کا نقصان ظاہر ہے۔ کیونکہ ولی بچے پر اعتاق کی ملکیت نہیں رکھتا۔ اور عاقل ہونے کی شرط اس لئے بیان کی ہے کہ مجنون تصرف کی اہلیت نہیں رکھتا۔ لہذا جب کسی بالغ شخص نے کہا کہ میں نے آزاد کیا جبکہ میں بچہ ہوں تو اس کے قول کا اعتبار کیا جائے گا اور اسی طرح اگر معتق نے کہا کہ میں نے آزاد کیا لیکن میں مجنون ہوں اور اس کا جنون بھی ظاہر ہو گیا۔ کیونکہ اعتاق کا اسناد انتفاءی حالت حق کی طرف کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح جب کسی بچے نے کہا کہ جس میں مالک ہوں وہ آزاد ہے جب میں بالغ ہو جاؤں تو اس صورت میں بھی اعتاق درست نہ ہوگا کیونکہ بالغ کسی ایسے قول کی اہلیت نہیں رکھتا جو حکم مازم کرنے والا ہو۔ اور غلام کا معتق کی ملکیت ہونا ضروری ہے۔ حتیٰ کہ جب کسی نے شخص نے دوسرے کے غلام کو آزاد کیا تو اس کا آزاد کرنا نافذ نہ ہوگا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس چیز کا ان بن مالک نہیں اس میں حق نہیں ہے۔

## غلام کی آزادی اعضاء کو جہنم سے بچانے والی ہے

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بھی کسی مسلمان (غلام) کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس غلام کے جسم کے ہر عضو کی آزادی کے بدلے اس شخص کے جسم کے بھی ایک ایک عضو کو دوزخ سے آزاد کرے گا۔ سعید بن مرجانہ نے بیان کیا کہ پھر میں علی بن حسین (زین العابدین رضی اللہ عنہ) کے یہاں گیا (اور ان سے حدیث بیان کی) وہ اپنے ایک غلام کی طرف متوجہ ہوئے۔ جس کی عبد اللہ بن جعفر دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار قیمت دے رہے تھے اور آپ نے اسے آزاد کر دیا۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث، ۲۵۱۷)

حضرت زین العابدین بن حسین رضی اللہ عنہ نے سعید بن مرجانہ سے یہ حدیث سن کر اس پر فوراً عمل کر دکھایا اور اپنا ایک ایسا قیمتی غلام آزاد کر دیا جس کی قیمت دس ہزار درہم مل رہے تھے۔ جس کا نام مطرف تھا۔ مگر حضرت زین العابدین نے روپے کی طرف نہ دیکھا اور ایک عظیم عقیقہ کی طرف دیکھا۔ اللہ والوں کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ انسان پر دردی اور ہمدردی کو ہر قیمت پر حاصل کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ ہیں جن کو اولیاء اللہ یا عباد الرحمن ہونے کا شرف حاصل ہے۔

حضرت عروہ ابو مرواح البوذریع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا میں نے پوچھا کس قسم کا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بہت زیادہ بیش قیمت ہو اور اس کے مالکوں کو بہت پسند ہو میں نے پوچھا اگر میں یہ نہ کر سکوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کاریگر کی مدد کرو یا کسی بے ہنر کے لیے کام کرو اور انہوں نے پوچھا اگر میں یہ بھی نہ کر سکوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھ (یعنی ان کے ساتھ برائی کرنے سے باز آ) اس لیے کہ وہ بھی ایک صدقہ

ہے جو تو اپنے آپ پر کرتا ہے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2370)

غلام کو آزاد کرنے کی فضیلت میں احادیث و آثار

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں عقبہ بن عامر کے ایک بھلے پہاڑ کا نام ہے حضرت کعب احبار فرماتے ہیں اس کے جہنم میں ستر درجے ہیں قد وہ فرماتے ہیں کہ یہ داخلے کی سخت گھاٹی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے داخل ہو جاؤ پھر اس کا داخلہ بتایا یہ کہہ کر کہ تمہیں کس نے بتایا کہ یہ گھاٹی کیا ہے؟ تو فرمایا غلام آزاد کرنا اور اللہ کے نام کھانا دینا ابن زید فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ نجات و رزق کی راہوں میں کیوں نہ چلا؟ پھر ہمیں تنبیہ کی اور فرمایا تم کی جان کو عقبہ کیا ہے؟ آزادگی گردن یا صدقہ طعم فلک رقبہ جو اضافت کے ساتھ ہے اسے فلک رقبہ بھی پڑھ گئے یعنی فلع ذل دونوں قرأتوں کا مطلب قریباً ایک ہی ہے مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو کسی مسلمان کی گردن چھڑوائے اللہ تعالیٰ اس کا ہر ایک عضو اس کے ہر عضو کے بدلے جہنم سے آزاد کر دیتا ہے یہاں تک کہ ہاتھ کے بدلے ہاتھ پاؤں کے بدلے پاؤں اور شرمگاہ کے بدلے شرمگاہ حضرت علی بن حسین یعنی امام زید ابن بدین نے جب یہ حدیث سنی تو سعید بن مرجم نے راوی حدیث سے پوچھا کہ کیا تم نے خود حضرت ابو ہریرہ کی زبانی یہ حدیث سنی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں تو آپ نے اپنے غلام سے فرمایا کہ مطرف کو بلاؤ جب وہ سامنے آیا تو آپ نے فرمایا یا ج و تم اللہ کے نام پر آزاد ہو بخاری مسلم ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے۔

صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ یہ غلام دس ہزار درہم کا خرید ہوا تھا اور حدیث میں ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے اللہ تعالیٰ اس کی ایک ایک ہڈی کے بدلے اس کی ایک ایک ہڈی جہنم سے آزاد ہو جاتی ہے (ابن جریر) مسند میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے مسجد بنائے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے اور جو مسلمان غلام کو آزاد کرے اللہ تعالیٰ اسے اس کا فدیہ یہ بنا دیتا ہے اور اسے جہنم سے آزاد کر دیتا ہے جو شخص اسلام میں بوزھا ہوا سے قیامت کے دن نور ملے گا۔ اور روایت میں یہ بھی ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں تیر چلائے خواہ وہ لگے یا نہ لگے اسے اولاد اسمعیل میں سے ایک غلام کے آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور حدیث میں ہے جس مسلمان کے تین بچے بوخت سے پہلے مر جائیں اسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جنت میں داخل کریگا اور جو شخص اللہ کی راہ میں جوڑے دے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دے گا جس سے چاہے چلا جائے ان تمام احادیث کی سندیں نہایت عمدہ ہیں۔

ابوداؤد میں ہے کہ ایک مرتبہ ہم نے حضرت وائل بن اسقع سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسی حدیث سنائیے جس میں کوئی کی زیادتی نہ ہو تو آپ بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے تم میں سے کوئی پڑھے اور اس کا قرآن شریف اس کے گھر میں ہو تو کیا وہ کی زیادتی کرتا ہے؟ ہم نے کہا حضرت ہمارا مطلب یہ نہیں ہم تو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہوئی حدیث ہمیں سناؤ، آپ نے فرمایا ہم ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنے ایک ساتھی کے بارے میں حاضر ہوئے جس نے قتل کی وجہ سے اپنے اوپر جہنم واجب کر لی تھی تو آپ نے فرمایا اس کی طرف سے غلام آزاد کرو، اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک عضو

کے بدلے اس کا ایک ایک عضو جہنم کی آگ سے آزاد کر دے گا، یہ حدیث نسائی شریف میں بھی ہے، اور حدیث میں ہے جو شخص کسی کی گردن آزاد کرے اللہ تعالیٰ اسے اس کا فدیہ بنا دیتا ہے۔ ایسی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں،

مسند احمد میں ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسا کام بتا دیجئے جس سے میں جنت میں جا سکوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھوڑے سے الفاظ میں بہت ساری باتیں تو پوچھ بیٹھ۔ نسیم آزاد کر، رقبہ چھڑا، اس نے کہا حضرت کیا یہ دونوں ایک چیز نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں نسیم کی آزادی کے معنی تو ہیں اکیلا ایک غلام آزاد کرے اور فلک رقبہ کے معنی ہیں کہ تھوڑی بہت مدد کرے دودھ والا جانور دودھ پینے کے لیے کسی مسکین کو دینا، ظالم رشتہ دار سے نیک سلوک کرنا، یہ جنت کے کام ہیں، اگر اس کی تجھے طاقت نہ ہو تو بھوکے کو کھلا، پیاسے کو پیا، نیکیوں کا حکم کر، برائیوں سے روک، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو سوائے بھلائی کے اور نیک بات کے اور کوئی کلمہ زبان سے نہ نکال۔ ذی مسغفہ کے معنی ہیں بھوک وال، جبکہ کھانے کی اشتہا ہو، غرض بھوک کے وقت کا کھانا اور وہ بھی اسے جو نادان بچہ ہے سر سے باپ کا سایہ اٹھ چکا ہے اور اس کا رشتہ دار بھی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں مسکین کو صدقہ دینا اکہرا ثواب رکھتا ہے، اور رشتے اور کو دینا دوبرا اجر دلاتا ہے، (مسند احمد بن حنبل)

خاموشوں کے حقوق میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیمات

خلفائے راشدین کا یہ بھی یہی دستور تھا کہ اگر کسی غلام کا مالک اس کی کفالت کرنے میں مشکل محسوس کرتا ہو تو اس کی مدد کی کرتے تھے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عُمَرُو، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ مَحَلِّ بْنِ الْفَقَارِیِ أَنَّ ثَلَاثَةَ مَمْلُوكِينَ شَهِدُوا بَذْرًا، فَكَانَ عُمَرُو يُعْطِي كُلَّ رَحْلٍ مِنْهُمْ كُلَّ سَنَةٍ ثَلَاثَةَ آلَافٍ ثَلَاثَةَ آلَافٍ. (ابن ابی شیبہ: حدیث (33553) تین غلاموں نے جنگ بدر میں حصہ لیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان میں سے ہر ایک کو سالانہ تین تین ہزار درہم دیا کرتے تھے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ الْقَوَّامِ، عَنْ هَارُونَ بْنِ عَثْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: شَهِدْتُ عُفْمَانَ وَعَبِيًّا يَرْزُقَانِ أَرْقَاءَ النَّاسِ. (ابن ابی شیبہ: حدیث (33554)

سیدنا عثمان اور علی رضی اللہ عنہما (اپنے ادوار میں) لوگوں کے غلاموں کو ان کی ضروریات کا سامان پہنچا کر دیتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بہت سوں نے تو غلاموں کو معمولی سے خراج کے عوض خود کمانے اور کھانے کی اجازت دے دی تھی۔ یہ خراج صرف ایک درہم روزانہ ہوا کرتا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب غلاموں کی قیمتیں 40,000 درہم تک پہنچ چکی تھیں۔ اس طریقے سے یہ غلام عملاً آزاد ہو چکے تھے۔

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى بْنِ الْفَضْلِ الصَّيْرَفِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ: مُحَمَّدُ بْنُ



يَعْقُوبَ أَخْبَرَنَا الْعَاصُ بْنُ الْوَلِيدِ بْنِ مَرْثِدٍ أَخْبَرَنِي أَبِي حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنِي رَجُلٌ مَنَا يَقَالُ لَهُ نَهَيْكَ بَنُ  
يَرِيمَ حَدَّثَنِي مُعَيْشُ بْنُ سُمَيٍّ قَالَ : كَانَ لِلرَّبْرِ بْنِ الْعَوَّامِ رَجُلٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَلْفَ مَمْلُوكٍ يُؤَدِّي إِلَيْهِ الْخَرَاجَ فَلَا  
يُدْخِلُ بَيْتَهُ مِنْ خَوَارِجِهِمْ شَيْئًا . (بيهقي؛ سنن الكبرى؛ حديث (15787)

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ایک ہزار غلام تھے جو انہیں خراج ادا کیا کرتے تھے۔ اس خراج میں سے کوئی رقم ان کے گھر  
میں داخل نہ ہوا کرتی تھی۔ یعنی وہ سب کی سب رقم نبی غلاموں اور دیگر غریبوں پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔

أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ بْنُ أَبِي الْمَعْرُوفِ أَخْبَرَنَا أَبُو عَمْرٍو بْنُ نُجَيْدٍ أَخْبَرَنَا أَبُو مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ  
أَبِي أَبِي دَنْبٍ عَنْ دِرْهَمٍ مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ : صَرَفْتُ عَلَى مَوْلَايَ كُلَّ يَوْمٍ دِرْهَمًا فَأَتَيْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ فَقَالَ  
أَتَى اللَّهَ وَأَدَّى حَقَّ اللَّهِ وَحَقَّ مَوْلَاكَ . (بيهقي؛ سنن الكبرى؛ حديث (15788)

سیدنا عبدالرحمن (بن عوف) رضی اللہ عنہ کے سابقہ غلام درہم کہتے ہیں، "میرے آقا نے مجھ پر روزانہ ایک درہم کا خراج  
مقرر کیا تھا۔ (ایک دن) میں نے یہ درہم سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو پیش کیا تو انہوں نے فرمایا، "اللہ سے ڈرو اور اللہ کا اور اپنے  
آقا کا حق (انہی کو) ادا کرو۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس کسی کو اپنے غلام پر زیدتی کرتے ہوئے دیکھتے تو فوراً اسے اچھا سلوک کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔  
و روی ان اباسریرہ رای رجلا را کبا و غلامه یسعی خلفه، فقال : یا عبداللہ احمله، فانه اخوک، و  
روحک مثل روحه . (بغوی، شرح السنۃ، کتاب النکاح)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ سوار ہے اور اس کا غلام اس کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔ انہوں نے فرمایا،  
اے عبداللہ! اسے بھی سوار کرو۔ یہ تمہارا بھائی ہی ہے۔ تمہارے اندر جو روح ہے وہ بھی اسی کی روح کی طرح ہی ہے۔

### آزادی غلام کی شرعی حیثیت کا بیان

آزاد کرنے کی چار قسمیں ہیں : واجب، مندوب، مباح، کفر،

### غلام کی آزادی کے وجوب کا بیان

قتل و ظہار و قسم اور روزہ توڑنے کے کفارے میں آزاد کرنا واجب ہے، مگر قسم میں اختیار ہے کہ غلام آزاد کرے یا اس  
سے کین کو کھانا کھائے یا کپڑے پہنائے، یہ نہ کر سکے تو تین روزے رکھے۔ باقی تین میں اگر غلام آزاد کرنے پر قدرت ہو تو بھی  
متعین ہے۔

### غلام کی آزادی میں استحباب کا بیان

مندوب وہ ہے کہ اللہ (عزوجل) کے لیے آزاد کرے اور وقت کہ جانب شرع (2) سے اس پر یہ ضروری نہ ہو۔

### غلام کی آزادی میں اباحت کا بیان

جب کسی شخص نے بغیر کسی قسم کی نیت کرتے ہوئے غلام کو آزاد کر دیا تو یہ مباح ہے۔ اور اس کی شرعی حیثیت کو مباح کہتے  
ہیں یا اس کو غلام کی آزادی کو اباحت سے تعبیر کرتے ہیں۔

### غلام کی آزادی کے کفر ہونے کا بیان

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی نے بتوں یا شیطان کے نام پر آزاد کیا کہ غلام اب بھی آزاد  
ہو جائے گا، مگر اس کا یہ فعل کفر ہوا۔ کہ ان کے نام پر آزاد کرنا دلیل تعظیم ہے اور ان کی تعظیم کفر ہے۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب العتاق)

### غلام و باندی کے اعتاق میں الفاظ کی صراحت کا بیان

( وَإِذَا قَالَ لِعَبْدِهِ أَوْ أَمَتِهِ أَنْتَ حُرٌّ أَوْ مُعْتَقٌ أَوْ عَتِيقٌ أَوْ مُحَرَّرٌ أَوْ قَدْ حَرَّرْتُكَ أَوْ قَدْ  
أَعْتَقْتُكَ فَقَدْ عَتَقَ نَوَى بِهِ الْعِتَقَ أَوْ لَمْ يَنْوَ ) لِأَنَّ هَذِهِ الْأَلْفَاظَ صَرِيحَةً فِيهِ .

لِأَنَّهَا مُسْتَعْمَلَةٌ فِيهِ شَرْعًا وَعُرْفًا فَأَعْنَى ذَلِكَ عَنِ النِّيَّةِ وَالْوَضْعِ ، وَإِنْ كَانَ فِي الْإِخْبَارِ  
فَقَدْ جُعِلَ إِنْشَاءً فِي التَّصَرُّفَاتِ الشَّرْعِيَّةِ لِلْحَاجَةِ كَمَا فِي الطَّلَاقِ وَالْبَيْعِ وَغَيْرِهِمَا )  
وَلَوْ قَالَ عَنَيْتُ بِهِ الْإِخْبَارَ الْبَاطِلَ أَوْ أَنَّهُ حُرٌّ مِنْ الْعَمَلِ صَدَقَ دِيَانَةً ) لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُهُ ( وَلَا  
يَدِينُ قَضَاءً ) لِأَنَّهُ خِلَافُ الظَّاهِرِ ( وَلَوْ قَالَ لَهُ يَا حُرُّ يَا عَتِيقُ يُعْتَقُ ) لِأَنَّهُ نِدَاءٌ بِمَا هُوَ  
صَرِيحٌ فِي الْعِتَقِ وَهُوَ لَا يَنْبَغِي حَضَارَ الْمُنَادَى بِالْوَصْفِ الْمَذْكُورِ هَذَا هُوَ حَقِيقَتُهُ  
فَيَقْتَضِي تَحَقُّقَ الْوَصْفِ فِيهِ وَأَنَّهُ يَنْبَغِي مِنْ جِهَتِهِ فَيَقْتَضِي بِشُؤْنِهِ تَصَدِيقًا لَهُ فِيمَا أَخْبَرَ ،  
وَسَقَرُّهُ مِنْ بَعْدِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى إِلَّا إِذَا سَمَاهُ حُرًّا ثُمَّ نَادَاهُ يَا حُرُّ لِأَنَّ مَرَادَهُ الْإِعْلَامَ  
بِاسْمِ عِلْمِهِ وَهُوَ مَا لَقَّبَهُ بِهِ . وَلَوْ نَادَاهُ بِالْفَارِسِيَّةِ يَا أَرَادَ وَقَدْ لَقَّبَهُ بِالْحُرِّ قَالُوا يُعْتَقُ ،  
وَكَذَا عَكْسُهُ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِنِدَاءٍ بِاسْمِ عِلْمِهِ فَيُعْتَبَرُ إِنْجَارًا عَنْ الْوَصْفِ .

ترجمہ

اور جب کسی آقا نے اپنے غلام یا باندی سے کہا کہ تو آزاد ہے یا معتق ہے یا عتق ہے یا معر ہے یا میں نے تجھے محرر کر دیا یا میں  
نے تجھے آزاد کر دیا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ اگرچہ آقا نے ان کے آزاد کرنے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ اس لئے کہ یہ الفاظ اعتاق کیلئے  
مرتفع ہیں۔ کیونکہ باعتبار عرف و شرع دونوں میں ان الفاظ استعمال اعتاق کیلئے ہے۔ لہذا یہ نیت سے مستغنی ہو گئے۔ اور ان الفاظ  
کی وضع اگرچہ اخبار کیلئے ہے مگر ضرورت کی وجہ سے ان کو تصرفات شرعیہ کیلئے نہیں انشاء کیلئے اختیار کر لیا گیا ہے جس طرح طلاق اور

نتیجہ میں ہے۔

اور جب آقا نے اپنے مملوک سے کہا اے آزاد، اے عقیق، تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کا یہ پکارنا غلط صریح کے ساتھ ہے اور نہ اس کا پکارنا منادی کو وصف مذکور کے ساتھ حاضر کرنے کیلئے ہوتا ہے۔ اور حقیقی طور پر منادی کا مقصد یہی ہے۔ لہذا یہ مذکور وصف کے ثابت ہونے کا تقاضہ کرتا ہے۔ اور یہ وصف مندی کی طرف سے ثابت ہو گیا۔ اسی وجہ سے آقا کی دی ہوئی خبر کی تصدیق ثبوت وصف کیلئے تقاضہ کرتی ہے۔ اور ہم ان شاء اللہ بعد میں اس کو ذکر کریں گے۔ البتہ جب آقا نے غلام کا نام حر رکھ دیا اور اس کے اس نے اس پکارا، اے حر، اور یہاں آقا کا مقصد غلام کو اس کے نام سے اطلاع کرنا ہے۔ یعنی اس نام سے جو اس نے رکھا ہوا ہے۔ اور جب کسی آقا نے فارسی میں اے آزاد کہہ کر پکارا جبکہ اس نے اس غلام کا نام حر رکھا ہوا ہو تو اس بارے میں فقہاء کرام فرماتے ہیں۔ کہ وہ آزاد ہو جائے گا۔ اور اسی طرح جب اس کا عکس ہو کیونکہ یہاں اس نام سے پکارنا نہیں ہے۔ پس ایسی خبر کا اعتبار کیا جائے گا جو وصف سے ہو۔

شرح

حدیث میں مدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ غلام کے آزاد ہونے کی چند صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے مالک نے کہہ دیا کہ تو آزاد ہے یا اس کے مثل و کوئی غلام جس سے آزاد ہوئی ثابت ہوتی ہے۔ دوسری یہ کہ ذی رحم محرم اس کا مالک ہو جائے تو ملک میں آئے ہی آزاد ہو جائے گا۔ سوم یہ کہ حربی کافر مسلمان غلام کو دارالسلام سے خرید کر دارالحرب میں لے گیا تو وہاں پہنچتے ہی آزاد ہو گیا۔

طلاق کی طرح اس میں بھی بعض الفاظ صریح ہیں بعض کنایہ۔ صریح میں نیت کی ضرورت نہیں بلکہ اگر کسی اور نیت سے کہے جب بھی آزاد ہو جائے گا۔ صریح کے بعض الفاظ یہ ہیں۔ تو آزاد ہے۔ خر ہے۔ اے آزاد۔ اے خر۔ میں نے تجھے کو آزاد کیا، ہاں اگر اس کا نام ہی آزاد ہے اور اے آزاد کہا یا نام خر ہے اور اے خر کہہ کر پکارا تو آزاد نہ ہوا اور اگر نام آزاد ہے اور اے خر کہہ کر پکارا یا نام خر ہے اور اے آزاد کہہ کر پکارا تو آزاد ہو جائے گا۔ یہ الفاظ بھی صریح کے حکم میں ہیں۔ نیت کی ضرورت نہیں، میں نے تجھے تھپہ صدقہ کیا یا تجھے تیرے نفس کو بہہ کیا، میں نے تجھے تیرے ہاتھ بیچے ان میں اس کی بھی ضرورت نہیں کہ غلام قبول کرے۔ (درمختار، کتاب العتاق)

صریح بحتاج نیت نہیں ہوتا قاعدہ فقہیہ

صاحب ہدایہ کے مذکورہ متن سے یہ قاعدہ فقہیہ اخذ ہوتا ہے کہ جہاں کلام میں صراحت مذکور ہو تو اس وقت کسی قسم کی نیت یا دلالت کی محتاجی نہیں ہوتی کیونکہ صراحت میں خود اس قدر قوت ہے کہ وہ دلالت و نیت سے بے نیاز کر دینے والی ہے۔

صراحت کے مقابلے میں دلالت کا اعتبار نہیں قاعدہ فقہیہ

لا عبرة لدلالة في مقابلة التصريح . (الاشباه)

صراحت کے مقابلے میں دلالت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اسکی وضاحت یہ ہے کہ اگر کسی کلام میں صراحت پائی جا رہی ہو اور مخاطب من کل الوجوه ادا رک کر رہا ہو تو ایسی صورت میں کسی بھی دلالت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ صراحت دلالت سے قوی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

مشرکین کیلئے جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مسجدیں تعمیر کریں حالانکہ وہ اپنے کفر پر قائم ہیں ان کے اعمال اکارت جائیں گے اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ (التوبہ ۱۷)

اس آیت کا تقاضہ یہ ہے کہ کفار کو مسجد میں داخل ہونے، مسجد کو بنانے، اس کے مصالح کا انتظام کرنے اور ان کا نگران بننے سے روک دیا جائے کیونکہ غلط تعمیر دونوں کو شامل ہے۔ (احکام اقرآن ج ۳ ص ۸ مطبوعہ سہیل اکیڈمی، ہور)

اس نص صریح سے معلوم ہوا کہ مسجد کی تعمیر و ترقی کیلئے کافروں سے چندہ وصول کرنا جائز نہیں اگرچہ دلالت کا تقاضہ مفاد ہے جیسا کہ مفتی شفیع دیوبندی اور بدعتیہ لوگوں نے کافروں سے چندہ وصول کرنا جائز قرار دیا ہے۔

اگر صراحت معدوم ہو تو دلالت معتبر ہوگی:

اگر کسی شخص نے گوشت خریدنے کیلئے وکیل بنایا اور وہ وکیل بنانے والا مسافر ہے اور راستے پر پھرا ہوا ہے تو وکیل کیلئے یہ حکم ہو گا کہ وہ پکا ہوا گوشت لیکر آئے کیونکہ اس کے حال کی دلالت یہی ہے کہ وہ سفر میں ہے اور اگر وہ شخص مقیم ہے تو پھر گوشت خریدنے کیلئے اس نے جو وکیل بنایا ہے وہ کچا گوشت خرید کر لائے اور ان دونوں صورتوں میں عدم صراحت کی وجہ سے حکم دامت کے مطابق ہوگا۔ (امول شاشی)

غلام کے اعضاء کو پکار کر آزاد کرنے کا بیان

(وَكَذَا لَوْ قَالَ رَأْسُكَ حُرٌّ أَوْ وَجْهُكَ أَوْ رَقَبُكَ أَوْ بَدَنُكَ أَوْ قَالَ لَأَمِّيهِ فَرَجُكَ حُرٌّ) لِأَنَّ هَذِهِ الْأَلْفَاظَ يُعَبَّرُ بِهَا عَنْ جَمِيعِ الْبَدَنِ وَقَدْ مَرَّ فِي الطَّلَاقِ، وَإِنْ أَضَافَهُ إِلَى جُزْءٍ شَانِعٍ يَقَعُ فِي ذَلِكَ الْجُزْءِ، وَسَيَأْتِيكَ الْإِخْتِلَافُ فِيهِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى . وَإِنْ أَضَافَهُ إِلَى جُزْءٍ مُعَيَّنٍ لَا يُعَبَّرُ بِهِ عَنِ الْجُمْلَةِ كَالْيَدِ وَالرَّجْلِ لَا يَقَعُ عِنْدَنَا إِخْلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَالْكَلَامُ فِيهِ كَالْكَلَامِ فِي الطَّلَاقِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ.

ترجمہ

اور اسی طرح جب کسی آقا نے کہا کہ تیرا سر آزاد ہے یا تیرا چہرہ آزاد ہے یا تیری گردن آزاد ہے یا تیرا بدن آزاد ہے یا اپنی ہڈی سے کہا کہ تیری شرمگاہ آزاد ہے۔ اس لئے کہ ان الفاظ سے مکمل بدن کو تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اس کا بیان کتاب طلاق میں بیان

ہو چکا ہے۔ اور جب کسی آقا نے کسی جزاء شائع کی طرف آزادی کی نسبت کی تو جزاء شائع میں آزادی واقع ہو جائے گی۔ اور اس بارے میں بیان شدہ اختلاف ان شاء اللہ عنقریب آپ کیلئے بیان کر دیا جائے گا۔

اور جب آقا نے اعتاق کو نسبت کسی ایسے معین حصے کی طرف جس سے پورے جسم کو تعبیر نہیں کیا جاتا جس طرح ہاتھ اور پاؤں ہیں تو ہمارے نزدیک آزادی واقع نہ ہوگی۔ جبکہ اس میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے اور اس کی بحث وہی ہے جو کتاب طلاق میں بیان کر دی گئی ہے۔ اور طلاق کی بحث کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

شرح

علامہ ابن عابدین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر اس نے یوں کہا کہ میں نے تجھے تیرے ہاتھ اتارنے کو بچا تو اب قبول کی ضرورت ہوگی اگر قبول کریگا تو آزاد ہوگا اور اتارنے دینے پڑینگے۔ آزادی کو کسی ایسے جزاء کی طرف منسوب کیا جو پورے سے تعبیر ہے مثلاً تیرا سر۔ تیری گردن۔ تیری زبان آزاد ہے تو آزاد ہوگی اور اگر ہاتھ یا پاؤں کو آزاد کہا تو آزاد نہ ہوا اور اگر تہائی، چوتھائی، نصف وغیرہ کو آزاد کیا تو اتنا آزاد ہو گیا اگر غلام کو کہا یہ میرا بیٹا ہے یا لونڈی کو کہا یہ میری بیٹی ہے اگر چہ عمر میں زیادہ ہوں یا غلام کو کہا یہ میرا باپ یا دادا ہے یا لونڈی کو کہا کہ یہ میری ماں ہے اگر چہ ان کی عمر اتنی نہ ہو کہ باپ یا دادا یا ماں ہونے کے قابل ہوں تو ان سب صورتوں میں آزاد ہیں اگر چہ اس نیت سے نہ کہا ہو۔ اور اگر کہا اے میرے بیٹے، اے میرے بھائی، اے میری بہن، اے میرے باپ تو بغیر نیت آزاد نہیں۔ کنایہ کے بعض الفاظ یہ ہیں۔ تو میری ملک نہیں۔ تجھ پر مجھے راہ نہیں۔ تو میری ملک سے نکل گیا ان میں بغیر نیت آزاد نہ ہوگا۔ اگر کہا تو آزادی کی مثل ہے تو اس میں بھی نیت کی ضرورت ہے۔ (در مختار، کتاب عتاق)

آقا کے عدم ملکیت اظہار کرنے کا بیان

(وَلَوْ قَالَ لَا مِلْكَ لِي عَلَيْكَ وَنَوَى بِهِ الْحُرِّيَّةَ عَتَقَ وَإِنْ لَمْ يَنْوِ لَمْ يُعْتَقْ) لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنَّهُ أَرَادَ لَا مِلْكَ لِي عَلَيْكَ لِأَنِّي بَعْتُكَ، وَيَحْتَمِلُ لِأَنِّي أَعْتَقْتُكَ فَلَا يَتَعَيَّنُ أَحَدُهُمَا مُرَادًا إِلَّا بِالنِّيَّةِ قَالَ (وَكَذَلِكَ كِنَايَاتُ الْعِتْقِ) وَذَلِكَ مِثْلُ قَوْلِهِ خَرَجْتَ مِنْ مِلْكِي وَلَا سَبِيلَ لِي عَلَيْكَ وَلَا رِقَ لِي عَلَيْكَ وَقَدْ خَلَيْتُ سَبِيلَكَ لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ نَفْيَ السَّبِيلِ وَالْخُرُوجَ عَنِ الْمِلْكِ وَتَخْلِيَةَ السَّبِيلِ بِالسَّبْعِ أَوْ الْكِتَابَةِ كَمَا يَحْتَمِلُ بِالْعِتْقِ فَلَا بُدَّ مِنَ النِّيَّةِ، وَكَذَا قَوْلُهُ لَا مَتَبِعَ قَدْ أَطْلَقْتَكَ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِ خَلَيْتُ سَبِيلَكَ وَهُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ بِخِلَافِ قَوْلِهِ طَلَّقْتُكَ عَلَى مَا نَبَّيْنُ مِنْ بَعْدِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى (وَلَوْ قَالَ لَا سُلْطَانَ لِي عَلَيْكَ وَنَوَى الْعِتْقَ لَمْ يُعْتَقْ) لِأَنَّ السُّلْطَانَ عِبَارَةٌ عَنِ الْبَيْدِ، وَسُمِّيَ السُّلْطَانُ بِهِ لِقِيَامِ يَدِهِ وَقَدْ يَتَّقَى الْمَلِكُ دُونَ الْبَيْدِ كَمَا فِي الْمَكَاتِبِ، بِخِلَافِ

قَوْلِهِ: لَا سَبِيلَ لِي عَلَيْكَ لِأَنَّ نَفْيَهُ مُطْلَقًا بِإِنْتِفَاءِ الْمَلِكِ لِأَنَّ لِلْمَوْلَى عَلَى الْمَكَاتِبِ سَبِيلًا فَلِهَذَا يَحْتَمِلُ الْعِتْقُ.

ترجمہ

اور جب کسی آقا نے کہا کہ تجھ پر میری کوئی ملکیت نہیں ہے اور اس سے آقا نے آزادی کی نیت کی تو مملوک آزاد ہو جائے گا۔ اور اگر آقا نے آزادی کی نیت نہ کی تو وہ آزاد نہ ہوگا۔ کیونکہ اس میں احتمال ہے اور وہ احتمال یہ ہے کہ آقا کا مطلب یہ ہو کہ میری تجھ پر کوئی ملکیت نہیں ہے کیونکہ میں نے تجھے بیچ ڈالا اور یہ بھی احتمال ہے کہ میں نے تجھے آزاد کر دیا ہے۔ پس یہاں نیت کے بغیر کسی حکم کو معین نہیں کیا جاسکتا۔

فرمایا اور حق کے کنایات کا بھی یہی حکم ہے جس طرح کسی آقا نے کہا "حَرَ بَيْتٍ مِنْ مِلْكِي" تو میری ملکیت سے نکل گئی۔ تجھ پر میری طرف کوئی راہ نہیں ہے، میرے لئے تجھ پر کوئی رقت نہیں ہے، میرے لئے تیرا راستہ چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ یہ بیچ اور کتابت کے واسطے سے بھی ملکیت کی راہ نفی کرنے اور نکلنے کا بھی احتمال رکھتا ہے۔ جس طرح یہ حق کے ذریعے احتمال رکھتے ہیں۔ پس نیت میں لازم ہوگئی اور اسی طرح کسی آقا نے اپنی باندی سے کہا "قَدْ أَطْلَقْتُكَ" کیونکہ اس کا یہ قول "خَلَيْتُ سَبِيلَكَ" کے قائم مقام ہے اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے بھی اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔ البتہ جب اس نے " " کہا ہے جس کو ہم ان شاء اللہ بعد میں بیان کریں گے۔

اور جب آقا نے کہا کہ تجھ پر میری کوئی بادشاہت نہیں ہے اور اس نے آزادی کی نیت بھی کی تب بھی غلام آزاد نہ ہوگا کیونکہ بادشاہت سے مراد قبضہ ہے اور بادشاہ کا نام اسی وجہ سے بادشاہ رکھا گیا ہے کہ سلطنت پر اس کا قبضہ ہوتا ہے۔ جبکہ کبھی کبھی ملکیت کی راہ نفی ہے مگر قبضہ نہیں ہوتا جس طرح مکاتب میں ہے۔ یہ خلاف اس آقا کے جس نے کہا "لَا سَبِيلَ لِي عَلَيْكَ" کیونکہ مطلق طور پر سبیل کی نفی کرنا ملکیت کی نفی کرنا ہے۔ جبکہ مکاتب پر آقا کو سبیل رہتی ہے اسی سبب کے پیش نظر وہ آزادی کا احتمال رکھتا ہے۔

غلام کی آزادی میں صریح الفاظ کا فقہی بیان

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ صریح میں نیت کی ضرورت نہیں بلکہ اگر کسی اور نیت سے کہے جب بھی آزاد ہو جائیگا۔ میں نے تجھے تجھ پر صدقہ کیا یا تجھے تیرے نفس کو بہہ کیا، میں نے تجھے تیرے ہاتھ بیچا ان میں اس کی بھی ضرورت نہیں کہ قیام قبول کرے۔

جبکہ کنایہ کے بعض الفاظ یہ ہیں۔ تو میری ملک نہیں۔ تجھ پر مجھے راہ نہیں۔ تو میری ملک سے نکل گیا ان میں بغیر نیت آزاد نہ ہوگا۔ اگر کہا تو آزادی کی مثل ہے تو اس میں بھی نیت کی ضرورت ہے۔ (در مختار، کتاب العتق، ج ۵، ۵۹۲، بیروت)

جب احتمال آجائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے قاعدہ فقہیہ

اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال (الاشباہ)

جب احتمال آجائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

اس کا ثبوت یہ ہے۔ جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر اس پر چار گواہ کیوں نہیں لاتے، ان ۸۰ کوڑے

مارو۔ (النور)

اس آیت میں حد زنا کا نصاب بیان کیا گیا ہے لہذا استدلال کا تقاضہ یہ ہے کہ چار مرد جو شرعاً گواہی کے قابل ہوں، ان کا گواہی دینا ضروری ہے لیکن اگر ان چاروں میں سے کسی ایک کی گواہی زمان و مکان یا کیفیت میں مختلف ہوگئی تو یہ اس استدلال میں احتمال ہوگا اور اس طرح حد نافذ نہ ہوگی، بلکہ کسی ایک کے احتمال کی وجہ سے گواہوں پر حد قذف لگائی جائے گی۔

حضرت ابو عثمان مہدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آکر مغیرہ کے خلاف زنا کی شہادت دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا، پھر دوسرے نے آکر شہادت دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا، پھر تیسرے نے آکر شہادت دی، یہ گواہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بہت گراں گزری، پھر چوتھا شخص ہاتھ آگے پیچھے کرتا ہوا آیا تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زور سے چیخ مار کر کہا اے جھسانے والی آگ، تیرے پاس کیا ہے۔ حضرت ابو عثمان مہدی کہتے ہیں کہ وہ اتنے زور کی چیخ تھی کہ میں بے ہوش ہونے کے قریب تھا۔ اس نے کہا اے امیر المومنین میں نے ایک براکہ دیکھا ہے (یعنی چوتھے گواہ نے زنا کی شہادت کو صراحت کے ساتھ بیان نہ کیا) تو اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کا شکر ہے کہ محمد ﷺ کے اصحاب کو شیطان بڑے راستہ پر چلانے میں کامیاب نہ ہوا۔ پھر آپ نے ان تینوں کو حد قذف لگا لی۔ (المعنی مع الشرح ج ۱۰ ص ۱۷۶، دار الفکر بیروت)

۱۔ حد سرقہ کا نصاب:

چوری کی حد کا نصاب برطابق مسلک احناف دس درہم ہے اگر نصاب سے کم قیمت کی چوری ہوئی تو اس پر حد جاری نہ ہوگی، کیونکہ احتمال سے استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

حضرت قاسم بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے کپڑا چرایا تھا آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا اس کی قیمت لگاؤ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسکی آٹھ درہم قیمت لگائی تو آپ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔ (المعنی مع الشرح ج ۱۰ ص ۲۳۲، مکتب اسلامی بیروت)

۲۔ حد قذف:

حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنے خاوند کو اپنی باندی بہہ کر دی وہ اس کے ساتھ ایک سفر میں گیا اس سے

جماع کیا اور وہ حاملہ ہوگئی اور اسکی بیوی کو بھی اس کے حمل کی اطلاع پہنچ گئی وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس گئی اور کہا میں نے اپنے خاوند کے ساتھ ایک باندی خدمت اور کام کاج کیلئے بھیجی تھی اور مجھے خبر ملی ہے کہ وہ حاملہ ہوگئی۔ جب وہ شخص آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو یوایا اور فرمایا۔ تم نے فلاں لونڈی کے ساتھ کیا کیا؟ کیا اس کو حاملہ کر دیا۔ اس نے کہا ہاں فرمایا: کیا تم نے اس کو خرید لیا تھا؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا: کیا تمہاری بیوی نے اس کو بہہ کر دیا تھا اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا تم اس بہہ پر گواہ لاؤ، ورنہ میں تم کو اس پر رجم کر دوں گا پھر اس عورت کو بتایا گیا کہ اس کا خاوند رجم کر دیا جائے گا تو اس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر اقرار کر لیا کہ اس نے وہ باندی خاوند کو بہہ کر دی تھی پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس عورت پر حد قذف لگا دی۔ (سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۳۱، مطبوعہ نثر الملتان)

غلام کو اپنا بیٹا قرار دینے کا بیان

(وَلَوْ قَالَ هَذَا ابْنِي وَكَتَبْتُ عَلَى ذَلِكَ عَتَقَ) وَمَعْنَى الْمَسْأَلَةِ إِذَا كَانَ يُؤَلَّدُ مِثْلَهُ لِمِثْلِهِ ، فَإِنْ كَانَ لَا يُؤَلَّدُ مِثْلَهُ لِمِثْلِهِ ذَكَرَهُ بَعْدَ هَذَا ، ثُمَّ إِنْ لَمْ يَكُنْ لِلْعَبْدِ نَسَبٌ مَعْرُوفٌ يَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْهُ لِأَنَّ وِلَايَةَ الدَّعْوَةِ بِالْمِلْكِ ثَابِتَةٌ وَالْعَبْدُ مُحْتَاجٌ إِلَى النَّسَبِ فَيَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْهُ ، وَإِذَا ثَبَتَ عَتَقَ لِأَنَّهُ يَسْتَبْدُ النَّسَبَ إِلَى وَقْتِ الْعُلُوقِ ، وَإِنْ كَانَ لَهُ نَسَبٌ مَعْرُوفٌ لَا يَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْهُ لِلسَّعْدِ وَيُعْتَقُ إِعْمَالًا لِلْفِظِ فِي مَجَازِهِ عِنْدَ تَعَدُّرِ إِعْمَالِهِ بِحَقِيقَتِهِ ، وَوَجْهُ الْمَجَازِ لَذِكْرُهُ مِنْ بَعْدِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى

ترجمہ

اور جب آقا نے کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ اور اسی پر پکا ہو گیا تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ اور مسئلہ کا یہ حکم اس وقت ہے جب کسی اس جیسے شخص سے اس قسم کو بچہ پیدا ہو سکتا ہو۔ اور اگر اس کہنے والے سے اس قسم کا بچہ پیدا ہی نہ ہو سکتا تو پھر یہ بعد کی بات ہے۔ اور پھر غلام کو نسب معروف نہ ہو تو اس کا نسب اسی شخص سے ثابت ہو جائے گا کیونکہ دعویٰ نسب کی ولایت ملکیت کی وجہ سے ثابت ہو جاتا ہے جبکہ غلام کو نسب کی ضرورت بھی ہے پس آقا سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ اور جب نسب ثابت ہو گیا تو غلام بھی آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ نسب نطفہ قرار پانے والے وقت کی طرف منسوب ہوتا ہے اور جب غلام کا نسب معروف ہو تو آقا کا نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ اب وہ معتذر ہے جبکہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ جب کسی لفظ کے حقیقی معنی پر عمل مشکل ہو جائے تو اس کے مجازی معنی پر عمل کیا جاتا ہے اور اس مجازی دلیل ہم ان شاء اللہ بعد میں ذکر کر دیں گے۔

قاعدہ، حقیقت و مجاز کو ایک جگہ جمع نہیں کیا جائے گا

اگر کسی لفظ کے حقیقی معنی کا اعتبار کیا جائے گا تو مجازی معنی کا اعتبار ساقط ہو جائے گا اور اگر کسی لفظ کے مجازی معنی کا اعتبار کیا جائے گا تو حقیقی معنی کا اعتبار ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ ان دونوں کا اجتماع محال عقلی و شرعی ہے۔

حدیث مبارکہ ہے کہ ایک صاع کو دو صاع کے عوض فروخت کرنے کی ممانعت ہے اس مقام پر صاع کا حقیقی معنی مراد نہیں ہوگا کیونکہ صاع کئی قسم کے ہوتے ہیں اگر کسی نے لکڑی کے صاع کی خرید و فروخت کی تو یہ جائز ہے یہاں پر اس حدیث کا مطلب یہ ہے "جميع ما يحل فيه" یعنی جو کچھ صاع میں ہے اس کی خرید و فروخت منع ہے کیونکہ اگر ایک صاع کچھ روپوں کی بیع دو صاع کچھ روپوں سے کی جائے تو زیادتی ہوگی جو کہ سود ہے۔ اور سود حرام ہے۔ اور اگر یہاں صاع کا حقیقی معنی مراد لیا جائے کہ گندم صاع کی خرید و فروخت بھی منع ہے اور اس اجناس کی بیع بھی منع ہے تو اس طرح حقیقت و مجاز کا اجتماع لازم آئے گا جو کہ اس قاعدے کے مطابق محال ہے۔ (نور الانوار)

اختیار:

عبادات کسی قدر بلند مرتبہ اعمال ہیں کہ بندے کو ابدی بھلائیوں کی طرف منتقل کر دیتی ہیں۔ یہی فرق ہے کہ اخروی بھلائیاں ہمیشہ رہنے والی ہیں جبکہ دنیوی تمام اعمال کا تعلق محض عارضہ کے ساتھ ہے جس کے انقضاء میں کچھ بھی تاخیر نہیں۔

قاعدہ: کلام میں اصل میں حقیقت ہے۔ (الاشباہ)

اس کی وضاحت یہ ہے کہ ایک شخص نے کہا واللہ لا یاکل من هذه الشاة کہ بخدا وہ یہ بکری نہیں کھائے گا۔ تو اس کا اطلاق اس بکری کے گوشت پر ہوگا اگر اس نے بکری کا گوشت کھایا تو وہ حانث ہو جائے گا اور اگر اس نے بکری کا دودھ استعمال کیا تو وہ حانث نہ ہوگا کیونکہ یہاں بکری کا گوشت ہی حقیقت میں بکری کھانے سے مراد لیا جائے گا۔

معنی مجازی کے سقوط کے بیان میں قاعدہ فقہیہ

جب تک حقیقت پر عمل کرنا ممکن ہو تو مجاز پر عمل کرنا ساقط ہو جاتا ہے۔ (نور الانوار)

یہ قاعدہ کلیہ ہے اس سے کثیر مسائل کا استنباط ہوتا ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

لَا يُوَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُوَاخِذُكُم بِمَا عَقَدْتُمُ الْإِيمَانَ .

(المائدہ ۸۹)

ترجمہ اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا۔ (المائدہ ۸۹)

اس آیت سے فقہاء احناف استدلال فرماتے ہیں کہ قسم کو کفارہ صرف یحیٰی منعقدہ کے ٹوٹنے پر ہے کیونکہ اس آیت میں لفظ عقد استعمال ہوا ہے۔ جس سے منعقد اور منعقدہ بنا ہے اور یہی اس کا حقیقی معنی ہے کہ انقاض منعقدہ پر گرفت ہوگی یعنی کفارہ ہوگا اور دوسری قسمیں اس سے مجاز ہیں اور قانون یہ ہے کہ جب تک حقیقی معنی پر عمل کرنا ممکن ہو مجازی معنی ساقط ہو جاتا ہے لہذا دوسری قسموں پر کفارہ نہ ہوگا جیسا کہ اس کی تائید خود دوسری نص سے ہو رہی ہے۔

لَا يُوَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ . (المائدہ ۸۹)

یحیٰی لغو میں اللہ تعالیٰ تمہارا مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ کیونکہ مجاز تو حقیقت سے مستعار ہوتا ہے یعنی ادھر رلیا گیا ہوتا ہے فوراً کوئی بھی مستعار اپنی اصل کے مقابلے میں نہیں آسکتا اور نہ ہی مستعار کو اصل کے ہوتے ہوئے قابل اعتبار سمجھا جاتا ہے۔ لہذا یحیٰی منعقدہ پر کفارہ حقیقی معنی کی وجہ سے ہوگا اور دوسری دونوں قسموں یحیٰی لغو میں کفارہ نہ ہوگا کہ یہاں مجاز قابل اعتبار نہیں آتا کا غلام کو آقا کہنے کا بیان

(وَلَوْ قَالَ هَذَا مَوْلَايَ أَوْ يَا مَوْلَايَ عَتَقَ) . أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِأَنَّ اسْمَ الْمَوْلَى وَإِنْ كَانَ يَنْتَظِمُ النَّاصِرَ وَابْنَ النِّعَمِ وَالْمَوْلَاةُ فِي الدِّينِ وَالْأَعْلَى وَالْأَسْفَلِ فِي الْعَتَاةِ إِلَّا أَنَّهُ تَعَيَّنَ الْأَسْفَلُ فَصَارَ كَأَنَّهُ خَاصٌّ لَهُ ، وَهَذَا لِأَنَّ الْمَوْلَى لَا يَسْتَصِرُّ بِمَمْلُوكِهِ عَادَةً وَلِلْعَبْدِ نَسَبٌ مَعْرُوفٌ فَانْتَفَى الْأَوَّلُ . وَالثَّانِي وَالثَّالِثُ نَوْعٌ مَجَازٍ ، وَالْكَلَامُ لِلْحَقِيقَةِ وَالْإِضَافَةِ إِلَى الْعَبْدِ تُنَافِي كَوْنَهُ مُعْتَقًا فَتَعَيَّنَ الْمَوْلَى الْأَسْفَلُ فَالتَّحَقَّقَ بِالصَّرِيحِ ، وَكَذَا إِذَا قَالَ لِأَمَتِهِ : هَذِهِ مَوْلَاتِي لِمَا بَيَّنَّا ، وَلَوْ قَالَ : عَيْتَ بِهِ الْمَوْلَى فِي الدِّينِ أَوْ الْكَذِبَ يُصَدِّقُ فِي مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى وَلَا يُصَدِّقُ فِي الْقَضَاءِ لِمُخَالَفَتِهِ الظَّاهِرِ ، وَأَمَّا الثَّانِي فَلِأَنَّهُ لَمَّا تَعَيَّنَ الْأَسْفَلُ مُرَادًا التَّحَقُّقَ بِالصَّرِيحِ وَبِالنَّدَاءِ بِاللَّفْظِ الصَّرِيحِ يُعْتَقُ بِأَنَّهُ قَالَ : يَا حُرَّ يَا عَتِيقُ فَكَذَا النَّدَاءُ بِهَذَا اللَّفْظِ . وَقَالَ زُفَرٌ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يُعْتَقُ فِي الثَّانِي لِأَنَّهُ يَفْقِصُ بِهِ الْإِكْرَامَ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِ يَا سَيِّدِي يَا مَالِكِي . فَلَمَّا : الْكَلَامُ لِحَقِيقَتِهِ وَقَدْ أُمِكنَ الْعَمَلُ بِهِ ، بِخِلَافِ مَا ذَكَرَهُ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ مَا يَخْتَصُّ بِالْعَتَقِ فَكَانَ إِكْرَامًا مَحْضًا .

ترجمہ

اور جب کسی آقا نے اپنے غلام سے کہا کہ یہ میرا آقا ہے یا کہا یہ اے میرے آقا تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ آقا کا لفظ مددگار، پیچازاد بھائی، دینی معاملات، اعلیٰ اعناق، اور اسفل وغیرہ سب کو شامل ہے مگر یہاں اسفل کا تعین

سہ پہل وہ اس کیسے اسم خاص ہو گیا ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آقا عام طور پر اپنے غلام سے مدد نہیں مانگتا اور پھر غلام کو نسب بھی معروف ہے لہذا یہاں پسند اور دوسرا معنی ختم ہو گیا اور تیسرے معنی میں ایک طرح جوڑ ہے۔ جبکہ کلام میں اصل معنی حقیقی ہے اور جب غلام کی اضافت اس کے معنی ہونے منافی ہے۔ لہذا یہاں آقا اسل کیلئے متعین ہو گیا اور یہ صریح کے ساتھ منہ وادانہ ہو گیا۔ اور اسی طرح جب آقا نے اپنی باندی سے کہا کہ یہ میری آقا ہے اس کی دلیل بھی ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور جب آقا نے کہا کہ میں نے اسی دینی مولات مراد لئے تھے یا جھوٹ مراد لیا تھا تو اس کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اس کی تصدیق کر لی جائے گی۔ البتہ فیصلے کے طور پر اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ یہ ظاہر کے خلاف ہے اور ابنت دوسری صورت جس میں اسل متعین ہو گیا تو یہ بھی صریح کے ساتھ ملنے والا ہے۔ اور لفظ صریح کے پکارنے سے غلام آزاد ہو جاتا ہے کیونکہ جب آقا کہے آزاد اے متیق، پس اس غلام آزاد ہو جائے گا۔ جبکہ حضرت امام زفر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دوسری صورت میں غلام آزاد نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کے قول یا سیدی، یا بکلی کہنے سے احترام مراد ہے۔ جبکہ ہماری پس یہ ہے کہ کلام حقیقی معنی کیلئے ہوتا ہے۔ اور حقیقی معنی پر عمل کرنا بھی ممکن ہے۔ جبکہ حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے کیونکہ اس میں کوئی ایسا کلام ہی نہیں ہے جو آزادی کے ساتھ خاص ہو پس وہ عزت کے پیش نظر ہوگا۔

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (لَا يَقْبَلُ أَحَدُكُمْ: أَطْعِمَ رَبَّكَ وَصًا رَبَّكَ وَلَيَقْبَلُ: سَيِّدِي مَوْلَايَ، وَلَا يَقْبَلُ أَحَدُكُمْ: عَبْدِي أَمَتِي، وَلَيَقْبَلُ: فَتَايَ وَقَتَايَ وَغُلَامِي) البخاری، التمس، باب كراهية التطاول على الرقيق، ج 2552: صحيح مسلم، الالفاظ من الادب و غيرها، باب حكم اطلاق لفظة العبد والامة والمولى والسيد، ج (2249):

کوئی شخص یوں نہ کہے، اپنے رب کو کھانا کھلا، اپنے رب کو وضو کرا، بلکہ یوں کہنا چاہیے میرا آقا اور میرا مولا۔ اور کوئی یوں نہ کہے، میرا بندہ اور میری باندی، بلکہ یوں کہنا چاہیے میرا غلام، میرا خادم، میری خادمہ۔

چونکہ اللہ تعالیٰ ہی بندوں کا رب اور ان پر تصرف کرنے والا ہے۔ لوگ اسے تسلیم کریں یا نہ کریں، درحقیقت سب اسی کے بندے ہیں۔ اس لیے غلام اور لونڈی کو اپنا بندہ یا اپنی باندی کہنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس طرح بندگی کی نسبت اپنی طرف ہو جاتی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے ادب اور تعظیم ربوبیت کے منافی ہے، اس لیے اکثر اہل علم کا قول ہے کہ میرا بندہ اور میری باندی وغیرہ الفاظ جائز نہیں۔ البتہ بعض اہل علم نے ایسے الفاظ کو محض مکروہ لکھا ہے۔

اس حدیث میں جو ممانعت بیان ہوئی ہے اس کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ آیا یہ مذکورہ کلمات کہنا حرام ہیں یا مکروہ؟ کیونکہ دراصل ان کا تعلق، ادب سے ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ کسی کو عبدی (میرا بندہ) امّتی (میری باندی) یا اطعمہم ربّک (اپنے رب کو کھانا کھلا) کہنا جائز نہیں۔ البتہ لفظ رب کی نسبت و اضافت، بے جان چیز کی طرف کی جاسکتی ہے جیسے ربّ

اللہ (گھر کا مالک) ہے کیونکہ اس استعمال میں عبودیت کا تصور ہی نہیں ہے۔

اس حدیث میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ آقا کو سید اور مولیٰ کہنا چاہیے کیونکہ اضافت اور نسبت کے ساتھ لفظ سید کسی انسان کے لیے بولا جاسکتا ہے۔ لفظ السید اللہ تعالیٰ کا نام بھی ہے اور مخلوق کے لیے بھی بولا جاتا ہے لیکن دونوں کے مفہوم میں بہت زیادہ فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا مفہوم وہی ہوگا جو اس کے شایان شان ہے اور مخلوق کے لیے وہ جو اس کی قدرت و طاقت کے مطابق ہے۔ اسی طرح لفظ مولیٰ کے بھی کئی معانی ہیں۔ اور لفظ السید کی صریح لفظ مولیٰ بھی اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور یہ لفظ کسی انسان کے لیے بھی بولا جاسکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے بولے جانے میں اور مخلوق کے لیے بولے جانے میں بہت فرق ہے۔ مخلوق کے لیے اس کا استعمال، محدود اور اس کی قدرت اور مقام کے لحاظ سے ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا مفہوم اس کی عظیم ہدایت اور سطنت کے مطابق ہوگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ کراہت تنزیہی مراد ہے۔ کیوں کہ غلام سے اپنے کو اعلیٰ سمجھنا ایک طرح کا تکبر ہے۔ غلام بھی ہماری طرح خدا کا بندہ ہے۔ آدمی اپنے تئیں جانور سے بھی بدتر سمجھے غلام تو آدمی ہے اور ہماری طرح آدم کی اولاد ہے اور غلام لونڈی اس وجہ سے کہن مکروہ ہے کہ کوئی اس سے حقیقی معنی نہ سمجھے۔ کیوں کہ حقیقی بندگی تو سوائے خدا کے اور کسی کے لیے نہیں ہو سکتی۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے آیات قرآنی نقل کی ہیں جن سے لفظ غلام، لونڈی اور سید کے الفاظ استعمال کرنے کا جواز ثابت کیا ہے۔ یہ سب مجازی معانی میں ہیں۔ لفظ عبد، مملوک اور سید آیات قرآنی واحد نبوی میں ملتے ہیں جیسا کہ یہاں منقول ہیں۔ ان سے ان الفاظ کا مجازی معانی میں استعمال ثابت ہوا۔ قال ابن بطال جاز ان يقول الرجل عبدی او امتی بقوله تعالیٰ والصالحین من عبادکم و امتکم انما مہی عہ علی سبیل الغلظة لا علی سبیل التحريم و کرہ ذلك لاشترائك للفظ اذ يقال عبد الله وامة الله فعلى هذا لا ينبغي التسمية بنحو عبد الرسول و عبد السی و نحو ذلك مما يضاف العبد فيه الى غير الله تعالیٰ (حاشیہ بخاری شریف)

وقوله عبدی، او امتی. وقال الله تعالیٰ (و الصالحین من عبادکم و امتکم) وقال (عبدا مملوکا) (والفبا سیدھا لدی الباب) وقال (من فیتاکم المؤمنات) وقال البی صلی اللہ علیہ وسلم "قوموا الی سیدکم." و (اذ کونی عند ربک) سیدک "و من سیدکم."

اور سورہ نور میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اور تمہارے غلاموں اور تمہاری باندیوں میں جو نیک بخت ہیں اور (سورہ نحل میں فرمایا) مملوک غلام نیز (سورہ یوسف میں فرمایا) اور دونوں (حضرت یوسف اور زلیخا) نے اپنے آقا (عزیر مصر) کو دروازے پر پایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے سوہنساء میں (فرمایا تمہاری مسلمان باندیوں میں سے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اپنے سردار کے لینے کے لیے انھو (سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے لیے) اور اللہ تعالیٰ نے سورہ یوسف میں فرمایا (یوسف نے اپنے



جیل خانہ کے ساتھی سے کہا تھا کہ) اپنے سردار (حاکم) کے یہاں میرا ذکر کر دینا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (بوسل سے دریافت فرمایا تھا کہ) تمہارا سردار کون ہے؟

آق کا غلام کو بھائی یا بیٹا کہنے کا بیان

(وَلَوْ قَالَ يَا أَبِیْ أَوْ يَا أخی لَمْ یَعْنِ) لِأَنَّ السَّدَاءَ لِلْبِغْلَامِ الْمُنَادَى إِلَّا أَنَّهُ إِذَا كَانَ بِوَصْفٍ یُمْکِنُ إِبْنَانُهُ مِنْ جِهَتِهِ كَانَ لِتَحْقِيقِ ذَلِكَ الْوَصْفِ فِی الْمُنَادَى اسْتِحْضَارًا لَهُ بِالْوَصْفِ الْمَخْصُوصِ كَمَا فِی قَوْلِهِ يَا خُرُّ عَلَى مَا بَنَاهُ، وَإِذَا كَانَ السَّدَاءُ بِوَصْفٍ لَا یُمْکِنُ إِبْنَانُهُ مِنْ جِهَتِهِ كَانَ لِلْبِغْلَامِ الْمُحَرَّرِ دُونَ تَحْقِيقِ الْوَصْفِ فِیهِ لِتَعَذُّرِهِ وَالْبُؤُوءُ لَا یُمْکِنُ إِبْنَانُهَا حَالَةَ السَّدَاءِ مِنْ جِهَتِهِ لِأَنَّهُ لَوْ انْحَلَقَ مِنْ مَاءٍ غَیْرِهِ لَا یَكُونُ ابْنًا لَهُ بِهَذَا السَّدَاءِ فَكَانَ لِمُجَرَّدِ الْبِغْلَامِ.

وَيُرْوَى عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ شَاذًا أَنَّهُ یُعْتَقُ فِيهِمَا وَالْإِعْتِمَادُ عَلَى الظَّاهِرِ. وَلَوْ قَالَ: يَا ابْنُ لَا یُعْتَقُ لِأَنَّ الْأَمْرَ كَمَا أَخْبَرَ فَإِنَّهُ ابْنُ أَبِيهِ، وَكَذَا إِذَا قَالَ: يَا بُنْتِی أَوْ يَا بُنْتِیَ لِأَنَّهُ تَصْغِيرُ الْإِبْنِ وَالْبِنْتِ مِنْ غَیْرِ إِصَافَةٍ وَالْأَمْرُ كَمَا أَخْبَرَ.

ترجمہ

اور جب کسی آقا نے کہا کہ اے میرے بیٹے، اے میرے بھائی تو غلام آزاد نہیں ہوگا۔ کیونکہ ندامن دی و مطلع کرنے کیسے ہوتی ہے۔ مگر جس وقت وہ کسی ایسے وصف کے ساتھ ہو جس کو پکارنے والے کی طرف ثابت کرنا ممکن ہو تو تب منادی میں وہ وصف ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ من دی کو اسی وصف کے ساتھ ضرور کیا جا رہا ہے جس طرح کسی آقا نے کہا اے آزاد کہ جس کو ہم بیان کر چکے ہیں اور جب نداء کسی ایسے وصف کے ساتھ ہو جس میں نداء دینے والے کی طرف ثابت کرنا ممکن نہ ہو تو یہاں پر نداء صرف اطلاع کیسے ہوگی من دی میں ثبوت وصف کیسے نہ ہوگی۔ کیونکہ یہاں اثبات ممکن نہیں ہے۔ جبکہ بیٹا ہونا ایک ایسا وصف ہے جس کو پکارنے وقت ثبوت من دی ممکن نہیں ہے کیونکہ اگر وہ کسی دوسرے کے نطفہ پیدا ہوا ہے تو اس نداء سے وہ اس کا بیٹا نہ ہوگا۔ پس یہ نداء صرف اطلاع کیسے ہوگی۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے شاذ ایک روایت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ دونوں صورتوں میں غلام آزاد ہو جائے گا۔ البتہ اعتماد ہر الروایت پر ہے۔ اور جب کسی آقا نے اپنے غلام کو بیٹا کہا تو وہ غلام آزاد نہ ہوگا کیونکہ یہودی حکم ہے جس کی اس نے خبر دی ہے۔ کیونکہ وہ غلام اپنے باپ کا بیٹا ہے اور جب آقا نے "يَا بُنْتِی" یا "يَا بُنْتِیَ" کہا کیونکہ یہاں اضافت بغیر ابن و بنت کے تصغیر

ہے اور یہ حکم خبر کے مطابق ہے۔

نداء کا فقہی مفہوم

کسی کی توجہ اپنی طرف کرنے کیسے نداء کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کیسے مخصوص حروف استعمال کیے جاتے ہیں۔ جنہیں حروف نداء کہتے ہیں اور جسکی توجہ مطلوب ہو اسے منادی کہتے ہیں۔

حروف نداء: یہ پانچ ہیں۔ یا، ایا، ہیا، ای، اور ہمزہ مفتوحہ۔

ن کا استعمال: یا: قریب و بعید اور متوسط سب کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ ایا و ہیا: یہ صرف بعید کیسے استعمال ہوتے ہیں۔ ای، ہمزہ مفتوحہ: یہ قریب کیلئے ہیں۔

منادی:

منادی ایسا اسم ہے جو حروف نداء کے بعد آتا ہے۔ اور اس سے منادی کی توجہ مطلوب ہوتی ہے۔ جیسے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

منادی کی اقسام و اعراب منادی کی پانچ اقسام ہیں

۱. مفرد معرف یعنی جب منادی معرفہ ہو، مضاف اور مشابہ مضاف نہ ہو

تو اس صورت میں مرفوع ہوگا۔ جیسے یا زید۔

۲. نکرہ معینہ یعنی جب نکرہ معین ہو۔ تو اس صورت میں بھی مرفوع ہوگا

جیسے یا رجل۔

۳. نکرہ غیر معینہ یعنی جب منادی نکرہ غیر معین ہو گا تو اس صورت میں منصوب

ہوگا۔ جیسے کسی اندھے کا کہنا یا رجلاً خذ بیدی (اے کوئی آدمی میرا ہاتھ

پکڑ)۔

۴. مضاف: یعنی جب منادی مضاف ہو تو اس صورت میں بھی منصوب ہوگا۔ جیسے یا سید البشر۔

۵. مشابہ مضاف: یعنی وہ اسم جو مضاف تو نہ ہو لیکن مضاف کی طرح دوسرے اسم سے ملے بغیر مکمل نہ ہو اور اپنے بعد میں عامل

ہو تو اس صورت میں بھی منصوب ہوگا جیسے یا طالعاً جبلاً (اے پہاڑ پر چڑھنے والے)

حروف نداء اذغو (FONT) فعل کے قائم مقام ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ منادی

اذغو فعل محذوف کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے محلاً ہمیشہ منصوب ہوتا ہے

اگرچہ بعض اوقات لفظاً مرفوع ہوتا ہے۔ جیسے **يَا زَيْدُ** یعنی **اَدْعُوْ زَيْدًا**۔

حروف نداء کے چند ضروری قواعد:

۱۔ اسم جلالیت پر حرف یا ء داخل ہوتا ہے جیسے **يَا اَللّٰهُ**۔

اگر مذکورہ حرف باللام ہو تو حرف نداء اور منادی کے درمیان مذکر کی صورت میں آیتھا اور مؤنث کی صورت میں آیتھا کا ضافہ کرتے ہیں۔ جیسے **يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ** اور **يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ**۔

۲۔ مقام دعا میں حرف نداء یا کو گرا کر اسم جلالیت کے آخر میں میم مشدد کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ جیسے **اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا**۔

۳۔ کبھی منادی کو حذف کر دیا جاتا ہے جب کہ قرینہ پایا جائے۔ جیسے **اَلَا يَا اسْتَجِدُّوْا** یہاں لفظ **قَوْمُ** منادی محذوف ہے اور قرینہ حرف نداء کا فعل پر داخل ہونا ہے۔

۴۔ کبھی کبھی حرف نداء کو بھی حذف کر دیا جاتا ہے جیسے **يُؤَسِّفُ اَعْرِضْ عَنْ هَذَا** اصل میں **يَا يُؤَسِّفُ اَعْرِضْ عَنْ هَذَا** اور **اَلْسَلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ** اصل میں **اَلْسَلَامُ عَلَيْكَ يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ** تھا۔

۵۔ اگر منادی **غُلَامٌ**، **رَبٌّ**، **اُمٌّ** وغیرہ الفاظ ہوں اور یہ یائے متکلم کی طرف مضاف بھی ہوں تو انکو چار طریقوں سے پڑھ سکتے ہیں۔ **يَا غُلَامِيْ**، **يَا غُلَامِيْ**، **يَا غُلَامَ**، **يَا غُلَامًا** اور اسی طرح **يَا رَبِّيْ**، **يَا رَبِّيْ**، **يَا رَبِّ**، **يَا رَبَّنَا**، اسی طرح مذکورہ دیگر الفاظ بھی۔

۶۔ اگر منادی مفرد معرفہ ہو اور اس کے بعد **اِنَّ** یا **بِنْتُ** کا لفظ آجائے تو منادی **اِنَّ** اور **بِنْتُ** سمیت منصوب جبکہ بعد والا علم مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہو گا۔ جیسے **يَا عَلِيُّ اِبْنُ اَبِي طَالِبٍ** اور **يَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ترکیب: **يَا غُلَامُ زَيْدُ**

۱۔ حرف نداء قائم مقام **اَدْعُوْ** فعل کے **اَدْعُوْ** فعل اس میں **اَنَا** ضمیر فاعل، **غُلَامٌ** مضاف اور **زَيْدُ** مضاف، مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر منادی قائم مقام مفعول بہ ہوا، **اَدْعُوْ** فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ندائیہ ہوا۔

ترکیب: **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ**

۲۔ حرف ندا قائم مقام **اَدْعُوْ** فعل کے، **اَدْعُوْ** فعل اس میں **اَنَا** ضمیر اس کا فاعل، **اَيُّ** مضاف **ہَا** ضمیر مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر موصوف **اَلنَّبِيُّ** صفت موصوف اپنے صفت سے ملکر منادی قائم مقام مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور قائم مقام مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ **جَاهِدِ** فعل امر اس میں **اَنْتَ** ضمیر فاعل، **اَلْکُفَّارَ** اس کا مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر مقصود بالنداء ہوا۔

جب کسی نے اپنی کنیز سے کہا، اے زانیہ، اے پاگل یا کہا اس واپیات نے ایسا کیا پھر اس کنیز کو بیچا خریدار نے ان عیوب میں سے کوئی عیب پایا اور اسے پتہ چل گیا کہ بائع نے کسی موقع پر ایسا کہا تھا تو وہ توں عیب کا اقرار قرار دے کر بوڈی کو واپس نہیں کر سکتا کہ وہ الفاظ ندائیں یا گالی اون سے مقصود یہ نہیں کہ وہ ایسی ہی ہے اور اگر مالک نے یہ کہا ہے کہ یہ چوٹی ہے یا زانیہ ہے یا پاگل ہے تو مشتری واپس کر سکتا ہے کہ یہ اقرار ہے۔ (درر الاحکام، ج ۲، ص ۳۷۰، بیروت)

اکثر گاؤں والے یا تانگے والے جانوروں کو ایسے عیوب کے ساتھ پکارتے ہیں جن کی وجہ سے اون کو واپس کیا جا سکتا ہے وہاں بھی وہی صورت ہے کہ اگر ان الفاظ سے گالی دینا مقصود ہوتا ہے یا پکارنا مقصود ہوتا ہے تو عیب کا اقرار نہیں اور اگر خبر دینا مقصود ہوتا ہے تو اقرار ہے اور مشتری واپس کر سکتا ہے۔

کلام کے حقیقی معنی کے محال ہونے کا بیان

(وَإِنْ قَالَ لِغُلَامٍ لَا يُولَدُ مِثْلُهُ لِمِثْلِهِ هَذَا إِنِّي عَتَقْتُ عَبْدًا أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ) وَقَالَ : لَا يُعْتَقُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَهُمْ أَنَّهُ كَلَامٌ مُحَالٌ الْحَقِيقَةُ فَيَرُدُّ فَيُلْغُو كَقَوْلِهِ أَعَقَّقْتُ قَبْلَ أَنْ أُخْلَقَ أَوْ قَبْلَ أَنْ تُخْلَقَ .

وَلَا بِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ كَلَامٌ مُحَالٌ بِحَقِيقَتِهِ لِكُنْهٖ صَحِيحٌ بِمَجَازِهِ لِأَنَّهُ إِخْبَارٌ عَنْ حُرَّتِيهِ مِنْ حِينَ مَلَكَهُ ، وَهَذَا لِأَنَّ الْبُتُوَّةَ فِي الْمَمْلُوكِ سَبَبٌ لِحُرَّتِيهِ ، إِمَّا إِجْمَاعًا أَوْ

صَلَّةٌ لِلْقَرَابَةِ، وَإِطْلَاقُ السَّبِّ وَإِرَادَةُ الْمُسَبِّبِ مُسْتَجَارٌ فِي اللُّغَةِ تَجَوُّزًا، وَلَئِنْ  
الْحُرِّيَّةَ مُلَازِمَةً لِلْبُؤْسَةِ فِي الْمَمْلُوكِ وَالْمُشَابَهَةَ فِي وَصْفِ مُلَازِمٍ مِنْ طَرِيقِ الْمَجَازِ  
عَلَى مَا عُرِفَ فَيَحْتَمِلُ عَلَيْهِ تَحَرُّرًا عَنِ الْإِلْعَاءِ، بِخِلَافِ مَا اسْتَشْهَدَ بِهِ لِأَنَّهُ لَا وَجْهَ لَهُ  
فِي الْمَجَازِ فَتَعَيَّنَ الْإِلْعَاءُ، وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ لِغَيْرِهِ قَطَعْتَ يَدَكَ فَأَحْرَحَهُمَا  
صَحِيحَتَيْنِ حَيْثُ لَمْ يُحْعَلْ مَجَازًا عَنِ الْإِفْرَاقِ بِالْمَالِ وَالْزِيَامِ وَإِنْ كَانَ الْقَطْعُ سَبَبًا  
لِوُجُوبِ الْمَالِ لِأَنَّ الْقَطْعَ حَقًّا سَبَبٌ لِيُوجِبَ مَالٍ مَحْصُوصٍ وَهُوَ الْأَرْضُ، وَأَنَّهُ  
يُخَالِفُ مُطْلَقَ الْمَالِ فِي الْوَصْفِ حَتَّى وَجَبَ عَلَى الْعَاقِلَةِ فِي سَتِينَ وَلَا يُمَكِّنُ إِبْنَاتُهُ  
بِدُونِ الْقَطْعِ، وَمَا أُمَكِّنُ إِبْنَاتُهُ فَالْقَطْعُ لَيْسَ بِسَبَبٍ لَهُ، أَمَّا الْحُرِّيَّةُ فَلَا تَحْتَلِفُ ذَاتًا  
وَحُكْمًا فَأُمَكِّنُ جَعْلُهُ مَجَازًا عَنْهُ.

ترجمہ

اور جب آقا نے کسی ایسے غلام کو کہا اس جیسا غلام اس سے پیدا نہیں ہو سکتا "لَا يُؤْلَدُ مِثْلُهُ لِمِثْلِهِ هَذَا أَيْسَى" کہا تو حضرت  
امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ آزاد ہو جائے گا جبکہ صاحبین اور ایک قول کے مطابق امام شافعی کے نزدیک وہ آزاد نہ ہوگا۔ ان  
فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ یہ ایک ایسا کلام ہے جس کو حقیقی معنی پر محمول کرنا ناممکن ہے۔ بہذا وہ غلام اور فضول ہو جائے گا جس طرح آقا کا  
یہ قول ہے کہ میں نے تجھے اپنی پیدائش سے پہلے یا تیری پیدائش سے پہلے آزاد کر دیا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ کلام اگر چاہے حقیقی معنی میں ناممکن ہے لیکن اس کا استعمال مجاز میں صحیح ہے  
کیونکہ اس میں آقا کے مالک ہونے میں غلام کی آزادی کی خبر ہے۔ اور اس حکم دلیل یہ ہے کہ اس کی آزادی کا سبب غلام کا بیٹا ہونا  
ہے۔ یہ پھر جماع کے سبب یا قرابت کے صلہ کے سبب ہے اور یہاں سبب بول کو مسبب مراد لیا گیا ہے۔ اور یہ لغت عرب کے مطابق  
ہے۔ اور یہ دلیل بھی ہے کہ غلامی میں بیٹا ہونے کیسے آزادی ضروری ہے جبکہ لازم میں تشبیہ یا طرق مجاز میں سے ایک اصول ہے  
جس طرح معلوم ہو چکا ہے پس اس کلام کو لغو سے بچانے کیلئے مجاز پر محمول کیا جائے گا۔

جبکہ اس مسئلہ کے خلاف ہے جس سے استشہاد پیش کیا گیا ہے کیونکہ اس میں مجاز کا کوئی اصول نہیں ہے تو اس کا لغو ہونا وہاں  
متعین ہے۔ اور جبکہ یہ اس صورت کے خلاف ہے کہ جب کسی شخص نے دوسرے سے کہا کہ میں نے تیرا ہاتھ کاٹ دیا لیکن اس نے  
اپنے دونوں ہاتھوں کو سلامتی کے ساتھ نکال تو اسے اقرار بہ مال اور لزوم مال سے مجاز نہیں قرار دیا جاسکتا کیونکہ ہاتھ کا کاٹنا اگرچہ مال  
مخصوص یعنی تاوان کے سبب واجب ہے۔ اور یہ ایک وصف میں مطلق مال کے خلاف ہے۔ اسی لئے عاقلہ پر مال دو سال کے  
جرم سے واجب ہوتا ہے۔ جبکہ ہاتھ کاٹنے کے ساتھ اس کا اثبات ممکن نہیں ہے اور یہاں جس کا اثبات ممکن ہے اور کاٹنا اس کا

جب نہیں ہے۔ البتہ آزادی تو وہ ذات اور حکم کے اعتبار سے مختلف نہیں ہوتی۔ پس ابن سے مجازی طور پر حریت مراد لینا ممکن ہے۔

### غلام کو غلام کہہ کر پکارنے کی ممانعت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے غلام  
کو غلامی (کو) یوں نہ کہے کہ میرا بندہ یا میری بندی اور نہ ہی مملوک یہ کہیں کہ میرا رب یا میری ربیہ۔ مالک اپنے غلام کو کہے میرے  
جوان و میری لڑکی اور غلام کو چاہیے کہ کہے اے میرے سردار اور اسے میری سردارنی۔ کیونکہ تم سب مملوک ہو۔ و رب تو اللہ تعالیٰ  
ہیں۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 1567)

اللہ کے رسول ﷺ نے غلاموں کو غلام کہہ کر پکارنے سے بھی منع کیا ہے، اس میں حقارت کا جو پہلو مضمر ہے، وہ واضح ہے۔  
آپ ﷺ نے غلاموں کے لئے بڑے ہی خوب صورت القاب وضع کئے اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی ہدایت فرمائی کہ تم میں سے  
کوئی میرا غلام یا میری بندی نہ کہے اور نہ غلام میرا رب کہے۔ مالک کو میرے بیٹے، میری بیٹی کہنے چاہئے اور غلام کو چاہئے کہ میرا  
سردار یا سردارنی کہے۔ کیوں کہ تم سب مملوک ہو اور رب تو سب کا اللہ تعالیٰ ہے۔

غلامی انسان کی فطرت میں داخل نہیں، یہ ایک اتفاقی حادثہ ہے۔ اسلام نے اس کی وجہ سے غلاموں کو دل برداشتہ ہونے سے  
روکا ہے اور ان کے لئے حوصلہ افزا الفاظ استعمال کئے ہیں۔ آج کی نام نہاد و مہذب قوم غلامی کی معنت ختم کرنے کے باوجود اپنے  
محت لوگوں کے ساتھ بڑا ہی اذیت ناک رویہ اختیار کرتی ہے اور انہیں کسی خاطر میں نہیں لاتی اور ان کے ساتھ جس زیادتی کا  
مظاہرہ کیا جاتا ہے، اس کے ذکر سے بھی روٹنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب کہ اسلام اپنے خادموں کو بھی گھر کا ایک فرد شمار کرتا  
ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی دنوں میں غلام اپنے لئے آزادی کی بجائے غلامی کو ہی پسند کرتے تھے، وہ جانتے تھے کہ  
آزادی کے بعد انہیں وہ حمایت نہیں مل سکے گی اور اس امتحان کی نظر سے محروم ہو جائیں گے جو انہیں غلامی کی حالت میں حاصل  
ہے۔ آزادی کے بعد وہ خود مددگار ہوں گے، جب کہ غلامی کی صورت میں معاشرہ ان کا محافظ ہے۔

### آقا کا اپنے غلام باندی کو ماں باپ قرار دینے کا بیان

وَلَوْ قَالَ: هَذَا أَبِي أَوْ أُمِّي وَمِثْلُهُ لَا يُؤْلَدُ لِمِثْلِهِمَا فَهُوَ عَلَى الْخِلَافِ لِمَا بَيَّنَّا، وَلَوْ قَالَ  
لَصَبِي صَغِيرٍ: هَذَا جَدِّي قِيلَ: هُوَ عَلَى الْخِلَافِ.

وَقِيلَ: لَا يُعْتَقُ بِالْإِجْمَاعِ لِأَنَّ هَذَا الْكَلَامَ لَا مُوجِبَ لَهُ فِي الْمِلْكِ إِلَّا بِوَاسِطَةِ وَهُوَ  
الْأَبُ وَهِيَ غَيْرُ ثَابِتَةٍ فِي كَلَامِهِ فَتَعَدَّرَ أَنْ يُحْعَلَ مَجَازًا عَنِ الْمَوْجِبِ. بِخِلَافِ الْبُؤْسَةِ  
وَالْبُؤْسَةِ لِأَنَّ لَهُمَا مُوجِبًا فِي الْمِلْكِ مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ، وَلَوْ قَالَ: هَذَا أَخِي لَا يُعْتَقُ فِي  
ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ، وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ يُعْتَقُ. وَوَجْهُ الرِّوَايَتَيْنِ مَا بَيَّنَّا.

وَلَوْ قَالَ لَعَبْدِهِ هَذَا ابْنِي فَقَدْ قِيلَ عَلَى الْخِلَافِ ، وَقِيلَ هُوَ بِالْإِجْمَاعِ لِأَنَّ الْمُشَارَ إِلَيْهِ لَيْسَ مِنْ حَنْسِ الْمُسَمَّى فَتَعَلَّقَ الْحُكْمُ بِالْمُسَمَّى وَهُوَ مَعْلُومٌ فَلَا يُعْتَرُ وَقَدْ حَقَّقْنَاهُ فِي النِّكَاحِ .

ترجمہ

اور جب کسی آقا نے اپنے غلام سے کہا کہ یہ میرا باپ ہے یا باندی سے کہا کہ یہ میری ماں ہے اور اس طرح کا غلام اس کا باپ یا اس طرح کی باندی اس کی ماں نہیں ہو سکتی تو اس مسئلے کا اختلاف بھی مذکورہ اختلاف کی طرح ہے اسی دلیل کے پیش نظر جس کو ہم بیان کرتے ہیں۔

اگر کسی شخص نے چھوٹے بچے سے کہا کہ یہ میرا دادا ہے تو ایک قول کے مطابق یہ اختلاف شدہ قول ہے اور دوسرے قول کے مطابق وہ بہ اتفاق فقہاء آزاد نہ ہوگا کیونکہ غلام کی ملکیت میں اس حکم کے بغیر کسی ذریعے کے کچھ واجب کرنے والا نہیں ہے۔ جبکہ اس کلام میں کوئی ذریعہ ثابت ہی نہیں ہے۔ پس اس کو مجازی طور آزادی کا موجب قرار دینا ناممکن ہے۔ جبکہ باپ ہونے یا بیٹا ہونے میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ وہاں پر بغیر کسی ذریعے کے بھی غلام میں یہ دونوں اسباب آزادی کو واجب کرنے والے ہیں اور جب آقا نے ہذا الحی کہا تو ظاہر الروایت کے مطابق غلام آزاد نہ ہوگا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے بیان کردہ ایک روایت کے مطابق وہ آزاد ہو جائے گا۔ اور ان دونوں روایات کی دلیل ہم بیان کر چکے ہیں اور جب آقا نے اپنے غلام سے کہا کہ یہ میری بیٹی ہے تو ایک قول یہ ہے کہ اس میں بھی اختلاف ہے اور دوسرے قول کے مطابق یہ اجماعی مسئلہ ہے کیونکہ یہاں مشارالہ مذکورہ کی جنس ہی نہیں ہے جبکہ حکم کا تعلق مذکور (مسی) کے ساتھ ہے اور مسی معدوم ہے پس یہ کلام غیر معتبر ہے اور کتاب نکاح میں ہم اس مسئلہ کی تحقیق بیان کرتے ہیں۔

قرائن سے استدلال مسائل کا فقہی بیان

صاحب ہدایہ کی مذکورہ عبارت ”اگر کسی شخص نے چھوٹے بچے سے کہا کہ یہ میرا دادا ہے تو ایک قول کے مطابق یہ اختلاف شدہ قول ہے اور دوسرے قول کے مطابق وہ بہ اتفاق فقہاء آزاد نہ ہوگا کیونکہ غلام کی ملکیت میں اس حکم کے بغیر کسی ذریعے کے کچھ واجب کرنے والا نہیں ہے۔ جبکہ اس کلام میں کوئی ذریعہ ثابت ہی نہیں ہے۔ پس اس کو مجازی طور آزادی کا موجب قرار دینا ناممکن ہے۔ جبکہ باپ ہونے یا بیٹا ہونے میں ایسا نہیں ہے۔“ سے معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ میں قرائن کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے اور خلاف قرینہ کسی دلیل کو بھی ساقط کیا جاسکتا ہے۔

باندی کو مطلقہ یا باندہ کہنے کا بیان

( وَإِنْ قَالَ لِأَمَّتِي : أَنْتِ طَالِقٌ أَوْ بَائِنٌ أَوْ تَحْمَرِي وَنَوَى بِهِ الْعِتْقَ لَمْ تَعْتَقْ ) وَقَالَ

الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعْتَقُ إِذَا نَوَى ، وَكَذَا عَلَى هَذَا الْخِلَافِ سَابِقُ الْفَاطِ الصَّرِيحِ وَالْكِسَايَةِ عَلَى مَا قَالَ مَشَايِحُهُمْ رَحِمَهُمُ اللَّهُ لَهُ أَنَّهُ نَوَى مَا يَحْتَمِلُهُ لَفْظُهُ لِأَنَّ بَيْنَ الْمَلِكَيْنِ مُوَافَقَةً إِذْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِلْكُ الْعَيْنِ ، أَمَّا مِلْكُ الْيَمِينِ فَظَاهِرٌ ، وَكَذَلِكَ مِلْكُ النِّكَاحِ فِي حُكْمِ مِلْكِ الْعَيْنِ حَتَّى تَكَانَ التَّابِيدُ مِنْ شَرْطِهِ وَالتَّابِيتُ مُبْطِلًا لَهُ وَعَمَلُ اللَّفْظَيْنِ فِي إِسْقَاطِ مَا هُوَ حَقُّهُ وَهُوَ الْمِلْكُ وَلِهَذَا يَصِحُّ التَّعْلِيقُ فِيهِ بِالشَّرْطِ ، أَمَّا الْأَحْكَامُ فَتَثْبُتُ سَبَبٌ سَابِقٌ وَهُوَ كَوْنُهُ مُكَلَّفًا ، وَلِهَذَا يَصْلُحُ لَفْظُهُ الْعِتْقُ وَالتَّخْرِيرُ كَلَامًا عَنِ الطَّلَاقِ فَكَذَا عَكْسُهُ .

وَلَنَا أَنَّهُ نَوَى مَا لَا يَحْتَمِلُهُ لَفْظُهُ لِأَنَّ الْإِعْتِقَاقَ لُغَةً إِثْبَاتُ الْقُوَّةِ وَالطَّلَاقُ رَفْعُ الْقَيْدِ ، وَهَذَا لِأَنَّ الْعَبْدَ الْحَقَّ بِالْجَمَادَاتِ وَبِالْإِعْتِقَاقِ يَحْيَا فَيَقْدِرُ ، وَلَا كَذَلِكَ الْمَنْكُوحَةُ فَإِنَّهَا قَادِرَةٌ إِلَّا أَنَّ قَيْدَ النِّكَاحِ مَانِعٌ وَبِالطَّلَاقِ يَرْتَفِعُ الْمَانِعُ فَتُظْهِرُ الْقُوَّةُ وَلَا خَفَاءَ أَنَّ الْأَوَّلَ أَقْوَى ، وَلَئِنْ مِلْكُ الْيَمِينِ فَوْقَ مِلْكِ النِّكَاحِ فَكَانَ إِسْقَاطُهُ أَقْوَى وَاللَّفْظُ يَصْلُحُ مَجَازًا عَمَّا هُوَ دُونَ حَقِيقَتِهِ لَا عَمَّا هُوَ فَوْقَهُ ، فَلِهَذَا امْتَنَعَ فِي الْمُنْتَازِعِ فِيهِ وَانْتَسَاغَ فِي عَكْسِهِ .

ترجمہ

اور جب آقا نے اپنی باندی سے کہا تو مطلقہ ہے یا باندہ ہے یا تو اوڑھ لے اور اس سے حق کی نیت کی تو وہ آزاد نہیں ہوگی امام شافعی فرماتے ہیں اگر آقا نے آزادی کی نیت کر لی تو وہ آزاد ہو جائے گی اور تمام الفاظ صریحہ اور کنہیہ میں بھی یہی اختلاف ہے جیسا کہ مشائخ شافعیہ نے بیان کیا ہے امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ اس نے ایسی چیز کی نیت کی ہے جس کا وہ لفظ احتمال رکھتا ہے۔ اس لیے کہ دونوں ملکوں کے درمیان موافقت ہے جبکہ دونوں میں سے ہر ایک کی ملک ذاتی ملک ہے۔ جبکہ ملک یمن تو وہ ظاہر ہے اور ملک نکاح بھی ملک یمن کے حکم میں ہے اسی لئے جو بھی نکاح کی شرط ہے اور وقت متعین نکاح کے لئے مبطل ہے اور دونوں لفظوں کا عمل اس کے حق کو ساقط کرنے کے لئے ہے اور وہ ملکیت ہی اسی لئے آزادی کو شرط پر معلق کرنا درست ہے باقی احکام تو وہ سب سابق کے ساتھ ثابت ہوتے ہیں اور سابق کا سبب آقا کا مکلف ہونا ہے۔ اس لئے لفظ حق اور لفظ تحریر کنایہ عن الطلاق ہونے کی ملاحیت رکھتے ہیں جبکہ ایسے ہی اس کا الٹ بھی درست ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ آقا نے ایسا معنی مراد لیا ہے جس کا لفظ احتمال نہیں رکھتا اس لئے کہ قوت کے ثابت ہونے کو ہی آزادی

کہتے ہیں جبکہ طلاق رفع قید کا نام ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ غلام کو جمادات کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے۔ اور آزادی کی وجہ سے وہ زندہ رہ کر تصرفات پر قادر ہو جاتا ہے اور منکوحہ کا یہ حال نہیں ہے اس لئے کہ وہ تصرف پر قادر ہوتی ہے۔ لیکن قید نکاح اس سے مانع ہے۔ اور طلاق سے مانع ختم ہو جاتا ہے اس لئے قوت ظاہر ہوگی اور اس امر میں کوئی خفا نہیں ہے کہ پہلا زیادہ قوی ہے اور اس لئے کہ ملک یمن ملک نکاح سے بڑھ کر ہے۔ اس لئے اس کا استیفاء بھی زیادہ قوی ہوگا اور غلام اپنے سے کم کے لئے تو مجاز بن سکتا ہے لیکن اپنے سے بلند کے سے مجاز نہیں بن سکتا اسی وجہ سے جس میں تنازع ہو اس کے لئے مجزئ متع ہوگا اور اس کے برخلاف اس جاز ہوگا۔

### ملک یمن ملک نکاح سے قوت میں زیادہ ہوتا ہے قاعدہ فقہیہ

صاحب مد یہ کی مذکورہ میں عبارت فقہ شافعی و حنفی کا اختلاف بیان کیا گیا ہے جس میں احناف کی دلیل اس قاعدہ فقہیہ سے ہے۔ اور اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ ملک یمن ملک نکاح سے قوت میں زیادہ ہو کرتی ہے۔ یعنی اگر کسی نے ملک نکاح کے سقوط کا ارادہ کیا تو اس سے ملک یمن کا سقوط نہ ہوگا کیونکہ اہل دینی کے تحت داخل نہیں ہوا کرتا جبکہ ادنیٰ کے اہل کے تحت ہو سکتا ہے اسی قاعدہ سے مسئلہ مستنبط ہوا ہے کہ اگر کسی نے اپنی باندی کو مطلقہ یا باندہ کے الفاظ سے پکارا تو وہ آزاد نہ ہوگی کیونکہ غلام مطلقہ یا باندہ یہ قید نکاح کو اٹھانے کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن قید ملک اٹھانے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ کیونکہ ان دونوں کی قوت میں فرق ہے جس احناف کی دلیل ہے جس کو مصنف عبد الرحمن نے ذکر کیا ہے۔ (رضوی غفر عنہ)

### غلام کو آزادی کی مثل قرار دینے کا بیان

(وَإِذَا قَالَ لِعَبْدِهِ أَنْتَ مِثْلُ الْحُرِّ لَمْ يُعْتَقْ) لِأَنَّ الْمِثْلَ يُسْتَعْمَلُ لِلْمُشَارَكَةِ فِي بَعْضِ الْمَعَانِي عُرْفًا فَوْقَ الشُّكِّ فِي الْحُرِّيَّةِ (وَلَوْ قَالَ: مَا أَنْتَ إِلَّا حُرٌّ عَتَقَ) لِأَنَّ الْإِسْتِثْنَاءَ مِنَ النَّفْسِ إِثْبَاتٌ عَلَى وَجْهِ التَّكْيِيدِ كَمَا فِي كَلِمَةِ الشَّهَادَةِ (وَلَوْ قَالَ: رَأْسُكَ رَأْسُ حُرٍّ لَا يُعْتَقُ) لِأَنَّهُ تَشْبِيهُ بِحَذْفِ حُرِّهِ (وَلَوْ قَالَ: رَأْسُكَ رَأْسُ حُرٍّ عَتَقَ) لِأَنَّهُ إِثْبَاتُ الْحُرِّيَّةِ فِيهِ إِذِ الرَّأْسُ يُعْتَبَرُ بِهِ عَنْ جَمِيعِ الْبَدَنِ.

ترجمہ

اور جب آقے نے اپنے غلام سے کہا کہ تو آزادی کی مثل ہے تو وہ آزاد نہیں ہوگا اس لئے کہ لفظ مثل عام طور پر کئی معانی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ بہذا حریمت میں شک پیدا ہوگی اور جب اس نے کہا تو نہیں ہے مگر آزاد تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا کیونکہ نفی سے استثناء کرنا اثبات میں تاکید پیدا کرنے والا ہے جس طرح کلمہ شہادت میں ہے۔ اور اگر آقے نے کہا کہ تیرا سر آزاد کا سر ہے تو اس صورت میں غلام آزاد نہ ہوگا کیونکہ یہ حرف حذف تشبیہ کے ساتھ ہے۔ اور جب اس نے کہا کہ تیرا سر آزاد کا سر ہے تو غلام آزاد ہو

جائے گا کیونکہ اس طرح غلام میں آزادی ثابت ہو جائے گی۔ کیونکہ سر کے ذریعے تمام بدن کو تعبیر کیا جاتا ہے۔

شرح

علامہ ابن محمود باری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف اس قول میں آزادی کی طرف اشارہ ہے خواہ اس نے آزادی کی نیت کی ہو یا نہ ہو لیکن اس طرح آزاد نہ ہوگا۔

امام ہرخی حنفی علیہ الرحمہ نے مبسوط میں لکھا ہے کہ اگر اس نے آزادی کی نیت کی تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ عرف عام میں اشارہ کی معانی کیلئے استعمال ہوتا ہے جس کے سبب شک پیدا ہو جاتا ہے اور جب اس نے آزادی کی نیت کی تو اس سے وہ شک بھی ختم ہو جائے گا لہذا وہ آزاد ہو جائے گا۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۲۸۷، بیروت)

### استثناء اثبات میں تاکید پیدا کرنے کا قاعدہ فقہیہ

صاحب ہدایہ نے یہاں مذکورہ عبارت میں یہ قاعدہ فقہیہ بھی بیان کیا ہے کہ استثناء کلام میں یعنی اثبات میں تاکید پیدا کرتا ہے اور اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے کہ جس طرح کلمہ شہادت میں سے استثناء اللہ تعالیٰ کی توحید کا اثبات کرنے کے ساتھ اس میں تاکید پیدا کرنے والا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی استثناء کلام میں تاکید پیدا کرنے والا ہے۔ اس قاعدہ کا ثبوت اس حدیث مبارکہ سے ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب وفات پائی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنائے گئے اور اہل عرب میں سے جنہیں کافر ہونا تھا وہ کافر ہو گئے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے خلاف اعلان جنگ کیا تو حضرت عرفہ روق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ آپ ان لوگوں سے کس طرح جنگ کرتے ہیں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم اس وقت تک ہوا ہے کہ وہ لا الہ الا اللہ کے قائل ہو جائیں پس جو شخص لا الہ الا اللہ کا قائل ہو جائے گا وہ مجھ سے اپنا جان و مال بچالے گا ہاں حق پر ضرور اس کے جان و مال سے تعرض کیا جائے گا باقی اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں ارشاد فرمایا اللہ کی قسم میں ضرور اس شخص سے قتل کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت میں فرق جانتا ہے کیونکہ جس طرح نماز جسم کا حق ہے اسی طرح زکوٰۃ مال کا حق ہے اللہ کی قسم اگر وہ لوگ ایک دینے سے بھی انکار کریں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں دیا کرتے تھے اور مجھے نہ دیں گے تو میں ضرور ان سے جنگ کروں گا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم جب میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سینہ مرتدوں سے جنگ کرنے کے لئے کشادہ کر دیا ہے تو میں بھی سمجھ گیا کہ یہاں بات حق ہے صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 127

## فصل

## ﴿یہ فصل شرعی اختیار والے اعتناق کے بیان میں ہے﴾

## فصل اختیار شرعی والی آزادی کی فقہی مطابقت

علامہ ابن محمود بارتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ مصنف علیہ الرحمہ جب اختیار اضطراری والی فصل میں آزادی کے مسائل بیان کر دیئے ہیں کیونکہ وہ اصل ہیں اور اب مصنف علیہ الرحمہ نے ایسے اعتناق کے مسائل کو بیان کیا ہے جو اختیار کے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔ (عناہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۲۹۰، بیروت)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ نے بھی کہا ہے کہ اختیاری کے اضطراری کو لائے ہیں۔ (فتح القدیر، ج ۱۰، ص ۷۹، بیروت) اس سے پہلے مصنف علیہ الرحمہ نے غلام کی آزادی کے مستحب ہونے یا کسی کو بطور احسان آزاد کرنے سے متعلق احکام ذکر کیے ہیں۔ کیونکہ غلام کسی انسان کی ملکیت میں آجائے گا نام ہے اور اس میں اصل اختیار ہے یعنی غلام آجانے کے بعد کسی کو اختیار نہ ہو وہ اس سے غلام کو آزاد کرنے کا تقاضہ کرے یا مطابہ کرنے کا حق رکھتا ہو۔ جبکہ ذی رحم محرم کے آزاد ہونے میں رحم ایک قوی سبب ہے جو غلامی کے سبب سے قوی ہوتے ہوئے ذی رحم محرم کو آزاد کر دیتا ہے۔

## غلامی سے آزاد ہونے کے مذہبی ذرائع و اسباب کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلاموں کو محض آزاد کرنے اور آزاد ہونے ہی کی ترغیب نہ دلائی بلکہ آپ نے مدینہ میں حکومت قائم کرنے کے بعد حکومتی سطح پر اس کا اہتمام بھی فرمایا۔ مدینہ کی ریاست کی اقتصادی پالیسی (Fiscal Policy) میں غلاموں کی آزادی کو ایک سرکاری خرچ کی حیثیت دی گئی۔ ریاست کی آمدنی کا ذریعہ زکوٰۃ تھی جسے قرآن مجید میں صدقہ کا نام بھی دیا گیا ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ .

(التوبة (9:60))

یہ صدقات تو دراصل فقراء، مسکین اور سرکاری ملازموں (کی تنخواہوں) کے لئے ہیں، اور ان کے لئے جن کی تالیف قلب مقصود ہو۔ یہ غلام آزاد کرنے، قرض داروں کی مدد کرنے، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور مسافروں کی مدد کے لئے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک فریضہ ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

حکومتی سطح پر بھی بہت سے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا گیا۔ بعض مکاتوں کو اپنی رقم کی ادائیگی کے لئے ان کی مدد کی گئی۔ اس کی

یہ مثال سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں۔ خلفاء راشدین کے دور میں بیت المال سے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جاتا تھا۔ کسی کا کوئی وارث نہ ہوتا تو اس کی چھوڑی ہوئی جائیداد کو بیچ کر اس سے بھی غلام آزاد کئے جاتے۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا بِسْطَمُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رِبَاحٍ: أَنَّ طَارِقَ بْنَ الْمُرْقَعِ أَغْتَقَى غُلَامًا لَهُ لِلَّهِ، فَمَاتَ وَتَرَكَ مَالًا، فَعَرَضَ عَلَى مَوْلَاهُ طَارِقٍ، فَقَالَ: شَيْءٌ جَعَلْتَهُ لِلَّهِ، فَلَسْتُ بِعَانِدٍ فِيهِ، فَكُتِبَ فِي ذَلِكَ إِلَى عُمَرَ، فَكُتِبَ عُمَرُ: أَنْ اغْرِضُوا الْمَالَ عَلَى طَارِقٍ، فَإِنْ قَبِلَهُ وَإِلَّا فَاشْتَرَوْا بِهِ رَقِيقًا فَأَغْنَوْهُمْ، قَالَ: فَبَلَغَ خُمُسَةَ عَشْرَ رَأْسًا. (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب المیراث، حدیث (32086))

حضرت طارق بن مرقع نے ایک غلام کو اللہ کی رضا کے لئے آزاد کیا۔ وہ فوت ہو گیا اور اس نے کچھ مال ترکے میں چھوڑا۔ یہ مال اس کے سابقہ مالک طارق کے پاس پیش کیا گیا۔ وہ کہنے لگے، "میں نے تو اسے محض اللہ کی رضا کے لئے آزاد کیا تھا، میں اس سے کچھ نہ لوں گا۔" یہ بات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ کر بھیجی گئی کہ طارق مال لینے سے انکار کر رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا، "رودہ قبول کر لیں تو ٹھیک ہے ورنہ اس سے غلام خرید کر آزاد کرو۔" راوی کہتے ہیں کہ اس مال سے پندرہ غلام آزاد کئے گئے۔

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں تو عرب میں موجود تمام غلاموں کو حکومت کے مال سے خرید کر آزاد کر دیا گیا۔ اس کی تفصیل ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ زکوٰۃ ایک حکومتی ٹیکس تھا جو مسلمانوں پر مذہبی طور پر واجب کیا گیا تھا۔ اس معطلے میں تو یہاں تک اجازت دے دی گئی کہ اگر کوئی شخص اپنی زکوٰۃ کی رقم سے خود ہی غلام خرید کر آزاد کر دے تو وہ حکومت کو ادائیگی کرتے ہوئے اس رقم کو قابل ادائیگی زکوٰۃ (Zk Libilliyah) سے منہا کر سکتا ہے۔ ابن زنجویہ نے کتاب الاموال میں سیدنا ابن عباس اور حسن بصری کا یہ موقف بیان کیا ہے۔

## مذہبی بنیادوں پر غلام آزاد کرنے کے احکامات

اللہ تعالیٰ کو چونکہ غلاموں کی آزادی سے خاص دلچسپی تھی، اس وجہ سے کچھ دینی احکام کی خلاف ورزی کی صورت میں بطور کفارہ انہیں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا گیا۔ ان میں قسم توڑنے، ناجائز طریقے سے طلاق دینے اور غلطی سے کسی کی جان لے لینے کی صورتیں شامل تھیں۔

## قسم توڑنے کا کفارہ

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِالْفُتُورِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا تَطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ. (المائدة (5:89))



تم لوگ جو بغیر سوچے سمجھے قسمیں کھالیتے ہو، ان پر تو اللہ تمہاری گرفت نہ کرے گا مگر جو قسمیں تم جان بوجھ کر کھاتے ہو، ان پر وہ ضرور تم سے مواخذہ کرے گا۔ (ایسی قسم توڑنے کا) کفارہ یہ ہے کہ تم دس مسکین کو اوسط درجے کا وہ کھانا کھلاؤ جو تم اپنے بال بچوں کو کھلاتے ہو یا انہیں لباس فراہم کرو یا پھر غلام آزاد کرو۔ جسے یہ میسر نہ ہو وہ تین دن کے روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے۔

### ایصال ثواب کے طور پر غلام آزاد کرنا

عاض بن وائل نے وصیت کی کہ میری طرف سے میرے فوت ہونے کے بعد) سو غلام آزاد کیا جائے۔ حسب وصیت اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے ہشام نے پچاس غلام آزاد کئے اور اس کے بیٹے نے ارادہ کیا کہ میں بھی اپنے باپ کی طرف سے بقیہ پچاس غلام آزاد کروں اور کہا اس وقت تک آزاد نہیں کروں گا جب تک حضور ﷺ سے نہ پوچھ لوں۔ پھر وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور سراقصہ عرض کیا اور پوچھا اے عقی عہ کیا میں اپنے باپ کی طرف سے باقی پچاس غلام آزاد کروں فقال رسول اللہ ﷺ انه لو كان مسلماً فاعتقم عہ او تصدقتم عہ او حججتم عہ بلغه ذلك (ابوداؤد شریف)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اگر وہ مسلمان ہوتا تو تم اس کی طرف سے آزاد کرتے یا صدقہ و خیرات کرتے اس کی طرف سے حج کرتے تو اسے یہ (یعنی ان چیزوں کا ثواب پہنچتا) (مشکوٰۃ شریف باب الوصایا ج 1 ص 226) ناجائز طریقے سے طلاق دینے کا کفارہ

وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَا ذَلِكَ تُوعِظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ . (المجادلہ 3: 58)

جو لوگ اپنی بیویوں کو مل قرار دے بیٹھیں اور پھر اپنی کبی ہوئی بات سے رجوع کرنا چاہیں تو ان کے لئے لازم ہے کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے ایک غلام آزاد کریں۔ اس سے تمہیں نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے باخبر ہے۔

غلطی سے کسی کو قتل کر دینے کا کفارہ

وَمَا كَانَ لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَّةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَدَّقُوا فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فِدْيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ

فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا .

(النساء 4: 92)

کسی مومن کو یہ بات روانہ نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے مومن کو قتل کرے سوائے اس کے کہ غلطی سے ایسا ہو جائے۔ تو جو شخص غلطی سے کسی مسلمان کو قتل کر بیٹھے وہ ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو قانون کے مطابق دیت ادا کرے، سوائے اس کے کہ وہ معاف کر دیں۔

اگر وہ مقتول تمہاری دشمن قوم کا فرد ہے مگر مسلمان ہے تو اس کا کفارہ بھی ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہے۔ اگر وہ کسی ایسی قوم سے غلط رکھتا ہو جس کے اور تمہارے مابین معاہدہ ہے تو پھر بھی قانون کے مطابق اس کے وارثوں کو دیت کی دائیگی اور مسلمان غلام آزاد کرنا ضروری ہے۔ جس کے پاس غلام نہ ہوں، اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اللہ سے توبہ کرتے ہوئے دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

### روزہ توڑنے کے کفارے میں غلام آزاد کرنے کا بیان

ایک حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ توڑنے پر بھی یہی کفارہ عائد کیا۔

حدثنا موسى : حدثنا إبراهيم : حدثنا ابن شهاب ، عن حميد بن عبد الرحمن : ان ابا هريرة رضى الله عنه قال : اتى رجل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال : هبکت ، وقعت علی اہلی فی رمضان ، قال : (اعتق رقبة) . (قال : ليس لی ، قال : (فصم شهرين متتابعين) . (قال : لا أستطيع ، قال : (فاطعم ستين مسکیناً) . (قال : لا أجد ، فأتی بعرق فيه تمر - قال إبراهيم : العرق المکتل - فقال : (ابن السائل ، تصدق بها) . (قال : علی أفقر منی ، واللہ ما بین لابتہا اہل بیت أفقر منا ، فضحك النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حتی بدت نواجذہ ، قال : فأنتم إذا (بخاری، کتاب الادب، حدیث (6087)

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا، "میں ہلاک ہو گیا۔ میں نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے ازدواجی تعلقات قائم کر لئے ہیں۔" آپ نے فرمایا، "غلام آزاد کرو۔" وہ کہنے لگا، "میرے پاس کوئی غلام نہیں ہے۔" آپ نے فرمایا، "دو مہینے کے لگا تار روزے رکھو۔" وہ کہنے لگا، "مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے۔" آپ نے فرمایا، "پھر سٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔" وہ بولا، "میرے پاس یہ بھی تو نہیں ہے۔"

اسی اثنا میں آپ کے پاس کچھوروں کو ایک ٹوکرا لیا گیا۔ آپ نے فرمایا، "وہ سائل کہاں ہے؟" اسے ٹوکرا دے کر ارشاد فرمایا، "اسی کو صدقہ کر دو۔" وہ بولا، "مجھ سے زیادہ اور کون غریب ہوگا۔ اللہ کی قسم اس شہر کے دونوں کناروں کے درمیان میرے

خاندان سے زیادہ غریب تو کوئی ہے نہیں۔ "یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہنس پڑے اور آپ کے دانت ظاہر ہو گئے۔ آپ نے فرمایا، "چلو تم ہی اسے لے جاؤ۔"

سورج گرہن پر غلاموں کی آزادی

اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سورج گرہن کے موقع پر بھی غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔

حدثنا موسى بن مسعود: حدثنا زائدة بن قدامة، عن هشام بن عروة، عن فاطمة بنت

المنذر، عن أسماء بنت أبي بكر رضي الله عنهما قالت: أمر النبي صلى الله عليه

وسلم بالعنقة في كسوف الشمس. (بخاری، کتاب العتق، حدیث (2519))

حضرت سیدہ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سورج گرہن کے وقت غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔

س بات کا اندازہ کرنا تو مشکل ہوگا کہ ان مذہبی احکام کے نتیجے میں کتنے غلام آزاد ہوئے البتہ یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام غلاموں کو آزاد کرنے سے کتنی دلچسپی رکھتا ہے۔ عربوں کی معاشرت کا مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں تم کھانے اور غصے میں بیوی کو ماں قرار دے لینے کے معاملات ہوتے ہی رہتے تھے۔ ایک حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ تم کوڑنے پر چالیس غلام آزاد فرمائے۔

قریبی رشتے دار غلام کی آزادی کا قانون

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس بات کا حکم دیا کہ اگر کوئی اپنے قریبی رشتہ دار جیسے ماں، باپ، بیٹے، بیٹی، بہن، بھائی وغیرہ کو غلام بنا دیکھے تو اسے خرید کر آزاد کر دے۔ اگر کسی طریقے سے کوئی غلام اپنے ہی قریبی رشتے دار کی ملکیت میں آ جائے تو وہ خود بخود آزاد ہو جائے گا۔

أخبرنا إسحاق بن إبراهيم، قال: حدثنا جرير عن سهيل، عن أبيه، عن أبي هريرة

قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يجرى ولد والدا إلا أن يعده مملوكا

فيشتريه فيعتقه. (سنن الکبریٰ نسائی، کتاب العتق، حدیث (4873))

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "کسی بیٹے کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے والدین کو غلام دیکھے تو انہیں خرید کر آزاد نہ کرے۔"

حدثنا مسلم بن إبراهيم وموسى بن إسماعيل قالا: ثنا حماد بن سلمة، عن قتادة، عن

الحسن، عن سمرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، وقال موسى في موضع آخر:

عن سمرة بن جندب فيما يحسب حماد قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

"من ملك ذا رحم محرم فهو حر". (ابو داؤد، کتاب العتق، حدیث 3949، ابن

ماجة، کتاب العتق، حدیث (2326))

حضرت سیدنا سمیرہ بن جندب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "جو کوئی اپنے ذی رحم کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔"

اس بات کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے کہ اس قانون کے تحت کتنے غلام آزاد ہوئے لیکن ان سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مختلف صورتوں میں غلام آزاد کرنے کی کس حد تک ترغیب دی ہے۔

وصیت کے ذریعے غلاموں کی آزادی کا قانون

بعض لوگ مرتے وقت یہ وصیت کر جایا کرتے تھے کہ ان کے غلاموں کو آزاد کر دیا جائے۔ ایسے غلام "مذہر" کہلایا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسے زیادہ پسند نہیں فرمایا بلکہ حکم دیا کہ غلام کو اپنی زندگی ہی میں جلد سے جلد آزاد کر دیا جائے۔

قال أخبرنا قتيبة بن سعيد، قال: حدثنا أبو الأحوص، عن أبي إسحاق، عن أبي

حبيبة، عن أبي الدرداء أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الذي يعتق عند

الموت كالذي يهدى بعدما شيع. (سنن نسائی الکبریٰ، کتاب العتق، حدیث

4873)

حضرت سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص بھی مرتے وقت غلام

آزاد کرتا ہے، وہ تو اس شخص کی طرح ہے جو (گناہوں سے) اچھی طرح سیر ہونے کے بعد (نیکی کی طرف) ہدایت پاتا ہے۔"

یہاں پر بعض لوگوں کو شاید یہ خیال گزرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خود بھی تو مرض وفات میں چالیس غلاموں کو

خرید کر آزاد کیا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان چالیس غلاموں سے ساری عمر خدمت لیتے رہے تھے اور عین وفات

کے وقت نہیں آزاد فرمادیا تھا۔ آپ نے آخر وقت میں ان غلاموں کو خرید کر آزاد فرمایا۔

اسلام کے قانون وراثت میں وصیت صرف ایک تہائی مال میں کرنے کی اجازت ہے اور دو تہائی مال کے بارے میں قرآن

نے واضح طور پر مختلف وارثوں کے حصے مقرر کر دیے ہیں۔ بعض اوقات ایسی صورت پیش آ جاتی کہ ایک شخص نے غلاموں کی آزادی

کے علاوہ اور بھی وصیتیں کر رکھی ہیں۔ ایسی صورت میں غلاموں کی آزادی کو فوقیت دی گئی۔ انہیں آزاد کرنے کے بعد اگر مالک کی

جائیداد کے ایک تہائی حصے میں سے کچھ باقی بچتا تو اس سے وہ وصیتیں پوری کی جاتی تھیں ورنہ نہیں۔ اس ضمن میں اگرچہ کوئی مرفوع

حدیث ہمیں نہیں مل سکی لیکن مسلمانوں کے بڑے اہل علم کا یہی نقطہ نظر رہا ہے۔

حدثنا الحسين بن بشر ثنا المعافى عن عثمان بن الأسود عن عطاء قال من أوصى أو أعتق فکان فی وصيته عول دخل العول علی أهل العتاقة وأهل الوصية قال عطاء أن أهل المدينة غلبوا بیدئوون بالعتاقة. (دارمی، کتاب الفرائض، حدیث 3229)

حضرت عطاء کہتے ہیں، "جس نے غلام کی آزادی کے ساتھ ساتھ کوئی اور وصیت بھی کر دی اور وصیت کی مجموعی رقم میں عول داخل ہو گئی (یعنی مجموعی رقم ترکے کے تہائی حصے سے زیادہ ہو گئی) تو اہل مدینہ کی غالب اکثریت کا عمل یہ ہے کہ وہ غلاموں کی آزادی سے ابتدا کرتے ہیں۔

حدثنا المعلى بن أسد ثنا وهيب عن يونس عن الحسن فی الرجل یوصی بأشیاء ومنها العتق فیجاوز الثلث قال یبدأ بالعتق. (دارمی، کتاب الفرائض، حدیث 3227)

حضرت حسن (بصری) نے ایسے شخص کے بارے میں، جس نے مختلف کاموں اور غلاموں کی آزادی کی وصیت کی تھی اور مجموعی رقم ایک تہائی سے زائد ہو گئی تھی، ارشاد فرمایا، "ابتدا غلاموں کی آزادی سے کی جائے گی۔"

حدثنا عید اللہ عن اسرائیل عن منصور عن ابراهیم قال یبدأ بالعتاقة قبل الوصية (دارمی، کتاب الفرائض، حدیث 3232)

حضرت ابراہیم (قشیری) کہتے ہیں کہ غلاموں کو آزادی وصیت (کے باقی معاملات) سے پہلے دی جائے گی۔ اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تابعین کے جلیل القدر ائمہ انسانی آزادی کو کس قدر اہمیت دیا کرتے تھے۔

غلام کو بلا خط مارنے کا کفارہ

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو اپنے غلام کو ایسی سزا دے جس کا کوئی جرم ہی نہیں ہے یعنی بے گناہ مارے یا اس کو طمانچہ مارے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس غلام کو آزاد کر دے (مسلم)

یوں تو ہر کسی وجہ کے کسی بھی شخص کو طمانچہ دینا حرام ہے۔ لیکن یہاں بطور خاص غلام کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس کو بلا گناہ مارنے یا اس کے منہ پر طمانچہ لگانے کا تاوان یہ ہے کہ وہ اس غلام کو آزاد کر دے۔

حضرت ابوسعود انصاری کہتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے غلام کو پیٹ رہا تھا کہ میں نے اپنی پشت پر یہ آواز سنی ابو مسعود! یاد کھوا اللہ تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے جتنی قدرت تم اس غلام پر رکھتے ہو جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اپنے اس فعل پر ندامت ہے اب میں اس غلام کو اللہ کی راہ میں

آزاد کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یاد رکھو، اگر تم اس غلام کو آزاد نہ کرتے تو تمہیں دوزخ کی آگ جلائی یا فرمایا کہ تمہیں دوزخ کی آگ لگتی۔ (مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تم نے اپنے غلام کو، اگر ایک بڑا گناہ کیا تھا۔ یہ اچھا ہو کہ تم نے اس غلام کو آزاد کر دیا اور اس گناہ کے بارے میں کہے ہو گئے ورنہ چونکہ تم نے اس کو ناحق مارا ہے اس لئے اگر یہ تمہارا قصور معاف نہ کرتا تو اس کو آزاد نہ کرنے کی صورت میں تمہیں دوزخ میں ڈالا جاتا۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کے ذریعہ دراصل اپنے مملوک کے حق میں نرمی کرنے اور ان کے ساتھ صدم و مرمت کا معاملہ کرنے کی ترغیب دی ہے اور اس بارے میں مسند یہ ہے کہ جس غلام کو مارا گیا ہے اس کو آزاد کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے اور وہ بھی بایں امید کہ آزاد کرنا ناحق مارنے کے گناہ کا کفارہ ہو جائے۔

اسلام قبول کرنے والے غلاموں کی آزادی کے اقدامات

دین اسلام میں مسلم اور غیر مسلم ہر مذہب سے تعلق رکھنے والے غلام کو آزاد کرنے کو ثواب کا کام بتایا گیا ہے۔ سیدنا حکیم بن حمزہ رضی اللہ عنہ کی روایت جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں میں یہ صراحت موجود ہے کہ غیر مسلم غلام کو آزاد کرنا بھی ثواب کا کام ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل یہی رہا ہے کہ وہ غیر مسلم غلاموں کو بھی آزاد کیا کرتے تھے۔

دنیا بھر کی اقوام کا یہ اصول ہے کہ کسی بھی نیکی یا بھلائی کے کام کا آغاز ہمیشہ اپنے گھر سے ہوتا ہے۔ اگر کسی قوم میں غلاموں کو آزاد کرنا پائے جاتے ہوں اور اس قوم کے امیر لوگ اپنی قوم کے غلاموں کو چھوڑ کر دنیا کے دوسرے خطوں میں جا کر غلامی کام کرنا شروع کر دیں تو یہ رویہ سب کے نزدیک قابل اعتراض ہی ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے اس غلام آزاد کرنے کے معاملے میں ترجیح انہی غلاموں کو دی گئی جو کہ اسلام قبول کر چکے ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی میں مسلمانوں کو اقتدار حاصل نہ تھا۔ اس دور میں یہ طریق کار اختیار کیا گیا کہ جو غلام بھی اسلام قبول کرے، اسے صاحب ثروت مسلمان خرید کر آزاد کر دیں۔ یہ بات ہم تک تو اتر سے منتقل ہوئی ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دولت کا بڑا حصہ غلاموں کو آزاد کرنے پر صرف کیا گیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حدثنا أبو نعیم: حدثنا عبد العزيز بن أبي سلمة، عن محمد بن المنکدر: أخبرنا

جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہما قال: کان عمر یقول: أبو بکر سیدنا، وأعتق

سیدنا. یعنی بلالا. (بخاری، کتاب الفضائل، حدیث 3754)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے، "ابو بکر ہمارے سردار ہیں اور انہوں نے ہمارے سردار یعنی بلال کو آزاد کیا تھا۔" مدینہ ہجرت کرنے کے بعد مسلمانوں کی ایک حکومت قائم ہو گئی تھی جس کے سربراہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ اس دور میں

مسلمان ہونے والے غلاموں کو نہ صرف خرید کر آزاد کرنے کے لئے زکوٰۃ فنڈ کو استعمال کیا گیا بلکہ پورے عرب سے ہجرت کر کے مدینہ آنے والے غلاموں کے لئے یہ قانون بنادیا گیا۔

حدثنا ابراهيم بن موسى: أخبرنا هشام، عن ابن جريج، وقال عطاء، عن ابن عباس: كان المشركون على منزلتين من النبي صلى الله عليه وسلم والمؤمنين. كانوا مشركي أهل حرب، يقاتلهم ويقاتلونهم، ومشركي أهل عهد، لا يقاتلهم ولا يقاتلونهم، وكان إذا هاجرت امرأة من أهل الحرب لم تخطب حتى تحيض وتطهر، فإذا طهرت حل لها النكاح، فإن هاجر زوجها قبل أن تنكح ردت إليه، وإن هاجر عبد منهم أو أمة فهما حران ولهما ما للمهاجرين، ثم ذكر من أهل العهد مثل حديث مجاهد: وإن هاجر عبد أو أمة للمشركيين أهل عهد لم يردوا، وردت أثمانهم. (بحاری، کتاب النکاح، حدیث (5286))

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مؤمنین کا مشرکین سے معاملہ دو طرح کا تھا۔ بعض مشرکین "اہل حرب" تھے۔ وہ مسلمانوں سے جنگ کرتے اور مسلمان ان سے جنگ کرتے۔ دوسری قسم کے مشرکین "اہل عہد" تھے۔ نہ تو وہ مسلمانوں سے جنگ کرتے اور نہ ہی مسلمان ان سے جنگ کرتے۔ اگر اہل حرب کی کوئی خاتون (مسلمان ہو کر) ہجرت کرتی تو انہیں حیض آنے اور پھر پاک ہونے تک نکاح کا پیغام نہ بھیجا جاتا تھا۔ جب وہ پاک ہو جاتی تو ان کے لئے نکاح کرنا جائز ہو جاتا تھا۔ اگر نکاح کرنے سے پہلے ان کا خاوند بھی (مسلمان ہو کر) ہجرت کر کے آ پہنچتا تو ان کا رشتہ برقرار رکھا جاتا۔

### حربی غلاموں کی آزادی کا بیان

اگر اہل حرب کے کوئی غلام یا لونڈی ہجرت کر کے آ جاتے تو انہیں آزاد قرار دے دیا جاتا اور ان کا درجہ مہاجرین کے برابر ہوتا۔۔۔ اور اگر اہل عہد کے کوئی غلام یا لونڈی ہجرت کر کے آ جاتے تو انہیں واپس لوٹا یا نہ جاتا بلکہ ان کی قیمت ان کے مالکان کو بھیج دی جاتی۔

اسی اصول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح حدیبیہ کے موقع پر صلح کا معاہدہ طے پا جانے سے پہلے آنے والے دو غلاموں کو آزادی عطا فرمائی۔

حدثنا عبد العزيز بن يحيى الحراني، قال: حدثني محمد يعني ابن سلمة عن محمد

بن إسحاق، عن أبان بن صالح، عن منصور بن المعتمر، عن ربعي بن حراش، عن علي بن أبي طالب قال: خرج عبدان إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم يعني يوم الحديبية قبل الصلح، فكتب إليهم مواليتهم فقالوا: يا محمد، والله ما خرجوا إليك رغبة في دينك، وإنما خرجوا هرباً من الرق، فقال ناس: صدقوا يا رسول الله رُدُّهم إليهم، فعضب رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال: "ما أراكم تنتهون يا معشر قريش حتى يبعث الله (عز وجل) عليكم من يضرب رقابكم على هذا" وأبى أن يردَّهم، وقال: "هم عتقاء الله عز وجل". (ابو داؤد، کتاب الجہاد، حدیث (2700))

حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حدیبیہ کے دن صبح سے پہلے (اہل مکہ کے) دو غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ گئے۔ ان کے مالکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خط لکھا اور کہا، "اے محمد! خدا کی قسم یہ آپ کے دین سے رغبت کے باعث آپ کے پاس نہیں آئے۔ یہ تو محض آزادی حاصل کرنے کے لئے آپ کے پاس آئے ہیں۔" لوگ کہنے لگے، "یا رسول اللہ! ان کے مالک درست کہہ رہے ہیں۔ آپ انہیں واپس بھجوادیتے ہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا، "اے گروہ قریش! میں سمجھتا ہوں کہ تم اس کام (یعنی غلامی کو برقرار رکھنے) سے اس وقت تک باز نہ آؤ گے جب تک کہ اللہ عز وجل تمہاری طرف کسی ایسے کو نہ بھیجے جو تمہاری گردنوں پر اس کی پاداش میں ضرب لگائے۔" آپ نے انہیں واپس کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا، "وہ اللہ عز وجل کی رضا کے لئے آزاد ہیں۔" اسی اصول پر آپ نے طائف کے محاصرے کے وقت اعدان فرمادیا تھا کہ اہل طائف کے غلاموں میں سے جو آزادی کا طالب ہو، وہ ہماری طرف آ جائے۔

حدثنا عبد الله حدثني أبي حدثنا يحيى بن زكريا حدثنا الحجاج عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس قال: لما حاصر رسول الله صلى الله عليه وسلم أهل الطائف اعتق من رقيقهم. (مسند احمد، باب عبد الله بن عباس، مصنف ابن أبي شيبة، حدیث (34283))

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل طائف کا محاصرہ کیا تو ان کے غلاموں میں سے (ان غلاموں کو جو مسلمانوں کی طرف آ گئے تھے) آزاد فرمادیا۔

مشہور مستشرق ولیم میور اس اعلان کے بارے میں لکھتے ہیں: آپ نے محصورین کے پاس ایک اعلان بھیج جس سے وہ لوگ

بہت ناراض ہوئے۔ اس اعلان کا مضمون یہ تھا کہ اگر شہر سے کوئی غلام ہمارے پاس آئے گا تو اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ تقریباً بیس غلاموں نے اس اعلان سے فائدہ اٹھایا اور وہ اپنے آزادی دینے والے کے بچے اور بہادر بیرو کا بہت ہوئے۔ (ولیم میور، he life of ohe)

مشہور مورخ ہذا ذری نے نوں سبدن میں اس میں سے جس سندس۔ نام بیان کیے ہیں۔ ان میں سے ایک ابو بکر نقیہ بن مسروح رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ بکر عربی میں چرخی (Pulley) کو کہتے ہیں۔ انہیں یہ نام اس لئے دیا گیا کہ یہ قلعے کی دیوار پر چڑھنے کے لئے سے تک کر نیچے اترتے تھے۔ ان میں ایک رومی بوبار یونانی بن الازرق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ تمام سندسوں کو درجہ بند کرنے کے لئے ان کو دو کا تعلق بذات خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قائم کیا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ سب کے سب غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے خاندان میں شامل کر لئے گئے۔ اس کی تفسیر ہم "وہ" کی بحث میں بیان کریں گے۔ بعد کے ادوار میں مسلمانوں کے ہاں یہ رسم رائج ہو گئی کہ جو غلام اسامہ قبول کر لیتے، وہ اسے اس کے مالکان سے خرید کر آزاد کر دیا کرتے تھے۔ اس طریقے سے بے شمار غلاموں نے آزادی حاصل کی۔

ثم ذكر البيهقي لقصة منام شاهدا من طريق الاعمش ، عن أبي وائل ، عن عبد الله ، وأنه كان من جملة ما جاء به عبيد فأتى بهم أبا بكر ، فلما رد الجميع عليه رجع بهم ثم قام يصلي فقاموا كلهم يصلون معه . فلما انصرف قال : لمن صليتم ؟ قالوا : لله . قال : فأنتم له عتقاء . فاعتقهم . (ابن كثير، سيرة النبوة)

حضرت عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس جو غلام آئے تھے ان میں سے میں بھی تھا۔ جب سب غلام نے سامنے پیش کئے گئے تو وہ ان سے بہت کرم نہز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ یہ سب غلام بھی ان کے ساتھ نہز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ نہز کے بعد ابو بکر ان کی طرف مڑے اور پوچھا، "تم نے کس کے لئے نہز پڑھی ہے؟" وہ بولے، "اللہ کے لئے۔" آپ نے فرمایا، "پھر تم اسی کے لئے آزاد ہو۔" یہ کہہ کر آپ نے ان سب کو آزاد کر دیا۔

حَدَّثَنَا مَعْنُ بْنُ عِيسَى ، عَنْ أَبِي أَبِي ذَنْبٍ ، عَنِ الرَّهْزِيِّ ، قَالَ : مَضَتْ السُّنَّةُ أَنَّ لَا يَسْتَرْقُ كَافِرٌ مُسْلِمًا . (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (23290)

ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ (مسلمانوں میں) یہ معمول کی بات ہے کہ مسلمان کو غیر مسلم کا غلام نہیں بنے دیا جاتا۔ انیسویں صدی کے مشرق جارجیش لکھتے ہیں: (محمد کے) بیروکاروں میں یہ مستقل دستور بن گیا کہ ان کے غلاموں میں سے جو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل ہوا، اسے آزاد کر دیا جائے۔

جے ایم کوڈنی لکھتے ہیں: (اسلام میں) تمام انسانوں کو مستقل برابر قرار دیا گیا ہے۔ کم سے کم نظریاتی طور پر، بند و پست، امیر و

غریب سب ایک ہی مقام پر کھڑے ہیں۔ مشترکہ بھائی چارے کا رشتہ بہت ہی مضبوط ہے۔ ذات و نسل سرے سے ہی مفقود ہے۔ ابتدائی دور کی عیسائیت میں بھی اگر اسی درجے میں نہی، لیکن کسی حد تک یہی چیز موجود ہے۔ لا ارا اللہ" کہا، ورنہ تمام آزاد ہو گیا۔

ذی رحم ملکیت کے ملکیت رقیق سے اعلیٰ ہونے کا بیان

(وَمَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٌ مِنْهُ عَتَقَ عَلَيْهِ) وَهَذَا اللَّفْظُ مَرُورٌ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٌ مِنْهُ فَهُوَ حُرٌّ" وَاللَّفْظُ بِعُمُومِهِ يَتَّعِظُ كُلُّ قَرَابَةٍ مُؤَيَّدَةٍ بِالْمَحْرَمِيَّةِ وَلَا ذَا أَوْ غَيْرُهُ ، وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يُحَالِمًا فِي غَيْرِهِ .

لَهُ أَنَّ ثُبُوتَ الْعِتْقِ مِنْ غَيْرِ مَرْضَاةِ الْمَالِكِ يَنْصِبُهُ الْقِيَاسُ أَوْ لَا يَقْتَضِيهِ ، وَالْأُخُوَّةُ وَمَا يُصَاهِبُهَا سَارِلَةٌ عَنْ قَرَابَةِ الْوِلَادَةِ فَامْتَنَعَ الْإِلْحَاقُ أَوْ الْإِسْتِدْلَالُ بِهِ ، وَلِهَذَا امْتَنَعَ التَّكَاتُّبُ عَلَى الْمَكَاتِبِ فِي غَيْرِ الْوِلَادِ وَلَمْ يَمْتَنِعْ فِيهِ .

وَلَنَا مَا رَوَيْنَا ، وَلَآَنَّهُ مَلَكَ قَرِيبَهُ قَرَابَةُ مُؤَيَّدَةٌ فِي الْمَحْرَمِيَّةِ فَيَعْتِقُ عَلَيْهِ ، وَهَذَا هُوَ الْمُؤَيَّدُ فِي الْأَصْلِ ، وَالْوِلَادَةُ مُلَغًى لِأَنَّهَا هِيَ الَّتِي يُفْتَرَضُ وَصْلُهَا وَيَحْرُمُ قَطْعُهَا حَتَّى وَجَبَتْ النِّفْقَةُ وَحَرَمَ النِّكَاحُ ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ مَا إِذَا كَانَ الْمَالِكُ مُسَيِّمًا أَوْ كَافِرًا فِي دَارِ الْإِسْلَامِ لِعُمُومِ الْعِلَّةِ .

ترجمہ

اور جو شخص ذی رحم محرم کا مالک ہو تو وہ آزاد ہو جائے گا کیونکہ نبی کریم ﷺ سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو بندہ اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہوگا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ یہ لفظ عموم کے پیش نظر ایسی کرامت کو شامل ہے جس کو ابدی حرمت حاصل ہو اور یہ حرمت ولادت کے ذریعے ہو یا کسی اور ذریعے سے ہو۔ جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے غیر ولادت میں سم سے اختلاف کیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ مالک کی رضا کے بغیر ثبوت عتق کو قیاس منع کرتا ہے یا قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ آزاد نہ ہو۔ جبکہ اخوہ اور غیرہ اخوہ کی قرابت ولادت سے بھی کم ہے لہذا ان کا إلحاق اور ان کا استدلال دونوں منع ہو جائیں گے۔

اور اسی طرح غیر ولادت میں مکاتب پر تکاتب کرنا ممتنع ہے جب کہ وہ ماد میں ممتنع نہیں ہے۔ ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو ہم

نے بیان کی ہے اور اس سے بھی کہ وہ ایسے قریبی کا لک ہوا ہے جو جس کی قرابت محرمیت مؤثر ہے اس لئے کہ وہ اس پر آزاد ہو جائے گا اور اصل میں یہی مؤثر ہے جبکہ ولادت تو غیر مؤثر ہے کیونکہ قرابت کو ملانا ہی فرض ہے اور اس کو توڑنا حرام ہے حتیٰ کہ نفقہ واجب ہوتا ہے جبکہ نکاح حرام ہوتا ہے اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ لک سمان ہو یا دارالسلام میں کا فر ہو کیونکہ صحت عام ہے۔

### ذی رحم محرم کی آزادی فقہ شافعی و حنفی کے اختلاف کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کوئی بیٹا اپنے باپ کا بدلہ نہیں اتار سکتا مگر اس صورت میں کہ وہ اپنے باپ کو کسی کا غلام پائے اور اس کو خرید کر آزاد کر دے۔"

(مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 577 سلم)

اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ باپ محض بیٹے کے خرید لینے سے ہی آزاد ہو جاتا بلکہ جب اسے اس کا بیٹا خرید کر آزاد کرے تب آزاد ہوتا ہے۔ چنانچہ اصحاب ظواہر کا یہی مسلک ہے۔ لیکن جمہور علماء کا یہ مسلک ہے کہ باپ اپنے بیٹے کی محض ملکیت میں آ جانے سے آزاد ہو جاتا ہے، اس کی صراحت دوسری فصل کی یہی حدیث سے بھی ہوتی ہے اور اس حدیث کے معنی بھی یہی ہیں۔ چنانچہ حضرت مظہر فرماتے ہیں کہ (فیعتقہ) میں حرف ف سبب کے لئے ہے۔ اس صورت میں حدیث کے آخری جز کا ترجمہ یہ ہوگا کہ جب کہ وہ اپنے باپ کو کسی کا غلام پائے اور اس کو آزاد کرنے کے لئے خرید لے "ہذا خریدنے کے بعد اس کی ضرورت نہیں ہوگی کہ بیٹا اس باپ سے یوں کہے کہ میں نے تمہیں آزاد کیا بندہ وہ محض بیٹے کے خرید لینے ہی سے آزاد ہو جائے گا۔" (مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 579)

حضرت حسن بصری حضرت سرہ سے اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص خواہ خریدنے کی وجہ سے خواہ بیہ یا وراثت کے ذریعہ (اپنے ذی رحم محرم کا لک ہوگا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔"

(ترمذی، ابن ماجہ)

مثلاً باپ نے اپنے اس بیٹے کو خرید لیا جو کسی دوسرے شخص کی غلامی میں تھا یہ بیٹے نے اپنے غلام باپ کو خرید لیا یہ بھی نے غلام خرید لیا تو محض خرید لینے کی وجہ سے وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔

"ذی رحم" اس قرابت دار کو کہتے ہیں جو ولادت کی قرابت رکھے جس کا تعلق رحم سے ہوتا ہے ذی رحم میں بیٹا، باپ، بھائی، چچا، بھتیجا اور اسی قسم کے دوسرے قرابت دار شامل ہیں "اور محرم" اس قرابت دار کو کہتے ہیں جس سے نکاح جائز نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ چچا کا بیٹا اور اسی قسم کے دوسرے رشتہ دار ذی رحم محرم کے زمرہ میں شامل نہیں ہیں۔

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں قرابت دار محض ملکیت میں آ جانے کی وجہ سے آزاد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ علماء کے اختلافی اقوال ہیں چنانچہ اہل ظواہر کا قول یہ ہے کہ ان قرابت داروں میں سے کوئی بھی محض ملکیت میں آ جانے سے آزاد نہیں ہو جاتا بلکہ آزاد کرنا ضروری ہوتا ہے، ان کی دلیل حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے جو پہلی فصل میں گذری ہے۔

جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ محض ملکیت میں آ جانے کی وجہ سے اصول کے درجہ کے قرابت دار (جیسے باپ، دادا، پڑا دادا وغیرہ) و فرود کے درجہ کے قرابت دار، (جیسے بیٹا، پوتا، پوتا وغیرہ) آزاد ہو جاتے ہیں، البتہ اصول اور فرود کے علاوہ دوسرے قرابت داروں کے بارے میں جمہور علماء کے بھی مختلف اقوال ہیں، چنانچہ حضرت امام شافعی کا مسلک تو یہ ہے کہ یہ خصوصیت صرف اصول و فرود کے قرابت داروں ہی کے حاصل ہے وہ محض ملکیت میں آ جانے کی وجہ سے آزاد ہو جاتے ہیں جب کہ حضرت امام مالک نے اس خصوصیت میں بھی کوئی شمول کیا ہے، ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ تمام ذی رحم محرم آزاد ہو جاتے ہیں۔

نیز ان کی تیسری روایت امام شافعی کے مسلک کے مطابق ہے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ ہر وہ قرابت دار جو ذی رحم محرم ہو محض ملکیت میں آ جانے کی وجہ سے آزاد ہو جاتا ہے۔

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

ذی رحم محرم یعنی ایسا قریب کا رشتہ والا کہ اگر ان میں سے ایک مرد ہو اور ایک عورت ہو تو نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہو جیسے باپ، ماں، بیٹا، بیٹی، بھائی، بہن، چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ، بھانجی، بھانجی ان میں کسی کا مالک ہو تو فوراً ہی آزاد ہو جائیگا اور اگر ان کے کسی حصہ کا مالک ہو تو اوٹا آزاد ہو گیا۔ اس میں مالک کے عاقل بالغ ہونے کی بھی شرط نہیں بلکہ بچہ یا مجنون بھی ذی رحم محرم کا مالک ہو تو آزاد ہو جائے گا۔ (در مختار، کتاب عتاق)

### مکاتب کا اپنے بھائی کو خریدنے کا بیان

وَالْمَكَاتِبُ إِذَا اشْتَرَى أَخَاهُ وَمَنْ يَخْرِي مَجْرَاهُ لَا يَتَكَاتَبُ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ مِلْكٌ تَامٌ يُقْدِرُهُ عَلَى الْإِعْتِقَاقِ وَالْإِفْتِرَاضِ عِنْدَ الْقُدْرَةِ، بِخِلَافِ الْوِلَادَةِ لِأَنَّ الْعِتْقَ فِيهِ مِنْ مَقَاصِدِ الْكِتَابَةِ فَاِمْتِنَعَ الْبَيْعُ فَيَعْتَقُ تَحْقِيقًا لِمَقْصُودِ الْعَقْدِ.

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَتَكَاتَبُ عَلَى الْإِخْوَانِ أَيْضًا وَهُوَ قَوْلُهُمَا قُلْنَا أَنْ نَمْنَعَ، وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا مَلَكَ ابْنَةُ عَمِّهِ وَهِيَ أُخْتُهُ مِنَ الرِّضَاعِ لِأَنَّ الْمَحْرَمِيَّةَ مَا ثَبَتَتْ بِالْقَرَابَةِ وَالصَّبِيِّ جُعِلَ أَهْلًا لِهَذَا الْعِتْقِ، وَكَذَا الْمَجْنُونُ حَتَّى عَتَقَ الْقَرِيبُ عَلَيْهِمَا عِنْدَ الْمِلْكِ؛ لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ بِهِ حَقُّ الْعَبْدِ فَشَابَةِ النِّفَقَةِ.

ترجمہ

اور جب مکاتب نے اپنے بھائی یا کسی بھائی کے قائم مقام کو خرید لیا تو وہ اس مکاتب کے اوپر مکاتب نہ ہوگا کیونکہ مکاتب کو اس قدر کامل ملکیت حاصل نہیں ہوگی۔ ہاں البتہ جس نے اس کو آزادی پر قدرت دے دی تو مسئلہ قدرت ہی پر دہو جائے گا۔ جبکہ ولادت میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ کتابت کے مقاصد میں آزادی ہے۔ کیونکہ اسی وجہ سے اس کی (مکاتب) بیع منع ہوئی ہے۔



کیونکہ مقصود عقد کو ثابت کرتے ہوئے وہ آزاد ہو جائے گا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مکاتب کا بھائی پر مکاتب ہوگا اور صاحبین کا قول بھی اسی طرح ہے۔ پس منع کا اختیار ہے۔ اور البتہ یہ صورت اس کے خلاف ہے جب کوئی شخص اپنے بچا کی بیٹی کا مالک بن جائے اور اس کی رضائی بیوی بھی ہو، کیونکہ محرم ہونے معتبر ہے جو اس کی قربت سے ثابت ہے اور بچے اور اسی بھتیجی کو اس کا اہل قرار دیا گیا ہے حتیٰ کہ قریبی آدمی مالک ہونے کے وقت ہی آزاد ہو جائے گا۔ لہذا ابندے کا حق آزادی اس سے متعلق ہو گیا اور یہ نفقہ کے مشابہ ہو گیا ہے۔

شرح

حضرت عروہ ع شر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ بریرہ ان کے پاس اپنی کتابت (کی رقم کی ادائیگی) کے لیے مدد مانگنے آئیں اور اپنی کتابت کی رقم سے کچھ بھی ادا نہیں کیا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا اپنے مالکوں کے پاس جا کر وہ اس بات کو پسند کریں کہ میں تمہاری طرف سے کتابت کی رقم ادا کروں اور تیری داء میرے لیے ہوتی میں ایسا کروں چنانچہ بریرہ نے یہ بات اپنے مالکوں سے کہی تو وہ وگ نہ مانے اور کہا کہ اگر وہ ثواب کی نیت سے ایسا کرتا چاہتی ہیں تو کریں لیکن تیری داء کے مالک ہم ہوں گے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ ماجرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خریدو اور آزاد کرو اس لیے کہ حق داء تو اسی کو حاصل ہوتا ہے جو آزاد کرے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خریدو اور آزاد کرو اس لیے کہ حق داء تو اسی کو حاصل ہوتا ہے جو آزاد کرے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا لوگوں کا کیا حال ہے کہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں جو شخص ایسی شرط لگائے جو کتاب اللہ میں نہیں ہے تو اس کو کوئی حق نہیں اگرچہ سینکڑوں بار شرط لگائے اور اللہ کی شرط زیادہ مستحق اور مضبوط ہے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2410)

اللہ کی رضا کیلئے غلام کو آزاد کرنے کا بیان

(وَمَنْ أَعْتَقَ عَبْدًا لَوْجِهَ اللَّهِ تَعَالَى أَوْ لِلشَّيْطَانِ أَوْ لِلنَّسَمِ عَتَقَ) لَوْجُودِ رُكْنِ الْإِعْتِقِ  
مِنْ أَهْلِهِ فِي مَحَلِّهِ وَوَصَفُ الْقُرْبَةِ فِي اللَّفْظِ الْأَوَّلِ زِيَادَةٌ فَلَا يَخْتَلُ الْعِتْقُ بَعْدَهُ فِي  
الْلَفْظَيْنِ الْآخَرَيْنِ.

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے غلام کو اللہ کیلئے آزاد کیا یا اس نے شیطان یا بت کیلئے آزاد کیا تو وہ آزاد ہو جائے گا کیونکہ آزادی کا رکن اپنی اہلیت کے ساتھ محل میں واقع ہو گیا ہے جبکہ قربت کا وصف غلاموں میں زیادہ ہے۔ جبکہ آخری دو الفاظ میں قربت معدوم ہونے کی وجہ سے وہ خلل انداز نہ ہوگا۔

غلام کو آزاد کرنے پر گواہ بنانے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ جب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو میں نے راستہ میں یہ شعر کہے درازی شب اور اس کی سختیوں سے شکایت ہے۔ مگر یہ کہ دار الکفر سے اس نے بابت دنی پھر انہوں نے بیان کیا کہ میرا غلام راستے ہی سے بھاگ گیا جب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اس وقت میرا غلام آنکھوں سے آنسو لے کر فرمایا ابو ہریرہ یہ تیرا غلام ہے تو میں نے کہا وہ اللہ کی رضا کے لیے آزاد ہے اور میں نے اس کو آزاد کر دیا ابو ہریرہ نے ابواسامہ سے جو روایت کی اس میں یہ نہیں بیان کیا کہ وہ آزاد ہے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2383)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب اسلام قبول کرنے کے ارادہ سے ابو ہریرہ نکلے اور ان کے ساتھ ان کا غلام بھی تھا ان میں سے ہر ایک دوسرے سے جدا ہو گیا کچھ دنوں کے بعد وہ غلام آیا اس حال میں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیرا غلام ہے جو تیرے پاس آیا ہے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ وہ آزاد ہے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ پہنچ کر یہ شعر کہہ رہے تھے۔ درازی شب اور اس کی سختیوں سے شکایت ہے مگر یہ کہ دار الکفر سے اس نے نجات پائی۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2382)

حالانکہ آزادی کے لیے گواہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو اس لیے بیان کیا کہ باب ۱۱ حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ کر کے اپنے غلام کو آزاد کیا تھا۔ بعضوں نے کہا امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ غلام کو یوں کہنا وہ اللہ کا ہے اس وقت آزاد ہوگا جب کہنے والے کی نیت آزاد کرنے کی ہو اگر کچھ اور مطلب مراد رکھے تو وہ آزاد نہ ہوگا۔ آزاد کرنے کے لیے بعض الفاظ تو صریح ہیں جیسے کہ وہ آزاد ہے یا میں نے تجھ کو آزاد کر دیا۔ بعضے کنایہ ہیں جیسے وہ اللہ کا ہے یعنی اب میری ملک اس پر نہیں رہی وہ اللہ کی ملک ہو گیا۔

مجبور و مکران والے سے آزادی کا بیان

(وَعِتْقُ الْمُكْرَهَةِ السَّكَرَانِ وَاقِعٌ) لِصُدُورِ الرُّكْنِ مِنَ الْأَهْلِ فِي الْمَحَلِّ كَمَا فِي  
الطَّلَاقِ وَقَدْ بَيَّنَّا مِنْ قَبْلُ.

(وَإِنْ أَضَافَ الْعِتْقُ إِلَى مِلْكٍ أَوْ شَرِطَ صَحَّ كَمَا فِي الطَّلَاقِ) أَمَّا الْبَاطِلَةُ إِلَى  
الْمِلْكِ فَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَدْ بَيَّنَّا فِي كِتَابِ الطَّلَاقِ، وَأَمَّا التَّغْلِيْقُ  
بِالشَّرْطِ فَلِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ فَيَجْرَى فِيهِ التَّغْلِيْقُ بِخِلَافِ التَّمْلِيْكَاتِ عَلَى مَا عُرِفَ فِي

مَوْضِعِهِ .

ترجمہ

مجبور ورنہ والے کا آزاد کرنا واقع ہو جائے گا کیونکہ آزادی کا رکن اپنے اہل سے محل میں واقع ہوا ہے جس طرح طلاق میں ہے اور اس سے پہلے ہم بیان بھی کر چکے ہیں۔

اور جب آقا نے آزادی کو ملکیت یا کسی شرط کی طرف منسوب کیا تو اس کیلئے ایسا کرنا صحیح ہے جس طرح طلاق میں اضافت رکھی ہے جبکہ ملک کی طرف اضافت میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے اور وہ کتاب طلاق میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ البتہ شرط کے ساتھ معتق کرنا وہ جائز ہے کیونکہ آزادی اسقاط حق ہے لہذا اس میں تعلیق جاری رہے گی۔ جبکہ تملیک میں ایسا نہیں ہے جس کا حکم اپنے مقام پر بیان کیا گیا ہے۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مجبور کی طرف سے وقوع آزادی میں انہر ثلاثہ نے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ مجبور کی صرف رضامندی ختم کرنے والی ہے۔ جبکہ حق اس پر موقوف نہیں ہے۔ لہذا ہا زل کا حق جائز ہوگا اور نشر والے کا حق کا اعتبار تمام ائمہ کے اتفاق سے اختیار کی گئی ہے۔ (فتح القدیر، ج ۱۰، ص ۸۶، بیروت)

حربی کے غلام کا مسلمان ہو کر آنے کا بیان

(وَإِذَا خَرَجَ عَبْدُ الْحَرْبِيِّ إِلَيْنَا مُسْلِمًا عَتَقَ) (لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عَبِيدِ الطَّائِفِ حِينَ خَرَجُوا إِلَيْهِ مُسْلِمِينَ هُمْ عَتَقَاءُ اللَّهِ تَعَالَى) وَلَا نَهْ أَخْرَزَ نَفْسَهُ وَهُوَ مُسْلِمٌ وَلَا اسْتَرْقَاقَ عَلَى الْمُسْلِمِ ابْتِدَاءً.

ترجمہ

اور اگر کسی حربی شخص کا غلام مسلمان ہو کر ہماری طرف آجائے تو وہ آزاد ہوگا کیونکہ طائف کے غلام جب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں مسلمان ہو کر حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کی طرف سے آزاد ہیں۔ اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ انہوں نے مسلمان ہونے کی حاست میں اپنے جان کو محفوظ کیا ہے اور ابتدائی طور پر کسی بھی مسلمان پر غلامی نہیں کی جاسکتی۔

طوائف کے غلاموں کی آزادی کا بیان

اگر اہل حرب کے کوئی غلام یا لونڈی ہجرت کر کے آجائے تو انہیں آزاد قرار دے دیا جاتا اور ان کا درجہ مہاجرین کے برابر

ہوتا۔ اور اگر اہل عہد کے کوئی غلام یا لونڈی ہجرت کر کے آجائے تو انہیں واپس لوٹایا نہ جاتا لیکن ان کی قیمت ان کے مالکان کو بھیج دی جاتی۔

اسی اصول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح کا معاہدہ طے پا جانے سے پہلے آنے والے دو غلاموں کو آزادی عطا فرمائی۔

حدثنا عبد العزيز بن يحيى الحراني، قال . حدثني محمد يعني ابن سلمة عن محمد بن إسحاق، عن ابن بن صالح، عن منصور بن المعتمر، عن ربيع بن خراش، عن علي بن أبي طالب قال : خرج عتدان إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم يعني يوم الحديبية قبل الصلح، فكتب إليه مواليتهم فقالوا : يا محمد، والله ما خرجوا إليك رغبة في دينك، وإنما خرجوا هرباً من الرق، فقال ناس : صدقوا يا رسول الله زدّهم إليهم، فعصب رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال : "ما أراكم تستهونوا يا معشر قريش حتى يبعث الله عز وجل عليكم من يضرب رقابكم على هذا" "وإني أن يردّهم، وقال : "هم عتقاء الله عز وجل" (ابو داؤد، كتاب الجهاد، حديث (2700)

حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : حدیبیہ کے دن صلح سے پہلے (اہل مکہ کے) دو غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ گئے۔ ان کے مالکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خط لکھا اور کہا، "اے محمد! خدا کی قسم یہ آپ کے دین سے رغبت کے باعث آپ کے پاس نہیں آئے۔ یہ تو محض آزادی حاصل کرنے کے لئے آپ کے پاس آئے ہیں۔" لوگ کہنے لگے، "یا رسول اللہ! ان کے مالک درست کہہ رہے ہیں۔ آپ انہیں واپس بھجوا دیجیے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات پر سخت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے، "اے گروہ قریش! میں سمجھتا ہوں کہ تم اس کام (یعنی غلامی کو برقرار رکھنے) سے اس وقت تک باز نہ آؤ گے جب تک کہ اللہ عز وجل تمہاری طرف کسی ایسے کو نہ بھیجے جو تمہاری گردنوں پر ضرب لگائے۔" آپ نے انہیں واپس کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا، "وہ اللہ عز وجل کی رضا کے لئے آزاد ہیں۔"

اسی اصول پر آپ نے طائف کے محاصرے کے وقت اعلان فرما دیا تھا کہ اہل طائف کے غلاموں میں سے جو آزادی کا طالب ہو، وہ ہماری طرف آجائے۔

حدثنا عبد الله حدثني أبي حدثنا يحيى بن زكريا حدثنا الحجاج عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس قال : لما حاصر رسول الله صلى الله عليه وسلم أهل الطائف أعتق من رقيقهم . (مسند احمد، باب عبد الله بن عباس، مصنف ابن أبي شيبة، حديث (34283)

حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل طائف کا محاصرہ کیا تو ان کے غلاموں میں سے (ان غلاموں کو جو مسلمانوں کی طرف آ گئے تھے) آزاد فرما دیا۔

باندی کے تابع حمل کے آزاد ہونے کا بیان

(وَإِنْ أَعْتَقَ حَامِلًا عَتَقَ حَمْلَهَا تَبَعًا لَهَا) إِذْ هُوَ مُتَّصِلٌ بِهَا (وَلَوْ أَعْتَقَ الْحَمْلَ حَاصَّةً عَتَقَ ذُوْنَهَا) لِأَنَّهُ لَا وَجْهَ إِلَى إِعْتَاْقِهَا مَقْصُودًا لِعَدَمِ الْإِصَافَةِ إِلَيْهَا وَلَا إِلَيْهِ تَبَعًا لِمَا فِيهِ مِنْ قَلْبِ الْمَوْضُوعِ، ثُمَّ إِعْتَاَقُ الْحَمْلِ صَحِيحٌ وَلَا يَصَحُّ بَيْعُهُ وَهَبُهُ لِأَنَّ التَّسْلِيمَ نَفْسَهُ شَرْطٌ فِي الْهَبَةِ وَالْقُدْرَةُ عَلَيْهِ فِي الْبَيْعِ وَلَمْ يُوجَدْ ذَلِكَ بِالْإِصَافَةِ إِلَى الْجَنِينِ وَشَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ لَيْسَ بِشَرْطٍ فِي الْإِعْتَاَقِ فَافْتَرَقَا .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے اپنی حاملہ باندی کو آزاد کیا تو اس باندی کے تابع ہوتے ہوئے اس کا حمل بھی آزاد ہو جائے گا۔ اس لئے کہ حمل باندی سے ملتا ہوا ہے اور اگر صرف حمل کو آزاد کیا تو باندی آزاد نہیں ہوگی صرف حمل آزاد ہوگا اس لئے کہ باندی کو آزاد کرنے کی کوئی وجہ نہیں پائی جا رہی نہ تو قصداً کیونکہ باندی کی طرف ضافت نہیں ہے اور نہ ہی تبعاً کیونکہ اس میں قبضہ ماضوع ہے۔ بھروسہ کا اعتناق درست ہے لیکن اس کا ہبہ اور بیع درست نہیں ہے کیونکہ ہبہ میں ذات کی پردگی شرط ہے اور بیع میں پردگی پر قدرت شرط ہے جبکہ جنین کی طرف اضافت کرنے سے یہ چیز نہیں پائی جا رہی اور اعتناق میں ان میں سے کوئی شرط نہیں ہے لہذا دونوں جدا ہو گئے۔

حاملہ باندی کے حمل کے تابع ہونے میں اجماع اربعہ

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ نے لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص کی باندی آزاد ہوئی تو اس کا حمل بھی اس کے تابع ہونے کے سبب بھی آزاد ہوگا۔ اسی پر ائمہ اربعہ کا اجماع ہے۔ اور اس میں استثناء اگر کیا جائے تو وہ صحیح نہ ہوگا۔ جس طرح یہ مذکور ہے۔ خلافاً لِأَخْتَدَ وَإِسْحَاقَ وَالنَّحْيِ وَالشَّعْبِ وَعَطَاءٍ وَابْنِ سِيرِينَ، وَقَوْلُهُمْ مَرْوِيٌّ عَنْ ابْنِ عَمْرٍو وَأَبِي هُرَيْرَةَ .

(فتح القدیر، ۱۰، ص ۹۲، بیروت)

حضرت ربیعہ بن ابی عبد الرحمن سے روایت ہے کہ زبیر بن عوان نے ایک غلام خرید کر آزاد کیا اس غلام کی اودا ایک آزاد عورت سے تھی جب زبیر نے غلام کو آزاد کر دیا تو زبیر نے کہا اس کی اولاد میری مولیٰ ہیں اور ان کی ماں کے لوگوں نے کہا ہمارے مولیٰ ہیں دونوں نے جھگڑا کیا حضرت عثمان کے پاس آئے آپ نے حکم کیا کہ ان کی اولاد زبیر کو ملے گی۔

حضرت سعید بن مسیب سے سوال ہوا اگر ایک غلام کا لڑکا آزاد عورت سے ہو تو اس لڑکے کی ولادت کس کو ملے گی سعید نے کہا اگر اس لڑکے کا باپ غلامی کی حالت میں مر جائے تو ولادت اس کی ماں کے مولیٰ کو ملے گی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ بٹال اس کی یہ ہے ملا عنہ عورت کا لڑکا اپنی ماں کے مولیٰ کی طرف منسوب ہوگا اگر

مر جائے گا وہی اس کے وارث ہوں گے اگر جتایت کرے گا وہی دیت دیں گے پھر اس عورت کا خاوند اقرار کر لے کہ یہ میرا لڑکا ہے تو اس کی ولادت باپ کے مولیٰ کو ملے گی وہی وارث ہوں گے وہی دیت دیں گے مگر اس کے باپ پر حد قذف پڑے گی مالک نے اس طرح کہا اگر عورت ملا عنہ عربی ہو اور خاوند اس کے لڑکے کا اقرار کر لے کا اقرار کر لے کہ میرا لڑکا ہے تو وہ لڑکا اپنے باپ سے مل جائے گا۔ جب تک خاوند اقرار نہ کرے تو اس لڑکے کا ترکہ اس کی ماں اور اختیانی بھئی کو حصہ دے کر جو بیچ رہے گا۔ مسلمانوں کا حق ہوگا اور ملا عنہ کے لڑکے کی میراث اس کی ماں کے مولیٰ کو اس واسطے ملتی ہے کہ جب تک اس کے خاوند نے اقرار نہیں کیا نہ اس لڑکے کا نسب ہے نہ اس کا کوئی عصبہ ہے جب خاوند نے اقرار کر لیا نسب ثابت ہو گیا اپنے عصبہ سے مل جائے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس غلام کی اودا آزاد عورت سے ہو اور غلام کا باپ آزاد ہو وہ اپنے پوتے یا دلہ کا مالک ہوگا جب تک باپ غلام رہے گا جب باپ آزاد ہو جائے گا تو اس کے مولیٰ کو ملے گی اگر باپ غلامی کی حالت میں مر جائے گا تو میراث اور ولادت اودا کو ملے گی اگر اس غلام کے دو آزاد لڑکوں میں سے ایک لڑکا مر جائے اور باپ ان کا غلام ہو تو ولادت اور میراث اس کے اودا کو ملے گی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ حاملہ لونڈی اگر آزاد ہو جائے اور خاوند اس کا غلام ہو پھر خاوند بھی آزاد ہو جائے منع حمل سے پیسے یا بعد تو دوا اس بچہ کی اس کی ماں کے مولیٰ کو ملے گی کیونکہ یہ بچہ قبل آزادی کے اس کا غلام ہو گیا ابستہ جو حمل اس عورت کو بعد آزادی کے ٹھہرے گا اس کی ولادت اس کے باپ کو ملے گی جب وہ آزاد کر دیا جائے گا کہ مالک نے جو غلام اپنے مولیٰ کے اذن سے اپنے غلام کو آزاد کرے تو اس کی دوا مولیٰ کو ملے گی غلام کو نہ ملے گی اگر چہ آزاد ہو جائے۔

(موطا امام مالک: جداول: حدیث نمبر 1166)

باندی کے حمل کو مال کے بدلے آزاد کرنے کا بیان

(وَلَوْ أَعْتَقَ الْحَمْلَ عَلَى مَالٍ صَحَّ) وَلَا يَجِبُ الْمَالُ إِذَا لَا وَجْهَ إِلَى الزَّامِ الْمَالِ عَلَى الْجَنِينِ لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ عَلَيْهِ، وَلَا إِلَى الزَّامِ الْأُمِّ لِأَنَّهُ فِي حَقِّ الْعِتْقِ نَفْسٌ عَلَى حِدَّةٍ، وَأَشْرَاطُ بَدَلِ الْعِتْقِ عَلَى غَيْرِ الْمُعْتَقِ لَا يَجُوزُ عَلَى مَا مَرَّ فِي الْخَنْعِ، وَإِنَّمَا يُعَرَّفُ قِيَامُ الْحَبْلِ وَقَتُّ الْعِتْقِ إِذَا جَاءَتْ بِهِ لَأَقْلَ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مِنْهُ، لِأَنَّهُ أَذْنَى مُدَّةِ الْحَمْلِ.

ترجمہ

اور جب آقا نے حمل کو مال کے عوض آزاد کیا تو آزادی درست ہوگی لیکن مال واجب نہیں ہوگا اس لئے کہ جنین پر مال واجب کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے اس لئے کہ اس پر کسی کو ولایت کا حق نہیں ہے اور اس کی ماں پر مال واجب کرنے کی صورت نہیں ہے کیونکہ آزادی کے حق میں جنین ایک انگ جان ہے اور آزادی کا بدلہ جس کو آزاد کرنا ہے اس کے علاوہ کسی اور پر شرط لگانا جائز

نہیں ہے جس طرح کہ خلع میں گزر چکا ہے۔ اور بوقت حق حمل کا قیام اسی صورت میں معلوم ہوگا جب اس وقت سے چھ ماہ سے کم میں باندی نے بچہ جنا ہو اس لئے کہ یہ حمل کی ادنی مدت ہے۔

جنین سے متعلق مذاہب فقہاء

اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حمل کی کم از کم مدت چاند کی تاریخ کے لحاظ سے چھ ماہ ہے۔ طبی لحاظ سے حمل کی کم از کم مدت سے مراد ہے کہ عام معمول سے پہلے جو بچہ پیدا ہوا اور عموماً پیدائش کے بعد ایسے بچے زندہ رہ جاتے ہوں۔ جدید طبی تحقیقات نے بھی یہ بات ثابت کر دی ہے کہ چھ ماہ میں جنین کے تمام اعضا مکمل ہو جاتے ہیں اور اگر اس مدت میں وضع حمل ہو جائے تو طبی سہولیات کی فراہمی سے مولود کی جان محفوظ بنائی جاسکتی ہے۔ فقہاء اسلام نے کم از کم مدت کے تعین کے لیے ان نصوص شریعت کو بنیاد بنایا ہے: **وَالْوَالِدَاتُ بِرَضْعَنِ اَوْلَادِهِنَّ حَوْلِينَ كَامِلِينَ** اور چاہے کہ (باہمی مشورے سے) ماں اپنے بچے ہوئے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلاتی رہیں دوسری آیت سورہ احقاف کی ہے جسے پہلی آیت کے ساتھ رکھ کر اہل علم نے مدت کا تعین کیا ہے: **وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا** (بچے) کی مدت حمل اور مدت رضاعت (دونوں کا کل دورانیہ) تیس ماہ ہے۔

ن دونوں آیت مبرکہ کو جمع کرنے سے کم از کم مدت چھ ماہ اس طرح بنتی ہے کہ اگر وضع حمل نو ماہ کے بعد ہو تو تیس ماہ میں سے نو ماہ نکال کر رضاعت کی مدت آئیس ماہ بنے گی اور اگر پیدائش کے بعد پورے دو سال تک دودھ پلانے کی مدت تیس ماہ سے منہا کی جائے تو یہ چوبیس ماہ کل تیس ماہ سے منفی کرنے کے بعد چھ ماہ رہ جاتے ہیں۔ پوری مدت رضاعت کو سامنے رکھ کر تیس ماہ کی نص کو اصل اور طبی مدت مان کر کم از کم حمل کی مدت چھ ماہ ہی بنے گی۔

صحابہ کرام میں سے حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سب اکابر صحابہ نے انہیں آیات سے یہ حکم اخذ کیا تھا اور اسی مدت پر امت کا اجماع ہو گیا۔ یہ تو تھا حمل کی کم از کم مدت کا مسئلہ۔ جہاں تک حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت کا تعلق ہے تو اس کے تعین میں اہل علم کا صریح نص نہ ہونے کی وجہ سے اتفاق نہیں ہو سکا۔

ظاہری مذہب: امام ابن حزم نے مذکورہ بالا آیات کو بنیاد بنا کر کم از کم چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ نو ماہ کی مدت کو فیصلہ کن مدت کہا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نو ماہ سے زیادہ مدت تک ٹھہرے جانے والے حمل کا شرعی اعتبار رکھتا ہے تو وہ اللہ کے واضح کلام کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ جب اللہ نے خود ہی زیادہ سے زیادہ مدت تیس مہینے متعین کر دی ہے تو کم یا زیادہ کا سوال ہی نہ رہا۔

شافعیہ اور حنابلہ کی مشہور رائے چار برس ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک رائے یہی ملتی ہے۔ احناف اور شافعیہ میں سے امام مرنی رحمۃ اللہ علیہ نے دو برس کی مدت کو حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت بتلایا ہے۔ امام حزم اور ظاہری مذہب میں نو ماہ کی ہی مدت کو حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت تسلیم کر لیا گیا ہے۔ جن ائمہ نے زیادہ سے زیادہ چار برس کی رائے اختیار کی ہے تو انہوں نے اپنی رائے کے درست ہونے کے یہ دلائل دیے ہیں: انسانوں کو جو روزمرہ مسائل پیش آتے ہیں ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جن کے لیے شریعت میں نصوص پائی جاتی ہیں اور کچھ ایسے ہیں کہ وہ عرف پر چھوڑ دیے گئے ہیں۔ جس طرح حیض اور نفاس کا حکم عورت

کے معمول پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ خون کا سیلان بند ہوتے ہی عورت پاک ہو جاتی ہے اسی طرح عورتوں کے وضع حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت کا تعین چار برس کیا گیا ہے کیونکہ اگر کسی عورت کے ہاں وقت پر ولادت نہ ہو تو عورتوں میں زیادہ سے زیادہ وضع حمل کا یہی معمول دیکھا گیا ہے۔ مبارک بن مجاہد کہتے ہیں کہ ہرے علقے میں محمد بن عثمان کے گھر ہر بار چار برس کے حمل کے بعد ولادت ہوتی تھی۔ ان کی گھر والی کا یہ ایسا بندھا معمول تھا کہ ان کی بابت کہا جاتا کہ فلا نہ کا معمول حمل قبل کی طرح پورے چار برس ہے۔

جن ائمہ کرام نے زیادہ سے زیادہ مدت دو برس اختیار کی ہے ان کی دلیل یہ ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمادیا کرتی تھیں لا یبقی الولد فی رحم امہا کثر من سنتین، و لو بھر کة مغزل جنین اپنی ماں کے پیٹ میں کبھی بھی دو برس سے زیادہ نہیں نکلتے بس سمجھوں اتنی مدت اونٹن پر تو ٹھہر جائے گا جتنی دیر میں تنکے کا ایک چکر پورا ہوتا ہے (دھوپ میں تنکے کا سایہ یا اس کا ایک چکر کم مدت کے لیے کنایت ہے) یہ اصحاب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس فرمان کی بابت فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس مدت کا تعین یقیناً اپنے طور پر نہ فرماتی ہوں گی کیونکہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت کا بیان کوئی شخص بھی اپنے مشاہدے یا عقل سے حتمی طور پر نہیں کر سکتا۔ یہ ماننا ہی پڑے گا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ایسا سن رکھا ہوگا۔

باندی کی اولاد کے آزاد ہونے کا بیان

قَالَ (وَوَلَدَ الْأُمِّيَّةُ مِنْ مَوْلَاهَا حُرًّا) لِأَنَّهُ مَخْلُوقٌ مِنْ مَائِهِ فَيُعْتَقُ عَلَيْهِ، هَذَا هُوَ الْأَصْلُ، وَلَا مُعَارَضَ لَهُ فِيهِ لِأَنَّ وَلَدَ الْأُمِّيَّةِ لِمَوْلَاهَا.

ترجمہ

فرمایا کہ باندی کی اولاد جو اس آقا سے ہوگی وہ آزاد ہوگی کیونکہ آقا کے نطفے سے پیدا ہوئی ہے اس لئے اس پر آزاد دی ہوگی یہی اصل ہے اور بچہ کے متعلق کوئی معارض نہیں ہے۔ کیونکہ باندی کا بچہ اس کے آقا کا ہے۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ نے نبی کریم ﷺ کے بیٹے حضرت ابراہیم سے آزاد ہونے سے استدلال کیا ہے۔ اس حدیث کو ہم مکمل ترجمے کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

حضرت ابن نمیر محمد بن بشر اسماعیل سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابن ابی اوفی سے پوچھا کیا تم نے ابراہیم بن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے انہوں نے کہ وہ چھوٹی عمر میں فوت ہو گئے اگر خدا کی مرضی ہوتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہو تو آپ کے صاحبزادے زندہ رہتے لیکن آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ (فتح القدیر، ۱۰ ص ۹۶، بیروت)

بندی کے بچے کے مموک ہونے کا بیان

(وَوَلَدَهَا مِنْ رَوْحِهَا مَمْلُوكٌ لِّسَيِّدِهَا) لِنَرْجِحَ جَانِبِ الْأُمِّ بِإِعْيَارِ الْحَصَانَةِ أَوْ لَا سِتْهْلَاكِ مَائِهِ بِمَائِهَا وَالْمُسَافَاةُ مُتَحَقِّقَةٌ وَالرَّوْجُ قَدْ رَضِيَ بِهِ ، بِخِلَافِ وَلَدِ الْمَغْرُورِ لِأَنَّ الْوَالِدَ مَا رَضِيَ بِهِ .

ترجمہ

اور باندی کا وہ بچہ جو اس کے شوہر سے پیدا ہوا ہو وہ اس باندی کے مالک کا مموک ہوگا اس سے کہ کہ پرورش کے اعتبار سے یا شوہر کے نطفے کے باندی کے ساتھ ملکر ہلاک ہونے کی اعتبار سے اس کی جہت راجع ہے اور منافات ثابت ہے اور شوہر اس پر راضی ہے اس شخص کے بچے کے خلاف کہ جس کو دھوکا دیا گیا ہو کیونکہ کہ والد اس پر راضی نہیں ہے۔

غلام باپ اور کنیز ماں کے بچوں کی آزادی کا فقہی بیان

دور جاہلیت میں ان میں سے ہر قسم کے بچوں کو بالعموم غلام ہی سمجھا جاتا تھا۔ ان میں سے ان بچوں کی حالت نسبتاً بہتر تھی جو آقا اور لونڈی کے ازدواجی تعلق کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہوں لیکن یہ بھی اپنے ان سوتیلی بہن بھائیوں کی نسبت کمتر درجے کے حامل ہوا کرتے تھے جو ان کے باپ اور ایک آزاد عورت کے ازدواجی تعلق کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہوں۔ ان بچوں کے حقوق وراثت وغیرہ کے معاملات میں اپنے آزاد بہن بھائیوں کی نسبت نہ ہونے کے برابر تھے۔

اسلام نے ان بچوں سے متعلق جو احکامات کیے، ان کے مطابق آقا اور لونڈی کے تعلق سے پیدا ہونے والے بچوں کو مکمل طور پر آزاد اور اپنے سوتیلی بہن بھائیوں کے ہم پلہ قرار دیا۔ انہیں وراثت میں بھی وہی حقوق دیے گئے جو ان کے بہن بھائیوں کو حاصل تھے۔ نہ صرف اور بلکہ اس اور دکنیز ماں کے خود بخود آزاد ہونے کا قانون بنا دیا گیا جس کی تفصیل ہم "ام ولد" کے عنوان کے تحت بیان کر چکے ہیں۔ بالکل یہی معاملہ ان بچوں کے ساتھ کیا گیا جن کا باپ غلام اور ماں آزاد ہو۔ ان بچوں کو بھی مکمل طور پر آزاد قرار دے دیا گیا۔

امام احمد بن حنبل بیان کرتے ہیں کہ آزاد ماں اور غلام باپ کے بچے بھی آزادی ہوں گے۔

قال أحمد : إذا تزوج العبد حرة عتق نصفه . ومعنى هذا ، أن أولاده يكونون أحراراً

وهم فرعه ، فالأصل عبد وفرعه حر والفرع جزء من الأصل . (ابن تیمیہ، السياسة

الشرعية في اصلاح الراعي والرعية)

احمد بن حنبل کہتے ہیں، "جب کوئی غلام کسی آزاد خاتون سے شادی کر لے تو اس کا نصف آزاد ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ

اس مالک کی آزاد ہوگئی کیونکہ وہ اس کی ایک شاخ ہے۔ تا تو غلام ہے لیکن شخص آزاد ہیں اور شاخ تو تنے کا ایک حصہ ہی ہے۔" ایسے بچے جن کی ماں غلام اور باپ آزاد ہو تو ان کے دشمن میں کوئی مرفوع حدیث ہمیں نہیں مل سکی۔ اس کی وجہ بنیادی طور پر یہ رہی ہوگی کہ ایسا کوئی مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہی نہ ہوا ہوگا۔ اول تو ایسے جوڑوں کی تعداد ہی بہت کم تھی جن میں سے ایک غلام اور ایک آزاد ہو۔ دوسرے یہ کہ جو ایسے جوڑے ہوں گے بھی، انہوں نے اپنے مالکان کو بچوں کی آزادی پر راضی کر لیا ہوگا اور عدالت میں مقدمے کی نوبت ہی نہ آئی ہوگی۔

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے دور میں ایک ایسا مقدمہ پیش کیا گیا جس میں ایک لونڈی نے جھوٹ بول کر خود کو آزاد عورت ظاہر کر کے شادی کر لی۔ اس مقدمے میں خلیفہ وقت نے ان بچوں کے آزاد باپ کو حکم دیا کہ وہ فدیہ ادا کر کے اپنے بچوں کو آزاد کروالے۔ (موطا امام مالک، کتاب القضیہ، حدیث 2160)۔ ایک اور مقدمہ سیدنا عبداللہ بن مسعود یا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس پیش کیا گیا تو انہوں نے ایسے بچوں کو غلام بنانے سے منع فرما دیا۔

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، عَنْ مِسْعَرٍ وَسُفْيَانَ ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ ، عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ الْأَخْفِ ،

قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ فَقَالَ : إِنَّ عَمِّي رَوْحَ بْنَ أَبِي حَنِيْفَةَ وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَسْتَرْقَ

وَلَدِي ، قَالَ : لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ . (مصنف ابن ابی شیبہ؛ حدیث (21277)

ایک شخص عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا میرے چچا نے اپنی لونڈی کی شادی مجھ سے کر دی تھی۔ اب وہ میری اولاد کو اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا، "ایسا نہیں ہو سکتا۔"

ابن کثیر نے امام شافعی کا ایک نقطہ نظر یہ درج کیا ہے کہ ماں یا باپ میں سے اگر ایک بھی آزاد ہو تو ان کے بچے بھی آزاد ہی تصور کئے جائیں گے۔ (تفسیر سورۃ نبا، 4.25)

رہے وہ بچے جن کے ماں اور باپ دونوں ہی غلام ہوں، ان کے بارے میں بھی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی حدیث نہیں مل سکی۔ تغیر و فقہ کی کتب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنے والدین کے تابع ہی ہوں گے۔ جب تک ان کے والدین غلام رہیں گے، یہ بچے بھی غلام ہی تصور کئے جائیں گے اور جب والدین آزاد ہوں گے یا ان میں سے کوئی مکاتبہ کرے گا تو یہ بچے خود بخود ان کے ساتھ ہی آزاد ہو جائیں گے۔ اگر والدین میں سے ایک آزاد اور ایک غلام ہو تو اعتبار ماں کا کیا جائے گا۔

حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ ، عَنِ الْعُمَرِيِّ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، قَالَ : وَلَدُ أُمِّ الْوَلَدِ

يَمْنَزِلُهَا . (مصنف ابن ابی شیبہ؛ حدیث (21000)

حضرت نافع کہتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا، "لونڈی کی (اپنے مالک کے علاوہ اولاد) اپنی ماں کے درجے پر ہے (یعنی وہ ماں کے ساتھ ہی آزاد ہو جائے گی)"

حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ، عَنْ مُغِيرَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، فِي الرَّحْلِ يُزَوِّجُ أُمَّ وَلَدِهِ عَبْدَهُ فَيُلِدُ لَهُ أَوْلَادًا، قَالَ: هُمْ بِمَنْزِلَةِ أُمَّهُمْ، يَعْتَقُونَ بِعَقِبِهَا وَيُرْقُونَ بِرِقْهَها، فَإِذَا مَاتَ سَيِّدُهُمْ عَقُّوا. (مصنف ابن ابی شیبہ؛ حدیث (20996))

حضرت امام ابو نعیم نخعی نے ایسی صورت کے بارے میں فتویٰ دیا جس میں ایک شخص نے اپنی ام ولد کی شادی اپنے غلام سے کر دی تھی اور پھر اس غلام میں سے اس کی اولاد بھی پیدا ہو گئی تھی۔ انہوں نے کہا، "وہ اپنی ماں کے درجے پر ہوں گے۔ جب تک وہ غلامی کی حالت میں رہے گی، یہ بھی غلام رہیں گے اور جب وہ مکمل آزاد ہو جائے گی تو یہ بھی آزاد ہو جائیں گے۔ جب ماں کا آقا فوت ہوگا تو یہ سب کے سب آزاد ہو جائیں گے۔"

اس معاملے میں بھی کسی مرفوع حدیث کے نہ پائے جانے کا سبب بنیادی طور پر یہی ہے کہ ایسا کوئی واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں پیش نہیں آیا جس میں کسی غلام یا غلامی کے مالک نے ان کے بچوں کو آزاد کرنے سے انکار کیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر اس اصول کو مان لیا گیا ہے کہ غلاموں کے نابالغ بچے اپنے والدین کے تابع ہی ہوں گے۔ اگر ان بچوں کے بالغ ہونے سے پہلے ان کے والدین آزاد نہیں ہو پاتے، جس کا امکان عہد رسالت میں بہت ہی کم تھا، تو ان بچوں کو خود یہ اختیار حاصل ہو جائے گا کہ یہ مکاتبیت کے ذریعے اپنی آزادی خرید سکیں۔ غلاموں کے بچوں کو اپنے والدین کی حالت پر برقرار رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ اگر انہیں پیدائش کے وقت سے ہی آزاد کر دیا جاتا تو ان کی کفالت کا مسئلہ پیدا ہو جاتا۔ ان بچوں کی کفالت ان کے والدین کی کفالت کے ساتھ ساتھ والدین کے آقاؤں کے ذمہ تھی۔ اگر ان بچوں کو پیدائش کے وقت ہی آزاد قرار دے دیا جاتا تو پھر ان کی کفالت کی ذمہ داری ان کے والدین کے آقاؤں پر کیسے عائد کی جاتی؟ یہی وجہ ہے کہ انہیں اپنے والدین کے تابع ہی رہنے دیا گیا اور بالغ ہونے پر اپنی آزادی خریدنے کا حق انہیں دے دیا گیا۔

### آزاد عورت کے بچے کی آزادی کا بیان

(وَوَلَدُ الْحُرَّةِ حُرٌّ عَلَى كُلِّ حَالٍ) لِأَنَّ جَانِبَهَا رَاجِحٌ فَيَتَّبِعُهَا فِي وَصْفِ الْحُرِّيَّةِ كَمَا يَتَّبِعُهَا فِي الْمَمْلُوكِيَّةِ وَالْمَرْقُوقِيَّةِ وَالْتِدْبِيرِ وَالْأُمُومِيَّةِ الْوَلَدِ وَالْكِتَابَةِ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ

ترجمہ

اور آزاد عورت کا بچہ ہر حال میں آزاد ہوگا اس لئے کہ عورت کی جانب رائج ہے پس وصف حریت میں بچہ ماں کے تابع ہوگا جیسا کہ مملوک، مرقوق، مدبر، ام ولد اور مکاتب ہونے میں بچہ ماں کے ہی تابع ہوتا ہے۔

شرح

علامہ ابن محمود برقی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ آزاد عورت کے بچے کا ہر طرح سے آزاد ہونا اس دلیل کے پیش نظر ہے کیونکہ

آزادی اور غلامی میں ترجیح آزادی کو ہے اور ماں جو اصل ہے جب وہ آزاد ہے تو اولاد اس کے تابع ہوتے ہوئے بھی اسی کی طرح آزاد ہوگی۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ص ۶، ۳۰۴، بیروت)

### تابع و متبوع کی فنی بحث کا بیان

#### معطوف کی تعریف:

معطوف وہ تابع ہے جو حرف عطف کے بعد واقع ہو اور تابع و متبوع دونوں مقصود بالنسبہ ہوں۔ تابع کو معطوف اور متبوع کو معطوف علیہ کہتے ہیں، جیسے جَاءَ نَبِيٌّ زَيْنٌ وَعَمْرٌو۔ میں زیندہ معطوف علیہ اور عمرو معطوف ہے۔

نوٹ:

تابع اور متبوع دونوں مقصود بالنسبہ تو ہونگے لیکن ضروری نہیں کہ دونوں کی طرف نسبت کی نوعیت بھی ایک ہو جیسے جَاءَ نَبِيٌّ زَيْنٌ لَا عَمْرٌو، یہاں زیندہ کی طرف آنے کی اور عمرو کی طرف نہ آنے کی نسبت کی گئی ہے۔ اور یہاں یہ مقصود بھی تھا کہ زیندہ کی طرف آنے کی نسبت کی جائے اور عمرو سے اس کی نفی کی جائے لہذا یہ دونوں مقصود بالنسبہ ہوئے اگرچہ نسبت کی نوعیت مختلف ہے۔

#### معطوف کے چند ضروری قواعد:

اسم کا عطف اسم پر، فعل کا فعل، حرف کا حرف، مفرد کا مفرد، جیسے کا جملے، نیز عامل کا عامل، اور معمول کا معمول پر ہوتا ہے۔  
جملہ اسمیہ کا عطف جملہ اسمیہ پر اور فعلیہ کا فعلیہ پر مناسب ہوتا ہے لیکن برعکس بھی جائز ہے۔ جیسے جَاءَ زَيْنٌ وَعَلِيٌّ ذَقَبَ۔

اسم ظاہر کا عطف اسم ظاہر یا اسم ضمیر پر اور اسم ضمیر کا عطف اسم ضمیر یا اسم ظاہر پر جائز ہے۔

جیسے جَاءَ زَيْنٌ وَعَمْرٌو، جَاءَ زَيْنٌ وَأَنْتَ، مَا جَاءَ نَبِيٌّ إِلَّا أَنْتَ وَعَلِيٌّ اور أَنَا وَأَنْتَ صَدِيقَانِ۔

بسا اوقات جملے کے شروع میں واقع ہونے والی واو عطف کی غرض سے نہیں آتی بلکہ استیفاء کیسے آتی ہے۔

جیسے وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا اس وقت اسے واو مستانفہ اور جملے کو جملہ مستانفہ کہتے ہیں۔

ضمیر مرفوع متصل بارز یا مستتر پر عطف کرنا ہو تو پہلے ضمیر مرفوع منفصل کے ساتھ اسکی تاکید لازم ضروری ہے۔

جیسے نَجَوْتُمْ أَنْتُمْ وَمَنْ مَعَكُمْ (تم نے اور تمہارے ساتھیوں نے نجات پائی)



اسْكُنْ اَنْتَ وَرَوْجُكَ الْجَنَّةَ .

ضمیر مجرور پر عطف کرنا ہو تو عموماً حرف جر کا اعادہ کیا جاتا ہے۔

جیسے مَرَرْتُ بِهِ وَبَزَيْدٍ اور بعض اوقات اعادہ نہیں کیا جاتا، جیسے قرآن پاک میں وَكُفِّرْ بِهِ وَالمَسْجِدِ الْحَرَامِ آیا ہے۔  
فائدہ۔

بعض عبارتوں میں عطف کی یہ نشانیاں ہوتی ہیں۔ عطف عطف عطف عطف۔

عطف بیان کی تعریف:

وہ تابع ہے جو صفت تو نہ ہو لیکن صفت کی طرح اپنے متبوع کو واضح کرے یا اپنے متبوع سے زیادہ مشہور ہوتا ہے۔

جیسے اَقْسَمَ بِاللّٰهِ اَنْهُ خَفِصَ عُمَرُ۔ اس مثال میں عمر تابع ہے جس سے متبوع ابو حفص کو واضح کیا۔ اور قَالَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ اَنْهُ هُوَ زَيْدٌ، تابع کو عطف بیان اور متبوع کو مبتدئ کہتے ہیں۔

عطف بیان کے چند ضروری قواعد:

گر کنیت اور اسم یکساں نہ آجائے تو نون میں سے مشہور و عطف بیان بنائیں جیسے مذکورہ بالا مثالوں میں پہلی مسند اور دوسری میں اَبُو هُرَيْرَةَ عطف بیان ہیں۔

اگر متبوع معروف ہو تو عطف بیان اسکی وضاحت کرتا ہے جیسے مذکورہ مثالیں اور کفرہ ہو تو اسکی تخصیص کا فائدہ دیتا ہے۔

جیسے وَنُسْقٰی مِنْ مَّاءٍ صٰدِیْدٍ۔ اس مثال میں صدید عطف بیان نے ماء متبوع کی تخصیص کی۔

عطف بیان تخصیص اور ازالہ وہم کیلئے بھی آتا ہے۔

جیسے اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسْكِيْنٍ اور اَمَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، رَبِّ مُوسٰی وَ هٰرُوْنَ۔

## بَابُ الْعَبْدِ يَتَعَقُّ بَعْضُهُ

باب عتق بعض کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بارتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے غلام کی بعض آزادی کو کل آزادی سے مؤخر ذکر کیا ہے۔ کیونکہ غلام کل آزادی متفق علیہ ہے جبکہ غلام کی بعض آزادی مختلف فیہ ہے ہذا متعلق علیہ کو مقدم ذکر کرنا اولی تھا جس صاحب ہدایہ نے اپنایا ہے۔ (عنا یہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۳۰۷، بیروت)

غلام کی بعض آزادی سے متعلق فقہی آثار

حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مشترک غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کرے اور اس شخص کے پاس اتنا مال کہ غلام کی قیمت دے سکے تو اس غلام کی قیمت لگا کر ہر ایک شریک کو موافق حصہ ادا کرے گا اور غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر اس کے پاس مال نہیں ہے تو جس قدر اس غلام میں سے آزاد ہو جائے اتنی ہی حصہ آزاد رہے گا۔

(۱) حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ حکم اتفاقی ہے کہ مولی اگر اپنے مرنے کے بعد اپنے غلام کا ایک حصہ جیسے ثلث یا ربع یا نصف آزاد کر جائے تو بعد مولی کے مرنے کے اسی قدر حصہ بنت مولی نے آزاد کیا تھا آزاد ہو جائے گا کیونکہ اس حصے کی آزادی بعد مولی کے مرنے کے لازم ہوئی اور جب تک مولی زندہ تھا اس کو اختیار تھا جب مر گیا تو موافق اس کی وصیت کے اسی قدر حصہ آزاد ہوگا اور باقی غلام آزاد نہ ہوگا اس واسطے کہ وہ غیر کی ملک ہوگا تو باقی غلام غیر کی طرف سے کیونکر آزاد ہوگا نہ اس نے آزادی شروع کی اور نہ ثابت کی اور نہ اس کے واسطے دماء ہے بلکہ یہ وصیت کا فعل ہے اسی نے آزاد کیا اور اسی نے اپنے لیے ولاء ثابت کی تو غیر کے مالک میں کیونکر درست ہوگا البتہ اگر یہ وصیت کر جائے کہ باقی غلام بھی اس کے مال میں سے آزاد کر دیا جائے گا اور ثلث مال میں سے وہ غلام آزاد ہو سکتا ہو تو آزاد ہو جائے گا پھر اس کے شریکوں یا وارثوں کو تعرض نہیں پہنچے کیونکہ ان کا کچھ ضرر نہیں۔

(۲) حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیماری میں تہائی غلام آزاد کر دیا تو وہ ثلث مال میں سے پورا آزاد ہو جائے گا کیونکہ یہ مثل اس شخص کے نہیں ہے جو اپنی تہائی غلام کی آزادی اپنی موت پر معلق کر دے اس واسطے کہ اس کی آزادی قطعی نہیں جب تک زندہ ہے رجوع کر سکتا ہے اور جس نے اپنے مرض میں تہائی غلام قطعاً آزاد کر دیا اگر وہ زندہ رہ گیا تو کل غلام آزاد ہو جائے گا کیونکہ وصیت کا تہائی مال میں وصیت درست ہے جیسے صحیح سالم کا تصرف کل مالک میں درست ہے۔

(۳) حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس شخص نے اپنا غلام قطعی طور پر آزاد کر دیا یہاں تک کہ اس کی شہادت ہو گئی اور اس کی حرمت پوری ہو گئی اور اس کی میراث ثابت ہو گئی اب اس کے مولی کو نہیں پہنچتا کہ اس پر کسی مال یا خدمت کی شرط لگا دے یا

اس پر کچھ غلامی کا بوجھ ڈالنے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنا حصہ غلام میں سے آزاد کر دے تو اس کی قیمت کا کرہ یک شریک کو موافق حصہ کر آزاد کرے اور غلام اس کے ویر آزاد ہو جائے گا پس جس صورت میں وہ غلام خاص اسی کی ملک ہے تو زیادہ تر اس کی آزادی پوری کرنے کا حقدار ہوگا اور غلامی کا بوجھ اس پر نہ رکھے سکے گا۔

(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1150)

اعتاق کے اجزاء و عدم اجزاء کا بیان

(وَإِذَا أَعْتَقَ الْمَوْلَى بَعْضَ عِنْدِهِ) عَتَقَ ذَلِكَ الْقَدْرَ وَيَسْعَى فِي بَقِيَّةِ قِيَمَتِهِ لِمَوْلَاهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَا: (يَعْتِقُ كُلُّهُ) وَأَصْلُهُ أَنَّ الْبَاعْتَاقَ يَتَجَرَّأُ عِنْدَهُ فَيَقْتَصِرُ عَلَى مَا أَعْتَقَ وَعِنْدَهُمَا لَا يَتَحَرَّأُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ، فَإِصَافَتُهُ إِلَى الْبَعْضِ كِإِصَافَتِهِ إِلَى الْكُلِّ فَلِهَذَا يَعْتِقُ كُلُّهُ.

لَهُمْ أَنَّ الْبَاعْتَاقَ إِبْثَاتُ الْعِتْقِ وَهُوَ قُوَّةٌ حُكْمِيَّةٌ، وَإِبْثَاتُهَا بِإِرَالَةِ صِدْهَا وَهُوَ الرِّقُّ الَّذِي هُوَ ضَعْفٌ حُكْمِيٌّ وَهُمَا لَا يَتَحَرَّأَنِ فَصَارَ كَالطَّلَاقِ وَالْعَفْوِ عَنِ الْقِصَاصِ وَالْإِسْتِيلَادِ. وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْبَاعْتَاقَ إِبْثَاتُ الْعِتْقِ بِإِرَالَةِ الْمِلْكِ، أَوْ هُوَ إِرَالَةُ الْمِلْكِ لِأَنَّ الْمِلْكَ حَقُّهُ وَالرِّقُّ حَقُّ الشَّرْعِ أَوْ حَقُّ الْقَامَةِ.

وَحُكْمُ التَّصْرِيفِ مَا يَدْخُلُ تَحْتَ وِلَايَةِ الْمُتَصْرِيفِ وَهُوَ إِرَالَةُ حَقِّهِ لَا حَقِّ غَيْرِهِ. وَالْأَصْلُ أَنَّ التَّصْرِيفَ يَقْتَصِرُ عَلَى مَوْضِعِ الْإِصَافَةِ وَالْتَعْدِي إِلَى مَا وَرَاءَهُ ضَرُورَةٌ عَدَمُ التَّجْزِئَةِ، وَالْمِلْكُ مُتَجَزَّءٌ كَمَا فِي الْبَيْعِ وَالْهَبَةِ فَيَبْقَى عَلَى الْأَصْلِ، وَتَجِبُ السَّعَايَةُ لِاحْتِسَابِ مَالِيَّةِ الْبَعْضِ عِنْدَ الْعَبْدِ، وَالْمُسْتَسْقَى بِمَنْزِلَةِ الْمُكَاتَبِ عِنْدَهُ لِأَنَّ الْإِصَافَةَ إِلَى الْبَعْضِ تَوْجِبُ ثُبُوتِ الْمَالِكِيَّةِ فِي كُلِّهِ، وَبَقَاءُ الْمِلْكِ فِي بَعْضِهِ يَمْنَعُهُ، فَعَمِلْنَا بِالذَّلِيلَيْنِ بِإِنزَالِهِ مُكَاتَبًا إِذْ هُوَ مَالِكٌ يَدٌ إِلَّا رَقَبَةً، وَالسَّعَايَةُ كَبَدَلِ الْكِتَابَةِ، فَلَهُ أَنْ يَسْتَسْعِيَهُ.

وَلَهُ خِيَارٌ أَنْ يُعْقِدَهُ لِأَنَّ الْمُكَاتَبَ قَابِلٌ لِلْبَاعْتَاقِ، غَيْرَ أَنَّهُ إِذَا عَحَزَ لَا يَرُدُّ إِلَى الرِّقِّ لِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ لَا إِلَى أَحَدٍ فَلَا يَقْبَلُ الْفَسْخُ، بِخِلَافِ الْكِتَابَةِ الْمَقْصُودَةِ لِأَنَّهُ عَقْدٌ يُقَالُ

وَيُفْسَخُ، وَلَيْسَ فِي الطَّلَاقِ وَالْعَفْوِ عَنِ الْقِصَاصِ حَالَةٌ مُتَوَسِّطَةٌ، فَأَتَتْهُ فِي الْكُلِّ تَرْجِيحًا لِلْمَحْرَمِ، وَالْإِسْتِيلَادُ مُتَجَزَّءٌ عِنْدَهُ، حَتَّى لَوْ اسْتَوْلَدَ نَصِيْبَهُ مِنْ مُدَبَّرَةٍ يَقْتَصِرُ عَلَيْهِ. وَفِي الْقِيَةِ لَمَّا ضَمِنَ نَصِيْبَ صَاحِبِهِ بِالْإِفْسَادِ مَلَكُهُ بِالصَّمَانِ فَكَمَّلَ الْإِسْتِيلَادُ.

ترجمہ

اور جب آقا نے اپنے غلام کا کچھ حصہ آزاد کیا ہو تو اسی مقدار سے وہ غلام آزاد ہوگا حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہ غلام باقی قیمت میں آقا کے لئے سعی کرے گا جبکہ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ وہ پورا غلام آزاد ہو جائے گا۔

اور اس کی اصل یہ ہے کہ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اعتاق تجزی ہو سکتا ہے اسی وجہ سے آزادی اتنی مقدار پر آزادی منحصر ہوگی جتنے آقا نے آزاد کیا ہو جبکہ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ اعتاق تجزی نہیں ہو سکتا اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا بھی یہی قول اسی لئے بعض غلام کی طرف آزادی کی اضافت کرنا کل غلام کی طرف اضافت کرنے کی طرح ہے اسی وجہ سے پورا غلام آزاد ہو جائے گا ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اعتاق اثبات قوت کا نام ہے اور وہ قوت حکمیہ ہے اور اس کا اثبات اس کی ضد کو ختم کرنے سے ہوگا اور قوت کی ضد وہ رقیہ ہے جو حکمی کمزوری ہے اور یہ دونوں تجزی نہیں ہو سکتے اسی وجہ سے یہ طلاق دینے کا معاف کرنے اور ام ولد بنانے کی طرح ہو گیا۔

جبکہ امام صاحب کی یہ دلیل ہے کہ ملک کو زائل کر کے حق ثابت کرنے کا نام اعتاق ہے یا خود اعتاق ہی ملک زائل کرنے کا نام ہے کیونکہ ملک معق کا حق ہے یا عوام کا حق ہے اور تصرف کا حکم اسی قدر ہوتا ہے جتنا کہ تصرف کی ولایت کے تحت داخل ہوتا ہے اور یہ اپنے حق کو ختم کرنا ہے تاکہ دوسروں کے حق کو۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ تصرف موضع اضافت تک محدود رہتا ہے۔

اور اس کے علاوہ کی طرف متعدی ہونا تجزی کے نہ پائے جانے کی ضرورت کے تحت ہوتا ہے اور ملک تجزی ہے جیسا کہ بیچ اور بیہ میں ہے اسی وجہ سے تصرف اعتاق اپنی اصل پر باقی رہے گا اور غلام پر سعی کرنا واجب ہوگا اس لئے کہ اس کے پاس کچھ مالیت محبوس ہے اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مستعنی مکاتب کے درجے میں ہے۔ اس لئے کہ بعض غلام کی طرف اعتاق کو منسوب کرنا پورے غلام میں ثبوت ملکیت کے موجب ہے لیکن بعض غلام میں ملکیت کی بقاء اس کے لئے نفع ہے لہذا ہم نے دونوں دلیلوں پر عمل کر کے اس کو مکاتب قرار دے دیا اس لئے کہ وہ تصرف کا مالک ہے نہ کہ رقبہ کا اور کئی کرنا بدل ثابت کی طرف ہے۔ اس لئے آقا کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ غلام سے کمائی کر والے اور یہ بھی اختیار ہے کہ اس کو آزاد کر دے اس لئے کہ مکاتب اعتاق کے لائق رہتا ہے لیکن اگر وہ کمائی کرنے سے عاجز ہو جائے تو اسے رقیہ کی طرف نہیں ٹوٹایا جائے گا۔ اس لئے کہ یہ اسقاط لای الی احد ہے اس لئے فتح کو قبول نہیں کرے گا کتابت مقصودہ کے خلاف اس لئے کہ وہ ایسا عقد ہے جس کا

ا قالہ بھی ہو سکتا ہے اور جوج بھی ہو سکتا ہے۔

اور حلاق اور قصاص کا معاف کرنا ان میں کوئی درمیانی حالت نہیں اس لئے ہم نے محرم کو ترجیح دیتے ہوئے ان کے کل میں ثابت کر دیا اور حضرت امام عظیم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ استیلا یعنی ام ولد بنانا متجزی ہوتا ہے یہاں تک کہ آقا نے مدبرہ باندی سے اپنے حصے کو مدد بنالیا تو وہ اس کے حصے تک محدود رہے گا اور کامل مملوکہ باندی میں جب کسی نے اس کی وجہ سے اپنے ساتھی کے حصے کا تاوان دے دیا تو ضمان کی وجہ سے وہ اس کا مالک ہو گیا اس لئے استیلا و پورا ہو گیا۔

بعض آزادی کے اعتبار کا بیان

حضرت ابو یوسف (تابعی) اپنے والد مکرم (حضرت اسامہ ابن عمیر صحابی) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے ایک غلام میں سے کچھ حصہ آزاد کیا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خدا کا کوئی شریک نہیں ہے" اور پھر یہ حکم دیا کہ اس غلام کو بالکل آزاد کر دیا جائے۔

(ابوداؤد، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 582)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ درامی کا حاصل یہ ہے کہ جو بھی کام اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جائے اور وہ بدعت کی قسم سے ہو تو اس میں اپنے حصہ کو شریک نہ کرنا چاہئے۔ ہذا ایک غلام کے بعض حصوں کو آزاد کر دینا اور بعض حصوں کو بدستور غلام رکھنا مناسب نہیں ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ آزادی اور غلامی متجزی نہیں ہوتی، لیکن حضرت امام عظیم ابو حنیفہ چونکہ متجزی کے قائل ہیں اس لئے ان کے نزدیک ان الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کو بالکل آزاد کر دینے کا حکم دیا یا اس طور کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مالک کو اس کی ترغیب دلوائی کہ وہ اس غلام کو بالکل آزاد کر دے۔

غلام سے سعایہ لینے متعلق فقہی تصریحات

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی غلام (مشرک) میں سے اپنے حصہ کو آزاد کر دیا تو اسے چھڑانا اس کے مال میں ہے اگر اس کے پاس مال ہو اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو غلام کی درمیانی قیمت لگائی جائے گی اور دوسرے حصہ کے شرکاء کے حصوں کی قیمت کے برابر غلام سے مزدوری کرائی جائے گی بغیر اس پر مشقت ڈالے ہوئے امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ پھر غلام سے محنت مزدوری کر دائی گئی بغیر مشقت ڈالے ہوئے اس پر۔

(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 547)

احادیث سے واضح ہے کہ کسی غلام سے اتنا ہی کام اور وہی کام لیا جاسکتا ہے جو اس کی جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کے مطابق ہو۔ اگر وہ کوئی کام سرانجام دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو مالک پر لازم ہے کہ وہ خود اس کی مدد کرے۔ ایسے مالک کو اللہ تعالیٰ بہت

ترے نوازے گا۔

اخیرنا ابو یعلیٰ قال حدثنا ابو خثیمہ قال حدثنا عبد اللہ بن یزید قال حدثنی سعید بن ابی یوب قال حدثنی ابو ہانئ قال حدثنی عمرو بن حرث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما خففت عن خادمک من عملہ کان لک اجر افی مواریک (صحیح ابن حبان، حدیث (4314))

عمرو بن حرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "جو اپنے خادم کے کام میں کمی کرتا ہے، اسے اس کا اجر اپنے اعمال کے وزن کے وقت ملے گا۔"

امام بخاری شرح السنہ میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی غلام پر بوجھ لادنے سے متعلق ہوئے فرماتے ہیں:

قال شافعی: "و معنى قوله "لا يكلف من العمل الا ما يطيق" "بمعنى... والله اعلم... لا ما يطيق الدوام عليه، لا ما يطيق يوما او يومين، او ثلاثة، و نحو ذلك ثم يعجز. و جملة ذلك ما لا يضر بدنه الضرر ليس، فان عسى او رم، انفق عليه مولا، و ليس له ان يسترضع الامة غير ولدھا الا ان يكون فیھا فصل عن ربه، او يكون ولدھا يعندی بالطعام، فيقيم بدنه، فلا ماس به. (بعوى، شرح السنة، کتاب الکاح)

"حضرت امام شافعی کہتے ہیں، اس ارشاد کہ "غلام پر کام کا تخاف بوجھ لاد جائے جس کی وہ طاقت رکھتا ہے۔" کا معنی یہ ہے، (اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے) کہ اس سے ایسا کام نہ لیا جائے جس کا ہمیشہ کرتے رہنا اس کے لئے ممکن نہ ہو۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ ایک دو یا تین دن کسی کام کو تو کر لے اور اس کے بعد (بیمار پڑ کر) اس سے عاجز آ جائے۔ اس میں وہ تمام کام شامل ہیں جن کے نتیجے میں اس کی صحت کو واضح نقصان پہنچ سکتا ہو جیسے وہ کسی کام کے نتیجے میں نابینا ہو جائے یا بیمار پڑ جائے۔

(بیماری کی صورت میں) مالک پر لازم ہے کہ وہ اس پر خرچ کرے۔ اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ کسی لونڈی کو اپنے بچے کے علاوہ دوسرے کسی بچے کو دودھ پلانے پر مجبور نہ کیا جائے سوائے اس کے کہ اس پر اپنے رب کا فضل ہو (یعنی ایک بچے کی ضرورت سے زیادہ دودھ اترتا ہو)، یا پھر اس کا اپنا بچہ کچھ اور کھا کر نشوونما پا رہا ہو (اور اس کا دودھ فالتو ہو گیا ہو) تو پھر کسی اور کے بچے کو دودھ پلانے میں حرج نہیں ہے۔

سعایہ میں غلاموں سے حسن سلوک کرنے کا بیان

کسی ویہ خیال نہ رہے کہ ان حقوق کی تلقین محض اخلاقی نوعیت کی تھی۔ اگر ایسا بھی ہوتا تب بھی صحابہ کرام کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہی کافی تھا، لیکن ان حقوق کو قانونی طور پر بھی نافذ کر دیا گیا۔ اس کی تفصیل ان روایات میں بیان کی گئی ہے۔

وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يَذْهَبُ إِلَى الْعَوَالِي كُلِّ يَوْمٍ سَنِيًّا، فَإِذَا وَجَدَ عَبْدًا لِي عَمَلًا لَا يَطِيقُهُ، وَضَعَهُ عَنْهُ مِنْهُ. (موطاء مالک، کتاب الجامع، حدیث (2807))

حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہر نیت کے دن مدینہ کے گرد و نواح میں (واقع کھیتوں وغیرہ) میں جایا کرتے اور اگر نہیں کوئی سیانہ مل جاتا جو اپنی طاقت سے بڑھ کر کام کر رہا ہو تو آپ اس کا بوجھ کم کر دیتے۔

وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ عُمَرَ أَبِي سُهَيْبٍ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَمِعَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ وَهُوَ يَحْطُبُ وَهُوَ يَقُولُ: لَا تُكَلَّفُوا الْأَمَةَ غَيْرَ ذَاتِ الصَّنْعَةِ الْكَسْبِ، فَإِنَّكُمْ مَتَى كَلَفْتُمُوهَا ذَلِكَ كَسَبَتْ بِفَرْحِهَا، وَلَا تُكَلَّفُوا الصَّعِيرَ الْكُسْبَ، فَإِنَّهُ إِذَا لَمْ يَحْذِ سَرَقٌ، وَعِثُوا إِذْ أَعْفَكُمُ اللَّهُ، وَعَلَيْكُمْ مِنَ الْمَطَاعِمِ بِمَا طَابَتْ مِنْهَا. (موطاء، مالک، کتاب الجامع، حدیث (2808)

حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا، "اگر تمہاری لونڈیاں کوئی ہنر نہ جانتی ہوں تو انہیں کسے کے لئے مت کہو۔ اگر تم ایسا کر دو گے تو اس کے نتیجے میں وہ عصمت فروشی کرنا شروع کر دیں گی۔ بچوں کو بھی کمانے کے لئے مت کہو کیونکہ اگر انہیں روزگار نہ ملے گا تو وہ چوری شروع کر دیں گے۔ ان سے مہربانی کا سلوک کرو کیونکہ اللہ نے تم سے مہربانی کی ہے۔ تم پر یہ لازم ہے کہ انہیں خوراک اور علاج کی سہولیات مہیا کرو۔

غلاموں کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنے مالکوں کے مال میں سے روائے کے مطابق بنیادی ضروریات کا سامان لے سکتے تھے۔

عبد المیزاق عن ابن جریج قال سمعت مافعا يحدث أن عبد الله بن عمر يقول إن المملوك لا يجوز له أن يعطى من ماله أحدًا شيئًا ولا يعق ولا يتصدق به بشيء إلا بإذن سيده ولكنه يأكل بالمعروف ويكتسى هو وولده وإمرأته. (مسند مالك حاكم، حدیث (2856)

حضرت نافع کہتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کہہ کرتے تھے، "غلام کو اس کی اجازت تو نہیں ہے کہ وہ اپنے مالک کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کوئی چیز دے یا مالک کا غلام آزاد کرے یا اس میں سے صدقہ کرے۔ لیکن اسے دستور کے مطابق اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے لئے خوراک اور کپڑا لینے کا حق حاصل ہے۔"

غلاموں کے ان حقوق کا تقدس اس درجے کا تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حقوق فراہم نہ کرنے والے مالک پر غلام کے جرم کی مزانافذ کی۔

وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَاطِبٍ، أَنَّ رِفْعًا لِحَاطِبٍ سَرَقُوا نَاقَةً لِرَحْلِ بْنِ مَرْثَدَةَ، فَاتَّخَذُوهَا قَرِيعَ ذَلِكَ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْحَطَّابِ، فَأَمَرَ عُمَرُ كَثِيرَ بَنِ الصَّلْتِ أَنْ يَقْطَعَ أَيْدِيَهُمْ، ثُمَّ قَالَ عُمَرُ: أَرَأَيْكَ تُجِيعُهُمْ، ثُمَّ قَالَ عُمَرُ: وَاللَّهِ لَا غَرَمَ لَكَ عُرْمًا يَشُقُّ عَلَيْكَ، ثُمَّ قَالَ: لِمَ لَمْ تَزَلْ تَكُنْ نَاقَتِكَ؟ فَقَالَ الْمُرْزَبِيُّ: قَدْ كُنْتُ وَاللَّهِ أَمْنَعُهَا مِنْ أَرْبَعِ مِثْثَةِ دِرْهَمٍ. فَقَالَ عُمَرُ: أَعْطِيهِ ثَمَانِ مِثْثَةِ دِرْهَمٍ. (موطاء، مالک، کتاب الاقضية، حدیث (2178)

حضرت عبدالرحمن بن حاطب بیان کرتے ہیں کہ (ان کے والد) حاطب کے ایک غلام نے بنو مزینہ کے کسی شخص کی اونٹنی

چرا کر اسے ذبح کر (کھا گیا)۔ یہ معاملہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (کی عدالت میں) لایا گیا۔ (پہلے) سیدنا عمر نے شیر جلیق کو اس غلام کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا لیکن پھر (آقا سے) ارشاد فرمایا، "مجھے لگتا ہے تم انہیں بھوکا رکھتے ہو۔" پھر فرمایا، "اللہ کی قسم! میں تم پر ایسا جرم نہ عائد کروں گا جو تمہیں ناگوار گزرے گا۔" اس کے بعد بنو مزینہ کے اس مدعی سے پوچھا، "تمہاری اونٹنی کی قیمت کیا ہے؟" اس نے کہا، "واللہ میں نے تو اس کے چار سو درہم قبول کرنے سے انکار کیا تھا۔" سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آقا سے فرمایا، "اسے آٹھ سو درہم ادا کر دو۔"

مشترک غلام کو کسی ایک کے آزاد کرنے کا بیان

(وَإِذَا كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَ شَرِيكَيْنِ فَأَعْتَقَ أَحَدُهُمَا نَصِيبَهُ عَتَقَ)، فَإِنْ كَانَ مُوسِرًا فَشَرِيكُهُ بِالْخِيَارِ، إِنْ شَاءَ أَعْتَقَ، وَإِنْ شَاءَ ضَمَّنَ شَرِيكُهُ لِمَمَّةٍ نَصِيبِهِ، وَإِنْ شَاءَ اسْتَسْقَى الْعَبْدَ،

ترجمہ

اور جب ایک غلام دو شریکوں میں مشترک ہو اور ان میں سے کسی نے اپنا حصہ آزاد کر دیا ہو تو اس کا حصہ آزاد ہو جائے گا پھر اگر وہ شریک مالدار ہو تو اسکے ساتھی کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو اپنے حصے کو آزاد کر دے اور اگر چاہے تو اپنے شریک سے اپنے حصے کی ضمان لے لے اور اگر چاہے تو غلام سے کمائی کرائے۔

مشترک غلام سے استعساء میں شوافع و احناف کا اختلاف

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص کسی (مشترک) غلام کے اپنے حصہ کو آزاد کرے (تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ) اگر اس کے پاس اتنا مال موجود ہو جو (اس غلام کے باقی حصوں) کی قیمت کے بقدر ہو تو انصاف کے ساتھ (یعنی بغیر کسی بیشی کے) اس غلام کے (باقی ان حصوں) کی قیمت لگائی جائے گی اور وہ اس غلام کے دوسرے شریکوں کو ان کے حصوں کی قیمت دے دے وہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو تو پھر اس غلام کا جو حصہ اس شخص نے آزاد کیا ہے وہ آزاد ہو جائے گا (اور دوسرے شرکاء کے حصے ملکوتی رہیں گے۔) (بخاری و مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 574 مسلم)

اس حدیث کا ظاہری مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر ایک غلام کے مثلاً دو مالک ہوں اور ان میں سے ایک حصہ دار اپنا حصہ آزاد کرنا چاہے تو اگر وہ آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور ہو تو وہ دوسرے شریک کو اس کے حصہ کے بقدر قیمت ادا کر دے اس صورت میں وہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور نہ ہو (اور دوسرے شریک کو اس کے حصہ کی قیمت ادا نہ کر سکا ہو) تو اس صورت میں وہ غلام اس شخص کے حصہ کے بقدر تو آزاد ہو جائے گا اور دوسرے شریک کے حصہ کے بقدر غلام رہے گا۔

نیز حدیث کا ظاہری مفہوم اس بابت پر دلالت کرتا ہے کہ آزادی اور غلامی تجزی ہو سکتی ہیں (یعنی کسی غلام کا کچھ حصہ آزاد ہو جانا اور کچھ حصہ غلام رہنا جواز ہے) اور دوسرے شریک کو اپنا حصہ آزاد کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس غلام سے استعفاء (معت) کرائی جائے! چنانچہ حضرت امام شافعی کا یہی مسلک ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ باوجودیکہ آزادی اور غلامی کے تجزی ہونے کا قائل ہیں لیکن اس صورت میں ان کا مسلک یہ ہے کہ اگر آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدمہ ہو تو وہ دوسرے شریک کا حصہ بھر دے (یعنی وہ اس واسطے کہ حصہ کی قیمت ادا کر دے) یا دوسرا شریک اپنے حصے کے بقدر اس غلام سے استعفاء کرائے یا وہ شریک بھی اپنا حصہ آزاد کر دے اور اگر آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدمہ نہ ہو تو پھر وہ اپنے شریک کو اس کا حصہ نہ پھیر دے۔ بلکہ وہ شریک یا تو اس غلام سے استعفاء کرے یا بید اپنے حصے کی قیمت وصول کر لے یا پنا حصہ آزاد کر دے اس صورت میں حق در دونوں کو حاصل ہوگا اس بارے صاحبین جینی حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد کا یہ قول ہے کہ آزاد کرنے والا شخص اگر صاحب مقدمہ ہو تو دوسرے شریک کا حصہ پھیر دے اور اگر صاحب مقدمہ نہ ہو تو دوسرا شریک اس غلام سے استعفاء کے ذریعہ اپنے حصہ کی قیمت حاصل کر لے اور چونکہ آزادی تجزی نہیں ہوتی اس لئے اس صورت میں حق و تصرف آزاد کرنے والے کو حاصل ہوگا۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 573)

اس باب میں جن مسائل و احکام سے متعلق احادیث نقل کی جائیں گی ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ اگر کوئی غلام مشترک ہو مثلاً دو شخص زید و بکر مشترک طور پر ایک غلام کے مالک ہوں اور ان میں سے ایک شریک مثلاً زید اپنا حصہ آزاد کر دے تو دوسرا کیا کرے؟ چنانچہ اس بارے میں جزوی آزادی (یعنی ایک غلام کا مثلاً آدھا حصہ آزاد ہو جائے اور آدھا غلام ہی رہے) معتبر ہے یا نہیں خود حنفیہ کے ہاں مختلف اقوال ہیں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ تو یہ فرماتے ہیں کہ "جزوی آزادی معتبر ہے لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کا قول یہ ہے کہ جزوی آزادی معتبر نہیں ہے، اقوال کے اس خلاف کا تحقق مسئلہ کے صرف اسی ایک جزو سے نہیں ہے بلکہ اس سے دوسرے احکام و مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

باب کا دوسرا جزء یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے غلام کو خریدے جو اس کا قرابت دار ہو تو وہ غلام محض خرید لینے ہی سے آزاد ہو جائے گا خواہ وہ شخص اس کو آزاد کرے یا نہ کرے! اب اس بارے میں اختلافی اقوال ہیں کہ "قرابت دار" سے کس کس رشتہ کے لوگ مراد ہیں اس کی تفصیل بھی آگے آئے گی۔

باب کا تیسرا جزء یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیماری کی حالت میں غلام کو آزاد کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ چنانچہ اس کے متعلق احکام و مسائل بھی حسب موقع احادیث کی تشریح کے ضمن میں بیان کئے جائیں گے۔

مشترک غلام کے بارے میں صاحبین کی استدلال کردہ حدیث

حضرت ابو ہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص (مشترک) غلام کے اپنے حصہ کو آزاد کرے گا تو وہ غلام پورا آزاد ہو جائے گا" (اور یہ آزادی اس آزاد کرنے والے شخص کی طرف سے منظور ہوگی)

اور اگر اس شخص کے پاس (اتنا) مال ہو کہ وہ اپنے حصہ کے علاوہ باقی حصوں کی قیمت کی ادائیگی کر سکے تو دوسرے شرکاء کو ان کے حصوں کی قیمت دے دے) اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو تو پھر ہو غلام (ان باقی حصوں) کے بقدر محنت مزدوری یا دوسرے شرکاء کی خدمت پر مامور کیا جائے لیکن غلام کو (کسی ایسے کام اور محنت کی) مشقت میں مبتلا نہ کیا جائے (جو اس کی طاقت سے باہر ہو)۔ (بخاری و مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 575 مسلم)

متعدد مالکوں کے مشترک غلام کی مکاتبت

بہ اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک شخص متعدد مالکوں کا غلام ہوتا تھا۔ اس کی صورت ایسی ہی تھی جیسا کہ اگر کوئی کسی پانچ شریک کینی کا ملزم ہو۔ اسی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اگر کوئی ایک پانچ غلام میں اپنے حصے کو آزاد کرے تو باقی پانچ بھی اپنے حصوں کو آزاد کر دیں۔ اگر وہ ایسا کرنے پر تیار نہ ہوں تو غلام خود بخود مکاتبت کا درجہ اختیار کر جائے گا۔ وہ مالک اپنے باقی مالکان کو ادائیگی کرے گا اور اس معاملے میں اس پر سختی نہ کی جائے گی۔

قال الامام البخاری حدثنا بشر بن محمد: أخبرنا عبد الله: أخبرنا سعيد بن أبي عروبة، عن قتادة، عن السضر بن أنس، عن بشير بن نهيش، عن أبي هريرة رضى الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: (من أعتق شقيقاً من مملوكه فعليه حلاصه في ماله، فإن لم يكن له مال، قوم المملوك قيمة عدل، ثم استسعى غير مشفوق عليه) ((بخاری، کتاب الشریک، حدیث (2492)

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "اگر کسی نے غلام میں سے بے حصے کو آزاد کر دیا تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے مال میں سے اس غلام کو پورا آزاد کر دے۔ اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو اس نے اس کی مناسب قیمت لگوائی جائے اور اسے اسے اسے کمانے کو کہا جائے گا اور اس پر سختی نہ کی جائے گی۔

ضمن کی صورت میں معق کا غلام سے رجوع کرنے کا بیان

فَبِإِنْ ضَمِنَ رَجَعَ الْمُعْتَقُ عَلَى الْعَتِدِ (وَالْوَلَاءُ لِلْمُعْتِقِ، وَإِنْ أَعْتَقَ أَوْ اسْتَسْعَى فَالْوَلَاءُ بَيْنَهُمَا، وَإِنْ كَانَ الْمُعْتَقُ مُعْسِراً فَالشَّرِيكَ بِالْحَيَارِ إِنْ شَاءَ أَعْتَقَ وَإِنْ شَاءَ اسْتَسْعَى. الْعَتِدُ) وَالْوَلَاءُ بَيْنَهُمَا فِي الْوَجْهَيْنِ. وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ.

ترجمہ

پھر اگر اس نے ضمان لے لیا تو معق غلام سے رجوع کرے گا اور اس کا ولاء معق کو ملے گا اور اگر شریک غلامی اپنے حصے کو آزاد کر دیا یا اس سے کماٹی کرائی تو ولاء ان دونوں کے درمیان مشترک ہوگا۔ اور اگر معق تنگ دست ہے۔ تو شریک کو اختیار ہوگا اگر وہ چاہے تو آزاد کر دے اور اگر وہ چاہے اس سے محنت کرائے اور ولاء دونوں صورتوں میں ان کے درمیان ہوگی اور یہ حضرت امام اعظم

رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے۔

و! کی لغوی تشریح کا بیان

ولاء عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ "و، ل، ی" ہے ولی کا مطلب ہے دوست، مددگار، حلیف، قریبی، حامی اسی سے ولایہ کا لفظ بنا ہے جس کا مطلب ہے دوستی، قربت، محبت، نصرت، حمایت۔ جب یہ غلطال کے اضافے کے ساتھ لو... کے طور پر استعمال ہوتا ہے تو یہ ایک شرعی اصطلاح بن جاتی ہے جس کا مطلب یہ واضح کرنا ہے کہ مومن کسی کو کس سے دوستی اور محبت کرنی چاہیے۔ ولایہ کا غلط شرعی اصطلاح میں بعض قدر جامع ہے کہ اردو کے کسی ایک غلط کے ساتھ اس کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی مشکل ہے۔ اس نے اس کی ترجمانی کے لیے "دوستی" کا لفظ منتخب کیا ہے لیکن اس دوستی سے مراد وہ سرسری تعلقات نہیں جو عارضی مفادات یا بعض دیگر وقتی اسباب کے تابع ہوتے ہیں بلکہ اس دوستی سے مراد وہ قہری تعلق ہے جو ہمیشہ قائم رہے اور جس میں دلی محبت اور وفا کوٹ کوٹ کر بھری ہو سر سے خون کی ندیاں ہی کیوں نہ گزر جائیں لیکن اس دوستی میں ذرہ برابر فرق نہ آئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولایہ کی بیخ اور اس کے بہرے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2387)

شہاب کہتے تھے کہ سنت جاری ہے اس بات پر جب غلام آزاد ہو جائے اس کا مال اسی کو ملے گا۔ امام مالک نے کہا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ غلام اور مکاتب جب مفلس ہو جائیں تو ان کے مالک اور ام ولد لے لیں گے مگر اولاد کو نہ لیں گے کیونکہ اولاد غلام کا مالک نہیں ہے۔

امام مالک نے کہا ہے اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ غلام جب بیچا جائے اور خریدار اس کے مالک بننے کی طرف کر لے تو اولاد اس میں داخل نہ ہوگی۔

امام مالک نے کہا ہے غلام اگر کسی کو زخمی کرے تو اس دیت میں وہ خود اور مال اس کا گرفت کیا جائے گا مگر اس کی اولاد سے مواخذہ نہ ہوگا۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1153)

یعنی ولایہ کا معنی غلام یا لونڈی کا ترکہ جب وہ مر جائے تو اس کا آزاد کرانے والا اس کا وارث بنے۔ عرب میں غلام اور آقا کے اس تعلق کو بیع کرنے یا بہرہ کرنے کا رواج تھا۔ شارع نے اس سے منع کر دیا۔ اس لیے کہ ولایہ کی طرح ہے جو کسی طور بھی زائل نہیں ہو سکتا۔ اس پر تمام فقہاء عراق اور حجاز کا اتفاق ہے۔ (حاشیہ، بخاری، کتاب الخاق)

علامہ ابن مازہ بخاری حنفی علیہ الرحمہ ولایہ سے متعلق لکھتے ہیں۔

فروع فی الأصل علی ما إذا مات المعتق عن ابنین، فقال: لو مات الابن ولأحدہما

ابن ولآخر انسان ثم مات المعتق فمیراث المعتق بینہما؛ لأن الولاء لم یصر میراثاً

بین ابن المعتق بل هو باق فی المعتق علی حالہ، ثم یخلفہ فیہ أقرب عصبۃ علی ما ذکرنا، وهؤلاء فی القرب إلیہ علی السواء (محیط برہانی، ج ۳، ص ۷۶، بیروت)

شریک ثانی کیلئے ضمان کا بیان

(وَقَالَا: لَیْسَ لَهُ إِلَّا الضَّمَانُ مَعَ الْیَسَارِ وَالسَّعَیَةِ مَعَ الْإِعْسَارِ، وَلَا یَرْجِعُ الْمُعْتَقُ عَلَى الْعَبْدِ وَالْوَلَاءُ لِلْمُعْتِقِ) وَهَذِهِ الْمَسْأَلَةُ تَبْتَنِي عَلَى حَرْفَیْنِ: أَحَدُهُمَا: تَحْرِیُّ الْإِعْسَاقِ وَعَدَمُهُ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ، وَالثَّانِي: أَنَّ يَسَارَ الْمُعْتِقِ لَا يَمْنَعُ سَعَايَةَ الْعَبْدِ عِنْدَهُ وَعِنْدَهُمَا يَمْنَعُ. لَهُمَا فِي الثَّانِي قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّجُلِ يُعْتِقُ نَصِيْبَهُ، إِنْ كَانَ غَنِيًّا ضَمِيْنًا، وَإِنْ كَانَ فَقِيْرًا سَعَى فِي حِصَّةِ الْآخِرِ، فَسَمَّ وَالْقِسْمَةُ تَنَافِي الشَّرِيْكَةَ وَلَهُ أَنَّهُ اخْتَبَسَتْ مَالِيَّةُ نَصِيْبِهِ عِنْدَ الْعَبْدِ فَلَهُ أَنْ يُضْمَنَهُ كَمَا إِذَا هَبَّتِ الرِّيحُ فِي ثَوْبِ إِنْسَانٍ وَالْقَتَّةُ فِي صَبْغٍ غَيْرِهِ حَتَّى انْصَبَغَ بِهِ فَعَلَى صَاحِبِ الثَّوْبِ قِيَمَةُ صَبْغِ الْآخِرِ مُوَسَّرًا كَانَ أَوْ مُعْسِرًا لِمَا قُلْنَا فَكَذَا هَاهُنَا، إِلَّا أَنَّ الْعَبْدَ فَقِيْرًا فَيَسْتَسْعِيهِ. ثُمَّ الْمُعْتَرُ يَسَارُ التَّيْسِيرِ، وَهُوَ أَنْ يَمْلِكَ مِنَ الْمَالِ قَدْرَ قِيَمَةِ نَصِيْبِ الْآخِرِ لَا يَسَارُ الْغِنَى، لِأَنَّ بِهِ يَغْتَدِلُ النَّظَرُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ بِتَحْقِيقِ مَا قَصَدَهُ الْمُعْتِقُ مِنَ الْقُرْبَةِ وَإِصْالِ نَدْلٍ حَقِّ السَّائِكِ إِلَيْهِ،

ترجمہ

حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ شریک اول کے مالدار ہونے کی صورت میں شریک ثانی کو صرف ضمان کا حق ہوگا جبکہ اس کے تنگ دست ہونے کی صورت میں اسے صرف کمائی کرانے کا حق ہوگا۔ اور معتق غلام سے رجوع نہیں کرے گا اور ولایہ صرف معتق کے لئے ہوگا اور یہ مسئلہ دو اصولوں پر مبنی ہے ان میں سے ایک غلام کا تجزی ہونا نہ ہونا جو ہم بیان کر چکے ہیں اور دوسری اصل یہ ہے کہ معتق کا خوش حال ہونا حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے ہاں اس کے کسب سے مانع نہیں ہے جبکہ حضرات صاحبین کے ہاں مانع ہے۔ اصل ثانی میں حضرات صاحبین کی دلیل آپ ﷺ کا فرمان ہے اس شخص کے بارے میں جو اپنا حصہ آزاد کر دیا گریہ مالدار ہو تو ضامن ہوگا اور اگر وہ فقیر ہو تو غلام دوسرے کے حصے کے لئے کمائی کرے گا آپ ﷺ نے تقسیم فرمادی اور تقسیم شرکت کے منافی ہے۔ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ شریک ثانی کے حصے کی دیت غلام کے پاس محبوس ہے اس لئے اس کو تاوان لینے کا اختیار ہوگا جس طرح کہ اگر ہوانے کسی شخص کے کپڑے کو اڑا کر کسی دوسرے کی رنگ میں ڈال دیا اور وہ کپڑا رنگین ہو گیا تو کپڑے



کے مالک پر دوسرے کی قیمت واجب ہے چاہے وہ مالدار ہو یا محتک دست اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اس لئے یہ حکم صورت مسد میں بھی ہے لیکن اگر غلام فقیر ہو تو شریک تانی اس سے کمائی کرائے۔ اس کے بعد یہ تیسیر مراد ہے اور وہ یہ ہے کہ اتنی مالیت کا مالک ہو کہ دوسرے کے حصے کی قیمت ادا کر سکے اور یہ غلام مراد نہیں ہیاں لئے کہ یہ تیسیر سے دونوں کی طرف شفقت برابر رہتی ہے کیونکہ معتق کے لئے اس کا چاہا ہوا اتنی قربت کا ثبوت ہو جائے گا اور ساکت کو اس کے حق کا بدل مل جائے گا۔

شرح

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضور کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی غلام (مشرک) میں سے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو اس کے غلام کی منسوب قیمت لگائی جائے گی اور اس کے بقیہ شرکاء کو ادا کی گئی کی جائے گی، ان کے حصول کے بقدر اور غلام اس پر آزاد ہو جائے گا اور اگر اس کے پاس مال نہیں ہے تو جتنے حصہ اس نے آزاد کیا ہے اتنا ہی آزاد رہے گا۔

(سنن بوداؤد، جلد سوم، حدیث نمبر 549)

خواہ مخواہ اس پر جبر نہیں کیا جائے گا بلکہ اس سے محنت نہ ہو سکے تو جتنا آزاد ہوا اتنا آزاد رہے گا۔ یہ باب لا کر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کے دونوں الفاظ میں تظہیر دی، یعنی بعض روایتوں میں یوں آیا ہے۔ والا فقد عتق ما ماعتق اور بعضوں میں یوں آیا ہے استعسی غیر مشقوق علیہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ پہلی صورت جب ہے کہ غلام محنت مشقت کے قابل نہ ہو اور آزاد کرنے والا نادار ہو اور دوسری صورت جب ہے کہ وہ محنت مشقت اور کمائی کے قابل نہ ہو۔

ایک دور وہ بھی تھا کہ کسی ایک غلام کو کئی آدمی مل کر خرید لیا کرتے تھے۔ اب اگر ان سب جھپوں میں سے کوئی شخص اس غلام کے اپنے حصہ کو آزاد کرنا چاہتا تو اس کے لیے اسلام نے یہ حکم صادر کیا کہ پہلے اس غلام کی صحیح قیمت تجویز کی جائے۔ پھر اپنا حصہ آزاد کرنے والا اگر مالدار ہے تو باقی حصہ داروں کو تخمینہ کے مطابق ان کے حصوں کی قیمتیں ادا کر دے اس صورت میں وہ غلام مکمل آزاد ہو گیا۔ اگر وہ شخص مالدار نہیں تو پھر صرف اسی کا حصہ آزاد ہوا ہے۔ باقی حصص غلام خود محنت مزدوری کر کے ادا کرے۔ اسی صورت میں وہ پوری آزادی حاصل کر سکے گا۔

اس حدیث کو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے مختلف طرق سے کئی جگہ ذکر فرمایا ہے اور اس سے بہت سے مسائل کا استنباط کیا ہے۔ اس روشن حقیقت کے ہوتے ہوئے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ آیات و احادیث سے مسائل کے استنباط کرنے میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔

مالداری کی حالت میں عدم وجوب سعایہ کا بیان

ثُمَّ التَّخْرِيجُ عَلَى قَوْلِهِمَا ظَاهِرٌ، فَقَدْ رُجِعَ الْمُعْتَقُ بِمَا صَمِنَ عَلَى الْعَبْدِ لِعَدَمِ

السَّعَايَةِ عَلَيْهِ فِي حَالَةِ الْبَسَارِ وَالْوَلَاءِ لِلْمُعْتَقِ لِأَنَّ الْعِتْقَ كُلَّهُ مِنْ جِهَتِهِ لِعَدَمِ التَّخْرِيجِ. وَأَمَّا التَّخْرِيجُ عَلَى قَوْلِهِ فَيَحْتَاجُ الْإِعْتَاقَ لِقِيَامِ مِلْكِهِ فِي الْبَاقِي إِذَا الْإِعْتَاقُ يَتَخَرَّجُ عَنْهُ. وَالصَّامِنُ لِأَنَّ الْمُعْتَقَ حَانَ عَلَيْهِ بِإِفْسَادِهِ نَصِيئَهُ حَيْثُ امْتَنَعَ عَلَيْهِ الْبَيْعُ وَالْهَبَةُ وَخَوُ ذَلِكَ مِمَّا سَوَى الْإِعْتَاقِ وَتَوَاتُرِهِ، وَالْإِسْتِغَاءُ لِمَا بَيَّنَّا. وَبَرَجَعَ الْمُعْتَقُ بِمَا صَمِنَ عَلَى الْعَبْدِ لِأَنَّهُ قَامَ مَقَامَ السَّائِكِ بِإِدَاءِ الصَّمَانِ وَقَدْ كَانَ لَهُ ذَلِكَ بِالْإِسْتِغَاءِ فَكَذَلِكَ لِلْمُعْتَقِ لِأَنَّهُ مَلَكَهُ بِإِدَاءِ الصَّمَانِ صَمْنًا فَيَصِيرُ كَأَنَّ الْكُلَّ لَهُ وَقَدْ عَتَقَ بَعْضُهُ فَلَهُ أَنْ يُعْتَقَ الْبَاقِي أَوْ يَسْتَسْعِيَ إِنْ شَاءَ، وَالْوَلَاءُ لِلْمُعْتَقِ فِي هَذَا الْوَجْهِ لِأَنَّ الْعِتْقَ كُلَّهُ مِنْ جِهَتِهِ حَيْثُ مَلَكَهُ بِإِدَاءِ الصَّمَانِ.

ترجمہ

حضرات صاحبین کے قول پر تخریج ظاہر ہے اس لئے معتق کا غلام سے مال ضمان واپس نہ لینا مال داری کی حالت میں سعایہ واجب نہ ہونے کی صورت میں ہے۔ کیونکہ دواء معتق کے لئے ہے اور پورا حق بھی اسی کی طرف سے واقع ہوا ہے اور یہ بھی دلیل ہے کہ حق کے اجزاء نہیں ہوتے۔ اب امام صاحب کے قول پر تخریج کرنے کا حکم شریک کے لئے اعتاق کا اختیار دینا ہے۔ کیونکہ بقیہ غلام میں اس کی ملکیت باقی ہے۔ کیونکہ یہاں ان کے نزدیک اعتاق کے اجزاء ہو سکتے ہیں اور ضمانت لینے کا حق اس وجہ سے ہے معتق اس کے حصے کو خراب کرتے ہوئے زیادتی کرنے والا ہے۔ اب دوسرے شریک کے لئے اعتاق اور اس کے توابع اور استعساء کے سوا بیع اور ہبہ وغیرہ کے احکام ختم کر دئے ہیں اس کی دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور معتق مال ضمان کو غلام سے واپس لے گا۔ اس لئے کہ ضمانت ادا کرنے کی وجہ سے وہ ساکت کے قائم مقام ہو گیا ہے۔ اور جب ساکت کیلئے استعساء کے ذریعے یہ اختیار تھا۔ تو معتق کو بھی یہ حق حاصل ہو گا۔ اور اس لئے بھی کہ معتق ادائے ضمان کی وجہ سے اس غلام کو ضمنی طور پر مالک ہو چکا ہے لہذا یہ اس طرح ہو چکا ہے کہ جس طرح پورا اسی کا ہے۔ حالانکہ اس نے بعض ہی غلام آزاد کیا ہے تو اسے یہ اختیار ہے کہ باقی کو آزاد کر دے یا جب چاہے تو اس سے محنت کرائے۔ اور اس صورت میں دواء معتق کو ملے گا۔ کیونکہ مکمل عتق ہی اسی کی جانب واقع ہوا ہے کیونکہ ضمان ادا کر کے وہ اس کا مالک ہو چکا ہے۔

شرح

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ دواء معتق کیسے ہے۔ جس طرح حدیث متواترہ میں ہے اور اس کو امام بخاری کے سمیت گثیر احادیث نے بیان کیا ہے اور اس کی بحث گزر بھی چکی ہے ایک سند وہ حدیث اس طرح ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ میں نے بریرہ کو خریدنا تو اس کے مالک نے

شرط لگائی کہ وہ ہم لیس گے میں نے یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو آزاد کر۔  
وہ اس کے لیے ہے جو روپیہ دے چنانچہ میں نے بریرہ کو آزاد کر دیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلایا اور اس کو اس کے خاندان کے متعلق اختیار دیا تو اس نے کہا کہ گروہ مجھ کو تھاتا مال دے تو بھی میں اس سے تھک نہ رہوں چنانچہ وہ اپنے شوہر سے جدا ہو گئی۔  
(صحیح بخاری، جلد اول، حدیث نمبر 2388 حدیث متواتر)

### آزاد کرنے والے کی تلکدستی کا بیان

وَفِي حَالِ إِغْسَارِ الْمُعْتِقِ إِنْ شَاءَ أُعْتِقَ لِبَقَاءِ مِلْكِهِ ، وَإِنْ شَاءَ اسْتَسْعَى لِمَا بَيْنَهُ ،  
وَالْوَلَاءُ لَهُ فِي الْوَجْهِينَ لِأَنَّ الْعَتَقَ مِنْ حَيْثِهِ ، وَلَا يَرْجِعُ الْمُسْتَسْعَى عَلَى الْمُعْتِقِ بِمَا  
أَدَّى بِإِجْمَاعٍ بَيْنَنَا لِأَنَّهُ يَسْعَى لِفِكَائِكَ رَقَبَتِهِ أَوْ لَا يَقْضِي ذِيًا عَلَى الْمُعْتِقِ إِذْ لَا شَيْءَ  
عَلَيْهِ لِعُسْرِهِ ، بِخِلَافِ الْمَرْهُونِ إِذَا أُعْتِقَهُ الرَّاهِنُ الْمُعْسِرُ لِأَنَّهُ يَسْعَى فِي رَقَبَتِهِ قَدْ  
فُكِّتْ أَوْ يَقْضِي ذِيًا عَلَى الرَّاهِنِ فَلِهَذَا يَرْجِعُ عَلَيْهِ . وَقَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي  
الْمُوسِرِ كَقَوْلِهِمَا .

وَقَالَ فِي الْمُعْسِرِ : يَنْقُصُ نَصِيبُ السَّائِكِ عَلَى مِلْكِهِ يَبَاعُ وَيُوهَبُ لِأَنَّهُ لَا وَجْهَ إِلَى  
تَضْمِينِ الشَّرِيكِ لِإِغْسَارِهِ وَلَا إِلَى السَّعَايَةِ لِأَنَّ الْعَبْدَ لَيْسَ بِحَافٍ وَلَا رَاضٍ بِهِ ، وَلَا  
إِلَى إِعْتَاقِ الْكُلِّ لِلْبَاضِرِ بِالسَّائِكِ فَتَعَيَّنَ مَا عَيَّنَاهُ .

قُلْنَا : إِلَى الْإِسْتِسْعَاءِ سَبِيلٌ لِأَنَّهُ لَا يَفْتَقِرُ إِلَى الْجَنَابَةِ بَلْ تُبْتَنَى السَّعَايَةُ عَلَى اخْتِيارِ  
الْمَالِيَةِ فَلَا يُصَارُ إِلَى الْجَمْعِ بَيْنَ الْقُوَّةِ الْمُوجِبَةِ لِلْمَالِيَّةِ وَالضَّعْفِ السَّالِبِ لَهَا فِي  
شَخْصٍ وَاحِدٍ .

ترجمہ

اور معتق کے تلکدست ہونے کی حالت میں اگر شریک ثانی چاہے تو اپنا حصہ بھی آزاد کر دے کیوں کہ اس کی ملکیت باقی ہے اور  
گر چاہے تو اس سے کئی کرائے اس دیہ کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے اور دونوں صورتوں میں اس کو بھی ولاء ملے گا کیوں کہ اس کی  
طرف سے بھی عتق واقع ہوا ہے اور غلام مستسعی معتق سے اپنا اداء کردہ مال واپس نہیں لے سکتا اتفاق فقہائے احناف کیوں کہ وہ تو  
اپنی گردن چھڑانے کیلئے کئی کرتا ہے اور معتق پر کوئی قرضہ نہیں اداء کرتا ہے اس لیے کہ معتق کے عسر کی وجہ سے اس پر کچھ بھی نہیں لازم  
ہے برخلاف عبد مرہون کے جب اسے عسر راہن آزاد کر دے، اس سے کہ عبد مرہون اپنی گردن کیلئے کئی کرتا ہے جو چھوٹ چکی

ہے یا وہ ایسا قرضہ اداء کرتا ہے جو راہن پر تھا لہذا وہ راہن سے واپس لے لے گا۔

اور موسر کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول حضرات صاحبین کے قول کی طرح جب کہ معسر کے متعلق ان کا قول یہ کہ  
ساکت کا حصہ اس کی ملکیت پر قرار رہے گا جسے بیچا بھی جائے گا اور ہبہ بھی کیا جائے گا کیوں کہ شریک اول کے معسر ہونے کی وجہ  
سے اس سے ضمان لینے کی کوئی صورت نہیں ہے اور نہ ہی غلام سے کئی کرانے کا اختیار ہے کیوں کہ نہ تو وہ ظلم ہے اور نہ ہی آزادی  
پر راضی ہے اور پورے غلام کو آزاد کرنے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے اس لیے کہ اس میں ساکت کا ضرر ہے لہذا ہم نے جو کچھ متعین  
کیا ہے وہی متعین ہے ہم جواب یہ دیتے ہیں کہ شریک ثانی کے لیے غلام سے کئی کرانے کی راہ ہے کیوں کہ استسعاء کے لیے جتنا  
عت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ استسعاء اس کی مالیت کے اعتبار پر مبنی ہے لہذا ایک ہی غلام میں قوت جو موجب ملکیت ہے وہ اور  
ضعف جو اس قوت کو سلب کرنے والا ہے وہ دونوں باتیں جمع نہیں ہوں گی۔

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنا حصہ کسی غلام میں  
آزاد کر دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنا حصہ کسی غلام میں آزاد کر  
دیا تو اس پر اس کا آزاد کرانا اپنے مال سے واجب ہے اگر اس کے پاس مال ہو ورنہ اس کی قیمت لگائی جائے گی اور اس غلام سے  
عت کرائی جائے گی لیکن اس کو مشقت میں نہ ڈال جائے حج بن حج بن حج بن حج اور موسیٰ بن خنف نے قہار سے روایت کی ہے اور اس کو  
شعبہ نے مختصر طور پر بیان کیا۔ (صحیح بخاری، جلد اول، حدیث نمبر 2379)

جب غلام کی آزادی کی شہادت ایک آدمی بیان کرے

قَالَ ( وَلَوْ شَهِدَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الشَّرِيكَيْنِ عَلَى صَاحِبِهِ بِالْعَتَقِ سَعَى الْعَبْدُ لِكُلِّ وَاحِدٍ  
مِنْهُمَا فِي نَصِيبِهِ مُوسِرَيْنِ كَانَا أَوْ مُعْسِرَيْنِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ) وَكَذَا إِذَا كَانَ  
أَحَدُهُمَا مُوسِرًا وَالْآخَرُ مُعْسِرًا ، لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَزْعُمُ أَنَّ صَاحِبَهُ أُعْتِقَ نَصِيبَهُ  
قَصَارَ مَكَاتِبًا فِي رِغْمِهِ عِنْدَهُ وَحَرَمَ عَلَيْهِ الْإِسْتِرْقَاقَ فَيُضْذَقُ فِي حَقِّ نَفْسِهِ قَيْمَنُ مَنْ  
اسْتِرْقَاقِهِ وَيُسْتَسْعَى لِأَنَّا تَقَبَّحًا بِحَقِّ الْإِسْتِسْعَاءِ كَاذِبًا كَانَ أَوْ صَادِقًا لِأَنَّهُ مَكَاتِبُهُ أَوْ  
مَمْلُوكُهُ فَلِهَذَا يَسْتَسْعِيهِ ، وَلَا يَخْتَلِفُ ذَلِكَ بِالْإِسَارِ وَالْإِغْسَارِ لِأَنَّ حَقَّهُ فِي  
الْحَالَيْنِ فِي أَحَدِ شَيْئَيْنِ ، لِأَنَّ يَسَارَ الْمُعْتِقِ لَا يَمْنَعُ السَّعَايَةَ عِنْدَهُ ، وَقَدْ تَعَدَّرَ التَّضْمِينُ  
لِبَانْكَارِ الشَّرِيكِ فَتَعَيَّنَ الْآخَرُ وَهُوَ السَّعَايَةُ ، وَالْوَلَاءُ لَهُمَا لِأَنَّ كُلًّا مِنْهُمَا يَقُولُ عُتِقَ

نَصِيبُ صَاحِبِي عَلَيْهِ بِإِغْتَاقِهِ وَوَلَاؤُهُ لَهُ، وَعَقَقَ نَصِيبِي بِالسَّعَايَةِ وَوَلَاؤُهُ لِي.

(وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ: إِنْ كَانَا مُوسِرَيْنِ فَلَا سَعَايَةَ عَلَيْهِ) لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَبْرَأُ عَنِ سَعَايَتِهِ بِدَعْوَى الْعَتَاقِ عَلَى صَاحِبِهِ لِأَنَّ يَسَارَ الْمُعْتَقِ يَمْنَعُ السَّعَايَةَ عِنْدَهُمَا، إِلَّا أَنَّ الدَّعْوَى لَمْ تَنْتَبِ لِإِنْكَارِ الْآخِرِ وَالْبَرَاءَةُ عَنْ السَّعَايَةِ قَدْ ثَبَتَتْ لِإِفْرَارِهِ عَلَى نَفْسِهِ (وَإِنْ كَانَا مُعْسِرَيْنِ سَعَى لَهُمَا) لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَدْعِي السَّعَايَةَ عَلَيْهِ صَادِقًا كَانَ أَوْ كَاذِبًا عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ إِذَا الْمُعْتَقُ مُعْسِرٌ (وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمَا مُوسِرًا وَالْآخَرُ مُعْسِرًا سَعَى لِلْمُوسِرِ مِنْهُمَا) لِأَنَّهُ لَا يَدْعِي الصَّمَانَ عَلَى صَاحِبِهِ لِإِغْسَارِهِ، وَإِنَّمَا يَدْعِي عَلَيْهِ السَّعَايَةَ فَلَا يَبْرَأُ عَنْهُ (وَلَا يَسْعَى لِلْمُعْسِرِ مِنْهُمَا) لِأَنَّهُ يَدْعِي الصَّمَانَ عَلَى صَاحِبِهِ لِيَسَارِهِ فَيَكُونُ مُسْرًا لِلْعَبْدِ عَنِ السَّعَايَةِ، وَالْوَلَاءُ مُوقُوفٌ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ عِنْدَهُمَا لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يُحِيلُهُ عَلَى صَاحِبِهِ وَهُوَ يَبْرَأُ عَنْهُ فَيَنْقُي مُوقُوفًا إِلَيَّ أَنْ يَتَّفَقَا عَلَى إِعْتَاقِ أَحَدِهِمَا.

ترجمہ

اور جب دونوں شریکوں میں سے ہر ایک نے اپنے ساتھی پر غلام آزاد کرنے کی گواہی دی تو ہاں ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں غلام ان میں سے ہر ایک کے لیے اس کے حصے کی مزدوری کرے گا۔ اگر چہ وہ دونوں مالدار ہوں یا وہ دونوں غریب ہوں اور اسی طرح جب ان میں سے ایک مال والا ہو اور دوسرا غریب ہو اور ان میں سے ہر ایک سمجھ رہا ہو کہ اس کے ساتھی نے اپنا حصہ آزاد کر دیا ہے۔ پس غلام اس کے خیال کے مطابق مکاتب ہو جائے گا اور پھر اسی پر اس غلام کو دوبارہ غلام بنانا حرام ہے کیونکہ اسی شریک کے حق میں اس کی تصدیق کر لی جائے گی۔ اور اس شریک کو استرقاق کے طور پر غلامی سے منع کر دیا جائے گا۔ ہاں اس سے محنت کروائی جائے گی۔ کیونکہ استعساء کا یقین ہے خواہ وہ شریک سچا ہو یا جھوٹا ہو۔ کیونکہ وہ اس کا مکاتب ہے یا وہ اس کا مملوک ہے۔ پس وہ دونوں غلاموں سے کمائی کر لیں گے۔ اور عسر و سرکھ کی حالت میں یہ حکم مختلف نہ ہوگا کیونکہ دونوں احوال میں سے کسی ایک حاست میں آقا کا حق ہے۔ اس لئے کہ معتق کا مالدار ہونا امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک غلام کی محنت کے مانع نہ ہوگا جبکہ شریک کے انکار کے سبب تاوان لینا بھی ناممکن ہے۔ لہذا اس میں دوسری دلیل متعین ہو جائے گی۔ اور وہ صرف کمائی کروانا ہے جبکہ ولاء دونوں کو ملے گا۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک اس حکم کا قائل ہے کہ دوسرے کا حصہ اس کے آزاد کرنے کے سبب آزاد ہوا ہے

لہذا اس کا ولاء میرے لئے ہے۔

صاحبین علیہما الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ دونوں مالی طور پر مستحکم ہیں تو غلام پر کمائی کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی پر ضمان کا دعویٰ کرنے والا اور اس کو کمائی سے بری کرنے والا ہے۔ لہذا صاحبین کے نزدیک کمائی کرنا مالدار معتق سے منع ہے۔ ہاں البتہ دوسرے کے انکار کی وجہ سے دعویٰ ثابت کرنے والا نہ ہوگا۔ جبکہ غلام کا کمائی سے بری اندہ ہونا کبھی تو اس کی ذات پر اس کے ذاتی اقرار کے ثبوت سے ہوتا ہے۔ اور اگر دونوں شریک غریب ہوں تو غلام دونوں کیلئے کمائی کرے گا کیونکہ ان میں سے ہر ایک شریک غلام پر محنت کرنے کے دعویٰ کا حق رکھتا ہے۔ خواہ وہ سچا ہو یا جھوٹا ہو۔ جس طرح ہم بیان کر چکے ہیں کیونکہ معتق تندرست ہے۔ اور جب دونوں شرکاء میں سے ایک مالدار اور دوسرا تنگ دست ہو تو اس صورت میں غلام صرف تنگ دست کیلئے کمائی کرے گا۔ کیونکہ عسر کے سبب وہ اپنے شریک پر دعویٰ نہیں کرنے والا اور وہ صرف کمائی کا دعویٰ کرنے والا ہے پس غلام اس طرح کمائی سے بری اندہ نہ ہوگا اور غلام عسروالے کیلئے کمائی نہ کرے گا کیونکہ دوسرے شریک کے مالدار ہونے کی وجہ سے عسر والا ضمان کا دعویٰ کرنے والا ہے۔ پس وہ غلام کو کمائی سے بری کرنے والا ہوگا جبکہ صاحبین کے نزدیک ان تمام صورتوں میں وہ موقوف ہوگا۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک ولاء دوسرے کے سپرد کرنے والا ہے حالانکہ دوسرا اس سے برأت کرنے والا ہے لہذا وہ موقوف رہے گا۔ حتیٰ کہ دونوں شرکاء کسی ایک غلام کو آزاد کرنے پر متفق ہو جائیں۔

شرح

اگر کسی حصہ کو آزاد کیا تو اتنا ہی آزاد ہوگا یہ اس صورت میں ہے۔ کہ جب وہ حصہ معین ہو مثلاً آدھا۔ تہائی۔ چوتھائی۔ اور اگر غیر معین ہو مثلاً تیرا ایک حصہ آزاد ہے تو اس صورت میں بھی آزاد ہوگا مگر چونکہ حصہ غیر معین ہے، لہذا مالک سے تعیین کرائی جائے گی کہ تری مراد کیا ہے جو وہ بتائے اور اتنا آزاد قرار پائے گا اور دونوں صورتوں میں یعنی بعض معین یا غیر معین میں جتنا باقی ہے اس میں سعایت کرائیں گے یعنی اس غلام کی اس روز جو قیمت بازار کے نرخ سے ہو اس قیمت کا جتنا حصہ غیر آزاد شدہ کے مقابل ہوتا تھا مزدوری وغیرہ کرنا وصول کریں جب قیمت کا وہ حصہ وصول ہو جائے اس وقت پورا آزاد ہو جائیگا۔

حضرت علی بن عبد اللہ سفیان عمرو سالم اپنے والد سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے ایسا غلام آزاد کیا جو دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اگر وہ مالدار ہے تو اس غلام کی قیمت لگائی جائے گی پھر وہ غلام آزاد کر دیا جائے گا (باقی حصوں کی قیمت آزاد کرنے والے کو دینی ہوگی)۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2373)

حضرت عبد اللہ بن یوسف، مالک، نافع عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنا حصہ کسی غلام کا آزاد کر دیا اور اس کے پاس اتنا مال ہو کہ پورے غلام کی قیمت کے برابر ہو تو اس غلام کی ٹھیک ٹھیک قیمت لگائی جائے گی اور ان کے شریکوں کو ان کے حصے کی قیمت دے دے پھر وہ آزاد ہو جائے گا ورنہ بصورت تنگ دستی اس غلام کا اتنا ہی حصہ

آزاد ہوگا جتنا اس نے آزاد کیا ہے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2374)

غلام و باندی کی شہادت میں مذاہب اربعہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ غلام اگر عادل ہے تو اس کی گواہی جائز ہے، شرح اور زرارہ بن اوفی نے بھی اسے جائز قرار دیا ہے۔ ابن سیرین نے کہا کہ اس کی گواہی جائز ہے، سوا اس صورت کے جب غلام اپنے مالک کے حق میں گواہی دے (کیوں کہ اس میں، مالک کی طرف داری کا حتمال ہے) حسن اور ابراہیم نے معمولی چیزوں میں غلام کی گواہی کی اجازت دی ہے۔ قاضی شریح نے کہا کہ تم میں سے ہر شخص غلاموں اور باندیوں کی اولاد ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تم سب لونڈی غلام ہو، اس لیے کسی کو کسی پر فخر کرنا جائز نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اسی کے موافق حکم دیا ہے کہ لونڈی غلام کی جب وہ عادل و راشد ہو، گواہی مقبول ہے، مگر ائمہ محدثین نے اس کو جائز نہیں رکھا۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ لونڈی غلاموں کی شہادت جب وہ عادل ثقہ ہوں ثابت فرما رہے ہیں۔

غلام کی آزادی کو معلق کرنے کا بیان

(وَلَوْ قَالَ أَحَدُ الشَّرِيفِينَ إِنْ لَمْ يَدْخُلْ فَلَانْ هَذِهِ الدَّارَ عَدَا فَهُوَ حُرٌّ، وَقَالَ الْآخَرُ:

إِنْ دَخَلَ فَهُوَ حُرٌّ فَمَقْضَى الْغَدِّ وَلَا يَدْخُلُ أَذْخَلَ أَمْ لَا عَتَقَ النِّصْفُ وَسَعَى لَهُمَا فِي

النِّصْفِ الْآخَرِ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَبِيبَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ.

وَقَالَ مُحَمَّدٌ: يَسْعَى فِي جَمِيعِ قِيَمَتِهِ ) لِأَنَّ الْمُقْضَى عَلَيْهِ بِسُقُوطِ السَّعَايَةِ مَجْهُولٌ،

وَلَا يُنْكَرُ الْقَضَاءُ عَلَى الْمَجْهُولِ فَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ لِغَيْرِهِ لَكَ عَلَى أَحَدِنَا أَلْفُ

دِرْهَمٍ فَإِنَّهُ لَا يَقْضِي بِشَيْءٍ لِلْجَهَالَةِ، كَذَا هَذَا.

وَلَهُمَا أَنَا تَيَقَّنًا بِسُقُوطِ بَصْفِ السَّعَايَةِ لِأَنَّ أَحَدَهُمَا حَانِثٌ بَيِّنٌ، وَمَعَ التَّيَقُّنِ بِسُقُوطِ

النِّصْفِ كَيْفَ يُقْضَى بِوُجُوبِ الْكُلِّ، وَالْجَهَالَةُ تَرْتَفِعُ بِالشُّيُوعِ وَالتَّوْزِيعِ، كَمَا إِذَا

أَعْتَقَ أَحَدَ عَبْدَيْهِ لَا بَعِيْنَهُ أَوْ بَعِيْنَهُ وَنَسِيَهُ وَمَاتَ قَبْلَ التَّذْكَرِ أَوْ الْبَيَانِ، وَيَتَأْتَى التَّفْرِيعُ

فِيهِ عَلَى أَنَّ الْإِسَارَ يَمْنَعُ السَّعَايَةَ أَوْ لَا يَمْنَعُهَا عَلَى الْإِخْتِلَافِ الَّذِي سَبَقَ.

ترجمہ

اور جب کسی ایک شریک نے کہا کہ اگر فلاں شخص آنے والی کل میں اس گھر داخل نہ ہوا تو وہ غلام آزاد ہے۔ جبکہ دوسرے نے کہا کہ اگر وہ داخل ہوا تو وہ آزاد ہے اور آنے والا کل گزر گیا لیکن یہ پتہ ہی نہ چل سکا کہ وہ داخل ہوا ہے یا نہیں۔ تو نصف غلام آزاد

ہو جائے گا اور بقیہ آدھے کیلئے وہ سعایہ کرے گا۔ یہ حکم شیخین کے نزدیک ہے جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ پوری قیمت اد کرنے کی کوشش کرے گا۔ کیونکہ جس شریک کے سبب سقوط کا حکم دیا جاتا ہے وہ مجہول ہے اور کسی مجہول پر کوئی فیصلہ ممکن نہیں پس یہ اس طرح ہو گیا ہے جس کسی نے دوسرے سے کہا ہم میں سے کسی ایک پر تیرے لئے ایک ہزار درہم ہیں۔ تو جہالت کے سبب کوئی فیصلہ نہ ہوگا اور اسی طرح شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ہمیں آدھے سعایہ کے سقوط کا یقین ہے۔ کیونکہ دونوں شرکاء میں سے ایک یقیناً حانث ہے۔ لہذا نصف سعایہ کے سقوط کے یقین ہوتے ہوئے مکمل سعایہ کے وجوب کا فیصلہ کس طرح کیا جائے گا۔ کیونکہ پھینے اور پھیلانے سے جہالت دور ہو جاتی ہے جس طرح کسی غیر معین دو غلاموں میں سے کسی ایک کو آزاد کیا یا معین کرتے ہوئے آزاد کیا لیکن اس شخص نے جس کو معین کیا تھا اس کو مجہول کیا۔ اور پھر اس کو یاد کرنے یا بیان کرنے سے پہلے فوت ہو گیا۔ اور اس مسئلہ کی تفریح کا حاصل اس طرح ہے کہ آسانی (مالداری) سعایہ کے مانع ہے یا نہیں ہے اور یہ اسی اختلاف پر ہے جو اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں۔

شرح

ایک کی طرف سے جب شرط پائی گئی تو شروط کے پائے جانے کے سبب وہ غلام اتنے حصے میں آزاد ہو کر بقیہ اس مسئلہ کی وہی صورت ہوگی جو مشترکہ غلام کی آزادی جب کسی ایک کی جانب سے ہو جیسا احادیث میں بھی مذکور ہوا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی غلام میں اپنا حصہ آزاد کیا تو اس پر پورے غلام کا آزاد کرنا واجب ہے اگر اس کے پاس اتنا مال ہو کہ اس کی قیمت کے برابر ہو اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ کسی عادی کی تجویز کے مطابق اس کی پوری قیمت ہو تو اس کا اتنا ہی حصہ آزاد ہوگا جتنا اس نے آزاد کیا ہے۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2375)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فتویٰ دیتے تھے اگر کوئی غلام یا لونڈی چند شریکوں کے درمیان مشترک ہو ان میں سے کوئی شخص اپنا حصہ آزاد کر دے تو اس پر پورے غلام کا آزاد کرنا واجب ہے جب کہ آزاد کرنے والے کے پاس اتنا مال ہو کہ عادل کی تجویز کے مطابق اس کی قیمت کے برابر ہو اور شریکوں کو ان کے حصہ کی قیمت دیدی جائے گی اور آزاد کیے ہوئے (غلام اور لونڈی) کا راستہ چھوڑ دیا جائے گا، ابن عمر یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے تھے اور اس کی لیٹ و ابن ابی ذئب ابن اسحاق و جویریہ و یحییٰ بن سعید اور اسماعیل بن امیہ نافع سے وہ ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختصر طور پر روایت کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2378)

دو شرکاء کی دو غلاموں پر قسم کھانے کا بیان

(وَلَوْ خَلَقَا عَلَى عَبْدَيْنِ كُلٌّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِأَحَدِهِمَا بَعِيْنَهُ لَمْ يَتَّقِ وَاحِدٌ مِنْهُمَا ) لِأَنَّ

الْمُقْضَى عَلَيْهِ بِالْعِتْقِ مَجْهُولٌ، وَكَذَلِكَ الْمُقْضَى لَهُ فَتَقَا حَشَتْ الْجَهَالَةُ فَاَمْتَنَعَ

الْقَضَاءُ، وَفِي الْعَبْدِ الْوَاحِدِ الْمَقْصِيُّ لَهُ وَالْمَقْصِيُّ بِهِ مَعْلُومٌ فَعَلَّتِ الْمَعْلُومُ الْمَجْهُولُ

ترجمہ

اور جب دو آدمیوں نے دو غلاموں پر قسم کھائی اور ان دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کیلئے قسم کھائی تو ان میں ایک غلام بھی آزاد نہ ہوگا کیونکہ جس پر آزادی کا حکم لگانا تھا وہ مجہول ہے اور جس کا تقاضہ کیا جانا تھا وہ بھی مجہول ہے اور یہ جہالت فاحشہ ہوگی لہذا فیصلہ ممتنع ہوگی ہے جبکہ ایک غلام کے بارے میں تقاضہ کردہ حکم معلوم ہے اور معلوم مجہول پر غائب ہو گیا۔

شرح

حضرت عبید بن اسماعیل، ابو اسامہ، عبید اللہ، نافع، ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی غلام میں اپنے حصہ آزاد کیا تو اس پر پورے غلام کا آزاد کرنا واجب ہے اگر اس کے پاس اتنا مال ہو کہ اس کی قیمت کے برابر ہو اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ کسی عادل کی تجویز کے مطابق اس کی پوری قیمت ہو تو اس کا اتنا ہی حصہ آزاد ہوگا جتنا اس نے آزاد کیا ہے۔ (صحیح بخاری، جلد اول: حدیث نمبر 2375)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے اپنا حصہ کسی غلام کا آزاد کیا اور اس کے پاس اتنا مال ہو کہ اس کی قیمت کے برابر ہو تو وہ آزاد کر دیا جائے گا نافع نے کہا کہ ورنہ (بصورت تنگ دستی) جتنا آزاد کیا ہے اتنا ہی آزاد ہوگا ایوب نے بیان کیا میں نہیں جانتا کہ یہ نافع کا قول ہے یہ حدیث میں شامل ہے۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2377)

جب دو مالکوں میں کسی ایک نے بیٹا خرید لیا

(وَإِذَا اشْتَرَى الرَّجُلَانِ ابْنَ أَحَدِهِمَا عَتَقَ نَصِيبُ الْآبِ) لِأَنَّهُ مَلَكَ بِشَقْصٍ قَرِيبِهِ وَشِرَاؤُهُ إِعْتَاقٌ عَلَى مَا مَرَّ (وَلَا ضَمَانٌ عَلَيْهِ) عَلِيمُ الْآخِرُ أَنَّهُ ابْنُ شَرِيكِهِ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ وَكَذَا إِذَا وَدَّاهُ، وَالشَّرِيكُ بِالْإِخْيَارِ إِنْ شَاءَ أَعْتَقَ نَصِيبَهُ وَإِنْ شَاءَ اسْتَسْقَى الْعَبْدُ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ.

وَقَالَا: فِي الشَّرَاءِ يَضْمَنُ الْآبُ نِصْفَ قِيمَتِهِ إِنْ كَانَ مُوسِرًا، وَإِنْ كَانَ مُعْسِرًا سَقَى الْإِبْنَ فِي نِصْفِ قِيمَتِهِ لِشَرِيكِ أَبِيهِ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إِذَا مَلَكَ، بِهَبَةٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ وَصِيَّةٍ، وَعَلَى هَذَا إِذَا اشْتَرَاهُ رَجُلَانِ وَأَحَدُهُمَا قَدْ خَلَفَ بَعْتَهُ إِنْ اشْتَرَى نِصْفَهُ.

لَهُمَا أَنَّهُ أَبْطَلَ نَصِيبَ صَاحِبِهِ بِالْإِعْتَاقِ لِأَنَّ شِرَاءَ الْقَرِيبِ إِعْتَاقٌ، وَصَارَ هَذَا كَمَا إِذَا

كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَ أَجْنَبِيَيْنِ فَأَعْتَقَ أَحَدُهُمَا نَصِيبَهُ، وَلَهُ أَنَّهُ رَضِيَ بِإِفْسَادِ نَصِيبِهِ فَلَا يُضْمَنُهُ، كَمَا إِذَا أَذِنَ لَهُ بِإِعْتَاقِ نَصِيبِهِ صَرِيحًا، وَدَلَالَةُ ذَلِكَ أَنَّهُ شَارَكَهُ فِيْمَا هُوَ عِلَّةُ الْإِعْتَقِ وَهُوَ الشَّرَاءُ لِأَنَّ شِرَاءَ الْقَرِيبِ إِعْتَاقٌ حَتَّى يَخْرُجَ بِهِ عَنْ عَهْدَةِ الْكَفَّارَةِ عِنْدَنَا، وَهَذَا ضَمَانٌ إِفْسَادٍ فِي ظَاهِرِ قَوْلِهِمَا حَتَّى يَخْتَلِفَ بِالْيَسَارِ وَالْإِعْسَارِ فَيَسْقُطَ بِالرِّضَا، وَلَا يَخْتَلِفُ الْجَوَابُ بَيْنَ الْعِلْمِ وَعَدَمِهِ، وَهُوَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ عَنْهُ لِأَنَّ الْحُكْمَ يُدَارُ عَلَى السَّبَبِ، كَمَا إِذَا قَالَ لِغَيْرِهِ: كُلْ هَذَا الطَّعَامَ وَهُوَ مَمْلُوكٌ لِلْأَمِيرِ وَلَا يَعْلَمُ الْأَمِيرُ بِمِلْكِهِ.

ترجمہ

اور جب دو اشخاص نے آپس میں سے کسی ایک کے بیٹے کو خریدنا تو باپ والا حصہ آزاد ہو جائے گا کیونکہ وہ بے قرربی حصہ کا مالک ہوا ہے اور اسی خریدنا ہی آزادی ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے اور اس پر کوئی ضمان نہیں ہے اگرچہ دوسرے کو اس کی بات کا حکم ہو کہ وہ غلام اس کے حصہ دار کا بیٹا ہے یا اس کا علم نہ ہو اور اسی طرح جب وہ دونوں وارث ہوئے ہیں تو دوسرے شریک کو اختیار ہے کہ چاہے تو وہ اپنے حصے کو آزاد کر دے اور اگر وہ چاہے تو اس سے محنت کرائے اور یہ حکم حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک خریداری کی صورت میں اگر باپ مالدار ہے تو غلام کی نصف قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر وہ تنگ دست ہے تو نہ مالدار بنائے باپ کے شریک کیلئے آدمی قیمت کیلئے کئی کرے گا اور یہ مسئلہ اسی اختلاف پر ہے اور جب وہ دونوں بہرہ، صدقہ یا وصیت کے ذریعے اس کے مالک ہو جائیں۔ اور یہ اختلاف اس طرح بھی ہے کہ جب دو آدمیوں نے کسی غلام کو خرید لیا اور ان میں سے ایک نے یہ قسم اٹھا رکھی تھی کہ اگر اس نے غلام کا نصف خریدا تو وہ آزاد ہے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے شریک نے آزاد کر کے اپنے ساتھی کے حصے کو باطل کر دیا ہے کیونکہ قرینی شخص کو خریدنا آزادی ہے پس یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح غلام دو اجنبی مالکوں کے درمیان مشترک ہو اور ان میں سے ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا ہو

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں شریک اپنا حصہ خراب کرنے پر خود راضی ہوا ہے لہذا معتق اس کا ضامن نہ ہوگا جس طرح جب اس نے دوسرے کو صراحت کے طور پر اپنا حصہ آزاد کرنے کی اجازت دی اور اس کی رضامندی کی دلیل یہ ہے کہ اس نے باپ کے ساتھ اس طرح چیز میں شرکت کی ہے جو آزادی کی علت ہے اور وہ چیز خریدنا ہے کیونکہ قرینت کی خریداری آزادی ہے حتیٰ کہ ہمارے نزدیک شرائے قریب کے سبب مشتری کفارے سے بری الذمہ ہو جائے گا۔

صاحبین کے ظاہری فرمان کے مطابق یہ ضمان افساد ہے۔ کیونکہ عرویس کے سبب حکم مختلف ہوتا رہتا ہے۔ پس رضا کے سبب

ضمان ساقط ہو جائے گا۔ جبکہ علم و عدم سبب حکم مختلف نہ ہوگا اور امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ظاہر الروایت کے مطابق اسی طرح روایت ہے کیونکہ حکم کا رد امت پر ہوتا ہے (قاعدہ فقہیہ رضوی مٹھی عند) جس طرح کسی شخص نے کہا کہ کھانا کھاؤ جبکہ حکم دینے والا غلام ہے اور اگر کوئی ملکیت کا علم ہی نہیں ہے۔

شرح

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کوئی بیٹا اپنے باپ کا بد نہ نہیں اتار سکتا مگر اس صورت میں کہ وہ اپنے باپ کو کسی کا غلام پائے اور اس کو خرید کر آزاد کر دے۔" (مسلم)

اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ باپ محض بیٹے کے خرید لینے سے ہی آزاد ہو جاتا بلکہ جب اسے اس کا بیٹا خرید کر آزاد کرے تب آزاد ہوتا ہے۔ چنانچہ صحابہ ظاہر کا یہی مسلک ہے۔ لیکن جمہور کا یہ مسلک ہے کہ باپ اپنے بیٹے کی محض ملکیت میں آ جانے سے آزاد ہو جاتا ہے، اس کی صراحت دوسری فصل کی پہلی حدیث سے بھی ہوتی ہے اور اس حدیث کے معنی بھی یہی ہیں۔ چنانچہ حضرت مظہر فرماتے ہیں کہ فیض میں حرف ذ سبب کے لئے ہے۔ اس صورت میں حدیث کے آخری جزء کا ترجمہ یہ ہوگا کہ "جب کہ وہ اپنے باپ کو کسی کا غلام پائے اور اس کو آزاد کرنے کے لئے خرید لے" لہذا خریدنے کے بعد اس کی ضرورت نہیں ہوگی کہ بیٹا اس باپ سے یوں کہے کہ میں نے تمہیں آزاد کیا بلکہ وہ محض بیٹے کے خرید لینے سے آزاد ہو جائے گا۔

حضرت ابو ذر کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کونسا عمل بہتر ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا "ابو ذر کہتے ہیں کہ پھر میں نے عرض کیا "کونسا بردہ آزاد کرنا بہتر ہے؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو گراں قیمت ہو اور اپنے مالک کو بہت پیرا ہو" میں نے عرض کیا کہ "اگر یہ نہ کر سکوں؟" (یعنی اگر وہ اسل نہیں بلکہ ازراہ عجز و عدم استطاعت ایسا غلام آزاد نہ کر سکوں؟) "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کار کرنے والے کی مدد کر دیا جو شخص کسی چیز کو بنانا نہ جانتا ہو اس کی وہ چیز بنادو" میں نے عرض کیا "اگر میں یہ (بھی) نہ کر سکوں تو کیا کروں؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لوگوں کو برائی پہنچانے سے اجتناب کرو یا درکھو یا ایک اچھی نصیحت ہے جس کے ذریعہ تم اپنے نفس کے ساتھ بھلائی کرتے ہو۔" (بخاری و مسلم)

ایمان کا بہتر ہونا تو بالکل بدیہی بات ہے کہ خیر و بھلائی کی بنیاد ہی ایمان ہے، اگر ایمان کی روشنی موجود نہ ہو تو پھر کوئی بھی عمل مقبول نہیں ہوتا خواہ وہ کتنا ہی اہم ہو اور کتنا ہی افضل کیوں نہ ہو! اور جہاد اس اعتبار سے بہتر عمل ہے کہ وہ دین کی تقویت اور مسلمانوں کی برتری و عظمت اور غلبہ کا باعث ہوتا ہے۔ جہاں تک نماز، روزہ کا تعلق ہے وہ تو دوسری حیثیات اور دوسری وجوہ کی بناء پر (ایک دوسرے) عمل سے برتر اور بہتر ہیں لہذا یہاں جہاد کو نماز و روزہ پر فوقیت دینا مراد نہیں ہے۔ یا پھر یہ کہ اس موقع پر جہاد سے مراد مطلق "مشقت برداشت کرنا" ہے جس کا تعلق جہاد سے بھی ہے اور دوسری طاعات و عبادات سے بھی، چنانچہ مامورات پر عمل کرنے اور منہیات سے بچنے کی نفسانی مشقت اور ریاضت کو "جہاد اکبر" فرمایا گیا ہے اس صورت میں آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ سب سے بہتر عمل ایمان لانا اور ایمان کے تقاضوں پر عمل کرنا ہے جبکہ فرمایا گیا ہے قل امت باللہ ثم استقم کام کرنے والے کی مدد کرو میں "کام سے" مراد ہر وہ چیز ہے جو انسان کے معاش کا وسیعہ و خواہ وہ صنعت و کاریگری ہو یا تجارت ہو۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اپنے کسی پیشہ و کسب میں لگا ہوا ہو اور اس کا وہ پیشہ و کسب اسکی اور اسکے اہل و عیال کی ضروریات کو پورا نہ کرتا ہو وہ شخص اپنے ضعف و مجبوری کی وجہ سے اس کسب و پیشہ کو پوری طرح انہی منہ دے سکتا ہو تو تم اس شخص کی مدد کرو! اسی طرح "جو شخص کسی چیز کو بنانا نہ جانتا ہو" کا مطلب بھی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے اپنے پیشے کے کام کو نہ کر سکتا ہو تو تم اس کا کام کر دتا کہ وہ تمہارے سہارے اپنی ضروریات زندگی کو پورا کر سکے۔ "لوگوں کو برائی پہنچانے سے اجتناب کرو" کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو برے کام میں مبتلا نہ کرو کسی کو اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے ایذا نہ پہنچاؤ اور نہ کسی کو کسی بھی قسم کا نقصان پہنچاؤ کیونکہ لوگوں کو برائی پہنچانے سے اجتناب کرنا بھی خیر و بھلائی ہے خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ برائی (یعنی کسی کو ایذا و نقصان) پہنچانے پر قدرت بھی حاصل ہوئے مگر خیر تو امید نیست شرمسار اس موقع پر عبارت کے ظاہری اسلوب کا تقاضہ یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے کہ "یہ ایک اچھی خصلت ہے جس کے ذریعہ تم لوگوں کے ساتھ بھلائی کرتے ہو" لیکن چونکہ لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنا درحقیقت اپنے نفس کے ساتھ بھلائی کرنا ہے یاں طور کے اس بھلائی کے مختلف فوائد اسے حاصل ہوتے ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ "جس کے ذریعہ تم اپنے نفس کے ساتھ بھلائی کرتے ہو۔"

علامہ ابن محمود بابر ترقی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ

قال العلامة ابن محمود البابر ترقی حنفی علیہ الرحمہ فی شرح ہدۃ العبدۃ، وقولہ (وَلَا صَنَمَانِ عَلَیْہِ) أَيْ عَلَى الْأَبِّ. وَقَوْلُهُ (وَكَذَلُوا وَرِثَاءُ) يَعْنِي بِالْإِتِّفَاقِ. وَصُورَتُهُ أَمْرًا اشْتَرَتْ أَنْ رَوْحَهَا فَمَاتَتْ عَنْ أَحْ وَرَوْحُ كَانَ النُّصْفُ لِلزَّوْجِ وَيُعْتَقُ عَلَيْهِ، أَوْ أَمْرًا لَهَا رَوْحٌ وَأَتَتْ وَلَهَا غُلَامٌ وَهُوَ أَبُو رَوْحَهَا فَمَاتَتْ الْمَرْأَةُ صَارَ غُلَامُهَا مِيرَاثًا لِنِ رَوْحِهَا وَأَسْمَا وَقَوْلُهُ (وَقَالَا فِي الشَّرَاءِ) إِنْشَارَةً إِلَى مَا ذَكَرْنَاهُ مِنَ الْإِتِّفَاقِ فِي صُورَةِ الْبُرْثِ. وَقَوْلُهُ (قَدْ خَلَفَ يَعْتَقُهُ إِنْ اشْتَرَى بَصْفَةً) إِنْشَاءً قَبْلَهُ بِالنُّصْفِ، لِأَنَّهُ إِذَا خَلَفَ يَعْتَقُهُ ثُمَّ اشْتَرَاهُ بِشَرِكَةِ الْآخَرِ لَا يَعْتَقُ عَلَيْهِ لِأَنَّ الشَّرْطَ شَرَاءُ كُنَّ الْعَبْدُ وَلَمْ يُوجَدْ. وَوَجْهٌ قَوْلُهُمَا عَلَى مَا ذَكَرَهُ فِي الْكِتَابِ ظَاهِرٌ. وَوَجْهٌ قَوْلِهِ مَا ذَكَرَهُ فِيهِ. وَتَقْرِيرُهُ: اشْتَرَيْتُ الْآخَرَ رَضِيَ بِإِفْسَادِ نَصِيْبِهِ وَمَنْ رَضِيَ بِذَلِكَ لَا يَضْمَنُ الْمُفْسَدَ (كَمَا إِذَا أَذِنَ لَهُ بِإِعْطَاقِ نَصِيْبِهِ صَرِيحًا وَدَلَالَةً ذَلِكَ) أَيْ التَّجْلِيلُ عَلَى رِضَا بِإِفْسَادِ نَصِيْبِهِ (أَنَّهُ شَرَكُهُ فِيمَا هُوَ عِلَّةُ الْعِتْقِ، وَهُوَ الشَّرَاءُ لِأَنَّ شُرَاءَ الْقَرِيبِ إِعْتِاقٌ حَتَّى يُخْرَجَ بِهِ عَنْ عَهْدَةِ الْكُفَّارَةِ عِدْنَا) وَالْمُشَارَكَةُ فِي عِبَةِ الْعِتْقِ رِضَا بِالْعِتْقِ لَا مَحَالَةَ. وَالْمُرَادُ بِالْعِلَّةِ عِلَّةُ الْعِلَّةِ لِأَنَّ لَشُرَاءَ عِبَةَ التَّمْلُكِ وَالتَّمْلُكُ فِي الْقَرِيبِ عِلَّةُ الْعِتْقِ، وَالْحُكْمُ بِصَافٍ إِلَى عِلَّةِ الْعِلَّةِ إِذَا لَمْ تَصْلُحِ الْعِلَّةُ لِلْإِضَافَةِ إِلَيْهَا، وَهَاهُنَا كَذَلِكَ لِأَنَّ



الْمَلِكُ حُكْمُ شَرْعِيٍّ يَثْبُتُ بَعْدَ مُنَاشَرَةِ عَيْتِهِ بِغَيْرِ احْتِيَارٍ، بِجَلَاوِ الْإِبْرَاطِ فَإِنَّهُ لَا إِعْتِقَاقَ هُنَاكَ وَإِلْهَذَا لَا يَجْرُحُ بِهِ عَنِ الْكُفَّارَةِ. وَقَوْلُهُ (وَهَذَا ضَمَانٌ إِفْسَادٍ) يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ خَوَانًا عَمَّا يُقَالُ إِنَّمَا كَانَ الرِّضَا مُسْقِطًا لِلضَّمَانِ أَنْ لَوْ كَانَ ضَمَانٌ إِفْسَادٍ، وَأَمَّا إِذَا كَانَ ضَمَانٌ تَمَلُّظٍ فَلَا يَسْقُطُ بِهِ كَمَا إِذَا اسْتَوْلَدَ أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ الْحَارِيَّةَ بِإِذْنِهِ فَإِنَّهُ لَا يَسْقُطُ بِهِ الضَّمَانُ لِأَنَّهُ ضَمَانٌ تَمَلُّظٍ إِذَا اسْتَبْلَذَ مَوْضُوعٌ بَطْلَ الْوَلَدِ لَا يُلْعَنُ، فَلَا يُمَكِّنُ أَنْ يُجْعَلَ اسْوَاجُ بِهِ ضَمَانٌ عَنَقٍ وَهُوَ غَيْرُ مَوْضُوعٍ لَهُ فَكَانَ ضَمَانٌ تَمَلُّظٍ. وَوَجْهُ الْخَوَابِ أَنَّهُ ضَمَانٌ إِفْسَادٍ فِي ظَاهِرِ قَوْلِهِمَا حَتَّى يَخْتَلِفَ بِالْيَسَارِ وَالْإِعْسَارِ فَيَسْقُطُ بِالرِّضَا، وَإِنَّمَا قَيَّدَ بِقُوَّةٍ فِي ظَاهِرِ قَوْلِهِمَا لِأَنَّهُ رَوَى عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ هَذَا ضَمَانٌ تَمَلُّظٍ فَلَا يَخْتَلِفُ بِالْيَسَارِ وَالْإِعْسَارِ فَلَا يَسْقُطُ بِهِ الضَّمَانُ. وَقَوْلُهُ (وَلَا يَخْتَلِفُ الْخَوَابُ بَيْنَ الْعِلْمِ) أَيُّ بِالْقَرَانَةِ (وَعَدَمِهِ فِي ظَاهِرِ الرَّوَايَةِ عَنْ أَبِي حَبِيبَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّ الْحُكْمَ يُدَارِعُ عَلَى السَّبِّ) أَيُّ الْعِلَّةِ (كَمَا إِذَا قَالِ لِعَبْرَةٍ كُلُّ هَذَا الصَّغَامِ وَهُوَ مَمْلُوكٌ لِلْأَمِيرِ وَلَا يَعْلَمُ الْأَمِيرُ بِمُسْكِهِ) وَالسَّبُّ قَدْ وَجَدَ بِمَا مَرَّ.

وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَبِيبَةَ أَنَّهُ فَضَلَ بَيْنَ مَا إِذَا كَانَ غَالِيًا بِالْقَرَانَةِ وَبَيْنَ مَا إِذَا لَمْ يَكُنْ غَالِيًا فِي حُكْمِ الضَّمَانِ لِأَنَّ الرِّضَا لَا يَتَحَقَّقُ إِلَّا إِذَا كَانَ غَالِيًا بِهَا. (عبايہ شرح

الهدایہ، ج ۶، ص ۳۳۰، بیروت)

غلام کو باپ اور اجنبی کے خریدنے کا بیان

(وَإِنْ بَدَأَ الْأَخْسَى فَاشْتَرَى بِنَصْفِهِ ثُمَّ اشْتَرَى الْأَبُ بِنَصْفِهِ الْآخَرَ وَهُوَ مُوسِرٌ فَلَا اجْنَبِيَّ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الْأَبُ) لِأَنَّهُ مَا رَضِيَ بِإِفْسَادِ نَصِيْبِهِ (وَإِنْ شَاءَ اسْتَسْعَى الْإِبْنُ فِي نِصْفِ قِيَمَتِهِ) لَا خِيَابَاسَ مَالَتِهِ عِنْدَهُ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَبِيبَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّ يَسَارَ الْمُعْتَقِ لَا يَمْنَعُ السَّعَايَةَ عِنْدَهُ.

وَقَالَ لَا خِيَارَ لَهُ وَيَضْمَنُ الْأَبُ نِصْفَ قِيَمَتِهِ لِأَنَّ يَدَ ابْنِهِ حَقٌّ بِمَنْعِ السَّعَايَةِ عِنْدَهُمَا

ترجمہ

اور جب کسی اجنبی نے ابتداء کرتے ہوئے غلام کا نصف حصہ خریدا پھر باپ نے غلام کا دوسرا حصہ خریدا اور وہ مالدار بھی ہے تو اس اجنبی کو اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو باپ سے تاوان وصول کرے کیونکہ وہ اپنا حصہ خراب کرنے پر راضی نہیں ہے اور اگر وہ چاہے تو بیٹے سے اس کی نصف قیمت کیلئے کمائی کرائے کیونکہ اس وقت بیٹے کے پاس اجنبی کی مالیت قید میں ہے۔ اور حضرت امام اعظم

رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ حکم اسی طرح ہے کیونکہ یہاں معق کیلئے یسر سعایہ کے مانع نہیں ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک اجنبی و استعبا کا اختیار نہیں ہے اور باپ نصف قیمت کا ضامن ہوگا کیونکہ معق کیلئے یسر سعایہ سے مانع ہے۔ (یہ صاحبین کے نزدیک ہے)

یسر کے مانع سعایہ ہونے میں فقہاء احناف کا اختلاف

صاحب ہدایہ نے یہاں پر فقہاء احناف کا اختلاف اس مسئلہ میں بیان کیا ہے کہ مذکورہ صورت میں یسر یعنی جب باپ مالدار ہو تو اس صورت میں اس کا حالت سرنی میں ہوتا ہے سعایہ کے مانع ہے یا نہیں تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک مانع نہیں ہے کیونکہ اس میں آزاد کرنے والے کیلئے حالت یسر اس کو بے نیاز کر دینے والی ہے۔ جبکہ صاحبین کیلئے مانع ہے کیونکہ ان کے نزدیک اجنبی کیلئے یہ حکم ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

مالدار آدمی کا نصف بیٹا خریدنے کا بیان

(وَمَنْ اشْتَرَى نِصْفَ ابْنِهِ وَهُوَ مُوسِرٌ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ عِنْدَ أَبِي حَبِيبَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ،

وَقَالَ لَا يَضْمَنُ إِذَا كَانَ مُوسِرًا) وَمَعْنَاهُ إِذَا اشْتَرَى نِصْفَهُ مِمَّنْ يَمْلِكُ كُلَّهُ فَلَا يَضْمَنُ

لِبَائِيهِ شَيْئًا عِنْدَهُ، وَالْوَجْهُ قَدْ ذَكَرْنَاهُ.

ترجمہ

اور جس شخص نے اپنا نصف بیٹا خریدا اور وہ شخص مالدار ہے تو امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اس پر کوئی ضمان نہیں ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک اگر باپ حالت یسر والا ہے تو وہ ضامن ہوگا اور اس کا حکم یہ ہے کہ باپ نے اس شخص سے بیٹے کا نصف خریدا ہے جو اس کے کل کا نصف تھا۔ امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک باپ اپنے باپ کیلئے کسی بھی چیز کا ضامن نہ ہوگا اس کی دلیل دی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

یسر کے سبب ضمانت ہونے میں فقہاء احناف کا اختلاف

صاحب ہدایہ کی مذکورہ عبارت میں بیان کردہ مسئلہ میں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک چونکہ باپ مالدار ہے لہذا اس پر کوئی ضمانت نہیں ہے جبکہ صاحبین کے حالت یسر میں وہ ضامن ہوگا کیونکہ اس حالت میں اس کیلئے ضمانت کے طور ادائیگی میں کوئی حرج بھی نہیں ہے اور ایک سابق میں لازم ہونے والی ذمہ داری عہدہ براہوٹا بھی ہے۔

تین آدمیوں کے درمیان مشترکہ غلام کا بیان

(وَإِذَا كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَ ثَلَاثَةٍ تَفَرَّقَ فَدَبَّرَهُ أَحَدُهُمْ وَهُوَ مُوسِرٌ ثُمَّ أَعْتَقَهُ الْآخَرُ وَهُوَ مُوسِرٌ)

فَارَادُوا الصَّمَانَ فَلِلْسَاكِتِ أَنْ يُضْمَنَ الْمُدَبِّرُ ثَلَاثَ قِيَمَتِهِ قِنًا وَلَا يُضْمَنَ الْمُعْتَقُ .

( وَلِلْمُدَبِّرِ أَنْ يُضْمَنَ الْمُعْتَقُ ثَلَاثَ قِيَمَتِهِ مُدَبَّرًا وَلَا يُضْمَنُ الثَّلَاثُ الَّذِي ضَمِنَ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَقَالَ الْعَبْدُ كُلُّهُ لِلَّذِي دَبَّرَهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَيُضْمَنُ ثَلَاثَ قِيَمَتِهِ لِشَرِيكِهِ مُوسِرًا كَانَ أَوْ مُعْسِرًا )

ترجمہ

اور جب کوئی غلام تین آدمیوں میں مشترک ہو اور ان میں سے کسی ایک نے اس کو مدبر بنادیا ہے اور وہ شخص مالدار بھی ہے اور اس کے بعد دوسرے نے آزاد کر دیا ہے اور وہ بھی مالدار ہے اور پھر انہی دونوں نے ضمان دینا چاہا تو خاموش کو چاہیے کہ وہ مدبر کرنے والے سے صرف رقت کی تہائی قیمت کی ضمان لے اور معتق سے ضمان نہ لے جبکہ مدبر کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ معتق سے غلام کے مدبر ہونے کے حساب سے اس کی تہائی قیمت کو بطور ضمان لے اور اس تہائی کا ضمان نہ لے جس کا وہ خود ضامن ہو ہے اور یہ حکم حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ہے جبکہ صاحبین نے کے نزدیک پورا غلام اسی شخص کا ہے جس بندے نے پہلی بار اس کو مدبر کیا ہے اور مدبر بنانے والا قیمت کا دو تہائی اپنے شرکاء کیسے ضامن ہوگا اگرچہ وہ مالدار ہو یا حاکم فقر میں ہو۔

شرح

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فتویٰ دیتے تھے اگر کوئی غلام یا لونڈی چند شریکوں کے درمیان مشترک ہو ان میں سے کوئی شخص اپنا حصہ آزاد کر دے تو اس پر پورے غلام کا آزاد کرنا واجب ہے جب کہ آزاد کرنے والے کے پاس احتمال ہو کہ عدول کی تجویز سے مطابق اس کی قیمت کے برابر ہو اور شریکوں کو ان کے حصہ کی قیمت دیدی جائے گی اور آزاد کیے ہوئے (غلام اور لونڈی) کا راستہ چھوڑ دیا جائے گا، ابن عمر یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے تھے اور اس کی لیث وابن ابی ذئب ابن اسحاق و جوریہ و یحییٰ بن سعید اور اسماعیل بن امیہ نافع سے وہ ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختصر طور پر روایت کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری: جداول: حدیث نمبر 2378)

تدبیر کی اصل میں امام اعظم و صاحبین کا اختلاف

وَأَصْلُ هَذَا أَنَّ التَّدْبِيرَ يَتَجَزَأُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ خِلَافًا لِهَمَا كَالِإِعْتِقَاقِ لِأَنَّهُ شُعْبَةٌ مِنْ شُعْبِهِ فَيَكُونُ مُعْتَبَرًا بِهِ ، وَلَمَّا كَانَ مُتَجَزِّئًا عِنْدَهُ اقْتَصَرَ عَلَى نَصِيْبِهِ ، وَقَدْ أَفْسَدَ بِالتَّدْبِيرِ نَصِيْبَ الْآخَرَيْنِ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَنْ يُدَبِّرَ نَصِيْبَهُ أَوْ يُعْتَقَ أَوْ يُكَاتَبَ أَوْ يُضْمَنَ الْمُدَبِّرُ أَوْ يَسْتَسْعِيَ الْعَبْدُ أَوْ يَتْرُكَهُ عَلَى خَالِهِ لِأَنَّ نَصِيْبَهُ بَاقٍ عَلَى مِلْكِهِ

فَأَيْدٍ بِإِفْسَادِ شَرِيكِهِ حَيْثُ سَدَّ عَلَيْهِ طُرُقَ الْإِنْتِفَاعِ بِهِ بَيْعًا وَهَبَةً عَلَى مَا مَرَّ ، فَإِذَا اخْتَارَ أَحَدُهُمَا الْعِتْقَ تَعَيَّنَ حَقُّهُ فِيهِ وَاسْقَطَ اخْتِيَارُهُ غَيْرَهُ فَتَوَجَّهَ لِلْسَاكِتِ سَبَبُ ضَمَانِ تَدْبِيرِ الْمُدَبِّرِ وَإِعْتِقَاقِ هَذَا الْمُعْتَقِ ، غَيْرَ أَنَّ لَهُ أَنْ يُضْمَنَ الْمُدَبِّرُ لِيَكُونَ الضَّمَانُ ضَمَانًا مُعَاوَضِيَةً إِذْ هُوَ الْأَصْلُ حَتَّى يُجْعَلَ الْقَصْدُ ضَمَانًا مُعَاوَضِيَةً عَلَى أَصْلَانَا ، وَأَمَّا ذَلِكَ فِي التَّدْبِيرِ لِيَكُونَ قَابِلًا لِلنَّقْلِ مِنْ مِلْكٍ إِلَى مِلْكٍ وَقَدْ تَدْبِيرُ ، وَلَا يُمَكِّنُ ذَلِكَ فِي الْإِعْتِقَاقِ لِأَنَّهُ عِنْدَ ذَلِكَ مُكَاتَبٌ أَوْ حُرٌّ عَلَى اخْتِلَافِ الْأَصْنَنِ ،

ترجمہ

اور اس اختلاف کا سبب یہ قاعدہ ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک تدبیر میں اجزاء ہوتے ہیں جبکہ اس میں صاحبین نے اختلاف کیا ہے جس طرح اعتاق ہے کیونکہ مدبر بنانا بھی اعتاق کا ایک حصہ ہے۔ پس تدبیر کو اعتاق پر قیاس کیا جائے گا اور جب امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک تدبیر میں تجزی ہے تو وہ حکم کا انحصار مدبر پر ہی رہے گا۔ البتہ مدبر نے تدبیر کرتے ہوئے دوسروں کے حصوں کو خراب کیا ہے تو ان ساتھیوں میں سے ہر ایک کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے حصے کو مدبر بنائے یا اسے آزاد کرے یا مکتب بنائے یا پہلے مدبر سے ضمان لے یا غلام سے کمائی کرائے یا اس کو اسی حال پر چھوڑ دے کیونکہ ہر ایک کا حصہ اس کی ملک پر باقی رہے گا البتہ مدبر اول کے افساد کے پیش نظر یہ ملک فاسد ہو جائے گی کیونکہ اس نے بیع اور ہبہ کے طور اس غلام سے فائدہ اٹھانے کے طرق بند کر دیے ہیں جس طرح اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

اس کے بعد جب ان میں سے کسی ایک نے اعتاق کو اختیار کر لیا ہے تو اس اعتاق میں اس کا حق متعین ہو گیا ہے اور اس اعتاق کے سوا کا اعتاق راساً قطع ہو جائے گا اور خاموش رہنے والے کیسے ضمان کے اسباب ثابت ہوئے (۱) مدبر کا مدبر کرنا (۲) آزاد کرنے والے کا آزاد کرنا ہے۔ البتہ اس کو مدبر سے ضمان لینے کا اختیار ہے۔ تاکہ یہ تاوان، تاوان معاوضہ بن جائے۔ کیونکہ معاوضے کا تاوان ہی اصل ہے۔ حتیٰ کہ ہمارے قاعدے کے مطابق غاصب کی ضمان کو بھی ضمان معاوضہ قرار دیا جائے اور ایسا کرنا تدبیر میں ممکن ہے کیونکہ تدبیر کے وقت غلام ایک ملکیت سے دوسری ملکیت میں منتقل ہونے کا اہل ہے جبکہ اعتاق میں یہ ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ اعتاق کے وقت یہ غلام مکتب ہوگا یا پھر آزاد ہوگا۔ (اس اختلاف کا سبب ائمہ کے قاعدہ فقہیہ کے اختلاف کے مطابق ہے)۔

شرح

کسی نے اپنے دو غلاموں کو مخاطب کر کے کہا تم میں کا ایک آزاد ہے تو اسے بیان کرنا ہوگا جس کو بتائے کہ میں نے اسے مراد زیادہ آزاد ہو جائے گا۔ اور بیان سے ایک کو بیع کیا یا رہن رکھا یا مکتب یا مدبر کیا تو دوسرا آزاد ہونے کے لیے معین ہو گیا۔ اور اگر نہ بیان کیا نہ اس قسم کا کوئی تصرف کیا اور ایک مر گیا تو جو باقی ہے وہ آزاد ہو گیا اور اگر مولیٰ خود مر گیا تو وارث کو بیان کرنے کا حق نہیں۔

بلکہ ہر ایک میں سے آدھا آدھا آزاد اور آدھے باقی میں دونوں سعایت کریں۔ (عالمگیری، کتاب عتاق، ج ۲، ص ۲۰)

مکاتبت ختم کرنے میں مکاتب کی رضا مندی کا بیان

وَلَا بُدَّ مِنْ رِضَا الْمَكَاتِبِ بِفَسْخِجِهِ حَتَّى يَقْبَلَ الْإِنْقَالَ فَلِهَذَا يُضْمَنُ الْمُدَبِّرُ، ثُمَّ لِمُدَبِّرٍ أَنْ يُضْمَنَ الْمُعْتَقُ ثَلَاثَ قِيمَتِهِ مُدَبَّرًا لِأَنَّهُ أَفْسَدَ عَلَيْهِ نَصِيبَهُ مُدَبَّرًا، وَالضَّمَانُ يَتَقَدَّرُ بِقِيَمَةِ الْمُتَلَبِّ، وَقِيَمَةُ الْمُدَبِّرِ ثَلَاثُ قِيمَتِهِ قَنًا عَلَى مَا قَالُوا.

وَلَا يُضْمَنُ قِيَمَةَ مَا مَلَكَهُ بِالضَّمَانِ مِنْ جِهَةِ السَّائِكِ لِأَنَّ مَلَكَهُ يَنْبُتُ مُسْتَعِدًّا وَهُوَ ثَابِتٌ مِنْ وَجْهِ دُونَ وَجْهِ، فَلَا يَظْهَرُ فِي حَقِّ التَّضْمِينِ.

وَالْوَلَاءُ يُبَيِّنُ الْمُعْتَقَ وَالْمُدَبِّرَ أَثْلًا ثَلَاثًا لِلْمُدَبِّرِ وَالثَّلَاثُ لِلْمُعْتَقِ لِأَنَّ الْعَبْدَ عَقَقَ عَلَى مَلَكَهِمَا عَلَى هَذَا الْقِيَمَةِ.

وَإِذَا لَمْ يَكُنِ التَّذْيِيرُ مُتَجَرِّدًا عَنْهُمَا صَارَ كُلُّهُ مُدَبَّرًا لِلْمُدَبِّرِ وَقَدْ أَفْسَدَ نَصِيبَ شَرِبَكِيهِ لِمَا بَيْنَا قِيَمَتُهُ، وَلَا يَحْتَلِفُ بِالْبَسَارِ وَالْإِعْسَارِ لِأَنَّهُ ضَمَانٌ تَمْلِكُ فَاشْتَبَهَ الْإِسْتِيلَادَ، بِخِلَافِ الْإِعْتَاقِ لِأَنَّهُ ضَمَانٌ جَنَائِيَّةٌ، وَالْوَلَاءُ كُلُّهُ لِلْمُدَبِّرِ وَهَذَا ظَاهِرٌ.

ترجمہ

عقد مکاتبت کو ختم کرنے کیلئے مکاتب کی رضا مندی ضروری ہے۔ تاکہ وہ انقال ملکیت کو قبول کرنے والا بن جائے اسی دلیل کے پیش نظر سکت مدبر سے ضمان وصول کرے گا اور پھر معق کو یہ اختیار ہوگا کہ معق سے مدبر غلام کی تہائی قیمت کا ضمان وصول کرے کیونکہ معق غلام کے آزاد ہونے کی حالت میں ہی اس کا حصہ خراب کرنے والا ہے۔ اور ضمان تلف شدہ چیز کی قیمت کی مقدار کے مطابق ہوتی ہے۔ (قاعدہ فقہیہ)

اور مدبر کی قیمت خاص غلام کی دو تہائی قیمت ہوا کرتی ہے جس طرح مشرک فقہاء نے فرمایا ہے اور جب مدبر شریک ساکت جو قیمت دی ہے معق اس سے ضمان نہیں لے سکتا۔ کیونکہ مدبر کی ملکیت اس کے تدبیر کرتے وقت کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ ایک طرح ثابت ہے اور ایک طرح ثابت نہیں ہے پس ضامن بنانے کے حق میں یہ ملکیت ظاہر نہ ہوگی۔ اور مدبر و معق کے درمیان تین تہائی کے حساب سے ولاء مشترک ہوگا یعنی مدبر کیلئے دو تہائی اور ایک تہائی معق کیلئے ہوگی۔ کیونکہ غلام ان کی دونوں کی اسی قدر ملکیت میں آزاد ہوا ہے۔

صاحبین کے نزدیک مدبر میں تجزی نہیں ہوتی تو ان کے نزدیک مکمل غلام ایک ہی کیلئے مدبر ہوگا کیونکہ مدبر اپنے دونوں شرکا

کا حصہ خراب کر دیا ہے۔ لہذا وہ دونوں کے حصے کا ضامن ہوگا اور حالت عسر و یسر کے سبب یہ ضمان مختلف نہ ہوگا کیونکہ یہ ضمان ملکیت حاصل کرنے کا معاوضہ ہے پس یہ استیلاؤ کے موافق ہو گیا ہے۔ جبکہ عتاق میں ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ جنایت کا ضمان ہے اور مکمل ولاء مدبر کا ہے اور یہی ظاہر ہے۔

ضمان تلف شدہ چیز کی قیمت کی مقدار کے مطابق قاعدہ فقہیہ

ضمان تلف شدہ چیز کی قیمت کی مقدار کے مطابق ہوتی ہے۔ (قاعدہ فقہیہ)

حضرت عبداللہ بن یوسف مالک بخاری بن سعید عمرو بن بنت عبدالرحمن سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بریرہ کتابت کی رقم کی ادائیگی میں مدد تھیں آپس تو انہوں نے کہا کہ گر تہا رے، مالک پسند کریں تو میں ان کو تیری قیمت یک مہشت دے دوں اور تجھے آزاد کر دوں بریرہ نے اپنے مالکوں سے جا کر بیان کیا تو ان لوگوں نے کہا ہم نہیں بیچتے ہیں مگر اس شرط پر کہ تیری ولاء ہم لیں گے، مالک نے بخاری کا قول بیان کیا عمرہ نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ ماجرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو خرید لو اور آزاد کر دو اس لیے کہ ولاء اسی کو ملے گی جو آزاد کرے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2413)

حضرت ابو نعیم عبدالواحد بن ایمن بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گیا میں نے کہا کہ میں عتبہ بن ابی لہب کے پاس تھا عتبہ کا انتقال ہوا اور ان کے بیٹے میرے وارث ہوئے اور ان لوگوں نے مجھ ابن ابی عمرو کے ہاتھ بیچ دیا ابن ابی عمرو نے مجھ کو آزاد کر دیا اور بنو عتبہ نے ولہ کی شرط اپنے لیے کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ بریرہ میرے پاس آئی اور وہ مکاتبہ تھی اس نے کہا کہ مجھے خرید لیجئے اور آزاد کر دیجئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا اچھا تو بریرہ بولی کہ وہ مجھے نہیں بیچیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ ولاء لیں گے حضرت عائشہ نے کہا کہ پھر مجھے اس کی حاجت نہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا انہوں نے وہی بیان کیا جو بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو خرید لو اور آزاد کر دو اور ان کے مالکوں نے ولاء کی شرط اپنے لیے کر لی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ولاء اس کو ملے گی جو آزاد کرے اگرچہ سینکڑوں شرطیں لگائے۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2414)

دو مالکوں کے درمیان مشترکہ باندی کا بیان

قَالَ (وَإِذَا كَانَتْ جَارِيَةً بَيْنَ رَجُلَيْنِ رَعِمَ أَحَدُهُمَا أَنَّهَا أُمُّ وَلَدٍ لِصَاحِبِهِ وَأَنْكَرَ ذَلِكَ الْآخَرُ فَهِيَ مَوْقُوفَةٌ يَوْمًا وَيَوْمًا تَتَّخِذُ الْمُنْكَرَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَا: إِنْ شَاءَ الْمُنْكَرُ اسْتَسْعَى الْجَارِيَةَ فِي نِصْفِ قِيَمَتِهَا ثُمَّ تَكُونُ حُرَّةً لَا سَبِيلَ عَلَيْهَا) لَهَا

أَنَّهُ لَمَّا لَمْ يُصَدِّقْهُ صَاحِبُهُ انْقَلَبَ إِقْرَارُ الْمُقَرَّرِ عَلَيْهِ كَأَنَّهُ اسْتَوْلَدَهَا فَصَارَ كَمَا إِذَا أَقَرَّ الْمُشْتَرِي عَلَى الْبَائِعِ أَنَّهُ أَغْتَقَ الْمَبِيعَ قَبْلَ الْبَيْعِ يُجْعَلُ كَأَنَّهُ أَغْتَقَ كَذَا هَذَا فَتَمْتَنَعَ الْخِدْمَةُ وَنَصِيبُ الْمُنْكَرِ عَلَى مِلْكِهِ فِي الْحُكْمِ فَتَخْرُجُ إِلَى الْعَتَاقِ بِالسَّعَايَةِ كَأَمَّ وَلَدِ النَّصْرَانِيِّ إِذَا أَسْلَمَتْ .

وَلَا بِي حَيْفَةٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْمُقَرَّرَ لَوْ صَدَّقَ كَانَتْ الْخِدْمَةُ كُلُّهَا لِلْمُنْكَرِ ، وَلَوْ كَذَبَ كَانَ لَهُ نِصْفُ الْخِدْمَةِ فَيَنْبُتُ مَا هُوَ الْمُتَقَيَّنُ بِهِ وَهُوَ النِّصْفُ ، وَلَا خِدْمَةٌ لِلشَّرِيكِ الشَّاهِدِ وَلَا اسْتِغْنَاءٌ لِأَنَّهُ يَتَرَأَّى عَنْ جَمِيعِ ذَلِكَ بِدَعْوَى الْإِسْتِيلَادِ وَالضَّمَانِ ، وَالْإِقْرَارُ بِأُمُومِيَّةِ الْوَلَدِ يَتَضَمَّنُ الْإِقْرَارَ بِالنَّسَبِ وَهُوَ أَمْرٌ لَا زِمَ لَا يَرْتَدُّ بِالْوَدِّ ، فَلَا يُمْكِنُ أَنْ يُجْعَلَ الْمُقَرَّرُ كَالْمُسْتَوْلَدِ .

ترجمہ

فرمایا اور اگر ایک لونڈی دو مالکوں کے درمیان مشترک تھی اور پھر ان میں سے کسی ایک نے دعویٰ کر دیا کہ وہ اس کے شریک کی ام ولد ہے جبکہ دوسرے نے اس کا انکار کر دیا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایک دن توقف کیا جائے گا اور وہ ایک دن مگر شریک کی خدمت کرے۔

صاحبین کے نزدیک اگر منکر چاہے تو نصف قیمت میں باندی سے کمائی کرے تو پھر وہ باندی آزاد ہو جائے گی۔ اور اس پر کوئی حرج نہیں ہے۔ صاحبین کے دلیل یہ ہے کہ جب اقرار کرنے والے نے اس کے ساتھی سے تصدیق نہیں کی تو مقرر کا اقرار اسی پر موٹ آئے گا۔ گویا باندی کو ام ولد بنانے والا ہی وہی ہے اور یہ اسی طرح ہو گیا جس طرح مشتری نے بائع پر اقرار کیا کہ بائع نے فروخت کرنے سے پہلے ہی بیچ کو آزاد کر دیا ہے اور یہ اقرار اس طرح ہو جائے جس طرح مشتری نے خود آزاد کیا ہو۔ اور یہاں بھی اسی طرح حکم ہے۔ پس خدمت لینا متمتع ہے اور منکر کا حصہ اس کی ملکیت میں حکمی طور پر باقی ہے۔ پس عتاق کیلئے سعایہ کے سبب تخریج کی جائے گی۔ جس طرح نصرانی کی ام ولد جب وہ مسلمان ہو جائے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر اقرار کرنے والے کی تصدیق کی جاتی تو منکر کیلئے پوری قیمت ہوتی اور جب اس کو جھٹایا گیا تو منکر کیلئے آدھی خدمت ہوگی۔ ہذا حکم اسی کا ثابت ہوگا جو یقین سے ثابت ہوگی۔ اور وہ نصف ہے اور موجودہ شریک کیلئے نہ خدمت کا حق ہے اور نہ ہی سعایہ کا حق ہے کیونکہ یہ شریک استیلا اور ضمان کا دعویٰ کرتے ہوئے ان سب سے بری ہے اور ام ولد کا اقرار انہی اقرار کی طرح ثابت ہو جائے گا۔ اور حکم لازم ہے جو رد کرنے سے رد ہو جائے گا۔ پس اقرار کرنے والا مستولد کی طرح نہ ہوگا۔

مشرکہ باندی سے جماع کی ممانعت میں مذاہب اربعہ

مشرکہ باندی دو مالکوں کے درمیان مشترک ہے تو ان دونوں کا باندی سے جماع کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح کسی شادی شدہ باندی سے جماع حرام ہے اور اس پر فقہاء اربعہ کا اجماع ہے۔

علامہ ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ المغنی میں کچھ اس طرح رقمطراز ہیں: اگر مالک اپنی لونڈی کی شادی کر دے تو مالک کا اس کے ساتھ جماع کرنا حرام ہوگا۔ آگے فرماتے ہیں:

شادی شدہ لونڈی سے جماع کی تحریم میں کوئی شک و شبہ نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی اختلاف ہے، وہ تو صرف خوند کے لیے مباح ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ ایک عورت دوسروں کے لیے حلال نہیں اگر مالک نے اس سے جماع کیا تو وہ گنہگار ہوگا اور اسے تعزیر پر مامور کرنا پڑے گا۔

اور ایک جگہ پر ان کا قول ہے: امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اسے وڑے لگائے جائیں گے اور سب نہیں کیا جائے گا۔ یعنی اسے کوڑوں کی صورت میں تعزیر لگائی جائے گی۔ (المغنی لابن قدامہ 9 / 497)

دو مالکوں کے درمیان ام ولد کے مشترک ہونے کا بیان

( وَإِنْ كَانَتْ أُمٌّ وَلَدٍ بَيْنَهُمَا فَأَعْتَقَهَا أَحَدُهُمَا وَهُوَ مُوسِرٌ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ عِنْدَ أَبِي حَبِيبَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَقَالَا : يَصْمَنُ نِصْفَ قِيمَتِهَا ) لِأَنَّ مَالِيَّةَ أُمِّ الْوَلَدِ غَيْرُ مُتَقَوِّمَةٍ عِنْدَهُ وَمُتَقَوِّمَةٌ عِنْدَهُمَا ، وَعَلَى هَذَا الْأَصْلِ تُبْتَنَى عِدَّةٌ مِنَ الْمَسَائِلِ أَوْرَدْنَاهَا فِي كِفَايَةِ الْمُتَهَيِّ .

وَجْهٌ قَوْلُهُمَا أَنَّهَا مُتَمَتِّعٌ بِهَا وَطَنًا وَإِجَارَةً وَاسْتِخْدَامًا ، وَهَذَا هُوَ دَلَالَةُ التَّقْوَمِ ، وَبِمُتَمَتِّنَا بَيْنَهُمَا لَا يَسْقُطُ تَقْوَمُهَا كَمَا فِي الْمُدَبِّرِ ، أَلَا تَرَى أَنَّ أُمَّ وَلَدِ النَّصْرَانِيِّ إِذَا أَسْلَمَتْ عَلَيْهَا السَّعَايَةُ ، وَهَذَا آيَةُ التَّقْوَمِ . غَيْرَ أَنَّ قِيمَتَهَا ثُلُثُ قِيمَتِهَا قِنَّةً عَلَى مَا قَالُوا لِقَوَاكِ مَنَفَعَةِ الْبَيْعِ وَالسَّعَايَةِ بَعْدَ الْمَوْتِ ، بِخِلَافِ الْمُدَبِّرِ لِأَنَّ الْفَائِدَةَ مَنَفَعَةُ الْبَيْعِ ، أَمَّا السَّعَايَةُ وَالْإِسْتِخْدَامُ بَاقِيَانِ .

وَلَا بِي حَيْفَةٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ التَّقْوَمَ بِالْإِحْرَارِ وَهِيَ مُحَرَّرَةٌ لِلنَّسَبِ لَا لِلتَّقْوَمِ وَالْإِحْرَارُ لِلتَّقْوَمِ تَابِعٌ ، وَلِهَذَا لَا تَسْعَى لِعَرِيمٍ وَلَا لِوَارِثٍ بِخِلَافِ الْمُدَبِّرِ ، وَهَذَا لِأَنَّ السَّبَبَ فِيهَا مُتَحَقِّقٌ فِي الْحَالِ وَهُوَ الْجُزْئِيَّةُ الْفَائِدَةُ بِوَاسِطَةِ الْوَلَدِ عَلَى مَا عُرِفَ فِي حُرْمَةِ

الْمُصَاهَرَةُ ، إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يُظْهِرْ عَمَلُهُ فِي حَقِّ الْمَلِكِ ضَرُورَةَ الْإِتِّفَاعِ فَعَمِلَ السَّبَبُ فِي  
إِسْقَاطِ التَّقْوَمِ ، وَلَفِي الْمُدَبَّرِ يَنْقَعُ السَّبَبُ بَعْدَ الْمَوْتِ ، وَامْتِنَاعُ الْبَيْعِ فِيهِ لِتَحْقِيقِ  
مَقْصُودِهِ فَافْتَرَقَا .  
وَفِي أُمِّ وَلَدِ النَّصْرَانِيِّ قَضَيْنَا بِتَكَاثُبِهَا عَلَيْهِ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنِ الْجَانِبَيْنِ ، وَتَدْلُ الْكِتَابَةِ لَا  
يَقْتَضِرُ وَجُوبُهُ إِلَى التَّقْوَمِ .

ترجمہ

اور جب ام ولد دو مالکوں کے درمیان مشترک تھی اور ایک نے اس کو اس حال میں آزاد کر دیا کہ وہ مالدار ہے۔ تو امام اعظم  
رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس پر ضمان نہیں ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک وہ ام ولد کی نصف قیمت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ امام اعظم علیہ  
الرحمہ کے نزدیک ام ولد کی مالیت قیمت قوی نہیں ہے۔

بہتہ صاحبین کے نزدیک قوی قیمت ہے اور اسی قاعدے پر کئی مسائل مشتمل ہیں جن کو ہم نے کفایہ منتہی میں بیان کر دیا ہے۔  
صاحبین کے فرمان کی دلیل یہ ہے کہ مٹی، اجارہ اور خدمت لینے کے طور پر اس باندی سے نفع اٹھانا ممکن ہے اور یہ اس کی قوی قیمت  
ہونے کی دلیل ہے۔ البتہ اس کی بیع کا منع ہونا اس کی قیمت کو قوی ہونے سے ساقط کرنے والا نہیں ہے۔ جس طرح مدبر ہے۔ کیا تم  
غور و فکر نہیں کرتے کہ جب نصرانی کی ام ولد جب مسلمان ہو جائے تو اس پر سعا یہ واجب ہے اور قیمت قوی ہونے کی دلیل ہے۔  
البتہ اس کی قیمت صرف باندی کی تہائی قیمت ہوگی۔ جس طرح مشائخ فقہاء نے فرمایا ہے۔ کیونکہ فوت ہونے کے بعد بیع اور سعا یہ کا  
نفع ختم ہو جاتا ہے۔ جبکہ مدبر میں ایسا نہیں ہے کیونکہ اس میں صرف بیع کا نفع فوت ہوا ہے۔ جبکہ خدمت لینا اور کمائی کروانا تو وہ  
دونوں موجود ہیں۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ قیمت کا قوی ہونا یہ اعزاز کے سبب سے ہے اور ام ولد نسب کیلئے محرز ہوا کرتی  
ہے جبکہ تقویم کیلئے نہیں ہوتی۔ البتہ تقویم کیلئے اعزاز تابع ہے۔ اسی دلیل کے پیش نظر ام ولد کسی قرض خواہ یا وارث کیلئے کمائی نہیں  
کرتی۔ جبکہ مدبر میں ایسا نہیں ہے۔

اس حکم کی دلیل یہ ہے کہ اس میں موجودہ حالت میں سبب ثابت ہے اور وہ بیٹا پیدا ہونے کے سبب جزائیت ہے۔ جس طرح  
حرمت مصاہرت میں بتایا گیا ہے۔ البتہ انقار کی ضرورت کے پیش نظر ملکیت کے حق میں اس کا عمل ظاہر نہ ہوا۔ پس یہی سبب  
ستوطہ تقویم میں مؤثر ہو گیا جبکہ مدبر میں موت کے بعد سبب کا انعقاد ہوتا ہے۔ اور اس کی بیع کا ممتنع ہونا اس کے مقصود کے ثابت  
ہونے کے سبب سے ہے کیونکہ دونوں میں فرق واضح ہو گیا ہے۔

البتہ نصرانی کی ام ولد میں ہم نے دونوں اطراف سے نقصان کو دور کرنے کیلئے مکاتب ہونے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ بدل

ثابت کا وجوب تقویم کا محتاج ہونے والا نہیں ہے۔

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس غلام کے بارے میں فرمایا جو دو  
ادیبوں کے درمیان مشترک ہے پھر ایک ان میں سے (اپنا حصہ) آزاد کر دے تو وہ دوسرے شریک کے حصے کا ضامن ہوگا۔ (اگر  
مالدار ہو) صحیح مسلم: جلد دوم، حدیث نمبر 1279

حضرت بشر بن ہبیک سے روایت ہے کہ ایک شخص نے غلام (مشترک) میں سے اپنے حصے کو آزاد کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ  
میدادہ وسلم نے اس کے آزاد کرنے کو جائز قرار دیا اور باقی غلام کی قیمت بطور تاوان مالک کو دلوائی (کیونکہ آدھا آزاد ہو آدھا  
مدبر) یہ ناممکن ہے لہذا حق تو جائز ہے البتہ آزاد کرنے والا اپنے شریک کے حصہ کی قیمت اپنے شریک کو ادا کرے گا۔

(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 543)

## باب عتق احد العبدین

یہ باب اپنے غلاموں میں سے کسی ایک غلام کو آزاد کرنے کے بیان میں ہے  
باب کسی ایک غلام کو آزاد کرنے کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ باب بھی بعض آزادی سے متعلق ہے۔ اور اس سے پہلے بھی بعض آزادی سے متعلق احکام بیان کیے گئے ہیں۔ البتہ وہ ایک غلام کی بعض غلامی متعلق تھا اس لئے اس کو مقدم کیا ہے اور یہ باب متعدد غلاموں سے بعض کی آزادی سے متعلق ہے لہذا اس کو اس سے مؤخر ذکر کیا ہے۔ لہذا پہلے جز کے درجے ہو تو اس کو مقدم ذکر کیا اور دوسرے کے درجے میں لہذا اس کو مؤخر ذکر کیا ہے۔ (فتح القدیر، ج ۱۰، ص ۱۸۰، بیروت)

علامہ ابن محمود باری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ جب کسی ایک غلام کی بعض آزادی کو بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب انہوں کی غلاموں میں سے کسی ایک غلام کو آزاد کرنے سے متعلق احکام کو بیان کرنا شروع کیا ہے۔ کیونکہ واحد شیعہ سے مقدم ہوا کرتا ہے۔ (عناہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۳۵۱، بیروت)

تین غلاموں میں سے کسی ایک کی آزادی کا بیان

(وَمَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثَةُ أَعْبِيدَ دَخَلَ عَلَيْهِ اثْنَانِ فَقَالَ: أَحَدُكُمَا حُرٌّ ثُمَّ حَرَجَ وَاحِدًا وَدَخَلَ آخَرُ فَقَالَ أَحَدُكُمَا حُرٌّ ثُمَّ مَاتَ وَلَمْ يَبَيِّنْ عِتْقَ مَنْ أَلَدَى أُعِيدَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ ثَلَاثَةَ أَرْبَاعِهِ وَنُصْفُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْآخَرَيْنِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ كَذَلِكَ إِلَّا فِي الْعَبْدِ الْآخَرِ فَإِنَّهُ يَعْتِقُ رُبْعَهُ) أَمَّا الْحَارِجُ فَلِأَنَّ الْإِبَاجَاتِ الْأَوَّلَ دَائِرَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الثَّابِتِ، وَهُوَ الَّذِي أُعِيدَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ فَأَوْحَبَ عِتْقَ رَقَبَةٍ بَيْنَهُمَا لَا سِتَوَانِهِمَا فَيُصِيبُ كُلًّا مِنْهُمَا النُّصْفُ، غَيْرَ أَنَّ الثَّابِتَ اسْتِفَادَ بِالْإِبَاجَاتِ الثَّانِي رُبْعًا آخَرَ لِأَنَّ الثَّانِي دَائِرَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الدَّخِيلِ، وَهُوَ الَّذِي سَمَاهُ فِي الْكِتَابِ آخِرًا فَيَتَصَفَّ بِبَيْنَهُمَا، غَيْرَ أَنَّ الثَّابِتَ اسْتَحَقَّ نِصْفَ الْحُرِّيَّةِ بِالْإِبَاجَاتِ الْأَوَّلِ فَشَاعَ النُّصْفُ الْمُسْتَحَقُّ بِالثَّانِي فِي نِصْفِيهِ، فَمَا أَصَابَ الْمُسْتَحَقَّ بِالْأَوَّلِ لَعَا، وَمَا أَصَابَ الْفَارِغَ بَقِيَ فَيَكُونُ لَهُ الرُّبْعُ فَتَمَّتْ لَهُ ثَلَاثَةُ الْأَرْبَاعِ وَلِأَنَّهُ لَوْ أُرِيدَ هُوَ بِالثَّانِي يَعْتِقُ نِصْفَهُ، وَلَوْ أُرِيدَ بِهِ الدَّخِيلُ لَا يَعْتِقُ هَذَا النُّصْفَ فَيَنْتَصِفُ فَيَعْتِقُ مِنْهُ الرُّبْعَ بِالثَّانِي

وَالنُّصْفُ بِالْأَوَّلِ، وَأَمَّا الدَّخِيلُ فَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ يَقُولُ: لَمَّا دَارَ الْإِبَاجَاتِ الثَّانِي بَيْنَهُ وَبَيْنَ الثَّابِتِ وَقَدْ أَصَابَ الثَّابِتُ مِنْهُ الرُّبْعَ فَكَذَلِكَ يُصِيبُ الدَّخِيلَ وَهُمَا يَقُولَانِ إِنَّهُ دَائِرَ بَيْنَهُمَا، وَقَضِيَّتُهُ التَّنْصِيفُ وَإِنَّمَا نَزَلَ إِلَى الرُّبْعِ فِي حَقِّ الثَّابِتِ لِأَسْتَحْقَاقِهِ النُّصْفَ بِالْإِبَاجَاتِ الْأَوَّلِ كَمَا ذَكَرْنَا، وَلَا اسْتَحْقَاقَ لِلدَّخِيلِ مِنْ قَبْلُ فَيُثْبِتُ فِيهِ النُّصْفُ.

قَالَ ( فَإِنْ كَانَ الْقَوْلُ مِنْهُ فِي الْمَرَضِ قُسِمَ الثَّلَثُ عَلَى هَذَا ) وَشَرَحَ ذَلِكَ أَنَّ يُجْمَعُ بَيْنَ سَهَامِ الْعِتْقِ وَهِيَ سَبْعَةٌ عَلَى قَوْلِهِمَا لِأَنَّا نَجْعَلُ كُلَّ رَقَبَةٍ عَلَى أَرْبَعَةٍ لِحَاجَتِنَا إِلَى ثَلَاثَةِ الْأَرْبَاعِ فَقَوْلُ: يَعْتِقُ مِنَ الثَّابِتِ ثَلَاثَةَ أَسْهُمٍ وَمِنَ الْآخَرَيْنِ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا سَهْمَانِ فَيَنْلُغُ بِسَهَامِ الْعِتْقِ سَبْعَةً، وَالْعِتْقُ فِي مَرَضِ الْمَوْتِ وَصِيَّةٌ وَمَحَلُّ نَفَاذِهَا الثَّلَثُ، فَلَا بُدَّ أَنْ يُجْعَلَ سَهَامُ الْوَرَثَةِ ضَعْفَ ذَلِكَ فَيَجْعَلَ كُلَّ رَقَبَةٍ عَلَى سَبْعَةٍ وَجَمِيعُ الْمَالِ أَحَدَ وَعِشْرُونَ فَيَعْتِقُ مِنَ الثَّابِتِ ثَلَاثَةً وَيَسْعَى فِي أَرْبَعَةٍ وَيَعْتِقُ مِنَ الْبَاقِيَيْنِ مِنْ كُلِّ مِنْهُمَا سَهْمَانِ وَيَسْعَى فِي خَمْسَةٍ، فَإِذَا تَامَلْتَ وَجَمَعْتَ اسْتَقَامَ الثَّلَثُ وَالثَّلَاثَانِ. وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ يُجْعَلُ كُلُّ رَقَبَةٍ عَلَى سِتَّةٍ لِأَنَّهُ يَعْتِقُ مِنَ الدَّخِيلِ عِنْدَهُ سَهْمًا فَنَقَصَتْ سَهَامُ الْعِتْقِ بِسَهْمٍ وَصَارَ جَمِيعُ الْمَالِ ثَمَانِيَّةَ عَشَرَ، وَبَاقِي التَّحْرِيجِ مَا مَرَّ.

ترجمہ

جس شخص کے تین غلام ہوں اور اس کے پاس دو غلام آئے اور اس نے کہا تم میں سے ایک آزاد ہے پھر ایک نکل گیا اور دوسرا آیا پھر مولیٰ نے کہا تم میں سے ایک آزاد ہے اس کے بعد مولیٰ مر گیا اور اس نے آزاد کئے گئے کی وضاحت نہ کی۔ تو امام اعظم اور امام ابو یوسف کے یہاں جس غلام پر قول کا عائدہ کیا گیا ہے اس کے تین چوتھائی حصے آزاد ہوں گے اور دوسرے دونوں کا نصف آزاد ہوگا امام محمد نے بھی یہی فرمایا ہے سوا حصے بعد میں آنے والے غلام کے چنانچہ اس کا چوتھائی آزاد ہوگا۔

البتہ نکلنے والے غلام اور باقی رہنے والے غلام کے درمیان اشتراک اسی وجہ سے برابر ہے۔ اور ثابت وہ غلام تو ہے جس پر قول کا عائدہ کیا گیا ہے لہذا ایجاب اول نے ان دونوں کے مابین ایک رقبہ کے حق کو واجب کر دیا اسلئے کہ وہ دونوں برابر ہیں لہذا ان میں سے ہر ایک کو آدھا آدھا حق حاصل ہوا۔

علاوہ ازیں ثابت غلام نے دوسرے ایجاب سے ربع آخر کے حق کا فائدہ حاصل کر لیا اس لئے کہ یہ بجا ثانی کے اور داخل



ہونے والے غلام کے درمیان مشترک ہے ہذا اعتق ثانی بھی ان کے درمیان نصف نصف ہوگا لیکن غلام موجود ایجاب اول کے ذریعے دھے حریت کا مستحق ہو چکا ہے اس لئے یہ غلام ایجاب ثانی سے جس نصب کا مستحق ہوا وہ اسکے دونوں نصب میں پھیل گیا لہذا ایجاب اول سے جو اسے ماوہ لغو ہو گیا اور جو غیر مستحق فارغ سے راجع ہوا وہ باقی رہا اور ایجاب ثانی سے ربع ملا اور تین چوتھائی اسکے لئے مکمل ہو گیا۔

اور اس لئے کہ اگر ایجاب ثانی سے یہی غلام مراد لیا جائے تو اس کا نصف باقی آزاد ہو جائیگا اور اگر ایجاب ثانی سے داخل لیا جائے تو دھ آزاد نہیں ہوگا لہذا آزادی کو آدھا آدھا کر دیا گیا اور غلام موجود کا ربع ایجاب ثانی سے آزاد ہو جائے گا اور اس کا آدھا ایجاب اول سے آزاد ہو جائیگا رہا داخل تو وہ محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب ایجاب ثانی غلام داخل اور غلام داخل کے درمیان مشترک ہے اور اس آزادی سے ثابت کو ربع ملے تو داخل کو بھی ربع ملے گا اور شیخین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایجاب ثانی ثابت اور داخل مشترک ہے اور یہ اشتراک تصنیف کا مقتضی ہے مگر موجود کے حق میں ربع کی طرف عود کیا گیا ہے اس لئے کہ وہ ایجاب اول سے نصف آزادی کا حق دار ہو گیا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا اور داخل کے لئے اس سے پہلے کوئی استحقاق ثابت نہیں ہے پس اس میں آدھا اعتق ثابت ہوگا۔ ام محمد عبد الرحمن فرماتے ہیں اگر مولیٰ کا یہ قول مرض موت میں ہو تو اس کا ثلث مال اسی حساب سے تقسیم کیا جائے گا اور اسکی تشریح یہ ہے کہ آزادی کے حصول کو جمع کیا جائے گا جو حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر سات ہیں کیونکہ ہم ہر رقبہ کے چار حصے کریں گے اس لئے کہ ہمیں تین چوتھائی حصوں کی ضرورت ہے جبکہ ہم کہیں گے کہ غلام موجود کے تین حصے آزاد ہوں گے اور آخر کے دونوں میں سے ہر ایک کے دو حصے آزاد ہوں اور آزادی کے سات حصے ہو جائیں گے اور مرض الموت کا اعتق وصیت ہے اور اس کا مکمل نفاذ تہائی مال ہے لہذا اور ثلث کے سہام اس کے دو حصے قرار دینا ضروری ہے اس لئے ہر غلام کے سات حصے ہوں گے اور پورے مال کے اکیس حصے ہوں گے جبکہ غلام موجود کے تین حصے آزاد ہوں گے اور چار حصوں میں وہ کمائے کے گا اور باقی دونوں غلاموں میں سے ہر ایک کے دو حصے آزاد ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک پانچ حصوں میں کمائی کرے گا پھر جب تم غور کر کے (انہیں) جمع کرو گے تو ثلث ثلثان صحیح ہوں گے اور امام محمد کے یہاں ہر غلام کے چھ حصے کئے جائیں گے کیوں کہ ان کے یہاں عبد داخل کا ایک ہی حصہ آزاد ہوگا لہذا اعتق کے سہام میں سے ایک حصہ کم ہو جائے گا اور پورے مال کے اٹھارہ حصے ہوں گے اور باقی تخریج مگر رہیگی ہے

شرح

حسن بصری اور محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اپنے چھ غلاموں کو آزاد کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرعہ ڈال کر دو کی آزادی قائم رکھی۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1151)

ربیعہ بن ابی عبد الرحمن سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ابان بن عثمان کی خلافت میں اپنے سب غلاموں کو آزاد کر دیا اور سوا ان غلاموں کے اور کچھ مال اس شخص کے پاس نہ تھا تو ابان بن عثمان نے حکم کیا ان غلاموں کے تین حصے کئے گئے پھر جس حصے پر

میت کا حصہ نکلا وہ غلام آزاد ہو گئے اور جب حصوں پر وارثوں کا نام نکلا وہ غلام رہے۔

(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1152)

اگر کوئی غلام مشترک ہو مثلاً دو شخص زید اور بکر مشترک طور پر ایک غلام کے مالک ہوں اور ان میں سے ایک شریک مثلاً زید اپنا حصہ آزاد کر دے تو دوسرا کیا کرے؟ چنانچہ اس بارے میں جزوی آزادی (یعنی ایک غلام کا مثلاً آدھا حصہ آزاد ہو جائے اور آدھا غلام ہی رہے) معتبر ہے یا نہیں خود حنفیہ کے ہاں مختلف اقوال ہیں، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ تو یہ فرماتے ہیں کہ "جزوی آزادی معتبر ہے لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کا قول یہ ہے کہ جزوی آزادی معتبر نہیں ہے، اقوال کے اس اختلاف کا تعلق مسئلہ کے صرف اسی ایک جزو سے نہیں ہے بلکہ اس سے دوسرے احکام و مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

باب کا دوسرا جزء یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے غلام کو خریدے جو اس کا قرابت دار ہو تو وہ غلام محض خرید لینے ہی سے آزاد ہو جائے گا خواہ وہ شخص اس کو آزاد کرے یا نہ کرے! البتہ اس بارے میں اختلافی اقوال ہیں کہ "قرابت دار" سے کس کس رشتہ کے لوگ مراد ہیں اس کی تفصیل بھی آگے آئے گی۔

باب کا تیسرا جزء یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیماری کی حالت میں غلام کو آزاد کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ چنانچہ اس کے متعلق احکام و مسائل بھی حسب موقع احادیث کی تشریح کے ضمن میں بیان کئے جائیں گے۔

مستوطن کی مختلف صورتوں کا بیان

(وَلَوْ كَانَ هَذَا فِي الطَّلَاقِ وَهَنَّ غَيْرُ مَذْخُولَاتٍ وَمَاتَ الزَّوْجُ قَبْلَ الْبَيَانِ سَقَطَ مِنْ مَهْرِ الْخَارِجَةِ رُبْعُهُ وَمِنْ مَهْرِ الثَّابِتَةِ ثَلَاثَةُ أَثْمَانِيهِ وَمِنْ مَهْرِ الدَّاخِلَةِ ثُمْنُهُ) قِيلَ هَذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ خَاصَّةً، وَعِنْدَهُمَا يَسْقُطُ رُبْعُهُ، وَقِيلَ هُوَ قَوْلُهُمَا أَيْضًا، وَقَدْ ذَكَرْنَا الْفُرُقَ وَتَمَامَ تَفْصِيلَاتِهَا فِي الزِّيَادَاتِ.

ترجمہ

اور اگر یہ قول طلاق کے متعلق ہو اور عورتیں غیر مذخول ہیں اور وضاحت کرنے سے پہلے شوہر مر جائے تو خاارجہ کے مہر سے چوتھائی ساقط ہوگا اور ثابتہ کے مہر سے اس کا ثمن ساقط ہوگا اور داخکہ کے مہر سے اس کا ثمن ساقط ہوگا ایک قول یہ ہے کہ یہ امام محمد ہی کا قول ہے اور حضرات شیخین کے یہاں داخکہ کے مہر کا ربع ساقط ہوگا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہی حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے اور ہم (طلاق اور عتاق کے) فرق کو اور اس مسئلے کی تمام جزئیات کو زیادات میں بیان کر چکے ہیں۔

شرح

سابقہ مسائل میں صاحب ہدایہ ان مختلف صورتوں کو بیان کر آئے ہیں جن کے سبب مختلف حقوق ساقط ہو جاتے ہیں۔ البتہ طلاق، متاق کی بعض صورتوں میں فرق ہے ظاہر ہے ایک باب میں حق رقبہ کا حکم ہے جبکہ دوسرے باب میں عتق بضع کا حکم ہے اور اسی طرح قیسی جزئیات میں تفریق کا پایہ جانا یہ کسی طرح کے متفرع احکام میں ہوتا ہے کیونکہ انواع میں اختلاف تنوع بھی اس کا سبب ہو سکتا ہے۔ اور اسی طرح بعض کا بعض سے مختلف ہونا بھی پایا جاتا ہے۔

دو غلاموں میں سے ایک کی آزادی کا اعلان کرنا

(وَمَنْ قَالَ لِعَبْدَيْهِ أَحَدُكُمَا حُرٌّ قَبَاعٌ أَحَدَهُمَا أَوْ مَاتَ أَوْ قَالَ لَهُ أَنْتَ حُرٌّ بَعْدَ مَوْتِي عَتَقَ الْآخَرَ) لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ مَحَلًّا لِلْعِتْقِ أَصْلًا بِالمَوْتِ وَلِلْعِتْقِ مِنْ جِهَتِهِ بِالْبَيْعِ وَلِلْعِتْقِ مِنْ كُلِّ وَحْدِهِ بِالتَّذْيِيرِ فَتَعَيَّنَ لَهُ الْآخَرُ، وَلِأَنَّهُ بِالْبَيْعِ قَصْدُ الْوُصُولِ إِلَى الثَّمَنِ وَبِالتَّذْيِيرِ إِبْقَاءُ الْإِئْتِفَاعِ إِلَى مَوْتِهِ، وَالْمَقْصُودَانِ يُنَافِيَانِ الْعِتْقَ الْمُتَنَزِّمَ فَتَعَيَّنَ لَهُ الْآخَرُ دَلَالَةً وَكَذَا إِذَا اسْتَوْلَدَ أَحَدَهُمَا لِلْمَعْنِيِّينَ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْبَيْعِ الصَّحِيحِ وَالْفَاسِدِ مَعَ الْقَبْضِ وَبِدْوِيهِ وَالْمُطْلَقِ وَبِشَرْطِ الْخِيَارِ لِأَحَدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ لِإِطْلَاقِ حَوَاقِبِ الْكِتَابِ وَالْمَعْنَى مَا قُلْنَا، وَالْعَرَضُ عَلَى الْبَيْعِ مُلْحَقٌ بِهِ فِي الْمَحْفُوظِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ، وَالْهَيْئَةُ وَالتَّسْلِيمُ وَالصَّدَقَةُ وَالتَّسْلِيمُ بِمَنْزِلَةِ الْبَيْعِ لِأَنَّهُ تَمْلِكُ :

ترجمہ

جس شخص نے اپنے دو غلاموں سے کہا تم میں سے ایک آزاد ہے پھر ان میں سے ایک کو فروخت کر دیا یا ایک غلام مر گیا یا ایک سے موتی نہ کہ تم میرے مرنے کے بعد آزاد ہو تو دوسرا غلام آزاد ہوگا کیوں کہ مرا ہوا غلام موت کی وجہ سے محل آزادی نہ رہا لہذا دوسرا غلام (آزادی کے لیے) متعین ہو گیا اور اس سے کہ آقا نے بیچ سے ثمن وصول کرنے کا ارادہ کیا ہے اور تدبیر سے اپنی موت تک نفع ٹھانے کا ارادہ کیا ہے اور یہ دونوں مقصود حق مترم کے منافی ہیں لہذا دوسرا غلام آزادی کے لیے دلالت متعین ہو گیا اور ایسے ہی جب (دو باندیوں میں سے) ایک کو آقا نے ام ولد بنالیا ہو انہیں دونوں معنوں کی وجہ سے اور بیچ صحیح اور بیچ فاسد مع القبض اور بدون القبض میں کوئی فرق نہیں ہے اسی طرح بیچ مطلق اور احد المتعاقدين کے لیے بیچ بشرط الخيار میں بھی کوئی فرق نہیں ہے کیوں کہ جامع صغیر کا حکم مطلق ہے اور مطلب وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور امام ابو یوسفؒ سے مروی محفوظ میں بیچ کے لیے پیش کرنا بھی بیچ کے ساتھ حاق ہے اور ہبہ مع التسليم اور صدقہ مع التسليم بیچ کے درجے میں ہے کیوں کہ ان میں سے ہر ایک

تملیک ہے۔

شرح

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے مشترک غلام میں سے اپنے حصہ کو آزاد کر دے اور اس کے پاس اپنا مال ہو جو غلام کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس غلام کی اندازے کے ساتھ قیمت لگائی جائے گی اور باقی شرکاء کو ان کے حصوں کی قیمت ادا کی جائے گی اور اس کی طرف وہ غلام آزاد ہو جائے گا ورنہ جتنا اس نے اپنے حصہ کا غلام آزاد کیا اتنا ہی ہوگا یعنی پورا آزاد ہوگا۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1277)

دو بیویوں میں سے کسی ایک کو طلاق دینے کا بیان

وَكَذَلِكَ لَوْ قَالَ لَا مَرَأَتِي إِحْدَاكُمَا طَالِقٌ ثُمَّ مَاتَتْ إِحْدَاهُمَا لِمَا قُلْنَا، وَكَذَلِكَ لَوْ طَءَ إِحْدَاهُمَا لِمَا نُبَيِّنُ (وَلَوْ قَالَ لَا مَتْنِي إِحْدَاكُمَا حُرَّةٌ ثُمَّ جَامَعَ إِحْدَاهُمَا) لَمْ تَعْتَقِ الْآخَرَى عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ.

وَقَالَا تَعْتَقُ لِأَنَّ الْوُطْءَ لَا يَجْعَلُ إِلَّا فِي الْمِلْكِ وَإِحْدَاهُمَا حُرَّةٌ فَكَانَ بِالْوُطْءِ مُسْتَقْبِئًا الْمِلْكَ فِي الْمَوْطُوءَةِ فَتَعَيَّنَتْ الْآخَرَى لِزَوَالِهِ بِالْعِتْقِ كَمَا فِي الطَّلَاقِ وَلَهُ أَنْ الْمِلْكُ قَائِمٌ فِي الْمَوْطُوءَةِ لِأَنَّ الْإِبْقَاعَ فِي الْمُنْكَرَةِ وَهِيَ مُعَيَّنَةٌ فَكَانَ وَطْؤُهَا خَلَالًا فَلَا يُجْعَلُ بَيَانًا وَلِهَذَا حَلَّ وَطْؤُهُمَا عَلَى مَذْهَبِهِ إِلَّا أَنَّهُ لَا يُفْتَى بِهِ، ثُمَّ يُقَالُ الْعِتْقُ غَيْرُ نَازِلٍ قَبْلَ الْبَيَانِ لِتَعَلُّقِهِ بِهِ أَوْ يُقَالُ نَازِلٌ فِي الْمُنْكَرَةِ فَيُظْهِرُ فِي حَقِّ حُكْمِ تَقْيِيلِهِ وَالْوُطْءُ يُصَادِفُ الْمُعَيَّنَةَ، بِخِلَافِ الطَّلَاقِ، لِأَنَّ الْمَقْصُودَ الْأَصْلِيَّ مِنَ النِّكَاحِ الْوَلَدُ، وَقَصْدُ الْوَلَدِ بِالْوُطْءِ يَدُلُّ عَلَى اسْتِبْقَاءِ الْمِلْكِ فِي الْمَوْطُوءَةِ صَيَانَةً لِلْوَلَدِ، أَمَّا الْأَمَةُ فَالْمَقْصُودُ مِنْ وَطْئِهَا قَضَاءُ الشَّهْوَةِ دُونَ الْوَلَدِ فَلَا يَدُلُّ عَلَى الْإِسْتِبْقَاءِ

ترجمہ

ایسے ہی اگر کسی نے اپنی دو بیویوں سے کہا تم میں سے ایک کو طلاق ہے پھر ان میں سے ایک مر گئی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں ایسے ہی اگر شوہر نے ان میں سے ایک سے وطی کر لی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر کسی نے اپنی دو باندیوں سے کہا تم میں سے ایک آزاد ہے پھر ان میں سے ایک سے ہم بستری کر لی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دوسری باندی آزاد نہ ہوگی حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ دوسری باندی آزاد ہو جائے گی۔ کیونکہ وطی صرف ملکیت میں حلال ہے لہذا وطی کر کے

آق موطوءہ میں ملکیت باقی رکھنا چاہتا ہے اس لئے دوسری آزادی کے لیے متعین ہو جائے گی کیوں کہ آزادی سے ملکیت ختم ہوگی جیسے طلاق میں ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ موطوءہ میں ملکیت موجود ہے کیوں کہ ایقاع حریت غیر معین باندی میں ہے اور موطوءہ باندی معینہ ہے لہذا اسکی طلی حلال ہوگی اور اسے بیان نہیں قرار دیا جاسکتا اسی لیے امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر ان دونوں سے طلی حلال ہے تاہم اس پر فتویٰ نہیں دیا جائے گا پھر کہا جائے گا کہ وضاحت سے پہلے آزادی واقع نہیں ہوگی اس لیے کہ آزادی وضاحت سے متعلق ہے یا یوں کہا جائے گا کہ غیر معین باندی میں آزادی واقع ہوگی اور اس حکم کے حق میں ظاہر ہوگا جسے وہ غیر معین باندی قبول کے گی حاکم طلی معینہ باندی سے واقع ہوئی ہے برخلاف طلاق کے کیوں کہ نکاح کا مقصد اصلی سے اولاد کا ارادہ کرنا حفاظت ولد کے حوالے سے موطوءہ میں ملکیت باقی رکھنے کے مقصد پر دلیل ہے رہی باندی تو اس سے طلی کر کے ثبوت پوری کرنا مقصود ہے نہ کہ ولد لہذا یہ استہزاء ملکیت پر دلیل نہیں ہوگا۔

شرح

حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ خزرج کی شاخ بنو حارثہ سے تھا، آپ کا شمار مدینہ منورہ کے دولت مند لوگوں میں ہوتا تھا، دور نبوت میں آپ نے چند افراد کے ساتھ مکہ جا کر اسلام قبول کیا تھا، وہ دور جہالت میں بھی نوشت وخواند سے واقف تھے، حضور اکرم ﷺ کی ہجرت مدینہ کے بعد مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات قائم ہوئی تو انھیں حضرت عبدالرحمن بن عوف کا بھائی بنایا گیا جنھوں نے انھیں اپنے مکان لے جا کر میزبانی کی اور فرمایا کہ میں اپنے مکان، مال اور باغ میں سے ہر ایک کا آدھا حصہ آپ کی نذر کرتا ہوں اور یہ کہ میں اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دیدوں گا تاکہ آپ ان سے نکاح کر سکیں، یہ سن کر حضرت عبدالرحمن بن عوف نے حضرت سعد بن ربیع کا شکریہ ادا کیا اور اپنے ذریعہ معاش کے طور پر تجارت شروع کر دی۔

امام مالک علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ ہمیں خبر دی ابن شہابؒ نے کہ رافع بن خدیج نے رافع بن سلمہ کی بیٹی سے نکاح کیا۔ چنانچہ وہ ان کے پاس رہیں۔ ان کی موجودگی میں ایک جوان عورت سے نکاح کر لیا۔ اور اس کی طرف زیادہ مائل ہو گئے۔ پہلی بیوی نے طلاق کا مطالبہ کیا تو ایک طلاق دیدی اور انھیں روکے رکھا۔ جب عدت گزرنے لگی تو ان سے رجوع کر لیا اور لونڈا لیا۔ پھر نو جوان عورت کی طرف مائل ہو گئے تو انہوں نے پھر طلاق مانگی۔ آپ نے کہا تم کیا چاہتی ہو۔ اب ایک طلاق باقی رہ گئی ہے۔ اگر چاہتی ہو تو اسی طرح رہو۔ اگر چاہو تو میں تمھیں طلاق دے دوں۔ پہلی بیوی نے کہا میں اس کی طرف مائل ہونے کے باوجود اسی طرح برقرار رہنا منظور کرتی ہوں۔ تو رافع نے انھیں روکے رکھا اور رافع نے اس بارے میں کوئی گناہ تصور نہیں کیا جبکہ وہ ترجیح پر راضی ہو گئیں۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ جب عورت کو علم ہو کہ اسے کنارہ کش ہو جانے کا اختیار ہے اور وہ راضی ہو جائے۔ اور یہی ابوحنیفہؒ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔ (موطا امام محمد، حدیث نمبر ۵۸۳)

باندی کی آزادی کو بچہ جننے سے معلق کرنے کا بیان

(وَمَنْ قَالَ لَا مَتَّيْهَ إِنْ كَانَ أَوَّلُ وَلَدٍ تَلِدِيْنَهُ عُلَامًا فَانَّتِ حُرَّةً فَوَلَدَتْ عُلَامًا وَجَارِيَةً وَلَا يَذْرَىٰ أَيْهَمَا وَلَدًا أَوْ لَا عَتَقَ نِصْفُ الْأُمِّ وَنِصْفُ الْجَارِيَةِ وَالْعُلَامُ عَبْدٌ) لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا تَعْتِقُ فِي حَالٍ وَهُوَ مَا إِذَا وَلَدَتْ الْعُلَامُ أَوَّلَ مَرَّةٍ الْأُمُّ بِشَرِّطٍ وَالْجَارِيَةُ لِكُونِهَا تَبَعًا لَهَا، إِذْ الْأُمُّ حُرَّةٌ حَيَّةٌ وَلَدَتْهَا، وَتَرَقَّى فِي حَالٍ وَهُوَ مَا إِذَا وَلَدَتْ الْجَارِيَةُ أَوْ لَا لِعَدَمِ الشَّرِّطِ فَيُعْتِقُ نِصْفُ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا وَتَسْقَىٰ فِي النِّصْفِ، أَمَّا الْعُلَامُ يَرَقَّى فِي الْحَالِيْنَ فَلِلْهَذَا يَكُونُ عَبْدًا، وَإِنْ ادَّعَتْ الْأُمُّ أَنَّ الْعُلَامَ هُوَ الْمَوْلُودُ أَوَّلًا وَانْكَرَ الْمَوْلَى وَالْجَارِيَةُ صَغِيرَةٌ فَلِلْقَوْلِ قَوْلُهُ مَعَ الْيَمِينِ لِإِنْكَارِهِ شَرِّطَ الْعِتْقِ، فَإِذَا خَلَفَ يَعْتِقُ وَاحِدًا مِنْهُمَا، وَإِنْ نَكَلَ عَتَقَتْ الْأُمُّ وَالْجَارِيَةُ؛ لِأَنَّ دَعْوَى الْأُمِّ حُرَّتِيَّةً مُعْتَبَرَةً لِكُونِهَا نَفْعًا مَخْصُصًا فَاعْتَبَرَ النُّكُولُ فِي حَقِّ حُرَّتِيَّتِهِمَا فَعَتَقْنَا، وَلَوْ كَانَتْ الْجَارِيَةُ كَبِيرَةً وَلَمْ تَدْعِ شَيْئًا وَالْمَسْأَلَةُ بِحَالِهَا عَتَقَتْ الْأُمُّ بِنُكُولِ الْمَوْلَى خَاصَّةً دُونَ الْجَارِيَةِ؛ لِأَنَّ دَعْوَى الْأُمِّ غَيْرُ مُعْتَبَرَةٍ فِي حَقِّ الْجَارِيَةِ الْكَبِيرَةِ، وَصِحَّةُ النُّكُولِ تُبْتَنَىٰ عَلَى الدَّعْوَى فَلَمْ يَظْهَرْ فِي حَقِّ الْجَارِيَةِ وَلَوْ كَانَتْ الْجَارِيَةُ الْكَبِيرَةُ هِيَ الْمُدَّعِيَةُ لَسَبَقَ وَلَادَةِ الْعُلَامِ وَالْأُمُّ سَاكِنَةٌ يَنْبُتُ عِنَقُ الْجَارِيَةِ بِنُكُولِ الْمَوْلَى دُونَ الْأُمِّ لِمَا قُلْنَا، وَالتَّخْلِيْفُ عَلَى الْعِلْمِ فِيمَا ذَكَرْنَا لِأَنَّهُ اسْتِخْلَافٌ عَلَى فِعْلِ الْغَيْرِ، وَبِهَذَا الْقَدْرِ يُعْرَفُ مَا ذَكَرْنَا مِنْ التَّوَجُّهِ فِي كِفَايَةِ الْمُنتَهَى .

ترجمہ

جس نے اپنی باندی سے کہا کہ اگر پہلا بچہ لڑکا پیدا ہوا تو تو آزاد ہے پھر اس نے لڑکا اور لڑکی دونوں جننے اور یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ پہلے کون پیدا ہوا تو آزاد ہو جائے گی نصف ماں اور نصف لڑکی، اور لڑکا غلام رہے گا، اس لئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک ایک حالت میں آزاد ہوتی ہے اور وہ حالت یہ ہے کہ جب پہلے اس نے لڑکا جنا ہو، ماں شرط کی وجہ سے آزاد ہوگی اور لڑکی ماں کے تابع ہونے کی وجہ سے آزاد ہوگی، کیوں کہ بوقت ولادت جاریہ ماں آزاد ہو چکی ہے۔ اور ایک حالت میں ماں اور لڑکی میں سے ہر ایک رقیق رہے گی اور وہ حالت یہ ہے کہ جب ماں نے لڑکی جنی ہو، کیوں کہ شرط معدوم ہے، لہذا ان میں سے ہر ایک کا آدھا

آزاد ہوگا اور وہ کیلئے کمائی کریں گے رہا لڑکا تو وہ دونوں حالتوں میں رقیق رہے گا اسی لئے وہ غلام کہلائے گا۔

اور اگر ماں نے یہ دعویٰ کیا کہ لڑکا ہی پہلے پیدا ہوا ہے اور مولیٰ نے انکار کر دیا اور لڑکی ابھی چھوٹی ہے تو یحییٰ کے ساتھ مولیٰ کی بات کا اعتبار ہوگا، کیوں کہ وہ شرط آزادی کا انکار کرنے والا ہے پھر اگر مولیٰ نے قسم کھائی تو ان میں سے کوئی آزاد نہ ہوگا اور اگر وہ قسم سے انکار کر دے تو ماں اور لڑکی آزاد ہو جائیں گی، اس سے کہ صغیرہ کی حریت کے حوالے سے ماں کا دعویٰ معتبر ہے کیوں کہ یہ صرف نفع ہے، لہذا ان دونوں کی حریت کے حق میں انکار کا اعتبار کر لیا جائے گا اور ماں اور لڑکی دونوں آزاد ہو جائیں گی۔ اور اگر لڑکی بائذ ہو اور اس نے (حریت کا) دعویٰ نہ کیا ہو اور باقی مسئلہ ہی طرح ہو تو مولیٰ کے انکار سے صرف ماں آزاد ہوگی اور لڑکی آزاد نہیں ہوگی، کیوں کہ بائذ لڑکی کے حق میں ماں کا دعویٰ معتبر نہیں ہے اور انکار کی صحت دعویٰ پر ہی مبنی ہے لہذا لڑکی کے حق میں یہ انکار مؤثر نہیں ہوگا۔ اور اگر بائذ لڑکی ہی لڑکے کی سبقت و ولادت کا دعویٰ کرنے والی ہو اور ماں خاموش ہو تو مولیٰ کے انکار قسم سے ہی لڑکی آزاد ہو جائے گی، لیکن ماں آزاد نہیں ہوگی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی۔ اور ہماری بیان کردہ تمام صورتوں میں ہم پر قسم لی جائے گی کیوں کہ یہ دوسرے کے نفع پر قسم لینا ہے اور اس مقدار بیان سے وہ صورتیں بھی واضح ہو جاتی ہیں جنہیں ہم نے کفایتِ انتہی میں بیان کیا ہے۔

تقویت شرط تقویت مشروط کو مسلزم کا قاعدہ فقہیہ

اذا فأت الشرط فأت المشروط . (الاشباہ)

جب شرط فوت ہو جائے تو مشروط بھی فوت ہو جاتا ہے۔ اس قاعدہ کا ثبوت یہ ہے۔

ترجمہ: بے شک نماز مومنوں پر وقت مقررہ پر فرض ہے۔ (النساء)

آیت سے معلوم ہوا کہ نماز کی ادائیگی کیلئے وقت شرط ہے۔ اور اسی طرح وضو شرط ہے

شرط کی اقسام۔

شرط کی تین اقسام ہیں۔ ۱۔ شرط جائز ۲۔ شرط فاسد ۳۔ شرط لغو

۱۔ شرط جائز کی تعریف۔

بروہ شرط جو عقد کا تقاضہ کرتی ہو اور وہ اسی عقد کے مناسب بھی ہو یا وہ شرط معاثر ہے میں جاری ہو یا اس کے جواز پر حکم شرعی موجود ہو، اسے شرط جائز کہتے ہیں۔ اس کی مثال خیار شرط کے مسائل سے ملتی ہے۔ اور اس کے جواز کا ثبوت یہ حدیث مبارکہ ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تو کسی سے بیع کرے تو یہ کہہ کہ میرے اور تمہارے درمیان کوئی فتنہ نہیں اور میرے لئے تین دن تک اختیار ہے۔

۲۔ شرط فاسد کی تعریف:

بروہ شرط جس کا تقاضہ نہ عقد کرتا ہو اور نہ ہی وہ عقد کے مناسب ہو اور اس میں متعاقدین میں سے کسی ایک کا نفع ہو۔

۳۔ شرط لغو کی تعریف:

بروہ شرط جو شرط جائز اور شرط فاسد کے سوا ہو وہ شرط لغو کہلاتی ہے۔

انتباہ

خیار شرط کا اختیار وراثت کی طرف منتقل نہیں ہوتا۔ اگر کسی شخص کے لئے خیار تھا اور وہ مر گیا تو خیار باطل ہوگا۔ (قدوری)

دو گواہوں کی شہادت پر آزادی کا بیان

قَالَ ( وَإِذَا شَهِدَ رَجُلَانِ عَلَى رَجُلٍ أَنَّهُ أَعْتَقَ أَحَدَ عَبْدَيْهِ فَالشَّهَادَةُ بَاطِلَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ فِي وَصِيَّةٍ ) اسْتَحْسَانًا ذَكَرَهُ فِي كِتَابِ الْعَتَاكِ ( وَإِنْ شَهِدَ أَنَّهُ طَلَّقَ إِحْدَى نِسَائِهِ جَازَتْ الشَّهَادَةُ وَيُجْبَرُ الزَّوْجُ عَلَى أَنْ يُطْلَقَ إِحْدَاهُنَّ ) وَهَذَا بِالْإِجْمَاعِ ( وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ : الشَّهَادَةُ فِي الْعِتْقِ مِثْلُ ذَلِكَ ) وَأَصْلُ هَذَا أَنَّ الشَّهَادَةَ عَلَى عِتْقِ الْعَبْدِ لَا تُقْبَلُ مِنْ غَيْرِ دَعْوَى الْعَبْدِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَعِنْدَهُمَا تُقْبَلُ ، وَالشَّهَادَةُ عَلَى عِتْقِ الْأَمَةِ وَطَلَاقِ الْمُنْكَوْحَةِ مَقْبُولَةٌ مِنْ غَيْرِ دَعْوَى بِالْإِتِّفَاقِ وَالْمَسْأَلَةُ مَعْرُوفَةٌ . وَإِذَا كَانَ دَعْوَى الْعَبْدِ شَرْطًا عِنْدَهُ لَمْ تَتَحَقَّقْ فِي مَسْأَلَةِ الْكِتَابِ ، لِأَنَّ الدَّعْوَى مِنَ الْمَجْهُولِ لَا تَتَحَقَّقُ فَلَا تُقْبَلُ الشَّهَادَةُ وَعِنْدَهُمَا لَيْسَ بِشَرْطٍ فَتُقْبَلُ الشَّهَادَةُ وَإِنْ انْعَدَمَ الدَّعْوَى . أَمَّا فِي الطَّلَاقِ فَعَدَمُ الدَّعْوَى لَا يُوجِبُ خُلَا فِي الشَّهَادَةِ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِشَرْطٍ فِيهَا .

وَلَوْ شَهِدَا أَنَّهُ أَعْتَقَ إِحْدَى أَمَتَيْهِ لَا تُقْبَلُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَإِنْ لَمْ تَكُنِ الدَّعْوَى شَرْطًا فِيهَا لِأَنَّهُ إِنَّمَا لَا تُشْتَرَطُ الدَّعْوَى لِأَنَّهَا يَتَضَمَّنُ تَحْرِيمَ الْفَرْجِ فَشَبَابَةُ الطَّلَاقِ ، وَالْعِتْقُ الْمُبْهَمُ لَا يُوجِبُ تَحْرِيمَ الْفَرْجِ عِنْدَهُ عَلَى مَا ذَكَرْنَاهُ فَصَارَ كَالشَّهَادَةِ عَلَى عِتْقِ أَحَدِ الْعَبْدَيْنِ . وَهَذَا كُلُّهُ إِذَا شَهِدَا فِي صِحَّتِهِ عَلَى أَنَّهُ أَعْتَقَ أَحَدَ عَبْدَيْهِ .

ترجمہ

فرمایا کہ اگر دونوں نے کسی شخص کے بارے میں یہ شہادت دی کہ اس نے اپنے دو غلاموں میں سے ایک کو آزاد کر دیا ہے تو امام اعظمؒ کے نزدیک گواہی باطل ہے، مگر یہ کہ وصیت میں ہو۔ اور امام محمدؒ نے استحبنا سے عتاق میں بیان کیا ہے اور اگر دونوں نے یہ گواہی دی کہ فلاں نے اپنی بیویوں میں سے ایک کو طلاق دیدی ہے تو گواہی جائز ہوگی اور شوہر کو مجبور کیا جائے گا کہ ان میں سے ایک کو طلاق دے دے اور یہ بالاتفاق ہے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ عتق کی شہادت بھی شہادت طلاق کی طرح ہے اور اس کی اصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عتق عبد کی شہادت دعوائے عبد کے بغیر مقبول نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک مقبول ہے اور باندھی کے عتق اور منکوحہ کے طلاق کی شہادت کے بغیر دعویٰ کے بھی بالاتفاق مقبول ہے اور یہ مسند مشہور ہے اور جب امام صاحبؒ کے نزدیک غلام کا دعویٰ کرنا شرط ہے تو جامع صغیر کے مسئلہ میں دعویٰ تحقیق نہیں ہوگا کیوں کہ مجہول کی طرف سے دعویٰ تحقیق نہیں ہوتا لہذا گواہی بھی مقبول نہیں ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک (دعوائے عبد) شرط نہیں ہے تو شہادت مقبول ہوگی اگرچہ دعویٰ معدوم ہو، لیکن طلاق میں دعویٰ معدوم ہونے سے شہادت میں خلل نہیں ہوتا اسلئے کہ اس میں دعویٰ شرط نہیں ہے۔

اور اگر دو آدمیوں نے یہ شہادت دی کہ فلاں نے اپنی دو باندیوں میں سے ایک باندی آزاد کی ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ شہادت بھی مقبول نہ ہوگی اگرچہ اس میں دعویٰ شرط نہیں ہے، اس لیے کہ دعویٰ صرف اس وجہ سے شرط نہیں ہے کہ عتق شرم گاہ کی حرمت کو متضمن ہے لہذا یہ طلاق کے مشابہ ہو گیا۔ اور امام اعظمؒ ابو حنیفہؒ کے یہاں عتق مجہول تحریم فرج کا موجب نہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں لہذا یہ شہادت احداً العبدین کو آزاد کرنے کی شہادت کی طرح ہوگی اور یہ تمام اس صورت میں ہے جب دونوں گواہوں نے یہ شہادت دی ہو کہ فلاں نے اپنی صحت کے زمانے میں اپنے دو غلاموں کو میں سے ایک کو آزاد کیا ہے۔

### شہادت آزادی کو شہادت طلاق پر قیاس کرنے کا بیان

مذکورہ مسند میں امام اعظمؒ رضی اللہ عنہ کے مابین اور صاحبین کے درمیان اختلاف کا سبب یہی ہے کہ صاحبین نے آزادی کی شہادت کو طلاق کی شہادت پر قیاس کیا ہے لہذا ان کے نزدیک شہادت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور شہادت کے پیش نظر غلام یا باندی آزاد ہو جائیں گے۔ جبکہ امام اعظمؒ علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ شہادت تب تسلیم کی جائے جب غلام اس کا دعویٰ کرنے والا ہوگا ورنہ نہیں۔

### غلام و باندی کی شہادت میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ غلام اگر عادل ہے تو اس کی گواہی جائز ہے، شریح اور زرارہ بن اوفی نے بھی اسے جائز قرار دیا ہے۔ ابن سیرین نے کہا کہ اس کی گواہی جائز ہے، سو اس صورت کے جب غلام اپنے مالک کے حق میں گواہی دے (

کیوں کہ اس میں مالک کی طرف داری کا احتمال ہے) حسن اور ابراہیم نے معمولی چیزوں میں غلام کی گواہی کی اجازت دی ہے۔ قاضی شریح نے کہا کہ تم میں سے ہر شخص غلاموں اور باندیوں کی اول دے۔ (صحیح بخاری، کتاب شہادات، رقم ۲۶۵۹) مطلب یہ ہے کہ تم سب اللہ کے لونڈی غلام ہو اور اللہ ہی کے لونڈی غلاموں کی اول دے، اس لیے کسی کو کسی پر فخر کرنا جائز نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اسی کے موافق حکم دیا ہے کہ لونڈی غلام کی جب وہ عادل اور ثقہ ہوں، گواہی مقبول ہے۔ مگر ائمہ ثلاثہ نے اس کو جائز نہیں رکھا۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ لونڈی غلاموں کی شہادت جب وہ عادل ثقہ ہوں ثابت فرما رہے ہیں۔ ترجمہ الباب میں نقل کردہ آثار سے آپ کا مدعا بخوبی ثابت ہوتا ہے۔

### مرض موت میں غلام کو آزاد کرنے کا بیان

أَمَّا إِذَا شَهِدَا أَنَّهُ أَعْتَقَ أَحَدَ عَبْدَيْهِ فِي مَرَضٍ مَوْتِهِ أَوْ شَهِدَا عَلَى تَذْيِيرِهِ فِي صِحَّتِهِ أَوْ فِي مَرَضِهِ وَأَذَاءُ الشَّهَادَةِ فِي مَرَضٍ مَوْتِهِ أَوْ بَعْدَ الْوَفَاةِ تُقْبَلُ اسْتِحْسَانًا، لِأَنَّ التَّذْيِيرَ حَيْثُمَا وَقَعَ وَقَعَ وَصِيَّةً، وَكَذَا الْعِتْقُ فِي مَرَضٍ الْمَوْتِ وَصِيَّةً، وَالْخَصْمُ فِي الْوَصِيَّةِ إِنَّمَا هُوَ الْمَوْصِي وَهُوَ مَعْلُومٌ. وَغَنَهُ خَلْفٌ وَهُوَ الْوَصِيُّ أَوْ الْوَارِثُ، وَلِأَنَّ الْعِتْقَ فِي مَرَضٍ الْمَوْتِ يَشْتَعِلُ بِالْمَوْتِ فِيهِمَا فَصَارَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا خَصْمًا مُتَعَيَّنًا وَلَوْ شَهِدَا بَعْدَ مَوْتِهِ أَنَّهُ قَالَ فِي صِحَّتِهِ أَخَذْتُكُمْ حُرًّا فَقَدْ قِيلَ: لَا تُقْبَلُ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِوَصِيَّةٍ. وَقِيلَ تُقْبَلُ لِلشُّبُوحِ هُوَ الصَّحِيحُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

ترجمہ

اور اگر دونوں نے یہ گواہی دی کہ فلاں نے اپنے مرض الموت میں اپنا ایک غلام آزاد کیا ہے یا یہ شہادت دی کہ اس نے اپنی صحت یا اپنے مرض میں ایک غلام کو مدبر بنایا ہے اور اس شہادت کی ادائیگی فلاں کے مرض الموت میں یا اس کی وفات کے بعد ہو تو استحساناً یہ شہادت مقبول ہوگی کیوں کہ تدبیر جب بھی واقع ہوتی ہے وصیت ہی واقع ہوتی ہے نیز مرض الموت میں آزادی بھی وصیت ہے اور وصیت کے سلسلے میں موصی خصم ہے اور وہ معلوم ہے اور اس کا خلیفہ بھی ہے وصی یا وارث اور اس لیے کہ مرض الموت کا حق آقا کی موت سے دونوں غلاموں میں بھیل جاتا ہے لہذا ان میں سے ہر ایک غلام خصم متعین ہو گیا اور آقا کی موت کے بعد دو لوگوں نے یہ گواہی دی کہ آقا نے اپنی صحت کے دوران کہا تھا کہ تم میں سے ایک آزاد ہے تو ایک قول یہ ہے کہ یہ شہادت مقبول نہیں ہوگی کیوں کہ یہ وصیت نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ شہادت مقبول ہوگی کیوں کہ حق دونوں غلاموں میں بھیل چکا ہے۔

شرح

حضرت عمران ابن حصین راوی ہیں کہ ایک شخص نے اپنی موت کے وقت اپنے چھ غلام کو آزاد کر دیا اور اس شخص کے پاس ان

غلاموں کے علاوہ اور کوئی مال نہ تھا (پھر اس شخص کی وفات کے بعد جب) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غلاموں کو بایا اور (دو دو کی تعداد میں) ان کے تین حصے کئے اور ان کے درمیان قرعہ ڈال، اس طرح ان سے دو کو تو آزاد کر دیا اور چار کو غلام رکھ کر اور آزاد کرنے والے کے حق میں (اظہار تارنگی) کے لئے سخت الفاظ فرمائے۔ "اور سائل کی روایت میں جو حضرت عمران بنی سے منقول ہے، ان الفاظ "سخت الفاظ فرمائے" کی بجائے یہ الفاظ ہیں "کہ میں نے تو یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اس شخص کی نماز جنازہ نہ پڑھوں" اور ابوہریرہ کی روایت میں یوں ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے حق میں بطور تنبیہ و تہدید) یہ فرمایا کہ اگر میں اس کی تدفین سے پہلے اس کے جنازہ پر پہنچتا تو وہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جاتا۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 576)

دو کو تو آزاد کر دیا " کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم جاری فرمایا کہ جن دو کے نام قرعہ نکلا ہے وہ آزاد ہیں اور باقی چاروں غلام رہیں گے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے مرض الموت میں اپنے سارے غلاموں کو آزاد کر دے تو اس آزادی کا اجراء ان غلاموں کی صرف تہائی تعداد میں ہوگا کیونکہ مرض الموت میں اس کے مال کے ساتھ اس کے درہم کا حق متعلق ہو جاتا ہے، اسی طرح وصیت، صدقہ، ہبہ اور ان کے مثل کا اجراء بھی تہائی مال میں ہوگا۔

زین لعرب نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم اس لئے جاری فرمایا کہ اس وقت عام طور پر غلام زنگی ہوا کرتے تھے جو قیمت میں مساوی ہوتے تھے۔ اور امام نووی نے حضرت امام ابوحنیفہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ایسی صورت میں (مساوی سلوک کے پیش نظر) ہر غلام کا تہائی حصہ تو آزاد متصور ہوگا اور باقی دو حصوں کے بقدر اس سے محنت یا خدمت لی جائے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر اس لئے اظہار تارنگی فرمایا کہ اس نے چھ کے چھ غلاموں کو آزاد کر کے اپنے درہم کو بالکل محروم کر دیا تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں سخت مکروہ عمل تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے درہم پر اس طرح شفقت و کرم کیا کہ اس شخص کی طرف سے دی گئی آزادی کو دو غلاموں کے حق میں جاری کیا اور باقی چار کو ان کو درہم کا حق قرار دے دیا۔ حدیث کے اس جزو سے یہ معلوم ہوا کہ میت کو اس کے کسی نام شروع اور خاتمہ عمل پر برا کہہ سکتے ہیں اور یہ اس ارشادِ گرامی حدیث (اذکروا اموالکم بالخیبر) (اپنے مرے ہوئے لوگوں کو بھلائی کے ساتھ یاد کرو) کے منافی نہیں ہے۔

## باب الحلف بالعتق

﴿یہ باب حلف بہ عتق کے بیان کے میں ہے﴾

باب حلف بہ عتق کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود ہارثی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے حلف سے معق کردہ آزادی کو موخر ذکر کیا ہے کیونکہ یہ آزادی شرط کے ساتھ معلق ہے۔ کیونکہ جب شرط پائی جائے گی تب ہی جزاء پائی جائے گی۔ لہذا اس کا سبب مؤخر ہونے کی وجہ سے اس کو موخر ذکر کیا ہے۔ (عناہ شرح اہدایہ، ج ۲، ص ۶، بیروت)

آزادی کو شرط کے ساتھ معلق کرنے کا بیان

(وَمَنْ قَالَ إِذَا دَخَلْتُ الدَّارَ فَكُلُّ مَمْلُوكٍ لِي يَوْمَئِذٍ فَهُوَ حُرٌّ وَلَيْسَ لَهُ مَمْلُوكٌ فَاشْتَرَى مَمْلُوكًا ثُمَّ دَخَلَ عَتَقَ) لِأَنَّ قَوْلَهُ يَوْمَئِذٍ تَقْدِيرُهُ يَوْمَ إِذْ دَخَلْتُ، إِلَّا أَنَّهُ أَسْقَطَ الْفِعْلَ وَعَوَّضَهُ بِالتَّنْوِينِ فَكَانَ الْمُعْتَبَرُ قِيَامَ الْمِلْكِ وَقَتِ الدُّخُولِ وَكَذَا لَوْ كَانَ فِي مِلْكِهِ يَوْمَ حَلَفَ عَبْدٌ فَبَقِيَ عَلَى مِلْكِهِ حَتَّى دَخَلَ عَتَقَ لِمَا قُلْنَا.  
قَالَ (وَلَوْ لَمْ يَكُنْ قَالَ فِي يَمِينِهِ يَوْمَئِذٍ لَمْ يَعْتَقْ) لِأَنَّ قَوْلَهُ كُلُّ مَمْلُوكٍ لِي لِلْحَالِ وَالْجَزَاءُ حُرِّيَّةُ الْمَمْلُوكِ فِي الْحَالِ، إِلَّا أَنَّهُ لَمَّا دَخَلَ الشَّرْطُ عَلَى الْحَزَاءِ تَأَخَّرَ إِلَى وُجُودِ فَيَعْتَقُ إِذَا بَقِيَ عَلَى مِلْكِهِ إِلَى وَقْتِ الدُّخُولِ وَلَا يَتَنَاوَلُ مَنْ اشْتَرَاهُ بَعْدَ الْيَمِينِ.

ترجمہ

جس شخص نے کہا اگر میں گھر میں داخل ہوں تو اس دن میرا ہر غلام آزاد ہے اور اس کا کوئی غلام نہیں ہے پھر اس نے ایک غلام خریدا اور گھر میں داخل ہوا تو وہ غلام آزاد ہوگا کیوں کہ حالف کے قول یومئذ کی تقدیر یوم اذ دخت ہے لیکن اسے فعل کو ساقط کر کے اس کے عوض تنوین کر دیا لہذا بوقت دخول ملکیت کا قیام معتبر ہوگا ایسے ہی اگر قسم کھانے کے دن اس کی ملکیت میں کوئی غلام ہو اور اس کے گھر میں داخل ہونے تک ہو غلام اس کی ملکیت پر برقرار رہے تو وہ بھی آزاد ہو جائے گا اس دلیل کی وجہ جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر حالف نے اپنی قسم میں یومئذ نہ کہا ہو تو (بعد میں خریدا ہو غلام) آزاد نہیں ہوگا کیوں کہ اس کا قول مملوک لیس فی الحال کے لیے اور اس قول کی جزاء یہ ہے کہ جو فی الحال اس کا غلام ہے وہی آزاد ہو لیکن جب شرط جزاء پر داخل ہوئی تو جزاء وجود شرط کے وقت تک مؤخر ہوگئی لہذا بوقت دخول جو غلام اس کی ملکیت میں رہے گا وہی آزاد گا اور جو حالف نے قسم کے بعد خریدا ہے اسے جزاء



شرل نہیں ہوگی۔

### حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی مشروط آزادی کا بیان

حضرت سفینہ کہتے ہیں کہ (ابتداء) میں حضرت ام سلمہ کی ملکیت میں تھا (ایک دن) انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ "میں تمہیں آزاد کرنا چاہتی ہوں، لیکن یہ شرط عائد کرتی ہوں کہ تم جب تک زندہ رہو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے رہو گے" میں نے عرض کیا (کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت تو میرے لئے سعادت و خوش بختی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے) اگر آپ یہ شرط عائد نہ کرتیں تب بھی میں اپنے جیتے جی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہ ہوتا "چنانچہ حضرت ام سلمہ نے مجھے آزاد کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی شرط مجھ پر عائد کر دی۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 583)

حضرت سفینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زود کردہ غلام تھے، لیکن بعض حضرات یہ فرماتے تھے کہ یہ حضرت ام سلمہ کے غلام تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں، پھر حضرت ام سلمہ نے ان کو مذکورہ بالا شرط کے ساتھ آزاد کر دیا تھا سفینہ کا اصل نام مہرنا یا رومان اور یارباح تھا انکی کنیت ابوبکر رحمن یا ابوالخیر تھی، سفینہ ان کا لقب تھا اور اسی نام کے ساتھ زیادہ مشہور تھے، اس لقب کا پس منظر یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرم کی خدمت کیا کرتے تھے جب غزوات میں جاتے تو لوگوں کا سامان اپنی پیٹھ پر لاد کر ادھر ادھر پہنچاتے تھے۔

"سفینہ" کشتی کو کہتے ہیں جس طرح کشتی بر برداری کے کام آتی ہے اس طرح یہ بھی لوگوں کے بوجھ و بھارت تھے، اسی اعتبار سے ان کا لقب "سفینہ" ہو گیا۔ منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سفینہ اسلامی لشکر کے ہمراہ تھے کہ قاندہ سے پھڑمگے اور جنگل میں راستہ بھول گئے، وہ راستہ کی تلاش میں سرگرداں تھے کہ اتنے میں قریب کی جھاڑیوں سے ایک شیر نمودار ہوا اور ان کے سامنے آ گیا، انہوں نے شیر کو دیکھتے ہی کہا کہ ابوالی رث! میں سفینہ ہوں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام ہے! یہ سنتے ہی شیر دم ہلانے لگا اور پھر ان کے آگے ہو گیا اور ان کو منزل مقصود تک پہنچا دیا۔

### مذکر غلام کو آزاد کرنے کی شرط کا بیان

وَمَنْ قَالَ كُلُّ مَمْلُوكٍ لِي ذَكَرٍ فَهُوَ حُرٌّ وَلَهُ جَارِيَةٌ حَامِلٌ فَلَدَتْ ذَكَرًا لَمْ يَغْنَقْ  
وَهَذَا إِذَا وَلَدَتْ لِسْتِةٍ أَشْهَرٍ فَصَاعِدًا ظَاهِرٌ، لِأَنَّ اللَّفْظَ لِلْحَالِ، وَلِی قِيَامِ الْحَمْلِ  
وَقَتِ الْيَمِينِ احْتِمَالُ لَوْجُودِ أَقْلٍ مُدَّةِ الْحَمْلِ بَعْدَهُ، وَكَذَا إِذَا وَلَدَتْ لَأَقْلٍ مِنْ سِتَّةٍ  
أَشْهُرٍ، لِأَنَّ اللَّفْظَ يَتَنَاوَلُ الْمَمْلُوكَ الْمُطْلَقَ، وَالْجَنِينَ مَمْلُوكٌ تَبَعًا لِلْأُمِّ لَا مَقْصُودًا  
، وَلِأَنَّهُ عُضْوٌ مِنْ وَجْهِهِ وَاسْمُ الْمَمْلُوكِ يَتَنَاوَلُ الْأَنْفُسَ دُونَ الْأَعْضَاءِ وَلِهَذَا لَا

يَمْلِكُ بَيْعَهُ مُنْفَرِدًا .

قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ: وَفَائِدَةُ التَّقْيِيدِ بِوَصْفِ الذُّكُورَةِ أَنَّهُ لَوْ قَالَ: كُلُّ مَمْلُوكٍ لِي  
تَدْخُلُ الْحَامِلُ قَبْدَ خُلِّ الْحَمْلُ تَبَعًا لَهَا .

ترجمہ

جس شخص نے کہا کہ میرے مذکر غلام آزاد ہے اور اس کی ایک حاملہ باندی ہے جس نے لڑکا جن تو وہ لڑکا آزاد نہیں ہوگا یہ حکم اس صورت میں جب (کہنے کے وقت سے) چھ ماہ یا اس سے زائد مدت میں باندی نے لڑکا جن ہو تو ظاہر ہے کیوں کہ لفظ فی الحال کے لیے ہے اور بوقت قیام حمل میں شک ہے کیوں کہ اسکے بعد حمل کی اقل مدت موجود ہے اور ایسے ہی جب چھ ماہ سے کم میں باندی نے بچہ جننا ہو کیوں کہ لفظ مطلق مملوک کو شامل ہے اور جنس ماں کے تابع ہو کر مملوک ہے اور بہ ذات خود مملوک نہیں ہے اور اس لیے بھی کہ جنس من وجہ عضو نہیں ہے اور لفظ مملوک نفوس کو شامل ہوتا ہے نہ کہ اعضاء کو اسی لیے آقا صرف حمل کو فروخت کرنے کا مالک نہیں ہے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ (غلام کو) وصف ذکرورت کے ساتھ مقید کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ اگر نصف کل مملوک لی کہتا تو اس میں حاملہ باندی داخل ہو جاتی اور حاملہ باندی کے تابع ہو کر حمل بھی داخل ہو جاتا۔

### مشروط قسم میں عدم قید کی بناء پر حکم کی معدومیت کا بیان

صاحب ہدایہ نے مذکورہ عبارت میں یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ جب مالک نے قسم مذکر غلام کی اٹھائی جبکہ حاملہ باندی کا حمل اس قسم کے احاطے میں شمار نہ ہوگا اور اس کی دلیل یہ بیان کی ہے۔ کہ قسم میں مذکورہ قید ذکرورت ایک نفس یعنی جان جو وصف مذکر کے ساتھ خاص ہو مراد ہے جبکہ حاملہ کے حمل پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ جنس ماں کے تابع ہونے کے سبب حکم حریت سے خارج ہو گیا۔ (رضوی غفری عنہ)

### مالک کا مملوک کی ملکیت کے ساتھ آزادی مقید کرنے کا بیان

(وَإِنْ قَالَ كُلُّ مَمْلُوكٍ أَمْلِكُهُ حُرٌّ بَعْدَ غَدٍ، أَوْ قَالَ: كُلُّ مَمْلُوكٍ لِي فَهُوَ حُرٌّ بَعْدَ  
غَدٍ وَلَهُ مَمْلُوكٌ فَاشْتَرَى آخَرَ ثُمَّ جَاءَ بَعْدَ غَدٍ عَتَقَ الَّذِي فِي مِلْكِهِ يَوْمَ حَلَفَ) لِأَنَّ  
قَوْلَهُ أَمْلِكُهُ لِلْحَالِ حَقِيقَةٌ يُقَالُ: أَنَا أَمْلِكُ كَذَا وَكَذَا وَيُرَادُ بِهِ الْحَالُ، وَكَذَا  
يُسْتَعْمَلُ لَهُ مِنْ غَيْرِ قَرِينَةٍ وَالْإِسْتِقْبَالُ بِقَرِينَةِ السَّيْنِ أَوْ سَوْفَ فَيَكُونُ مُطْلَقَهُ لِلْحَالِ  
فَكَانَ الْجَزَاءُ حُرِّيَّةَ الْمَمْلُوكِ فِي الْحَالِ مُضَافًا إِلَى مَا بَعْدَ الْغَدِ فَلَا يَتَنَاوَلُ مَا يَشْتَرِيهِ  
بَعْدَ الْيَمِينِ .

ترجمہ

اور اگر حالف نے کہا ہر وہ مملوک جس کا میں مالک ہوں وہ کل کے بعد آزاد ہے یا یوں کہا میرا ہر مملوک کل کے بعد آزاد ہے اور اس کا ایک مملوک ہے پھر اس نے دوسرا خرید اور غد کے بعد وراثت آیا تو وہی غلام آزاد ہوگا جو قسم کھانے کے دن اس کی ملکیت میں ہوگا، کیوں کہ حالف کا قول الملک در حقیقت فی الحال موجود مملوک کی لئے ہے۔ کہ جاتا ہے کہ میں اتنے اور اتنے کا مالک ہوں اور اس فی ایں جو مملوک چیزیں ہوتی ہیں وہی مراد ہوتی ہیں اور الملک بغیر قرینہ کے حال کیسے مستعمل ہے اور سین یا سوف کے قرینہ سے استقبال کیلئے استعمال ہوتا ہے، اس لئے مطلق ملک حال کیسے ہوگا ہذا جزاء جو فی الحال مملوک ہے اسکی آزادی ہوگی جو ما بعد الغد کی طرف مضاف ہوگی اور حالف نے جسے یحییٰ کے بعد خریدا ہے اسے جزاء شامل نہیں ہوگی۔

شرح

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب آقا نے آزادی کو کسی شرط پر معلق کیا مثلاً اگر تو فلاں کام کرے تو آزاد ہے اور وہ شرط پائی گئی تو غلام آزاد ہے جبکہ شرط پائی جانے کے وقت اسکی ملک میں ہو اور اگر ایسی شرط پر معلق کیا جو فی الحال موجود ہے مثلاً اگر میں تیرا مالک ہو جاؤں تو آزاد ہے تو فوراً آزاد ہو جائے گا۔ لونڈی حامد تھی اسے آزاد کیا تو اس کے شکم میں جو بچہ ہے وہ بھی آزاد ہے اور اگر صرف پیٹ کے بچہ کو آزاد کیا تو وہی آزاد ہوگا لونڈی آزاد نہ ہوگی، مگر جب تک بچہ پیدا نہ ہو لے لونڈی کو بیچ نہیں سکتا۔ (در مختار، کتاب عتق، ج ۵، ص ۳۰۰، بیروت)

## بَابُ الْعِتْقِ عَلَى جُعْلٍ

﴿یہ باب مال کے بدلے آزاد کرنے کے بیان میں ہے﴾

باب جعل عتق کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ باب عتق کے ابواب میں سے ہے اور اس کو عتق کے ابواب میں اسی طرح مؤخر ذکر کیا ہے جس طرح طلاق سے خلع کو مؤخر ذکر کیا ہے۔ کیونکہ ان دونوں ابواب اسقاط مال سے ہے جو اصل نہیں ہے کیونکہ اصل عدم مال سے اسقاط ہے جو کہ یہاں معدوم ہے۔ لہذا اس کو اس کی اصل سے مؤخر ذکر کیا ہے۔ صحیح میں ہے کہ جعل کو جیم کے ضمہ اور اسی طرح جیم کی کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ جس طرح کہا جاتا ہے "وَالْجُعْلُ مَا يُجْعَلُ لِلنَّاسِ عَلَى شَيْءٍ يَفْعَلُهُ"۔ اور ایک غریب حدیث میں ہے۔ جو تھیں سے اور فارابی کے دیوان ادب میں اس کو فتح کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔ پس اس میں دونوں طرح جائز ہے۔ (فتح القدیر، ص ۱۰، ص ۲۵۰، بیروت)

غلام کو مال کے بدلے میں آزاد کرنے کا بیان

وَمَنْ أَعْتَقَ عَبْدَهُ عَلَى مَالٍ فَقَبِلَ الْعَبْدُ عَتَقَ ، وَذَلِكَ مِثْلُ أَنْ يَقُولَ أَنْتَ حُرٌّ عَلَى أَلْفٍ دِرْهَمٍ أَوْ بِأَلْفٍ دِرْهَمٍ وَإِنَّمَا يُعْتَقُ بِقَبُولِهِ ؛ لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةُ الْمَالِ بِغَيْرِ الْمَالِ إِذَا الْعَبْدُ لَا يَمْلِكُ نَفْسَهُ وَمِنْ قَضِيَّةِ الْمُعَاوَضَةِ ثُبُوتُ الْحُكْمِ بِقَبُولِ الْعَوَضِ لِلْحَالِ كَمَا فِي الْبَيْعِ ، فَإِذَا قَبِلَ صَارَ حُرًّا ، وَمَا شَرَطَ دَيْنٌ عَلَيْهِ حَتَّى تَصِحَّ الْكِفَالَةُ بِهِ ، بِخِلَافِ بَدَلِ الْكِتَابَةِ ؛ لِأَنَّهُ نُسْتُ مَعَ الْمُنَافِي وَهُوَ قِيَامُ الرِّقِّ عَلَى مَا عُرِفَ ، وَإِطْلَاقُ لَفْظِ الْمَالِ يَنْتَظِمُ أَسْوَأَهُ مِنَ النَّقْدِ وَالْعَرَضِ وَالْحَيَوَانِ ، وَإِنْ كَانَ بِغَيْرِ عَيْنِهِ ؛ لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةُ الْمَالِ بِغَيْرِ الْمَالِ فَشَابَةِ النِّكَاحِ وَالطَّلَاقِ وَالصُّلْحِ عَنْ دَمِ الْعَمِدِ ، وَكَذَا الطَّعَامِ وَالْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ إِذَا كَانَ مَعْلُومَ الْجِنْسِ ، وَلَا تَضُرُّهُ جَهَالَةُ الْوَصْفِ ؛ لِأَنَّهُ يَسِيرَةٌ .

ترجمہ

اور جس شخص نے مال کے بدلے غلام کو آزاد کیا اور غلام نے اس کو قبول کر لیا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ اور یہ مثال اسی طرح ہے جس طرح کوئی شخص یہ کہے کہ تم ایک ہزار درہم یا ایک ہزار درہم کے بدلے میں آزاد ہو تو غلام اس کو قبول کرنے کے بعد ہی آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ مال کا بدلہ بغیر مال ہے کیونکہ غلام اپنی ذات کا، مک نہیں ہوا کرتا جبکہ معاوضہ کا تقاضہ یہ ہے کہ عوض قبول کرتے ہی

کی حالت میں حکم ثابت ہو جائے گا جس طرح بیع میں ہوتا ہے پس جب غلام نے بدلہ قبول کر لیا تو وہ آزاد ہو جائے گا اور شرط والا مال غلام پر قرض ہو گا حتیٰ کہ اس کا کفہ صحیح ہو جائے۔ جبکہ بدلہ کتب میں ایسا نہیں ہے کیونکہ منافی کے ہونے کے باوجود وہ ثابت ہو جاتا ہے۔ جس طرح اس کا حکم ہو چکا ہے۔ اور وہ آزادی کے منافی کا پایا جاتا ہے جبکہ لفظ مال کا اطلاق مال کی تمام اقسام کو شامل ہے جس طرح نقدی، سامان اور حیوان ہیں۔ خواہ وہ معین نہ ہو۔ کیونکہ یہ مال کا بدلہ بغیر مال ہے پس یہ نکاح، طلاق اور قتل عمد میں صلح کے مشابہ ہو گیا ہے اور لفظ مال غنہ، ناپ تول والی اشیاء کو بھی شامل ہے۔ جبکہ ان میں شرط یہ ہے کہ ان کی جنس معلوم ہو جائے۔ اور وصف کی جہالت کی عدم مضطر ہونا اس کے قلیل ہونے کے سبب سے ہے۔

شرح

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عین کی اس دین کے بدلے میں بیع ہے جو بائع پر ہے تو اس کی رضامندی سے جائز ہے حالانکہ وہ جان چکا ہے کہ یہ صرف اور سلم نہیں ہے، درمختار میں کہا گیا کہ اگر کسی نے درہموں کے بدلے یا ایک بوری گندم کے بدلے اونٹ بیچا تو ان دونوں کے بدلے کوئی اور شے بھی لے سکتا ہے اور یہی حکم ہے قبضہ سے پہلے دین کا، جیسے مہر، اجرت، ضائع شدہ شے، کا تاون، ضلع کا بدلہ، مال کے بدلے آزاد کرنا، مال مورث اور وہ مال جس کی وصیت کی گئی ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ تمام غنوں و درہموں میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز ہے (یعنی) سوائے صرف اور سلم کے کہ ان میں خلاف جنس ثمن لینا ناجائز ہے بسبب فوت ہونے اس کی شرط کے ہاں یہ ضرور ہے کہ جس مجلس میں ان کے عوض روپیہ دینا ٹھہرے اسی مجلس میں تمام و کمال روپیہ ادا کر دیا جائے ورنہ یہ معاوضہ یعنی پیسوں یا نوٹوں کے بدلے جو روپیہ دینا قرار پایا ہے ناجائز ہو جائیگا۔ (درمختار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی البیع مطبع محبتانی دہلی)

معنی آزادی میں غلام کے ماذون ہونے کا بیان

قَالَ ( وَلَوْ عَلَّقَ عِتْقَهُ بِأَدَاءِ الْمَالِ صَحَّ وَصَارَ مَأْذُونًا ) وَذَلِكَ مِثْلُ أَنْ يَقُولَ إِنْ أَدَيْتَ إِلَيَّ أَلْفَ دِرْهَمٍ فَانْتِ حُرٌّ ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ صَحَّ أَنَّهُ يُعْتَقُ عِنْدَ الْأَدَاءِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَصِيرَ مُكَاتَبًا ، لِأَنَّهُ صَرِيحٌ فِي تَعْلِيلِ الْعِتْقِ بِالْأَدَاءِ وَإِنْ كَانَ فِيهِ مَعْنَى الْمُعَاوَضَةِ فِي الْإِنْتِهَاءِ عَلَى مَا نَبَّيْنُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .

وَإِنَّمَا صَارَ مَأْذُونًا ، لِأَنَّهُ رَغَبُهُ فِي الْاِكْتِسَابِ بِطَلَبِهِ الْأَدَاءَ مِنْهُ ، وَمُرَادُهُ التَّجَارَةُ دُونَ التَّكْدِي فَكَانَ إِذْنًا لَهُ دَلَالَةٌ .

ترجمہ

فرمایا اور جب کسی مالک نے آزادی کو مال کی ادائیگی کے ساتھ معلق کیا تو یہ اعتاق صحیح ہوگا اور وہ غلام ماذون ہو جائے گا اور یہ

اسی کی مثل ہے جس طرح کوئی شخص کہے اگر تو نے مجھے ایک ہزار درہم ادا کیے تو وہ آزاد ہے۔ اس کے قول کا حکم یہ ہے کہ بغیر کسی مکاتبت کے ادائیگی کے وقت اس کی آزادی صحیح ہو جائے گی۔ کیونکہ اس میں آزادی کی صراحت ادائیگی کے ساتھ معلق ہونے میں واضح ہے۔ اگرچہ انتہائی اعتبار سے اس میں معاوضہ کا معنی پایا گیا جارہا ہے جس کو ہم ان شاء اللہ تعالیٰ بین کریں گے۔

شرح

وَلَيْسَتْغَفِيفَ الَّذِينَ لَا يَحْدُونَ نِكَاحًا حَتَّى يُعِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَالَّذِينَ يَبْتَعُونَ الْكُتُبَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۚ وَأَتَوْهُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي آتَيْكُمْ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لَتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَوةِ الدُّنْيَا وَمَنْ يُكْرِهْنَهُنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَحِيمٌ . (النور، ۳۳)

اور چاہئے کہ بچے رہیں وہ جو نکاح کا مقدر نہیں رکھتے۔ یہاں تک کہ امانت انہیں مقدور و نا کردے اپنے فضل سے اور تمہارے ہاتھ کی ہلک باندی غلاموں میں سے جو یہ چاہیں کہ کچھ مال کمانے کی شرط پر انہیں آزادی لکھ دو تو لکھ دو۔ اگر ان میں بچہ بھلائی جائے تو۔ اور اس پر ان کی مدد کرو اللہ کے مال سے جو تم کو دیا۔ اور مجبور نہ کرو اپنی کینروں کو بدکاری پر جب کہ وہ بچنا چاہیں تاکہ تم انہیں زندگی کا کچھ مال نہ چاہو۔ اور جو انہیں مجبور کرے گا تو بیشک اللہ بعد اس کے کہ وہ مجبوری کی حالت پر ہیں بخشنے والا مہربان ہے۔ (کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن)

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ وہ اس قدر مال ادا کر کے آزاد ہو جائیں اور اس طرح کی آزادی کو کتابت کہتے ہیں اور آیت میں اس کا امر انتخاب کے لئے ہے اور یہ انتخاب اس شرط کے ساتھ مشروط ہے جو اس کے بعد ہی آیت میں مذکور ہے۔

شرح نزول: حویطب بن عبدالعزیٰ کے غلام صبیح نے اپنے مولیٰ سے کتابت کی درخواست کی، مولیٰ نے انکار کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی تو حویطب نے اس کو سودینار پر مکاتب کر دیا اور ان میں سے بیس اس کو بخش دئے باقی اس نے ادا کر دیئے۔ بھلائی سے مراد امانت و دیانت اور کئی پر قدرت رکھنا ہے کہ وہ حلال روزی سے مال حاصل کر کے آزاد ہو سکے اور مولیٰ کو مال دے کر آزادی حاصل کرنے کے لئے بھیک نہ مانگے پھر اسی سے حضرت سہمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلام کو مکاتب کرنے سے انکار فرما دیا جو سوائے بھیک کے کوئی ذریعہ کسب کا نہ رکھتا تھا۔

مسلمانوں کو ارشاد ہے کہ وہ مکاتب غلاموں کو زکوٰۃ وغیرہ دے کر مدد کریں جس سے وہ بدلہ کتابت دے کر اپنی گردن چھڑ سکیں اور آزاد ہو سکیں۔ (خزان العرفان، نور ۳۳)

حافظ ابن کثیر دمشقی شافعی لکھتے ہیں۔

جو غلاموں کے مالک ہیں کہ اگر ان کے غلام ان سے اپنی آزادی کی بابت کوئی تحریر کرنی چاہیں تو وہ انکار نہ کریں۔ غلام اپنی کمائی سے وہ مال جمع کر کے اپنے آقا کو دے دے گا اور آزاد ہو جائے گا۔ اکثر علماء فرماتے ہیں یہ حکم ضروری نہیں فرض و واجب نہیں بلکہ بطور استحباب کے اور خیر خواہی کے ہے۔ آقا کا اختیار ہے کہ غلام جب کوئی ہنر جانتا ہو اور وہ کہے کہ مجھ سے اسی قدر روپیہ لے لو اور مجھے آزاد کر دو تو اسے اختیار ہے خواہ اس قسم کا غلام اس سے اپنی آزادی کی بابت تحریر چاہے وہ اس کی بات کو قبول کر لے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام سیرین نے جو مالدار تھا ان سے درخواست کی کہ مجھ سے میری آزادی کی کتابت کر لو۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کر دیا، دربار فاروقی میں مقدمہ گیا، آپ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا اور ان کے نہ ماننے پر کوڑے لگوائے اور یہی آیت تلاوت فرمائی یہاں تک کہ انہوں نے تحریر لکھوا دی۔ (بخاری)

عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں قول مروی ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہی تھا لیکن نیا قول یہ ہے کہ واجب نہیں۔ کیونکہ حدیث میں ہے مسلمان کا مال بغیر اس کی دلی خوشی کے حلال نہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ واجب نہیں۔ میں نے نہیں سنا کہ کسی ام نے کسی آقا کو مجبور کیا ہو کہ وہ اپنے غلام کی آزادی کی تحریر کر دے، اللہ کا یہ حکم بطور اجازت کے ہے نہ کہ بطور وجوب کے۔

یہی قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا ہے۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مختار قول وجوب کا ہے۔ خیر سے مراد مانت داری، سچی، مال اور مال کے حاصل کرنے پر قدرت وغیرہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر تم اپنے غلاموں میں جو تم سے مکاتب کرنا چاہیں، مال کے کمانے کی صلاحیت دیکھو تو ان کی اس خواہش کو پوری کرو ورنہ نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ لوگوں پر اپنا بوجھ ڈالیں گے یعنی ان سے سوال کریں گے ورنہ پوری کرنا چاہیں گے اس کے بعد فرمایا ہے کہ انہیں اپنے مال میں سے کچھ دو۔ جتنی جو تم ٹھیک چکی ہے، اس میں سے کچھ معاف کر دو۔ چوتھائی یا تہائی یا آدھایا کچھ حصہ۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ مال زکوٰۃ سے ان کی مدد کرو آقا بھی اور دوسرے مسلمان بھی اسے مال زکوٰۃ دیں تاکہ وہ مقرر رقم پوری کر کے آزاد ہو جائے۔

(تفسیر ابن کثیر، نور ۳۳)

حاکم کا مالک کو مال لینے پر مجبور کرنے کا بیان

(وَإِنْ أَحْضَرَ الْمَالُ أَجْبَرَهُ الْحَاكِمُ عَلَى قَبْضِهِ وَعَقْدِ الْعَبْدِ) وَمَعْنَى الْإِجْبَارِ فِيهِ وَفِي سَائِرِ الْحَقُوقِ أَنَّهُ يُنْزَلُ قَابِضًا بِالتَّخْلِيَةِ.

وَقَالَ زُفَرٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يُجْبَرُ عَلَى الْقَبُولِ وَهُوَ الْقِيَاسُ؛ لِأَنَّهُ تَصَرُّفٌ يَمِينٍ إِذْ هُوَ تَعْلِيلُ الْعَقْدِ بِالشَّرْطِ لَفْظًا، وَلِهَذَا لَا يَتَوَقَّفُ عَلَى قَبُولِ الْعَبْدِ وَلَا يَحْتَمِلُ الْقُسْخَ وَلَا

جَبَرَ عَلَى مُبَاشَرَةِ شُرُوطِ الْإِيمَانِ؛ لِأَنَّهُ لَا اسْتِحْقَاقَ قَبْلَ وُجُودِ الشَّرْطِ، بِخِلَافِ الْكِتَابَةِ؛ لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةٌ وَابْتَدَاءٌ فِيهَا وَاجِبٌ.

وَلَمَّا أَنَّهُ تَعْلِيلٌ نَظَرًا إِلَى اللَّفْظِ وَمُعَاوَضَةٌ نَظَرًا إِلَى الْمَقْصُودِ؛ لِأَنَّهُ مَا عُلِقَ عَقْدُهُ بِالْأَدَاءِ إِلَّا لِيَحْتَمِلَ عَلَى دَفْعِ الْمَالِ فَيُنَالَ الْعَبْدُ شَرَفَ الْحُرِّيَّةِ وَالْمَوْلَى الْمَالَ بِمُقَابَلَتِهِ بِمَنْزِلَةِ الْكِتَابَةِ، وَلِهَذَا كَانَ عَوَضًا فِي الطَّلَاقِ فِي مِثْلِ هَذَا اللَّفْظِ حَتَّى كَانَ بَيْنًا فَحَقَعْنَاهُ تَعْلِيلًا فِي الْإِنْدَاءِ عَمَلًا بِاللَّفْظِ وَدَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنِ الْمَوْلَى حَتَّى لَا يَمْتَنِعَ عَلَيْهِ بَيْعُهُ، وَلَا يَكُونُ الْعَبْدُ أَحَقَّ بِمُكَاسَبِهِ وَلَا يَسْرَى إِلَى الْوَلَدِ الْمَوْلُودِ قَبْلَ الْأَدَاءِ، وَجَعَلْنَاهُ مُعَاوَضَةً فِي الْإِنْتِهَاءِ عِنْدَ الْأَدَاءِ دَفْعًا لِلغُرُورِ عَنِ الْعَبْدِ حَتَّى يُجَبَرَ الْمَوْلَى عَلَى الْقَبُولِ، فَعَلَى هَذَا يَدُورُ الْفَقْهُ وَتَخْرُجُ الْمَسَائِلُ نَظِيرُهُ الْهَبَةُ بِشَرْطِ الْبُعُوضِ.

وَلَوْ أَدَّى الْبَعْضُ يُجَبَرُ عَلَى الْقَبُولِ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَتَعَقَّبُ مَا لَمْ يُوَدَّ الْكُلُّ لِعَدَمِ الشَّرْطِ كَمَا إِذَا حَطَّ الْبَعْضُ وَأَدَّى الْبَاقِيَ.

ثُمَّ لَوْ أَدَّى الْفُلَا اِكْتَسَبَهَا قَبْلَ التَّعْلِيلِ رَجَعَ الْمَوْلَى عَلَيْهِ وَعَقْدُهُ لَا اسْتِحْقَاقَهَا، وَلَوْ كَانَ اِكْتَسَبَهَا بَعْدَهُ لَمْ يَرْجَعْ عَلَيْهِ؛ لِأَنَّهُ مَأْذُونٌ مِنْ جِهَتِهِ بِالْأَدَاءِ مِنْهُ، ثُمَّ الْأَدَاءُ فِي قَوْلِهِ إِنْ أَذْنِتْ يَقْتَصِرُ عَلَى الْمَجْلِسِ؛ لِأَنَّهُ تَخْيِيرٌ، وَفِي قَوْلِهِ إِذَا أَذْنِتْ لَا يَقْتَصِرُ؛ لِأَنَّ إِذَا تُسْتَعْمَلُ لِلْوَقْتِ بِمَنْزِلَةِ مَتَى.

ترجمہ

اور جب کسی شخص کا غلام مال لایا تو حاکم اس غلام کے مالک کو مال لیکر آزاد کرنے مجبور کرے گا اور وہ آزاد ہو جائے گا۔ اس حکم اور تمام اجباری احکام کا معنی یہ ہے کہ تخلیہ کی صورت میں آقا مال لینے والا شمار ہوگا۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مالک پر مال لینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ قسم کا تصرف ہے اور قیاس کا تقاضا بھی اسی طرح ہے کیونکہ لفظ حق کے ساتھ شرط محقق ہے۔ یہ بھی دلیل ہے کہ تصرف غلام کے موقوف کرنے پر نہیں ہوتا۔ ورنہ صرف زنی قسم ہونے کا احتمال رکھنے والا ہے۔ اور قسم کی شرائط کو انجام دینے کیسے جبر نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ وجود شرط سے پہلے قسم کا حق ثابت ہی نہیں ہوتا۔ جبکہ عقد کتابت میں ایسا نہیں ہوتا کیونکہ عقد کتابت بدلہ ہے اور اس میں معاوضہ واجب ہوتا ہے۔

ہمارے دوسرے ائمہ احناف کی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ لفظ کے اعتبار سے یہ تعلیق ہے لیکن مقصود کے اعتبار سے معاوضہ ہے۔

کیونکہ مالک نے غلام کو مال کی ادائیگی کے ساتھ آزادی پر معلق کیا ہے تاکہ وہ اس کو مال دینے پر ابھارے۔ پس غلام آزادی سے شرف و بچے گا۔ ورنہ اس کے مدے میں مالک مال پانے والا ہوگا جس طرح عقد کتابت میں ہوا کرتا ہے۔

در یہ بھی دلیل ہے کہ اسی طرح کا لفظ طلاق میں معوضہ بنتا ہے۔ یہاں تک وہ طلاق بائنہ واقع ہو جاتی ہے۔ پس ہم نے مالک کے قول کو ابتداء میں تعقیق قرار دیا ہے تاکہ اس غلط فہمی پر عمل ہو جائے۔ اور مالک سے نقصان دور ہو جائے۔ حتیٰ کہ مالک کا اس غلام کو بیچنا منع نہیں ہے اور یہ غلام اپنی مالی میں خود اختیار و جی نہیں ہے اور ماں ادا کرنے سے قبل پیدا ہونے والی اولاد میں آزادی سرایت کرنے والی نہیں ہے۔

اور انتہائی اعتبار سے ماں کے وقت غلام سے نقصان دور کرنے کیلئے ہم نے اس کو معوضہ قرار دیا ہے۔ لہذا مالک کو مال لینے پر مجبور کیا جائے گا اور اسی پر عقد (اصول) کا دار و مدار رہے اور اس اصول سے بہت سے مسائل کی تخریج ہوتی ہے۔ اور کی مثال عوض کی شرط کے ساتھ والا ہے۔

در جب غلام کچھ مال ادا کیا تو تب بھی مالک کو لینے پر مجبور کیا جائے گا۔ لیکن جب تک غلام مکمل مال ادا نہیں کرتا اس وقت تک وہ آزاد نہ ہوگا کیونکہ شرط ختم ہو چکی ہے۔ جس طرح مالک اس میں سے کچھ کم کر دے اور غلام بھی بقیہ ادا کرے تو بھی آزاد نہ ہوگا اور غلام نے تعلیق سے پہلے کمائے ہوئے ایک ہزار درہم ادا کیے تو مالک دوبارہ اس سے اتنی رقم لے گا اور غلام آزاد ہو جائے گا کیونکہ مالک ان درہم کا حقدار تھا۔ ورنہ غلام نے وہ درہم تعقیق کے بعد کمائے تھے تو اس صورت میں مالک اس سے دوبارہ نہیں لے گا کیونکہ مالک کی جانب سے شرط گانے پر غلام مالک کی طرف سے ماذون ہو جائے گا اور اس کے بعد مالک کا قول "إِنْ أَذْنَيْتَ" میں ادا کرنے انھیں مجلس تک رہے گا کیونکہ یہ اختیار ہے اور "افا ذایت" کہنے کی حالت میں ادا کرنا مجلس پر موقوف نہ ہوگا کیونکہ "اذا متى" کی طرح اس کا استعمال وقت کیلئے ہوتا ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی سفیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ لونڈی غلام نے اگر خود نکاح کر لیا یا ان کا نکاح کسی اور نے کر دیا تو یہ نکاح مولیٰ کی اجازت پر موقوف ہے جائز کر دے گا نافذ ہو جائے گا، رد کر دے گا باطل ہو جائے گا، پھر اگر وطی بھی ہو چکی اور مولیٰ نے رد کر دیا تو جب تک آزاد نہ ہو لونڈی اپنا مہر طلب نہیں کر سکتی، نہ غلام سے مطالبہ ہو سکتا ہے اور اگر وطی نہ ہوئی جب تو مہر واجب ہی نہ ہو۔ یہاں مولیٰ سے مراد وہ ہے جسے اس کے نکاح کی ولایت حاصل ہو، مثلاً مالک نابالغ ہو تو اس کا باپ یا دادا یا قاضی یا وصی و لونڈی، غلام سے مراد عام ہیں، مدتر، مکاتب، ماذون، ام ولد یا وہ جس کا کچھ حصہ آزاد ہو چکا سب کو شامل ہے۔ مکاتب اپنی وندی کا نکاح اپنے اذن سے کر سکتا ہے اور اپنا یا اپنے غلام کا نہیں کر سکتا اور ماذون غلام، لونڈی کا بھی نہیں کر سکتا۔ مولیٰ کی اجازت سے غلام نے نکاح کیا تو مہر و نفقہ خود غلام پر واجب ہے، مولیٰ پر نہیں اور مرگیا تو مہر و نفقہ دونوں ساقط اور غلام خالص مہر و نفقہ کے سبب بیچ ڈال جائے گا اور مدبر مکاتب نہ بیچے جائیں بلکہ انھیں حکم دیا جائے کہ کدوا کر دے۔ ہاں مکاتب اگر بدل کتابت سے

عاجز ہو تو اب مکاتب نہ رہے گا اور مہر و نفقہ میں بیچا جائے گا اور غلام کی بیع اس کا مولیٰ کرے، اگر وہ انکار کرے تو اس کے سامنے قاضی بیع کر دے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن داموں کو فروخت ہو رہا ہے، مولیٰ اپنے پاس سے اتنے دام دیدے اور فروخت نہ ہونے دے۔ (رہنما، کتاب نکاح غلام)

غلام کی آزادی کو موت کے بعد ایک ہزار سے معلق کرنے کا بیان

(وَمَنْ قَالَ لِعَبْدِهِ: أَنْتَ حُرٌّ بَعْدَ مَوْتِي عَلَى أَلْفٍ دِرْهَمٍ فَلَقَبُولُ بَعْدَ الْمَوْتِ) لِإِضَافَةِ الْإِيجَابِ إِلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ فَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ أَنْتَ حُرٌّ عَدَا بِأَلْفٍ دِرْهَمٍ، بِحَلَالٍ مَا إِذَا قَالَ أَنْتَ مُدَبَّرٌ عَلَى أَلْفٍ دِرْهَمٍ حَيْثُ يَكُونُ الْقَبُولُ إِلَيْهِ فِي الْحَالِ، لِأَنَّ إِيْجَابَ التَّدْبِيرِ فِي الْحَالِ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَجِبُ الْمَالُ لِقِيَامِ الرِّقِّ. قَالُوا: لَا يُعْتَقُ عَلَيْهِ فِي مَسْأَلَةِ الْكِتَابِ، وَإِنْ قِيلَ بَعْدَ الْمَوْتِ مَا لَمْ يُعْتَقَهُ الْوَارِثُ، لِأَنَّ الْمَمِيتَ لَيْسَ بِأَهْلٍ لِلْإِعْتِقَاقِ، وَهَذَا صَحِيحٌ.

ترجمہ

اور جب کسی مالک نے اپنے غلام سے کہا کہ تم میرے مرنے کے بعد ایک ہزار درہم ادا کر کے آزاد ہو تو غلام کا اس کے قول کو قبول کرنا موت کے بعد ہوگا کیونکہ آزادی کا ایجاب موت کے بعد کی طرف مضاف ہے اور یہ اسی طرح ہو گیا جس طرح کسی مالک نے کہا کہ تم ایک ہزار درہم کے بدلے کل آزاد ہو۔

جبکہ مالک کے اس قول میں ایسا نہیں ہے کہ جب مالک نے کہا "أَنْتَ مُدَبَّرٌ عَلَى أَلْفٍ دِرْهَمٍ" تو غلام کو اسی وقت قبول کرنا ہوگا کیونکہ اس میں اس حال میں مدبر ہونے کا ایجاب ہو چکا ہے۔ مگر مال واجب نہ ہوگا کیونکہ غلامی موجود ہے۔

مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ جامع صغیر کے مطابق جب تک درثناء آزاد نہ کریں غلام آزاد نہ ہوگا خواہ وہ مالک کی موت کے بعد آزادی کا ایجاب قبول کرے کیونکہ میت میں اعتاق کی اہلیت نہیں ہے اور صحیح بھی یہی ہے۔

شرح

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مدبر مقید کا مولیٰ مراد اسی وصف پر موت واقع ہوئی مثلاً جس مرض یا وقت میں مرنے پر اس کا آزاد ہونا کہا تھا وہی ہوا تو تہائی مال سے آزاد ہو جائیگا ورنہ نہیں۔ اور ایسے مدبر کو بیع و ہبہ و صدقہ وغیرہا کر سکتے ہیں۔ مولیٰ نے کہا تو میرے مرنے سے ایک مہینہ پہلے آزاد ہے اور اس کہنے کے بعد ایک مہینہ کے اندر مولیٰ مر گیا تو آزاد نہ ہوا، ورنہ اگر ایک مہینہ یا زائد پر مرنا تو غلام پورا آزاد ہو گیا اگرچہ مولیٰ کے پاس اس کے علاوہ کچھ مال نہ ہو۔ مولیٰ نے کہا تو میرے مرنے کے ایک دن بعد آزاد ہے تو مدبر نہ ہوا، لہذا آزاد بھی نہ ہوگا۔ مدبر کے بچے پیدا ہوا تو یہ بھی مدبر ہے، جبکہ وہ مدبر مطلق ہو اور اگر مقید ہو

نہیں۔ (در مختار کتاب عتاق)

آزادی کو خدمت کے ساتھ معلق کرنے کا بیان

قَالَ: (وَمَنْ أَعْتَقَ عَبْدَهُ عَلَى خِدْمَتِهِ أَرْبَعَ سِنِينَ فَقَبِلَ الْعَبْدُ فَعَتَقَ ثُمَّ مَاتَ مِنْ سَاعَتِهِ فَعَلَيْهِ قِيمَةُ نَفْسِهِ فِي مَالِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ: عَلَيْهِ قِيمَةُ خِدْمَتِهِ أَرْبَعَ سِنِينَ) أَمَّا الْعِتْقُ فَلِأَنَّهُ جَعَلَ الْخِدْمَةَ فِي مُدَّةٍ مَعْلُومَةٍ عَوَضًا فَيَتَعَلَّقُ الْعِتْقُ بِالْقَبُولِ، وَقَدْ وَجِدَ وَلَزِمَهُ خِدْمَةُ أَرْبَعَ سِنِينَ؛ لِأَنَّهُ يَصْلُحُ عَوَضًا فَصَارَ كَمَا إِذَا أَعْتَقَهُ عَلَى أَلْفٍ دِرْهَمٍ، ثُمَّ إِذَا مَاتَ الْعَبْدُ فَالْخِلَافَةُ لِيهِ بِنَاءً عَلَى خِلَافَةِ أُخْرَى، وَهِيَ أَنَّ مَنْ بَاعَ نَفْسَ الْعَبْدِ مِنْهُ بِجَارِيَةٍ بَعْنَهَا ثُمَّ اسْتُحِقَّتِ الْجَارِيَةُ أَوْ هَلَكَتْ يَرْجِعُ الْمَوْلَى عَلَى الْعَبْدِ بِقِيمَةِ نَفْسِهِ عِنْدَهُمَا وَبِقِيمَةِ الْجَارِيَةِ عِنْدَهُ وَهِيَ مَعْرُوفَةٌ.

وَوَجْهُ النَّعْيِ أَنَّهُ كَمَا يَتَعَذَّرُ تَسْلِيمُ الْجَارِيَةِ بِالْهَلَاكِ وَالْإِسْتِحْقَاقِ يَتَعَذَّرُ الْوُصُولُ إِلَى الْخِدْمَةِ بِمَوْتِ الْعَبْدِ، وَكَذَا بِمَوْتِ الْمَوْلَى فَصَارَ نَظِيرَهَا.

ترجمہ

فرمایا اور جس شخص نے اپنے غلام کو اس شرط پر آزاد کیا کہ وہ چار سال اس کی خدمت کرے گا اور غلام نے اس کو قبول کر لیا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ اس کے بعد وہ غلام اسی وقت فوت ہو گیا تو امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف علیہما الرحمہ کے نزدیک غلام کے مال میں اس کی جان کی قیمت واجب ہوگی۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ چار سال خدمت کی قیمت واجب ہوگی۔ البتہ آزاد ہونا اس سبب سے ہے کہ وہ ایک تعین کردہ مدت تک خدمت کرنے کا بدلہ ہے۔ لہذا آزادی قبول کرنے پر معلق ہو جائے گی اور غلام کا قبول کرنا پایا جا رہا ہے پس غلام پر چار سالہ خدمت واجب ہوگئی۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ خدمت میں چلا، بننے کی صلاحیت ہے اور یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح مالک نے ایک ہزار درہم کے بدلے غلام کو آزاد کر دیا ہو۔ اور اس کے بعد غلام فوت ہو جائے تو اس مسئلہ کا اختلاف دوسرے اختلاف پر مبنی ہے۔ اور وہ مسئلہ یہ ہے۔

ایک مالک نے اپنے غلام سے ایک متعین باندی کے بدلے میں اسی غلام کی جان کو بیچا پھر وہ مستحق نکل گئی یا ہلاک ہوگئی تو شیخین کے نزدیک مالک غلام کی جان کی قیمت واپس لے گا جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک مالک باندی کی قیمت واپس لے گا۔ اور مشہور مسئلہ ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح باندی کے ہلاک ہو جانے یا مستحق کے نکل جانے کے سبب اس کو سپرد کرنا ناممکن

ہو جاتا ہے اسی طرح غلام کی موت کے سبب بھی خدمت ناممکن ہو جاتی ہے۔ ایسے مالک کی مدت کے سبب بھی معتذر ہے پس یہ مسئلہ اسی مسئلہ کی طرح ہو گیا۔

شرح

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے غلام کو مکاتب کیا سونے یا چاندی پر اور اس کی کتابت میں کوئی شرط لگا دی سفر یا خدمت یا اخیر کی لیکن اس شرط کو معین کر دیا پھر مکاتب اپنے قسطوں کے ادا کرنے پر مدت سے پہلے قور ہو گیا اور اس نے قسطیں ادا کر دیں مگر یہ شرط اس پر باقی ہے تو وہ آزاد ہو جائے گا اور حرمت اس کی پوری ہو جائے گی اب اس شرط کو دیکھیں گے کہ وہ شرط یہی ہے جو مکاتب کو خود ادا کرنا پڑتی ہے (جیسے سفر یا خدمت کی شرط) تو یہ مکاتب پر لازم نہ ہوگی اور نہ مولیٰ کو اس شرط کے پورا کرنے کا استحقاق ہوگا اور جو شرط ایسی ہے جس میں کچھ دینا پڑتا ہے جیسے اضیہ یا کپڑے کی شرط تو یہ مقررہ و پورے اشرافیوں کے ہوگی اس چیز کی قیمت کا کروہ بھی اپنی قسطوں کے ساتھ ادا کر دے گا جب تک ادا نہ کرے گا آزاد نہ ہوگا۔

مکاتب مثل اس غلام کے ہے جس کو مولیٰ آزاد کر دے دس برس تک خدمت کرنے کے بعد اگر مولیٰ مر جائے اور دس برس نہ گزرنے ہوں تو در ثانی کی خدمت میں دس برس پورے کرے گا اور وہ اس کی اسی کو ملے گی جس نے اس کی آزادی ثابت کی یا اس کی اولاد کو مردوں میں سے یا عصبہ کو۔

جو شخص اپنے مکاتب سے شرط لگائے تو سفر نہ کرنا یا نکاح نہ کرنا یا میرے ملک میں سے باہر نہ جانا بغیر میرے پوچھے ہوئے اگر تو ایسا کرے گا تو تیری کتابت باطل کر دینا میرے اختیار میں ہوگا۔ اس صورت میں کتابت کا باطل کرنا اس کے اختیار میں نہ ہوگا مگر چہ مکاتب ان کاموں میں سے کوئی کام کرے اگر مکاتب کی کتابت کو مولیٰ باطل کرے تو مکاتب کو چاہیے کہ حکم کے سامنے فریاد کرے وہ حکم کر دے کہ کتابت باطل نہیں ہو سکتی مگر اتنی بات ہے کہ مکاتب کو نکاح کرنا یا سفر کرنا یا ملک سے باہر جانا بغیر مولیٰ کے پوچھے ہوئے درست نہیں ہے خواہ اس کی شرط ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی اپنے غلام کو سودینار کے بدلے میں مکاتب کرتا ہے اور غلام کے پاس ہزار دینار موجود ہوتے ہیں تو وہ نکاح کر کے ان دیناروں کو مہر کے بدلے میں تباہ ہو کر پھرے جز ہو کر مولیٰ کے پاس آتا ہے نہ اس کے پاس مول ہوتا ہے نہ اور کچھ اس میں سراسر مولیٰ کا نقصان ہے یا مکاتب سفر کرتا ہے اور قسطوں کے دن آ جاتے ہیں لیکن وہ حاضر نہیں ہوتا تو اس میں مولیٰ کا حرج ہوتا ہے اسی نظر سے مکاتب کو درست نہیں کہ بغیر مولیٰ کے پوچھے ہوئے نکاح کرے یا سفر کرے بلکہ ان امورات کا اختیار کرنا مولیٰ کو ہے چاہے اجازت دے چاہے منع کرے۔

(موطا امام مالک، کتاب عتاق)

دوسرے شخص سے باندی آزاد کرانے کا بیان

(وَمَنْ قَالَ لِأَخِي: أَعْتَقْتُ أَمَتَكَ عَلَى أَلْفٍ دِرْهَمٍ عَلَى أَنْ تُزَوِّجَ بِهَا فَعَمَلٌ فَلَابَتْ أَنْ



تَسْرُوَاجَهُ فَاَلْعَتُقُ حَائِرٌ وَلَا شَيْءَ عَلَى الْأَمْرِ ، لِأَنَّ مَنْ قَالَ لِعَبْرَةٍ أَعْتَقَ غَدَكَ عَلَى  
 أَلْفٍ دِرْهَمٍ عَلَى فَعْلٍ لَا يَلْزَمُهُ شَيْءٌ وَيَقَعُ الْعَتُقُ عَلَى الْمَأْمُورِ ، بِحِلَافٍ مَا إِذَا قَالَ  
 لِعَبْرَةٍ طَلَّقَ امْرَأَتَكَ عَلَى أَلْفٍ دِرْهَمٍ عَلَى فَعْلٍ حَيْثُ بَحَثُ الْأَلْفُ عَلَى الْأَمْرِ ، لِأَنَّ  
 امْتِرَاطَ الْبَدَلِ عَلَى الْأَجْسَبِيِّ فِي الطَّلَاقِ حَائِرٌ وَفِي الْعَتَاقِ لَا يَجُوزُ وَقَدْ قَرَّرْنَاهُ مِنْ قَبْلُ  
 (وَلَوْ قَالَ : أَعْتَقْتُ أَمَتَكَ عَلَى أَلْفٍ دِرْهَمٍ وَالْمَسْأَلَةُ بِحَالِهَا قُسِمَتْ الْأَلْفُ عَلَى  
 قِيمَتِهَا وَمَهْرٍ مِثْلِهَا ، فَمَا أَصَابَ الْقِيَمَةَ أَذَاهُ الْأَمْرِ ، وَمَا أَصَابَ الْمَهْرَ بَطَلَ عَنْهُ ) ، لِأَنَّهُ  
 لَمَّا قَالَ عَسَى تَصْصِمَ الشَّرَاءُ اقْتِصَاءً عَلَى مَا عُرِفَ ، وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ فَقَدْ قَانَلَ  
 الْأَلْفُ بِالرَّقَبَةِ شِرَاءً وَبِالْبُضْعِ نِكَاحًا فَانْقَسَمَ عَلَيْهِمَا ، وَوَجَبَتْ حِصَّةُ مَا سَلَّمَ لَهُ وَهُوَ  
 الرَّقَبَةُ وَبَطَلَ عَنْهُ مَا لَمْ يُسَلِّمْ وَهُوَ الْبُضْعُ ، فَلَوْ رَوَّحَتْ نَفْسَهَا مِنْهُ لَمْ يَذْكُرْهُ .  
 وَحَوَائِجُهُ أَنَّ مَا أَصَابَ قِيمَتَهَا سَقَطَ فِي الْوَحْدَةِ الْأَوَّلِ وَهِيَ لِلْمَوْلَى فِي الْوَحْدَةِ الثَّانِيَةِ ، وَمَا  
 أَصَابَ مَهْرَ مِثْلِهَا كَانَ مَهْرًا لَهَا فِي الْوَحْدَتَيْنِ .

ترجمہ

اور جس شخص نے کسی دوسرے کو لک سے کہا کہ تم مجھ پر ایک ہزار درہم کے بدلے میں اپنی باندی کو آزاد کر دو۔ اور شرط یہ ہے  
 کہ تم اس باندی کا مجھ سے نکاح کر دو۔ لہذا اس مالک باندی نے ایسا ہی کیا لیکن باندی نے اس شخص سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا  
 تو آزاد دی جائے اور حکم دینے والے پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ جس شخص نے دوسرے بندے سے کہا کہ تم ایک ہزار درہم کے  
 بدلے اپنا غلام آزاد کرو اور ایک ہزار مجھ پر لازم ہوں گے۔ اور مأمور نے اسی طرح کر دیا تو حکم دینے والے پر کچھ لازم نہ ہوگا۔ جبکہ  
 آزاد دی مأمور کی جانب سے واقع ہوگی۔ یہ خلاف اس صورت کے کہ جب کسی شخص نے کسی دوسرے بندے سے کہا کہ ایک ہزار  
 کے بدلے اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔ اور ایک ہزار مجھ پر لازم ہوں گے اور مأمور نے طلاق دی تو امر پر ایک ہزار واجب ہوں  
 گے۔ کیونکہ طلاق میں اجنبی پر بدل کی شرط لگانا جائز ہے۔ جبکہ آزادی میں جائز نہیں ہے اور اس کو ہم پہلے بھی ثابت کر چکے ہیں۔

اور جب کسی شخص نے کہا کہ تو میری طرف سے ایک ہزار کے بدلے میں اپنی باندی کو آزاد کر دے اور یہ مسئلہ اسی حال پر رہا تو  
 ہزار کو باندی کی قیمت اور اس کے مہر مثلی پر تقسیم کیا جائے گا۔ اور جو قیمت کے مقابلے میں آئے گا اس کو امر ادا کرے گا۔ اور جو مہر  
 کے بدلے میں آئے گا وہ امر سے ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ جب امر نے میری جانب سے کہا تو اس کا یہ قول بطور فیصلہ ثراء کو شامل  
 ہے جس طرح معصوم ہو چکا ہے۔ پس جب اس طرح کی صورت حال ہے تو امر نے ہزار و نہام ردین خریدنے اور بضع سے نکاح

کرنے کا متاثر بنا دیا ہے۔ پس ہزار رقبہ اور بضع پر تقسیم ہو گیا ہے۔ اور جو چیز امر کے سپرد کی گئی ہے یعنی رقبہ تو امر پر ہی مقدم رہے  
 متعلق واجب ہوگا۔ اور بضع جو امر کے سپرد نہیں ہوئی ہے تو اس کے درہم امر سے ساقط ہو جائیں گے۔ اور اگر وہ باندی امر  
 نہ نکاح کرے جبکہ اس مسئلہ کو امام محمد علیہ الرحمہ نے بیان ہی نہیں کیا۔ مگر اس کا حکم اس طرح ہے کہ ہزار میں سے جو باندی کی قیمت  
 کے متعلق ہے وہ صورت اول میں ساقط ہو جائے گا اور دوسری صورت میں وہ قیمت مالک کو ملے گی۔ اور جتنی مقدمہ باندی کے  
 مہر مثلی کے مقابلے میں آئے گی وہ دونوں صورتوں میں مہر بنے گی۔

شرح

طلاق میں اجنبی پر بدل لگانے کی شرط کے جواز کا بیان

صاحب ہدایہ نے مذکورہ مسئلہ میں اس دلیل کو بھی ذکر کیا ہے کہ طلاق میں کسی اجنبی شخص کو بدل بنانے کی شرط کو جائز قرار دیا  
 ہے کیونکہ اس میں حکم کا اصل مقصود پایا جا رہا ہے۔

یاد رہے کہ بدل ہونے کی صلاحیت میں وجہیت کا اثر اس کو زائل کرنے والا نہیں ہے کیونکہ بدل میں اصل یہی ہوتا ہے کہ کسی  
 خدمت واس کی اصل سے اس کے غیر کی طرف پھیرا جائے۔ اور جب اس میں کوئی دلیل اختلاف نہ ہو اور اس کی اصل کا مقصد فوت بھی  
 نہ ہو رہا تو حکم کو پھیرنے میں کسی قسم کی قباحت نہیں ہے۔

## بَابُ التَّدْبِيرِ

یہ باب مدبر غلام کے بیان میں ہے

باب تدبیر کی فقہی مطبقت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مصنف علیہ الرحمہ آزادی سے متعلق وہ احکام جو زندگی سے متعلق رکھتے ہیں ان کو بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب انہوں نے آزادی سے متعلق موت سے متعلق ہونے والے احکام کو بیان کرنا شروع کیا ہے اور اس کی وجہ من سبت جتنی فقہی مطابقت ظاہر ہے۔ اور مطبقت فقہی کی سب سے اچھی دلیل یہ ہے کہ یہ مقید ہے اور مقید مرکب ہوتا ہے اور مرتب ہمیشہ مفرد سے مؤخر ہوتا ہے کیونکہ اس سے سابق باب حقی مطلق بہ حلف میں سارے مسائل جو مقید ہیں لیکن ان کا تعلق مدنی کے ساتھ ہے جبکہ اس باب میں غلام کی آزادی کے تمام مسائل کو موت کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح تدبیر کا معنی امور کے بعد نظر کرنا ہے۔ (فتح القدیر، ج ۱۰، ص ۲۸۱، بیروت)

مدبر غلام کا فقہی مفہوم

علامہ بن محمد زبیری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مدبر اس کو کہتے ہیں جس کی نسبت مولیٰ نے کہا کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے یا یوں کہا کہ اگر میں مرجوں یا جب میں مروتو تو آزاد ہے غرض اسی قسم کے وہ الفاظ جن سے مرنے کے بعد اس کا آزاد ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب عتاق، باب تدبیر)

عربی زبان سے اسم مشتق ہے۔ ثنائی مزید فیہ کے باب تعیل سے مصدر ہے اردو میں بطور حاصل مصدر مستعمل ہے۔ سب سے پہلے ۱۶۸۰ء کو قصہ ابو شحمہ "میں مستعمل ملتا ہے۔

جب آقا نے اپنی موت کے ساتھ آزادی متعین کیا

(إِذَا قَالَ الْمَوْلَى لِمَمْلُوكِهِ إِذْ مِتُّ فَأَنْتَ حُرٌّ أَوْ أَنْتَ حُرٌّ عَنْ ذُبُرٍ مَنِي أَوْ أَنْتَ مُدَبَّرٌ أَوْ قَدْ ذُبُرْتُكَ فَقَدْ صَارَ مُدَبَّرًا) : لِأَنَّ هَذِهِ الْأَلْفَاظَ صَرِيحٌ فِي التَّدْبِيرِ فَإِنَّهُ إِنْبَاثُ الْعِنَقِ عَنْ ذُبُرٍ

ترجمہ

جب کسی مالک نے اپنے غلام سے کہا کہ جب فوت ہو جاؤ تو آزاد ہے یا میرے بعد تو آزاد ہے یا تو مدبر ہے یا میں نے تجھے مدبر کیا تو وہ غلام مدبر ہو جائے گا کیونکہ تدبیر میں یہ الفاظ صراحت کے ساتھ آئے ہیں۔ لہذا مدبر ہونے سے آزادی ثابت ہو

ہے۔

مدبر کی اقسام کا فقہی بیان

مدبر کی دو قسمیں ہیں: مدبر مطلق۔ مدبر مقید۔ مدبر مطلق وہ جس میں کسی ایسے امر کا اضافہ نہ کیا ہو جس کا ہونا ضروری نہ ہو جتنی مطلق موت پر آزاد ہونا قرار دیا مثلاً اگر میں مروتو تو آزاد ہے اور اگر کسی وقت معین پر یہ وصف کے ساتھ موت پر آزاد ہونا کہا تو مقید ہے مثلاً اس سال مروتو یا اس مرض میں مروتو کہ اس سال یا اس مرض سے مرنا ضروری نہیں اور اگر کوئی ایسا وقت مقرر کیا کہ غالب گمان اس سے پہلے مرجانا ہے مثلاً بوزھا شخص کہے کہ آج سے سو برس پر مروتو تو آزاد ہے تو یہ مدبر مطلق ہی ہے کہ یہ وقت کی قید بیکار ہے کیونکہ غالب گمان یہی ہے کہ اب سے سو برس تک زندہ نہ رہے گا۔ (علم گیری، کتاب عتاق)

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اگر یہ کہا کہ جس دن مروتو آزاد ہے تو اگرچہ رات میں مرے وہ آزاد ہوگا کہ دن سے مراد یہاں مطلق وقت ہے ہاں اگر وہ کہے کہ دن سے میری مراد صبح سے غروب آفتاب تک کا وقت ہے یعنی رات کے علاوہ تو یہ نیت اس کی مانی جائیگی مگر اب یہ مدبر مقید ہوگا۔ (در مختار، کتاب عتاق)

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جو شخص اپنے غلام کو مدبر کرے پھر مر جائے اور اس کا سال چھ موجود ہو کچھ غائب ہو جس قدر موجود ہو اس کے ثلث میں سے مدبر کو روک رکھیں گے اور اس کی کمائی کو بھی جمع کرستے جائیں گے یہاں تک کہ جو مال غائب ہے وہ بھی نکل آئے پھر اگر مومن کے کل مال کے ثلث میں سے مدبر آزاد ہو سکے گا تو آزاد ہو جائے اور مدبر کا مال ورکائی اسی نوٹے گی اور جو ثلث میں سے کل آزاد نہ ہو سکے گا تو ثلث ہی کی مقدار آزاد ہو جائے گا اس کا مال اسی کے پاس رہے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ آزادی کی جتنی وصیتیں ہیں صحت میں ہوں یا مرض میں ان میں رجوع و تغیر کر سکتے ہیں مگر تدبیر میں جب کسی کو مدبر کر دیا اب اس کے فتح کا اختیار نہ ہوگا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس لونڈی کے آزاد کرنے کی وصیت کی اور اس کو مدبر نہ کیا تو اس کی اور اپنی مال کے ساتھ آزاد نہ ہوگی اس لیے کہ مولیٰ کا اس وصیت کے بدل ڈالنے کا اختیار تھا نہ ان کی مال کے لیے آزادی ثابت ہوئی تھی بلکہ یہ یہاں کوئی کہے اگر فلاں لونڈی میرے مرنے تک رہے تو وہ آزاد ہے پھر وہ اس کے مرنے تک رہی تو آزاد ہو جائے گی مگر مولیٰ کو اختیار ہے کہ موت سے پیشتر اس کو یا اس کی اوراد کو بیچے تو آزادی کی وصیت اور تدبیر کی وصیت میں سنت قدیمہ کی رو سے بہت فرق ہے اگر وصیت مثل تدبیر کے ہوتی تو کوئی شخص اپنی وصیت میں تغیر و تبدل کا اختیار نہ رکھتا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جو شخص اپنے چند غلاموں کو صحت کی حالت میں مدبر کرے اور سوا ان کے کچھ مال نہ رکھتا ہو اگر اس نے اس طرح مدبر کیا کہ پہلے ایک کو پھر دوسرے کو تو جس کو پہلے مدبر کیا وہ ثلث مال میں سے آزاد ہو جائے گا پھر دوسرا پھر تیسرا اسی طرح جب تک ثلث مال میں گنجائش ہو اگر سب کو ایک ساتھ مدبر کیا ہے ایک ہی کلام میں تو ہر ایک ثلث آزاد ہو جائے گا

جس سب کو یہی میں مدبر کیا۔ (موظل نام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1185)

مدبر کی خرید و فروخت کا بیان

(ثُمَّ لَا يَجُوزُ بَيْعُهُ وَلَا هِبَتُهُ وَلَا إِخْرَاجُهُ عَنْ مِلْكِهِ إِلَّا إِلَى الْحُرِّيَّةِ) كَمَا فِي الْكِتَابَةِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَحُوزُ لِأَنَّهُ تَعْلِيلُ الْعَقْدِ بِالشَّرْطِ فَلَا يَمْتَنِعُ بِهِ الْبَيْعُ وَالْهِبَةُ كَمَا فِي سَائِرِ التَّعْلِيلَاتِ وَكَمَا فِي الْمَذْهَبِ الْمُقَيَّدِ لِأَنَّ التَّذْيِيرَ وَصِيَّةً وَهِيَ غَيْرُ مَابِعَةٍ مِنْ ذَلِكَ

وَلَبَّاقُولُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (الْمَذْهَبُ لَا يَبَاعُ وَلَا يُوهَبُ وَلَا يُورَثُ وَهُوَ حُرٌّ مِنَ الثَّلَاثِ) وَلِأَنَّهُ سَبَبُ الْحُرِّيَّةِ لِأَنَّ الْحُرِّيَّةَ تَنْتُ بَعْدَ الْمَوْتِ وَلَا سَبَبَ غَيْرَهُ. ثُمَّ حَقَّلَهُ سَاقِي الْحَالِ أَوَّلَى لَوْجُودِهِ فِي الْحَالِ وَعَدَمِهِ بَعْدَ الْمَوْتِ: وَلِأَنَّ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ حَالُ طُلَانِ أَهْلِيَّةِ النَّصْرِفِ فَلَا يُمَكِّنُ تَأْخِيرُ السَّبَبِ إِلَى زَمَانِ بُطْلَانِ الْأَهْلِيَّةِ، بِخِلَافِ سَائِرِ التَّعْلِيلَاتِ: لِأَنَّ الْمَابِعَ مِنَ السَّبَبِ فَإِنَّهُ قَبْلَ الشَّرْطِ: لِأَنَّهُ يَمِينُ وَالْيَمِينُ مَانِعٌ وَالْمَنْعُ هُوَ الْمَقْصُودُ، وَأَنَّهُ يُصَادُّ وَقُوعَ الطَّلَاقِ وَالْعَتَاقِ، وَأَمَّا تَأْخِيرُ السَّبَبِ إِلَى زَمَانِ الشَّرْطِ: لِقِيَامِ الْأَهْلِيَّةِ عِنْدَهُ فَافْتَرَقَا، وَلِأَنَّهُ وَصِيَّةٌ خِلَافِيَّةٌ فِي الْحَالِ كَالْوَرَاثَةِ وَإِبْطَالُ السَّبَبِ لَا يَجُوزُ، وَفِي الْبَيْعِ وَمَا يُضَاهِيهِ ذَلِكَ.

ترجمہ

مدبر کی خرید و فروخت اس کا ہوا اور اس کو ملکیت سے نکالنا جائز نہیں ہے۔ البتہ آزاد کیا جاسکتا ہے جس طرح کتابت میں ہوتا ہے۔ جبکہ مامثنیٰ علیہ ارحم فرماتے ہیں جائز ہے۔ کیونکہ تدبیر آزادی کو شرط پر مطلق کرنے والا ہے۔ پس تدبیر کے سبب بیع و ہبہ منع نہ ہوں گے۔ جس طرح تمام معاملات میں ہوتا ہے اور جس طرح مقید مدبر میں ہوتا ہے اور اس سبب کے پیش نظر بھی کہ تدبیر وصیت ہے اور وصیت بیع وغیرہ سے مانع نہیں ہے۔

شرح

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری نے اپنے غلام سے کہا تو میری موت کے بعد آزاد ہے (اس کو مدبر کہتے ہیں) پھر وہ آدمی فوت ہو گیا اور اس نے اس غلام کے علاوہ ترکے میں کچھ نہیں چھوڑا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس غلام کو نعیم بن انصام کے ہاتھوں بیچ دیا۔ جابر کہتے ہیں کہ وہ قطعی تھا اور ابن زبیر کی امارت کے پہلے سال فوت ہوا۔ یہ حدیث حسن صحیح

ہے اور کئی سندوں سے حضرت جابر سے ہی منقول ہے بعض اہل علم کا یہی پر عمل ہے کہ مدبر کے بیچنے میں کوئی حرج نہیں امام شافعی، احمد، اسحاق، کا بھی یہی قول ہے۔ صفیان ثوری مالک، اوزاعی، اور بعض علماء کے نزدیک مدبر کی بیع مکروہ ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک انصاری نے اپنے غلام کو مدبر یا وراس کے پاس اس غلام کے عدوہ اور کوئی مامثنیٰ نہیں تھا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اس غلام کو مجھ سے کون خریدتا ہے؟ چنانچہ ایک شخص نعیم ابن نعام نے اس غلام کو آٹھ سو درہم کے عوض خرید لیا ہے۔

(بخاری و مسلم مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 578)

مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ "چنانچہ نعیم ابن عبد اللہ مدوی نے اس غلام کو آٹھ سو درہم کے عوض خرید لیا۔ انہوں نے آٹھ سو درہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ درہم اس شخص کو دے دیے (جس کا وہ غلام تھا) اور فرمایا کہ تم اس رقم کو سب سے پہلے اپنی ذات پر خرچ کرو، وراس کے ذریعہ ثواب حاصل کرو اور اس کے بعد اگر کچھ بچ جائے تو اس کو اپنے اہل و عیال پر خرچ کرو، اگر ان پر خرچ کرنے کے بعد بھی بچ جائے تو رشتہ داروں پر خرچ کرو اور اگر ان پر خرچ کرنے کے بعد بھی کچھ بچ جائے تو اس کو اس طرح اور اس طرح خرچ کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ اس طرح سے مراد یہ ہے کہ اس کو اپنے آگے، اپنے دائیں اور اپنے بائیں خرچ کرو (یعنی تنہا سے نہ آگے اور دائیں بائیں جو مسائل جمع ہوں ان کو اللہ واسطے)۔ (د)۔"

"مدبر" کرنے کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنے غلام سے یہ کہہ دے کہ تم میرے مرنے کے بعد آزاد ہو، چنانچہ اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے مطابق ایسے غلام کو بیچنا حضرت امام شافعی اور حضرت امام محمد کے نزدیک جائز ہے، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مدبر دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو مدبر مطلق اور دوسرا مدبر مقید۔ مدبر مطلق تو وہ غلام ہے جس کا مالک اسے یوں کہے کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو۔ اور مدبر مقید وہ غلام ہے جس سے اس کا مالک یوں کہے کہ اگر میں اس بیمار میں مر جاؤں تو تم آزاد ہو۔ "مدبر مطلق کا حکم تو یہ ہے کہ ایسے غلام کو آزادی کے علاوہ کسی اور صورت میں اپنی ملکیت سے نکالنا مالک کے لئے جائز نہیں ہے یعنی وہ مالک اس غلام کو آزاد تو کر سکتا ہے لیکن نہ تو اس کو فروخت کر سکتا ہے اور نہ ہبہ کر سکتا ہے، وہ اس سے خدمت لینا جائز ہے، اسی طرح اگر غلام ہو تو اس سے جماع کرنا بھی جائز ہے اور اس کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح کرنا بھی جائز ہے ایسا غلام اپنے مالک کے مرنے کے بعد اس کے تہائی مال میں سے آزاد ہو جاتا ہے اور اگر تہائی مال میں سے پورا آزاد نہ ہو سکا ہو تو پھر تہائی مال کے بقدر (جزوی طور پر ہی آزاد ہوگا) مدبر مطلق کے برخلاف مدبر مقید کو بیچنا جائز ہے اور اگر وہ شرط پوری ہو جائے یعنی مالک اس مرض میں مر جائے تو پھر جس طرح مدبر مطلق اپنے مالک کے مرنے کے بعد آزاد ہو جاتا ہے اسی طرح مدبر مقید بھی آزاد ہو جائے گا! لہذا امام ابو حنیفہ اس حدیث کے مفہوم میں تاویل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مدبر کو فروخت فرمایا وہ مدبر مقید ہوگا۔

مشکوٰۃ کے ترجمہ نسخوں میں نعیم ابن منیہ لکھ ہے لیکن علماء نے یہ وضاحت کی ہے کہ یہ کتاب کی نسخی ہے اصل میں نعیم ہی کا دوسرا نام منیہ ہے، اس دوسرے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ میں جنت میں داخل ہوا تو وہاں نعیم کی ٹمہ (یعنی آواز سنی) "اس مناسبت سے انہیں نعام کہا جانے لگا۔"

مدبر کرنے کے جذبات اپنے اس قول کو پس نہیں لے سکتے۔ مدبر مطلق کو نہ بچ سکتے ہیں۔ نہ بیدار سکتے نہ مرنے رکھ سکتے نہ صدقہ کر سکتے ہیں۔ (ما مکی، کتاب عقاق)

مدبر کی بیع میں فقہی مذاہب اربعہ

مدبر وہ غلام جس کے لیے آقا کا فیصلہ ہو کہ وہ اس کی وفات کے بعد آزاد ہو جائے گا۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان اور حدیث کا مفہوم یہی بتلاتا ہے کہ مدبر کی بیع جائز ہے۔ اس بارے میں امام قسطلانی نے چار اقوال نقل کئے ہیں۔ آخر میں لکھتے ہیں: وقال النووي الصحيح ان الحديث على ظاهره وانه يجوز بيع المدبر بكل حال مالم يمت السيد (قسطلانی) یعنی نووی نے کہا کہ صحیح یہی ہے کہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے اور ہر حال میں مدبر کی بیع جائز ہے جب تک اس کا آقا زندہ ہے۔

امام شافعی اور امام احمد کا مشہور مذہب یہی ہے کہ مدبر کی بیع جائز ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مطلقاً منع ہے اور مالکیہ کا مذہب ہے کہ اگر مولیٰ مدبر ہو تو دوسری کوئی ایسی جائیداد نہ ہو جس سے قرض واپس کر سکے تو مدبر بیچ جائے گا ورنہ نہیں۔ حنفیہ نے ممانعت بیع پر جن حدیثوں سے دلیل لی ہے۔ ان کا استدلال قوی و مضبوط ہے لہذا ترجیح مذہب احتیاط کو ہے۔

جب آقا نے غلام کو خدمت یا اجرت کے ساتھ مقید کیا

قَالَ: (وَلِلْمَوْلَى أَنْ يَسْتَحْدِمَهُ وَيُؤَاجِرَهُ وَإِنْ كَانَتْ أَمَةٌ وَطَنَهَا وَلَهُ أَنْ يُزَوِّجَهَا) : لِأَنَّ

الْمِلْكُ فِيهِ ثَابِتٌ لَهُ وَبِهِ تَسْتَفَادُ وَلَا يَتَّحِدُ هَذِهِ التَّصَرُّفَاتُ

(فَإِذَا مَاتَ الْمَوْلَى عَتَقَ الْمُدَبِّرُ مِنْ ثُلُثِ مَالِهِ) لِمَا رَوَيْنَا : وَلِأَنَّ التَّذْيِيرَ وَصِيَّةٌ : لِأَنَّهُ

تَبَرُّعٌ مُصَافٍ إِلَى وَقْتِ الْمَوْتِ وَالْحُكْمُ غَيْرُ ثَابِتٍ فِي الْحَالِ فَيُسْفَذُ مِنَ الثُّلُثِ ، حَتَّى

لَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ يَسْعَى فِي ثُلْثِهِ ، وَإِنْ كَانَ عَلَى الْمَوْلَى دَيْنٌ يَسْعَى فِي كُلِّ

قِيَمَتِهِ : لِتَقْدِيمِ الدَّيْنِ عَلَى الْوَصِيَّةِ وَلَا يُمْكِنُ نَقْضُ الْعَقْدِ فَيَجِبُ رَدُّ قِيَمَتِهِ (وَوَلَدُ

الْمُدَبِّرَةِ مُدَبَّرٌ) وَعَلَى ذَلِكَ يُقَالُ إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ .

ترجمہ

فرماتے ہیں کہ آقا کو مدبر غلام سے خدمت لینے اور اسے کرایہ پر دینے کا اختیار ہے اور اگر باندی مدبرہ ہو تو آقا کو اس سے دینی

کرنے اور (کسی دوسرے سے) اس کا نکاح کرنے کا بھی حق ہے کیوں کہ مدبر میں آقا کی ملکیت ثابت ہے اور ملکیت ہی سے نہ فائدہ کی ولایت حاصل ہوتی ہے پھر جب آقا مر جائے تو مدبر اس کے تہائی مال سے آزاد ہوگا اس حدیث پاک کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور اس لئے کہ مدبر وصیت ہے کیوں یہ ایسا تبرع ہے جو وقت موت کی طرف منسوب ہے اور حکم فی الحال ثابت بھی نہیں ہے لہذا یہ عتق تہائی مال سے نافذ ہوگا حتیٰ کہ اگر آقا کے پاس مدبر کے علاوہ دوسرا کوئی مال نہ ہو تو غلام اپنے دو ٹکٹ میں کمائی کرے گا اور اگر آقا پر قرض ہو تو غلام اپنی پوری قیمت میں کمائی کرے گا اس لئے کہ قرض وصیت سے مقدم ہوتا ہے اور مدبر کی آزادی و ختم کرنا ممکن نہیں ہے لہذا اس کی قیمت واپس کرنا ضروری ہے اور مدبرہ کی اولاد بھی مدبرہ ہوگی اور اسی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع منقول ہے۔

شرح

سعید بن مسیب کہتے تھے جب کوئی شخص اپنی لونڈی کو مدبر کرے تو اس سے دینی کر سکتا ہے مگر بیع یہ نہیں کر سکتا اور اس کی اولاد بھی مثل اپنی ماں کے ہوں گی۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1188)

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

مدبر غلام ہی ہے یعنی اپنے مولیٰ کی ملک ہے۔ اس کو آزاد کر سکتا ہے مکاتب بنا سکتا ہے اس سے خدمت لے سکتا ہے مزدوری پر لے سکتا ہے، اپنی ولایت سے اس کا نکاح کر سکتا ہے اور لونڈی مدبرہ ہے تو اس سے دینی کر سکتا ہے۔ اس کا دوسرا مال نکاح کر سکتا ہے اور مدبرہ سے اگر مولیٰ کی اولاد ہوئی تو وہ ام ولد ہوگی۔

جب مولیٰ مرے گا تو اس کے تہائی مال سے مدبر آزاد ہو جائے گا یعنی اگر یہ تہائی مال ہے یا اس سے کم تو بالکل آزاد ہو گیا اور اگر تہائی سے زائد قیمت کا ہے تو تہائی کی قدر آزاد ہو گیا باقی کے لیے معایت کرے اور اگر اس کے علاوہ موصے کے پاس اور چھ نہ ہو تو اس کی تہائی آزاد، باقی دو تہائیوں میں معایت کرے۔ یہ اس وقت ہے کہ زنا اجازت نہ دیں اور اگر اجازت دیدیں یا اس کا کوئی وارث ہی نہیں تو بالکل آزاد ہے۔ اور اگر مولیٰ پر دین ہے کہ یہ غلام اس دین میں مستغرق ہے تو کل قیمت میں معایت کر کے قرض خواہوں کو ادا کرے۔ (در مختار، کتاب عقاق)

مدبر کو موت کے ساتھ معلق کرنے کا بیان

(وَإِنْ عَلَّقَ التَّذْيِيرُ بِمَوْتِهِ عَلَى صِفَةٍ مِثْلَ أَنْ يَقُولَ إِنْ مِتُّ مِنْ مَرَضِي هَذَا أَوْ سَفَرِي

هَذَا أَوْ مِنْ مَرَضٍ كَذَا فَلَيْسَ بِمُدَبِّرٍ وَيَحُورُ بَيْنَهُ) : لِأَنَّ السَّبَبَ لَمْ يَتَعَقَّدْ فِي الْحَالِ

لِإِزْدَادٍ فِي بِلْكَ الصَّفَةِ ، بِخِلَافِ الْمُدَبِّرِ الْمُطْلَقِ : لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ عَقْدُهُ بِمُطْلَقِ الْمَوْتِ

وَهُوَ كَائِنْ لَا مَحَالَةَ (فَإِنْ مَاتَ الْمَوْلَى عَلَى الصَّفَةِ الَّتِي ذَكَرَهَا عَتَقَ كَمَا يُعْتَقُ الْمُدَبِّرُ

(مَعَاذُ مِنَ الثَّلَاثِ؛ لِأَنَّهُ ثَبَتَ حُكْمُ التَّذْيِيرِ فِي آخِرِ حُرْعٍ مِنْ أَجْرَاءِ حَيَاتِهِ؛ لِتَحَقُّقِ تِلْكَ الصِّفَةِ فِيهِ فَلِهَذَا يُعْتَبَرُ مِنَ الثَّلَاثِ .

وَمِنْ الْمُقْبِدِ أَنْ يَقُولَ إِنَّ مِثْلَ إِلَى سَنَةِ أَوْ عَشْرِ سِنِينَ لِمَا ذَكَرْنَا، بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ إِلَى مِائَةِ سَنَةٍ وَمِثْلُهُ لَا يَعِيشُ إِلَيْهِ فِي الْغَالِبِ، لِأَنَّهُ كَالْكَائِنِ لَا مَحَالَةَ.

ترجمہ

اور اگر قائلانہ تدبیر کی کسی صفت پر اپنی موت کو معلق کیا مثال کے طور پر اس نے یہ کہا اگر میں اپنے اس مرض میں یا اپنے اس سفر میں مر گیا یا فداں مرض میں مر گیا تو ندامت نہ ہوگی اور اس کی بیعت جائز ہوگی کیوں کہ سبب فی اصل منعقد نہیں ہو ہے اس لئے کہ اس صفت میں شک ہے خلاف مطلق مدبر کے کیوں کہ اس کی آزادی مطلق موت پر موقوف ہے اور مرتاضینی ہے۔ پھر اگر آقا اپنی بیان کردہ صفت پر مر جائے تو وہ مدبر آزاد ہو جائے گا جیسے مطلق مدبر آزاد ہوتا ہے یعنی ثلث سے آزاد ہوگا۔ اس لئے کہ تدبیر کا حکم آقا کی زندگی کے آخری حصہ میں ثابت ہوگا، کیوں کہ وہ صفت اسی آخری حصہ میں ثابت ہوگی۔ اسی لئے تہائی مال سے آزادی معتبر ہوگی اور مقید میں سے یہ صورت ہے کہ میں اگر ایک سال یا دس سال میں مر گیا (تو تم آزاد ہو) اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں خلاف اس صورت کے کہ جب آقائے ”إِلَى مِائَةِ سَنَةٍ“ کہا ہو اور اس جیسے لوگ عام طور پر سو سال زندہ نہیں رہتے اس لئے یہ لا محالہ ہونے والا ہے۔

حال میں سبب کے عدم انعقد کی وجہ صفت کے مشکوک ہونے کا بیان

صاحب ہدایہ نے مالک کی مذکورہ تعلیق سے متعلق یہ قاعدہ فقہیہ بیان کیا ہے کہ جب کسی حکم کو کسی ایسی صفت کے ساتھ مقید کیا جائے تو اس حالت میں سبب ہونے میں معدوم ہو جائے تو ایسی صورت میں وہ صفت مشکوک ہو جائے گی لہذا اسی صفت کو بنیاد بناتے ہوئے کسی طرح بھی حکم کا انعقاد کرنا درست نہ ہوگا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا کہ جس شخص نے اپنے ندامت کو مدبر کیا اور سو اس کے کچھ مال نہ تھا پھر مولیٰ مر گیا اور مدبر کے پاس مال نہ تھا تو ثلث مدبر آزاد ہو جائے گا اور مال اس کا اسی کے پاس رہے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا کہ جس مدبر کو مولیٰ مکاتب کردے پھر مولیٰ مر جائے اور سو اس کے کچھ مال نہ چھوڑے تو اس کا ایک ثلث آزاد ہو جائے گا اور بدل کتابت میں سے بھی ایک ثلث گھٹ جائے گا اور دو ثلث مدبر کو ادا کرنا ہوں گے۔

(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1186)

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مدبر مقید کا مولیٰ مر اور اسی وصف پر موت واقع ہوئی مثلاً جس مرض یا وقت میں مرنے پر اس کا آزاد ہونا کہا تھا وہی ہوا تو تہائی مال سے آزاد ہو جائیگا ورنہ نہیں۔ اور ایسے مدبر کو بیع و ہب و صدقہ وغیرہ کر سکتے ہیں۔

مولیٰ نے کہا تو میرے مرنے سے ایک مہینہ پہلے آزاد بنے اور اس کہنے کے بعد ایک مہینہ کے اندر مولیٰ مر گیا تو آزاد نہ ہوا اور اگر ایک مہینہ یا زائد پر مرنا تو غلام پورا آزاد ہو گیا اگرچہ مولیٰ کے پاس اس کے علاوہ کچھ مال نہ ہو۔ مولیٰ نے کہا تو میرے مرنے کے ایک دن بعد آزاد ہے تو مدبر نہ ہوا، لہذا آزاد بنی نہ ہوگا۔ مدبر کے بچے پیدا ہوا تو یہ بھی مدبر ہے، جبکہ وہ مدبرہ مطلقہ ہو، ورنہ مقیدہ ہو تو نہیں۔ (در مختار، کتاب عتاق)

عمر و بن دینار نے بیان کیا، انہوں نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے کہا کہ ہم میں سے ایک شخص نے اپنی موت کے بعد اپنے ندامت کی آزادی کے لیے کہا تھا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ندامت کو بلایا اور اسے بیچ دیا۔ جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ پھر وہ غلام اپنی آزادی کے پہلے ہی سال مر گیا تھا۔ (بخاری، رقم الحدیث ۲۵۳۳)

اس کا نام یعقوب تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ سو درہم پر یا سات سو یا سو پر نعیم کے ہاتھ اس کو بیچ ڈالا۔ امام شافعی اور امام احمد کا مشہور مذہب یہی ہے کہ مدبر کی بیعت جائز ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مطلق منع ہے اور مالکیہ کا مذہب ہے کہ مولیٰ مدبر نہ ہو اور دوسری کوئی ایسی جائیداد نہ ہو جس سے قرض ادا ہو سکے تو مدبر بیچ جائے گا ورنہ نہیں۔ حنفیہ نے ممانعت بیعت پر جن حدیثوں سے دلیل لی ہے وہ ضعیف ہیں اور صحیح حدیث سے مدبر کی بیعت کا جواز نکلتا ہے۔ مولیٰ کی حیات میں۔

حدیث ہذا سے مالکیہ کے مسلک کی ترجیح معلوم ہوتی ہے کیوں کہ حدیث میں جس ندامت کا ذکر ہے اس کی صورت تقریباً ایسی ہی تھی۔ بہر حال مدبر کو اس کا آقا اپنی حیات میں اگرچہ بیعت بھی سکتا ہے کیوں کہ اس کی آزادی موت کے ساتھ مشروط ہے۔ موت سے قبل اس پر جملہ احکام بیعت و شراء لا گور ہیں گے۔

## بَابُ الْاِسْتِیْلَادِ

﴿یہ باب ام ولد کے بیان میں ہے﴾

باب استیلا کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ باب استیلا کی فقہی مطابقت باب تدبیر کے ساتھ اس طرح ہے کہ ان دونوں ابواب میں آزادی موت کے ساتھ عقید ہے۔ لہذا ان دونوں اسباب کے اشتراک کی وجہ سے انہیں آپس میں ملا دیا ہے۔ اور یہ دونوں ابواب استحقاق عقد کے اعتبار سے مطابق ہے۔ ابستہ باب تدبیر کے تقدم کی وجہ یہ ہے کہ وہ انسب ہے۔ کیونکہ اس میں آزادی لفظ یجاب کے ساتھ ہے جبکہ اس باب میں استیلا کے ساتھ ہے لہذا اس کو مقدم کر دیا ہے۔ اور استیلا مصدر سے اس کو معنی بچہ طلب کرنا ہے۔ (فتح القدیر، ج ۱۰، ص ۳۱۰، بیروت)

اس سے پہلے باب میں چونکہ آزادی کو مقید کرنا غلام کے ساتھ تھا اور اس میں باندی کے ساتھ ہے۔ اور جنس غلامیت میں غلام باندی سے افضل ہے۔ کیونکہ ماہیت غلام کا ماہیت باندی سے اعلیٰ ہونا واضح ہے لہذا افضل کو مقدم کرنا اولیٰ تھا تو اس کو مقدم کر دیا ہے اور ام ولد والے باب کو اس سے مؤخر ذکر کیا ہے۔

ام ولد ہونے کا فقہی مفہوم

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ام ولد اس لونڈی کو کہتے ہیں جس کے بچہ پیدا ہوا اور مولیٰ نے اقرار کیا کہ یہ میرا بچہ ہے خواہ بچہ پیدا ہونے کے بعد اس نے اقرار کیا یا نہ جس میں اقرار کیا ہو کہ یہ حمل مجھ سے ہے اور اس صورت میں ضروری ہے کہ اقرار کے وقت سے چھ مہینے کے اندر بچہ پیدا ہو۔ (دعوت، کتاب عتق۔ باب استیلا، ج ۵، ص ۲۳۸، بیروت)

استیلا (۱) حسب بچہ کردن، فرزند خواستن، مادر فرزند کردن کنیزک را، ام ولد کردن محبت کردن با کنیزک تا از وی فرزند آید۔ (تاج المصادر۔ بیہقی)

ولدت خواستن، (غیبت)، (با کنیزک آرمیدن برای فرزند شدن، محبت کردن با کنیزک تا از او فرزند باشد)، (زورنی طلب الولد من الامه)، (تعریفات جرجانی)

(اصطلاح فقہ) الاستیلا در لغت مطلقاً بمعنی طلب فرزند و شرعاً قرار دادن کنیزک یا بنام مادر کوک (ام ولد) و این عمل بہ دو شی صورت پذیرد: یکی دعوی کوک، مادر بودن کنیزک نسبت بخود، دیگر مالک بودن پدر کنیزک، یعنی کنیز، زور خرید پدر کوک باشد۔ کذا فی جامع الرموز فی فصل التدبیر، (کشاف اصطلاحات الفنون)

در اثر نزدیکی مولیٰ با امہ خود ولد ی بوجود آمدن اگر چہ علقہ باشد، استیلا و موجب آن است کہ اختیارات مولیٰ نسبت

بمستولہ محمد و شود و جز در موارد مخصوص تو اند اور البتہ منتقل کند مگر۔ بنگہ انتقال سبب تسریع در آزادی او گردد، منظور از تحدید اختیار است آن است کہ مستولہ پس از مرگ مولیٰ از سهم الارث و لد خود آزاد شود۔

ام ولد ہونے کا شرعی ثبوت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا جس مرد کی باندی سے اس کی اولاد ہو جائے تو وہ باندی اس کے (انتقال) بعد آزاد ہو جائے گی۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 673)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت ابراہیم کی والدہ کا تذکرہ ہوا تو فرمایا: اسے اس کے بچے نے آزاد کرادیا۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 674)

ام ولد سے متعلق اصلاحات

اسلام سے پہلے لونڈیوں اور ان کے بچوں کا معاشرے میں بہت پست مقام تھا۔ لونڈی کے بچوں کو آزاد خاتون کے بچوں کی نسبت حقیر سمجھا جاتا۔ ام ولد کو بچنے کا رواج تو عرب میں کم ہی تھا لیکن تھوڑا بہت پایا جاتا تھا۔ اسلام نے اس ضمن میں یہ اصلاح کی کہ بچے والی لونڈی جسے ام ولد کہا جاتا ہے، کی خدمات کی منتقلی کو قطعی طور پر ممنوع قرار دیا گیا۔ ایسی لونڈی اپنے خاوند کی بیوی کے ہم پلہ قرار پائی۔ اس کے بچے کا بھی معاشرے میں وہی مقام قرار پایا جو کہ آزاد عورت کے بچے کا تھا۔

حدثنا عبد الله بن محمد النخيلي، ثنا محمد بن سبعة، عن محمد بن إسحاق، عن حطاب بن صالح مولى الأنصار، عن أمه، عن سلامة بنت معقل امرأة من خارجة قيس عيلان، قالت: قدیم بی عمی فی الجاهلیة، فباعنی من الحباب بن عمرو وأخی أبی اليسر بن عمرو، فولدت له عبد الرحمن بن الحباب ثم هلك، فقالت امرأته: الآن واللہ تبعاعین فی ذنیه، فأتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت: یا رسول اللہ، بانی امرأة من خارجة قيس عيلان قدم بی عمی المدینة فی الجاهلیة، فباعنی من الحباب بن عمرو وأخی أبی اليسر بن عمرو، فولدت له عبد الرحمن بن الحباب، فقالت امرأته: الآن واللہ تبعاعین فی ذنیه، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من ولی الحباب؟" قیل: أخوه أبو اليسر بن عمرو، فبعث إلیه فقال: "اعتقوها، فإذا سمعتم برفیق قدم علی فأتونی أعوضکم منها" (ابو داؤد، کتاب العتق، حدیث (3953))

سلامہ بنت معقل بیان کرتی ہیں کہ میں خارجہ قیس عیلان سے تعلق رکھتی ہوں اور اپنے چچا کے ساتھ آئی تھی۔ میرے چچا نے مجھے دور جاہلیت میں حباب بن عمرو کے ہاتھ بیچ دیا تھا جو کہ ابی الیسر بن عمرو کے بھائی تھے۔ میرے ہاں ان سے عبدالرحمن بن حباب کی پیدائش ہوئی۔ اس کے بعد حباب فوت ہو گئے۔ ان کی بیوی کہنے لگی، "خدا کی قسم اب تو ہم اس کے قرض کی ادائیگی کے لئے تمہیں بچیں گے۔"



میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی، "یا رسول اللہ ﷺ میں خارجہ قیس بن علیان سے اپنے بچے کے ساتھ دور جاہلیت میں مدینہ آئی تھی۔ انہوں نے مجھے حبیب بن عمرو کے ہاتھ بیچ دیا تھا اور میرے بطن سے عبدالرحمن بن حبیب کی پیدائش ہوئی ہے۔ اب ان کی بیوی کہہ رہی ہے کہ وہ ان کا قرض ادا کرنے کے لئے مجھے بیچ دیں گی۔" آپ نے فرمایا، "حبیب کے بھر خاندان کا سرپرست کون ہے؟" کہا گیا، "ان کے بھائی بولیس بن عمرو۔" آپ خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا، "نہیں آ کر دو۔ جب بھی تم کسی غلام کے بارے میں سنتو میرے آجایا کرو۔ میں تمہیں اس کا معاوضہ دوں گا۔"

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، نا أَبُو عَاصِمٍ، نا أَبُو بَكْرٍ، يَغْنِي النَّهْشَلِيُّ، عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: ذُكِرَتْ أُمُّ إِبْرَاهِيمَ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: (أَعْتَقَهَا وَلَدَهَا). (ابن ماجہ، کتاب العتق، حدیث (2516))

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ام ابراہیم (ہریہ قطیہ رضی اللہ عنہا) کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے فرمایا، "اس کے بچے نے اسے آزاد کرادیا ہے۔"

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَلَا، نا وَكِيعٌ، نا شَرِيكٌ، عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (أَيُّمَا رَحِيٍّ وَلَدَتْ أُمَّةً مِنْ، فَهِيَ مُعْتَقَةٌ عَنْ ذُبْرِ مُمَةٍ). (ابن ماجہ، کتاب العتق، حدیث 2515، مشکوٰۃ، کتاب العتق، حدیث (3394))

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "جس شخص کے ہاں بھی کسی لونڈی سے بچہ پیدا ہو جائے، تو وہ اس کے فوت ہوتے ہی آزاد ہو جائے گی۔"

تین دونوں احادیث کی سند میں اگرچہ حسین بن عبد اللہ ضعیف روی ہیں لیکن اس حدیث کی دیگر صحیح اسناد بھی موجود ہیں۔ دارمی میں یہی حدیث صحیح سند سے روایت کی گئی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی فرمان تھا کہ ام ولد کی منتقلی کو مکمل طور پر روک کر اس کی آزادی پر عمل درآمد کیا جائے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ الْبُهْلِيُّ نا أَبُو زَيْدٍ نا طَرِيفُ نا إِبْرَاهِيمَ بْنُ يُونُسَ الْحَضْرَمِيُّ نا الْحُسَيْنَ بْنِ عِيسَى الْحَنْفِيُّ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ أَبِيهِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمُّ الْوَلَدِ حُرَّةٌ وَإِنْ كَانَ سَقَطًا. (دارقطنی، کتاب المکاتب، مسند ابن الجعد)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "ام ولد آزاد ہی ہے اگرچہ اس کا حمل سقط ہو جائے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام ولد کی آزادی کو بچے کے پیدا ہونے سے شروع نہیں فرمایا بلکہ حمل ٹھہر جانے سے

شرط فرمایا، اگرچہ وہ حمل بعد میں ضائع بھی ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس ضمن میں سختی سے اصرار نہ کرنا فرمایا۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مَالِكٍ، عَنْ سَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: أَيُّمَا وَلِيدَةٍ وَلَدَتْ مِنْ سَيِّدَةٍ، فَإِنَّهُ لَا يَبِيعُهَا، وَلَا يَهْتَبُهَا، وَلَا يُوْرُثُهَا، وَهُوَ يَسْتَفْتِي بِهَا، فَإِذَا مَاتَ فَهِيَ حُرَّةٌ. (موطا مالک، کتاب العتق، حدیث (2248))

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا: جس لونڈی کے بچے اپنے آقا سے بچہ پیدا ہو تو اس کی خدمات کو نہ تو بیچا جائے گا نہ ہی کو خفہ منتقل کیا جائے گا، نہ ہی وراثت میں منتقل کیا جائے گا۔ وہ مالک ہی اس سے فائدہ اٹھائے گا اور اس کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہوگی۔

### ام ولد کی بیچ کی ممانعت کا بیان

(وَإِذَا وَلَدَتْ الْأَمَةُ مِنْ مَوْلَاهَا فَقَدْ صَارَتْ أُمًّا وَلَدٍ لَهُ لَا يَحُورُ بِبَيْعِهَا وَلَا تَمْلِكُهَا) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (أَعْتَقَهَا وَلَدَهَا) أَخْبَرَ عَنْ إِعْتَاقِهَا فَيُسْتَبَعُ مَوَاحِيهِ وَهُوَ حُرْمَةُ الْبَيْعِ، وَلَآنَ الْجُزْئِيَّةُ قَدْ حَصَلَتْ بَيْنَ الْوَاطِئِ وَالْمَوْطُوءَةِ بِوَسِطَةِ الْوَلَدِ فَإِنَّ الْمَاءِ يَنْ قَدْ اخْتَلَطَ بِحَيْثُ لَا يُمَكِّنُ الْمَيَزُ بَيْنَهُمَا عَلَى مَا عُرِفَ فِي حُرْمَةِ الْمُصَاهَرَةِ، إِلَّا أَنَّ بَعْدَ الْإِنْفِصَالِ تَبْقَى الْجُزْئِيَّةُ حُكْمًا لَا حَقِيقَةً فَضَعُفَ السَّبَبُ فَأَوْجَبَ حُكْمًا مُؤَجَّلًا إِلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَبَقَاءُ الْجُزْئِيَّةِ حُكْمًا بِإِعْتِبَارِ النَّسَبِ وَهُوَ مِنْ جَانِبِ الرِّجَالِ.

فَكَذَا الْحُرِّيَّةُ تَثْبُتُ فِي حَقِّهِمْ لَا فِي حَقِّهِنَّ، حَتَّى إِذَا مَلَكَتِ الْحُرَّةُ زَوْجَهَا وَقَدْ وَلَدَتْ مِنْهُ لَمْ يُعْتَقِ الزَّوْجُ الَّذِي مَلَكَتْهُ بِمَوْتِهَا، وَبَثْبُوتِ عِتْقِ مُوَجَّلٍ يَثْبُتُ حَقُّ الْحُرِّيَّةِ فِي الْحَالِ فَيَمْنَعُ جَوَازُ الْبَيْعِ وَإِخْرَاجُهَا لَا إِلَى الْحُرِّيَّةِ فِي الْحَالِ وَيُوجِبُ عِتْقُهَا بَعْدَ مَوْتِهِ، وَكَذَا إِذَا كَانَ بَعْضُهَا مَمْلُوكًا لَهُ؛ لِأَنَّ الْإِسْتِيلَادَ لَا يَنْجِزُ فَإِنَّهُ فَرُعُ النَّسَبِ فَيُعْتَبَرُ بِأَصْلِهِ.

ترجمہ

جب باندی نے اپنے آقا (کے نطفہ) سے بچہ جنا تو وہ اپنے آقا کی ام ولد ہو گئی اور اسے بیچنا اور (دوسرے کی) ملکیت میں

یہ بنا نہ نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے اسے اس کے لڑکے نے آزاد کر دیا آپ ﷺ نے باندی کے آزاد ہونے کی خبر دی، لہذا اس آزادی سے اس کے بعض احکام بھی ثابت ہو جائیں گے اور وہ بیع کا حرام ہونا ہے۔ اور اس لئے کہ واطی اور موطا کے مابین لڑکے کے واسطے سے جزئیت ثابت ہو جاتی ہے اس لئے کہ دونوں پانی اس طرح ایک دوسرے سے مل گئے کہ ان میں فرق کرنا ناممکن ہے جیسا کہ حرمت مصاہرت میں یہ معلوم ہو چکا ہے اس وجہ سے بچہ نکلنے کے بعد یہ جزئیت حکماً ثابت رہتی ہے نہ کہ جیسا لہذا سب کمزور ہو گیا اسی وجہ سے اس سبب نے ایسا حکم ثابت کیا جو موت کے بعد تک موخر ہے اور حکماً جزئیت کا باقی رہنا سب کے اعتبار سے ہوتا ہے اور سب کا اعتبار مردوں کی طرف سے ہوتا ہے اسی لئے آزادی بھی مردوں کے حق میں ثابت ہوگی عورتوں کے حق میں ثابت نہیں ہوگی حتیٰ اگر کہ آزاد عورت اپنے شوہر کی، لک ہو گئی اور اس شوہر سے اس کی اولاد بھی ہو تو بھی اس عورت کے مرنے سے اس کا شوہر آزاد نہیں ہوگا۔

اور آزادی مؤجل کا ثبوت (ام ولد میں) فی الحال حق آزادی کو ثابت کرتا ہے۔ لہذا اسے فی الوقت فروخت کرنا اور غیر حریت کی طرف نکالنا منع ہوگا اور ساقا کی موت کے بعد باندی کی آزادی کو ثابت کرے گی، یہی جب باندی کا کچھ حصہ آقا کا مملوک ہو اسکی دلیل یہ ہے کہ استیلاء کے اجزاء نہیں ہوتے، اس وجہ سے کہ استیلاء نسب کی فرع ہے اس لئے اسے اس کی اصل پر قیاس کیا جائے گا۔

### ام ولد کی بیع میں ممانعت کے دلائل کا بیان

اسلام سے پہلے لوٹریوں اور ان کے بچوں کا معاشرے میں بہت پست مقام تھا۔ بوٹری کے بچوں کو آزاد خاتون کے بچوں کی نسبت حقیر سمجھا جاتا۔ ام ولد کو بیچنے کا رواج تو عرب میں کم ہی تھا لیکن تھوڑا بہت پایا جاتا تھا۔ سلام نے اس ضمن میں یہ اصرار کیا کہ بچے ولی لوٹری جیسے ام ولد کہا جاتا ہے، کی خدمات کی منتقلی کو قطعی طور پر ممنوع قرار دیا گیا۔ اسی بوٹری اپنے خاندان کی آزادی بچوں کے ہم پلہ قرار پائی۔ اس کے بچے کا بھی معاشرے میں وہی مقام قرار پایا جو کہ آزاد عورت کے بچے کا تھا۔

سلامہ بنت معقل بیان کرتی ہیں کہ میں خارجہ قیس صلیان سے تعلق رکھتی ہوں اور اپنے چچا کے ساتھ آئی تھی۔ میرے چچا نے مجھے دور جاہلیت میں حبیب بن عمرو کے ہاتھ بیچ دیا تھا جو کہ ابی الیسر بن عمرو کے بھائی تھے۔ میرے ہاں ان سے عبدالرحمن بن حبیب کی پیدائش ہوئی۔ اس کے بعد حبیب فوت ہو گئے۔ ان کی بیوی کہنے لگی، "خدا کی قسم اب تو ہم اس کے قرض کی ادائیگی کے لئے تمہیں بچیں گے۔"

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی، "یا رسول اللہ ﷺ میں خارجہ قیس صلیان سے اپنے چچا کے ساتھ دور جاہلیت میں مدینہ آئی تھی۔ انہوں نے مجھے حبیب بن عمرو کے ہاتھ بیچ دیا تھا اور میرے بطن سے عبدالرحمن بن حبیب کی پیدائش ہوئی ہے۔ اب ان کی بیوی کہہ رہی ہے کہ وہ ان کا قرض ادا کرنے کے لئے مجھے بیچ دیں گی۔" آپ نے فرمایا، "حبیب کے بعد خاندان کا سرپرست کون ہے؟" کہا گیا، "ان کے بھائی ابوالیسر بن عمرو۔" آپ خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور

فرمایا، "انہیں آزاد کر دو۔ جب بھی تم کسی غلام کے ہارے میں سنو تو میرے آجایا کرو۔ میں تمہیں اس کا معاوضہ دوں گا۔" (ابو داؤد، کتاب العتق، حدیث 3953)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ام ایبراہیم (ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا) کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے فرمایا، "اس کے بچے نے اسے آزاد کر دیا ہے۔" (ابن ماجہ، کتاب العتق، حدیث 2516)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "جس شخص کے ہاں بھی کسی بوٹری سے بچہ پیدا ہو جائے، تو وہ اس کے فوت ہوتے ہی آزاد ہو جائے گی۔" (ابن ماجہ، کتاب العتق، حدیث 2515، مشکوٰۃ، کتاب العتق، حدیث 3394)

ان دونوں احادیث کی سند میں اگرچہ حسین بن عبد اللہ ضعیف روی ہیں لیکن اس حدیث کی دیگر صحیح اسناد بھی موجود ہیں۔ درمی میں یہی حدیث صحیح سند سے روایت کی گئی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی فرمان تھا کہ ام ولد کی منتقلی کو مکمل طور پر روک کر اس کی آزادی پر عمل درآمد کیا جائے۔

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "ام ولد آزاد ہی ہے اگرچہ اس کا حمل ساقط ہو جائے۔" (دارقطنی، کتاب المکاتب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام ولد کی آزادی کو بچے کے پیدا ہونے سے مشروط نہیں فرمایا بلکہ حمل ٹھہر جانے سے مشروط فرمایا اگرچہ وہ حمل ضائع بھی ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس ضمن میں سختی سے ام ولد کی آزادی کو نافذ کیا۔

حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: أَيُّمَا وَلِيدَةٍ وَلَدَتْ مِنْ سَيِّدِهَا، فَإِنَّهُ لَا يَبِيعُهَا، وَلَا يَهْبِئُهَا، وَلَا يُوْزِنُهَا، وَهُوَ يَسْتَمْتَعُ بِهَا، فَإِذَا مَاتَ فَهِيَ حُرَّةٌ. (موطأ مالک، کتاب العتق، حدیث 2248)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا: جس بوٹری کے بچے اپنے آقا سے بچہ پیدا ہو، تو اس کی خدمت کو نہ تو بیچا جائے گا، نہ ہی کسی کو سختی منتقل کیا جائے گا، نہ ہی وراثت میں منتقل کیا جائے گا۔ وہ، مک ای اس سے فائدہ اٹھائے گا اور اس کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہوگی۔

یہ حکم جاری کرتے وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تصریح فرمائی تھی کہ انہوں نے ایسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق کیا تھا۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ النَّقَاشُ ثَنَا الْحَسَنُ بْنُ سَفِيَانَ نَا مَصْرُفُ بْنُ عَمْرٍو نَا سَفِيَانَ بْنِ عَيْنَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَفْرِيقِيِّ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيْبِ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَعْتَقَ امْهَاتِ

الأولاد وقال عمر أعتقهم رسول الله صلى الله عليه وسلم. (دارقطني، كتاب المكاتب)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب ام ولد بونڈیوں کو آزاد کیا تو فرمایا، "انہیں دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آزاد فرمایا تھا۔"

### ام ولد کی آزادی میں حضرت فاروق اعظم کا اصول

آقا سے جس بونڈی کے اولاد پیدا ہو جاتی ہے اس کو ام ولد کہتے ہیں، حضرت عمرؓ کے عہد خلافت سے پہلے اس قسم کی بونڈیاں عام بونڈیوں کے برابر سمجھی جاتی تھیں، لیکن حضرت عمرؓ نے یہ عام قاعدہ مقرر فرما دیا کہ اس قسم کی بونڈیاں نہ فروخت کی جا سکتیں ہیں نہ ان میں وراثت چاری ہو سکتی، نہ ان کا ہبہ ہو سکتا؛ بلکہ وہ آقا کی موت کے بعد آزاد ہو جائیں گی، اس طرح بونڈیوں کی آزادی کا نیا راستہ نکل آیا۔ (موطا امام محمد باب بیع امہات الاولاد)

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جو شخص اپنی بونڈی کو مدبر کرے بعد اس کے اس کی اولاد پیدا ہو پھر وہ بونڈی مولیٰ کے سامنے مرجائے تو اس کی اولاد اپنی ماں کی طرح مدبر رہے گی جب مولیٰ مرجائے گا اور ملث مال میں گنجائش ہو تو آزاد ہو جائے گی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ برعورت کی اولاد اپنی ماں کی مثل ہوگی اگر وہ مدبر رہے یہ مکاتبہ ہے یا معتقہ لی جمل ہے یا مخدوم ہے یا معتقہ انحصار ہے یا گروہ ہے یا ام ولد ہے۔ ہر ایک کی اولاد اپنی ماں کی مثل ہوگی وہ آزاد تو وہ آزاد اور وہ لونبی ہو جائے گی تو وہ بھی مملوک ہو جائے گی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر بونڈی حائضہ میں مدبر ہوئی تو اس کا بچہ بھی مدبر ہو جائے گا اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنی حامد بونڈی کو آزاد کر دیا اور اس کو معلوم نہ تھا کہ یہ حامد ہے تو اس کا بچہ بھی آزاد ہو جائے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اسی طرح اگر ایک شخص حامد بونڈی کو بچے تو وہ بونڈی اور اس کے پیٹ کا بچہ مشتری کا ہوگا خواہ مشتری نے اس کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اسی طرح بائع کے لئے درست نہیں کہ بونڈی کو بچے اور اس کا حمل بچے کیونکہ اس میں دھوکا ہے شاید بچہ پیدا ہوتا ہے یا نہیں ہوتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کوئی شخص پیٹ کے بچے کو بچے اس کی بیع درست نہیں۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر مدبر اپنے مولیٰ سے کہے تو مجھے ابھی آزاد کر دے میں تجھے پچاس دینا رقبہ وار دیتا ہوں مولیٰ کہے اچھا تو آزاد ہے تو مجھے پچاس دینا رقبہ پانچ برس میں دے دینا ہر سال دس دینا رقبہ کے حساب سے مدبر اس پر راضی ہو جائے بعد اس کے دو تین دن میں مولیٰ مرجائے تو وہ آزاد ہو جائے گا اور پچاس دینا رقبہ اس پر فرض رہیں گے اور اس کی گواہی جائز ہو جائے گی اور اس کی حرمت اور میراث اور حدود پورے ہو جائیں گے اور مولیٰ کے مرجانے سے ان پچاس دینا رقبہ کچھ کمی نہ ہو

گی۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1184)

### ام ولد سے خدمات لینے کا بیان

قَالَ: (وَلَهُ وَطْؤُهَا وَاسْتِخْدَامُهَا وَإِجَارَتُهَا وَتَزْوِيجُهَا) لِأَنَّ الْمِلْتَ فِيهَا قَائِمٌ فَاشْتَبَهَتْ الْمَدْبَرَةَ وَلَا يَثْبُتُ نَسَبٌ وَلَدَهَا إِلَّا أَنْ يَعْتَرِفَ بِهِ (وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْهُ وَإِنْ لَمْ يَدَّعِ لِأَنَّهُ لَمَّا ثَبَتَ النَّسَبُ بِالْعَقْدِ فَلَا يَثْبُتُ بِالْوَطْءِ وَأَنَّهُ أَكْثَرُ إِفْضَاءً أَوْلَى. وَلَكِنَّا أَنْ وَطْءَ الْأَمَةَ يُقْصَدُ بِهِ قَضَاءُ الشَّهْوَةِ دُونَ الْوَلَدِ. لِوُجُودِ الْمَاعِ عِنْدَهُ فَلَا بُدَّ مِنَ الدَّعْوَةِ بِمَنْزِلَةِ مَالِكِ الْيَمِينِ مِنْ غَيْرِ وَطْءٍ، بِخِلَافِ الْعَقْدِ لِأَنَّ الْوَلَدَ يَتَعَيَّنُ مَقْصُودًا مِنْهُ فَلَا حَاجَةَ إِلَى الدَّعْوَةِ.

### ترجمہ

فرمایا کہ: آقا اس ام ولد سے جماع کرنا خدمت لینا اور اسے اجرت پر دینا اور اس کا نکاح کرنا جائز ہے۔ اس لئے کہ اس میں ملکیت موجود ہے تو یہ مدبرہ کے مشابہ ہوگئی اور اس کے لڑکے کا نسب آقا سے ثابت نہیں ہوگا مگر یہ کہ آقا اس کا اقرار کرے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس کے بچے کا نسب آقا سے ثابت ہو جائے گا اگرچہ آقا اس کا دعویٰ نہ کرے۔ اس وجہ سے کہ جب عقد نکاح سے نسب ثابت ہو جاتا ہے تو جماع سے بدرجہ اولیٰ ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ جماع عقد نکاح سے زیادہ بچے کی طرف سے جانے دیا ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ باندی کے جماع سے قضاء شہوت مقصود ہوتی ہے سوائے مدبرہ کے۔ کیونکہ بچے کے طبع کے منع پایا جاتا ہے اس لئے نسب کا دعویٰ کرنا لازم ہے جس طرح کہ مدبرہ باندی جو ملکیت میں ہو اور اس سے جماع نہ کیا گیا ہو جبکہ عقد میں ایسا نہیں ہے کیونکہ عقد نکاح سے بچے کا حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے اسی دلیل کے پیش نظر دعویٰ کی ضرورت نہیں ہے۔

### ام ولد کے مدبرہ کے مشابہ ہونے کا فقہی بیان

صاحب ہدایہ نے مذکورہ عبارت میں یہ بیان کیا ہے کہ ام ولد سے خدمت لینا اور اسی طرح اس سے جماع کرنا اور اس کو اجرت پر دینا یا نکاح کرنا سب جائز ہے اس کی دلیل مصنف علیہ الرحمہ نے یہ بیان کی ہے کہ ام ولد میں ملکیت کا وجود پایا جا رہا ہے اور مذکورہ کام ملکیت کے سبب کے پیش نظر ثابت ہوئے ہیں۔ لہذا جب ملکیت یعنی اصل جو مذکورہ احکام کا سبب ہے وہ پائی گئی تو حکم بھی اسی طرح پایا جائے گا۔

### ام ولد اور اولاد کے درمیان علیحدگی کی ممانعت کا فقہی بیان

غلام خاندانوں کو یہ حق بھی دے دیا گیا کہ ان کی کسی قسم کی منتقلی کی صورت میں ان کے خاندان کو الگ نہ کیا جائے گا۔

حدثنا عمر بن حفص بن عمر الشيباني أخبرنا عبد الله بن وهب أخبرني حبي عن أبي عبد الرحمن

الحبلی عن ابی ایوب قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول من فرق بين والدة وولدها فرق الله بينه وبين احبته يوم القيامة . قال ابو عيسى وفي الباب عن علي وهذا حديث حسن غريب . والعمل على هذا عند اهل العلم من اصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم وغيرهم كرهوا التفريق بين السبي بين الوالدة وولدها وبين الولد والوالد وبين الاخوة . (ترمذی، کتاب الجہاد، حدیث (1566)

حضرت سیدنا ابوالایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، "جس نے ماں اور اس کے بچے کو الگ کیا، اللہ قیامت کے دن اس کو اس کے پیاروں سے الگ کر دے گا۔"

ترمذی کہتے ہیں، "یہ حدیث حسن غریب درجے کی ہے اور اس کی روایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی کی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علماء صحابہ اور دیگر اہل علم کا عمل بھی یہی ہے۔ وہ اس بات کو سخت ناپسند کرتے تھے کہ غلاموں میں ماں اور بچے، باپ اور بچے اور بہن بھائیوں کو علیحدہ کر دیا جائے۔"

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ جَابِرٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُتِيَ بِالسَّبْيِ أُعْطِيَ أَهْلَ الْبَيْتِ أَهْلَ الْبَيْتِ جَمِيعًا كَرَاهِيَةً أَنْ يُفَرَّقَ بَيْنَهُمْ. (ابن ابی شیبہ؛ حدیث (23265)

حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی جنگی قیدیوں کی خدمات کو تقسیم کرتے تو ان کے ایک پورے گھرانے کو ایک گھر کی خدمت کے لئے دیا کرتے۔ آپ اسے سخت ناپسند فرماتے کہ ایک ہی گھر کے افراد میں علیحدگی کروائی جائے۔

حَدَّثَنَا حَفْصٌ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: سَمِعْتُ مَعِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِغُلَامَيْنِ سَبْيَيْنِ مَمْلُوكَيْنِ أَبِيغُهُمَا، فَلَمَّا أَتَيْتُهُ، قَالَ: جَمَعْتُ أَوْ فَرَّقْتُ؟ قُلْتُ: فَرَّقْتُ، قَالَ: فَأَذْرِكْ أَذْرِكْ. (ابن ابی شیبہ؛ حدیث (23258)

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو جنگی قیدی غلاموں کو میرے ساتھ بھیجا کہ ان کی خدمات کو فروخت کر دیا جائے۔ جب میں واپس آیا تو آپ نے پوچھا، "انہیں اکٹھا رکھا ہے یا الگ الگ؟" میں نے عرض کیا، "الگ الگ۔" آپ نے فرمایا، "تمہیں اس بات کا علم ہونا چاہیے تھا (کہ انہیں الگ کرنا جائز نہیں ہے)۔"

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَسَنِ، عَنْ أُمِّهِ فَاطِمَةَ ابْنَةِ حُسَيْنٍ، أَنَّ رَبْدَةَ بَنَ حَارِثَةَ قَدِمَ يَغْنَى مِنْ أَيْلَةٍ، فَأَخْتَجَ إِلَى ظَهْرِ قَبَاعَ بَعْضَهُمْ، فَلَمَّا قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى امْرَأَةً مِنْهُمْ تَبْكِي، قَالَ: مَا شَأْنُ هَذِهِ؟ فَأُخْبِرَ أَنَّ رَبْدَةَ بَاعَ وَلَدَهَا، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرَدَدْتَهُ أَوْ اشْتَرَيْتَهُ. (ابن ابی شیبہ؛ حدیث (23257)

حضرت فاطمہ بنت حسین بیان کرتی ہیں کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایلہ سے واپس آئے۔ انہوں نے کچھ غلاموں کی خدمات کو فروخت کر دیا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے تو آپ نے ایک خاتون کو روئے ہوئے دیکھا۔ آپ نے پوچھا، انہیں کیا ہوا؟" آپ کو بتایا گیا کہ زید نے ان کے بیٹے کی خدمات کو فروخت کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (خدمات خریدنے والوں سے) فرمایا، "یا تو ان کے بیٹے کو واپس کر دیا پھر ماں کی خدمات کو بھی خرید لو۔"

حَدَّثَنَا ابْنُ عُثَيْمٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ فَرُّوخَ، قَالَ: كَتَبَ عُمَرُ . أَنْ لَا تَفْرُقُوا بَيْنَ الْأَخَوَيْنِ. (ابن ابی شیبہ؛ حدیث (23259)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قانون بنایا، "(خدمات کی منتقلی کے وقت) دو بھائیوں میں علیحدگی نہ کروائی جائے۔" حَدَّثَنَا ابْنُ عُثَيْمٍ، عَنْ عَمْرِو، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ فَرُّوخَ - وَرَتَمًا قَالَ: عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ عُمَرَ، قَالَ: لَا تَفْرُقُوا بَيْنَ الْأُمِّ وَلَدِهَا. (ابن ابی شیبہ؛ حدیث (23260)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قانون بنایا، "(خدمات کی منتقلی کے وقت) ماں اور اس کی اولاد میں علیحدگی نہ کروائی جائے۔"

حَدَّثَنَا ابْنُ عُثَيْمٍ، عَنْ يُونُسَ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ، قَالَ: قَالَ عَقْلٌ - أَوْ حَكِيمٌ بْنُ عَقْلٍ - قَالَ: كَتَبْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ إِلَى عَقَالٍ: أَنْ يَشْتَرِيَ مِنْهُ أَهْلَ بَيْتِ يَرْفَعُهُمْ إِلَى الْمَدِينَةِ، وَلَا تَشْتَرِيَ لِي شَيْئًا تَفْرُقُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ وَالِدَيْهِ. (ابن ابی شیبہ؛ حدیث (23261)

حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عقل کو لکھا، "ایک ہی خاندان کے سوا افراد کی خدمات کو خرید کر انہیں مدینہ روانہ کر دو۔ خدمات کی خریداری اس طرح سے مت کرنا جس کے نتیجے میں اولاد اور والدین میں علیحدگی ہو جائے۔" ان احادیث کو درج ذیل حدیث کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو صورت اور واضح ہو جاتی ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ زَكْرِيَّا بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ صَيْفِي عَنْ أَبِي مَعْبُدٍ عَنْ بَنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مَعَاذَ بْنَ جَبَلٍ إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ اتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْمُونِ فَإِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ . قَالَ أَبُو عِيْسَى وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرِو وَأَبِي سَعِيدٍ وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو مَعْبُدٍ اسْمُهُ لُافِذٌ . (ترمذی، کتاب الادب، حدیث (2014)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا عمل بنا کر بھیجا تو فرمایا، "مظلوم کی بددعا سے بچنا۔ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔" ترمذی نے اس حدیث کو انس، ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمر اور ابوسعید رضی اللہ عنہم سے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اس معاملے میں مسلمانوں کے اہل علم میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ کسی بھی حالت میں غلاموں کے خاندان کو تقسیم نہیں کیا

جائے گا۔ خطابی لکھتے ہیں:

ولا یختلف مذاهب العلماء فی کراهة التفريق بین الجارية و ولدھا الصغير سواء کانت مسبية من بلاد الکفر او کان الولد من زنا او کان زوجها اهلها فی الاسلام فجاءت بولد . و لا اعلمهم یختلفون فی ان التفريق بیسهما فی العتق جائز و ذلك ان العتق لا یمنع من الحصانة کما یمنع منها البیع . (خطابی، معالم السنن، کتاب الجهاد)

ایک نوذی اور اس کے چھوٹے بچے کو عیدہ کرنے کے بارے میں علماء کے نقطہ ہائے نظر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ دشمن کے کسی ملک سے آئی ہو یا اس کا بچہ بدکاری کا نتیجہ ہو یا اس کے ملکوں نے اس کی شادی مسلمانوں میں کر دی ہو (برصورت میں اس کا بچہ اس کے پاس ہی رہے گا)۔ اس معاملے میں بھی مجھے کوئی اختلاف نہیں مل سکا کہ (میں اپنے بچے میں سے کسی ایک کو) آزاد کر دینے کی صورت میں عیدگی جائز ہے۔ اس کا وجہ یہ ہے کہ آزاد کر دینے کی صورت میں تو ماں اپنے بچے کی پرورش کر سکتی ہے مگر خدمات کی منتقلی کی صورت میں نہیں۔

ولد ثانی کیلئے ولدا اول کا ثبوت نسب میں عدم اقرار کا بیان

(فَإِنْ) (جَاءَتْ بَعْدَ ذَلِكَ بِوَلَدٍ ثَبَتَ نَسَبُهُ بِغَيْرِ إِقْرَارٍ) مَعْنَاهُ بَعْدَ اغْتِرَابٍ مِنْهُ بِالْوَلَدِ الْأَوَّلِ؛ لِأَنَّهُ يَدْعُو الْوَلَدَ الْأَوَّلَ تَعَيَّنَ الْوَلَدُ مَقْصُودًا مِنْهَا فَصَارَتْ فِرَاشًا كَالْمَعْقُودَةِ (إِلَّا أَنَّهُ إِذَا نَفَاهُ يَنْتَفِي بِقَوْلِهِ)؛ لِأَنَّ فِرَاشَهَا ضَعِيفٌ حَتَّى يَمْلِكَ نَقْلَهُ بِالتَّزْوِيجِ، بِخِلَافِ الْمَنْكُوحَةِ حَيْثُ لَا يَنْتَفِي الْوَلَدُ بِفِيهِ إِلَّا بِاللَّعَانِ؛ لِتَأَكُّدِ الْفِرَاشِ حَتَّى لَا يَمْلِكَ إِبْطَالُهُ بِالتَّزْوِيجِ، وَهَذَا الَّذِي ذَكَرْنَاهُ حُكْمٌ.

فَأَمَّا الدِّيَانَةُ، فَإِنْ كَانَ وَطْنُهَا وَحَصْنُهَا وَلَمْ يَغْزِلْ عَنْهَا يَلْزَمُهُ أَنْ يَغْتَرِفَ بِهِ وَيَدَّعِيَ؛ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ الْوَلَدَ مِنْهُ، وَإِنْ عَزَلَ عَنْهَا أَوْ لَمْ يَحْصِنْهَا جَارَ لَهُ أَنْ يَفِيَهُ؛ لِأَنَّ هَذَا الظَّاهِرَ يُقَابِلُهُ ظَاهِرٌ آخَرٌ، هَكَذَا رَوَى عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَفِيهِ رَوَايَتَانِ أُخْرَيَانِ عَنْ أَبِي يُونُسَ وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ ذَكَرْنَاهُمَا فِي كِفَايَةِ الْمُنتَهَى.

ترجمہ

پس جب تاقا کے پہلے بچے کا اقرار لیا جائے گا تو اگر اس کے بعد دوسرا بچہ اس باندی سے پیدا ہوگا تو اقرار کے بغیر اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اس کا حکم یہ ہے کہ تاقا کی طرف سے پہلے بچے کے اقرار کے بعد جبکہ اس باندی سے بچے کا حصول مقصود بن کر

متعین ہو چکا ہے تو یہ ام ولد فراش ہو گئی جس طرح شادی شدہ عورت فراش ہو جاتی ہے مگر جب آقا دوسرے بچے کی نئی کر دے تو اس کے قوس سے اس بچے کے نسب کی نفی ثابت ہو جائے گی کیونکہ اس کا فراش کمزور ہے اسی لئے شوہر اپنی منکوحہ کا کسی ور سے نکاح کرا کے اس فراش کو ختم کرنے کا مالک نہیں ہے۔ یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے یہ حکم لیکن دیانت داری کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر آقا نے ام ولد سے جراح کر لیا اور اسے محفوظ رکھا اور اس سے عزل نہیں کیا تو آقا کے لئے ضروری ہے۔ اس بچے کا اقرار کرے اور اس کا دعویٰ کرے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ بچہ اس کی کا ہی ہے اگر آقا اس سے عزل کرتا رہا یہ اس کو محفوظ نہیں رکھتا تو اس بچے کی نفی کرنا جائز ہے۔ اس لئے کہ اس ظہر کے مقدمے میں ایک اور ظاہر بھی ہے اسی طرح امام ابو حنیفہ نے بیان کیا ہے اور صاحبین سے دو روایات اور بھی روایت کی گئی ہیں۔ جن کو ہم نے کفایت المستفی میں بیان کر دیا ہے۔

شرح

صاحب ہدایہ نے مذکورہ عبارت میں یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ ولد ثانی کیلئے الگ اقرار کرنا ضروری نہ ہوگا کیونکہ جب تاقا پہلے بچے کا اقرار کر چکا ہے اور دوسرا بچہ بھی اسی باندی سے پیدا ہوا ہے۔ اس مسئلہ کی دلیل یہ ہے کہ ولد اول و ولد ثانی کیلئے بطور اصل باعتبار حکم اور ولد ثانی و ولد اول کیلئے فرع بطور حکم ہوا اور دونوں میں سنت مشترکہ اقرار اول ہے۔ ماں البتہ جب وہ نفی کر دے گا تو حکم ولد ثانی سے ختم ہو جائے گا کیونکہ سنت مشترکہ کا معدوم ہونا حکم کے عدم کو لازم ہے۔ (رضوی غفرلہ)

ام ولد کی خدمات کے انتقال میں بعض فقہی نظریات

ام خطابی نے معام السنن میں بیان کیا ہے کہ دور جاہلیت میں بھی ایسا بہت ہی کم ہوتا تھا کہ کوئی اپنے بچے کی ماں کی خدمات کسی اور کی طرف منتقل کر دے۔ اپنے بچے کی ماں کو منتقل کرنا آسان کام نہیں۔ اگر ایسا کرتے ہوئے بچے کو ماں سے الگ کر لیا جائے تو یہ بدترین ظلم ہوگا جس سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین نے ہمیشہ منع فرمایا ہے۔ اگر بچے کی ماں کو منتقل کرتے ہوئے بچے کو اس کے ساتھ ہی رہنے دیا جائے تو وہ کون سا غیرت مند باپ ہوگا جو اپنے بچے کو کسی اور کی غلامی میں جانے دے گا۔

اس روایت کو سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے منسوب کیا گیا ہے۔ یہ ایک نہایت ہی جلیل القدر صحابی ہیں جن کا ذاتی کردار خود اس روایت کی نشی کر دیتا ہے۔ بخاری کی مشہور روایت کے مطابق سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے والد جب جنگ احد میں شہید ہوئے تو یہ نوجوان تھے اور ان کی چھوٹی چھوٹی بہنیں تھیں جن کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ تھا۔ انہوں نے اپنے نوجوانی کے جذبات کو ایک طرف رکھ کر ایک بڑی عمر کی خاتون سے شادی کر لی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا تو انہوں نے بتایا کہ انہوں نے ایسا صرف اپنی بہنوں کے لئے کیا ہے تاکہ بڑی عمر کی خاتون ان کی بہنوں کی دیکھ بھال آسانی سے کر سکے۔ ایسے کردار کے شخص سے کیا یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے بچے کی والدہ کو کسی اور کی طرف منتقل کر دے گا؟

اس روایت سے بظاہر تاثر یہ ملتا ہے کہ ام ولد کی خدمات کو فروخت کرنا عہد رسات میں گویا ایک عام معمول تھا۔ اگر ایسا ہی تھا تو اس ضمن میں ایسی بہت سی روایات ملتی چاہئیں جن میں لوگوں نے ام ولد کی خدمات کو منتقل کیا ہو۔ عہد رسات میں ایسا ایک ہی واقعہ ملتا ہے جس کی اطلاع ہوتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود چکر اس معاملے کو روک دیا۔ عہد رسات تو کیا دور جاہلیت میں بھی ایسے واقعات استثنائی تھے۔

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی بات کو سمجھنے میں کسی راوی کو شدید غلطی لاحق ہوئی ہے۔ انہوں نے کچھ اور فرمایا ہوگا جسے راوی نے کچھ کا کچھ کر دیا ہے۔ غائب گن ہے کہ انہوں نے یہ بیان فرمایا ہوگا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے پہلے ام ولد کی خدمات کو منتقل کرنے کے خلاف حکومت کی جانب سے باقاعدہ کارروائی نہیں کی گئی تھی جبکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اسے قابل تعزیر جرم قرار دے دیا گیا تھا۔

ام بغوی نے شرح سنہ میں بیان کیا ہے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام سے پہلے لوگوں میں کچھ تشویش پائی جاتی تھی۔ آپ کے اس اقدام کے بعد سب لوگوں کا ذہن اس معاملے میں واضح ہو گیا اور اس پر امت کا جماع ہو گیا کہ ام ولد کی خدمات کو منتقل نہیں کیا جائے گا۔

ام ولد کے نکاح کے بعد پیدا ہونے والے بچے کا بیان

(فَبِإِنْ رَّوَحَهَا فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَهُوَ فِي حُكْمِ أُمِّهِ) ؛ لِأَنَّ حَقَّ الْحُرِّيَّةِ يَسْرِي إِلَى الْوَلَدِ كَالْتَذْيِيرِ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ وَلَدَ الْحُرَّةِ حُرٌّ وَوَلَدَ الْفَقِيَّةِ رَقِيقٌ وَالنَّسَبُ يُثْبِتُ مِنَ الزَّوْجِ ؛ لِأَنَّ الْبِرَّ لَهَا ، وَإِنْ كَانَ النِّكَاحُ فَاسِدًا إِذَا الْفَاسِدُ مُلْحَقٌ بِالصَّحِيحِ فِي حَقِّ الْأَحْكَامِ ، وَلَوْ ادَّعَاهُ الْمَوْلَى لَا يُثْبِتُ نَسَبُهُ مِنْهُ ؛ لِأَنَّهُ قَابِلُ النَّسَبِ مِنْ غَيْرِهِ ، وَيُعْتَقُ الْوَلَدُ وَتَصِيرُ أُمُّهُ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ لِإِقْرَارِهِ .

ترجمہ

اور جب آقا نے اپنی ام ولد کا نکاح کر دیا تو اس کے بعد اگر اس نے بچہ پیدا کیا تو وہ بچہ اپنی ماں کے حکم میں ہوگا اس لئے کہ آزاد ہونے کا حق بچے کی طرف سرایت کر جاتا ہے جس طرح تدبیر میں سرایت کر جاتا ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ آزاد عورت کا بچہ آزاد ہوتا ہے۔ اور خالص باندی کا بچہ خالص غلام ہوتا ہے۔ اور نسب شوہر سے ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ فراش اسی کا ہوتا ہے گرچہ نکاح فاسد ہی کیوں نہ ہو اس وجہ سے کہ نکاح فاسد بھی احکام میں نکاح صحیح کے ساتھ ملا ہوا ہے اس لئے اگر آقا اس بچے کا دعویٰ بھی کرے تو آقا سے اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اس بچے کا نسب آقا کے علاوہ دوسرے باپ سے ثابت ہے اور بچہ آزاد ہو جائے گا اور اس کی ماں اس آقا کی ام ولد ہو جائے گی کیونکہ آقا اس کا اقرار کر چکا ہے۔

شرح

ان سے عروہ بن زبیر نے بیان کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا عقبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی کہ زعمہ کی باندی کے بچے کو اپنے قبضے میں لے لیں۔ اس نے کہا تھا کہ وہ لڑکا میرا ہے۔ پھر جب فتح مکہ کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ) تشریف لائے، تو سعد رضی اللہ عنہ نے زعمہ کی باندی کے لڑکے کو لے لیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، عہد بن زعمہ بھی ساتھ تھے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ میرا بھائی ہے۔ جو زعمہ (میرے والد) کی باندی کا لڑکا ہے۔ انہیں کے فراش پر پیدا ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زعمہ کی باندی کے لڑکے کو دیکھا تو واقعی وہ عقبہ کی صورت پر تھا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے عبد بن زعمہ! یہ تمہاری پرورش میں رہے گا۔ کیوں کہ بچہ تمہارے والد ہی کے فراش میں پیدا ہوا ہے۔ آپ نے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اے سودہ بن زعمہ! (رضی اللہ عنہا ام المؤمنین) اس سے پرہیز کر یہ ہدایت آپ نے اس لیے کی تھی کہ بچے میں عقبہ کی شباهت دیکھ نہ لیں۔ سودہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تھیں۔ (بخاری) اس حدیث میں ام ولد کا ذکر ہے۔ یہاں یہ حدیث لانے کا یہی مطلب ہے۔

آقا کی موت کے بعد ام ولد کا پورے مال سے آزاد ہونا

(وَإِذَا مَاتَ الْمَوْلَى عَتَقَتْ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ) ؛ لِحَدِيثِ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ( أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِعَتَقِ أُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ وَأَنَّ لَا يُبْعَنَ فِي دَيْنٍ وَلَا يُجْعَلَ مِنَ الثَّلَاثِ ) . وَلِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى الْوَلَدِ أَصْلَبِيَّةٌ فَتَقَدَّمُ عَلَى حَقِّ الْمَرْثَةِ وَالَّذِينَ كَالْتَكْهِينَ ، بِخِلَافِ التَّذْيِيرِ ؛ لِأَنَّهُ وَصِيَّةٌ بِمَا هُوَ مِنْ زَوَالِدِ الْخَوَالِجِ .

ترجمہ

اور جب آقا فوت ہو جائے تو ام ولد مکمل مال کے ساتھ آزاد ہو جائے گی۔ کیونکہ حضرت سعید بن المسیب کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے امہات الاولاد کو آزاد کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی فرمایا کہ ان کو کسی قرض میں فروخت نہ کیا جائے اور ان کو تہائی مال کے ساتھ آزاد نہ کیا جائے اس لئے کہ بچے کی ضرورت اصل ہے اس وجہ سے یہ ورثاء کے حق اور قرض پر مقدم کی جائے گی جیسے کفن و دفن تدبیر کے خلاف کیونکہ تدبیر ضرورت اصلیہ سے زائد چیز کی وصیت ہے۔

موت کے بعد ام ولد کی آزادی میں مذاہب اربعہ

ام ولد وہ لونڈی ہے جو اپنے مالک کو جنے۔ اگر علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ مالک کے مرنے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا یہی قول ہے اور امام احمد اور اسحاق بھی اسی طرف گئے ہیں۔ بعض علماء نے کہا وہ آزاد نہیں ہوتی اور اس کی بیع جائز



سے۔ ترجیح قول اول ہی کو حاصل ہے۔ قیمت کی نشانی وہاں حدیث امام بخاری رحمہ اللہ اس لیے رائے تاکہ شرع ہو کہ ام ولد کی بیع جائز نہیں اور ام ولد کا بیگانہ اس کا اپنی اولاد کی ملک میں رہنا قیامت کی نشانی ہے۔

امام قسطلانی فرماتے ہیں: **وَقَدْ اخْتَلَفَ السَّلَفُ وَالْخَلَفُ فِي عَقْقِ امِّ الْوَلَدِ وَ فِي جَوَازِ بَيْعِهَا فَالْثَّابِتُ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ جَوَازِ بَيْعِهَا**

یعنی سلف اور خلف کا ام ولد کی آزادی اور اس کی بیع کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا عدم جواز ثابت ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ عبدالرسول میں پھر ہند صدیقی میں ام ولد کی خرید و فروخت ہوا کرتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں کچھ مصارع کی بنا پر ان کی بیع کو ممنوع قرار دے دیا اور بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے سے کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ اس لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ وقتی فیصلہ ایک اجماعی مسئلہ بن گیا۔

قال الطيبي هذا من اقوى الدلائل على بطلان بيع امهات الاولاد و ذلك ان الصحابة لو لم يعلموا ان الحق مع عمر لم يتابعوه عليه ولم يسكتوا عنه (حاشیہ بخاری ج 1: ص 344) یعنی طیبی نے کہا کہ حضرت عمر کا یہ فیصلہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ اولاد والی لونڈی کا بیعنا باطل ہے۔ اگر صحابہ کرام یہ نہ جانتے کہ حق عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے تو وہ نہ اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اتباع کرتے اور نہ اس فیصلہ پر خاموش رہتے۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہی حق تھا۔

الفاظ حدیث: **ان تلدا لامة ربها** کے ذیل میں شارحین لکھتے ہیں۔ **الرب لغة السيد والمالك والمرعى والمنعم والمراد ههنا المولى معناه اتساع الاسلام واستبلاء اهله على الترك واتخاذهم سرارى واذا استولد الجارية كان الولد بمنزلة ربها لانه ولد سيدها ولانه في الحسب كابيه اولان الاماء يلدن الملوک فتصير الامام من جملة الرعايا او هو كناية عن عقوق الاولاد بان يعامل الولد امه معاملة السيد امته الخ (شرح بخاری)**

یعنی رب نعت میں سید اور مالک اور مربی اور منعم کو کہا جاتا ہے۔ یہاں مولا مراد ہے۔ یعنی یہ کہ اسلام بہت وسیع ہو جائے گا اور مسلمان ترکوں پر غالب آکر ان کو غلام بنائیں گے اور جب لونڈی بچہ جنے تو گویا اس نے خود اپنے مالک کو جنم دیا۔ اس لیے کہ وہ

اس کے مالک کا بچہ ہے یہ وہ حسب میں اپنے باپ کے، نند ہے یا یہ کہ لونڈیاں بادشاہوں کو جنیں گی پس ام بھی رعایا میں ہو جائے گی۔ یا اس جملہ میں اولاد کی نافرمانیوں پر اشارہ ہے کہ اولاد اپنی ماں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے گی جیسا کہ ایک لونڈی کے ساتھ اس کا آقا برتاؤ کرتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرب قیمت کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ لونڈیوں کی اولاد بادشاہ بن جائے گی۔

مالک کے قرض خواہوں کے سبب ام ولد پر کمائی کے عدم وجوب کا بیان

( **وَلَا يَسْعَايَةَ عَلَيْهَا فِي ذَيْنِ الْمَوْلَى لِلْغُرْمَاءِ** ) لَمَّا رَوَيْنَا ، وَلَا نَهَا لَيْسَتْ بِمَالٍ مُتَقَوِّمٍ حَتَّى لَا تُضْمَنُ بِالْغَضَبِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فَلَا يَتَعَلَّقُ بِهَا حَقُّ الْغُرْمَاءِ كَالْقِصَاصِ ، بِخِلَافِ الْمُذْئَبِ ؛ لِأَنَّهُ مَالٌ مُتَقَوِّمٌ .

ترجمہ

اور ام ولد پر آقا کے قرض داروں کے لئے کمائی واجب نہیں ہوگی اس حدیث کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں کیونکہ ام ولد مال متقوم نہیں ہے جبکہ غصب کی وجہ سے مومن مضمون نہیں ہوتی اس لئے ام ولد سے قرض داروں کا حق متعلق نہیں ہوگا جیسے قصاص ہے جبکہ مدبر میں اس طرح نہیں ہے۔ اس لئے کہ مدبر مال متقوم ہے۔

شرح

اس مسئلہ کی دلیل مذکورہ دلائل میں بیان کردہ حدیث ہے۔ اور عقلی دلیل یہ ہے کہ ام ولد کا مال متقوم نہ ہونا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ وہ مالک کے قرض داروں کو قرض کرنے کی مکلف نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں اس تکلیف کی اہمیت ہی نہیں ہے۔ اور غیر کے حق میں کسی کو مکلف کرنا درست نہیں ہے۔

اس مسئلہ کی دلیل دوسری یہ ہے کہ اس مسئلہ کو قصاص پر قیاس کیا گیا ہے۔ جس طرح قصاص وہوں کیلئے ام ولد مکلف نہ ہوگی اور اہمیت مدبر اس صورت میں فرق کرنا فقہی تفریع کے طور پر ضروری ہوگا کیونکہ بطور توسع ام ولد اور مدبر میں فرق واضح ہے۔

نصرانی کی ام ولد کے مکاتب کی طرح ہونے کا بیان

( **وَإِذَا أَسْلَمَتْ أُمٌّ وَلَدِ النَّصْرَانِيِّ فَعَلَيْهَا أَنْ تَسْعَى فِي قِيَمَتِهَا** ) وَهِيَ بِمَنْزِلَةِ الْمُكَاتَبِ لَا تُعَقَّقُ حَتَّى تُؤْذَى السَّعَايَةُ . وَقَالَ زُفَرٌ رَحِمَهُ اللَّهُ : تُعَقَّقُ فِي الْحَالِ وَالسَّعَايَةُ ذَيْنٌ عَلَيْهَا ، وَهَذَا الْخِلَافُ فِيمَا إِذَا عُرِضَ عَلَى الْمَوْلَى الْإِسْلَامُ فَأَبَى ، فَإِنْ أَسْلَمَ تَبَقَّى عَلَى حَالِهَا . لَهُ أَنْ إِزَالَ الدُّلَّ عَنْهَا بَعْدَمَا أَسْلَمَتْ وَاجِبَةٌ وَذَلِكَ بِالْبَيْعِ أَوْ الْإِعْتَاقِ وَقَدْ تَعَدَّرَ الْبَيْعُ فَتَعَيَّنَ الْإِعْتَاقُ .

وَلَنَا أَنَّ النَّظَرَ مِنَ الْجَائِزِ فِي حَقِّهَا مَكَاتِبَةٌ : لِأَنَّهُ يَنْدَفِعُ الذَّلُّ عَنْهَا بِصَرِّ وَرَدِّهَا حُرَّةً  
بَدَا وَالصَّرْرُ عَنْ الذَّمِّ لِأُبْعَانِهَا عَلَى الْكَسْبِ نِيْلًا لِشَرَفِ الْحُرِّيَّةِ فَيَصِلُ الذَّمُّ إِلَى  
بَدَلٍ مِنْكُمْ ، أَمَّا لَوْ أُغْنِيَتْ وَهِيَ مُفْلِسَةٌ تَتَوَانَى فِي الْكَسْبِ وَمَالِيَّةٌ أُمُّ الْوَلَدِ يَنْتَفِذُهَا  
الذَّمُّ مُتَقَوِّمَةً فَيُتْرَكُ وَمَا يَنْتَفِذُ ، وَلَئِنْهَا إِنْ لَمْ تَكُنْ مُتَقَوِّمَةً فَهِيَ مُحْتَرَمَةٌ ، وَهَذَا  
يَكْفِي لِوُجُوبِ الصَّمَانِ كَمَا فِي الْقِصَاصِ الْمُشْتَرَكِ إِذَا عَفَا أَحَدُ الْأَوْلِيَاءِ يَجِبُ  
الْمَالُ لِلْبَاقِينَ .

( وَلَوْ مَاتَ مَوْلَاهَا عَتَقَتْ بِأَلَا سَعَايَةِ ) : لِأَنَّهَا أُمُّ وَلَدٍ لَهُ ، وَلَوْ عَجَزَتْ فِي حَيَاتِهِ لَا تُرَدُّ  
قِنَّةً : لِأَنَّهَا لَوْ رُدَّتْ قِنَّةً أُعِيدَتْ مُكَاتِبَةٌ لِقِيَامِ الْمُوجِبِ

ترجمہ

اور اگر نصرانی کی ام و دایم بنے آئے تو وہ کوشش کرے گی اپنی قیمت کے لئے اور وہ مکاتبہ کی طرح ہو جائے گی ورنہ آزاد نہیں ہوگی جب تک وہ سعایہ نہ ادا کر دے امام زقریہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ اسی وقت آزاد ہو جائے گی اور سعایہ اس پر قرض ہوگا اور یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب آقا پر اسلام پیش کیا گیا ہو اور اس نے انکار کر دیا ہو اس کے بعد اگر وہ ایمان لے آئے تو مومنین اسی حالت میں لوٹ آئے گی امام زقریہ دلیل دیتے ہیں کہ ام ولد مسلمان ہونے کے بعد اس سے ذلت کو دور کر دینا واجب ہے ورنہ ازالہ یا توبیخ سے ہو گیا آزاد کرنے سے ہوگا اور بیچ تو ناممکن ہو چکی ہے اس لئے آزاد کرنا متعین ہو گیا اور ہم کہتے ہیں ام و د نصرانی بنانے میں دونوں طرف سے شفقت ہے کیونکہ ام ولد کے قبضہ کے اعتبار سے آزاد ہونے کی وجہ سے اس سے ذلت دور ہو جائے گی اور ذی سے ضرر دور ہو جائے گا اس لئے کہ ام ولد کی حریت کا شرف حاصل کرنے کے لئے آقا اس کو مکہ لے کرے پر ابھارے گا اور ذی اپنی ملکیت کا بدلہ پائے گا اور اگر وہ ام ولد اسی وقت آزاد کر دی جائے اس حال میں کہ وہ مفلس ہو تو وہ کمائی کرنے میں سستی کرے گی۔ اور ذی اپنی ام ولد کی قیمت کو مقنوم سمجھتا ہے اس لئے ذی کو اس کے اعتقاد کے ساتھ چھوڑ دیا جائے گا اور اس سے کہ ام و د کی مالیت گرچہ مقنوم نہیں اس کے باوجود بھی وہ محترم ضرور ہے۔ اور اس کا محترم ہونا اس کے ضمان کے واجب ہونے کے لئے کافی ہے۔ جس طرح قصاص مشترک میں، اگر ایک ولی معاف کر دے تو دوسروں کے لئے مال واجب ہوگا اور جب اس کا آقا مرجائے تو یہ ام و د کمائی کے بغیر آزاد ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ ام ولد ہے اور اگر آقا کی زندگی میں وہ سعایہ سے عاجز ہو گئی تو وہ دوبارہ خالص باندی نہیں ہوگی۔ کیونکہ اگر اسے خالص غلام قرار دیا جائے تو وہ دوبارہ مکاتبہ ہو جائے گی کیونکہ سبب موجود ہے۔

شرح

ام و د و لونڈی ہے جو اپنے مالک کو بخنے۔ اگر عہد عہد کہتے ہیں کہ وہ مالک کے مرنے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے۔ امام ابوحنیفہ

اور امام شافعی کا یہی قول ہے اور امام احمد اور اسحاق بھی سی طرف گئے ہیں۔ بعض عہد نے کہا وہ آزاد نہیں ہوتی اور اس کی بیع جائز ہے۔ ترجیح قول اول ہی کو حاصل ہے۔ قیامت کی نشانی دہانی حدیث امام بخاری رحمہ اللہ اس سے لائے تاکہ اگر وہ ہو کہ مومنین کی بیع جائز نہیں اور ام ولد کا بکنا یا اس کا اپنی اولاد کی ملک میں رہنا قیامت کی نشانی ہے۔

ام و د تطلانی فرماتے ہیں : وقد اختلف السلف والخلف في عتق ام الولد وفي جواز بيعها فالثابت عن عمر عدم جواز بيعها الخ یعنی سلف اور خلف کا ام ولد کی آزادی اور اس کی بیع کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا عدم جواز ثابت ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ عہد رسالت میں پھر عہد صدیقی میں ام ولد کی خرید و فروخت ہوا کرتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں کچھ مصراع کی بنا پر ان کی بیع کو ممنوع قرار دے دیا اور بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے سے کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ اس لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ وقتی فیصلہ ایک اجماعی مسئلہ بن گیا۔

قال الطیبری هذا من اقوى الدلائل على بطلان بيع امهات الاولاد و ذلك ان الصحابة لو لم يعلموا ان

الحق مع عمر لم يتابعوه عليه ولم يسكتوا عنه (حاشیہ بخاری ج 1: ص 344):

یعنی میں نے کہا کہ حضرت عمر کا یہ فیصلہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ اور دوالی لونڈی کا بیچنا باطل ہے۔ اگر کسی بہ کرام یہ نہ جانتے کہ حق عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے تو وہ نہ اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اتباع کرتے اور نہ اس فیصلہ پر خاموش رہتے۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہی حق تھا۔

الفظ حدیث : ان تلدا الامه رہا کے ذیل میں شارحین لکھتے ہیں۔ الرب لغة السيد والمالک والمربی والمنعم والمراد ههنا المولى معناه اتساع الاسلام واستيلاء اهله على التوك واتخاذهم سراری واذا استولد الجارية كان الولد بمنزلة ربها لانه ولد سيدها ولانه في المحسب كابيها اولان الاماء يبدن المملوك فتصير الامام من جملة الرعايا او هو كناية عن عقوق الاولاد بان يعامل الولد امه معامله السيد امته الخ (شرح بخاری)

یعنی رب لغت میں سید اور مالک اور مربی اور منعم کو کہا جاتا ہے۔ یہاں مولا مراد ہے۔ یعنی یہ کہ اسلام بہت وسیع ہو جائے گا اور مسلمان ترکوں پر غالب آکر ان کو غلام بنائیں گے اور جب لونڈی بیچے تو گویا اس نے خود اپنے مالک کو جنم دیا۔ اگر، لیے کہ وہ اس کے مالک کا بیچے ہے یہ وہ حسب میں، اپنے باپ کے مانند ہے یا یہ کہ لونڈیاں بادشاہوں کو جنم دے گی پس امام بھی رعایا میں ہو جائیں گے۔ یا اس جملہ میں اولاد کی نافرمانیوں پر اشارہ ہے کہ اولاد اپنی ماں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے گی جیسا کہ ایک لونڈی کے ساتھ اس کا آقا برتاؤ کرتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرب قیامت کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ لونڈیوں کی اولاد بادشاہ بن جائے گی

دوسرے کی باندی سے نکاح کے ذریعے بیچے حاصل کرنے کا بیان

( وَمَنْ اسْتَوْلَدَ اَمَةً غَيْرِهِ يَبْغَا حُ ثُمَّ مَلَكَهَا صَارَتْ اُمُّ وَلَدٍ لَهُ ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ

لَا تَصِيرُ أُمُّ وَلَدٍ لَهُ، وَلَوْ اسْتَوْلَدَهَا بِمِنْكَ يَمِينٍ ثُمَّ اسْتَحَقَّتْ ثُمَّ مَلَكَهَا تَصِيرُ أُمُّ وَلَدٍ لَهُ عِنْدَنَا، وَلَهُ فِيهِ قَوْلَانِ وَهُوَ وَلَدُ الْمَغْرُورِ.

لَهُ أَنَّهَا عِلَقَتْ بِرَقِيقٍ فَلَا تَكُونُ أُمُّ وَلَدٍ لَهُ كَمَا إِذَا عِلَقَتْ مِنَ الزَّانَا ثُمَّ مَلَكَهَا الزَّانِي، وَهَذَا لِأَنَّ أُمُومِيَّةَ الْوَلَدِ بِاعْتِبَارِ عُلُوقِ الْوَلَدِ حُرًّا، لِأَنَّهُ حُرٌّ الْأُمُّ فِي تِلْكَ الْحَالَةِ وَالْجُزْءُ لَا يُخَالِفُ الْكُلَّ.

وَلَنَا أَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْجُزْئِيَّةُ عَلَى مَا ذَكَرْنَا مِنْ قَوْلٍ، وَالْجُزْئِيَّةُ إِنَّمَا تَنْبُتُ بَيْنَهُمَا بَسْبِ الْوَلَدِ الْوَاحِدِ إِلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا كَمَلًا وَقَدْ ثَبَتَ السَّبَبُ فَتَنْبُتُ الْجُزْئِيَّةُ بِهَذِهِ الْوَاسِطَةِ، بِخِلَافِ الزَّانَا لِأَنَّهُ لَا نَسَبَ فِيهِ لِلْوَلَدِ إِلَى الزَّانِي، وَإِنَّمَا يُعْتَقُ عَلَى الزَّانِي إِذَا مَلَكَهُ، لِأَنَّهُ جُزْؤُهُ حَقِيقَةٌ بَغَيْرِ وَاسِطَةٍ.

نَظِيرُهُ مَنْ اشْتَرَى أَخَاهُ مِنَ الزَّانَا لَا يُعْتَقُ، لِأَنَّهُ يُنْسَبُ إِلَيْهِ بِوَاسِطَةِ نِسَبِهِ إِلَى الْوَلَدِ وَهِيَ غَيْرُ ثَابِتَةٍ.

ترجمہ

جس شخص نے کسی دوسرے کی باندی سے نکاح کر کے بچہ حاصل کیا پھر وہ اس باندی کا مالک بن گیا اس صورت میں وہ باندی اس کی ام ولد ہو جائے گی۔ جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہ باندی ام ولد نہیں ہوگی۔ وراگر ملک یمین کے ساتھ کسی باندی سے بچہ حاصل کیا ہو تو اس کے بعد اگر وہ باندی مستحق نکاح ہو تو اس کا مالک بن گیا تو اس صورت میں ہمارے نزدیک وہ باندی اس کی ام ولد ہو جائے گی اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے اس بارے میں دو قول ہیں اور یہی ولد المنفرد ہے۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ باندی غلام سے حامد ہوئی ہے اس لئے وہ مستولد کی ام ولد نہیں ہوگی جبکہ اسی صورت میں وہ زنا سے حامد ہوئی ہو پھر زانی اس کا مالک ہو گیا ہو۔ کیونکہ ام ولد ہونا بچے کے آزاد حمل قرار پانے کے اعتبار سے ہے اسی وجہ کہ حمل کی حاست میں بچہ اپنی ماں کا حصہ ہوتا ہے اور جز کل سے کبھی بھی جدا نہیں ہوتا ہمارے نزدیک استیلہ کا حکم جزئیت کی طرح ہے جو کہ ہم بیان کر چکے ہیں والی اور موطوۃ کے درمیان اسی وقت جزئیت ثابت ہوتی ہے ان میں سے ہر ایک کی طرف ولد کی نسبت کی جائے اور اس صورت میں نسب ثابت ہے اس لئے اسی واسطے سے جزئیت بھی ثابت ہوگی۔ جبکہ زنا میں ایسا نہیں ہے کیونکہ زنا زانی کی طرف بچے کی نسبت کو ثابت نہیں کرتا۔ اور جب زانی بچے کا مالک ہو جاتا ہے تو زکا اس پر آزاد ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ بچہ کسی واسطے کے بغیر حقیقی طور پر زنا کرنے والے کا جزء ہے اس کی مثال یہ ہے کہ جس طرح کسی نے زنا سے

پیدا ہونے والے اپنے بھائی کو خرید اتودہ بھائی اس خریدنے والے پر آزاد نہیں ہوگا کیونکہ وہ بھائی باپ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے اس خریدنے والے کی طرف منسوب ہوگا جبکہ باپ کی نسبت ثابت نہیں ہے۔

شرح

حضرت ابوسعید خدری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق مرفوع نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ و طس میں گرفتار ہونیوالی لونڈیوں کے بارے میں فرمایا کہ کسی حامد عورت سے اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب تک کہ اس کے دل دلت نہ ہو جائے اور غلامہ سے بھی اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب تک کہ اسکو یک حیض نہ آجائے (احمد ابوداؤد و ترمذی) اگر کسی غیر حامدہ کو اسکی کم عمری کی وجہ سے یا زیادہ عمر ہو جانے کے سبب سے حیض نہ آتا ہو تو اس کا استبراء یہ ہے کہ ایک مہینہ کی مدت تک اس کے پاس جانے سے اجتناب کرے جب ایک مہینہ گزر جائے تب اس سے جماع کرے اس صورت کو اس حدیث میں اس لئے ذکر نہیں کیا گیا ہے کہ یہ قلیل الوجود اور نادر ہے۔ ہونڈی حیض کی حالت میں کسی کی ملکیت میں آئے تو استبراء میں احتیض کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ دوسرے پورے حیض کا اعتبار کیا جائیگا۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ہونڈی کے لئے نئی ملکیت کا پیدا ہونا استبراء کو واجب کرتا ہے چنانچہ چاروں ائمہ کا یہی مسلک ہے نیز یہ حدیث اس بات پر درست کرتی ہے کہ دار حرب سے کسی کافر کو بطور لونڈی کے پکڑ لے کر اسکا پہلا نکاح ختم ہو جاتا ہے یعنی کفر سے جنگ وغیرہ کی صورت میں ان کی جوشد کی شدہ عورتیں بطور ہونڈی ہاتھ لگیں ان کے شوہروں سے ان کی زوجیت کا تعلق ختم ہو جائیگا) لیکن اس بارہ میں حدیث کا ظہر مفہوم مطلق ہے خواہ انکے خاوند بھی ان کے ساتھ نہ ہوں۔

حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک کا مسلک یہی ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر میاں بیوی دونوں ایک ساتھ پکڑ کر لے جائیں تو اس صورت میں ان کا نکاح باقی رہتا ہے۔

اور حضرت روح بن مہب بن ثابت الانصاری کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے دن فرمایا کہ جو شخص خدہ در قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسکے لئے یہ بات درست نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کی بھتی کو اپنے پانی سے سیراب کرے یعنی اس عورت سے جماع کرنا جو بطور باندی کے ہاتھ لگی ہے اور کسی دوسرے کے نطفہ سے حامد ہے جائز نہیں ہے اور جو شخص خدا اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ کفر سے جنگ میں گرفتار شدہ لونڈی سے اس وقت تک جماع کرے جب کہ ایک حیض آنے یا ایک مہینہ گزرنے کا انتظار کر کے اس کا استبراء نہ کر لے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ بھی درست نہیں ہے کہ وہ ماں غنیمت کو بیچے جب تک وہ تقسیم نہ ہو جائے (یعنی مال غنیمت میں کسی قسم کا تصرف اور خیانت نہ کرے) ابوداؤد اور امام ترمذی نے اس روایت کو لفظ ذرع تک نقل کیا ہے۔

بیٹے کی باندی سے بچہ پیدا ہونے کا بیان

(وَإِذَا وَطِئَ جَارِيَةٌ ابْنَهُ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَأَدْعَاهُ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ وَصَارَتْ أُمُّ وَلَدٍ لَهُ وَعَمِّيهِ

قِيمَتُهَا وَلَيْسَ عَلَيْهِ عَقْرُهَا وَلَا قِيمَةٌ وَلَدَهَا ) وَقَدْ ذَكَرْنَا الْمَسْأَلَةَ بِدَلَالِهَا فِي كِتَابِ  
النِّكَاحِ مِنْ هَذَا الْكِتَابِ ، وَإِنَّمَا لَا يَضْمَنُ قِيمَةَ الْوَلَدِ ؛ لِأَنَّهُ انْعَلَقَ خَرَّ الْأَصْلَ لَا سِتْنَادَ  
الْمَلِكِ إِلَى مَا قَبْلَ الْإِسْتِيلَادِ .

( وَإِنْ وَطِئَ أَبُو الْأَبِ مَعَ تَقَاءِ الْأَبِ لَمْ يَثْبُتِ النَّسَبُ ) ؛ لِأَنَّهُ لَا وَلَايَةَ لِلْحَدِّ خَالَ قِيَامِ  
الْأَبِ ( وَلَوْ كَانَ الْأَبُ مَيِّتًا ثَبَتَ مِنَ الْحَدِّ كَمَا يَثْبُتُ مِنَ الْأَبِ ) ؛ لِظُهُورِ وَلَايَتِهِ عِنْدَ  
فَقْدِ الْأَبِ ، وَكُفْرِ الْأَبِ وَرِقَّةَ بِمَنْزِلَةِ مَوْتِهِ ؛ لِأَنَّهُ قَاطِعٌ لِلْوَلَايَةِ

ترجمہ

اور جب باپ نے اپنے بیٹے کی باندی سے جماع کر لیا اور باندی نے بچہ اور باپ نے اس بچے کا دعویٰ کیا تو باپ سے اس  
بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ ورنہ باندی کی مومند ہو جائے گی اور باپ پر اس باندی کی قیمت لازم ہوگی لیکن اس کا مہر باپ پر  
لازم نہیں ہوگا اور نہ ہی اس باندی کے بچے کی قیمت لازم ہوگی اور یہ بات ہم کتاب النکاح میں دلائل کے ساتھ بیان کر چکے  
ہیں۔ ورنہ باپ اس وجہ سے بچے کی قیمت کا ضامن نہیں ہوگا اس وجہ سے کہ وہ بچہ حلال صل ہو کر حاصل قرار پایا تھا اس لئے کہ بچے کے  
حاصل ہو کرنے سے پہلے ہی باپ کی ملکیت کا اقرار ہو چکا تھا اور جب باپ کے ہوتے ہوئے دادا نے اپنے پوتے کی باندی سے  
جماع کر لیا تو نسب ثابت نہیں ہوگا اس لئے کہ باپ کے ہوتے ہوئے دادا کو ولایت حاصل نہیں ہے اور جب باپ فوت ہو چکا ہو تو  
دادا سے نسب ثابت ہو جائے گا جس طرح باپ سے ثابت ہو جاتا ہے اس وجہ سے کہ باپ کے موجود نہ ہونے سے دادا کی ولایت  
ثابت ہو جاتی ہے۔ اور باپ کا کافر ہونا اور غلام ہونا اس کی موت کے درجے میں ہے اسی وجہ سے اس کے ساتھ بھی ولایت منقطع ہو  
جاتی ہے۔

شرح

گر باندی سے آقا نے جماعت کی اور اسے حمل ٹھہر گیا، یہاں تک کہ اس نے صحیح سالم تندرست یا کم زور بچہ جنا، یا اس کا اسقاط  
ہو گیا یا اس نے مردہ بچہ کو جن تو وہ آقا کے انتقال کے بعد آزاد ہو جائے گی اور بچہ آقا کا ہی شمار کیا جائے گا اور اگر بچہ زندہ رہا تو اپنے  
والد کا وارث ہوگا، اب مالک نہ تو باندی کو فروخت کر سکتا ہے اور نہ ہیہ، خلفہ نے اربعہ کے عہد میں بھی اس پر یہ کثرت عمل ہوتا  
تھا چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: امہات ودد کی بیعت نہیں کی جائے گی، نہ انھیں فروخت کیا جائے گا اور نہ ہیہ کیا  
جائے گا اور نہ وراخت میں ہائنا جائے گا۔ آقا جب تک زندہ رہے، ام ولد سے تمتع کرتا رہے اور جب مر جائے تو وہ آزاد ہے۔

باندی سے اس کے بچہ کو بھی الگ کرنے کی ممانعت کی گئی ہے، ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے: جو ماں اور اس کے بچے کے  
درمیان جدائی کرے گا، قیامت کے دن اللہ اس کے اور اس کے محبوب کے درمیان جدائی ڈال دے گا۔ کچھ لوگ اپنی باندی سے

جماعت تو کرتے تھے، مگر اس خوف سے عزل کر لیتے تھے کہ اگر اسے حمل ٹھہر گیا اور اس سے بچہ پیدا ہو گیا تو وہ آزاد ہو جائے گی، ایسا  
کرنے کو اللہ کے رسول ﷺ نے پسند نہیں فرمایا۔ کیوں کہ اس سے اس کا حق آزادی سلب ہوتا ہے۔  
(موطا امام مالک، کتاب العتق، مسند احمد بن حنبل۔ جامع الترمذی، کتاب السیر)

حضرت امام مالک کہتے ہیں کہ مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک حیض کے ذریعہ لونڈیوں کے  
استبراء کا حکم فرماتے تھے بشرطیکہ ان لونڈیوں کو حیض آتا ہو اور اگر کوئی لونڈی ایسی ہوتی تھی جس کو حیض نہیں آتا تھا تو اس کے لئے تین  
مہینہ مدت کے ذریعہ استبراء کا حکم دیتے تھے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم جاری فرمایا تھا کہ جن لونڈیوں کو حیض آتا ہے ان  
سے ان کے لئے مالک اس وقت تک جماع نہ کریں جب تک تین مہینہ کی مدت نہ گزر جائے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر کو اپنا  
پانی پلانے سے منع کیا۔ تشریح: حدیث کے آخری جملہ میں حاملہ لونڈی کے استبراء کا حکم ہے کہ اگر کوئی لونڈی حمل کی حاست میں اپنی  
ملکیت میں آئے تو اس سے اس وقت تک جماع نہ کیا جائے جب تک کہ وہ ولادت سے فارغ نہ ہو جائے تاکہ اس لونڈی کے رحم  
میں جو ایک دوسرے شخص کے نطفہ کا حمل ہے اس سے اپنے نطفہ و نسب کا اختلاف نہ ہو۔ غیر حائضہ لونڈی کے بارہ میں جمہور علما کا  
مسلك یہ ہے کہ جس لونڈی کو حیض نہ آتا ہو اس کا استبراء یہ ہے کہ اس کے ساتھ اس وقت جماع کیا جائے جب کہ اپنی ملکیت میں  
آنے کے بعد اس پر پورا ایک یا اس سے زائد عرصہ گزر جائے اور بعض حضرات نے اس حدیث کے پیش نظر یہ کہا ہے کہ غیر حائضہ کا  
استبراء یہ ہے کہ اس سے اس وقت جماع کیا جائے جب کہ اپنی ملکیت میں آنے کے بعد اس پر تین مہینے یا اس سے زائد عرصہ  
گزر جائے۔

مشرکہ باندی کے ام ولد ہونے کا بیان

( وَإِذَا كَانَتْ الْجَارِيَةُ بَيْنَ شَرِيكَيْنِ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَأَدْعَاهُ أَحَدُهُمَا ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ ) ؛  
لِأَنَّهُ لَمَّا ثَبَتَ النَّسَبُ فِي نِصْفِهِ لِمُصَادَفَتِهِ مِنْكَ ثَبَتَ فِي الْبَاقِي صُرُورُهُ أَنَّهُ لَا يَتَجَزَّأُ ؛  
لِمَا أَنَّ سَبَبَهُ لَا يَتَجَزَّأُ وَهُوَ الْعُلُوفُ إِذَا الْوَلَدُ الْوَاحِدُ لَا يَنْعَلِقُ مِنْ مَاءِ ثِنٍ .

( وَصَارَتْ أُمُّ وَلَدٍ لَهُ ) ؛ لِأَنَّ الْإِسْتِيلَادَ لَا يَتَجَزَّأُ عِنْدَهُمَا ( وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ  
يَصِيرُ نِصْبُهُ أُمُّ وَلَدٍ لَهُ ثُمَّ يَتَمَلَّكَ نَصِيبَ صَاحِبِهِ إِذَا هُوَ قَابِلٌ لِلْمَلِكِ وَيَضْمَنُ نِصْفَ  
قِيمَتِهَا ) ؛ لِأَنَّهُ تَمَلَّكَ نَصِيبَ صَاحِبِهِ لَمَّا اسْتَكْمَلَ الْإِسْتِيلَادَ وَيَضْمَنُ نِصْفَ عَقْرِهَا  
؛ لِأَنَّهُ وَطِئَ جَارِيَةً مُشْتَرَكَةً ، إِذَا الْمَلِكُ يَثْبُتُ حُكْمًا لِلْإِسْتِيلَادِ فَيَتَعَقَّبُهُ الْمَلِكُ فِي  
نَصِيبِ صَاحِبِهِ بِخِلَافِ الْأَبِ إِذَا اسْتَوْلَدَ جَارِيَةً إِنِّيهِ ؛ لِأَنَّ الْمَلِكَ هُنَا لَمْ يَثْبُتْ

شَرْطًا لِلْاِسْتِيْلَادِ فَيَتَقَدَّمُهُ قَصَارٌ وَاِطْنًا مِنْكَ نَفْسِيهِ ( وَلَا يَغْرَمُ قِيَمَةً وَلَدَهَا ) لِأَنَّ  
النَّسَبَ يَنْتُسَبُ مُسْتَبَدًّا إِلَى وَقْتِ الْعُلُوقِ فَلَمْ يَتَعَلَّقْ شَيْءٌ مِنْهُ عَلَى مِلْكِ الشَّرِيكِ

ترجمہ

اور جب کوئی باندی دو شرکاء کے درمیان مشترک ہو اور اس نے بچہ جن دیا اور دونوں شرکاء میں سے کسی ایک نے دعویٰ کر دیا تو مدعی سے اس بچے کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا کیونکہ جب وہ نصف ولد میں ہے تو اس شریک کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ بچہ اس کی ملکیت سے ملا ہوا ہے۔ لہذا البقیہ میں لازمی طور پر اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ نسب میں اجزاء نہیں ہوتے۔ لہذا اس کے نسب کا سبب یعنی عوق میں بھی اجزاء کا اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ ایک بچہ دو نصفوں سے حمل قرار نہیں پاتا۔ اور وہ باندی مدعی کیسے ام ولد ہو جائے گی۔ لہذا طرفین کے نزدیک استیلا کے اجزاء نہیں ہوتے۔ جبکہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک مدعی کے حصے میں وہ اس کی ام ولد ہو جائے گی۔

اس کے بعد مدعی نے شریک کے حصے کا بھی مالک ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ حصہ ملکیت کو قبول کرنے کی صداقت رکھتا ہے۔ اور مدعی اس باندی کے آدھے عقر کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے مشترکہ باندی سے جماع کیا ہے۔ اور وہ شخص استیلا کے سبب حکمی طور پر ملکیت ثابت ہو چکی ہے اور وہی کرنے کے ساتھ ہی اس کے ساتھی میں واطی کی ملکیت ثابت ہوگی۔

جبکہ باپ کے خلاف ہے کیونکہ اس نے اپنے بیٹے کی باندی سے واطی کر کے ام ولد بنانے والا ہے لہذا ملکیت استیلا کی شرط بن کر ثابت ہوگی۔ اور استیلا سے مقدم ہوگی۔ اور باپ اپنی ملکیت سے جماع کرنے والا ہے۔ اور مدعی باندی کی بچی کی قیمت کا ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ لڑکے کا نسب وقت علوق کی طرف ہو کر ثابت ہو جائے گا۔ اور اس بچے کا کوئی بھی حصہ شریک کی ملکیت پر محمول نہ ہوگا۔

شرح

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: علماء کرام کا اجماع ہے کہ اگر بچہ مرد کے بستر پر پیدا ہوا اور کوہ دوسرا شخص اس کا دعویٰ کرے تو بچے کی نسبت دعویٰ کرنے والے کی طرف نہیں کی جائے گی، لیکن اگر بچہ بستر کے علاوہ (شادی کے بغیر) پیدا ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ اگر عورت بیوی نہ ہو اور زنا سے بچہ پیدا ہو جائے اور زانی اس کا دعویٰ کرے تو کیا اس بچے کی نسبت اس کی طرف کی جائے گی؟ جمہور علماء کرام کا کہنا ہے کہ اس حالت میں بچہ کی نسبت اس کی طرف نہیں کی جائے گی۔ حسن اور ابن سیرین اور عروہ، امام غنی، اسحاق، سلیمان بن یسار رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ بچہ اس (زانی کی طرف منسوب ہوگا)

اور ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا ہے (علی بن عاصم نے ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ ان کا قول ہے: میرے خیال میں اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ جب کوئی مرد کسی عورت سے زانی کرے اور اس سے وہ

حصہ ہو اور وہ اس حمل میں ہی اس سے شادی کر لے اور اس پر پردہ ڈالے رکھے اور وہ بچہ اسی کا ہوگا)۔ (المغنی (9 / 122) نے یہ اختیار کیا ہے کہ اگر کسی مرد نے اپنے زنا کی بچی کی نسبت اپنی کرنے کا مطالبہ کیا اور وہ عورت اس کی بیوی نہ ہو تو اس بچے کے الحاق اس کی طرف کر دیا جائے گا۔ (الفروع (6 / 625)

جس باندی سے واطی نہ کر سکتا ہو مثلاً وہ مشترکہ ہے یا مکاتبہ یا مشترکہ یا رضاعت یا مصاہرت کی وجہ سے اس سے واطی حرام ہو وہ اجنبیہ کے حکم میں ہے۔ (در مختار، کتاب طہر و اباحت، ج ۹، ص ۶۰۵)

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب کوئی ایسی لونڈی جس سے جماع کیا جاتا تھا بہیہ کی جائے یا فروخت کی جائے یا آزادی کی جائے تو اس کو چاہئے کہ ایک حیض کے ذریعہ اپنے رحم کو پاک صاف کرے ابتہا کہ کنواری کو پاک صاف کرنے کی ضرورت نہیں یہ دونوں روایتیں رزین نے نقل کی ہیں۔

اس حدیث پر ابن شریح نے عمل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ باکرہ لونڈی کے لئے استبراء واجب نہیں ہے جب کہ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اس کے لئے بھی استبراء واجب ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ اوطاس میں گرفتار ہوئی والی لونڈیوں کے بارہ میں استبراء کا جو حکم دیا تھا وہ عام ہے اس میں باکرہ کا کوئی استثناء نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ جس ام ولد کا آقا مروجے یا اسکو اس کا آقا آزاد کرے تو اس کی عدت کی مدت تین حیض ہیں اور اگر اس کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی مدت تین مہینے ہوگی۔

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ وہ ام ولد نہ تو حامدہ ہو نہ کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہو اور نہ کسی کی عدت میں ہو چنانچہ اگر وہ حامدہ ہوگی تو پھر اس کی عدت تا وضع حمل ہوگی اور اگر وہ کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہوگی یا کسی کی عدت میں ہوگی تو چونکہ ان صورتوں میں اسموں کے ساتھ اس کے جنسی اختلاط کا کوئی سوال نہیں ہیں اس لئے آقا کے آزاد کر دینے کی وجہ سے یا آقا کے مرجانے کے سبب یا اس پر عدت واجب نہیں ہوگی یہ حنفیہ کا مسلک ہے۔

اور حضرت امام شافعی اور حضرت امام، مک کا مسلک یہ ہے کہ آقا کی طرف سے آزاد کئے جانے یا آقا کے مرجانے کی صورت میں ام ولد کی عدت ایک حیض ہے حنفیہ میں سے حضرت امام محمد کا بھی یہی قول ہے۔ (فتح القدیر، ج ۸، ص ۲۸۰، بیروت)

آزاد ماں اور غلام باپ کی اولاد

بالکل یہی معاملہ ان بچوں کے ساتھ کیا گیا جن کا باپ غلام اور ماں آزاد ہو۔ ان بچوں کو بھی مکمل طور پر آزاد قرار دے دیا گیا۔

حدثنا يعلى عن الأعمش عن إبراهيم قال قال عمر المملوك يكون تحت الحرة يعتق الولد بعق أمه فإذا عتق الأب جبر الولاء. (دارمی، کتاب الفرائض، حدیث (3170)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "غلام باپ اور آزاد خاتون کے بچے اپنی ماں کے آزاد ہونے کے باعث آزاد ہی ہوں گے۔ جب ان کا باپ آزاد ہوگا تو (ان بچوں کی) ولادہ کا رشتہ (باپ کے سابقہ مالک) سے قائم ہو جائے گا۔"

ابن تیمیہ، امام احمد بن حنبل کا یہ نقطہ نظر بیان کرتے ہیں کہ آزاد ماں اور غلام باپ کے بچے بھی آزاد ہی ہوں گے۔

قال أحمد: إذا تزوج العبد حرة عتق نصفه. ومعنى هذا، أن أولاده يكونون أحراراً وهم فرعه، فالأصل عبد وفرعه حر والفرع جزء من الأصل. (ابن تیمیہ، السياسة الشرعية فی اصلاح الراعی و الرعية)

احمد بن حنبل کہتے ہیں، "جب کوئی غلام کسی آزاد خاتون سے شادی کر لے تو اس کا نصف آزاد ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس غلام کی ولد آزاد ہو گئی کیونکہ وہ اسی کی ایک شاخ ہے۔ تا تو غلام ہے لیکن شاخیں آزاد ہیں اور شاخ تو تنے کا ایک حصہ ہی ہے۔"

### آزاد باپ اور غلام ماں کی اولاد

ایسے بچے جن کی ماں غلام اور باپ آزاد ہو تو ان کے ضمن میں کوئی مرفوع حدیث ہمیں نہیں مل سکی۔ اس کی وجہ بنیادی طور پر یہ رہی ہوگی کہ ایسا کوئی مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہی نہ ہوا ہوگا۔ اول تو ایسے جوڑوں کی تعداد ہی بہت کم تھی جن میں آزاد مردوں نے غلام خواتین سے نکاح کی ہو کیونکہ لوٹ پوٹ کی اخلاقی حالت کے باعث ان سے آزاد مرد بہت کم نکاح کیا کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ جو ایسے جوڑے ہوں گے بھی، انہوں نے اپنے مالکان کو بچوں کی آزادی پر راضی کر لیا ہوگا اور عدالت میں مقدمے کی نوبت ہی نہ آئی ہوگی۔

حضرت سیدنا عمر بن عثمان رضی اللہ عنہما کے دور میں ایک ایسا مقدمہ پیش کیا گیا جس میں ایک لونڈی نے جھوٹ بول کر خود کو آزاد عورت طرہ کر کے شادی کر لی۔ اس مقدمے میں خیفہ وقت نے ان بچوں کے آزاد باپ کو حکم دیا کہ وہ فدیہ ادا کر کے اپنے بچوں کو آزاد کروالے۔ (موطاء مالک، کتاب النکاح، حدیث 2160)۔ ایک اور مقدمہ سیدنا عبداللہ بن مسعود یا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے پاس پیش کیا گیا تو انہوں نے ایسے بچوں کو غلام بنانے سے منع فرما دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی ایک فیصلہ کیا:

قال (أحمد): (و أجبنا ثقه عن ابن أبي ذئب، عن الزهري، عن سعيد بن المسيب، أن عمر بن الخطاب كان يقضي في العرب الذين ينكحون الاماء بالفرقة. (بیهقی، معرفة السنن والآثار، کتاب السیر، حدیث 17964)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے عربوں سے جو لوٹ پوٹ سے نکاح کر لیتے تھے، (کی اولاد کے بارے میں) یہ فیصلہ کیا کہ وہ فدیہ ادا کر کے اپنی اولاد کو آزاد کروا سکتے ہیں۔

حدثنا وكيع، عن مسعر، وسفيان، عن سلمة بن كهيل، عن المستور بن الأخنف، قال: جاء رجل إلى عبد الله فقال: إن عمي زوجني وليدته وهو يريد أن يسترق وليدي، قال: ليس له ذلك. (مصنف ابن

ابی شیبہ؛ حدیث (21277)

ایک شخص عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا، میرے بچے نے اپنی لونڈی کی شادی مجھ سے کر دی تھی۔ اب وہ میری اولاد کو اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا، "اس ایسا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔"

ابن کثیر نے امام شافعی کا ایک نقطہ نظر یہ درج کیا ہے کہ ماں یا باپ میں سے اگر ایک بھی آزاد ہو تو ان کے بچے بھی آزاد ہی تصور کئے جائیں گے۔ (تفسیر سورۃ نساء 4:25)

### غلام ماں اور غلام باپ کی اولاد

وہ بچے جن کے ماں اور باپ دونوں ہی غلام ہوں، ان کے بارے میں بھی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی حدیث نہیں مل سکی۔ تفسیر وفقہ کی کتب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنے والدین کے تابع ہی ہوں گے۔ جب تک ان کے والدین غلام رہیں گے، یہ بچے بھی غلام ہی تصور کئے جائیں گے اور جب والدین آزاد ہوں گے یا ان میں سے کوئی مکاتبت کرے گا تو یہ بچے خود بخود ان کے ساتھ ہی آزاد ہو جائیں گے۔

حدثنا ابن مهيدي، عن العُمري، عن نافع، عن ابن عمر، قال: وَلَدُ أُمِّ الْوَلَدِ بِمَنْزِلَتِهَا. (مصنف ابن ابی شیبہ؛ حدیث (21000)

حضرت نافع کہتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا، "لونڈی کی (اپنے مالک کے علاوہ کسی اور شوہر کی اولاد) اپنی ماں کے درجے پر ہے۔ یعنی وہ ماں کے ساتھ ہی آزاد ہو جائے گی۔"

حدثنا عبد السلام بن حرب، عن مغيرة، عن إبراهيم، في الرجل يزوج أم ولد عبد فله له أولاد، قال: هم بمنزلة أمهم، يعقون بعقبتها ويرقون برقها، فإذا مات سيدهم عتقوا. (مصنف ابن ابی شیبہ؛ حدیث (20996)

حضرت ابراہیم نخعی نے ایسی صورت کے بارے میں فتویٰ دیا جس میں ایک شخص نے اپنی ام ولد کی شادی اپنے غلام سے کر دی تھی اور پھر اس غلام میں سے اس کی اولاد بھی پیدا ہو گئی تھی۔ انہوں نے کہا، "وہ اپنی ماں کے درجے پر ہوں گے۔ جب تک وہ غلامی کی حالت میں رہے گی، یہ بھی غلام رہیں گے اور جب وہ مکمل آزاد ہو جائے گی تو یہ بھی آزاد ہو جائیں گے۔ جب ماں کا آقا فوت ہوگا تو یہ سب کے سب آزاد ہو جائیں گے۔"

اس معاملے میں بھی کسی مرفوع حدیث کے نہ پائے جانے کا سبب بنیادی طور پر یہی ہے کہ ایسا کوئی واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں پیش نہیں آیا جس میں کسی غلام یا لونڈی کے مالک نے ان کے بچوں کو آزاد کرنے سے انکار کیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر اس اصول کو مان لیا گیا ہے کہ غلاموں کے نابالغ بچے اپنے والدین کے تابع ہی ہوں گے۔ اگر ان بچوں کے بالغ ہونے سے پہلے ان کے والدین آزاد نہیں ہو پاتے، جس کا امکان عہد رسالت میں بہت ہی کم تھا، تو ان بچوں کو خود یہ اختیار حاصل



ہو جائے گا کہ یہ مکاتبت کے ذریعے اپنی آزادی خرید سکیں۔

غلاموں کے بچوں کو اپنے والدین کی حالت پر برقرار رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ اگر انہیں پیدائش کے وقت سے ہی آزاد کر دیا جاتا تو ان کی کفالت کا مسئلہ پیدا ہو جاتا۔ ان بچوں کی کفالت ان کے والدین کی کفالت کے ساتھ ساتھ والدین کے آقوں کے ذمہ تھی۔ اگر ان بچوں کو پیدائش کے وقت ہی آزاد قرار دے دیا جاتا تو پھر ان کی کفالت کی ذمہ داری ان کے والدین کے آقوں پر کیسے عائد کی جاتی؟ یہی وجہ ہے کہ انہیں اپنے والدین کے تابع ہی رہنے دیا گیا اور باغ ہونے پر اپنی آزادی خریدنے کا حق انہیں دے دیا گیا۔

دو شرکاء کا دعویٰ ولد کرنے کا بیان

(وَإِنْ ادَّعَاهُ مَعًا بُكَّتْ نَسَبُهُ مِنْهُمَا) مَعْنَاهُ إِذَا حَمَلَتْ عَلَىٰ مِلْكِهِمَا. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: يُرْجَعُ إِلَىٰ قَوْلِ الْقَافِيَةِ لِأَنَّ بُكَّتْ النِّسْبِ مِنْ شَخْصَيْنِ مَعَ عِلْمٍ أَنَّ الْوَلَدَ لَا يَتَحَلَّقُ مِنْ مَاءٍ يَنْ مُتَعَذِّرٌ فَعَمِلْنَا بِالشَّيْبَةِ، وَقَدْ سُرَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَوْلِ الْقَافِيَةِ فِي أُسَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ.

وَلَنَا كِتَابُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ إِلَىٰ شُرَيْحٍ فِي هَذِهِ الْحَادِثَةِ: لَبَسَا قَلْبَسَ عَلَيْهِمَا، وَلَوْ بَيْنَا لَبَسَ لَهُمَا، هُوَ ابْنُهُمَا وَيَرْتَانِهِ وَهُوَ لِلْبَاقِي مِنْهُمَا، وَكَانَ ذَلِكَ بِمَخْضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ، وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مِثْلُ ذَلِكَ. وَلَا تَهْمَا اسْتَوِيَا فِي سَبَبِ الاستِحْقَاقِ فَيَسْتَوِيَانِ فِيهِ، وَالنِّسْبُ وَإِنْ كَانَ لَا يَتَجَزَّأُ وَلَكِنْ تَتَعَلَّقُ بِهِ أَحْكَامٌ مُتَجَزَّئَةٌ، فَمَا يَقْبَلُ التَّجْزِئَةُ يَبْثُ فِي حَقِّهِمَا عَلَى التَّجْزِئَةِ، وَمَا لَا يَقْبَلُهَا يَبْثُ فِي حَقِّ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا كَمَا كَانَ لَيْسَ مَعَهُ غَيْرُهُ إِلَّا إِذَا كَانَ أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ أَبًا لِلْآخَرِ، أَوْ كَانَ أَحَدُهُمَا مُسْلِمًا وَالْآخَرُ ذِمِّيًّا لَوْ جُودَ الْمَرْجَحُ فِي حَقِّ الْمُسْلِمِ وَهُوَ الْإِسْلَامُ وَفِي حَقِّ الْأَبِ وَهُوَ مَا لَهُ مِنَ الْحَقِّ فِي نَصِيبِ الْإِبْنِ، وَسُرُورُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا رَوَى: لِأَنَّ الْكُفَّارَ كَانُوا يَطْعُنُونَ فِي نَسَبِ أُسَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ، وَكَانَ قَوْلُ الْقَافِيَةِ مُقْطَعًا لَطَعْنِهِمْ فُسِّرَ بِهِ (وَكَانَتْ الْأُمَةُ أُمَّ وَلَدٍ لَّهُمَا)؛ لِصِحَّةِ دَعْوَةِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِي نَصِيبِهِ فِي الْوَلَدِ فَيَصِيرُ نَصِيبُهُ مِنْهَا أُمَّ وَلَدٍ لَهُ تَعَالَىٰ إِلَدَهَا (وَعَلَىٰ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفُ الْعَقْرِ قِصَاصًا بِمَا لَهُ عَلَى الْآخَرِ،

وَبَرِثَ الْإِبْنُ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِيرَاثَ ابْنِ كَامِلٍ) لِأَنَّهُ أَقْرَبُ لَهُ بِمِيرَاثِهِ كُلِّهِ وَهُوَ حُجَّةٌ فِي حَقِّهِ (وَبَرِثَانِ مِنْهُ مِيرَاثَ أَبِي وَاحِدٍ) لِاسْتَوَائِهِمَا فِي النِّسْبِ كَمَا إِذَا أَقَامَا الْبَيِّنَةَ.

ترجمہ

اور جب دونوں شریکوں نے مل کر اکٹھا دعویٰ کیا تو دونوں سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اس صورت میں کہ جب وہ باندی دونوں کی ملکیت میں حاملہ ہوئی ہو حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قیہ شناس کے قول کی طرف رجوع کیا جائے گا کیونکہ یہ جانتے ہوئے کہ ایک بچہ دونوں نفوس سے پیدا نہیں ہو سکتا تو ایک بچے کا نسب دونوں گوس سے ثابت کرنا ناممکن ہے پھر بھی ہم نے مش بہت پر عمل اور حضرت امام کے متعلق ایک قیہ شناس کے قول پر آپ ﷺ خوش ہوئے تھے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا وہ مکتوب گرامی ہے جو اس واقعہ میں آپؓ نے حضرت شریحؓ کو لکھا تھا دونوں شرکاء نے معاملہ مل دیا تھا تو آپؓ نے فرمایا تم بھی ان پر حکم مہم کر دو اور جب وہ معاملہ واضح کر دیں تو تم بھی ان پر حکم واضح کر دینا اور وہ ان دونوں کا بچہ ہوگا اور ان دونوں کا وارث ہوگا اور یہ دونوں شریک اس کے وارث ہوں گے اور ان میں سے جو زندہ رہ گیا اسے اس کی میراث ملے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مکتوب گرامی صحیح بہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی موجودگی میں صادر ہوا تھا اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سے بھی اسی طرح مروی ہے اس لئے کہ جب وہ سب استحقاق میں برابر کے وارث ہیں تو استحقاق میں بھی وہ دونوں برابر کے وارث ہوں گے اور نصیب کی اگرچہ جزیں نہیں ہوتی اسکے باوجود بھی کچھ ایسے احکام متعلق ہوتے ہیں جن میں جزیں ہو سکتی ہیں اس لئے جو حکم تجزی کو قبول کرے گا وہ انکے کے حق میں تجزی ہو کر ثابت ہو جائے گا اور جو حکم تجزی کو قبول نہیں کرے گا وہ ان میں سے ہر ایک کے حق میں پورے طریقے سے اس طرح ثابت ہوگا کہ دوسرا اس کے ساتھ نہیں تھا لیکن جب شریکین میں سے ایک دوسرے کا باپ ہو یا ایک مسلمان اور دوسرا ذمی ہو تو ان میں اس بچے کا باپ ہونے میں مسلمان ذمی سے زیادہ راجح ہوگا اس لئے کہ مسلمان کے حق میں مرجع موجود ہے اور وہ اسلام ہے اور باپ کے حق میں بھی مرجع موجود ہے اور وہ بچے کے حصے میں اس کا حق ہے۔ اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی بیان کردہ حدیث میں آپ ﷺ کا خوش ہونا اس وجہ سے ہے کہ کچھ حضرت امام رضی اللہ عنہ کے نسب میں طعن کرتے تھے اور قیہ شناس کا قول ان کے طعن کو ختم کر رہا تھا اس لئے آپ ﷺ اس سے خوش ہوئے تھے۔ اور وہ باندی ان دونوں کی ام ولد ہوگی کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ بچے کے متعلق اپنے حق میں درست ہے اسی وجہ سے باندی میں ہر شریک کا حصہ اپنے بچے کے تابع ہو کر اس شریک کا ام ولد ہو جائے گا اور ان میں سے ہر شریک پر آدھا عقر واجب ہوگا تاکہ وہ بدل ہو جائے اس چیز کا جو ایک شریک کا دوسرے پر لازم ہے اور وہ بچہ ان دونوں شریکوں میں سے ہر ایک سے اتنا حصہ پائے گا جتنا کامل بیٹے کو دیا جاتا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک اس کے کامل باپ کی میراث کا اقرار کیا تھا اور یہ اقرار ہر ایک شریک کے حق میں محبت ہے۔ اور

یہ دونوں شریک اس بچے سے ایک باپ کی میراث پائیں گے کیونکہ دونوں سبب میں برابر ہیں جس طرح اس صورت میں جب دونوں نے بیہوش کر دیا ہو۔

شرح

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش تھے اور فرمایا کہ اے عائشہ! کیا تو نے نہ دیکھا کہ مجرّم لُجی میرے پاس آیا اور اسے اور زید دونوں کو دیکھا اور یہ دونوں ایک چادر اس طرح اوڑھے تھے کہ ان کا سر ڈھپا ہوا تھا اور پیر کھلے تھے تو اس نے کہا کہ یہ پیر ایک دوسرے کے جزو ہیں (یعنی ایک باپ کے ہیں دوسرے بیٹے کے)۔ (صحیح مسلم، لعان کے مسائل، رقم الحدیث: ۸۷۳)

قیافہ شناسی سے متعلق احادیث کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بنی فزارہ کا ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کرنے لگا کہ میری بیوی نے ایک سیاہ رنگ کا بچہ جنا ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تیرے پاس اونٹ ہیں اس نے عرض کیا جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان کے رنگ کیا ہیں اس نے عرض کیا کہ سرخ رنگ کے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا ان اونٹوں میں کوئی خاکی رنگ کا بھی ہے اس نے عرض کیا کہ ہاں ان میں خاکی رنگ کا بھی اونٹ ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ ان میں کیسے آگیا اس نے عرض کیا کہ شاید کہ اس اونٹ کے بڑے آباؤ اجداد کی کسی رگ نے وہ رنگ کھینچ لیا ہو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تیرے لڑکے میں بھی کسی رگ نے یہ رنگ کھینچ لیا ہو۔

(صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1273)

حضرت زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس سند کے ساتھ معمر کی حدیث کی طرح روایت کیا ہے اس میں ہے کہ اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری بیوی نے ایک سیاہ رنگ کا لڑکا جنا ہے وہ آدمی اس وقت اپنے نسب کی نفی کر رہا تھا اس حدیث کے آخر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے نسب کی نفی کرنے کی اجازت نہیں دی۔

(صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1274)

صحیح بخاری میں ہے۔ بہت سارے لوگ جمع ہو کر کسی خاتون سے بدکاری کرتے وہ خاتون اپنے پاس آنے والے کسی مرد کو اس لئے نہ روکتی کہ وہ کسی اور زنا کار ہوتی ایسی خواتین کے دروازے پر علامت کے طور پر جھنڈے لگے ہوتے تھے جو آدمی زنا کاری اور بدکاری کرتا چاہتا اس کے پاس چلا جاتا پس ان میں سے کوئی خاتون ان زانیوں میں سے کسی سے حاملہ ہو جاتی اور بچہ جنمی تو اس سے زنا کاری کرنے والے سب لوگوں کو جمع کیا جاتا اور قیافہ شناسوں کو بلایا جاتا کہ اس کا تعین کریں کہ یہ بچہ ان میں سے کس کا ہے؟ پس قیافہ شناس جس کے بارہ میں فیصلہ کرتے وہ بچہ اسی کا کہلاتا اور وہ شخص اس بچے کی نسب کا انکار نہ کر سکتا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دین حق دے کر مبعوث فرمایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کے تمام نکاحوں کاموں سے منع فرمایا اور صرف

اس نکاح کو باقی رکھا جو آج مسلمانوں میں رائج ہے۔ (صحیح بخاری، ج ۲: ۶۷۰)

اس تفصیل سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دور حاضر کا ترقی یافتہ طریقہ کار زمانہ جاہلیت کے طریق اور انداز سے ذرہ بھر مختلف نہیں بلکہ اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو مشرکین مکہ اور قبل از اسلام جاہلیت کے علمبردار دور حاضر کے ترقی کے دعویداروں سے ایک قدم آگے تھے کیونکہ وہ ایسے بچے کا باپ معلوم کرنے کے لئے کسی مشینی ٹیسٹ کے محتاج نہیں تھے بلکہ وہ محض قیافہ کی مدد سے یہ کام سر انجام دے دیتے تھے جبکہ ان کے جانشین اور ترقی کے دعویداروں کو ایسی حرامی اولادوں کے باپ کے تعین کے لئے ایک ٹیسٹ کی ڈی این اے ٹیسٹ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ الغرض یہ طریقہ کار مشرکین مکہ کی غلیظ سوسائٹی اور متعفن و بدبودار معاشرہ کی میراث ہے اسلام بلکہ کوئی باحیا اور با غیرت انسانی معاشرہ اس کی اجازت نہیں دیتا گو یا اس طریقہ کار سے زنا اور اول و زنا کو قانونی تحفظ دیا جاتا ہے جبکہ اسلام نے ایسی تمام بے حیائی اور بے شرمی کی صورتوں کی شدت سے نفی کی ہے اور زنا جیسی بدکاری کی حوصلہ افزائی کے بجائے اس پر سخت سزاؤں کا نفاذ واجباً کرتے ہوئے حکم دیا ہے کہ اگر ایسا کوئی مجرم پایا جائے اور اس کا جرم ثابت ہو جائے تو اس پر سخت سے سخت سزا دی جائے چنانچہ اگر ایسے جرم کا مرتکب شادی شدہ ہو تو اسے پتھر مار مار کر مار دیا جائے اور اگر وہ غیر شادی شدہ ہے تو اسے سو کوڑے لگائے جائیں اور یہ سب کچھ علی رؤس الاشباد ہوتا کہ دوسروں کو اس سے عبرت ہو اور معاشرہ سے اس بے حیائی و بے شرمی کی جڑ اور بنیاد ہی ختم ہو جائے نہ یہ کہ اس کو اچھال جائے اور بدکار روزنا کاروں کو باپ کا مقام دے کر ایک معصوم پر ولد الزنا ہونے کی تہمت دھری جائے۔ تاہم اگر ایسی کوئی صورت ہو کہ کوئی بدکردار کسی خاتون پر یہ الزام لگائے کہ میں نے اس سے بدکاری کی ہے اور یہ بچہ میرا ہے یا کوئی خاتون فریاد کرے کہ مجھ پر زیادتی ہوئی ہے اور اس بھکے بیچہ میں یہ حمل ٹھہر گیا ہے تو اس صورت میں بچہ تو اس کا ہوگا جس کے نکاح میں وہ عورت ہے البتہ زانی کو سنگسار کیا جائے گا اس لئے حکم دیا گیا کہ لولہ للفراد وللعاہر الحجر (ترمذی ج ۲، ص ۱۳۸) بچہ اس کا ہے جس کا نکاح ہے اور زنا کار کے لئے صرف پتھر ہی ہیں۔

اقرار سے نسبت ولد ہونے کا بیان

اور اگر کوئی مرد یا عورت یہ اقرار کرے کہ لا وارث بچہ اس کا ہے تو بچہ اس کی طرف ہی منسوب ہوگا، اس لیے کہ بچے کی مصلحت اسی میں ہے کہ اس کا نسب مل جائے، اور اس کا کسی دوسرے کو کوئی نقصان اور ضرر نہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے نسب کا دعویٰ کرنے والا منفر د شخص ہو، اور یہ بھی ممکن ہو کہ بچہ اس سے ہو۔

لیکن اگر اس کے نسب کا دعویٰ کرنے والے ایک سے زیادہ ہوں تو صاحب دلیل کو مقدم کیا جائے گا، اور اگر ان میں سے کسی ایک کے پاس بھی دلیل نہ ہو یا پھر دلائل آپس میں تعارض رکھتے ہوں تو بچے کو ان کے ساتھ قیافہ لگانے والے پر پیش کیا جائے گا اور قیافہ والا بچے کو جس کے ساتھ ملحق کرے گا بچہ اس شخص کی طرف ہی منسوب کیا جائے گا۔

اس لیے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی صحابہ کرام کی موجودگی میں یہی فیصلہ کیا تھا، اور اس لیے بھی کہ قیافہ والے قوم میں سب سے زیادہ نسب کو جانتے ہیں، اور اس میں صرف ایک قیافہ شناس ہی کافی ہوگا، اور اس میں شرط یہ ہے کہ وہ قیافہ لگانے والا مرد

ہو اور والد اور اس کے قیام کے صحیح ہونے کا تجربہ بھی ہو۔

مکاتبہ باندی کے ام ولد ہونے کا بیان

(وَإِذَا وَطِئَ الْمَوْلَى حَارِبَةَ مُكَاتِبَةٍ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَأَدْعَاهُ فَإِنْ صَدَّقَهُ الْمُكَاتِبُ بَنَتْ نَسَبُ الْوَلَدِ مِنْهُ) وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى أَنَّهُ لَا يُعْتَبَرُ تَصْدِيقُهُ اعْتِبَارًا بِالْأَبِ يَدْعَى وَلَدَ حَارِبَةَ أَيْهِ .

وَوَحْشَةُ الظَّاهِرِ وَهُوَ الْفَرْقُ أَنَّ الْمَوْلَى لَا يَمْلِكُ التَّصَرُّفَ فِي أَكْسَابِ مُكَاتِبِهِ حَتَّى لَا يَتَمَلَّكَهٗ وَالْأَبُ يَمْلِكُ تَمَلُّكَهُ فَلَا مُعْتَبَرَ بِتَصْدِيقِ الْإِبْنِ .

قَالَ : (وَعَلَيْهِ عَقْرُهَا) ؛ لِأَنَّهُ لَا يَتَقَدَّمُ الْمِلْكُ ؛ لِأَنَّ مَا لَهُ مِنَ الْحَقِّ كَافٍ لِصِحَّةِ الْإِسْتِيلَادِ لَمَّا نَدُّكَرُهُ .

قَالَ : (وَقِيمَةُ وَلَدِهَا) ؛ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْمَعْرُورِ حَيْثُ إِنَّهُ اعْتَمَدَ ذَلِيلًا وَهُوَ أَنَّهُ كُنُسُ كُنُسِهِ فَلَمْ يَرْضَ بِرَفْقِهِ فَيَكُونُ حُرًّا بِالْقِيمَةِ ثَابِتِ النَّسَبِ مِنْهُ (وَلَا تَصِيرُ الْجَارِيَةُ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ) ؛ لِأَنَّهُ لَا مِلْكَ لَهُ فِيهَا حَقِيقَةً كَمَا فِي وَلَدِ الْمَعْرُورِ (وَإِنْ كَذَبَهُ الْمُكَاتِبُ فِي النَّسَبِ لَمْ يَنْشُئْ) ؛ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ تَصْدِيقِهِ (فَلَوْ مَلَكَهُ يَوْمًا بَنَتْ نَسَبُهُ مِنْهُ) ؛ لِإِقْيَامِ الْمَوْجِبِ وَزَوَالِ حَقِّ الْمُكَاتِبِ إِذْ هُوَ الْمَانِعُ ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .

ترجمہ

اور جب آقا نے اپنی مکاتبہ باندی سے وطی کی۔ تو اس سے بچہ پیدا ہوا۔ جس پر آقا نے دعویٰ کر دیا ہو تو اگر مکاتبہ اس کی تصدیق کر دے تو آقا سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک مکاتبہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اس باپ پر قیاس کرتے ہوئے جو اپنے بیٹے کی باندی کے بچے کا دعویٰ کرے۔ اور ظاہر روایت کی دلیل یہ ہے کہ آقا اپنے مکاتبہ کے مال میں تصرف کا حق نہیں رکھتا کیونکہ آقا مکاتبہ کی کمائی کا مالک نہیں ہو سکتا۔ جبکہ باپ بیٹے کی کمائی کا مالک ہو سکتا ہے لہذا بیٹے کی تصدیق کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور آقا پر اس باندی کے جماع کا جرمانہ واجب ہے کیونکہ کہ آقا کی ملکیت جماع سے مقدم نہیں ہے لہذا آقا کو جو حق حاصل ہے وہ استیلا د کے صحیح ہونے کے لئے کافی ہے اسی دلیل کے پیش نظر جس کو ہم بیان کریں گے۔

اور آقا پر باندی کے بچے کی قیمت بھی واجب ہوگی کیونکہ آقا دھوکا کھائے ہوئے شخص کی طرح ہے کہ اس نے ایک دلیل پر اعتنا کر لیا یعنی اس نے اپنی کمائی کو حاصل کر لیا لہذا وہ اس بچے کو غلام بنانے پر راضی نہیں ہوا اس لئے یہ بچہ قیمت کے عوض آزاد ہوگا

اور آقا سے نسب ثابت ہوگا اور وہ باندی جس سے جماع کیا ہے وہ آقا کی ام ولد نہیں ہوگی کیونکہ حقیقت میں اس پر آقا کی ملکیت نہیں جس طرح دود مفرور میں نہیں ہوتی اور اگر مکاتبہ نسب کے بارے میں آقا کو جھٹل دے تو نسب ثابت نہیں ہوگا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ مکاتبہ کی تصدیق کی ضرورت نہیں اس کے بعد اگر آقا اس کا مالک ہو تو آقا سے اس بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ موجب پایا جا رہا ہے اور مکاتبہ کا حق زائل ہو چکا ہے اور یہی مانع تھا۔

شرح

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مکاتبہ لونڈی سے مولیٰ وطی نہیں کر سکتا اگر وطی کر چکا تو عقر لازم آئے گا اور اگر لونڈی کے مولیٰ سے بچہ پیدا ہو تو اسے اختیار ہے کہ عقد کتابت باقی رکھے اور مولیٰ سے عقر لے یا عقد کتابت سے انکار کر کے ام ولد ہو جائے۔ آقا سے مکاتبہ کا مالک ضائع کر دیا تو تاوان لازم ہوگا۔ ام ولد کو بھی مکاتبہ کر سکتا ہے اور مکاتبہ کو آزاد کر دیا تو بدھ کتابت ساقط ہو گیا۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب عتاق)

مکاتبہ واجب ہے یا مستحب؟

اس ضمن میں فقہاء کے مابین یہ اختلاف موجود ہے کہ جب کوئی غلام اپنی آزادی خریدنے کا ارادہ کرے تو اس کے مالک کے لئے کیا یہ بات ضروری ہے کہ وہ اسے آزادی دے دے یا پھر اس کے لئے یہ شخص ایک مستحب حکم ہے کہ وہ اپنے غلام کو چاہے تو آزادی دے اور چاہے تو نہ دے۔

دور صحابہ میں مکاتبہ کے واجب یا مستحب ہونے کا معاملہ

حقیقت یہ ہے کہ یہ اختلاف بعد کے دور کی پیداوار ہے۔ دور صحابہ میں تو اس کا کوئی تصور موجود نہ تھا کہ اگر کوئی غلام اپنی آزادی خریدنے کا طالب ہو تو کوئی آقا اسے اس کی آزادی دینے سے انکار کر دے۔ ہر صحابی مکاتبہ کے طالب غلاموں کو فوراً آزادی دے دیا کرتا تھا۔ استثنائی طور پر صرف دو واقعات ایسے ملتے ہیں جن میں آقا نے غلام کو مکاتبہ دینے سے انکار کیا ہو۔ ایک واقعہ سیدنا صبیح رضی اللہ عنہ کا ہے اور دوسرا سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا۔

وَاحْتَجُّوا أَيْضًا بِأَنَّ هَذِهِ الْآيَةَ نَزَلَتْ فِي غُلَامٍ لِحَوِيطِ بْنِ عَبْدِ الْعَزَى يُقَالُ لَهُ صَبِيحٌ

سَأَلَ مُوَلَّاهُ أَنْ يَكْتَبَهُ فَأَبَى عَلَيْهِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى هَذِهِ الْآيَةَ فَكَاتَبَهُ حَوِيطُ بْنُ عَبْدِ الْعَزَى عَلَى مِائَةِ

دِينَارٍ وَوَهَبَ لَهُ مِنْهَا عَشْرِينَ دِينَارًا فَأَدَّاهَا وَقَتْلَ يَوْمٍ حَنِينٍ فِي الْحَرْبِ . (عینی، شرح

البخاری، کتاب المکاتب)

اہل علم نے اس بات سے بھی دلیل حاصل کی ہے کہ (مکاتبہ کی یہ آیت) حویطب بن عبد العزی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہیں صبیح کہا جاتا تھا۔ انہوں نے اپنے آقا سے مکاتبہ کی درخواست کی جس سے انہوں نے انکار کر دیا۔ اس

پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ انہوں نے جو مطلب سے سو دینار پر مکاتبت کر لی اور اس میں سے بیس دینار انہیں معاف بھی کر دیے۔ انہوں نے یہ رقم ادا کی۔ یہ صاحب جنگ جنین میں شہید ہو گئے۔

حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سیرین کو آزادی دینے سے انکار کیا جس کے نتیجے میں وہ غنیفہ وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پہنچ گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ بات سنی تو انہوں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کوڑا لے کر ان پر پل پڑے۔ یہ واقعہ امام بخاری نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وقال روح، عن ابن جریج: قلت لعطاء: أوجب علي إذا علمت له مالا أن اكاتبه؟ قال: ما أراه إلا واجباً. وقاله عمرو بن دينار: قلت لعطاء: تأثره عن أحد، قال: لا. ثم أخبرني: أن موسى بن انس أخبره: أن سيرين ماله أنسا المكاتب، وكان كثير المال فأبى، فانطلق إلى عمر رضي الله عنه فقال: كاتبه، فأبى، فضربه بالدرّة وبتلو عمر: (فكاتبوهم إن علمتم فيهم خيراً). فكاتبه. (بخاری، کتاب المكاتب، ترجمة الباب عند حديث (2559)

حضرت ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے پوچھا، "کیا مجھ پر یہ لازم ہے کہ اگر مجھے علم ہو کہ غلام ادائیگی کر سکتا ہے تو اس سے مکاتبت کر لوں؟" وہ کہنے لگے، "میں اسے ضروری تو نہیں سمجھتا۔" عمرو بن دینار نے ان سے کہا، "کیا آپ کو اس معاملے میں کسی صحابی کے قول و فعل کا علم ہے؟" وہ کہنے لگے، "نہیں۔" انہوں نے یہ موسیٰ بن انس کے حوالے سے یہ واقعہ بیان کیا:

حضرت سیرین (جو کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے) کے پاس کثیر مال موجود تھا۔ انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے مکاتبت کی درخواست کی۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ وہ یہ معاملہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں لے گئے۔ انہوں نے (انس سے) کہا: "مکاتبت کرو۔" انہوں نے پھر انکار کیا۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں درے سے مارا اور یہ آیت تلاوت کی، "ان سے مکاتبت کرو اگر تم ان میں بھلائی دیکھتے ہو۔" اب انس نے مکاتبت کر لی۔ (یہ روایت طبرانی میں متصل سند کے ساتھ موجود ہے۔)

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مکاتبت کے واجب یا مستحب ہونے کا اختلاف پہلی مرتبہ تابعین کے آخری دور میں پیدا ہوا جب بنو امیہ کی ملوکیت پوری طرح مسلم معاشرے کو اپنی پلیٹ میں لے چکی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے طرز عمل سے کیا ثابت ہوتا ہے، اس کا فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

### مکاتبت کو مستحب قرار دینے والوں کی توضیح کا جواب

جو حضرات مکاتبت کو مستحب قرار دیتے ہیں، وہ اس روایت کا جواب یہ دیتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو جو کوڑے سے مارا، وہ محض ایک بزرگ نے نصیحت کے طور پر کیا۔ یہ قانونی سزا نہ تھی بلکہ محض ایک نصیحت ہی تھی۔ ان حضرات نے اپنی اس توجیہ کی صرف یہ دلیل پیش کی ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بھی صحابی تھے۔ اگر وہ مکاتبت کو واجب سمجھتے تو اس سے انکار نہ کرتے۔

ان حضرات سے چند سوالات کرنے کی ہم جسارت کریں گے: پہلا سوال یہ ہے کہ اگر سیرین نے محض ایک بزرگانہ نصیحت حاصل کرنے کے لئے ایسا کیا تھا تو یہ کام تو وہ مدینہ کے اور بزرگوں سے بھی کروا سکتے تھے، اس کام کے لئے خاص سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہی کیوں کیا گیا؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک مستحب عمل کی ترغیب دینے کے لئے نصیحت کا طریقہ تو یہی ہوتا ہے کہ مخاطب کو پیار محبت سے سمجھایا جائے۔ کسی کو کوڑے مار کر تو نفل نماز پڑھنے یا نفل روزے کے لئے مجبور نہیں کیا جاتا۔ ایسا اسی صورت میں ہوتا ہے جب کوئی دین کے کسی لازمی قانون پر عمل نہ کر رہا ہو۔ اگر مکاتبت محض مستحب ہوتی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پیار محبت سے یا بہت ہوتا تو ڈانٹ ڈپٹ کر سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو سمجھا دیتے۔ کوڑے سے پیٹنے کی آخر انہیں کیا ضرورت پیش آگئی تھی جبکہ مخاطب محض ایک نفل کا کام ہی ترک کر رہا تھا۔ اس سے متعلق علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں۔

وفیه نظر لا يخفى لأن الضرب غير موجه على ترك المندوب خصوصاً من مثل عمر لمثل انس رضي الله تعالى عنهما ولا سيما تلا عمر قوله تعالى فكاتبوهم الآية عند ضربه إياه. (عینی، شرح البخاری، کتاب المكاتب)

اس میں ایک قابل غور بات یہ ہے کہ ایک مستحب امر کے ترک کرنے پر خاص طور پر مارا تو نہیں جاتا جیسا کہ سیدنا عمر نے انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا۔ انہیں مارتے وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ "ان سے مکاتبت کرو" تلاوت کر رہے تھے (جس کا معنی یہی ہے کہ وہ مکاتبت کو واجب سمجھتے تھے۔)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر صحابہ بھی مکاتبت کو واجب سمجھا کرتے تھے۔ اس کا اندازہ حافظ ابن حجر کے اس بیان سے ہوتا ہے۔

واستدل بفعل عمر على أنه كان يرى بوجوب الكتابة إذا سأله العبد لأن عمر لما ضرب أنسا على الامتناع دل على ذلك وليس ذلك بلازم لاحتمال أنه أدبه على ترك المندوب المؤكد وكذلك ما رواه عبد الرزاق أن عثمان قال لمن سأله

الکتاب لولا آية من كتاب الله ما فعلت فلا يدل ايضا على انه كان يرى الوجوب ونقل بن حزم القول بوجوبها عن مسروق والضحاك .

(ابن حجر عسقلانی؛ فتح الباری شرح البخاری؛ کتاب المکاتب)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے وہ لوگ استدلال کرتے ہیں جو غلام کی طلب پر کتبت کو واجب قرار دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو اس بات پر جو مارا تھا، وہی اس بات کی دلیل ہے کہ مکاتبت واجب ہے۔ اس میں یہ احتمال نہیں ہے کہ انہوں نے ایک مستحب موکد کو ترک کرنے پر انہیں مارا ہو گا۔ یہی بات عبدالرزاق نے روایت کی ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے جب کتابت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا، "اگر اللہ کی کتاب میں یہ آیت نہ ہوتی تو (شید) میں ایسا نہ کرتا۔" یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بھی اسے واجب سمجھتے تھے۔ ابن حزم نے مسروق اور ضحاک (تابعین) سے اس کے واجب ہونے کی رائے نقل کی ہے۔

ابن حزم (d. 456H) نے اٹھلی کی کتاب الکتابۃ میں مکاتبت کے واجب ہونے پر تفصیلی بحث کی ہے اور انہوں نے اپنے درکل پیش کرتے ہوئے اسے واجب قرار دیا ہے۔ انہوں نے مکاتبت کو مستحب قرار دینے والوں پر کڑی تنقید کی ہے اور اسے کتاب اللہ کے خلاف قرار دیا ہے۔

### غلاموں کے مال کا بیان

حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "جس نے غلام آزاد کیا اور اس غلام کے پاس مال بھی تھا تو وہ مال غلام ہی کا ہو گا سوائے اس کے کہ لک (مکاتبت کی) شرط لگا لے تو وہ مال اسی کا ہو جائے گا۔

حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى، ثنا سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجَرَمِيُّ، ثنا الْمُطَّلِبُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ جَدِّهِ عُمَيْرٍ، وَهُوَ مَوْلَى ابْنِ مَسْعُودٍ؛ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ قَالَ لَهُ: يَا عُمَيْرُ! إِنِّي أَعْتَقْتُكَ عِتْقًا هَنِئًا. إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: (أَيُّمَا رَجُلٍ أَعْتَقَ غُلَامًا، وَكَلَّمَهُ يَسْمَ مَالَهُ، فَالْمَالُ لَهُ) فَأَخْبَرَنِي مَا مَالُكَ؟

(ابن ماجہ، کتاب العتق؛ حدیث (2530))

عمیر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ انہوں نے عمیر سے کہا، "اے عمیر! میں تمہیں اپنی خوشی سے آزاد کر رہا ہوں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے، جو شخص بھی غلام آزاد کرے اور اس کے مال کا ذکر نہ کیا جائے تو مال غلام ہی کا ہے۔" یہ تو بتاؤ تمہارے پاس مال ہے کیا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کے فوت ہو جانے پر اس کا کوئی وارث نہ ہونے کی صورت میں غلام ہی کو وارث

بھی بنایا تھا۔

حدثنا عبد الله حدثني أبي حدثنا سفيان عن عمرو عن عوسجة عن ابن عباس: رَجُلٌ مَاتَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَتْرِكْ وَارِثًا إِلَّا عَبْدًا هُوَ أَعْتَقَهُ فَأَعْطَاهُ مِيرَاثَهُ. (مسند احمد، باب ابن عباس)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص فوت ہو گیا اور اس نے سوائے ایک غلام کے اور کوئی وارث نہ چھوڑا تھا جسے اس نے آزادی دے دی تھی۔ حضور نے اس شخص کی میراث بھی غلام کو دل دی۔

یہ تمام احادیث اس بات کی شہادت پیش کرتی ہیں کہ غلاموں کو مال رکھنے اور اسے استعمال کرنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ اس کے علاوہ مال غنیمت میں سے غلاموں کو جو حصہ ملتا تھا وہ بھی انہی کا مال ہوا کرتا تھا۔

حدثنا عبد الله حدثني أبي حدثنا أبو النضر عن ابن أبي ذئب عن القاسم بن عباس عن ابن عباس قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعطي المرأة والمملوك من الغنائم ما يصيب الجيش. (مسند احمد، باب ابن عباس)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لشکر کو جو بھی مال غنیمت ملتا تھا، آپ اس میں سے خواتین اور غلاموں کو بھی حصہ دیا کرتے تھے۔

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذَيْبٍ، عَنْ خَالِهِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي قُرَّةٍ، قَالَ: قَسَمَ لِي أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ كَمَا قَسَمَ لِسَيِّدِي. (ابن ابی شیبہ، حدیث (33889))

حضرت ابو بکر کہتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جیسا میرے آقا کو غنیمت میں سے حصہ دیا وہی مجھے بھی دیا۔ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ حَبَابٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي ذَيْبٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نِيَارٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ؛ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِطَبِيبَةٍ خَزَرٍ، فَقَسَمَهَا لِلْحُرَّةِ وَالْأَمَةِ، وَقَالَتْ عَائِشَةُ: كَانَ أَبِي يَقْسِمُ لِلْحُرِّ وَالْعَبْدِ. (ابن ابی شیبہ، حدیث (33895))

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس غنیمت کے مقام پر خزر والی گئی۔ آپ

نے اسے ایک آزاد اور ایک لونڈی میں تقسیم کر دیا۔ میرے والد (ابوبکر) بھی آزاد اور غلام دونوں کو حصہ دیا کرتے تھے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے جب ان کے غلام سیرین نے مکاتبت طسب کی تو سیرین کے پاس کثیر تعداد میں ماں موجود تھی۔

ان سیرین سأل أنسا المكاتب، وكان كثير المال فابى، فانطلق إلى عمر رضی اللہ

عنه فقال: كاتبه، فابى، فضربه بالدرة وبتلو عمر: (فكاتبوهم إن علمتم فيهم خيرا).

فكاتبه. (بخاری، کتاب المكاتب، ترجمة الباب عند حدیث (2559)

حضرت سیرین (جو کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے) کے پاس کثیر مال موجود تھا۔ انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے

مکاتبت کی درخواست کی۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ وہ یہ معاملہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں لے گئے۔ انہوں نے (انس

سے) کہا: "مکاتبت کرو۔" انہوں نے پھر انکار کیا۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں درے سے مارا اور یہ آیت تلاوت کی،

"ان سے مکاتبت کرو اگر تم ان میں بھلائی دیکھتے ہو۔" اب انس نے مکاتبت کر لی۔

ان احادیث و آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین کے دور میں غلاموں کے پاس

مال ہوا کرتا تھا اور وہ ان کے مالک ہی سمجھے جاتے تھے۔

حضرت سیرین نے جو کثیر مال کمایا تھا، وہ اسی کے ذریعے اپنی مکاتبت خریدنا چاہتے تھے۔ اگر غلام اپنے مال کا مالک نہ ہوتا

اور اس کے جان و مال کی حفاظت مسلمانوں کی ذمہ داری نہ ہوتی تو سیدنا انس رضی اللہ عنہ ان سے وہ مال لے لیتے اور کہہ دیتے کہ "یہ تو میرا ہی ہے، جو دجا کر مزید کم کر لاؤ اور پھر مکاتبت کی بات کرنا۔" سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے اس مال کی کوئی بات نہیں کی۔

سیرین کے پاس اتنا مال تھا کہ 40,000 درہم بطور مکاتبت ادا کرے وہ آزاد ہوئے اور اس کے بعد انہوں نے بھڑہ کے نواح

میں زرعی زمین کا ایک بڑا ٹکڑا خریدا اور اس پر ایک زرعی فارم بنا کر اپنے بیوی بچوں کو وہاں آباد کیا۔ ان کے بچوں میں محمد بن سیرین

رحمۃ اللہ علیہ نے بھڑہ کے فقیہ کا درجہ حاصل کیا۔

بنو عباس کے دور میں یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ غلام اپنے مال کا مالک بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس سے متعلق ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ

ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے ہیں، کسی فقیہ پر نہیں خواہ وہ کتنا ہی بڑا عالم ہو۔ فقہ کے تمام ائمہ اس بات پر متفق

ہیں کہ اگر ان کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کے مخالف ہو تو اسے دیوار پر دے مارا جائے۔

غلام کے مال رکھنے کے حق پر چند شبہات اور ان کا جواب

غلام کے لئے مال رکھنے کے حق پر جو سب سے بڑا شبہ پیش کیا گیا ہے وہ یہ حدیث ہے:

"من باع عبدا وله مال فماله للبائع إلا أن يشترطه المبتاع."

جس کے کسی غلام کی خدمات فروخت کیں اور اس غلام کے پاس مال تھا تو مال بیچنے والے مالک کا ہوگا سوائے اس کے کہ

خریدار شرط لگا دے۔

اس حدیث پر غور کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہاں "مال" سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ غلام کے ذاتی مال کی بات ہو رہی

ہے یا کسی اور مال کی۔

اس حدیث سے بعض فقہاء نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ غلام، اپنے مال کا مالک نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے مال کا مالک اس کا آقا

ہے۔ یہ حضرات نہایت ہی شدت پسندی سے کام لیتے ہوئے اس کے بعد غلام کے لئے اپنے باپ کی وراثت سے حاصل ہونے

والے مال کو بھی اس کا حق قرار نہیں دیتے بلکہ اسے اس کے آقا کی ملکیت قرار دیتے ہیں۔

ان فقہاء کا احترام ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ہم صرف اتنا کہنے کی جسارت کریں گے کہ ان کا یہ قول اور بیان کردہ ان تمام

احادیث کے خلاف ہے جن میں غلام کے مال رکھنے کے حق کی اجازت دی گئی ہے۔ ان حضرات کو یہ غلط فہمی دراصل اس وجہ سے پیدا

ہوئی ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو اس کے موقع محل اور سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اگر اس حدیث کے

مزید طرق اکٹھے کیے جائیں تو ایک مختلف صورتحال سامنے آتی ہے۔ یہ حدیث ایک عمومی حکم نہیں ہے بلکہ ایک خاص مقدمے کے

فیصلے سے متعلق ہے۔ اس کی تفصیل جاننے کے لئے اس حدیث کی دیگر روایات پر غور کیجیے۔

وهو من حدیث عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہما، وله عنه طرق. الأولى: عن

سالم بن عبد الله عن أبيه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "من

ابتاع نخلا بعد أن تؤبر فثمرتها للبائع إلا أن يشترط المبتاع، ومن ابتاع عبدا، وله

مال، فماله للذي باعه إلا أن يشترط المبتاع" (بخاری، کتاب المساقاة، حدیث

(2379)

حضرت سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس نے پیوند

کاری کرنے کے بعد کھجور کا درخت خریدا تو اس درخت کا پھل بیچنے والے کا ہوگا سوائے اس کے کہ خریدار شرط لگا دے۔ اسی طرح

جس نے کسی غلام کی خدمات فروخت کیں اور اس غلام کے پاس مال بھی تھا تو اس کا مال اسی کا ہوگا جس نے اسے بیچا تھا سوائے اس

کے خریدار شرط لگا دے (کہ یہ مال میرا ہوگا)۔

مسند احمد کی روایت میں صورتحال مزید واضح ہو جاتی ہے۔

قال عبد الله وَجَدْتُ فِي كِتَابِ أَبِي أَنَا الْحَكَمُ بْنُ مُوسَى قَالَ عَبْدُ اللَّهِ وَثَنَاهُ الْحَكَمُ بْنُ

مُوسَى لَنَا يَحْيَى بْنُ حَمْرَةَ عَنْ أَبِي وَهَبٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسَى أَنَّ نَافِعًا حَدَّثَهُ عَنْ عَبْدِ

اللَّهِ بْنِ عُمَرَ وَعَطَاءِ بْنِ أَبِي رَئَاحٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ



وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ بَاعَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَلَهُ مَالُهُ وَعَلَيْهِ دَيْنُهُ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ (مسند

احمد بن حنبل، باب ابو سعید خدری)

حضرت عبداللہ بن عمر اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "جس نے کسی غلام کی خدمات فروخت کیں اور اس غلام کے پاس مال بھی تھا تو مال بیچنے والے کا ہوگا اور اس کے قرض کی ادائیگی مالک کے ذمے ہوگی سوائے اس کے کہ خریدار شرط لگا دے۔"

اس روایت سے پوری صورتحال واضح ہو جاتی ہے۔ عہد رسامت میں بہت سے غلام اپنے آقاؤں کے بزنس منیجر ہوا کرتے تھے۔ جب ان کے آقا ان کی خدمات کو کسی دوسرے کی طرف منتقل کرتے تو بسا وقت غلام کے ساتھ اس کے مال کا کاروبار بھی خریداری کی طرف منتقل ہو جایا کرتا تھا۔

اس وقت ایک ایسا مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لایا گیا جس میں کاروبار کی منتقلی کی شرط خریداری کی جانب سے نہیں لگائی گئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصد دیا کہ اگر کوئی شرط موجود نہ ہو تو اس کا روہار کے تمام اثاثے اور قرضے (Assets & Liabilities) پہلے مالک کے ہوں گے کیونکہ یہ اسی کا کاروبار تھا۔ ہاں اگر خرید و فروخت کے وقت شرط لگا دی گئی ہو تب یہ کاروبار بھی غلام کے ساتھ ہی نئے آقا کو منتقل کر دیا جائے گا۔ اس میں کہیں بھی غلام کے ذاتی مال کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ امام بیہقی یہی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ ثنا أبو العباس محمد بن يعقوب ثنا محمد بن إسحاق الصفحاني ثنا الحكم بن موسى ثنا يحيى بن حمزة عن أبي وهب عن سليمان بن موسى أن نافعاً حدثه عن عبد الله بن عمر وعطاء بن أبي رباح عن جابر بن عبد الله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من باع عبداً وله مال فله ماله وعليه دينه إلا أن يشترط المبتاع ومن أبر نخلاً فباعه بعد توبيره فله ثمرته إلا أن يشترط المبتاع وهذا إن صح فإنما أراد والله أعلم العبد المأذون له في التجارة إذا كان في يده مال وفيه دين يتعلق به فالسيد يأخذ ماله ويقضى منه دينه (بيهقي سنن الكبرى، كتاب الطهارة، باب الولي يخلط ماله بمال اليتيم وهو يريد إصلاح ماله بمال نفسه،

حدیث (10786)

حضرت سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "جس نے کسی غلام

کی خدمات فروخت کیں اور اس غلام کے پاس مال بھی تھا تو مال بیچنے والے کا ہوگا اور اس کے قرض کی ادائیگی مالک کے ذمے ہوگی سوائے اس کے کہ خریدنے والا شرط لگا دے۔ اسی طرح اگر بیوند کاری کے بعد کسی نے درخت بیچا تو اس کا پھل بیچنے والے کا ہی ہوگا سوائے اس کے کہ خریدار شرط لگا دے۔

اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ایسا غلام جسے اس کے آقا نے تجارت کی اجازت دی ہے اور (اس کی خدمات کی منتقلی کے وقت) اس کے ہاتھ میں (تجارتی) مال ہے اور اس پر کوئی (کاروباری) قرض بھی ہے تو اس کا تعلق پہلے آقا سے ہو گا۔ وہ یہ مال لے لے گا اور اس سے (کاروباری) قرضے ادا کر دے گا۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں جس مال کی بات ارشاد فرمائی تھی، اس کا کوئی تعلق غلام کے مال سے نہیں تھا بلکہ آقا کے اس مال سے تھا جسے اس نے تجارت میں لگا کر اس کا ذمہ دار غلام کو بنایا تھا۔ یہ معاملہ بالکل کھجور کے پھل کا ساتھ جس پر ساری محنت پہلے آقا نے کی تو اس کا پھل بھی اسی کا ہونا چاہیے۔ اس تفصیل کے بعد اس حدیث کو غلام کے مال رکھنے کے حق کے خلاف پیش کرنا نہایت ہی نامعقولیت ہوگی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اسی حدیث سے فقہ کے ایک بڑے امام بھی یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ غلام کو مال رکھنے کی اجازت ہے۔

وقال مالك واصحابه يملك ماله كما يملك عصمة نكاحه وجائز له التسرى

فيما ملك وحجتهم قول رسول الله صلى الله عليه وسلم من باع عبداً وله مال

فأضاف المال إليه وقال الله عز وجل فانكحوهن باذن أهلهن وآتوهن أجورهن

بالمعروف فأضاف أجورهن إليهن إضافة تملك (ابن عبد البر، التمهيد)

حضرت امام مالک اور ان کے ساتھی کہتے ہیں کہ غلام اپنے مال کا مالک بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ وہ نکاح کے ذریعے اپنی عصمت کا مالک ہوتا ہے اور اس کے لئے لونڈی رکھنا بھی درست ہے۔ ان کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ جس نے غلام کی خدمات فروخت کیں اور اس کا مال تھا۔ "اس میں مال کا تعلق اس غلام سے جوڑا گیا ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا، "ان کے گھر والوں کی اجازت سے ان سے نکاح کرو اور انہیں ان کے مہر معروف طریقے سے ادا کرو۔" اس میں بھی اضافت کا صیغہ ملکیت کے لئے ہے۔

مکاتب غلام ہے یا آزاد؟

بعض فقہاء نے یہ بیان کیا ہے کہ مکاتب کے ذمے جب تک ایک درہم بھی باقی ہے، وہ غلام ہی رہے گا اور اگر وہ رقم ادا کرنے سے عاجز آجائے تو اسے دوبارہ غلام بنا دیا جائے گا۔ یہ نقطہ نظر صریح احادیث کے خلاف ہے۔ چند احادیث و آثار ہم یہاں پیش کر رہے ہیں۔

حدثنا سعيد بن عبد الرحمن قال حدثنا سفيان بن عيينة عن الزهري عن نيهان مولى  
أم سلمة عن أم سلمة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا كان عند مكاتب  
إحدنا كن ما يؤدى فلتحتجب منه قال أبو عيسى هذا حديث حسن صحيح  
(ترمذی، کتاب البیوع، حدیث (1261)

حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا (جنہوں نے اپنے غلام سے مکاتب کر لی تھی) کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
نے فرمایا، "جب تم میں کوئی مکاتب کرے اور اس نے پوری ادائیگی نہ بھی کی ہو تب بھی اس سے چوب کرو۔"

حدثنا هارون بن عبد الله البزار حدثنا يزيد بن هارون أخبرنا حماد بن سلمة عن  
أيوب عن عكرمة عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال إذا أصاب  
المكاتب حدا أو ميراثا ورث بحساب ما عتق منه وقال النبي صلى الله عليه وسلم  
يؤدى المكاتب بحصة ما أدى دية حر وما بقى دية عبد . (ترمذی، کتاب البیوع،  
حدیث 1259، مستدرک حاکم، (2865-2866)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "اگر مکاتب کو (کسی جرم میں)  
سزا دی جائے یا اسے (مالک کے فوت ہوجانے کی صورت میں اس کے) وارثوں کے حوالے کیا جائے تو ایسا کرتے ہوئے اس کا  
معاوضہ اس کی آزادی کے تناسب سے کیا جائے۔ آپ نے فرمایا، "اگر مکاتب کو کسی حادثے میں نقصان پہنچا ہو تو اس کی دیت  
کی ادائیگی اس حساب سے کی جائے گی کہ اس نے جتنے (فیصد مکاتب کی رقم) ادا کی ہو، اسے اتنے (فیصد) آزاد سمجھا جائے گا  
اور جتنے (فیصد) باقی ہو، غلام سمجھا جائے گا۔"

مکاتب کے حقوق و فرائض کے بارے میں اگر تمام روایات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بالعموم مکاتب کو وہ اکثر  
حقوق دیے گئے ہیں جو کسی آزاد شخص کو حاصل تھے لیکن اس پر وہ مدداریاں جیسے زکوٰۃ، حج، جہاد اور حکومتی جرمانے وغیرہ کے معاملے  
میں عام نہیں کی گئیں جو کہ آزاد افراد پر عائد کی گئی تھیں۔

حدثنا عبد الباقي بن قانع وعبد الصمد بن علي قالنا قالنا الفضل بن العباس الصواف ثنا  
يحيى بن غيلان ثنا عبد الله بن بزيق عن بن جريج عن أبي الزبير عن جابر قال قال  
رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس في مال المكاتب زكاة حتى يعتق . (دارقطنی،  
سنن، کتاب الزکوٰۃ)

حضرت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "مکاتب کے مال میں کوئی زکوٰۃ  
نہیں ہے جب تک وہ مکمل آزاد نہ ہو جائے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض تو اس بات کے قائل تھے کہ مکاتب کرتے ہی غلام آزاد ہو جاتا ہے اور کی حیثیت سابقہ  
مالک کے مقروض کی سی ہو جاتی ہے اور بعض اسے ادائیگی کے تناسب سے آزاد قرار دیتے تھے۔

عند ابن عباس فانه يعتق بنفس العقد وهو غريم المولى بما عليه من بدل الكتابة  
وعند علي رضي الله تعالى عنه يعتق بقدر ما أدى . (عینی، عمدة القاری شرح  
البخاری)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ معاہدہ کرتے ہی آزاد ہو جاتا ہے۔ اب وہ اپنے سابقہ مالک کا  
مقروض ہے کیونکہ اس پر مکاتب کی رقم کی ادائیگی لازم ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ جتنی رقم ادا کر دے، اسی  
تناسب سے آزاد ہو جاتا ہے۔

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تو یہ قانون بنا دیا تھا کہ اگر مکاتب نصف رقم کی ادائیگی کر چکا ہو اور اس کے بعد وہ باقی رقم ادا  
نہ بھی کر سکے تب بھی اسے غلامی کی طرف نہ لوٹایا جائے گا۔

حَدَّثَنَا أَبُو أُبَيٍّ رَأْسُةَ وَحَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنِ الْمَسْعُودِيَّ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ  
سَمُرَةَ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ: إِنَّكُمْ تُكَاتِبُونَ مُكَاتِبِينَ، فَإِذَا أَكْدَى النِّصْفَ فَلَا رَدَّ عَلَيْهِ فِي  
الرَّقِّ . (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث (20960)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "تم لوگ مکاتب کرتے ہو، جب مکاتب آدھی رقم ادا کر دے تو پھر اسے غلامی کی  
طرف نہ لوٹایا جائے گا۔"

یہی بات سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ نصف رقم کی ادائیگی کے بعد مکاتب آزاد ہو جاتا ہے اور اس کی  
حیثیت ایک مقروض شخص کی ہو جایا کرتی ہے۔ (مسند ابن الجعد)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عام طور پر اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ مکاتب کا مالک کسی اور شخص سے رقم لے کر مکاتب کی ایتھ  
اقتضا کو کسی اور شخص کی طرف منتقل کر دے۔ ہاں اگر وہ خود اس کی اجازت دے دے تو اسے منتقل کیا جاسکتا ہے۔

حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ: أَنَّهُ كَانَ  
يُكْرَهُ بَيْعَ الْمُكَاتَبِ . (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث (23054)

حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مکاتب کے منتقل کئے جانے کو سخت ناپسند کیا کرتے تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مکاتب کے بارے میں یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر وہ پوری رقم کی ادائیگی سے پہلے فوت ہو جائے اور اس کے بچے ہوں تو وہ بچے آزاد ہی قرار پائیں گے۔ (بیہقی، معرفۃ السنن والاثر، کتاب المکاتب)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ معمول تھا کہ اگر مکاتبین رقم ادا کرنے سے عاجز ادا آجاتے تو وہ انہیں با محوم رقم معاف کر کے آزاد کر دیا کرتے تھے۔

أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ أَبِي بَكْرٍ بْنُ الْحَسَنِ وَأَبُو رَكْرِيَّا بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ: مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ أَيْبَانَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الْحَكَمِ أَيْبَانَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنُ زَيْدٍ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَتْ غُلَامًا لَهُ يُقَالُ لَهُ شَرْفًا بَارِيعِينَ أَلْفًا فَخَرَجَ إِلَى الْكُوفَةِ فَكَانَ يَعْمَلُ عَلَى حُمْرٍ لَهُ حَتَّى أَدَّى خَمْسَةَ عَشَرَ أَلْفًا فَجَاءَهُ إِنْسَانٌ فَقَالَ مَجْنُونٌ أَنْتَ أَنْتَ هَاهُنَا تُعَذِّبُ نَفْسَكَ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ يَشْتَرِي الرِّقِيقَ يَمِينًا وَشِمَالًا ثُمَّ يَعْتَقُهُمْ أَرْجِعْ إِلَيْهِ فَقُلْ لَهُ قَدْ عَجَزْتُ فَجَاءَ إِلَيْهِ بِصَحِيفَتِهِ فَقَالَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَدْ عَجَزْتُ وَهَذِهِ صَحِيفَتِي فَأَمَحُهَا فَقَالَ لَا وَلَكِنْ أَمَحُهَا إِنْ شِئْتَ فَمَحَاهَا ففَاضَتْ عَيْنَا عَبْدَ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ أَذْهَبَ فَأَنْتَ حُرٌّ قَالَ أَصْلَحَكَ اللَّهُ أَحْسِنُ إِلَيَّ ابْنِي قَالَ هُمَا حُرَّانِ قَالَ: أَصْلَحَكَ اللَّهُ أَحْسِنُ إِلَيَّ أُمِّي وَلَكَدَى قَالَ هُمَا حُرَّتَانِ فَأَعْتَقَهُمْ خَمْسَتَهُمْ جَمِيعًا فِي مَقْعِدٍ. (بیہقی، معرفۃ السنن والاثر، کتاب المکاتب)

حضرت زید بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد عبداللہ بن عمر نے ایک غلام، جس کا نام شرف تھا، سے 40,000 درہم پر مکاتب کی۔ وہ کوفہ کی جانب نکل گیا اور وہاں وہ اسفلت کا کام کرنے لگا یہاں تک کہ اس نے 15,000 درہم ادا کر دیے۔ اس کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا، "تم عجیب پاگل آدمی ہو، یہاں تم سخت محنت کر رہے ہو جبکہ عبداللہ بن عمر تو دھڑا دھڑا سے غلام خریدتے ہیں اور اسے آزاد کر دیتے ہیں۔ تم ان کے پاس جاؤ اور کہو، میں رقم ادا کرنے سے عاجز آ گیا ہوں۔"

(اب وہ واپس ان کے پاس آیا اور اس کے طلب کرنے پر) اس کے پاس اس کی مکاتب کا معاہدہ لایا گیا۔ وہ کہنے لگا، اے ابو عبدالرحمن! میں رقم ادا کرنے سے عاجز آ گیا ہوں۔ یہ میرا معاہدہ ہے، اسے مناد بیچے۔ "آپ نے فرمایا، نہیں، ہاں تم ہی غلام رہنا چاہو تو میں اسے منادوں گا۔" جب معاہدہ مٹایا گیا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ

عنہ نے فرمایا، "جاؤ، تم آزاد ہو۔" وہ کہنے لگا، "اللہ آپ کے ساتھ بھلائی کرے، میرے دونوں بیٹوں پر بھی احسان کیجیے۔" فرمایا، "وہ دونوں بھی آزاد ہیں۔" کہنے لگا، "میرے دونوں بچوں کی، وکوں پر بھی احسان کیجیے۔" آپ نے فرمایا، "وہ دونوں بھی آزاد ہیں۔" اس طرح آپ نے بیٹھے بیٹھے وہیں ان پانچوں کو آزاد کر دیا۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکاتب کا اسٹیٹس آزاد اور غلام کے درمیان ہے۔ اسے آزاد شخص کے سے بہت سے حقوق حاصل ہوں گے لیکن اس پر ذمہ داریاں وہی ہوں گی جو غلام کی ہوں گی۔ اس ضمن میں یہ حدیث پیش کی جاتی ہے:

والمکاتب عبد ما بقى عليه درهم.

مکاتب اس وقت تک غلام ہی ہے جب تک اس پر ایک درہم بھی باقی ہے۔ یہ مکمل حدیث نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پوری بات کا ایک ٹکڑا ہے جس سے غلط طور پر ایک قانون اخذ کر لیا گیا ہے۔ یہاں پر دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مکاتب کے حقوق کی نہیں بلکہ اس کے فرائض کی بات کر رہے ہیں۔ اس کا منشا یہ ہے کہ مکاتب پر جب تک ایک درہم بھی باقی ہے، اس کی ذمہ داریوں میں غلام کی طرح کی جائے گی۔ اس پر نماز، جمعہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، جرم ماند اور جزیہ واجب نہیں ہوں گے۔ فقہ کے جلیل القدر ائمہ کا یہی نقطہ نظر ہے۔ امام احمد بن حنبل کا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے ابن قیم لکھتے ہیں:

قال: أبو طالب سألت أبا عبد الله عن العبد النصراني عليه جزية قال: ليس عليه جزية. وقال: في موضع آخر قلت فالعبد ليس عليه جزية لنصراني كان أم لمسلم كما قال: أبو محمد رضى الله عنه. وقال: عبد الله بن أحمد سألت أبا عن رجل مسلم كاتب عبدا نصرانيا هل تؤخذ من العبد الجزية من مكاتبته؟ فقال: إن العبد ليس عليه جزية والمكاتب عبد ما بقى عليه درهم. (ابن قیم، احکام اهل الذمة)

حضرت عبداللہ بن احمد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے ایسے مسلمان کے بارے میں پوچھا جس نے اپنے عیسائی غلام کو مکاتب دی ہوئی ہو تو کیا ایسی صورت میں اس غلام سے دوران مکاتب جزیہ لیا جائے گا؟ انہوں نے فرمایا، "غلام کے ذمے جزیہ کی ادائیگی نہیں ہوگی کیونکہ مکاتب کے ذمے جب تک ایک درہم بھی باقی ہو، وہ غلام ہی سمجھا جائے گا۔" صحیح نقطہ نظر یہی ہے کہ مکاتب پر ذمہ داریوں میں اسی طرح کی چاری رکھی جائے گی جیسا کہ دین میں غلام پر ذمہ داریوں میں کی رکھی گئی ہے لیکن اسے وہ حقوق حاصل ہوں گے جو آزاد شخص کو حاصل ہوا کرتے ہیں۔

کیا اسلام میں غلام کا فرار ہونا حرام ہے؟

فقہاء کا اس بات پر اتفاق رائے ہے کہ ایک مسلمان غلام کے لئے فرار ہو کر اپنے مالک سے چھٹکارا پانا جائز نہیں ہے۔ وہ اسے گناہ کبیرہ قرار دیتے ہیں۔ اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی یہ حدیث پیش کی جاتی ہے۔

حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة . حدثنا حفص بن غياث، عن داود، عن الشعبي، عن جرير، قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "أيما عبد أبق فقد برئت منه الذمة ."(مسلم، كتاب الايمان، حديث (229)  
حضرت سیدنا جریر بن عبد اللہ بکلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "جو غلام بھی فرار ہو جائے، وہ ذمہ داری سے نکل گیا۔"

حدثنا يحيى بن يحيى . أخبرنا جرير عن مغيرة، عن الشعبي، قال : كان جرير بن عبد الله يحدث عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : "إذا أبق العبد لم تقبل له صلاة ."(مسلم، كتاب الايمان، حديث (230)

حضرت سیدنا جریر بن عبد اللہ بکلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "جب غلام فرار ہو جائے تو اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔"

یہ صحیح احادیث ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلاموں کو آزاد کرنے اور ان کے حقوق کی ادائیگی کرنے کے جو احکام جاری فرمائے تھے، اس کے بعد کسی غلام کو فرار ہونے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ جو غلام آزادی کا طالب ہوتا، وہ اپنے آقا سے مکاتبت کر سکتا تھا اور اس کی رقم کی ادائیگی کے لئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد طلب کر سکتا تھا۔ جس غلام کو آزادی کی خواہش نہ ہوتی، اس کے حقوق کی ادائیگی اس کے آقا کے ذمہ تھی۔ حکومت کا یہ فرض تھا کہ وہ غلاموں کو ان کے حقوق دوائے۔

ان حالات میں غلام اگر فرار ہوتا تو اس کا اس کے سوا اور کوئی معنی نہ تھا کہ وہ مسلم کیونٹی میں رہنا نہیں چاہتا۔ ایسی صورت میں مسم کیونٹی اس کی ذمہ داریوں کی پابند کس طرح سے ہو سکتی ہے۔ اس تفصیل کو مد نظر رکھا جائے تو غلام کے لئے فرار ہونے کی یہ ممانعت بالکل درست معلوم ہوتی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی غلام کسی ایسے معشرے میں موجود ہو، جہاں اس کا آقا اس پر ظلم کے پہاڑ توڑتا ہو اور حکومت اس ضمن میں اس کی کوئی مدد کرنے کو تیار نہ ہو تو کیا اس غلام کے لئے فرار ہونا بھی حرام ہوگا؟ اس کا جواب بھی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے مل جاتا ہے۔ آپ کے عہد میں اپنے آقاؤں کے ظلم و ستم کے ستارے ہوئے غلام جب فرار ہو کر مدینہ آ جایا کرتے تھے تو انہیں نہ صرف مسم معاشرے میں قبول کر لیا جاتا تھا بلکہ انہیں فوراً ہی آزادی دے دی جاتی تھی اور ان کی "ولاء" کا حلق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قائم کیا جاتا تھا۔

حدثنا إبراهيم بن موسى : أخبرنا هشام، عن ابن جريج، وقال عطاء ، عن ابن عباس :

كان المشركون على منزلتين من النبي صلى الله عليه وسلم والمؤمنين : كانوا مشركي أهل حرب، يقاتلهم ويقاتلونهم، ومشركي أهل عهد، لا يقاتلهم ولا يقاتلونهم، وكان إذا هاجرت امرأة من أهل الحرب لم تخطب حتى تحيض وتطهر، فإذا طهرت حل لها النكاح، فإن هاجر زوجها قبل أن تنكح ردت إليه، وأن هاجر عبد منهم أو أمة فهما حران ولهما ما للمهاجرين، ثم ذكر من أهل العهد مثل حديث مجاهد : وأن هاجر عبد أو أمة للمشركين أهل عهد لم يردوا، وردت أثمانهم .(بخاری، كتاب النكاح، حديث (5286)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں : نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مؤمنین کا مشرکین سے معاملہ دو طرح کا تھا۔ بعض مشرکین "اہل حرب" تھے۔ وہ مسلمانوں سے جنگ کرتے اور مسلمان ان سے جنگ کرتے۔ دوسری قسم کے مشرکین "اہل عہد" تھے۔ نہ تو وہ مسلمانوں سے جنگ کرتے اور نہ ہی مسلمان ان سے جنگ کرتے۔ اگر اہل حرب کی کوئی خاتون (مسلمان ہو کر) ہجرت کر تیں تو انہیں حیض آنے اور پھر پاک ہونے تک نکاح کا پیغام نہ بھیجا جاتا تھا۔ جب وہ پاک ہو جاتی تھیں تو ان کے لئے نکاح کرنا جائز ہو جاتا تھا۔ اگر نکاح کرنے سے پہلے ان کا خاوند بھی (مسلمان ہو کر) ہجرت کر کے آ پہنچتا تو ان کا رشتہ برقرار رکھا جاتا۔

اگر اہل حرب کے کوئی غلام یا لونڈی ہجرت کر کے آ جاتے تو انہیں آزاد قرار دے دیا جاتا اور ان کا درجہ مہاجرین کے برابر ہوتا۔۔۔ اور اگر اہل عہد کے کوئی غلام یا لونڈی ہجرت کر کے آ جاتے تو انہیں واپس لوٹا یا نہ جاتا لیکن ان کی قیمت ان کے مالکان کو بھیج دی جاتی۔

اسی اصول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح کا معاہدہ طے پا جانے سے پہلے آنے والے دو غلاموں کو آزادی عطا فرمائی۔

حدثنا عبد العزيز بن يحيى الحراني، قال : حدثني محمد يعني ابن سلجة عن محمد بن إسحاق، عن أسبان بن صالح، عن منصور بن المعتمر، عن ربيع بن جراح، عن علي بن أبي طالب قال : خرج عبيدان إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم يعني يوم الحديبية قبل الصلح، فكتب إليهم مواليتهم فقالوا : يا محمد، والله ما خرجوا إليك رغبة في دينك، وإنما خرجوا هرباً من الرق، فقال ناس : صدقوا يا رسول الله رُدَّهم

إلھم، فغضب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال: "ما أراکم تنتھون یا معشر قریب حتی یبعث اللہ (عز وجل) علیکم من یضرب رقابکم علی هذا" وابی أن یردھم، وقال: "ھم عتقاء اللہ عز وجل". (ابو داؤد، کتاب الجہاد، حدیث (2700)

حضرت سیدنا بنی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حدیبیہ کے دن صلح سے پہلے (اہل مکہ کے) دو غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ گئے۔ ان کے مالکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خط لکھا اور کہا، "اے محمد! خدا کی قسم یہ آپ کے دین سے رغبت کے باعث آپ کے پاس نہیں آئے۔ یہ تو محض آزادی حاصل کرنے کے لئے آپ کے پاس آئے ہیں۔" لوگ کہنے لگے، "یا رسول اللہ! ان کے مالک درست کہہ رہے ہیں۔ آپ انہیں واپس بھجوا دیجیے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا، "اے گروہ قریش! میں سمجھتا ہوں کہ تم اس کام (یعنی غلامی کو برقرار رکھنے) سے اس وقت تک باز نہ آؤ گے جب تک کہ اللہ عز وجل تمہاری طرف کسی ایسے کو نہ بھیجے جو تمہاری گردنوں پر ضرب لگائے۔" آپ نے انہیں واپس کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا، "وہ اللہ عز وجل کی رضا کے لئے آزاد ہیں۔"

اسی اصول پر آپ نے طائف کے محاصرے کے وقت اعلان فرمایا تھا کہ اہل طائف کے غلاموں میں سے جو آزادی کا طالب ہو، وہ ہماری طرف آ جائے۔

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی حدثنا یحییٰ بن زکریا حدثنا الحجاج عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس قال: لما حاصر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اهل الطائف اعتق من رقیقھم. (مسند احمد، باب عبد اللہ بن عباس، مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث (34283)

حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل طائف کا محاصرہ کیا تو ان کے غلاموں میں سے (ان غلاموں کو جو مسلمانوں کی طرف آ گئے تھے) آزاد فرما دیا۔ مشہور مستشرق ویم پیوراس اعلان کے بارے میں لکھتے ہیں۔

آپ نے محصورین کے پاس ایک اعلان بھیجی جس سے وہ لوگ بہت ناراض ہوئے۔ اس اعلان کا مضمون یہ تھا کہ اگر شہر سے کوئی غلام ہمارے پاس آئے گا تو اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ تقریباً بیس غلاموں نے اس اعلان سے فائدہ اٹھایا اور وہ اپنے آزادی دینے والے کے سچے اور بہادر پیرو ثابت ہوئے۔ (ویم پیور، The life of ohed) اس تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غلام کے فرار ہونے کی حرمت صرف اسی صورت میں ہے جب وہ ایسے معاشرے میں موجود ہو جہاں اس کی آزادی کے قانونی راستے کھلے ہوئے ہوں اور اس پر ظلم و ستم نہ کیا جاتا ہو۔

## ﴿خلافت راشدہ کی جنگی مہمات میں غلاموں سے حسن سلوک﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کے خلفاء راشدین (بشمول عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمۃ) کے طرز عمل سے متعلق تاریخی روایات کا جائزہ لیا جائے تو قیدیوں کے بارے میں ان کے یہ اقدامات سامنے آتے ہیں:

عمومی طور پر خلفاء راشدین "اما منا او اما فداء" کے اصول کے تحت جنگی قیدیوں کو بدلہ معاوضہ یا پھر کچھ معاوضہ لے کر رہا کر دیا کرتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں قیدی کا فدیہ 400 درہم مقرر کیا گیا۔ بسا اوقات اس میں کمی بیشی بھی کی گئی۔ (عمری، عصر الخلافة الراشدہ)

جنگی قیدیوں کا تبادلہ دشمن کی قید میں موجود اسلامی ریاست کے قیدیوں سے کیا جاتا تھا۔ بعض موقعوں پر استثنائی طور پر جنگی قیدیوں کو غلام بھی بنایا گیا لیکن یہ معاملہ عارضی طور پر تھا۔ حکومت کی اطاعت قبول کر لینے پر ان جنگی قیدیوں کو آزاد کر دیا جاتا تھا۔

اسلامی ریاست کے جو شہری جنگی قیدی بن کر دشمن کی غلامی میں چلے جاتے، خواہ وہ مذہباً مسلمان ہوں یا نہ ہوں، انہیں بیت المال سے رقم ادا کر کے آزاد کروایا جاتا تھا۔ اگر وہ قیدی جنگ کے ذریعے دوبارہ مسلمانوں کے پاس آ جاتے تو انہیں فوراً آزاد کر دیا جاتا تھا۔

## غلام نہ بنانے میں اسلامی خدمات کا بیان

اس تمام اقدامات کی مثالوں کے لئے یہ روایات ملاحظہ فرمائیے۔

قال شافعی: ولا نعلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم سبی بعد حنین احداً. ولا نعلم ابابکر سبی عربیاً من اهل الردة. ولكن اسرهم ابو بکر حتی خلاصهم عمر. (بیہقی، معرفة السنن والآثار، کتاب السیر، حدیث (17966)

حضرت امام شافعی کہتے ہیں، "ہمارے علم میں نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ حنین کے بعد کسی کو غلام بنایا ہو۔ نہ ہی ہمارے علم میں ہے کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے ساتھ جنگوں میں کسی عرب کو غلام بنایا ہو۔ ابو بکر نے انہیں قید ضرور کیا۔ (یہ لوگ قید میں رہے) یہاں تک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں رہا کر دیا۔

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ رَجُلٍ لَمْ يُسَمِّهِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَتَى بِسَبْيٍ فَأَعْتَقَهُمْ. (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (33889)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جنگی قیدی لائے گئے، انہوں نے ان سب کو آزاد کر دیا۔

حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ أَبِي حَفْصَةَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ يُونُسَ بْنِ مِهْرَانَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ: كُلُّ أَسِيرٍ كَانَ فِي أَيْدِي الْمُشْرِكِينَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، فَفِيكَاهُ مِنْ بَيْتِ مَالِ الْمُسْلِمِينَ. (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (33937))

حضرت سیدنا ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہم نے فرمایا، "ہر وہ مسلمان قیدی جو مشرکین کے پاس ہے، اس کا فدیہ مسلمانوں کے بیت المال سے ادا کیا جائے گا۔"

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ: لِأَنَّا اسْتَفَيْدَ رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ مِنْ أَيْدِي الْكُفَّارِ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ جَزِيَةِ الْعَرَبِ. (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (33928))

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے، "اگر میں مسلمانوں کے ایک شخص کو بھی دشمن کی قید سے آزاد کرواؤں تو یہ میرے لئے پورے عرب کے جزیہ سے زیادہ پسندیدہ ہے۔"

حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَرِيكٍ، عَنْ بَشِيرِ بْنِ غَالِبٍ، قَالَ: سَأَلَ ابْنُ الزُّبَيْرِ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ عَنِ الرَّجُلِ يُقَاتِلُ عَنْ أَهْلِ الذِّمَّةِ، فَيُؤَسَّرُ؟ قَالَ: فَفِيكَاهُ مِنْ خَوَاجِ أَوْلِيكَ الْقَوْمِ الَّذِينَ قَاتَلُوا عَنْهُمْ. (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (33938))

حضرت ابن زبیر نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہم سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جو (غیر مسلم) اہل ذمہ میں سے ہو اور قیدی بنایا گیا ہو۔ انہوں نے فرمایا، "اس کا فدیہ مسلمانوں کے خراج (بیت المال) میں سے ادا کیا جائے گا کیونکہ وہ انہی کی طرف سے جگ کر رہا تھا۔"

حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، قَالَ: كَانَ عَلِيٌّ إِذَا أُتِيَ بِأَسِيرٍ يَوْمَ صَفِّينَ، أَخَذَ دَابَّتَهُ، وَأَخَذَ سِلَاحَهُ، وَأَخَذَ عَلَيْهِ أَنْ لَا يَعُودَ، وَخَلَّى سَبِيلَهُ. (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (33944))

حضرت ابو جعفرؓ کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس جنگ صفین کا ایک قیدی لایا گیا۔ آپ نے اس کا جانور اور اسلحہ لے لیا اور اس سے یہ وعدہ لے کر اسے آزاد کر دیا کہ وہ دوبارہ آپ سے جنگ کرنے نہیں آئے گا۔

حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنْ جَعْفَرٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: أَمَرَ عَلِيٌّ مُنَادِيَهُ، فَنَادَى يَوْمَ الْمَصْرَةِ: لَا يَقْتُلُ أَسِيرٌ. (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (33950))

ابو جعفرؓ کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بصرہ کی جنگ میں یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔

حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ خُلَيْدِ بْنِ جَعْفَرٍ، عَنِ الْحَسَنِ؛ أَنَّ الْحَجَّاجَ أَتَى بِأَسِيرٍ، فَقَالَ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ: قُمْ فَاقْتُلْهُ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: مَا بِهِذَا أَمْرُنَا، يَقُولُ اللَّهُ: (حَتَّى إِذَا أَتَّخَذْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوُثَاقَ فِيمَا مَنَّا بَعْدَ وَإِمَّا فِدَاءً). (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (33946))

حضرت حسن بصریؓ کہتے ہیں کہ حجّاج (بن یوسف) کے پاس ایک جنگی قیدی لایا گیا۔ اس نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا، "اٹھیے اور اسے قتل کر دیجیے۔" ابن عمرؓ نے فرمایا، "ہمیں اس کا حکم نہیں دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، جب تم انہیں (جنگ میں) قتل کر چکے تو انہیں مغبوطی سے باندھ لو۔ اس کے بعد یا تو بطور احسان رہا کر دو یا پھر بطور فدیہ رہا کر دو۔" (اس طرح ابن عمر رضی اللہ عنہ نے وقت کے ایک ظالم و جاہر گورنر کے سامنے کلمہ حق ادا کیا۔)

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَعْيَدٍ بْنِ حَيَّانَ، عَنْ عَمَّارِ الدُّهْنِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو الطُّفَيْلِ، قَالَ: كُنْتُ فِي الْجَيْشِ الَّذِينَ بَعَثَهُمُ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ إِلَى بَنِي نَاجِيَةَ، فَانْتَهَيْنَا إِلَيْهِمْ فَوَجَدْنَاهُمْ عَلَى ثَلَاثِ فِرَقٍ، قَالَ: فَقَالَ: أَمِيرُنَا لِفِرْقَةٍ مِنْهُمْ: مَا أَنْتُمْ؟ قَالُوا: نَحْنُ قَوْمُ نَصَارَى وَأَسْلَمْنَا، فَثَبَّتْنَا عَلَى إِسْلَامِنَا، قَالَ: اعْتَزَلُوا، ثُمَّ قَالَ لِلثَّانِيَةِ: مَا أَنْتُمْ؟ قَالُوا: نَحْنُ قَوْمٌ مِنَ النَّصَارَى أَمَّا نَرَدِينَا أَفْضَلَ مِنْ دِينِنَا فَثَبَّتْنَا عَلَيْهِ فَقَالَ اعْتَزَلُوا، ثُمَّ قَالَ لِفِرْقَةٍ أُخْرَى: مَا أَنْتُمْ؟ قَالُوا: نَحْنُ قَوْمٌ مِنَ النَّصَارَى فَأَبَوْا، فَقَالَ لِأَصْحَابِهِ: إِذَا مَسَّحْتَ رَأْسِي ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَشُدُّوا عَلَيْهِمْ فَفَعَلُوا فَفَعَلُوا الْمُقَاتِلَةَ وَسَبُّوا الدَّرَارِي، فَجِئْتُ بِالدَّرَارِي إِلَى عَلِيٍّ وَجَاءَ مِصْقَلَةُ بْنُ هُبَيْرَةَ فَاشْتَرَاهُمْ بِمِائَتِي أَلْفٍ فَجَاءَ بِمِائَةِ أَلْفٍ إِلَى عَلِيٍّ، فَأَبَى أَنْ يَقْبَلَ، فَانْطَلَقَ مِصْقَلَةُ بِدَرَاهِمِهِ وَعَمَدَ إِلَيْهِمْ مِصْقَلَةُ فَأَعْتَقَهُمْ. (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (33408))

ابو طفیلؓ کہتے ہیں کہ میں ایک لشکر میں تھا جسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بنو ناجیہ کی طرف بھیجا تھا۔ جب ہم ان تک پہنچے تو ہمیں



ان کے تین گروہ ملے۔ ہمارے امیر نے ایک گروہ سے پوچھا، "تم کون ہو؟" وہ کہنے لگے، "ہم عیسائی قوم ہیں لیکن ہم اسلام قبول کرتے ہیں۔ ہمیں اپنے اسلام پر ثابت قدم رہنے دیجیے۔" امیر نے کہا، "انہیں چھوڑ دو۔"

اس کے بعد ہمارا سامنا دوسرے گروہ سے ہوا تو ان سے پوچھا، "تم کون ہو؟" وہ کہنے لگے، "ہم عیسائی قوم ہیں۔ ہمیں اپنے دین سے اچھا کوئی دین نہیں لگتا۔ (ہم آپ کی اطاعت قبول کرتے ہیں بس) ہمیں اسی پر قائم رہنے دیجیے۔" امیر نے کہا، "انہیں بھی چھوڑ دو۔"

اس کے بعد ہمارا سامنا تیسرے گروہ سے ہوا۔ ان سے بھی پوچھا گیا کہ وہ کون ہیں۔ انہوں نے کہا، "ہم عیسائی قوم ہیں۔" اس کے بعد انہوں نے سرکشی دکھائی (جتنی جنگ پر تیار ہو گئے)۔ امیر لشکر کہنے لگے، "جب میں اپنے سر پر تین مرتبہ ہاتھ پھیروں تو ان پر حملہ کر دینا۔" ہم نے ان سے جنگ کی اور ان کے فوجیوں کو ہٹا کر کے ان کے بیوی بچوں کو قیدی بنا لیا۔ ہم ان قیدیوں کو لے کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آ رہے تھے کہ مصعب بن ہبیرہ آیا اور اس نے ان قیدیوں کی خدمات کو دول کھدو ہم (ایڈوائس دے کر) خرید لیا۔ اس کے بعد وہ ایک لکھدر ہم لے کر سیدنا علی کے پاس آیا۔ آپ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے مصعب کو اس کی رقم واپس کی اور تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا۔

حدثنا حمید ثنا ابو جعفر النفیلی انا ابن عیینہ عن عبد اللہ ابن شریک عن بشر بن

غمال مسع ابن الزبیر یسال الحسن بن علی عن الاسیر من اهل الذمہ یا سرہ العدو .

قال : فکاکہ علی المسلمین . (حمید بن زنجویہ، کتاب الاموال)

حضرت سیدنا عبداللہ بن زبیر نے سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہم سے ذمی غیر مسلم قیدی کے بارے میں سوال کیا جسے دشمن نے قید کر رکھا تھا۔ آپ نے فرمایا، "اسے آزاد کروانا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔"

حدثنا المحکم بن نافع انا صفوان بن عمرو ان عمر بن عبد العزیز قال : اذا خرج

الاسیر المسلم یفادی نفسه، فقد وجب فداؤه علی المسلمین . لیس لهم رده الی

المشرکین . (حمید بن زنجویہ، کتاب الاموال)

حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا، "اگر کوئی مسلمان جنگی قیدی یا ذمی یا غیر ذمی ہو کر نکل آئے تو اس فدیہ کو اسے ادا کرنا مسلمانوں (کی حکومت) کی ذمہ داری ہوگی۔ اسے کسی صورت میں بھی مشرک دشمنوں کے حوالے نہ کیا جائے گا۔"

حدثنا وکیع ، عن سُفیان ، عن أبی الجوزی ، وعاصم بن کلثب الجرمی : أنَّ عَمَرَ

بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَدَى رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ مِنْ جَرْمٍ مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ بِمِئَةِ أَلْفٍ

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (33923))

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مسلمانوں کے ایک فوجی کا ایک لاکھ جرمانہ ادا کر کے اسے آزاد کروایا۔ جلیل القدر تابعین کا بھی یہی موقف تھا کہ جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ یا فدیہ لے کر رہا کرنا ہی قرآن کا بنیادی حکم ہے۔

حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ ، عَنْ أَشْعَثَ ، عَنِ الْحَسَنِ ، وَعَطَاءٍ ، قَالَ فِي الْأَسِيرِ مِنَ الْمُشْرِكِينَ : يُسَمَّنُ عَلَيْهِ ، أَوْ يُفَادَى . (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (33922))

حضرت حسن بصری اور عطاء خراسانی (تابعین کے دو بڑے اور مشہور علماء) مشرکین کے قیدیوں کے متعلق کہا کرتے تھے، یا تو انہیں بطور احسان رہا کیا جائے یا پھر ان سے فدیہ لے لیا جائے۔"

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، عَنْ سُفْيَانَ ، عَنْ جَابِرٍ ، عَنِ الشَّعْبِيِّ ؛ فِي الْأَسِيرِ : يُسَمَّنُ عَلَيْهِ ، أَوْ يُفَادَى . (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (33925))

حضرت شعبی (تابعین کے ایک جلیل القدر عالم) قیدیوں کے متعلق کہا کرتے تھے، "یا تو انہیں بطور احسان رہا کیا جائے یا پھر ان سے فدیہ لے لیا جائے۔"

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ ، قَالَ : قُلْتُ لِعَطَاءٍ : زِنَاءٌ حَرَّائِرُ أَصَابَهُنَّ الْعَدُوُّ ، فَأَبْتَا عَنْهُنَّ رَجُلٌ ، أَيْصِيَهُنَّ ؟ قَالَ : لَا ، وَلَا يَسْتَرْقِيَهُنَّ ، وَلَكِنْ يُعْطِيَهُنَّ أَنْفُسَهُنَّ بِالْأَيْدِي أَخَذَهُنَّ بِهِ ، وَلَا يَزِدُّ عَلَيْهِنَّ . (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (34203))

ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے پوچھا، "آزاد خواتین اگر دشمن کے قبضے میں چلی جائیں اور دشمن سے انہیں مسلمانوں کا کوئی شخص خرید لے تو کیا وہ اس کی لونڈیاں بن جائیں گی؟" انہوں نے کہا، "ہرگز نہیں، وہ بالکل لونڈی نہیں بنائیں گی۔ ہاں جو رقم اس شخص نے ادا کی ہے، وہ ان خواتین (یا ان کے وارثوں یا بیت امال) سے لے لی جائے گی اور اس رقم میں کوئی منافع شامل نہیں کیا جائے گا۔"

حَدَّثَنَا عُندَرٌ ، عَنْ أَبِي مُعَاذٍ ، عَنْ أَبِي حَرِيرٍ ؛ أَنَّهُ سَمِعَ الشَّعْبِيَّ ، يَقُولُ : مَا كَانَ مِنْ أَسَارَى فِي أَيْدِي التُّجَّارِ ، فَإِنَّ الْحُرَّ لَا يَبَاعُ ، فَأَرَدْتُ إِلَى النَّاجِرِ رَأْسَ مَالِهِ . (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (33211))

حضرت شعبی کہا کرتے تھے، "تاجروں کے ہاتھ میں جو قیدی ہیں، ان میں سے کسی آزاد کو نہ بیجا جائے۔ تاجر کو اس کی اصل

رقم واپس کر دی جائے۔"

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانٌ، عَنْ مُغِيرَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ؛ فِي أَهْلِ الْعَهْدِ إِذَا سَبَّاهُمُ الْمُشْرِكُونَ، ثُمَّ ظَهَرَ عَلَيْهِمُ الْمُسْلِمُونَ، قَالَ: لَا يَسْتَرْقُونَ. (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (33939))

حضرت (جلیل القدر تابعی عالم) ابراہیم غنی (غیر مسلم) اہل عہد کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر دشمن مشرک انہیں غلام بنا لیں اور اس کے بعد وہ مسلمانوں کے قبضے میں آجائیں تو انہیں غلام نہ بنایا جائے۔

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ ان جنگی قیدیوں کو غلام بنایا ہی کیوں گیا؟ اس کا جواب سید قطب نے یہ دیا ہے کہ ایسا اسلام کے قانون کے تحت نہیں بلکہ اس دور کے بین الاقوامی قانون کے تحت کیا گیا۔ موجودہ دور میں جب بین الاقوامی قانون تبدیل ہو چکا ہے، تو جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی اجازت اسلام میں موجود نہیں ہے۔

وقد سبق لنا في مواضع مختلفة من هذه الظلال القول بأنه كان لمواجهة أوضاع عالمية قائمة، وتقاليد في الحرب عامة. ولم يكن ممكناً أن يطبق الإسلام في جميع الحالات النص العام: (فإما منا بعد وإما فداء). (في الوقت الذي يسترق أعداء الإسلام من يأسرونهم من المسلمين. ومن ثم طبقه الرسول (ص) في بعض الحالات فأطلق بعض الأسارى منا. وفادى بعضهم أسرى المسلمين، وفادى بعضهم بالمال. وفي حالات أخرى وقع الاسترقاق لمواجهة حالات قائمة لا تعالج بغير هذا الإجراء. فإذا حدث أن اتفقت المعسكرات كلها على عدم استرقاق الأسرى، فإن الإسلام يرجع حينئذ إلى قاعدته الإيجابية الوحيدة وهي: (فإما منا بعد وإما فداء) لانقضاء الأوضاع التي كانت تقضي بالاسترقاق. فليس الاسترقاق حتمياً، وليس قاعدة من قواعد معاملة الأسرى في الإسلام. (سید قطب، تفسیر فی ظلال القرآن؛ سورة محمد (47:4))

ہماری اس تفسیر "ظلال" میں مختلف مقامات پر یہ بحث گزر چکی ہے کہ (عہد رسالت اور خلفاء راشدین کے دور میں) غلام بنائے جانے کا معاملہ بین الاقوامی جنگی قانون کے تحت تھا۔ ہر قسم کے حالات میں اس عام صریح حکم کہ "قیدیوں کو احسان رکھ کر چھوڑ دو یا فدیہ لے کر آزاد کر دو" پر عمل کرنا ممکن تھا۔ (خاص طور پر) اس دور میں جب اسلام کے دشمن مسلمان قیدیوں کو غلام بنا کر رکھ

کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اس پر عمل کرنے کی کوشش کی گئی۔ بعض حالات میں بعض قیدیوں کو احسان رکھ کر چھوڑ دیا گیا۔ بعض قیدیوں کو مسلمان قیدیوں کے بدلے رہا کر دیا گیا اور بعض قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا گیا۔ بعض ایسے حالات میں غلام بھی بنائے گئے جس کے بغیر چارہ ہی نہ تھا۔ اس کے بعد دنیا بھر کی افواج (اور حکومتیں) اس بات پر متفق ہو گئی ہیں کہ جنگی قیدیوں کو غلام نہ بنایا جائے گا تو مسلمان بھی اپنے اصل قانون کی طرف لوٹ جائیں گے کہ "قیدیوں کو احسان رکھ کر چھوڑ دو یا فدیہ لے کر آزاد کر دو"۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب وہ حالات ہی ختم ہو چکے ہیں جن میں غلام بنائے جاتے تھے۔ اب غلام بنائے جانے کو مکمل طور پر ختم کر دیا گیا ہے اور غلام بنالیا جانا اسلام کا قانون نہیں ہے۔

انسداد غلامی کی تحریک میں خلفاء راشدین کا کردار اور اس کے اثرات

انسداد غلامی کی اس تحریک میں خلفاء راشدین کے کردار کا ایک پہلو تو ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ حضرات غلاموں کو دیے جانے والے تمام حقوق کے ضامن تھے۔ اگر کوئی آق کسی غلام کو اس کا حق دینے میں نال منول کرتا تو غلاموں کو یہ سہوت حاصل تھی کہ وہ کسی بھی وقت آ کر خیفہ سے شکایت کر سکیں اور ان کی شکایات پر خلیفہ فوراً حرکت میں آ جیا کرتے تھے۔ اس کی نوبت کم ہی آتی تھی کیونکہ آبادی کا بڑا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے قریبی صحابہ کا تربیت یافتہ تھا اور وہ خود ہی غلاموں کو ان کی آزادی سمیت وہ تمام حقوق دینے کو تیار تھے جس کی تفصیل ہم پچھلے ابواب میں بیان کر چکے ہیں۔

عرب میں غلامی کا مکمل خاتمہ

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں غلامی کے خاتمے کے لئے ایک بہت بڑی پیش رفت کی گئی۔ آپ کے دور میں ایران، شام اور مصر کی طرف پیش قدمی جاری تھی جس کی وجہ سے خلافت اسلامیہ کی سرحدیں مسلسل پھیل رہی تھیں جبکہ عرب معاشرہ اب پوری طرح مستحکم ہو چکا تھا۔ عربوں میں اس وقت کسی قسم کی بغاوت موجود نہ تھی۔ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرب کی حدود میں غلامی کا مکمل خاتمہ کرنے کے لئے یہ حکم جاری فرمایا کہ عرب کے تمام غلاموں کو آزاد کر دیا جائے۔

بِذَلِكَ مَضَتْ سُنَّةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ لَمْ يَسْتَرْقَ أَحَدًا مِنْ ذُكُورِهِمْ. وَكَذَلِكَ حَكَمَ عُمَرُ فِيهِمْ أَيْضًا حَتَّى رَدَّ سَبَى أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ وَأَوْلَادَ الْإِمَاءِ مِنْهُمْ. أَحْرَارًا إِلَى عَشَائِرِهِمْ عَلَى فِدْيَةٍ يُؤَدُّونَهَا إِلَى الَّذِينَ اسْلَمُوا وَهُمْ فِي أَيْدِيهِمْ. قَالَ: وَهَذَا مَشْهُورٌ مِنْ رَأْيِ عُمَرَ. وَرَوَى عَنْهُ الشَّعْبِيُّ أَنَّ عُمَرَ قَالَ: لَيْسَ عَلَى عَرَبِيْ مِلْكٌ. وَنُقِلَ عَنْهُ أَنَّهُ قَضَى بِفِدَاءِ مَنْ كَانَ فِي الرِّقِّ مِنْهُمْ.

(ابو عبیدہ، کتاب الاموال بحوالہ موسوعة الفقهية الكويتية)

یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے ہی جاری ہو گئی تھی کہ اہل عرب کے مردوں کو غلام نہ بنایا جائے۔ اسی بات کا حکم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس وقت جاری فرمایا جب انہوں نے مسلمانوں کے ہاں قید، اہل جاہلیت کے جنگی قیدیوں اور لونڈیوں کی اولادوں کو اہل اسلام کو فدیہ ادا کرنے کے بدلے آزاد کر کے اپنے قبائل میں جانے کی اجازت دے دی۔ یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مشہور رائے ہے۔ بعض روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "عرب کو غلام نہ بنایا جائے گا۔" ان سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے عرب میں موجود غلاموں کو فدیہ ادا کر کے آزاد کرنے کا فیصلہ دیا۔

آپ عربوں کو شرم دلایا کرتے تھے کہ وہ اپنے بھائیوں ہی کو غلام بنائے ہوئے ہیں:

وَلَدَلِكْ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: مِنَ الْعَارِ أَنْ يَمْلِكَ الرَّجُلُ ابْنَ عَمِّهِ أَوْ بِنْتَ عَمِّهِ

(ابن حجر، فتح الباری بحوالہ موسوعة الفقهية الكويتية)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "یہ شرم کی بات ہے کہ کوئی شخص اپنے چچا کے بیٹے یا بیٹی کا، لک ہو۔ اپنی شہادت کے وقت آپ نے یہ حکم جاری کیا کہ عرب معاشرے میں جتنے غلام موجود ہیں ان سب کو اس طرح سے آزاد کر دیا جائے کہ ان کی قیمت کی ادائیگی حکومت کے ذمہ ہوگی۔ اس کے بعد آئندہ عرب میں کوئی نیا غلام نہ بنایا جائے۔

حدثنا عبد الله حدثني أبي حدثنا عفان حدثنا حماد بن سلمة عن زيد بن أبي رافع أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه كان مستندا إلى ابن عباس وعنده ابن عمر وسعيد بن زيد رضي الله عنهما فقال: اعلموا أني لم أقل في الكلاله شيئا، ولم أستحلف من بعدى أحد، وأنه من أدرك وفاتي من سبي العرب فهو حر من مال الله عز وجل

فقال سعيد بن زيد: أما انك لو أشرت برجل من المسلمين لأتمنك الناس وقد

فعل ذلك أبو بكر رضي الله عنه وأتمنه الناس. فقال عمر رضي الله عنه قد رأيت

من أصحابي حرصا سينا. واني جاعل هذا الأمر إلى هؤلاء النفر الستة الذين مات

رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو عنهم راض ثم قال عمر رضي الله عنه: لو

أدركني أحد رجلين ثم جعلت هذا الأمر إليه لو ثق به سالم مولى أبي حذيفة وأبو

عبدة بن الجراح. (مسند احمد، باب عمر بن خطاب)

زيد بن ابورافع کہتے ہیں کہ (اپنی شہادت کے وقت) سیدنا عمر، ابن عباس کو وصیت لکھوا رہے تھے اور ان کے پاس ابن عمر اور سعید بن زید (عمر کے بیٹے اور بہنوئی) رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔ آپ نے فرمایا، "یہ بات اچھی طرح جان لو کہ کلالہ کے

بارے میں میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر سکا اور نہ ہی میں اپنے بعد کسی کو خلیفہ بنا کر چاہا ہوں۔ عرب میں موجود جنگی قیدیوں میں جو شخص بھی (بطور غلام) میری وفات کے وقت موجود ہو، اسے اللہ کے مال کے ذریعے آزاد کر دیا جائے۔

حضرت سعید بن زید کہنے لگے، "کیا ہی اچھا ہو کہ آپ مسلمانوں میں سے کسی کو جائزین مقرر فرمادیں جیسا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو جائزین بنایا تھا۔" عمر نے جواب دیا، "میں نے اس معاملے میں اپنے ساتھیوں میں خواہش دیکھی ہے۔ میں اس معاملے کو ان چھ افراد (علی، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد اور عبدالرحمن رضی اللہ عنہم) کے سپرد کرنے والا ہوں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی وفات کے وقت خوش تھے۔" اس کے بعد فرماتے لگے، "اگر ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم یا ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم میں سے کوئی ایک بھی زندہ ہوتا تو میں اسے خلیفہ مقرر کر دیتا۔"

قال الشافعي اخبرنا سفيان عن يحيى بن يحيى الغساني، عن عمر بن عبد العزيز، قال

و اخبرنا سفيان عن رجل، عن شعبي ان عمر قال: لا يسترق العربي. (بيهقي، معرفة

السنن والآثار، كتاب السير، حديث (17958)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "اہل عرب کو غلام نہ بنایا جائے۔"

رواه الشافعي في الام، و البيهقي في سننه الكبرى، و جاء في الاموال، ان الفاروق

فدى كل رجل من اسرى العرب باربعة مئة درهم. و جاء في الاموال و في سنن

البيهقي الكبرى ان الفاروق عمر قال: ليس على عربي ملك، و لسنا نازعي من يد

رجل اسلم عليه، و لكننا نقومهم الدية خمسا من الابل للذي سباه. و هذا بالنسبة

لاسرى العرب الذين وقعوا في الاسر في ظل جاهلية. ثم ادركهم الاسلام فاسلم

مالكوهم. فكان على كل اسير من هذا النوع ضرب عليه الرق ان يدفع هو، او يدفع

ذروه فداء، لمن يملكه حرا التي عشيرته. (حاشية معرفة السنن والآثار، كتاب

السير، حديث (17958)

امام شافعی کتاب الام میں، بیہقی سنن الکبریٰ میں اور (ابو عبیدہ) کتاب الاموال میں بیان کرتے ہیں، سیدنا فاروق اعظم رضی

اللہ عنہ نے عرب کے قیدیوں میں سے ہر ایک کا فدیہ 400 درہم ادا کیا۔ کتاب الاموال اور سنن الکبریٰ میں بیان کیا گیا ہے کہ

سیدنا عمر فاروق نے فرمایا، "عرب میں غلامی نہیں رہے گی اور ہم ہر اسلام قبول کرنے والے کو اس کے آقا کی غلامی سے نکال لیں

گے۔ ہم ہر غلام کا فدیہ پانچ اونٹ مقرر کریں گے۔ یہ عرب کے ان غلاموں کا معاملہ ہے جو کہ دور جاہلیت میں غلام بن گئے تھے،

اس کے جدوہ اور ان کے مالک مسلمان ہو گئے تھے۔ اس قسم کے برقیہ پر "غلام" کا اطلاق ہوتا ہے اور اسے اور اس کی اولاد کو فدیہ اور کر کے آزاد کروایا جائے گا۔ اس کے جدوہ آزاد ہو کر اپنے خاندان کی طرف جا سکیں گے۔

فَأَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ السَّلْمِيُّ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الْكَارِزِيُّ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ حَدَّثَنَا أَبُو عُبَيْدٍ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: لَمَّا قَامَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: لَيْسَ عَلَيَّ عَرَبِيٌّ مِلْكٌ وَلَسْنَا بِنَزَارِ عِي مِنْ يَدِ رَجُلٍ شَيْنًا أَسْلَمَ عَلَيْهِ وَلَكِنَّا نَقُومُهُمُ الْيَمَّةَ خَمْسًا مِنَ الْإِبِلِ. قَالَ أَبُو عُبَيْدٍ يَقُولُ هَذَا الَّذِي فِي يَدِهِ السَّبْيُ لَا نَنْزِعُهُ مِنْ يَدِهِ بِلَا عَوْضٍ لِأَنَّهُ أَسْلَمَ عَلَيْهِ وَلَا تَرَكُهُ مَمْلُوكًا وَهُوَ مِنَ الْعَرَبِ وَلَكِنَّهُ قَوْمٌ قِيمَتُهُ خَمْسًا مِنَ الْإِبِلِ لِلَّذِي سَبَاهُ وَيُوجَعُ إِلَيَّ نَسَبِهِ عَرَبِيًّا كَمَا كَانَ. (بيهقي، سنن الكبرى، كتاب السير، حديث (18069))

حضرت سیدنا عمر فاروق نے کھڑے ہو کر (خطبہ دیتے ہوئے) فرمایا، "عرب میں غلامی نہیں رہے گی اور ہم ہر اسلام قبول کرنے والے کو اس کے آقا کی غلامی سے نکال لیں گے۔ ہم ہر غلام کا فدیہ پانچ اونٹ مقرر کریں گے۔ ابوسید کہتے ہیں کہ انہوں نے ان غلاموں کے متعلق، رشاد فرمایا کہ ہم نہیں بلا عوض غلامی سے نہیں نکالیں گے لیکن چونکہ وہ اسلام قبول کر چکے ہیں اس وجہ سے انہیں غلام بھی نہیں رہنے دیں گے۔ یہ اہل عرب تھے، ان کا فدیہ ان کے مالکوں کے لئے پانچ اونٹ مقرر کیا گیا اور انہیں اپنے عرب خاندانوں میں جانے کی اجازت دے دی گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام سے یہ واضح ہے کہ آپ نے ایب عرب نسل کے لئے نہیں کیا بلکہ عرب معاشرے میں جو بھی غلام باقی رہ گئے تھے، انہیں آزاد کرنے کے لئے کیا۔ انہوں نے غلام کی آزادی کے لئے "عربیت" نہیں بلکہ اسلام لانے کی شرط لگائی تھی۔ یہ محض ایک اتفاق تھا کہ اس وقت عرب میں جو غلام موجود تھے، وہ عرب ہی تھے۔

بعد کے دور میں چونکہ مسلمانوں کے اندر نسل پرستی پھیل گئی تھی اس وجہ سے آپ کے اس فرمان کو کہیں بعد میں بعض لوگوں نے نسل پرستی کا مسئلہ بنایا اور کہنے لگے کہ اب عربوں کو غلام بنانا جائز نہیں ہے۔ جن افراد نے صرف قرآن مجید کی سورۃ حجرات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کا مطالعہ کیا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلام میں کسی نسل کو کسی دوسری نسل پر فوقیت حاصل نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانیت کی طرف مبعوث کئے گئے تھے اور جو بھی آپ پر ایمان لے آئے وہ دوسرے مسلمان بھائی کے برابر ہے۔

غلامی کے خاتمہ میں اسلاف کے کردار کا امتیازی مقام

گر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مزید کچھ عرصہ زندہ رہتے تو، مید کی جاسکتی تھی کہ عرب معاشرے سے ہر بھی آپ غلامی کا خاتمہ

دیتے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اصلاحات پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر اکرم بن ضیاء العمری لکھتے ہیں:

وقد كثر المكاتبون من الرقيق في خلافة عمر، فكانوا يساعدون تنفيذاً لأمر الله تعالى، كما أن الدولة كانت ترضخ للعبيد من الغنائم والعطاء، لتكون لهم مال يعملون بتنميته حتى يتحرروا من الرق. وقد ألزم سادتهم بتحريرهم إذا سددوا ما تعهدوا به من مال، وكان مقدار الفداء حسب مهارة العبد وقد يبلغ 40,000 درهم أحياناً. ولما تحسنت موارد بيت المال في خلافة عمر رضي الله عنه قدم وصيته - قبل موته - بتحرير جميع الأرقاء المسلمين في الدولة. (عمرى، عصر الخلافة الراشدة)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں غلاموں میں سے مکاتبت کرنے والوں کی تعداد بہت بڑھ چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے نفاذ کے لئے حکومت مدد کیا کرتی تھی۔ یہ اسی طرح تھا کہ غنیمت اور وظائف میں غلاموں کو بھی حصہ دیا جاتا تھا تاکہ ان کے پاس مال آجائے اور وہ ترقی کرتے ہوئے غلامی سے نجات حاصل کر کے آزاد ہو سکیں۔ ان کے آقائوں پر یہ لازم تھا کہ معاہدے کے مطابق جب بھی غلام ادائیگی کر دے تو اسے آزاد کر دیا جائے۔ مکاتبت کے فدیے کی رقم کا تعین غلام کی صداقت و مہارت کے مطابق ہوا کرتا تھا جو بعض اوقات 40,000 درہم تک پہنچ جاتا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بیت المال کی حالت جب بہت بہتر ہو گئی تو انہوں نے اپنی وفات سے پہلے وصیت کرتے ہوئے اعلان فرمایا کہ ملک میں موجود تمام مسلمان غلاموں کو آزاد کر دیا جائے۔

آپ کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو آٹھ نوسل تک سکون سے کام کرنے کا موقع ملا لیکن فتوحات کے سید ب کے باعث اس پر عمل کرنا ان کے لئے ممکن نہ رہا۔ اس کے بعد امت مسلمہ انارکی کا شکار ہو گئی اور سیدنا عثمان کا آخری اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا پورا دور ہی خانہ جنگی کی نظر ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کا نتیجہ یہ نکلا کہ عرب معاشرے کے تمام غلاموں کو آزاد کر دیا گیا۔ اس حکم کو غلط سمجھ لینے کے باوجود بعد میں بھی کم از کم یہ فائدہ تو ہوا کہ اس کے بعد عربوں کو غلام نہیں بنایا گیا۔

## غلاموں کی آزادی میں ہمارے اسلاف

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول کیا تو آپ کے پاس کثیر تعداد میں جمع کی گئی دوست موجود تھی۔ آپ نے اس دولت کا بڑا حصہ غلاموں کی آزادی پر صرف کیا۔ ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ غلام آزاد کرنے کی وجہ سے ان کا لقب "عتیق" مشہور ہو گیا تھا۔ انہوں نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ متعدد غلاموں کا ذکر اپنی سیرت کی کتاب میں کیا ہے۔ غلاموں کی آزادی کے پیچھے کیا مقصد کارفرما تھا، اس کا اندازہ اس روایت سے لگایا جاسکتا ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ ، عَنْ قَيْسٍ ، قَالَ : اشْتَرَى أَبُو بَكْرٍ بِلَالًا بِخَمْسِ أَوَاقٍ ، ثُمَّ أَعْتَقَهُ ، قَالَ : فَقَالَ لَهُ بِلَالٌ : يَا أَبَا بَكْرٍ إِنْ كُنْتُ إِنَّمَا أَعْتَقْتَنِي لِتَسْتَحْدِنِي خَارِئًا ، فَلْيَسْتَحْدِنِي خَارِئًا وَإِنْ كُنْتُ إِنَّمَا أَعْتَقْتَنِي لِلَّهِ فَدَعْنِي فَأَعْمَلُ لِلَّهِ ، قَالَ : فَبَكَى أَبُو بَكْرٍ ، ثُمَّ قَالَ : بَلْ أَعْتَقْتُكَ لِلَّهِ . (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث (33002))

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بلال کو پانچ اوقیہ (چاندی) کے بدلے خرید لیا اور انہیں آزاد کر دیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ بلال مجھ سے کہنے لگے، "اے ابو بکر اگر آپ نے مجھے (اپنے مال کا) خرچہ بنانے کے لئے آزاد کیا ہے تو مجھے خرچہ بنانا دیجیے۔ اگر آپ نے مجھے اللہ کے لئے آزاد کیا ہے تو مجھے چھوڑ دیجیے کہ میں اللہ کے لئے عمل کروں۔" ابو بکر یہ سن کر رونے لگے اور فرمایا، "میں نے تو آپ کو صرف اللہ ہی کے لئے آزاد کیا تھا۔"

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جن جن کمر و زور غلام آزاد کر دیا ان کا تذکرہ تھا کہ انہوں نے اس معاملے میں اپنے والد ابوقحزافہ رضی اللہ عنہ (جو اس وقت اسلام نہ لائے تھے) کی تنبیہ کو بھی اہمیت نہ دی۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَهْلٍ الْفَقِيهَ بِبُخَارَا حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنِ حَبِيبٍ الْحَافِظُ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى الْأَمَوِيُّ حَدَّثَنَا عَمِي عَبْدِ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ زِيَادَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْبَكَّائِي عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزَّبِيرِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ أَبُو قُحَافَةَ لِأَبِي بَكْرٍ أَرَأَيْكَ تَعْتَقُ رِقَابًا ضَعَافًا ، فَلَوْ إِنَّكَ إِذَا فَعَلْتَ مَا فَعَلْتَ أَعْتَقْتَ رِجَالًا جَلَدًا يَمْنَعُونَكَ وَيَقُومُونَ دُونَكَ . فَقَالَ أَبُو

بکریا ایت انی انما ارید ما ارید لما . نزلت هذه الآية فيه فأما من أعطى واتقى وصدق بالحسنى فسنيسره لليسرى إلى قوله عز وجل ( وما لأحد عنده من نعمة تجزى إلا ابتغاء وجه ربه الأعلى ولسوف يرضى ) هذا حديث صحيح على شرط مسلم ولم يخرجاه . (مستدرک حاکم، حدیث (3942))

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوقحزافہ نے ابو بکر سے کہا، "میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بہت سے کمزور غلاموں کو آزاد کر رہے ہو۔ اگر تمہیں یہ کرنا ہی ہے تو جوان مردوں کو آزاد کرو جو تمہاری حفاظت کریں اور تمہاری حمایت میں کھڑے ہوں۔" ابو بکر نے کہا، "ابا جان! میں دنیاوی فائدے کے لئے ایسا نہیں کرتا" اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ "جس نے اپنا مال (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا، اور پرہیزگاری اختیار کی، اور نیک بات کو سچ سمجھا، اس کے لئے ہم نیکی کو آسان کر دیں گے۔" (سورۃ البقرہ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بکثرت غلام آزاد کئے اور اپنی عمر کے آخری حصے میں آپ کے پاس جو غلام موجود تھے، ان سب کو آزاد کر دیا۔ (مسند احمد، باب عمر بن خطاب) نافع کہتے ہیں کہ سیدنا عمر نے اپنی زندگی میں ایک ہزار سے زائد غلام آزاد کئے۔ (مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ)

غلاموں کو آزادی دیتے وقت آپ نے بحیثیت مسلمانوں کے لیڈر کے، ایسی مثالیں قائم کیں جو معاشرے کے دیگر افراد کے لئے قابل رشک تھیں۔ ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ غلام کو آزادی دیتے وقت آپ کے پاس رقم نہ تھی۔ آپ نے اپنی بیٹی ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے قرض لے کر اپنے غلام کو یہ رقم دی کہ اس سے وہ کاروبار کر سکے۔ یہ سب آپ نے اپنی ذاتی حیثیت سے کیا۔ اس کے علاوہ بحیثیت خیفہ آپ بیت المال سے غلام خرید کر آزاد کیا کرتے تھے اور ضرورت مند مکاتبوں کی مدد کیا کرتے تھے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سی دولت سے نوازا تھا جسے آپ غلاموں کی آزادی پر خرچ کیا کرتے تھے۔ آپ کے آزاد کردہ غلام ابوسعید بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ایک ہی وقت میں بیس غلام آزاد فرمائے۔ (مسند احمد، باب عثمان بن عفان) آپ خود بیان فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا الْمُقَدِّمُ بْنُ دَاوُدَ الْمِصْرِيُّ ، حَدَّثَنَا أَبُو الْأَسْوَدِ النَّضْرُ بْنُ عَبْدِ الْجَبَّارِ ، حَدَّثَنَا ابْنُ لَهْيَعَةَ ، حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ عَمْرٍو الْمَعْفَرِيُّ ، قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا ثَوْرٍ النَّهْمِيَّ يُحَدِّثُ ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ : لَقَدْ اخْتَبَأْتُ عِنْدَ رَبِّي عَشْرًا ، إِنِّي لَرَأَيْتُ

أَرْبَعَةً فِي الْإِسْلَامِ ، وَمَا تَعَنَيْتُ ، وَلَا تَمْنَيْتُ ، وَلَا وَضَعْتُ يَمِينِي عَلَى فَرْجِي ، مُنْذُ  
بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَمَا مَرَّتْ عَلَيَّ جُمُعَةٌ مُنْذُ أَسْلَمْتُ إِلَّا وَأَنَا  
أَعْتَقُ فِيهَا رَقَبَةً ، إِلَّا أَنْ لَا يَكُونَ عِنْدِي فَأَعْتِقَهَا بَعْدَ ذَلِكَ ، وَلَا زَنْبْتُ فِي جَاهِلِيَّةٍ وَلَا  
إِسْلَامٍ . (طبرانی؛ معجم الكبير)

(جب: غیوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا می صرہ کیا اور ان کے گھر کھانا اور پانی نہ پہنچنے دیا تو انہوں نے باغیوں سے خطاب کرتے ہوئے) فرمایا: میں دس ایک باتیں چھپاتا رہا ہوں جو میرے رب ہی کو معلوم ہیں۔ میں چوتھ شخص ہوں جس نے اسلام قبول کیا، میں نے کبھی کسی پر ظلم نہیں کیا اور نہ ہی کسی چیز کی خواہش کی، نہ ہی میں نے کبھی اپنے دائیں ہاتھ سے شرمگاہ کو چھوا، جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میں نے بیعت کی تو مجھ پر کوئی یہ جمعہ نہیں گزرا ہے جب میں نے غلام آزاد نہ کیا ہو سوائے اس کے کہ میرے پاس کوئی غلام موجود ہی نہ ہو، میں نے نہ تو کبھی دور جا ہیئت میں اور نہ ہی اسامہؓ نے کے بعد بدکاری کا ارتکاب کیا ہے۔"

حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ترسی برس کی عمر پائی۔ اس قبول کرنے کے وقت آپ کم و بیش پچپن برس زندہ رہے۔ اگر ہر جمعے کو غلام آزاد کرنے کا حساب لگایا جائے تو آپ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد 2860 بنتی ہے۔ اس میں ایسے مواقع بھی آئے ہیں جب آپ نے ایک سے زائد غلاموں کو آزادی دی تھی۔ اس کی ایک مثال ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

### حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ اور فاطمہ رضی اللہ عنہما کی زندگی زیادہ تر غربت میں گزری تھی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ زیادہ تر محنت مزدوری کر کے گزر بسر کرتے تھے۔ اس کے باوجود ان میں غلاموں کو آزادی دینے کا بے پناہ جذبہ موجود تھا۔ غربت کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت اور آپ کے غلام آزاد کرنے کے شوق کا اندازہ اس روایت سے لگایا جاسکتا ہے۔

أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ ، قَالَ : حَدَّثَنَا مَعَاذُ بْنُ هِشَامٍ ، قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ يَحْيَى  
بْنِ أَبِي كَثِيرٍ ، قَالَ : حَدَّثَنِي زَيْدٌ ، عَنْ أَبِي سَلَامٍ ، عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ الرَّحْبِيِّ أَنَّ ثَوْبَانَ  
مَوْلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَهُ قَالَ جَاءَتْ ابْنَةُ هَبِيرَةَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ  
وَفِي يَدِهَا فُطْحٌ فَقَالَ كَذَا فِي كِتَابِ أَبِي أَيْ حَوَاتِيمِ ضَخَامٍ فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ يَضْرِبُ  
يَدَهَا . فَدَخَلَتْ عَلَى فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُولِ اللَّهِ تَشْكُو إِلَيْهَا الَّذِي صَنَعَ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . فَانْتَزَعَتْ فَاطِمَةُ سِلْسِلَةً فِي عُنُقِهَا مِنْ ذَهَبٍ وَقَالَتْ هَذِهِ

أَهْدَاهَا إِلَى أَبِي حَسَنٍ فَدَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالسِّلْسِلَةُ فِي يَدِهَا  
فَقَالَ يَا فَاطِمَةُ أَيْغُرُكَ أَنْ يَقُولَ النَّاسُ ابْنَةُ رَسُولِ اللَّهِ وَفِي يَدِهَا سِلْسِلَةٌ مِنْ نَارٍ ثُمَّ  
خَرَجَ وَلَمْ يَقْعُدْ فَارْسَلَتْ فَاطِمَةُ بِالسِّلْسِلَةِ إِلَى السُّوقِ فَبَاعَتْهَا وَاشْتَرَتْ بِشَمْنِهَا غَلَامًا  
وَقَالَ مَرَّةً أُخْرَى عَبْدًا وَذَكَرَ كَلِمَةً مَعْنَاهَا فَأَعْتَقْتَهُ فَحَدَّثَ بِذَلِكَ وَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ  
الَّذِي نَجَّى فَاطِمَةَ مِنَ النَّارِ . (سنن الكبرى از نسائی، کتاب الزینة، حدیث 9378،  
مستدرک حاکم، حدیث 4725)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ ابن ہبیرہ کی بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور ان کے ہاتھ میں موٹی سی گٹھلی تھی۔ (اسے ناپسند فرماتے ہوئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ہاتھ پر (بطور تادیب ہلکی سی) ضرب لگائی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس چلی گئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عمل کی شکایت کرنے لگیں۔ وہ سیدہ سے کہہ رہی تھیں کہ آپ نے اپنے گلے میں سونے کی ایک چین کیوں پہن رکھی ہے؟

حضرت سیدہ فاطمہ کہنے لگیں، "یہ چین تو مجھے (میرے خاوند) ابوالحسن علی رضی اللہ عنہ نے تحفہً دی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر میں داخل ہوئے تو سیدہ نے یہ زنجیر اتار کر ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا، "اے فاطمہ! کیا تم یہ چاہتی ہو کہ لوگ یہ کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کے ہاتھ میں آگ کی زنجیر ہے۔" یہ فرما کر آپ بغیر بیٹھے ان کے گھر سے نکل گئے۔ سیدہ نے وہ زنجیر بازار میں بھیجی اور اسے بیچ کر اس کا ایک غلام خریدا اور اسے آزاد کر دیا۔ آپ نے فرمایا، "اللہ کا شکر ہے جس نے فاطمہ کو اس آگ سے نجات دے دی ہے۔"

### حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات نے بھی بکثرت غلام آزاد کرنے کی مثال قائم کی۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو تو غلاموں کی آزادی سے خصوصی دلچسپی تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں آپ کے گھر والوں کے مالی وسائل بہت محدود تھے۔ آپ اپنے خاندان کے لئے ایسا مال کبھی قبول نہ فرماتے تھے جو کسی نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا ہو۔ اس مال کو آپ نے ضرورت مندوں یا دین کی اشاعت کے لئے خرچ کرنے کا حکم دیا۔ ان محدود مالی وسائل کے باوجود کہ جب آپ کے گھر میں کئی دن چولہا نہ جلتا تھا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بریرہ رضی اللہ عنہا نامی کنیز کو خرید کر آ کر دیا۔ یہ حدیث، صحیح ستہ کی تمام کتب میں بہت سے مقامات پر موجود ہے۔ ایک مثال یہ ہے:

حَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ



وَسَلَّمَ أَلَيْهَا قَالَتْ : جَاءَتْ بَرِيرَةُ فَقَالَتْ : إِنِّي كَاتِبْتُ أَهْلِي عَلَى تِسْعِ أَوَاقٍ، فِي كُلِّ عَامٍ أَوْقِيَةً، فَأَعِينِي. فَقَالَتْ عَائِشَةُ : إِنْ أَحَبَّ أَهْلُكَ أَنْ أَعِدَّهَا لَهُمْ عَلَيْكَ عِدَّتُهَا، وَيَكُونَ لِي وَلَاؤُكَ فَعَلْتُ. فَذَهَبَتْ بَرِيرَةُ إِلَى أَهْلِهَا فَقَالَتْ لَهُمْ ذَلِكَ، فَأَبَوْا عَلَيْهَا، فَجَاءَتْ مِنْ عِنْدِ أَهْلِهَا وَرَسُولُ اللَّهِ جَالِسٌ، فَقَالَتْ لِعَائِشَةَ إِنِّي قَدْ عَرَضْتُ عَلَيْهِمْ ذَلِكَ فَأَبَوْا عَلَيَّ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْوَلَاءُ لَهُمْ. فَسَمِعَ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، فَاحْبَرْتُهُ عَائِشَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : خُذِيهَا وَاشْتَرِي لَهَا الْوَلَاءَ، فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَغْتَقَ. فَفَعَلَتْ عَائِشَةُ، ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي النَّاسِ، فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَنَّى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ : أَمَّا بَعْدُ، فَمَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللَّهِ، مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَهُوَ بَاطِلٌ، وَإِنْ كَانَ مِنْ شَرْطٍ، فَضَاءُ اللَّهِ أَحَقُّ، وَشَرْطُ اللَّهِ أَوْثَقُ، وَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَغْتَقَ. (موطاء مالك، كتاب العتق و

الولاء، حدیث 2265، بخاری، کتاب الشرائط، حدیث (2729)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: بریرہ میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں، "میں نے اپنے مالک سے نوادہ چاندی کے بدلے آزادی خریدنے کا معاہدہ کیا ہے۔ ہر سال ایک اوقیہ کی ادائیگی ضروری ہے۔ میری کچھ مدد کیجیے۔" عائشہ نے فرمایا، "اگر وہ پسند کریں تو میں انہیں تمہاری طرف سے پوری قیمت اکٹھی ادا کر کے آزادی دوں اور تمہارا دار و کارشتہ مجھ سے قائم ہو جائے۔" بریرہ اپنے مالک کے پاس گئیں اور ان سے یہی بات کہی۔ انہوں نے انکار کر دیا۔

اب وہ واپس ہوئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی وہیں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے پوری بات سیدہ عائشہ کو بتادی۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا، اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرنے کے بعد فرمایا، "لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسی شرائط عائد کر رہے ہیں جن کی اجازت اللہ کے قانون میں نہیں دی گئی۔ جو شرط بھی اللہ کے قانون کے خلاف ہو، وہ باطل ہے اگرچہ ایسی موثر شرائط ہوں۔ اللہ کا فیصلہ ہی حق ہے اور اللہ ہی کی شرائط سب سے زیادہ قابل اعتماد ہیں۔ ولہذا کارشتہ تو آزاد کرنے والوں کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کے خلفاء راشدین آپ کی ازواج مطہرات کا بہت خیال رکھا کرتے تھے اور باقاعدگی سے انہیں وظائف بھیجا کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان وظائف کو زیادہ تر غلاموں کی آزادی کے لئے خرچ کیا کرتی تھیں۔ دوسرے واقعات ملاحظہ فرمائیے:

وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ : تَوَقَّى عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ فِي نَوْمٍ نَامَهُ، فَأَغْتَقَتْ عَنْهُ عَائِشَةُ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِقَابًا كَثِيرَةً. قَالَ مَالِكٌ : وَهَذَا أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذَلِكَ. (موطاء مالك، كتاب العتق و الولاء، حدیث (2262)

حضرت یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی) عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نیند کی حالت میں فوت ہو گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ سیدہ عائشہ نے ان کی طرف سے کثیر تعداد میں غلام آزاد کئے۔ مالک کہتے ہیں کہ یہ سب سے اچھی بات ہے جو اس ضمن میں میں نے سنی ہے۔

حدثنا عبد الله بن يوسف : حدثنا الليث قال : حدثني أبو الأسود، عن عروة بن الزبير قال : كان عبد الله بن الزبير أحب البشر إلى عائشة بعد النبي صلى الله عليه وسلم وأبى بكر، وكان أبو الناس بها، وكانت لا تمسك شيئا مما جاءها من رزق الله إلا تصدقت، فقال ابن الزبير : ينبغي أن يؤخذ على يديها، فقالت : أياؤخذ على يدي، على نذر إن كلمته، فاستشفع إليها برجال من قريش، وبأخوال رسول الله صلى الله عليه وسلم خاصة فامتنعت، فقال له الزهريون، أخوال النبي صلى الله عليه وسلم، منهم عبد الرحمن بن الأسود ابن عبد يغوث، والمسور بن مخرمة : إذا استأذنا فافتحم الحجاب، ففعل فأرسل إليها بعشر رقاب فاعتقهم، ثم لم تزل تعتقهم، حتى بلغت أربعين، فقالت : ووددت أني جعلت حين حلفت عملا أعمله فأفرغ منه بخاری، کتاب الفضائل، حدیث (3505)

حضرت (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی) عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد (سیدہ کے بڑے بھائی) عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ انہیں سب انسانوں سے زیادہ پیارے اور اچھے لگتے تھے۔ سیدہ کے پاس جو بھی اللہ کا رزق آتا وہ اسے (غریب و مساکین پر) خرچ کر دیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ ابن زبیر نے (مذاقا) کہا، "ان کے ہاتھ کو روکنا پڑے گا۔" (جب سیدہ کو خبر ہوئی تو) آپ نے فرمایا، "کیا وہ میرا ہاتھ روکے گا؟ میں قسم کھاتی ہوں کہ اب اس سے بات نہ کروں گی۔"

حضرت (عبداللہ ابن زبیر نے) قریش اور بالخصوص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انھیالی رشتے داروں بخزیرہ میں سے

آپ کے رشتے کے ماموں عبدالرحمن بن اسود اور مسور بن خرمہ کو ان کی خدمت میں معافی کی سفارش کے لئے بھیجا۔ انہوں نے ابن زبیر سے کہا، "جب سیدہ ہمیں اندر آنے کی اجازت دیں تو تم دوڑ کر ان کے پردے کے پیچھے گھس جانا (اور معافی مانگ لینا۔ ان کی اس حرکت اور بزرگوں کی سفارش پر سیدہ نے انہیں معاف کر دیا۔

حضرت ابن زبیر نے (آپ کو خوش کرنے کے لئے) آپ کے پاس دس غلام (آزاد کرنے کے لئے) بھیجے اور آپ نے انہیں آزاد کر دیا۔ اس کے بعد آپ (اسی قسم کے کفارے میں) مسلسل غلام آزاد کرتی رہیں یہاں تک کہ چالیس غلام آزاد کر دیے۔ آپ کہنے لگیں، "کیا ایسا اچھا ہوتا کہ میں قسم کھاتے ہوئے کوئی تعداد مقرر کر لیتی تو اب تک اس کام سے فارغ ہو چکی ہوتی۔" دیگر امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دیگر امہات المؤمنین بھی غلام آزاد کیا کرتی تھیں۔ احادیث اور اسماء الرجال کے ذخیرے میں سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی کا ذکر ملتا ہے جسے انہوں نے آزاد کیا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے مشہور تابعی عالم سلیمان بن یسار کو ان کے چار بھائیوں سمیت آزاد کیا تھا۔ اسی طرح سیدہ ام سلمہ و ام حبیبہ رضی اللہ عنہما کے غلام آزاد کرنے کا ذکر بھی ملتا ہے۔

حدثنا مسدد بن مسرهد، قال: ثنا عبد الوارث، عن سعيد بن جهمان، عن سفينة قال: كنت مملوكاً لأم سلمة فقالت: اعتقتك واشترط عليك أن تخدم رسول الله صلى الله عليه وسلم ما عشت، فقلت: وإن لم تشتط علي ما فارقت رسول الله صلى الله عليه وسلم ما عشت، فاعتقتني واشترطت علي. (سنن أبو داود، كتاب العتق، حديث (3932))

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا غلام تھا۔ آپ مجھ سے کہنے لگیں، "میں تمہیں آزاد کرتی ہوں بشرطیکہ تم جب تک زندہ ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کیا کرو۔" میں نے کہا، "اگر آپ یہ شرط نہ بھی رکھیں تب بھی میں جب تک زندہ ہوں کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدائی برداشت نہ کروں گا۔" انہوں نے مجھے آزاد کر دیا اور یہ شرط برقرار رکھی۔

دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم

احادیث میں ایسے بہت سے صحابہ کا ذکر ملتا ہے جنہوں نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے غلام آزاد کئے۔ چند مزید واقعات پیش خدمت ہیں۔

حدثنا عبد الله حدثني أبي حدثنا عفان حدثنا حماد بن سلمة أنبأنا أبو غالب عن أبي

امامة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أقبل من خيبر ومعه غلامان فقال علي رضي الله عنه: يا رسول الله أخدمنا فقال: خذ أيهما شئت فقال: خذ لي قال: خذ هذا ولا تضربه فباني قد رأيت يرضى مقبلنا من خيبر وإني قد نهيت عن ضرب أهل الصلاة وأعطى أبا ذر الغلام الآخر فقال: استوص به خيراً ثم قال: يا أبا ذر ما فعل الغلام الذي أعطيتك قال: أمرتني أن استوص به خيراً فأعتقته. (مسند احمد، باب ابو امامة باهلي)

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خیبر سے واپس آئے تو آپ کے ساتھ دو غلام تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے، "یا رسول اللہ ﷺ ان میں سے ایک مجھے کام کے لئے دے دیجیے۔" آپ نے فرمایا، "جو تمہیں پسند ہے، لے لو۔" میں نے ایک کو پسند کیا تو آپ نے فرمایا، "اسے کبھی مارنا نہیں۔ میں نے واپسی پر اسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اور نماز پڑھنے والوں کو مارنے سے میں نے تمہیں منع کیا ہے۔"

آپ نے دوسرا غلام ابو ذر (غفاری) رضی اللہ عنہ کو دیا اور فرمایا، "میں تمہیں اس کے بارے میں اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔" کچھ عرصے بعد آپ نے پوچھا، "ابو ذر! میں نے تمہیں جو غلام دیا تھا، تم نے اس کا کیا کیا؟" وہ بولے، "آپ نے مجھے اس کے ساتھ اچھے سلوک کی وصیت کی تھی، میں نے اسے آزاد کر دیا۔"

حدثنا محمد بن عبد الله بن نمير، عن محمد بن بشر، عن إسماعيل، عن قيس، عن أبي هريرة رضي الله عنه: أنه لما أقبل يريد الإسلام، ومعه غلامه، ضل كل واحد منهما من صاحبه، فأقبل بعد ذلك وأبو هريرة جالس مع النبي صلى الله عليه وسلم، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: (يا أبا هريرة، هذا غلامك قد أتاك). فقال: أما إنني أشهدك أنه حر، قال: فهو حين يقول: يا ليلة من طولها وعنائها \* على أنها من دائرة الكفر نجت. (بخاری، كتاب العتق، حديث (2530))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب انہوں نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا تو ان کے ساتھ ان کا ایک غلام بھی (اسلام قبول کرنے کے ارادے سے) چلا۔ یہ دونوں حضرات راستے میں ایک دوسرے سے ٹھکڑ گئے۔ (ابو ہریرہ پہلے مدینہ پہنچ گئے) اور وہ بعد میں پہنچا تو ابو ہریرہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا، "ابو ہریرہ! تمہارا غلام بھی پہنچ گیا۔" وہ کہنے لگے، "میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ آج سے آزاد ہے۔" اس کے بعد انہوں نے شعر پڑھا، "آج کی

رات بہت لمبی لیکن بہت پیاری ہے کیونکہ اس نے مجھے دار کفر سے نجات دی ہے۔"

حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ الْأَنْصَارِيِّ: أَنَّ أُمَّهُ أَرَادَتْ أَنْ تُوَصِّيَ، ثُمَّ أَخَّرَتْ ذَلِكَ إِلَيَّ أَنْ تُصْبِحَ فَهَلَكْتُ، وَقَدْ كَانَتْ هَمَّتْ بِأَنْ تُعْتِقَ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: فَقُلْتُ: لِلْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ أَنْ يُنْفَعَهَا أَنْ أُعْتِقَ عَنْهَا، فَقَالَ الْقَاسِمُ إِنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أُمِّي هَلَكْتُ، فَهَلْ يَنْفَعُهَا أَنْ أُعْتِقَ عَنْهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَعَمْ. (موطأ مالك، كتاب العتق والولاء،

حدیث (2261)

حضرت عبدالرحمن بن ابی عمرہ الانصاری بیان کرتے ہیں کہ ان کی والدہ غلام آزاد کرنے کی وصیت کرنا چاہتی تھیں۔ اس میں کچھ تاخیر ہوگئی اور وہ وفات پا گئیں۔ عبدالرحمن نے قاسم بن محمد (بن ابوبکر صدیق) سے پوچھا، "اگر میں ان کی طرف سے غلام آزاد کروں تو کیا یہ ان کے لئے فائدہ مند ہوگا؟" قاسم کہنے لگے، "سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہی بات پوچھی تھی، "میری والدہ فوت ہوگئی ہیں۔ اگر میں ان کی جانب سے غلام آزاد کروں تو کیا انہیں اس کا فائدہ ہوگا؟" آپ نے فرمایا تھا، "بالکل ہوگا۔"

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ حَدَّثَنِي أَبِي حَدَّثَنَا أَبُو نُوحٍ قَالَ أَنْبَأَنَا لَيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنِ الزَّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنْ بَعْضِ شُيُوْخِهِمْ أَنَّ زِيَادًا مَوْلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَادَةَ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ حَدَّثَهُمْ عَنْ حَدِيثِهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ لِيَ مَمْلُوكَيْنِ يَكْذِبُونَنِي وَيَخُونُونَنِي وَيَعْصُونَني وَأَضْرِبُهُمْ وَأَسْبِهُمُ فَكَيْفَ أَنَا مِنْهُمْ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

بِحَسَبِ مَا خَانُوكَ وَعَصَوْكَ وَيَكْذِبُوكَ وَعِقَابُكَ إِيَّاهُمْ إِنْ كَانَ دُونَ ذُنُوبِهِمْ كَانَ فَضْلًا لَكَ

عليهم۔ وإن كان عقابك إياهم بقدر ذنوبهم كان كفافًا لا لك ولا عليك۔ وإن كان عقابك إياهم فوق ذنوبهم اقتصر لهم منك الفضل الذي بقي قبلك۔ فجعل الرجل يبيكي بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم ويهتف فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما له ما يقرأ كتاب الله ونضع الموازين القسط ليوم القيامة فلا تظلم نفس شيئًا وإن كان مثقال حبة من خردل أتينا بها وكفى بنا حاسبين۔ فقال الرجل: يا

رسول اللہ ما آجد شیئًا خیرًا من فراق هؤلاء یعنی عیبہ انی اشہدک انہم لآخر از کلہم۔

(مسند احمد، باب عائشہ)

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صاحب آ کر آپ کے قریب بیٹھ گئے اور کہنے لگے، "یا رسول اللہ! میرے کچھ غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں، خیانت کرتے ہیں اور میری بات نہیں مانتے۔ میں نے انہیں مارا ہے اور برا بھلا کہا ہے۔ میں انہیں کس طریقے سے اس سے باز رکھوں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اگر تم نے ان کی خیانت، نافرمانی اور جھوٹ کی نسبت کم سزا انہیں دی ہے تو یہ ان پر تمہاری مہربانی ہے۔ اگر تم نے ان کے جرائم کے مطابق سزا دی ہے تو معاملہ برابر برابر ہے۔ نہ تو تمہاری مہربانی ہے اور نہ ہی تم پر کوئی ذمہ داری ہے۔ اگر تم نے ان کے جرائم کی نسبت انہیں زیادہ سزا دی ہے تو پھر یاد رکھو کہ جتنی زیادتی تم نے کی ہے، اس کا تم سے حساب لیا جائے گا۔"

(ان صاحب پر اس بات کا تاثر ہوا کہ) وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے زور زور سے رونے لگے۔ حضور نے فرمایا، "کیا تم اللہ کی کتاب میں نہیں پڑھتے کہ ہم قیامت کے دن میزان لگا دیں گے۔ کسی شخص پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔ اگر کسی نے مٹی کے ذرے کے برابر بھی (نیکی یا برائی) کی ہوگی تو ہم اسے اس کا بدلہ دیں گے اور ہم حساب کرنے کے لئے کافی ہیں۔" وہ شخص یہ سن کر کہنے لگا، "یا رسول اللہ! میرے لئے ان غلاموں کو چھوڑنے سے بہتر کوئی بات نہیں ہے۔ میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ وہ سب کے سب آزاد ہیں۔"

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هُرَيْمٌ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادٍ: أَنَّ الْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ مَرَّ بِرَاعٍ يَرْعَى، فَأَتَاهُ بِشَاةٍ فَأَهْدَاهَا لَهُ، فَقَالَ لَهُ: حُرٌّ أَنْتَ أَمْ مَمْلُوكٌ؟ فَقَالَ: مَمْلُوكٌ، فَرَدَّهَا عَلَيْهِ، فَقَالَ: إِنِّي لَأُحِبُّ، فَاقْبَلْهَا مِنْهُ، ثُمَّ اشْتَرَاهُ وَاشْتَرَى الْغَنَمَ، وَأَعْتَقَهُ وَجَعَلَ الْغَنَمَ لَهُ. (ابن ابی شیبہ، حدیث (23642)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما ایک چرواہے کے پاس سے گزرے جو کہ بھیڑیں چرا رہا تھا۔ اس نے ایک بھیڑ ان کی خدمت میں تحفہ پیش کی۔ آپ نے پوچھا، "تم آزاد ہو یا غلام ہو؟" اس نے کہا، "غلام ہوں۔" آپ نے بھیڑ اسے واپس کر دی۔ اس نے کہا، "یہ میری اپنی ہے۔" آپ نے جب اس کا تحفہ قبول فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے اس غلام کو پورے گلے سمیت خرید لیا اور اسے آزاد کر کے تمام بھیڑ بکریاں اسے تحفہ دے دیں۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حَمَّادٍ ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ ثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدُّورِيُّ

حدثنی أبو نعیم الفضل بن دکین ثنا زہیر عن لیث عن مجاہد عن علی بن عبد اللہ بن عباس قال أعتق العباس عند موته سبعین مملوکا ۔

(مسند لہ حاکم، حدیث (5402))

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد عباس نے اپنی وفات کے وقت ستر غلاموں کو آزاد کیا۔

### اختتامی کلمات شرح ہدایہ جلد ہفتم

الحمد للہ! ہم آج بروز جمعرات ۷ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ بمطابق ۲۸ جون ۲۰۱۲ء کو شرح ہدایہ کی ساتویں جلد کے اختتامی کلمات لکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکر گزار ہیں کہ جس نے مجھ سے جیسے بندہ نہ کارہ کو یہ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ آج دنیائے عالم میں اس امر کی ضرورت ہے کہ اسلام کی حقانیت لوگوں پر واضح کی جائے۔ کیونکہ اس دنیا میں اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے اس دنیا سے غلامی کا خاتمہ کیا ہے۔ اور دنیا سے غلامی کے خاتمے کا شرف صرف مذہب اسلام کو حاصل ہے۔ اسلام کے سوا دیگر مذاہب اپنانے والوں کو غور کرنا چاہیے کہ اسلام کی صداقت کو سورج کی کرن سلام کرنے والی اور وقت کا ہر لمحہ خراج تحسین پیش کرنے والا ہے لہذا تمام باطل مذاہب کو چھوڑ کر اسلام کو اپنا مذہب بنا لیتا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو قارئین کیلئے اور دینی مدارس کے طلباء اور تمام مسلمانوں کیلئے نفع مند بنائے اور میرے لئے، میرے والدین و اساتذہ کرام کیلئے اس کتاب کو بخشش کا سبب بنائے۔ آمین بجاہ النبی المکریم ﷺ۔

محمد لیاقت علی رضوی

چک سنتیکا بھاوانگر



ابوالعلا محمد بن محمد بن ابی حمزہ و تصانیف ترجمہ شرح و تخریج کی ہولی کتب



فتوحات جماعی شرح صحیح بخاری

المرفوعہ

جمال السنہ

آئمہ اربعہ کی روایت کی پہلی واحد متنوع شرح



شبیر برادرز

نہیدہ سنٹر، بازار لاہور

فون: 042-37246006